منتخب ملفوظات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

انتخاب وتوضیح

مولانا یحییٰ نعمانی

منتخب ملفوظات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ



انتخاب وتوضیح

مولانا یحییٰ نعمانی

مکتبۂ احسان لکھنؤ

منتخب ملفوظات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

انتخاب وتوضیح

مولانا یحییٰ نعمانی

نام کتاب : **منتخب ملفوظات**

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

انتخاب وتوضیح : مولانا یحییٰ نعمانی

صفحات : ۷۲۰

باہتمام

محمد طاہر احسان ومولانا عرفان ندوی

MUNTAKHAB MALFOOZAT

HKEEMUL UMMAT HAZRAT MOULANA ASHRAF ALI THANWI

Edition :2022 Pages :

مکتبۂ احسان لکھنؤ

MAKTABA AHSAN

504/119, Tagore Marg, Daliganj, Lucknow-20 (U.P.)
Mobile No.: 9793118234 9335982413
E-mail : maktabaahsan1@gmail.com

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وبہٖ نستعین

مقدمہ

داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب حیدرآباد

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نو اللہ مرقدہٗ چودھویں صدی ہجری کے اکابر علماء ومشائخ میں سے ایک عالم ربانی وشیخ روحانی تھے، اتر پردیش کے ضلع مظفر نگر قصبہ ? تھانہ بھون سے وطنی تعلق رکھتے تھے جو کسی زمانہ میں راجہ بھیم کا علاقہ تھا اور بہت بڑی آبادی پر مشتمل تھا، آپ کے والد ماجد صاحبِ مال وجائے دادرئیس تھے، دادھیال فاروقی ناھیال علوی تھا، دونوں نسبتوں کے آثار آپ کی زندگی میں نمایاں تھے، آپ کا نام وقت کے ایک مشہور مجذوب نے ولادت سے قبل ہی ''اشرف علی'' تجویز کر دیا تھا، آپ کا لقب حکیم الامت، مجدد الملت تھا، چوں کہ ایک خوش حال اور مہذب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، اس کا اثر آپ کی تربیت میں شامل تھا، آپ کے والد نے اپنے دو بیٹوں میں سے چھوٹے بیٹے اکبر علی کو عصری تعلیم میں اور بڑے بیٹے کو دینی تعلیم میں مشغول کر کے بڑی توجہ اور ذمہ داری سے تعلیم دلائی تھی، اور دونوں نیا پنے اپنے میدانوں میں نمایاں کام انجام دئے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس زمانے کے رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم تو خاندان کے بزرگوں سے حاصل کر لی تھی لیکن علوم عالیہ کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رُخ فرمایا، شیخ الہند مولانا

محمود الحسن دیوبندی اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہما اللہ جیسے اساطین علم وفضل سے درس نظامی کی تکمیل کر کے سن ۱۳۱۰ھ میں بہ عمر بیس برس سندِ فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ جامع العلوم کان پور میں تدریسی وتبلیغی خدمات سے وابستہ ہوئے اور چند برس میں اس علاقے کے اطراف واکناف میں مایہ ناز اور مقبول واعظ کی حیثیت سے ہر طرف شہرت وقبولیت پا گئے۔

مواعظ وبیانات میں کتاب وسنت کی ایسی واضح تفسیر وتشریح فرماتے تھے کہ بلالحاظ مسلک ومشرب لوگ شریک رہتے تھے اور تین تین گھنٹے انہماک وتوجہ سے سماعت کرتے تھے، عوام تو عوام علماء بھی استفادے کو شرف سمجھتے تھے، ایک مرتبہ پورے ایک مہینے تک صرف نماز کی اہمیت پر مسلسل پورے شہر میں خطاب فرماتے رہے، تا آں کہ مسجدیں آباد ہوگئیں اور جاہل سے جاہل کو نماز سیکھنے کا شوق پیدا ہوگیا۔

علومِ ظاہرہ کے فیوض کا یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے علومِ باطنہ وجمالِ روحانی کی تکمیل کا غیبی سامان فرمادیا، یوں تو بچپن ہی سے آپ اہل اللہ ومجاذیب کے منظورِ نظر ومُبَشّر تھے، طالب علمی میں بھی متبعِ سنت مشائخ اور ذکر وشغل کی طرف طبیعت کا بہت میلان رہا، اخیر طالب علمی میں امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو دارالعلوم دیوبند میں دیکھا تو دیوانہ وار دوڑ کے ان کے پاس پہنچے اور بیعت کی درخواست کی، مگر وہ چوں کہ طلبہ کو تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دینے کے لئے کہتے تھے اس لئے بیعت نہیں فرمایا۔ بعد ازاں انہی کے ذریعے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے پاس خط بھیجا کہ وہ مولانا سے بیعت کی سفارش فرمادیں مگر عجیب بات ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے بہ جائے ان سے سفارش کرنے کے خود ہی غائبانہ بیعت فرمالی، مزید برآں تائید غیبی یا مناسبتِ قلبی سے حضرت کے والد کو خط لکھا کہ آپ حج کے لئے آئیں اور ساتھ میں اپنے بڑے بیٹے کو بھی لیتے آئیں، چناں چہ دونوں گئے، ملاقات کے بعد شیخ نے مُرید کو بالمُشافہ بیعت کر کے یہ فرمائش کی کہ چھ مہینے یہاں رہ جاو؟ بہت نفع ہوگا، مگر حضرت کے والد نے جدائی کو پسند نہیں

کیا تو شریعت کے اتباع میں شیخ سے معذرت کر لی اور والد کے ساتھ واپس ہو گئے، لیکن جب والد کا وصال ہو گیا تو انتفاء عذر کے بعد حکمِ شیخ کی تعمیل میں مکہ مکرمہ پہونچ گئے اور قریب چھ ماہ رہ کر وہ مقام حاصل کیا کہ دونوں کے مزاج و مذاق یکساں ہو گئے، حضرت حاجی صاحبؒ کی کوئی بات سامعین نہ سمجھ پاتے اور دوبارہ سمجھنا چاہتے تو حضرت حکیم الامتؒ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے ان سے سمجھ لو۔ کانپور کی خدماتِ دینیہ کو چھوڑ کر تھانہ بھون منتقل ہونا بھی اپنے شیخ کے منشاء کی تعمیل میں تھا، ورنہ حضرت تھانویؒ کے علم و فضل اور علوم متداولہ میں درک و کمال کا یہ حال تھا کہ وہ چاہتے تو ملک کے بڑے سے بڑے شہر اور عظیم جامعات کے مطلوب و مدعو ہوتے، تاہم انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے فیضان کے واسطے اپنے وطن کی اسی چھوٹی سی مسجد و مدرسے کا انتخاب کیا جو کسی زمانے میں دکانِ معرفت کہلاتی تھی اور جسے اُن کے شیخ کی نسبت حاصل تھی، جس میں شیخ محمد تھانوی اور حافظ ضامن شہید جیسے اکابر اولیاء و اتقیاء نے برسہا برس تک ریاضت و مجاہدہ کیا تھا، چناں چہ دنیا جانتی ہے کہ حضرت تھانویؒ کے تھانہ بھون رونق افروز ہونے اور اس مسجد و مدرسہ کی خدمات سنبھال لینے کے بعد یہ مسجد نہ صرف دکان معرفت باقی رہی بلکہ مرکز سنت و شریعت اور مرجع تعلیم و تربیت بھی بن گئی، جس سےکوئی چھ دہائیوں تک ایک دنیا فیض اٹھاتی رہی، یہ خانقاہ تنہا ان کی وجہ سے بہ یک وقت مسجد، مدرسہ، خانقاہ، دارالافتاء، دار التصنیف والتحقیق سب کچھ تھی، بہ قول رمزی اٹاوی؎

محدث، مفسر، مجتہد، فقیہ، عالم، حافظ و قاری
بہ ایں اوصافِ حمیدہ تکبر سے بری اظہار سے عاری

حکیم الامت حضرت تھانویؒ جہاں ایک بہترین خطیب اور مایہ ؟ ناز محقق تھے وہیں مفسر قرآن فقیہ بابصیرت اور مربی ؟ بے مثال اور پیر طریقت بھی تھے، ہزاروں وعظ فرمائے، سینکڑوں فتاویٰ جاری کئے، سیکڑوں کتابیں لکھیں، اور لکھوائیں، ہزاروں سالکین کی سلوک میں راہ نمائی کا

فریضہ انجام دیا، اور بھی بے شمار کام کیئے جن کی اللہ نے انہیں توفیق دی تھی لیکن سب سے زیادہ جس ذریعے سے آپ کے علوم ومعارف کے چشمہ ? فیاض نے امتِ مسلمہ کو سیراب کیا اور عملی زندگیوں میں ورع وتقویٰ کے بام عروج تک پہنچایا وہ آپ کے مواعظ وملفوظات ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کو گنجینہ ? علوم ومعارف بنادیا تھا، ان کی ہر بات عقل ونقل کی کسوٹی پر یکساں اُترتی تھی، بڑے بڑے علماء عش عش کرتے اور پوچھتے کہ آپ کونسی کتب مطالعہ فرماتے ہیں، یہ علوم ومعارف کہاں سے اخذ فرماتے ہیں؟ جواباً فرماتے "میں نے کتب تو کچھ زیادہ نہیں دیکھیں البتہ چند قطب دیکھے ہیں یہ سب ان کی برکات ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ جیسے نابغہ ? روزگار، بالغ نظر اور محقق ومو? رخ وادیب بھی مجلسِ اشرف میں حاضری کے بعد حیرت واستعجاب میں رہ گئے اور فرمانے لگے

جانے کس انداز سے تقریر کی پھر نہ شبہہِ باطل ہوا
آج ہی پایا مزہ قرآن میں جیسے قرآں آج ہی نازل ہوا

مقبولیت کا یہ عالَم تھا کہ مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کے نکاح میں جمعہ کے بعد سے بیان شروع کیا تو مغرب تک چلتا رہا، درمیان میں نمازِ عصر ادا کی گئی، مغرب سے قبل جب اپنی بات سمیٹنے کا ذکر کیا تو سامعین نے نہ سمیٹنے اور جاری رکھنے کی درخواست کی تھی، یہ حال تھا بیان میں تسلسُلِ علوم ومعارف کا۔

مختصر یہ کہ امور شرعیہ میں دقیق وحقیق نظر تو بہت علماء کو حاصل رہتی ہے لیکن حِکَمِ شرعیہ اور معارفِ ربانیہ میں کم ہی علماء کمال حاصل کر پاتے ہیں، حکیم الامتؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم وعرفان کا جامع اور اس میں کامل بنایا تھا، تمام اکابر دیوبند نے انہیں اس امتیاز کے ساتھ متصف مانا اور خوب فائدہ اُٹھایا تھا۔ حضرت کے یہ مواعظ وملفوظات اسی وقت محفوظ کر لئے جاتے تھے، خاص بات یہ ہے کہ خود حضرتؒ اُن پر نظر ثانی فرماتے کوئی نام تجویز کرتے اور اسی وقت زیورطبع سے آراستہ ہوکر

پورے ملک میں ہر طرف پھیل جاتے تھے،ملفوظات میں ''الافاضات الیومیہ عن افاداتِ القومیہ'' کے نام سے جو سلسلہ چلا وہ کافی مقبول عام ہوا اور اب بھی ہے۔

حضرتؒ کی زبان اپنے وقت کے بہترین ادب کی عکاس ہے،اُس زمانے میں لوگ سمجھتے بھی تھے،علماء بولتے بھی تھے مگر مرورِ زمانہ کے ساتھ خود مسلمانوں نے انگریزی زبان کی ہوس میں اردو زبان کے ساتھ جو ناروا سلوک روا رکھا اس کے نتیجے میں اب مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ بل کہ وہ طبقہ بھی جو دین اور دینی خدمات کے ساتھ وابستہ ہے حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات کو بہ آسانی نہیں سمجھ سکتا ہے،اس لئے ضرورت تھی کہ افادہ؟ عام کی خاطر حضرتؒ کے ذخیرہ؟ ملفوظات کا انتخاب اوران کی تسہیل کی جائے،تاکہ ان دُرِّ نایاب کی رسائی ہر کسی قدرداں تک ہوسکے۔

مولانا یحییٰ نعمانی سنبھلی دامت برکاتہم (ناظم دارالعلوم الصفۃ لکھنو) کواللہ پاک جزائے خیرعطا فرمائے کہ انہوں نے حضرتؒ کے ملفوظات کو اپنی صلاح وفلاح کی نیت سے طویل عرصے تک زیرِ مطالعہ رکھا اور اُن کے منتخبات اکھٹا فرماتے رہے، نیز بڑی احتیاط کے ساتھ ضرورت کے مواقع پر تسہیل وتوضیح کا کام بھی انجام دیا، بہ قول ان کے ملفوظ میں کوئی تغیر وتبدل کی جرأت نہیں کی ،صرف قوسین میں ملفوظ فہمی کے لئے درکار مدد شامل کردی۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ حضرت مولانا محمد زکریا سنبھلی مدظلہ العالی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء کے فرزندِ ارجمند،حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کے نبیرہ؟ سر بلند اور مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی مدظلہ کے ہمشیرزادہ ہیں،مولانا کو راقم سطور نے قریب سے دیکھا ہے اور بار بار دیکھا ہے، وہ ایک بابصیرت عالمِ دین اور اچھے قلم کار وادیب ہونے کے علاوہ تدیُّن وتقویٰ اور اتباعِ سنت کا ذوق کامل رکھتے ہیں۔اُن کو عظیم المرتبت والدگرامی کی خصوصی توجہ اور پوری تربیت حاصل رہی ہے، جو بہ جائے خود کافی تھی ،مگر انہوں نے باقاعدہ طور پر حضرت مولانا سید مکرم حسین کاظمی سنسارپوری صاحب مدظلہ العالی سے کسبِ فیض اور تکمیلِ سلوک کی سعادت بھی حاصل کی

ہے۔ حکیم الأمت حضرت تھانویؒ کے ملفوظاتِ مبارکہ سے مولانا کو دل چسپی اور خصوصی اُنسیت کہنا چاہیے اُنہی کے ذریعے ملی۔ یہ تفصیل میں نے اُنہیں خوش کرنے کے لئے نہیں، قارئینِ کتاب کو مطمئن کرنے کے لئے لکھی ہے کہ اس انتخاب نامے کو پورے اعتماد کے ساتھ ملاحظہ کرسکیں اور خوب فائدہ اُٹھاسکیں۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ملفوظات حکیم الأمت ؒ کے اس سنہرے انتخاب اور محتاط تسہیل کو شرفِ قبول عطا فرمائے، مرتب کے لئے ذخیرہ ؟ آخرت اور اُمت کے لئے ذریعہ ؟ موعظت ونصیحت بنائے۔ آمین۔

والسلام علی النبی الکریم

محمد عبدالقوی غفرلہٗ

۱۳/ جمادی الأولیٰ ۱۴۴۳ھ

عرضِ مرتب

حکیم الامت حضرت تھانوی کی مجلس ارشاد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اصلاح وتربیت اور تزکیہ وارشاد میں جو رفیع المقام مرتبہ حاصل تھا وہ واقفِ حال اصحاب نظر ہی جانتے ہیں۔ قصہ مختصر وہ دین کے اس شعبہ کے عظیم مجدد تھے۔ یہ شعبہ جو احسان واخلاص اور یقین ومحبت سے باطن کی آبادی کا شعبہ ہے، یہ دین وشریعت کی روح کا درجہ رکھتا ہے۔ انہی چیزوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے دلوں میں اللہ کی محبت اور یقین کی صفات پیدا کیں تھیں۔ اور انہی سے اپنی امت کے باغ میں دین کا حسین وپر بہار باغ لگایا تھا۔

دین کو جو چیز مرغوب ومحبوب بناتی ہے وہ محبت الٰہی کی طاقت ہی ہے۔ یہی چیز معصیت سے طبعی نفرت پیدا کرتی اور دنیا کی محبت کو دل سے نکالتی ہے۔ یہ حقیقت بھی ہر دانا پر روشن ہے کہ یہ صرف یقین کی طاقت ہے جو دنیا کی شان وشوکت کی عظمتوں کو بے حیثیت بنا دیتی اور جسم ودل کے ہر امتحان میں انسان کو سنبھالتی ہے۔ اور اس سے بھی سب آگاہ ہیں کہ انسانی نفس میں موجود مال ومنصب کی چاہ، شہوت اور کبر ونخوت کے میلانات ہی اس کے عمل وکردار کو فاسد ومتعفن بنانے اور رحمت الٰہی سے اس کی دوری ومہجوری کے اصل سبب ہیں۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ تربیت وتعمیر کردار میں اصل محنت کا مرکز شخصیت انسانی کا یہی پہلو رہتا ہے۔ شریعت کی خاص اصطلاح میں قلب ونگاہ اور فکر وعمل کو انہی رذائل سے پاک کرنے کا نام تزکیہ نفس واخلاق ہے۔ اور اسی محبت ویقین کے پیدا کرنے کا دینی عنوان احسان واخلاص ہے۔ عرف عام میں اسی کا عنوان تصوف قرار پایا ہے۔ یہ شعبہ دین وایمان کی روح اور ان کا اصل جوہر ہے، نیز ان سے غفلت سے دین میں بڑی خرابیاں آجاتی ہیں۔

لیکن نظام دین میں اپنی اس اہمیت کے باوجود یہ شعبہ ایک عرصے سے عامیانہ غلط فہمیوں اور غالیانہ التباسات کے دبیز پردوں میں مستور ہوا جارہا تھا۔ سلوک وطریقت کے علم کو اچھے اچھے اصحاب فہم بھی ایسا غامض ودقیق فن خیال کرنے لگے تھے جو صرف غیر معمولی ذہانت بلکہ القاء والہام ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اوراس کی عملی تحصیل کے بارے میں سمجھ لیا گیا تھا کہ یہ ایسی پُر مشقت وپُر خارراہ ہے کہ اِس کی آبلہ پائی بس چند عالی حوصلہ تارک الدنیا قسم کے بزرگوں کے بس کی بات ہے۔

لہٰذا ایک طرف حقیقت یہ تھی کہ اِس شعبۂ دین کی ضروری حد تک تحصیل ہر فرد مسلم پر واجب اوراس کے دین کی سلامتی کے لیے ضروری تھی، نیز باغِ دین میں یہ سب سے حسین ودل ربا چمن اور کیف آور وسرور آگیں گلشن تھا، دوسری طرف عملاً یہ سمجھا جاتا تھا کہ تزکیہ وصفاء باطن کا حصول چند اعلیٰ درجے کے خواص اور خشک طبع تارک الدنیا قسم کے لوگوں کے بس کی بات ہے۔ دین کے جس شعبہ کے عارفین واہل تجربہ کا ایک معتد بہ تعداد میں ہر دور اور ہر علاقہ میں وجود ضروری ہے اسی شعبے کے فہم وعرفان سے ہمتیں عاجز ہوگئی تھیں۔ یہی نہیں طریقت کو شریعت سے جدا بلکہ اس کا حریف ماننے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔

تزکیہ ونور باطن کی گراں بہا دولت کے بازار میں، اصل میں نقل اور علم میں جہل کی آمیزش عام تھی۔ تزکیہ وصفاء باطن کے بجائے ریاضات، انوار واَلوان، شعبدوں اور تصرفات کو مقصود خیال کیا جانے لگا تھا۔ حقیقت عموماً خرافات میں مستور تھی۔ اہل اللہ کی پہچان بس ان کے تصرفات وعملیات سے ہونے لگی تھی۔ ان کے حالات وحکایات میں یہ عنصر اتنا غالب کردیا گیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ والوں کا کام بس شعبدے دکھانا ہے۔ اوران کے دنیا میں آنے کا مقصد محض قانون قدرت توڑتے رہنا ہے۔ یہاں تک کہ کم سواد سمجھنے لگے کہ ان سے حاصل کرنے کی بس یہی چیز ہے۔

یہ تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی کے آغاز کا دور ہے۔ اگرچہ بازار میں ابریز خالص کے تاجر اور نور صافی کے حاملین بھی ہوا کرتے تھے۔ جابجا نور قلب کی دولت بانٹنے والوں کی ایک تعداد پائی ضرور جاتی تھی۔ پھر آخر دور میں گنگوہ ورائے پور کی خانقاہوں سے تجدیدِ طریقت کا غلغلہ بھی بلند ہوچکا تھا۔ اور محفلِ درد میں شریعت وطریقت کی آمیزش سے اک جامِ سبک روح گردش میں آچکا تھا۔

لیکن اس کارنامے کا اتمام بلا شک وریب حکیم الامت مجدد طریقت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کے ذریعہ ہی ہوا۔ اس اہم دینی حقیقت پر چھائے خرافات واوہام اور رسوم کے غبار کو جس باد صبا نے اچھی طرح چھانٹا وہ تھانہ بھون ہی سے چلی تھی اور انفاسِ اشرف سے ہی پیدا ہوئی تھی۔

بلا کسی تردد کے کہا جا سکتا ہے کہ سلوک وتصوف کی ایسی تنقیح وتفصیل اور ایسی تسہیل وتفہیم اسلامی تاریخ میں کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ ائمۂ سلوک کے وہ علوم جو یا تو متفرق کتابوں میں منتشر تھے یا زبانی روایات اور عملی تسلسل سے منتقل ہوتے آئے تھے، وہ مرتب ہو کر سامنے آ گئے۔ طریق کے رسوم اور مقاصد کو الگ کر کر کے بیان کیا گیا۔ ہر جز کا صحیح مقام طے کیا گیا۔ طریق کے مقاصد ووسائل، حقائق ورسوم، مطلوب، غیر مطلوب، نیز محمود لیکن غیر مطلوب احوال والوان جیسی بے شمار ایسی تقسیمات تھیں جن کے واضح نہ ہونے سے اہل طریق سخت التباس وابتلاء کے شکار تھے۔ ان سب کو صاف ومنقح کر دیا گیا۔ غرض اس شعبۂ دین کی ایسی تجدید رو بہ ظہور ہوئی کہ ہر سلیم الفطرت کے لیے راہ سلوک سہل وروشن ہو گئی اور طریقت ایک پُر کیف راہ اور تصوف ایک شوق انگیز منزل بن گئے۔ خود مجلس میں کسی کے سوال پر ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ فن سلوک وتصوف کی تو ایسی خدمت ہو گئی کہ ان شاء اللہ اب دو سو برس تک ضرورت نہیں پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ جس سے اپنا کام لینا چاہتا ہے اس کے عجیب اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے۔ حضرت کے وقت میں کیسی برکت دی گئی تھی اس کا اندازہ چھوٹی بڑی آٹھ سو سے زائد تصنیفات کی تعداد سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ اس شخص کی تصنیفات کی تعداد ہے جو پوری زندگی ذاکر شاغل، شب بیدار اور معمولات کا پابند رہا۔ ایک مدت تک تدریس کرتا ہے۔ پھر طول طویل تبلیغی اسفار بھی کرتا رہتا ہے۔ روزانہ ملنے آنے والوں کی تعداد دسیوں کی بلکہ بسا اوقات چالیس پچاس کی ہے۔ صرف ملاقات نہیں، ان کے ساتھ روزانہ ایک دو مرتبہ اصلاحی مجلس بھی ہوتی ہے۔ بیسیوں مریدین کے خطوط روزانہ آتے ہیں جن کا ان کے حالات کے مطابق جواب بھی دیتا ہے۔ وہی شخص ایک مکمل دارالافتاء بھی ہے، فقہی اکیڈمی بھی ہے، تحقیقی مجلس بھی ہے.... اس کی کیا توجیہ کھلی خداوندی توفیق ومدد اور کرامت کے علاوہ کی جا سکتی ہے؟

ولیس علیٰ اللہ بمستغرب　　أن یجمع العالَم فی واحد

اسی توفیق ومدد کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ اس دور میں جب آج کے ترقی یافتہ آلات تو دور کی بات، ٹیپ رکارڈر تک نہیں تھا، اس بندۂ خدا کے سیکڑوں عوامی خطابات قید تحریر میں لائے گئے اور شائع ہوئے، اور اسی طرح مجلسی ملفوظات لکھے گئے اور عوامی افادے کے لیے شائع کیے گئے۔ زیرنظر مجموعہ انہی مجلسی افادات سے انتخاب ہے۔

قلب ونظر اور عملی کردار کی اصلاح میں اہل اللہ کے ملفوظات وحالات کی تاثیر بے نظیر ہے۔ سلوک وتربیت کی راہ کے تجربہ کاروں نے گواہی دی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت کا کسی درجہ میں کوئی بدل ہوسکتا ہے تو وہ ان کی سوانح اور ملفوظات سے شغف رکھنا ہے۔ حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ جیسے جامع ملفوظات اس کم علم کی نظر میں اور کوئی نہیں۔ ان میں ہر قسم کی اصلاح کا سامان ہے۔ نفس کی پوشیدہ بیماریوں کی تشخیص، شیطانی شبہات ومکائد کی تعیین، علاج واصلاح کی تدبیر اور قلب کی صفائی اور روح کی جلاء تو خیر ان مجالس کا موضوع ہی تھا، لیکن ان ملفوظات کی خالص علمی وفکری قدر وقیمت بھی بہت زیادہ ہے۔ دینی علم وفکر کے بے شمار عقدے بھی یہاں حل ہوتے ہیں اور ایسے حل ہوتے ہیں کہ مجھ جیسے طالب علم کو بے شمار مقامات پر دریا کوزہ میں قید ملا۔ اور چند سطروں نے وہ مختصر ودوٹوک بات بتائی جو بلا مبالغہ ضخیم کتابوں سے نکالنا مشکل تھی۔ مختلف تاریخی قسم کے معرکۃ الآراء مسائل میں ایسی متوازن اور معتدل بات ملی کہ طبیعت وجد میں آ گئی۔

کوئی حقیقت میں فائدہ اٹھانے والا ہو تو نہ جانے کتنا فائدہ اٹھائے، اس کے قلب وروح کو کیسی غذا ملے اور سلوک کی کتنی منزلیں سہولت سے طے کر لے!! لیکن مجھ جیسا نااہل بھی (جو مطالعہ کی کافی راہ طے کر کے اور علم وفکر کے گوناگوں حلقوں میں گھوم کر مجلس اشرف میں پہنچا تھا) اس احساس سے عاری نہیں رہا کہ دینی اصلاح کی یہ دولت بے نظیر ہے۔ اور قلب ونظر کی اصلاح کا ایسا خزانہ یکجا کہیں نہیں ملتا۔ ذوق ودل نے گواہی دی کہ:

دین کا صحیح ذوق اور متوازن عملی دین داری کی صحیح پہچان ملفوظاتِ تھانوی کے ذریعے جیسی ہوسکتی ہے ویسی شاید ہی کسی اور ذریعے سے ہو سکے۔ اور یہاں اس کا جیسا صحیح

سانچہ ملتا ہے شاید ہی کہیں اس سے بہتر ملے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو یہاں ہے وہ کہیں اور نہیں، بلکہ یہاں جو ہے وہ ہے سب سلف سے ہی ماخوذ، لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ سب ایسا یکجا کہیں اور نہیں ملتا۔ تفسیر وحدیث وفقہ اور کلام وسوانح وتصوف وغیرہ کی بے شمار کتابوں میں جو منتشر ہے وہ یہاں جمع بھی ہو گیا ہے اور نہ صرف جمع بلکہ توفیق خداوندی سے اس کا نہایت نشاط انگیز عطر بھی کشید ہو گیا ہے۔ اس عاجز کو اتنی بڑی بات کہنے کی ہمت بہت کم بار ہی ہوئی، اور وہ بھی بس چند اہل ذوق کے سامنے۔ کسی نے تعجب کیا اور کسی نے شاید جلد بازی میں کیا فیصلہ سمجھا۔ لیکن کچھ عرصے پہلے اس مضمون کی تصدیق ایک مرد دانا وکامل اور عالم جلیل سے مل گئی۔ مخدومنا شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی (اطال اللہ عمرہ ومدّ فیضہ) نے (دار العلوم کراچی ۱۴۳۰ھ میں دورۂ حدیث کے طلبہ سے خطاب میں) بڑے وثوق وقوت سے یہ مضمون بیان کیا۔ ارشاد فرمایا:

> میرے نزدیک اس دور میں دین کی صحیح سمجھ پیدا کرنے کے لیے، دین کا صحیح طریقہ سیکھنے کے لیے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی تالیفات، ان کے مواعظ وملفوظات سے بڑھ کر کوئی شے مؤثر نہیں۔ کوئی مجھے شخصیت پرستی کا طعنہ دے تو دیا کرے۔ کوئی مجھے کہے کہ یہ جانب داری سے کام لے رہا ہے تو کہا کرے۔ لیکن پہلے یہ بات تقلیداً مان لی تھی، اب تحقیقاً کہہ رہا ہوں کہ دین کی سمجھ اور اس پر عمل کا جو مزاج ومذاق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی تصانیف اور مواعظ وملفوظات میں ملے گا، اِس دور میں کہیں اور نہیں ملے گا۔

(بحوالہ: دعوت فکر وعمل، از حضرت مولانا محمد سلیم دھورات مدظلہ، برطانیہ)

مجھے شخصی طور پر حکیم الامت قدس سرہ کے مواعظ سے بھی زیادہ ملفوظات سے نفع محسوس ہوتا تھا۔ ایک مقام پر خود حضرت قدس سرہ کا یہ افادہ کسی ملفوظ میں نظر سے گزرا کہ اہل اللہ کے مواعظ کے مقابلہ میں ان کے مجلسی ملفوظات سے زیادہ نفع ہوتا ہے۔ پس اپنے خیال پر اطمینان ہو گیا۔ حضرت کی مجلس میں حاضر ہونے والے بعض بڑے اہل علم اور رمز شناس اہل ذوق کو خیال ہوا کہ یہ قیمتی خزانہ جمع ہونا چاہیے، لہٰذا ان کی بر موقع تحریر کا انتظام کروایا گیا۔ ان ملفوظات کے مختلف مجموعے شائع ہوا کرتے

تھے۔ اب یہ قیمتی ارشادات تیس جلدوں میں ملفوظات تھانوی کے نام سے آتے ہیں۔ یہ خود مجلسی گفتگوؤں کا انتخاب ہیں، اور عموماً اہل علم وذوق کے ذریعے جمع کروائے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض تو نامور امام طریقت مشائخ اور جلیل القدر علماء تھے۔ پھر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے خود ان پر نظر ڈالی اور حذف واضافہ فرمایا، اس لیے مکمل مجموعہ ہی قیمتی اور مفید مواد پر مشتمل ہے۔

راقم نے مطالعے کے دوران اپنے ذوق کے مطابق کچھ ارشادات نشان زد کر دیے تھے۔ یہ مجموعہ ان ہی ملفوظات پر مشتمل کشکول ہے۔ یہ کوئی تلخیص نہیں ہے، اصحاب ہمت تو تمام ہی ملفوظات سے شغل رکھتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ اس کم ہمتی کے دور میں تیس جلدوں کا پڑھنا شاق سمجھا جاتا ہے، ان کا ایک عمومی مختصر انتخاب حاضر ہے۔ اس میں یہی مناسب سمجھا گیا کہ ان ارشادات کو کسی قسم کی منطقی یا علمی ترتیب نہ دی جائے۔ بلکہ یونہی ایک مجلسی گفتگو کی طرح گوناگوں رنگ برنگی باتوں کے مجموعہ کے طور پر ہی پیش کیا جائے۔ اسی میں بوقلمونی کا حسن وجلوہ زیادہ ہے، اور فائدہ وتاثیر بھی۔

قریب قریب ہر ملفوظ ایک مستقل ہدایت وتعلیم اور اصلاح علم وعمل کا چشم کشا نسخہ ہے۔ اس کو روانی اور رواروی میں نہ پڑھیے گا، بلکہ غور وتدبر کے ساتھ نیز دل میں بٹھا لینے کی کوشش کے ساتھ پڑھیے گا تو ضرور نفع ہوگا۔ کچھ مضامین مکرر بھی ہیں۔ لیکن اصل مقصود چوں کہ قلبی احوال اور اخلاق وعمل کی اصلاح اور حقائق دین کی تفہیم ہے اس لیے مکرر یاددہانی ہی مفید ہوتی ہے۔

راقم سطور کا احساس ہے کہ اس دور میں خاص طور سے طبقۂ علماء اور فارغین مدارس کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہمارے بگاڑ کی اصلاح کا جو خاص طریق تصوف وتزکیہ کے موروث نظام کی شکل میں ہمارے پاس موجود تھا وہ اب پھر رسمیت، ظاہر داری، محض بیعت وانتساب، حلقہ آرائی اور ''ہو، حق'' تک محدود ہوتا جارہا ہے۔ مدارس اور دینی حلقوں میں بھی یہ مصیبت پائی جاتی ہے۔ افسوس! مشک سے خوشبو معدوم ہوتی جارہی ہے۔ یہ مجموعہ اصلاح وتربیت اور سلوک واحسان کی اصل راہ کی راہنمائی کرتا ہے۔ ہمارے یہاں اخلاص میں جو تنزّل اور اخلاق میں جو فساد سیلاب کی طرح آتا جارہا ہے اس نے ہمارے وجود کو دیمک کی طرح کھوکھلا کر دیا ہے۔ کسی عقل وہوش رکھنے والے کو

اس سے اختلاف نہیں کہ نیتوں اور اخلاق کی اس خرابی سے ہمارا دین تباہ ہو رہا ہے اور علم وعمل اور دعوت وتنظیم کی تمام کوششیں بھی انتشار وتخریب کی نذر ہو رہی ہیں۔ سطحی تدبیروں سے اس کی درستگی کی کوئی امید نہیں، اس کا کوئی علاج سوائے اصلاح نفس، رذائل کے ازالہ اور سچی خدا طلبی کے نہیں۔

ملفوظات تھانوی کے اس انتخاب کی ترتیب واشاعت کی اصل غرض وغایت یہی ہے کہ ہماری موجودہ دور کی اس سب سے بڑی ضرورت کے پورا کرنے کا کچھ سامان ہو اور خدا طلبی، اخلاص ویقین اور تزکیۂ نفس کے ایک عظیم راہ نما ودانائے راز سے استفادہ عام اور آسان ہو سکے۔

کہیں کہیں گفتگو کا پس منظر واضح کرنا ضروری تھا، کہیں مجھے کسی اضافے اور تشریح کی ضرورت محسوس ہوئی، نیز حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو کبھی کبھی نہایت عالی ہوتی تھی، علمی اصطلاحات اور اسلوب کی وجہ سے عام اردو داں قاری بلکہ آج کل کے فارغین مدارس کے لیے بھی ان کی تسہیل کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں یہ تو ہمت نہیں ہوئی کہ حضرت کی عبارت میں دخل دیا جائے اور کچھ تبدیلی کی جائے۔ اس لیے جہاں کسی تسہیل یا توضیح کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس طرح کے [] مربّع بریکٹ میں اپنی عبارت کو حضرت کی عبارت سے ممتاز رکھا گیا ہے۔ مربّع بریکٹ [] میں جو عبارتیں ہیں وہ اس عاجز مرتب کی طرف سے ہیں۔

ملفوظات میں ایک خاص حصہ انفاس عیسیٰ کے عنوان سے ہے۔ یہ دراصل اصلاح وتربیت نفس کا ایک مکمل ومرتب نصاب ہے جو حضرت کے ارشادات وملفوظات سے حضرت کے جلیل القدر خلیفۂ مجاز حضرت مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادیؒ کی تالیف ہے۔ اس میں سے اِس عاجز نے کچھ انتخاب نہیں کیا ہے، کہ یہ مکمل ہی راہ سلوک کے مسافروں کے لیے لائق استفادہ ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ اگرچہ یہ مجموعہ حضرت کے ملفوظات سے ایک انتخاب ہی ہے، لیکن یقیناً ہے کہ، بحمد اللہ، اصلاحِ نفس اور قرب الٰہی کا جو سچا طالب غور وفکر کے ساتھ پڑھے گا ان شاء اللہ یہ اس کے دینی رخ کی اصلاح کے لیے کافی رہنما، بلکہ فکر ونظر کا مکمل مربی ثابت ہوگا۔ باقی عملی اصلاح کے لیے تو کسی مردِ خدا کی طالبانہ صحبت واتباع کی ضرورت تقریباً سبھی کو ہوا کرتی ہے۔ سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ صحبت کی سب کو ضرورت ہے۔ یہاں چَراغ سے ہی چَراغ جلتے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم اس کوچہ میں آئے تو نہیں، لیکن تاریخِ اسلامی کے وسیع علم اور ذہانت سے اس راز کو پا گئے اور بڑی خوبصورت تعبیر میں کہہ گئے:

دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے　　اسی سے ریشۂ معنی میں نَم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسّر　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

یہ کم سواد مرتب ممنون ہے محسن گرامی حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم کا، جنہوں نے اس مجموعہ کے لیے ایک وقیع ومفید مقدمہ تحریر فرمایا۔ حضرت مولانا مدظلہ العالی اس دور کے بابصیرت علماء عاملین اور مخلصین کاملین میں سے ہیں۔ اس دور میں تھانوی نسبت کے خاص حامل اور سلسلہ کے اہم مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کے علوم ومعارف اور ذوق ومزاج کے خاص عارف ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر میں برکت دے اور فیض عام فرمائے۔

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ علمی سیر کے طور پر نہ فرمائیں۔ ایسے مطالعوں سے نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی قسوت پیدا ہوکر دل اثر پذیری سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ تو محفلِ درد ہے۔ یہاں مدّعی سدا محروم رہتا ہے۔ اس بزم میں سوز قلب ہی رفیق ہونا چاہیے۔ یہاں حسرت وندامت کے ساتھ حاضری سے ہی کامیابی وترقی ملتی ہے۔ لہٰذا اس کے مطالعہ کے وقت اہل اللہ کی اور ان کے کلام کی عقیدت وعظمت، اپنی بے مائیگی ومحتاجی کا احساس، اپنے عیوب ورذائل کی تلاش نیز اپنی اصلاح کی فکر کا ذہنی استحضار ضروری ہے۔ ورنہ:

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مجموعہ سے اُس کے مرتب اور ناظرین کرام کو نفع پہنچائے اور اس معمولی خدمت کو اپنے دربار عالی میں مقبولیت سے سرفراز فرمائے۔

فقط

یحییٰ نعمانی

لکھنؤ۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۲۰۲۱ء

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد اول

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

مخلوق پر شفقت اور خصوصی مجلس کا اجراء:

[حضرتؒ کے یہاں ظہر بعد عصر تک عمومی مجلس ہوا کرتی تھی۔ جس میں سارے ہی خواہش مند لوگ شریک ہوتے تھے۔ آخر عمر میں صبح کو بھی ایک مجلس ہونے لگی۔ مگر اس میں صرف خواص کو اجازت ہوتی تھی۔ حضرت کو اس امتیاز پر افسوس بھی ہوتا تھا۔ اپنی مجبوری اور عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا:]

میں سچ عرض کرتا ہوں مجھ کو اس کا بھی خیال ہے کہ، لوگ محبت کی وجہ سے آتے ہیں، سب کے ساتھ برتاؤ میں مساوات رہے۔ مگر جو بات قوت سے باہر ہے اس کا کس طرح تحمل کروں؟ اگر کوئی اس عدمِ مساوات پر برا مانے، مانا کرے۔ مجھ کو اس کی پرواہ نہیں۔ [حضرت کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا] مولوی محمد حسن صاحب امرتسری نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو تو بہت وقت مجالست کیدیا جاتا ہے، جو حضرت والا کی شفقت اور محبت پر مبنی ہے۔ اگر یہ حکم دیا جائے کہ سال بھر تک دروازے پر کھڑے رہو، ایک سال کے بعد ملاقات کی اجازت ہوگی، اس پر بھی ہم لوگوں کی خوش قسمتی ہے اور حضرت والا کا احسان ہے۔

اس پر فرمایا: یہ آپ کی محبت کی بات ہے۔ میں تو خود ہی اس قسم کی رعایت اور اس کے دقائق پیش نظر رکھتا ہوں۔ ہاں! اس کو ضرور جی چاہتا ہے کہ خدمت بھی ہوتی رہے اور کچھ وقت آرام کا بھی ملے۔ اور مجلسِ عام کی صورت میں آرام نہیں مل سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر کسی وقت اٹھ جانے کو جی چاہے مجمع کی رعایت سے نہیں اٹھ سکتا۔

نیز بعض مرتبہ مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے تقریر میں آواز بلند ہو جاتی ہے۔ اور یہ امر طبعی ہے، جی چاہتا ہے کہ سب سنیں۔ جس کا اثر دیر تک دماغ پر رہتا ہے۔ یہ بھی ایک تکلیف ہے۔ باقی محکوم بن کر رہنے کو تو جی گوارا نہیں کرتا۔ ظہر کے بعد کا وقت عصر تک بھی مجلس کے لیے کچھ کم نہیں کافی وقت ہے۔

فرمایا: مولوی...... صاحب یہاں پر شروع میں جس وقت آئے تھے، اس وقت سے یہ صبح کی مجلس کی رسم قائم ہوگئی۔ ان کی رعایت دو وجہ سے تھی۔ ایک تو یہ کہ ان کا تعلق مولوی...... صاحب سے ہے۔ یہ خیال ہوا کہ مولوی...... صاحب کہیں یہ خیال نہ کریں کہ ہمارے آدمی کے ساتھ بے التفاتی کا برتاؤ کیا۔ دوسرے ان کو خود بھی مجھ سے محبت اور تعلق ہے۔ اور مجھے تو بحمد اللہ سب ہی کا خیال ہے، مگر اب ضعف کے سبب تحمل نہیں، اس کا میرے پاس کیا علاج ہے؟ (جلد ا۔ ص:۲۴)

مجھے اپنی اصلاح کی بھی فکر ہے:

جیسا مجھے دوسروں کی اصلاح کا اہتمام ہے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اپنی اصلاح کا بھی خاص اہتمام ہے۔ اور صاحب! کون بے فکر ہو سکتا ہے؟ کس کو خبر ہے کہ آخرت میں میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ (جلد ا۔ ص:۲۵)

مدرسے سے تعلق بڑی نعمت ہے:

[ایک صاحب کے بارے میں فرمایا:] مدرسہ سے اُن کا تعلق رہنا یہ بھی خدا کی بڑی رحمت ہے۔ اس لیے کہ [اہلِ دین کی] جماعت سے جدا ہو کر وہ حالت ہی نہیں رہتی، یہ سب [نیک لوگوں کے ساتھ] ملے جلے رہنے کی برکت ہوتی ہے کہ آدمی اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ اور اسی میں عافیت ہے بڑوں کے لیے بھی اور چھوٹوں کے لیے بھی۔ یعنی جیسے چھوٹوں کو ضرورت ہے کہ [اہل اللہ]

بڑوں کی صحبت ہو، اسی طرح بڑوں کو ضرورت ہے کہ [نیک صالح] چھوٹوں کی صحبت ہو۔

[سبحان اللہ! نہایت ضروری اور اہم ارشاد ہے۔ ہر شخص کو، خواہ وہ دینی مرتبہ میں بڑا ہو یا چھوٹا، دین دار اور نیک وصالح رفقاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام علماء اور مریدین وسالکین ہی نہیں، کاملین اور مشائخ کو بھی (فرق مراتب کے باوجود) اپنے لیے نیک وصالح رفقاء کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی اس سے مستغنی نہیں]۔

اس پر (کہ اپنی جماعت سے جدا ہو کر وہ حالت نہیں رہتی) یاد آیا کہ ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی ہماری مثال روڑ کی گودام کے کاریگروں جیسی ہے۔ جب تک گودام کے اندر ہیں سب کچھ ہیں۔ اور جہاں گودام سے باہر ہوئے نہ مستری مستری ہیں اور نہ کاریگر ہیں۔ اس لیے کہ وہاں کام تو مشینیں کرتی ہیں اور وہ محض چلانے والے ہیں۔ اس لیے جب اس احاطہ سے باہر ہوئے کچھ بھی نہ رہے۔ سب کاریگری ختم! اسی طرح جب تک ہم اپنی جگہ پر ہیں سب کچھ ہیں۔ کام بھی سب ہو رہے ہیں، درس وتدریس بھی ہے، تہجد بھی ہے، ذکر وشغل بھی ہے۔ غرضے کہ سب ہی کچھ ہے، باہر نکل کر کچھ بھی نہیں رہتا۔ یہ منتہا ہے ہمارے کمالات کا۔

واقعی حضرت مولانا بہت ہی وسیع النظر تھے۔ بڑے ہی محقق تھے۔ کیسی کام کی بات فرمائی۔ میں تو اس کو بہت ہی بڑا افضل خداوندی سمجھتا ہوں کہ جس کو اپنوں کی معیت نصیب ہو جائے۔ ورنہ یہ زمانہ بہت ہی پرفتن ہے۔ دوسری جگہ جا کر وہ حالت رہتی ہی نہیں۔ اکثر تجربہ ہو رہا ہے۔ (جلد ۱۔ ص: ۲۶)

ہر آدمی کو اپنی فکر کرنی چاہیے:

ضرورت اس کی ہے کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے۔ اور اپنے اعمال کی اصلاح کرے۔ آج کل یہ مرض عام ہو گیا ہے، عوام میں بھی اور خواص میں بھی، کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر ہے، اپنی خبر نہیں۔ میرے ماموں صاحب [جو ایک اللہ والے ذاکر شاغل بزرگ تھے، اگرچہ مسلک میں بدعات کی طرف میلان تھا] فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی بدولت میں

کہیں اپنی گٹھری نہ اٹھوا دینا۔ واقعی بڑے کام کی بات فرمائی۔ (جلد ا۔ص:۲۷)

کسی تحریک میں طالب علموں کی شرکت نہ ہونی چاہیئے:

میری یہ رائے ہے کہ کسی تحریک میں بھی طالب علموں کو شرکت کی اجازت نہ ہونی چاہیئے اس میں سخت مضرت ہے آئندہ کے لئے، جو کہ اس وقت محسوس نہیں ہوتی۔ آخر میں پوچھتا ہوں کہ پڑھنے پڑھانے میں جب کوئی مشغول نہ رہے گا تو پھر یہ جماعت علماء کی آئندہ کام کرنے والی کہاں سے پیدا ہوگی؟ تم تو سب کچھ ہو علماء ہو، مقتدا ہو، پیشوا ہو، تم ہی کرو جو کرنا ہے۔ مگر طلباء کو تو اپنے کام میں لگا رہنے دو۔ تاکہ آئندہ دین کے احکام بتلانے والی جماعت کا سلسلہ جاری رہے۔ کیا یہ خیال ہے کہ آئندہ دین کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ اب مسائل کا وقت نہیں کام کا وقت ہے۔ کوئی ان حضرات سے پوچھے کہ جو آپ مقتدا اور پیشوا کہلائے یا بنے، وہ لکھنے پڑھنے ہی کی بدولت تو بنے۔ اور اب اسی کی جڑ کاٹ رہے ہو؟ خود تو مزے میں رہے، سب کچھ بن گئے۔ دوسروں کی جڑ کاٹی جا رہی ہے۔ (جلد ا۔ص:۲۷)

حضرتؒ کی سادگی وتواضع:

ایک گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا کہ کالے دھولے (سیاہ وسفید) پر ایک حکایت یاد آئی ایک گاؤں کا آدمی یہاں پر آیا اور مجھ سے دریافت کیا کہ مولوی اشرف کون سا ہے؟ میں نے کہا کہ بھائی میں ہی ہوں۔ کہا: تو نہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ اس کی کوئی خاص پہچان ہے؟ کہا کہ ہاں ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا پہچان ہے؟ کہا وہ دھولا دھولا (گورا گورا) ہے۔ میں نے پوچھا: کب دیکھا تھا؟ معلوم ہوا بہت عرصہ ہوا جب دیکھا تھا۔ میں نے کہا کہ بھائی وہ جوانی کا زمانہ تھا جب تم نے دیکھا تھا۔ جوانی کا رنگ وروغن اور ہوتا ہے اب بڈھے ہوگئے۔ کہا کہ کیوں جھوٹ بولے؟ مولوی حبیب احمد صاحب سامنے بیٹھے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ دیکھ، یہ ہوں گے یہ ہیں دھولے۔ کہا کہ یہ بھی نہیں۔ یہ ڈھیر دھولا (زیادہ گورا) ہے۔ تب میں نے اس سے کہا کہ دیکھ وہ معمار مزدور کام کر رہے ہیں۔ ان سے پوچھ لے۔ دوڑا گیا ان سے جا کر پوچھا۔ پھر آیا، کہنے لگا: ہاں تو ہی ہے میری

کھٹا (خطا) معاف کردے۔ فرمایا کہ الفاظ تو اس کے پاس نہ تھے مگر خلوص تھا۔ جی چاہتا تھا کہ اسی بے تہذیبی کے ساتھ سلسلۂ گفتگو جاری رہے۔ بے حد لطف آرہا تھا۔ (جلد ا۔ص:۲۹)

مخالفت اور سب وشتم سے حضرت کا باطنی نفع:

فرمایا کہ زمانۂ تحریک خلافت میں ہر قسم کے الزامات اور بہتان میرے سر پر تھوپے گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ؛ کہہ لو بھائی جو تمہارا جی چاہے، اللہ سے معاملہ ہے۔ وہ تو دیکھ رہے ہیں۔ تمہارے برا بھلا کہنے سے ہوتا کیا ہے؟ اور میرا ضرر کیا ہے؟ بلکہ اِس صورت میں نفع کی توقع ہے کہ کچھ نیکیاں مل جائیں۔ الحمدللہ مجھے ان قصوں میں کسی سے بغض نہیں ہوا۔ البتہ شکایت ضرور ہوئی وہ بھی دوستوں سے۔ غیروں سے وہ بھی نہیں۔ میں نے سب کو دل سے سب معاف کردیا تھا۔ جو کچھ کہہ چکے وہ بھی اور جو آئندہ کہو وہ بھی۔ میری وجہ سے اگر کسی مسلمان کو عذاب ہوا تو میرا کیا بھلا ہوگا؟ اور معافی میں تو مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ میرے اوپر رحم فرماویں۔

یہاں تک نوبت آگئی تھی کہ چاروں طرف سے دھمکی کے خطوط آتے تھے۔ ایک مقام سے خط آیا کہ آپ کی خاموشی عنقریب آپ کے چراغ زندگی کو خاموش کردیگی۔ میں نے ردّی میں ڈال دیا۔ اور ہود علیہ السلام کا یہ قول یاد آیا ﴿فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرونِ. انی توکلت علی اللّٰہ ربی وربکم﴾ (ترجمہ: سو تم سب مل کر میرے ساتھ داؤ گھات کرلو۔ پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو، میں نے اللہ پر توکل کرلیا ہے۔ جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے)۔

مجھے بحمداللہ ان واقعات سے بہت نفع ہوا، ایک حالت تو یہ ہوئی کہ پہلے دنیا سے طبعی نفرت نہ تھی، ان واقعات سے طبعی نفرت ہوگئی۔ مخلوق سے نظر بالکل اٹھ گئی۔ اور ایک حق تعالیٰ کی یہ نعمت ہے کہ اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے دو ملک ہیں، ایک دنیا اور ایک آخرت! مالک کو اختیار ہے کہ اپنی رعیت کو جہاں چاہے بسادے، چنانچہ ایک وقت تک دنیا میں بساتے ہیں دوسرے وقت آخرت میں بسادیں گے۔ (جلد ا۔ص:۵۱۔۵۲)

[سبحان اللہ، صفاء باطن، کشادہ دلی اور دنیا سے بیزاری کا کیا عظیم حال ہے! ناظرین

کرام سے درخواست ہے کہ ایک مرتبہ پھر بنظرِ سبق آموز پڑھیں اور اپنے اندر اس حال کے پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے حصول کا ایک مؤثر ذریعہ اہل اللہ کے ایسے احوال وکلمات کا مطالعہ وتذکرہ ہے۔ قلب سے مخلوق کی اہمیت نکالے بِنا اور اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا کیے بغیر کوئی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا]۔

رمضان المبارک میں معاصی سے پرہیز کا خاص اہتمام:

فرمایا: کہ یہ مہینہ بڑی ہی برکت اور رحمت کا ہے۔ اگر حق تعالیٰ اپنے بندوں کو اتنی قوت اور توفیق عطا فرمائیں کہ حقوق واجبہ ادا ہوتے رہیں اور معاصی سے اجتناب رہے، یہی بڑی دولت ہے۔ اس سے آگے کی تمنا کرنا بڑے لوگوں کا کام ہے۔ ہم جیسے کمزوروں کے لیے تو یہ ہی سب کچھ ہے۔ ان کی ذات سے تو سب کچھ امید ہے، بڑے رحیم ہیں، وہ تو ناقصین کو بھی محروم نہیں رکھتے، طلب شرط ہے۔ بندوں کو بھی چاہئے کہ جیسے کچھ ہیں برے بھلے دربار میں پیش ہو جایا کریں۔ اور اپنی وسعت اور قوت سے کام لیں۔ پھر تو وہ خود اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ ارادہ اور ہمت بڑی چیز ہے۔ اس کی برکت سے بڑا سخت سے سخت کام سہل اور آسان نظر آنے لگتا ہے۔ جہاد کیسی سخت چیز ہے کہ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ مگر ہمت وارادہ اس کو بھی سہل کر دیتا ہے۔

خصوصاً معاصی سے اجتناب بہت ضروری ہے۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ اور زمانہ میں تو لوگوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا اور جہاں رمضان شریف شروع ہوئے، گنجفہ (۱) وشطرنج کثرت سے شروع کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جی بہلانے اور دن گزارنے کے لیے کرتے ہیں، بندۂ خدا! قرآن کی تلاوت کی ہوتی۔ ذکر اللہ میں مشغول ہوا ہوتا۔ کسی نیک مجلس نیک صحبت میں بیٹھا ہوتا۔ مگر کچھ بھی نہیں کرتے۔ آزادی کا زمانہ ہے۔ کسی کا ادب نہیں، خوف نہیں۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

فرمایا کہ اس ماہ مبارک میں جملہ معاصی کو ترک کرنا چاہئے خواہ معاصی ہاتھ یا پیر کے ہوں آنکھ کے ہوں، کان کے ہوں، زبان کے ہوں، قلب کے ہوں۔ اور یوں تو ترک معاصی اس ہی ماہ

---

(۱) [گنجفہ ایک کھیل ہوتا تھا، جو تاش جیسے پتوں پر کھیلا جاتا تھا۔ البتہ اس کے پتے گول ہوتے تھے]۔

کے لیے خاص نہیں۔ وہ ہر وقت ہی بچنے کی چیز ہے۔ مگر اس ماہ میں اتنا اور ہے کہ جیسے اعمال صالحہ پر اجر اور ثواب زیادہ ہے گناہ پر سزا بھی زیادہ ہے۔ (جلد ا۔ ص:۵۶)

کاملین کی صحبت سے ہمت پیدا ہو جاتی ہے:

[حضرت کے یہاں اس پر بڑا زور اور تاکید تھی کہ معاصی سے بچنے کا اور اپنی کمیوں کو دور کرنے کا اصل دارومدار اس بات پر ہے کہ آدمی ہمت و عزم سے کام لے۔ محض وظیفوں سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔ بغیر عزم کی طاقت کو کام میں لائے گناہوں کا ترک اور اصلاح ممکن نہیں۔ اسی سلسلے میں فرمایا:]

ہمت سے اگر انسان کام لے [تو گناہوں سے بچنا اور اپنی اصلاح] کوئی بھی مشکل نہیں۔ اور یہ ہمت پیدا ہوتی ہے کسی کامل کی صحبت میں رہنے سے۔ اور رہنے سے یہ مراد نہیں کہ بال بچوں کو چھوڑ کر، ملازمت کو استعفیٰ دے کر، زراعت بند کر کے، اُس کے پاس جا پڑو۔ بلکہ اگر وقت ملے تو اس کے پاس گاہ گاہ جانا بھی چاہئے۔ اور خط و کتابت سے ہمیشہ اپنے حالات کی اطلاع کرتا رہے۔ جو کچھ وہ تعلیم کرے اس پر کاربند رہے۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہمت پیدا ہو جائے گی۔ بدوں صحبتِ کامل اور بغیر اس سے تعلق پیدا کئے کام بننا مشکل ہے، گو غیر ممکن نہیں۔ مگر شاذ و نادر ضرور ہے۔ مولانا [روم] فرماتے ہیں ؎

قال را بگذر امرد حال شو ☆ پیش مرد کاملے پامال شو

(یعنی ظاہر اور باطن دونوں کی درستی میں لگو اور کسی مرد کامل کی خدمت میں اپنے کو سپرد کر دو)

بغیر جوتیاں سیدھی کئے ہوئے کامیابی آسان نہیں۔ آخر طبیب کے پاس جا کر علاج کیوں کراتے ہیں؟ سمجھتے ہیں کہ مرض سے نجات اور تندرستی بغیر طبیب کے پاس جائے نہیں حاصل ہو سکتی۔ تو وہ امراض جسمانی کا معالج ہے، اور یہ امراض روحانی کا معالج۔ مگر ایک کی ضرورت میں تو کسی کو بھی کلام نہیں۔ اور دوسرے کی ضرورت میں کلام کیا جاتا ہے۔ وجہِ فرق کیا ہے؟

(جلد ا۔ ص:۵۶۔۵۷)

نفس اور اخلاق ذمیمہ:

[آئندہ ملفوظ طریق کا ایک قیمتی علمی افادہ ہے جو نفس کے بارے میں] ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا: کہ نفس کو بھی [صوفیہ کے یہاں قلب وروح جیسے باطنی] لطائف میں سے شمار کیا گیا ہے، گو داعی الی الشر ہے [یعنی اپنی اصل کے اعتبار سے یہ برائیوں اور معاصی کی طرف میلان رکھتا ہے، اور قلب وروح کے لطائف کی اصل نیکی وطہارت بیان کی جاتی ہے۔ ان کا ناصاف ہونا گناہوں کی تلویث کی وجہ سے اور عارضی ہے۔ جب کہ نفس کا] مطمئنہ ہونا [یعنی اللہ کی اطاعت پر راضی ومائل ہونا] عارضی ہے۔ ریاضت سے مجاہدہ سے دبا رہتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ بعض سالکین کو دھوکا ہو جاتا ہے۔ بعد مجاہدہ کے اگر اپنے اندر امور طبیعیہ مذمومہ [یعنی برے میلانات وخواہشات] کا اثر پاتے ہیں، اس سے مجاہدہ کے بے کار ہونے کا گمان کر بیٹھتے ہیں۔ اور اکثر اس کا نتیجہ [یہ ہوتا ہے کہ] مایوسی سے تعطل [اور عمل کا ترک] ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اخلاق ذمیمہ [یعنی برائی کے نفسانی تقاضے اور میلانات بھی] زائل ہو جائیں یا بالکل ہی فنا ہو جائیں تو پھر درجات اور ثواب کس چیز پر مرتب ہوں؟ [ثواب تو اسی بات کا ہے کہ نفس نے گناہ کا تقاضہ کیا اور آدمی نے اللہ کے حکم کی خاطر اس کو دبایا]۔ ہاں اگر اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ ان کے اقتضاء پر عمل کرنے کو بآسانی ترک کرنے کی قوت راسخ ہو جائے، تو مقصود حاصل ہے۔ [آدمی جب لگاتار اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا ہے اور اس کے برے مطالبوں کو پورا نہیں کرتا تو کچھ مدت کے بعد نفس کا زور کم ہو جاتا ہے اور معاصی سے بچنے میں سہولت ہو جاتی ہے، طریقت میں اسی کا نام رسوخ وتمکین ہے۔ اور یہی استقامت کا عالی مقام ہے۔ اس کے بعد بھی] گو کبھی کبھی نفس منازعت بھی کرے تو اس پر غلبہ کی سعی میں لگا رہنا چاہئے۔ پس طالب کی تو یہ حالت ہونی چاہئے۔

اندریں راہ می تراش ومی خراش ☆ تا دم آخر، دمے فارغ مباش

(یعنی راہ سلوک میں تراش وخراش بہت ہے لہٰذا مرتے دم تک ایک منٹ کے لیے بے فکر مت ہو)

(جلد ا۔ ص: ۵۷)

شادی کرنے والوں کو ایک نصیحت:

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جب نئی شادی ہوتی ہے تو سسرال سے تعلق بڑھ جاتا ہے۔ اور اندیشہ ہوتا ہے گھر والوں کے حقوق پامال ہونے کا، تو اس کا خیال رکھنا ایسا نہ ہونا چاہیے۔ (جلد ا۔ص:٦٢۔٦٣)

اپنے بزرگوں کی جوتیوں کا صدقہ:

فرمایا: جب کوئی کام اچھا ہو جاتا ہے بحمد اللہ کبھی میرے قلب میں وسوسہ تک نہیں آتا کہ یہ میں نے کیا، بلکہ اس وقت اپنے بزرگ یاد آتے ہیں اور یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ سب انہیں حضرات کی جوتیوں کا صدقہ ہے اور یہ شعر پڑھا کرتا ہوں۔

این ہمہ مستی و مدہوشی نہ حد بادہ بود ☆ با حریفاں آنچہ کرد آں نرگس مستانہ کرد

(ایسی مستی اور مدہوشی شراب کا اثر نہیں تھی، مستوں پر جو اثر کیا ہے (ساقی کی) اس چشم مستانہ نے کیا ہے)۔

بات یہ ہے کہ مجھ کو دعائیں بہت ملی ہیں اور ہر قسم کے بزرگوں کی دعائیں ملی ہیں۔ یہ سب اس کے ثمرات ہیں۔ ان میں بعضے وہ بھی تھے جو بدعتی کہلاتے تھے۔ مگر تھے اللہ اللہ کرنے والے۔ ان کی بھی دعائیں لی ہیں۔ وہ بدعتی بزرگ بھی ایسے نہ تھے جیسے اب ہیں، ان میں تدیُّن تھا، اب تو فسق فجور میں مبتلا ہیں۔ (جلد ا۔ص:٧٤۔٧٥)

اچھی موت کے لیے حبّ دنیا کو کم کرو:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ موت کے وقت تو بہت سے خطرات [یعنی برے وسوسے اور خیالات] قلب میں آسکتے ہیں۔ مگر مضر صرف وہی خطرات ہیں کہ جو اپنے قصد سے اختیار کئے ہوں۔ اور جو بلا قصد اور بلا اختیار ہوں وہ مضر نہیں۔ یہ خطرات میں تفصیل ہے۔

باقی سب سے زیادہ سخت جو چیز اُس وقت خطرناک ہے حبّ دنیا ہے، اور وہ وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا میں جب انہماک ہوتا ہے اور اس کی محبت ہوتی ہے، تو اس کے چھوٹنے کے وقت، جو کہ

موت کا وقت ہوتا ہے زیادہ اندیشہ ہے کہ چھڑانے والے سے عداوت نہ پیدا ہو جائے، جو کفر ہے۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس کو [یعنی حبّ دنیا کو] مغلوب کرتا رہے۔ اس کے خلاف کا استحضار کرتا رہے [یعنی دل میں اس کو یاد کرتا رہے کہ اصل زندگی آخرت کی ہے، دنیا تو بہت کم مختصر اور حقیر ہے]۔ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی مضرت یا اندیشہ نہ ہوگا۔ اَجی! مسلمان اعتقاداً تو دنیا کو برا سمجھتا ہی ہے۔ مگر اس اعتقاد کو استحضار کے درجہ تک [یعنی اس حال تک] پہنچا دینا چاہئے [کہ دل میں یہ بات اور احساس ہر وقت موجود رہے کہ دنیا بری شے ہے]۔ اور یہ بہت کم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ایمان سلب ہوتا ہو۔ جن کے سلب ہوتا ہے وہ پہلے ہی سے ہو چکتا ہے، اس وقت ظہور ہو جاتا ہے۔ ہر مسلمان کو اُس وقت کی فکر ہونا چاہئے بالخصوص اپنے قلب کو محبتِ دنیا سے بالکل خالی رکھنا چاہئے۔ (جلد ا۔ ص: ۷۷۔۷۸)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی حکمتِ اصلاح:

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آئے اور عرض کیا کہ ایسا وظیفہ بتلا دیجئے گا۔ کہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ کو بڑا حوصلہ ہے۔ ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضۂ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔ اس پر حضرت والا [تھانویؒ] نے فرمایا: اللہ اکبر! کس قدر شکستگی و تواضع کا غلبہ تھا!! یہ سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں۔

حضرت [حاجی صاحبؒ] کی عجیب شان تھی۔ اس فن کے امام تھے، ہر بات میں شانِ محقّقیت و حکمت ٹپکتی تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت کے خادموں میں سے کوئی محروم نہیں رہا۔ ہر شخص کی اصلاح و تربیت اُس کی حالت کے مطابق فرماتے تھے۔ [یعنی اس جواب میں مخاطب کی اصلاح کا پہلو مد نظر تھا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت ایک انعام ہے۔ اور اس کی تمنا اچھی ہی تمنا اور محبت و شوق ہی کا نتیجہ ہے۔ مگر یہ مطلوب نہیں، نہ ترقی اس پر منحصر ہے کہ اِس کے جتن کیے جائیں۔ نیز کسی کا اپنے آپ کو زیارت نبوی کا اہل سمجھنا تو بڑی غلطی ہے۔ اُس شخص کی حالت کے مناسب یہی تھا کہ اس کو تواضع اور اپنی حالت کی پستی کے احساس کی طرف متوجہ کیا جائے۔ جو

مطلوب اور بنیاد ہے ساری ترقی کی۔ اس لیے کہ تواضع و شکستگی اور فنائیت کے بغیر اگر منامات ومبشرات حاصل ہو جائیں تو سخت فتنہ کا ڈر ہوتا ہے۔ یہی ایک مصلح کی شان ہوتی ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہ واضح فرماتے ہوئے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے جواب کا منشا اور حاصل یہی تھا، ارشاد فرمایا کہ]...... مطلب یہ تھا کہ [زیارت نبوی] کے لیے اپنی اہلیت کا اعتقاد نہ رکھے، باقی تمنا کی ممانعت نہیں۔ (جلد ا۔ ص:۸۰)

اس طریق میں شکستگی اور تواضع کی اہمیت:

اسی تواضع کو مولانا [روم] فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ☆ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(بہت بڑا محقق بننا طریق (عشق میں کارآمد) نہیں۔ حق تعالیٰ کا فضل شکستہ حال ہی کی دستگیری کرتا ہے)۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ☆ ہر کجا دردے شفا آنجا رود

(پانی نشیب ہی کی طرف جاتا ہے، جہاں درد ہوتا ہے شفا وہیں جاتی ہے)

وہاں [یعنی تصوف وسلوک میں] تو مٹ جانے اور فنا ہو جانے کا سبق ملتا ہے۔ حضرت [حاجی صاحبؒ] کی خود یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ آنے والوں کے قدموں کی زیارت کو اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔ حضرت پر شانِ عبدیت کا غلبہ رہتا تھا۔ وہ عبدیت ہی اس ارشاد کا [کہ "ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضۂ مبارک کے گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے"] منشا تھا۔ (جلد ا۔ ص:۸۰)

تعریف سن کر خوش ہونے کا علاج:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر کوئی شخص منہ پر تعریف کرتا ہے تو نفس اس قدر خوش ہوتا ہے کہ پھولا نہیں سماتا اس کا کیا علاج ہے؟

فرمایا کہ اُس وقت اپنے معائب کو مستحضر کر کے اِس خوشی کو دبائے۔ یہ ایک قسم کا مجاہدہ ہے۔ چند روز تعب [یعنی مشکل] ہوگا، مگر پھر ان شاء اللہ تعالیٰ سہل ہو جائے گا۔ متقدمین کے علاج

ان رذائل کے باب میں بہت سخت ہیں۔ بڑے بڑے مجاہدے [بیان کیے گئے] ہیں۔اب تو اللہ کا شکر ہے کہ آسان آسان نسخوں سے علاج ہو جاتا ہے۔تھوڑی سی ہمت ضرور کرنا پڑتی ہے۔ باقی اگر کوئی کچھ کرنا ہی نہ چاہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

[ہمارے اکابر کے سلسلے پر رحمت الٰہی کا خصوصی فیضان ہے کہ سلوک کے سہل اور مختصر راستے کی رہنمائی ان مبارک نفوس کے ذریعے ہوگئی] (جلد۱۔ص:۸۲)

طریق میں ریاضتیں اصل مقصود نہیں:

فرمایا کہ طریق میں مقصود [یعنی اللہ کا قرب وتعلق خاص] حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک مشکل اور ایک سہل۔تو سہل کو کیوں نہ اختیار کیا جائے؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ کچھ مجاہدہ بھی درکار ہے۔فرمایا مجاہدہ سے مراد یہ تھوڑا ہی ہے کہ مشقت یا سختی میں پڑو۔

مثال سے سمجھ لیجئے: ایک کنواں یہاں مدرسہ میں ہے اور ایک جلال آباد میں ہے جو یہاں سے تقریباً دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے۔تو کیا آپ اس کو افضل سمجھیں گے کہ وہاں سے آپ وضوء کے لیے پانی لایا کریں؟ حالانکہ بقول آپ کے اس میں مجاہدہ ہے۔سہل کو چھوڑ کر شاق [مشکل] کے پیچھے پڑنا کون سی عقل مندی ہے۔ یہ مجاہدات وریاضات مقصود بالذات تھوڑا ہی ہیں۔ ہاں مقصود کے [حصول میں] معین [ومددگار] ہیں۔اصل چیز تو مقصود تک پہنچ جانا ہے۔ایک اور مثال یاد آئی۔ پہلے زمانہ میں ریل موٹر، ہوائی جہاز نہ تھے۔تو لوگ چھکڑوں اور بہلیوں سے سفر کرتے تھے۔کس قدر دشواریاں ہوتی تھیں۔وقت صرف ہوتا تھا۔راستہ میں خطرات کا سامنا ہوتا تھا۔بڑا سفر مہینوں میں طے ہوتا تھا۔اب ریل موٹر، ہوائی جہاز کی بدولت ہر طرح پر سفر میں سہولتیں پیدا ہوگئیں۔اب ایک شخص ہے کہ وہ اس سہولت کو چھوڑ کر دشواری کو پسند کرے،تو کیا اس کو محمود کہیں گے؟ (جلد۱۔ص:۸۲۔۸۳)

دعا سے زیادہ مؤثر کوئی وظیفہ نہیں:

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں قرض دار ہوں کوئی مؤثر وظیفہ بتلا دیجئے۔میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ دعا سے زیادہ کوئی وظیفہ مؤثر نہیں۔اسی سلسلہ میں فرمایا کہ لوگوں نے خدا سے مانگنا

ہی چھوڑ دیا۔ بندوں کا تعلق حق جلّ وعلا شانہ سے بہت ہی ضعیف ہوگیا۔ اس باب میں لوگوں کے عقائد نہایت ہی خراب ہیں۔ اور اس میں ایک اور بہت بڑی خرابی ہے وہ یہ ہے کہ اگر وظیفہ [قرآنی آیات کا کوئی وظیفہ بتایا گیا اور اس] سے کام نہ ہوا تو پھر آیات الٰہیہ سے بدگمانی بدعقیدگی ہوتی ہے، یہ سب جاہل عاملوں کی بدولت ہو رہا ہے۔ ان کے یہاں ہر کام کے لیے وظائف ہی کی تعلیم ہوتی ہے۔ اہل نااہل بھی نہیں دیکھا جاتا۔ اس کے علاوہ بتلانے کے وقت ایسے طرز سے کہتے ہیں اور ایسا اطمینان دلاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اسی طرح ہو جائے گا، اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں۔ اور اگر تقدیر سے اس کے خلاف ہوا تو اس پڑھنے والے کے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ آیات الٰہیہ میں بھی کوئی اثر نہیں۔ پھر ایسی بدگمانی کا مقتضا تو یہ تھا کہ دعا ہرگز قبول نہ ہوتی۔ (جلد ا۔ ص: ۸۵۔۸۶)

ذکر قلبی افضل کہ ذکر لسانی؟

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ذکر قلبی افضل ہے یا ذکر لسانی؟ فرمایا: ذکر کے متعلق مختلف احکام ہیں، بعض احکام تو لفظ کے ساتھ متعلق ہیں۔ ان میں ذکر لسانی افضل ہے۔ اور باقی جو ذکر زبان سے نہ کیا جائے، اجر اس پر بھی ملتا ہے۔ یہ ذکر قلبی ہے، جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے۔ مگر اس طریق میں قوی اندیشہ رہتا ہے قلب سے ذہول ہو جانے کا، اور ذکر لسانی میں یہ اندیشہ نہیں، اس اعتبار سے ذکر قلبی سے ذکر لسانی افضل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر صرف قلب سے ذکر کرے گا تو زبان خالی رہے گی۔ اور اگر زبان سے ذکر کرے گا تو اس کے ساتھ قلب بھی ادنیٰ توجہ سے متوجہ رہے گا۔ ہاں جس وقت نیند کا غلبہ ہو اس وقت زبان سے ذکر نہ کرے، کیونکہ احتمال ہے کچھ کا کچھ نکلنے لگے۔ حدیث شریف میں اس کو استعجام لسانی سے تعبیر فرمایا ہے۔ (جلد ا۔ ص: ۸۹)

شرک فی النبوت:

فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا [اسماعیل] شہید صاحبؒ میں اور حضرت سید [احمد شہید] صاحبؒ میں ایک مسئلہ پر طویل گفتگو ہوئی۔ بالآخر مولانا شہید صاحبؒ نے معافی چاہی۔ اور

عرض کیا کہ مجھ کو آپ کی بات بلا چون و چرا مان لینا چاہئے تھا۔ اس پر سید صاحب نے فرمایا کہ توبہ کرو۔ یہ تو نبی کا مرتبہ ہے کہ اس کی بات کو بلا چون و چرا مانا جائے۔ اور یہ بھی شرک فی النبوت ہے۔ مولانا شہیدؒ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد سے مجھے شرک فی النبوۃ کے متعلق علم کا ایک بابِ عظیم مفتوح ہوا۔

[یعنی عالم یا شیخ کی بات اس لیے مانی جاتی ہے کہ وہ خدا اور سول کی بات بتاتا ہے یا دین کی اصلاح کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ورنہ اللہ کے رسول کے علاوہ کوئی ایسا نہیں، نہ کوئی عالم نہ شیخ، کہ جس کی بات مستقلاً اور ذاتی طور پر تسلیم کرنا واجب ہو اور کسی چوں و چرا کی اجازت نہ ہو۔ حضرت سید شہیدؒ نے اسی نکتے کی طرف توجہ دلائی کہ شاہ اسماعیل آپ نہایت بڑے عالم ہیں۔ آپ اگر کسی بات کو شریعت کے خلاف پائیں اور پھر بھی شیخ کی بات بلا چوں و چرا تسلیم کرنا ضروری سمجھیں، تو یہ شرک فی النبوت ہے۔ ہاں! ظاہر بات ہے کہ جس کا اپنا علم و فہم ناقص ہو وہ عالم اور شیخ کی وہ بات جو کھلے طور پر شریعت کے خلاف نہ ہو بلا چوں چرا ہی مانے گا۔] (جلد ا۔ ص:۹۱)

دارالعلوم دیوبند کے عہد اول کی نورانیت:

فرمایا کہ جس زمانہ میں میں مدرسہ دیوبند میں پڑھا کرتا تھا اس وقت کے حالات و واقعات یاد آ آ کر عجیب قلب کی کیفیت ہوتی ہے اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہمیشہ ایسا ہی زمانہ رہے گا، اس وقت بڑے بڑے اہل کمال کا اجتماع تھا اور قریب قریب سب اپنے کو مٹائے ہوئے اور فنا کئے ہوئے تھے، جب کبھی اتفاق سے ان حضرات کا اجتماع ہو جاتا تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر بزرگ دوسرے کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے بڑے ہی خیر کا مجمع تھا۔ یہی حالت آپس میں طلباء کی تھی اور اساتذہ کے سامنے تو بولنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی اور ایک یہ زمانہ ہے کہ اس وقت سے کوئی مناسبت ہی نہیں ۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس وقت کھلّم کھلاّ نظر آتا تھا کہ مدرسہ پر انوار کی بارش ہو رہی ہے اور یہ سب ان حضرات کی مقبولیت کی علامت تھی اور ان حضرات کے تقویٰ و طہارت کے ثمرات تھے۔ اور مدرسہ

کی مقبولیت کا اس قدر جو اثر ساری دنیا پر ہوا یہ بھی ان ہی حضرات کی برکت تھی۔ مقبولیت پر یاد آیا؛ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے خواب میں دیکھا کہ جنت ہے اور اس میں ایک طرف چھپر کے مکان بنے ہوئے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ اے اللہ! یہ کیسی جنت ہے جس میں چھپر ہیں؟ جس وقت صبح کو مدرسہ آیا، مدرسہ کے چھپر نظر پڑے تو ویسے ہی چھپر تھے۔ یہ زمانہ بالکل مدرسہ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ تب تعبیر سمجھ میں آئی کہ یہ مدرسہ کی مقبولیت دکھلائی گئی ہے۔ اس زمانہ میں نہ یہ لمبی چوڑی تعمیر تھی نہ اساتذہ تزک اور شان سے رہتے تھے۔ نہ طلباء کا کوئی فیشن تھا۔ پھٹے ہوئے کپڑے، ٹوٹی ہوئی جوتیاں، یہ ان کا ظاہری حال تھا۔ نہ اس جدید قسم کے قواعد اور قانون تھے نہ اتنے منبر اور محراب تھے۔ کام جو کچھ ہوا سب کو معلوم ہے کہ کیسے کیسے باکمال لوگ فارغ ہو کر نکلے۔

اور اب اس وقت سب کچھ ہے اور اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں وہ جو ایک چیز تھی، جس کو روح کہتے ہیں، وہ نہیں رہی۔ باقی علم اور جگہ سے اب بھی بہت تھا۔ مگر زمانہ تحریک سے وہ بھی آیا گیا ہوا۔ اس لیے کہ طلباء کو تقریروں تحریروں اور کمیٹی جلسوں ہی سے فرصت نہیں۔

(جلد۱۔ص:۹۶۔۹۷)

تصرف اور کرامت نہ ہونے پر اللہ کا شکر:

ایک اہل علم کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھ کو تصرف اور کرامت وغیرہ سے محفوظ رکھا۔ ورنہ مجھ جیسے کمزور کے لیے تو یہ چیزیں حجاب بن جاتیں۔

(جلد۱۔ص:۹۸)

کسی کے لیے اولاد نہ ہونا ہی خیر ہوتا ہے:

اور اسی پر کیا؟ اولاد کیسی دولت ہے، کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی۔ مجھ کو اس سے بھی محفوظ رکھا گیا۔ اگر اولاد ہوتی تو نہ معلوم کیا کیا آفتیں ہوتیں۔ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سامنے ایک تقریر فرمائی کہ اولاد ہونے میں یہ کلفت ہوتی ہے، یہ پریشانیاں ہوتی ہیں، یہ خلجان ہوتے ہیں۔ سبب اس کا یہ ہوا تھا کہ میری ایک خالہ ساس تھیں۔

انھوں نے حضرت حاجی صاحب سے میرے لیے اولاد ہونے کی دعا کرائی تھی۔ اس موقع پر حضرت نے مجھ سے فرمایا تھا کہ بھائی! تمہاری خالہ نے تمہارے اولاد ہونے کی دعا کو کہا تھا، میں نے دعا تو کر دی۔ مگر جی تو یہی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی تم رہو۔ مطلب یہ تھا کہ اولاد نہ ہو۔ میں سمجھ گیا کہ اولاد نہ ہوگی۔ چنانچہ نہیں ہوئی۔

حتیٰ کہ جب میں نے دوسرا عقد کیا، ان کی عمر اولاد ہونے کی تھی۔ مگر عجب اتفاق ہے، کہ ان کو ڈاکٹرنی نے کہہ دیا تھا کہ تم شادی مت کرنا۔ تمہارے لیے سخت مضر ہے۔ اگر اولاد ہوئی تو پھر تمہاری جان کی خیر نہیں۔ سو اولاد میرے لیے مضر باطن بتلائی گئی۔ اور ان کے لیے مضر ظاہر۔ سو شادی تو ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی جان کی حفاظت فرمائی کہ ان سے بھی اولاد نہیں ہوئی۔ سو اولاد نہ ہونے میں ان کی مصالح جان کے تھے اور میرے مصالح ایمان کے۔ اور یہ سب کے لیے نہیں ہے۔ یہی اولاد بعض کے لیے آلۂ بُعد [یعنی اللہ سے دوری کا ذریعہ] ہو جاتے ہیں اور بعض کے لیے آلۂ قرب ہو جاتے ہیں، اس کو حق تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کس کے لیے سبب بُعد کے ہوں گے اور کس کے لیے سبب قرب کا۔

پس جیسے اولاد ہونا ایک دولت اور نعمت ہے، مگر سب کے لیے نہیں۔ اسی طرح پیشین گوئی اور تصرف و کرامت دولت ہیں، مگر سب کے لیے نہیں، بلکہ بعض کے لیے یہ چیزیں حجاب ہیں۔ اور مجھ جیسے کمزور کے لیے تو یہ چیزیں حجاب ہی ہو جاتیں۔ اپنی حالت سے میں ہی خوب واقف ہوں۔ بس مجھے تو یہی حالت پسند ہے کہ جو احکام معلوم ہوں ان پر عمل کرلوں اور وہی اپنے دوستوں کو بتلا دوں۔ (جلد ا۔ ص: ۹۸)

حضرتؒ کے عقد ثانی کا واقعہ:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عقد ثانی کا داعی کیا پیش آیا تھا؟ فرمایا: اُن کی سادگی، دینداری اور بے نفسی داعی ہوئی، شروع ہی سے ان کی یہ حالت تھی۔ اسی وجہ سے میں نے ان کو سعید احمد مرحوم کے لیے تجویز کیا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ ایسی اچھی طبیعت کا آدمی گھر میں رہے۔ جب مرحوم کی وفات ہوگئی، ان کے گھر میں رہنے کی بجز عقد کے کوئی صورت نہ تھی۔ اور یہ

بات مجھ کو بعد میں معلوم ہوئی کہ علاوہ میرے خاص دوستوں کے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے تھی کہ ایسا ہو جانا چاہیے۔ بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اپنے گھر میں سے اس معاملہ میں ڈرتا ہے۔

واقعی مجھے جو اس میں تردد تھا وہ یہی تھا مجھے پہلے گھر کے مزاج سے اندیشہ تھا۔ اور وہ اندیشہ واقع بھی ہوا۔ گو اب بحمد اللہ اس کا اثر باقی نہیں رہا۔ میں نے ایک مرتبہ اس کے متعلق خواب دیکھا کہ میں کسی سے پوچھ رہا ہوں کہ اگر عقد ثانی ہو گیا تو بڑے گھر میں سے کیا کریں گی؟ تو یہ جواب ملا کہ وہ بیٹھی ہوئی قرآن پاک پڑھا کریں گی۔ نیز اس کے متعلق میں نے ایک یہ بھی خواب دیکھا تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میرے مکان میں تشریف لانے والی ہیں۔ اس سے میں یہ تعبیر سمجھا کہ جو نسبت عمر کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بوقت نکاح حضورؐ کے ساتھ تھی وہ ہی نسبت ان کو ہے۔ یہ شاید اس طرف اشارہ ہو۔ میں نے اس کے متعلق ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ الخطوب المذیبہ اس کا نام ہے اس میں واقعہ کی حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے۔ اور رسالہ کے لکھے جانے کے داعی میرے بھائی منشی اکبر علی صاحب مرحوم ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک خط میں مجھ سے استفسار کیا تھا کہ آخر ضرورت ہی نکاح کی کیا پیش آئی تھی۔ اصل میں تو ان کو جواب دینا تھا۔ وہ بہ شکل رسالہ ہو گیا۔ وہ رسالہ بعض لوگوں کے لیے تو جو کہ اہل فہم تھے دوستی کا سبب بن گیا۔ ایسے لوگوں نے یہ کہا کہ ایسے شخص سے ضرور تعلق رکھا جائے اس لیے کہ اس میں استقلال ہے۔ اور اگر بعض کا اعتقاد جاتا رہا ہو تو جاتا رہے۔

بحمد اللہ! میں کوئی کام کسی کے معتقد یا غیر معتقد بنانے کی نیت سے تھوڑا ہی کرتا ہوں۔ میرے بڑے گھر میں سے مجھ سے کہا کہ تم نے یہ عقد کر کے عقد ثانی کا دروازہ کھول دیا۔ اب لوگ ایسا ہی کریں گے۔ میں نے کہا کہ کھولا نہیں بند کر دیا ہے لوگوں کو معلوم تو ہو گا کہ اتنے حقوق ہیں کسی کی بھی ہمت نہ ہو گی۔ (جلد ا۔ ص:۹۹۔۱۰۰)

دین پر عمل کا ارادہ اور پھر اللہ کی مدد:

فرمایا: یہ ادائے حقوق کی دشواری کا خیال ہی خیال ہے۔ ورنہ [جو حقوق ادا کرنے کا ارادہ کرے اس کی] اللہ تعالیٰ ایسی مدد فرماتے ہیں کہ عمل کرنا اور حقوق کا ادا کرنا پھولوں سے بھی ہلکا ہو جاتا

ہے۔مشکل سے مشکل کام ان کی مدد سے آسان ہوجاتا ہے مگر ارادہ شرط ہے۔

بظاہر یہ سب ارادہ کی برکت ہے۔ارادہ بڑی دولت ہے۔اس سے بڑے سے بڑے مشکل کام آسان ہوجاتے ہیں۔چنانچہ مجھ کو اس معاملہ میں عدل بالکل آسان ہوگیا،اور گو کہنے کی تو بات نہیں،مگر کہتا ہوں،کہ میں نے حقوق کی رعایت یہاں تک کی (اور یہ محض دوستوں کو معلوم کرانے کی غرض سے کہہ رہا ہوں تاکہ عمل کریں) کہ ایک کے وقت میں دوسرے کا خیال بھی نہیں آنے دیتا۔اور یہ اس وجہ سے کہ جہاں تک میرے ارادہ اور قصد کو دخل ہے وہاں تک کیوں کوتاہی کروں۔ (جلد ا۔ص:۱۰۰۔۱۰۱)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا مقام:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ [کی شکل میں] اللہ نے ایک حجت پیدا کی تھی۔ان کو اگر حجت اللہ فی الارض کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔جس وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ملی ہے،کئی روز تک حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دست آتے رہے۔اس قدر صدمہ اور رنج ہوا تھا۔بظاہر یہ معلوم نہ تھا کہ [حضرت گنگوہیؒ کو] اس قدر محبت حضرتؒ کے ساتھ ہوگی۔حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرتؒ کی نسبت بار بار رحمۃ للعالمین فرماتے تھے۔

(کسی عبارت میں ایسا جملہ تھا کہ بامداد اللہ ایسا ہوا) ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کتابوں میں بھی آپ کا نام ہے۔فرمایا کہ اگر کوئی ہم سے اعراض کرے کم بختی نہ آجائے۔حضرت! وہاں نہ جبہ تھا،نہ خاص لباس تھا،دیکھنے سے تھانہ بھون کے ایک شیخ زادے معلوم ہوتے تھے،مگر اہل بصیرت کی نظر میں ایک شان تھی۔

(جلد ا۔ص:۱۳۸۔۱۳۹)

ایک آیت کا صحیح مفہوم:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ﴿ **ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين** ﴾ [یعنی عزت وغلبہ تو صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے] سے کہاں کی عزت مراد

ہے؟ اور کیا اس کا مفہوم سابقین ہی پر ختم ہو گیا؟ [یعنی کیا اس خوش خبری کے مصداق صرف شروع کے زمانے کے مسلمان تھے؟ فرمایا کہ مناط (اصل) عزت تو مسلمان ہی کو حاصل ہے۔ اور وہ عزت آخرت کی ہے۔ اس لیے کہ یہاں پر تو خلاف کا وقوع بھی ہوتا رہتا ہے۔ جس عزت کو حق تعالیٰ فرما رہے ہیں وہ عزت آخرت ہی کی ہے۔ کہ وہاں کمالِ عزت کا درجہ مسلمانوں ہی کو عطا فرمایا جائے گا اور کفار کو انتہائی ذلت کا سامنا ہوگا۔ (جلد۱۔ص:۱۳۹)

اہل اللہ کی جگہوں کی برکت:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ جس جگہ بزرگ رہتے ہیں اس جگہ میں ایک خاص برکت اور نور ہوتا ہے۔ فرمایا: میں نے خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ سنا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں۔ واقعی برکت ضرور ہوتی ہے۔ فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو تشریف لے گئے تھے۔ ان کی جگہ بیٹھ کر ذکر کرتا تھا تو زیادہ انوار و برکات محسوس ہوتے تھے۔ اور جگہ میں یہ بات نصیب نہیں ہوتی، یہ تو مشاہدہ ہے۔ (جلد۱۔ص:۱۴۱)

استغناء اور کبر میں فرق بڑا مشکل ہے:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کسی کو خیال تو یہ ہو کہ میں مستغنی ہوں اور واقع میں اس میں کبر ہو، اس کا کیا علاج ہے؟ فرمایا: اس کے کئی طرق ہیں۔ معلوم کرنے کے لیے اپنے مربی سے حالت بیان کر کے حل کر لے۔ یہ باتیں کلیات [یعنی عمومی قاعدے] بیان کرنے سے سمجھ میں آ نہیں سکتیں۔ [مرید کے] واقعات جزئیہ سے مصلح خود سمجھ لے گا۔ (جلد۱۔ص:۱۴۲)

اہل کمال کا استغناء اور سر سید کے دو واقعے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بڑا شخص دین کا ہو یا دنیا کا، اس میں استغناء ضرور ہوتا ہے۔ مراد یہاں پر اہل کمال ہیں، اہل مال نہیں۔ اہل کمال کا حوصلہ بھی بڑا ہوتا ہے۔ سر سید کا ایک واقعہ عجیب وغریب ہے۔ ایک شخص انگریزی تعلیم یافتہ ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے پریشان تھے۔ کیا

سوجھی کہ ایک بہت بڑے انگریز آفیسر کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں سرسید کا داماد ہوں، مجھ کو ملازمت کی ضرورت ہے۔ وہ انگریز بہت ہی خاطر سے پیش آیا اور کہا کہ آپ ٹھہریں۔ ان کو ٹھہرا کر ان کی لاعلمی میں ایک تار سرسید کو دیا کہ فلاں شخص اس نام کا ہمارے پاس ملازمت کے خیال سے آیا ہے۔ اور اپنے کو آپ کا داماد کہتا ہے۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ جواب میں سرسید نے اس انگریز کو لکھا کہ بالکل صحیح ہے۔ ضرور آپ ملازمت کی کوشش فرما دیں۔ میں ممنون ہوں گا۔ اس شخص کو ملازمت مل گئی۔

ایک روز اتفاقاً اس انگریز نے اس شخص سے یہ واقعہ بیان کر دیا۔ یہ بہت ہی شرمندہ ہوا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص علی گڑھ آیا اور سرسید سے مل کر معافی کی درخواست کی۔ اور کہا کہ میں وہی شخص ہوں جس نے اپنے کو آپ کا داماد بتلا کر ملازمت لی ہے، یہ گستاخی ہوئی۔ گو یہ گستاخی بضرورت تھی۔ سرسید نے جواب میں کہا کہ گو یہ بات اس وقت غلط تھی مگر اب صحیح ہو جائے گی۔ داماد کہتے ہیں بیٹی کے شوہر کو، اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ میری بیٹی آپ کی بیوی ہوتی۔ سو یہ تو ہو نہیں سکتا، مگر دوسری صورت ممکن ہے کہ آپ کی بیوی کو میں اپنی بیٹی بنا لوں۔ سو میں آپ کی بیوی کو اپنی بیٹی بناتا ہوں۔ وہ میری بیٹی اور میں اس کا باپ، پھر یہ توجیہ وقتی ہی نہ تھی، بلکہ تا زندگی باپ بیٹی اور داماد ہی کا سا برتاؤ رکھا۔ بلانا، لینا دینا، سب اسی طرح رکھا۔ تو یہ حوصلہ بڑے ہونے کے سبب تھا، گو وہ بڑائی دنیوی ہی تھی۔

......دوسری ایک حکایت انہیں کی یاد آئی کہ ایک مرتبہ علی گڑھ کے اسٹیشن پر ریل میں سرسید سوار ہوئے۔ اسی ڈبہ میں ایک اور صاحب پہلے سے سوار تھے۔ انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کون سا شہر ہے۔ سرسید بولے کہ علی گڑھ۔ یہ سن کر وہ صاحب کیا کہتے ہیں کہ وہی علی گڑھ جہاں سرسید (ایسا تیسا) رہتا ہے؟ سرسید کہتے ہیں کہ جی ہاں! وہی علی گڑھ۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ وہ تو بڑا ہی ایسا ہے ویسا ہے۔ خوب برا بھلا کہا۔ اس نے بڑا ہی دین کو نقصان پہنچایا۔ سرسید نے کہا جی ہاں! وہ ایسا ہے۔ یہ صاحب اور زیادہ کھلے۔ اور کئی اسٹیشن تک تبرّا کرتے چلے گئے۔ سرسید کو ذرّہ برابر تغیر نہیں ہوا۔ تصدیق کرتے رہے۔ آخر ایک اسٹیشن پر ان تبرا کرنے والے صاحب نے کھانا کھانے کے لیے نکالا۔ جب کھانے بیٹھے تو ان کی بھی تواضع کی۔ سرسید نے جواب دیا کہ آپ

کھائیں۔انہوں نے کہا کہ مصنوعی تواضع نہیں، آجایئے! سرسید نے پھر ٹالا۔انہوں نے پھر اصرار کیا کہ میری دل شکنی ہوگی۔ سرسید نے کہا کہ مجھ کو کچھ عذر ہے۔ان کا اس پر بھی اصرار ہوا۔سرسید نے پھر کہا کہ واقعی مجھ کو عذر ہے۔انہوں نے کہا کہ وہ عذر کیا ہے؟ بتلایئے! سرسید نے کہا کہ بتلانے کا نہیں ہے۔انہوں نے کہا کہ بتلانا ہوگا۔سرسید نے کہا کہ اگر بتلادوں تو اس وقت تو آپ کھانا کھلانے پر مصر ہیں اور معلوم ہو جانے کے بعد تو شاید میری صورت دیکھنا بھی گوارا نہ کریں گے۔انہوں نے کہا کہ توبہ توبہ ایسی کیا بات ہے؟ اور آپ کیوں ایسا فرماتے ہیں؟

تب سرسید نے کہا کہ میں ہی ہوں وہ شخص جس پر آپ کئی اسٹیشنوں سے تبرا بھیجتے چلے آرہے ہیں، یہ سن کر وہ صاحب کٹ ہی تو گئے۔ بے حد ندامت اور شرمندگی سوار ہوئی۔ معافی چاہی نتیجہ یہ ہوا کہ معتقد ہوگئے۔ باوجود اس کے کہ سرسید ایک دنیادار شخص تھے مگر استغناء اور حوصلہ تھا۔مگر آج کل اہل کمال تقریباً مفقود نظر آتے ہیں۔ نہ دنیاداروں میں نہ دینداروں میں، الا ماشاء اللہ۔ عالم بھی ہیں، شیخ بھی ہیں، صوفی بھی ہیں، عارف بھی ہیں، زہد وتقویٰ کا بھی دعویٰ ہے، یہ تو سب کچھ ہے مگر استغناء اور حوصلہ نہیں ہے۔ (جلد۱۔ص:۱۴۲۔۱۴۴)

اگر نیک عمل طبعی تقاضے سے ہوجائے تو بھی اجر ملے گا:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر کوئی عمل نیک اقتضاء طبعی کی وجہ سے صادر ہوگیا، وہ بھی موجبِ اجر ہوگا؟ فرمایا کہ جن اعمال کے ہم مکلّف ہیں سب امور طبعیہ کے مقتضا ہیں۔ مگر طبیعت سلیم ہو[یعنی اگر طبیعت سلیم ہوتو وہ ہر نیک عمل کو چاہے گی، اور ہر نیک عمل طبیعت کا تقاضا ہوگا] اب چاہے وہ عمل اقتضائے طبعی کی وجہ سے ہوا اجر ہوگا، البتہ نیت واختیار شرط ہے۔

(جلد۱۔ص:۱۴۶)

مجھے احوال باطنہ کا ضروری علم اللہ دے دیتے ہیں:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں فقیہ نہیں، محدث نہیں، مجتہد نہیں، مفسر نہیں، ہاں اُن حضرات کا نقال ہوں جن کو ان چیزوں میں کمال تھا۔اللہ کا شکر ہے جب کوئی

ضرورت پیش آتی ہے، اپنے بزرگوں کی دعا سے اس کے متعلق ضروری علم حق تعالیٰ قلب میں وارد کر دیتے ہیں یہ میرا کمال نہیں، جس پر میں فخر کرسکوں یا سننے والا فخر سے تعبیر کرلے۔ (جلد۱۔ص:۱۴۷)

صوفیہ کے ایک مقولہ کا مطلب:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اس کا مطلب بیان فرمادیں اس کا مطلب کیا ہے۔

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است ☆ بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

نیکوں کی صحبت اگر یک ساعت کے لیے میسر ہو جائے تو سو سالہ زہد و طاعت سے (جو بغیر رہبر کامل کے ہو) بہتر ہے۔ [صوفیہ کے بہت سے ارشادات کی صحیح تاویل و توجیہ شریعت وطریقت کے جامع کاملین ہی کر سکتے ہیں، اس لیے خود ان کا کوئی مطلب متعین کر کے بدظن نہیں ہونا چاہیے۔ یہ مقولہ بھی اسی قبیل کا ہے]۔

[ان صاحب کے جواب میں حضرتؒ نے] فرمایا: مجھ سے تو آپ ہی بہتر سمجھنے والے ہیں۔ مگر میں جو سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض اوقات کوئی گُر [یعنی کوئی اہم حکمت کا نکتہ] ہاتھ آجاتا ہے، یا کوئی حالت ایسی قلب میں پیدا ہو جاتی ہے جو ساری عمر کے لیے مفتاحِ سعادت [یعنی نیکیوں کی کنجی] بن جاتی ہے...... [یہ عمومی بات نہیں] ہر وقت یا ہر ساعت مراد نہیں، بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں ایسی حالت پیدا ہو جائے [جو ساری زندگی کی اصلاح کا ذریعہ بن جائے، وہ بہتر ہے۔]۔

عرض کیا: تو کیا ہر صحبت اس درجہ مفید نہ ہوگی؟ فرمایا کہ ہے تو یہی [بات] مگر کس کو علم ہے کہ [اللہ والوں کی صحبت کی] وہ کون ساعت ہے جس میں یہ حالت میسر ہوگی [اور یہ گراں دولت ہاتھ آئے گی]؟ ہر صحبت [ومجلس] میں اس کا احتمال ہے۔ اس لیے ہر صحبت کا اہتمام [کرنا] چاہیے۔ اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے۔

اور اس حالت کو صد سالہ طاعت کے قائم مقام بتلانے کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ اگر کسی شخص کے پاس سو گنی [سونے کے روپیہ] ہوں تو بظاہر اس کے پاس امتعہ [یعنی کام کے ساز

وسامان] میں سے ایک چیز بھی نہیں۔ مگر اگر ذرا تعمق کی [یعنی گہری] نظر سے دیکھا جائے تو ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے۔ اسی طرح اگر وہ [خاص ایمان ویقین اور اللہ کی محبت کی] کیفیت اس کے اندر پیدا ہوگئی تو بظاہر تو [نیک اعمال اور] خاص طاعات میں سے کوئی بھی چیز اس کے پاس نہیں مگر حکماً ہر چیز ہے [یعنی اس کو اُس خاص قلبی کیفیت کی بنا پر تمام نیکیوں کی توفیق ہوجایا کرے گی]۔ پس مراد اعمال پر قدرت ہونا ہے۔ [یہی بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہونے والی اصل دولت ہے، اور اسی لیے اس کو ساری سعادت اور نیکیوں کی کنجی کہا گیا ہے]۔ اُسی سے سب کام اُس کے بن جائیں گے۔ اصل چیز وہی [نیک] کام ہیں جن کی یہ مفتاح [یعنی کنجی] صحبت میں نصیب ہوگئی۔ اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس مصرف کی؟؟

اسی لیے یہ کہتا ہوں کہ بدون اعمال نہ کچھ اعتبار ہے اقوال کا، نہ احوال کا، نہ کیفیات کا۔ اسی لیے ان چیزوں [یعنی احوال وکیفیات] میں سے کسی چیز میں بھی حظ نہ ہونا چاہئے [یعنی ان احوال سے نہ لطف ووجد آنا معتبر ہے اور نہ مقصود سمجھ کر ان پر اطمینان ہونا چاہیے]۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں [خواہ بدنی ہوں خواہ قلبی]۔ اور اعمال بلا توفیقِ حق کے مشکل، اور توفیق عادۃً موقوف ہے صحبت کامل پر [یعنی عموماً ہوتا یہی ہے کہ اعمال صالحہ کی توفیق اللہ کے صالح بندوں کی صحبت سے ہی نصیب ہوتی ہے]۔ (جلد ا۔ص:۱۴۸۔۱۴۹)

مشائخ کا عتاب چھوٹوں کی مصلحت سے ہوتا ہے:

پھر فرمایا کہ بے فکری پر جو شیوخ عتاب کرتے ہیں، یہ طریقہ چھوٹوں کے ساتھ اصلاح کی مصلحت سے اختیار کیا جاتا ہے۔ ورنہ خدانخواستہ قلب میں تحقیر تھوڑا ہی ہوتی ہے۔ کس کو علم ہے کہ کون چھوٹا ہے اور کون بڑا؟ بلکہ جس طرح چھوٹوں کو ضرورت ہے بڑوں کی، اسی طرح بڑوں کو ضرورت ہے چھوٹوں کی۔...ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں آنے والوں کے قدموں کی زیارت کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔

(جلد ا۔ص:۱۵۱)

نماز بلاحضور بھی بڑی دولت ہے:

فرمایا کہ لوگوں کے قلوب میں اعمال کی قدر نہیں۔ کسی غالی درویش نے نماز کی نسبت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت جب دل متوجہ نہ ہو تو اس اٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ؟۔۔۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ اسی اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہوگی کہ کس درجہ کی چیز ہے۔ فرمایا کہ یہی سب کچھ ہے اگر حق تعالیٰ اسی کی توفیق عطا فرمائیں، اور بلاحضورِ قلب ہی اٹھک بیٹھک ہو جایا کرے بڑی دولت ہے۔ (جلد ا۔ص:۱۵۴)

حضرت حاجی صاحبؒ کی شانِ عبدیت اور ایک عجیب معرفت:

ہمارے حضرت حاجی صاحب کے انکسار اور شانِ عبدیت کا کیا ٹھکانہ؟ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو اہل نظر سے چھپا رکھا ہے۔ یہ باتیں کہنے کی نہیں مگر کہنا پڑتی ہیں، جن پر یہ باتیں گزرتی ہیں وہی خوب جانتے ہیں۔ یہاں قال سے کام نہیں چلتا یہاں ذوق کی ضرورت ہے۔[اور یہ ذوق پیدا کیے بغیر اللہ کی صحیح بندگی نہیں ہو سکتی۔ اہل اللہ کے اس درجہ انکسار کا سبب کیا ہے؟ اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:] اِس انکسار کی ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ ایک [دنیاوی اعتبار سے نہایت حقیر ذلیل غلام] کے پاس بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ کا موتی امانت رکھ کر فرمایا کہ اس کو حفاظت سے رکھو۔ اب لوگ تو سمجھ رہے ہیں کہ [بادشاہ کے نزدیک] بڑا مقرب ہے، بڑا امین ہے، [بادشاہ کو اس پر بڑا اعتماد ہے]۔ اور ایسا سمجھنا ایک معنی کر ٹھیک بھی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ایسی قیمتی چیز اس کے کیسے سپرد کی جاتی!!

مگر میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس وقت اُس [حقیر ذلیل غلام] کی حالت دیکھنے کے قابل ہے۔ [وہ ڈرتا کانپتا رہے گا کہ کہیں کچھ کوتاہی ہوگئی تو یہی نہیں کہ یہ جو بے استحقاق عزت مل گئی ہے، وہ چھین نہ لی جائے گی، بلکہ کہیں دیگر غلاموں کی کوتاہی سے زیادہ شدید سزا نہ ملے کہ ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور ناقدری کی۔ یہی حال اہل اللہ اور مقربان خصوصی کا ہوتا ہے کہ] وہ لرزاں ہیں اور ترساں ہیں۔ راتوں [کو] نیند نہیں آتی کہ دیکھئے کہیں امانت میں کوئی کوتاہی نہ

ہو جائے۔ میرے وجود اور میری حیثیت سے زائد مجھ کو امانت سپرد کر دی گئی۔ اب ان پر اس کی دو حالتیں [طاری ہوتی] ہیں، ایک شکر کی اور ایک خوف کی۔ [دونوں ہی کی ضرورت ہے اور] دونوں کو جمع کرنا اور ان کے حقوق بجالانا آسان بات نہیں۔ واقعی یہ طریق بہت ہی نازک ہے، ہزاروں سر مار کر بیٹھ گئے، مگر منزلِ مقصود تک رسائی نہیں ہوئی۔ اس میں رہبرِ کامل کی ضرورت ہے۔ بغیر اس کا دامن پکڑے ہوئے اِس راہ میں قدم رکھنا خطرہ ہی خطرہ ہے۔

دیکھئے مثال سے کسی قدر سمجھ میں آجائے گا، ایک انسان ہے، عالم ہے، محدث ہے، مفسر ہے، فقیہ ہے، مجتہد ہے، حافظ ہے، قاری ہے، نیک ہے، حسین ہے، تندرست ہے۔ اور باوجود اِس کے اُس کو [اپنے] کسی کمال پر [فخر کی] نظر نہ ہو، کیا یہ سہل بات ہے؟ البتہ جو کمالات اُس کو عطا ہوئے ہیں اُن پر خوش ہونا یا ان کا اقرار، یہ بری بات نہیں [بلکہ حد کے اندر ہو تو اچھی بات ہے، **قل بفضل الله وبرحمته فبذٰلک فلیفرحوا**]۔ لیکن ان کمالات کی بناء پر غیر اہل کمالات کی تحقیر کرنا، یہ ہے نظرِ مذموم۔ اسی طرح یہ بھی نظرِ مذموم ہے کہ [یہ خیال کرے کہ] میں ان کمالات کی وجہ سے خدا کے نزدیک مقبول ہو گیا۔ کیا خبر ہے مقبولیت و عدم مقبولیت کی؟

حضرت! ممکن ہے کہ یہ تو سمجھ رہا ہے میں مقبول ہوں۔ اور وہاں مردود ہے...... حاصل یہ ہے کہ ظاہری کمالات دلیل مقبولیت کی نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے اندر کوئی ایسی باطنی خرابی ہو جو [اللہ] میاں کو ناپسند ہو۔ (جلد ۱۔ ص: ۱۵۵۔۱۵۶)

میں اپنی اصلاح کے طریقے بھی سوچتا رہتا ہوں:

فرمایا کہ جس طرح میں دوسروں کی اصلاح کے طریق سوچتا رہتا ہوں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنی اصلاح کے طریق بھی سوچتا رہتا ہوں۔ مسلمان کو تو مرتے دم تک اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہئے۔ اس پر بھی اگر نجات ہو جائے تو سب کچھ ہے اس سے آگے ہم کیا حوصلہ اور ہمت کر سکتے ہیں۔ باقی فضائل و مدارج تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ ہم کو تو جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے یہ ہی بڑی دولت ہے۔

جوتیوں پر یاد آیا کہ حضرت مولانا [شاہ اسماعیل] شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت

تھی کہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں شرکت کرنے کو اور ایک مجلس میں بیٹھنے کو خلاف ادب سمجھتے تھے۔ حضرت سید صاحب کی جوتیاں لیے ہوئے موٴخر مجلس میں بیٹھے رہتے تھے۔ اگر کبھی بیٹھے بیٹھے کسل ہو جاتا، وہیں جوتیاں سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے تھے۔ جس وقت حضرت سید صاحبؒ کی پالکی چلا کرتی تھی، حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پالکی کے ساتھ دوڑا کرتے تھے۔ اس کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے۔ چاندنی چوک میں کو پالکی جارہی ہے اور آپ ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ دہلی میں اس خاندان کے ہزاروں سلامی [یعنی عقیدت مند] تھے۔ مگر ذرّہ برابر حضرت شہید صاحبؒ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔...... اصلاح یوں ہی ہوتی ہے۔ آج ذرا ذرا بات پر ناگواری ہوتی ہے۔ غرض ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہیے۔

حضرتؒ کی شان عبدیت وفنا:

[پھر حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنے بارے میں ایسی بات فرمائی جس سے حضرت کا خوف خدا اور عبدیت کا عجب حال ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا:]...... اگر کوئی بیمار ہو اور لوگ اس کو علاج سے بے فکر دیکھیں تو چاروں طرف سے لتاڑ پڑتی ہے۔ جس سے وہ اپنی فکر میں لگ جاتا ہے۔ ایسے شخص [کے بارے میں] صحت کی امید ہوتی ہے۔ افسوس تو اس شخص کی حالت ہے پر ہے، کہ تمام دنیا اس کو تندرست سمجھے ہوئے ہے۔ اور وہ بیمار ہے۔ دوسروں کے تندرست سمجھنے پر یہ بھی اپنے کو تندرست سمجھ بیٹھا۔ ایسے مریض کے تندرست ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ جب میں دوسروں کے لیے کوئی تجویز کرتا ہوں اپنے سے بے فکر ہو کر نہیں کرتا، مستغنی ہو کر نہیں کرتا۔

(جلد ا۔ ص:۱۵۹۔۱۶۱)

طبیب کے پاس خود جاتا ہوں:

جب ضرورت پیش آتی ہے حکیم صاحب کے پاس خود جاتا ہوں ان کو نہیں بلاتا۔ ایک روز حکیم صاحب فرمانے بھی لگے کہ مجھ کو شرم معلوم ہوتی ہے، میں ہی حاضر ہو جایا کروں گا۔ میں نے کہا کہ نہیں، شرم کی کیا بات ہے؟ میرا نہ آنا اور آپ کو بلانا عدل کے خلاف ہے۔ محتاج کو چاہیے

کہ وہ محتاج الیہ کے پاس جائے۔اور بحمد اللہ یہ سب باتیں میری امور طبعیہ ہیں، مجھ کو کوئی اہتمام یا سوچ بچار کرنا نہیں پڑتا۔

......ملازم کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ نوکری ایک قسم کی تجارت ہے......تو اس کی تحقیر کی کیا وجہ؟ [مجھے]......جتلانا مقصود نہیں، احسان کرنا مقصود نہیں۔اس لیے اس وقت کہتا بھی نہیں۔صرف اپنے دوستوں سے اس لیے ظاہر کر دیتا ہوں کہ یہ باتیں کانوں میں پڑ جائیں۔[کہ] حقوق العباد کا خیال رکھیں اور عدل کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔کوئی غرض سنانے سے نہیں۔

(جلد ۱۔ص:۱۷۰۔۱۷۱)

شکایات و روایات کا سدباب:

فرمایا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے یہاں پر کوئی روایت کسی شخص کی کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یہ بات تو یہاں پر خاص ہے۔ورنہ قریب قریب اکثر بزرگوں کے یہاں حکایت شکایت کا سلسلہ کم وبیش رہتا ہے۔فرمایا جی ہاں! بحمد اللہ میں ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں۔عرض کیا کہ حضرت سنتے ہی نہیں۔نیز حضرت کے اصول اور قواعد اس قسم کے ہیں کہ اس کے خلاف کی کوئی ہمت ہی نہیں کر سکتا۔اگر ضوابط میں ذرا ڈھیل دی جاتی یہاں پر بھی سلسلہ جاری ہو جاتا۔فرمایا کہ ڈھیل کے متعلق سنیے، حاجی عبدالرحیم بھائی مرحوم کے ملازم تھے۔ان کے متعلق میرے بڑے گھر میں سے ایک معاملہ میں مجھ سے شکایت کی۔میں نے فوراً آدمی بھیج کر حاجی جی کو بلایا۔اور دروازہ میں کھڑا کر کے کہا کہ تمہارے متعلق یہ روایت بیان کرتی ہیں۔اور [اہل خانہ سے کہا] تم نے دعویٰ کیا ہے لہٰذا ثبوت دو، ثبوت تمہارے ذمہ ہے۔ثبوت ندارد۔کہنے لگیں کہ: توبہ تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو فضیحت کر دیتے ہو۔میں نے کہا کہ میں فضیحت نہیں کرتا، نصیحت کرتا ہوں۔یہ سلسلۂ روایات اچھا نہیں معلوم ہوتا۔اس سے دل میں عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔اور جہاں یہ سلسلہ ہے وہاں ہر وقت ہر شخص کو یہ شبہ رہتا ہے کہ نہ معلوم میری طرف سے کسی نے کیا کہہ دیا ہوگا۔اور کہنے سے کیا خیالات پیدا ہو گئے ہوں گے۔اور یوں تو ہمارے حضرات سب ہی حکماء تھے، مگر ہمارے ان بزرگوں میں سے دو بزرگوں میں خصوصیت کے ساتھ یہ صفت، یعنی روایات سے متاثر

نہ ہونا، بہت ہی کامل تھی۔ ایک حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں اور ایک حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں۔ مولانا تو سنتے ہی نہ تھے، شروع میں ہی روک دیتے۔ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ کا عجیب معمول تھا کہ سب سن لیتے تھے، دوسرے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت پر بڑا اثر ہو رہا ہے۔ اور جب بیان کرنے والا خاموش ہوا، حضرت نے بے تکلف فرمادیا کہ یہ سب غلط ہے۔ وہ شخص ایسا نہیں۔ اور اس کہنے کا یہ مطلب تھا کہ چاہے واقع میں صحیح ہو، مگر چونکہ شرعی شہادت نہیں، اس لیے اس کے ساتھ کذب کا سا معاملہ کیا جائے۔ (جلد ۱۔ ص: ۱۷۲۔۱۷۳)

اختلافات ومناظرات سے وحشت:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ دیوبندیت، وہابیت، بریلویت کے اختلاف سے سخت نقصان مسلمانوں کو پہنچا۔ بدعتی [لوگوں نے] نے ہم لوگوں کو نہیں پہچانا، اس لیے کیسی کیسی تہمتیں لگائیں۔ مگر میں تو کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ مجھ کو قیل وقال سے بڑی وحشت ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجھ کو جو جس کے جی میں آتا ہے کہہ لیتا ہے۔ اگر میں بھی کہتا تب حقیقت معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے ہی بزرگوں کی خدمت نصیب ہوئی۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ کسی سے الجھنا نہیں۔ کوئی الجھے تو سب رطب ویابس اس کے سامنے رکھ کر الگ ہو جاؤ اور کام میں لگو۔ واقعی حضرت حکیم تھے۔ کیسی عجیب بات فرمائی اب جب اپنے پر گزرتی ہے حضرت کے ارشاد کی قلب میں قدر ہوتی ہے کہ چند الفاظ میں کتنی بات فرما گئے۔ بات یہ ہے کہ اس قیل وقال اور ردّ وکد [یعنی مناظروں اور بحثوں] میں نفسانیت ضرور آ جاتی ہے۔ اور ایک تو باطل کا رد ہوتا ہے نیک نیتی سے اور حدود کے اندر، یہ تو مامور بہ [یعنی اس کا تو حکم] ہے۔ اور ایک ہوتا ہے محض جدال بدنیتی سے یہ مامور بہ نہیں بلکہ اندیشہ ہے کہ اس پر مواخذہ ہو۔ (جلد ۱۔ ص: ۱۸۰)

تصوف کے اعمال واشغال کا اصل مقصود:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تمام مجاہدات و ریاضات ومراقبات واشغال سے مقصود یہ ہے کہ توجہ الی اللہ میں قوت ہو جائے۔ اور اس کے لیے جو کچھ شغل

وغیرہ شیخ تعلیم کرتا ہے، یہ سب طریق طبی [یعنی بیماریوں کے علاج] کی طرح ہے جو محض تدابیر کا درجہ رکھتا ہے۔ مقصود کوئی چیز نہیں۔

اسی طرح قلب کا جاری ہو جانا جو مشہور ہے، وہ بھی کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اہل تجربہ نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ محض قلب سے ذکر کا خیال رکھا جائے اس میں دھوکہ ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ذکر زبان سے جاری رکھو۔ خواہ قلب بھی حاضر نہ ہو۔ کیونکہ قلب سے ذکر کا خیال رکھنا، اس کا دوام مشکل ہے۔ اور دیرپا بھی نہ ہوگا۔ زبان سے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کوئی وقت بھی ذکر سے خالی نہ جائے گا۔ اور قلب چونکہ ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس لیے اس میں ذہول ہونا [یعنی غافل ہو جانا] بعید نہیں۔ پس زبان سے ذکر جاری رکھنا احوط واسلم [یعنی احتیاط کا اور محفوظ راستہ] ہے۔ (جلد ا۔ص:۱۸۴۔۱۸۵)

غیر مقلد حضرات کی بدگمانی اور حضرت کا ایک خواب:

فرمایا: غیر مقلدین میں بدگمانی کا مرض بہت ہے۔ دوسروں کو حدیث کا مخالف ہی سمجھتے ہیں۔ [بلکہ اکثر تو یہ سمجھتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کے متبعین جان بوجھ کر اور تعصب میں حدیث کے خلاف کرتے ہیں] اور اپنے کو عامل بالحدیث۔ ان کے عمل بالحدیث کی حقیقت تو مجھ کو ایک خواب میں زمانۂ طالب علمی میں ہی سمجھا دی گئی تھی۔ خواب گو حجت شرعیہ نہیں، لیکن مومن کے لیے مبشرات میں سے ضرور ہے، جب کہ شریعت کے خلاف نہ ہو، بالخصوص جب کہ شریعت سے متأیّد ہو [یعنی شریعت سے اس کی تائید ہوتی ہو]۔ میں نے یہ دیکھا کہ مولانا نذیر حسین صاحب [اہل حدیث عالمؒ] دہلوی کے مکان پر ایک مجمع ہے۔ اس کو چھاچ تقسیم ہو رہی ہے۔ ایک شخص میرے پاس بھی لایا مگر میں نے لینے سے انکار کر دیا۔

حدیث میں دودھ کی تعبیر علم اور دین آئی ہے۔ پس اس میں ان کے مسلک کی صورت تو دین کی ہے مگر اس میں روح اور حقیقت دین کی نہیں۔ جیسے چھاچ میں سے مکھن نکال لیا جاتا ہے، مگر صورت دودھ کی ہوتی ہے۔ (جلد ا۔ص:۱۸۹۔۱۹۰)

زیادہ قیمتی چیزوں سے احتراز:

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں جوتا بھیجنا چاہتا ہوں جس کی قیمت دس روپیہ ہے۔[اس وقت جوتے کی قیمت دس روپے نہایت زیادہ تھی]اس پر فرمایا کہ دس روپیہ کی قیمت کا جوتا پہن کر ہمیشہ کے واسطے دماغ سڑ جائے گا۔اور اس میں ایک راز اور بھی ہے۔وہ یہ ہے کہ ہم جیسے طلبہ کو زیادہ فاخر [یعنی قیمتی]لباس نہیں پہننا چاہیئے۔اور نہ شان وشوکت سے رہنا چاہیئے۔غریبوں کی طرح رہنا مناسب ہے۔اس لیے کہ اُن کو[یعنی علماء کو]سابقہ زیادہ تر غرباء ہی سے پڑتا ہے۔اور ایسی صورت میں رہنے سے اُن پر ایک قسم کا رعب اور ہیبت ہوگی،وہ استفادہ نہ کر سکیں گے۔اس لیے میں اس کا بھی خیال رکھتا ہوں۔ ہاں!یہ بھی نہ ہونا چاہیئے کہ بالکل زدہ [خراب وخستہ]حالت میں رہیں،جس سے کوئی صورتِ سوال خیال کرے۔اگر خدا دے تو اوسط درجے میں اہل علم کو رہنا چاہیئے۔ (جلد ا۔ص:۱۹۵)

حضرت کے بارے میں ایک مبارک خواب:

ایک اور مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک طالب علم نے مدرسۂ دیوبند میں ایک خواب دیکھا،اس میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ان طالب علم نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ حضور!حضرت تھانوی کی کس قدر حیات ہے؟حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی ان سے ایک اور خاص کام لینا ہے،اس وقت تک حیات ہے۔

احقر جامع کہتا ہے کہ یہ خواب سن کر حضرت والا پر ایک خاص اثر ہوا۔کچھ دیر تک سکوت کا عالم رہا۔اس وقت کی کیفیت کا لطف اہل مجلس ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (جلد ا۔ص:۱۹۶)

اپنی شان مٹانا اور مصلح کی ہر بات ماننا ضروری ہے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ طریق بہت ہی نازک ہے۔ اس میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی شان،اپنے کمالات سب کو فنا کر دے۔اور مصلح کی ہر بات اور ہر تعلیم پر عمل کرنے کے لیے اپنے کو آمادہ کر لے۔اس راہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ایسا بن جائے، فرماتے ہیں:

دررہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ☆ شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(عشق لیلیٰ کے راستہ میں جان کے لیے بہت سے خطرات ہیں، اول شرط یہ ہے کہ مجنوں بن جاؤ)

حتیٰ کہ جوتیاں کھانے کو تیار ہو جائے۔اور جو جوتیاں کھانے کو تیار ہو گیا، اس نے گویا جوتیاں کھا ہی لیں۔اوراس کی اصلاح ہو ہی گئی۔آمادہ ہونا ہی تو مشکل ہے۔اس لیے کہ آمادگی وہی معتبر ہے جو خلوص دل سے ہو۔اور خلوص دل سے آمادہ وہی ہوتا ہے، جو اپنی شان نہیں رکھتا۔اور یہی اصل چیز ہے کہ اپنے کو مٹادے، فنا کردے۔ورنہ محض جوتیاں کھانے سے کیا ہوتا ہے۔ (جلد ا۔ص:۱۹۸۔۱۹۹)

شیخ کی خدمت میں ایک قابل لحاظ مدت تک رہنا چاہیے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں اہل طریق کے لیے ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں کہ ہر کام سہولت سے ہو جائے۔حتی کہ بڑے بڑے مقاصد سہولت سے حاصل ہو جاتے ہیں۔اور یہ موقوف ہے صحبت پر۔مرید کو شیخ کی خدمت میں ایک مدتِ خاص تک رہنا ضروری ہے۔اس سے مقصود میں خاص سہولت ہو جاتی ہے۔رہا یہ کہ کس قدر مدت میں کام ہو جاتا ہے؟ اس کا تعیّن مشکل ہے۔یہ مناسبت پر موقوف ہے۔اگر اہلِ استعداد ہوتا ہے [تو] بہت جلد کام ہو جاتا ہے۔حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کل پینتالیس روز رہے۔اس کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم دے چکے جو کچھ دینا تھا۔حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس وقت کا یہ فرمانا حضرت کا کہ ہم دے چکے جو کچھ دینا تھا، سمجھ میں نہ آیا کہ کیا دیا۔مگر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دیا تھا۔پھر اس پر حضرت مولانا گنگوہیؒ نے مزاحاً فرمایا کہ اگر ہم جانتے کہ یہ چیز ہے تو اتنی محنت کیوں کرتے۔اس پر حضرت والا نے بھی مزاحاً فرمایا کہ مل جانے پر فرماتے تھے۔ورنہ پندرہ برس تو معلوم ہی ہونے میں لگ گئے۔ (جلد ا۔ص:۲۰۰)

اس طریق میں مناسبت بڑی چیز ہے:

فرمایا کہ اس طریق میں مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی چیز ہے۔بدوں مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا۔یہی وجہ ہے کہ میں عدم مناسبت کی بناء پر طالب کو مشورہ دیتا ہوں کہ مجھ

سے تم کو نفع نہ ہوگا اگر تم چاہو تو کسی دوسرے مصلح کا نام بتلا دوں۔ (جلدا۔ص:۲۲۰۔۲۰۱)

اپنی اصلاح وتربیت کی فکر ضروری ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کسی کے پاس نرے رہنے سے کیا ہوتا ہے جب تک انسان کو اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر نہ ہو۔ (جلدا۔ص:۲۰۶)

حضرت گنگوہیؒ سے عقیدت ومناسبت:

فرمایا کہ میں جب گنگوہ حاضر ہوتا تو حضرت نہایت ہی شفقت کا برتاؤ فرماتے۔ میں تو حضرت کو پیر سمجھتا رہا۔ مگر حضرت سمجھتے رہے پیر بھائی۔ اور مجھ کو حضرت گنگوہیؒ سے ایک طبعی شغف ہے۔ اور حضرات سے بھی بحمد اللہ عقیدت ہے، مگر استدلالی۔ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ضروری غیر استدلالی۔ مجھ کو حضرت کے مذاق [یعنی ذوق ومزاج] پر شبہ ہی نہیں ہوا۔ (جلدا۔ص:۲۰۷)

حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظاہری محاسبہ نہ تھا، مگر برکت اتنی زبردست تھی کہ محاسبہ میں وہ کام نہیں بن سکتا جو حضرت کے یہاں بلا محاسبہ ہی بن جاتا تھا، یہ محض حضرتؒ کی برکت تھی۔ (جلدا۔ص:۲۰۸)

ملکات رذیلہ اپنی ذات میں مذموم نہیں:

فرمایا کہ ملکات رذیلہ اپنی ذات میں مذموم نہیں ہوتے۔ مثلاً شہوت ہے، کیا وہ اپنی ذات میں مذموم ہے؟ ہرگز نہیں۔ مولانا نے اس ہی مضمون کو فرمایا ہے ؎

شہوت دنیا مثال گلخن ست ☆ کہ ازو حمام تقویٰ روشن ست

ترجمہ: شہوت دنیا مثل بھٹی کے ہے۔ کہ اس سے تقویٰ کا حمام گرم ہوتا ہے۔

بلکہ جس شخص کی شہوت قوی ہے، اس کی مقاومت [مقابلے] سے زیادہ نور پیدا ہوتا ہے۔ اور جس کی قوت شہوت کمزور ہے، اس کی مقاومت سے وہ نور نہیں پیدا ہوتا۔ تو مدار قربِ خداوندی کا افعالِ اختیاریہ ہوئے۔ جہاں اختیار کا زیادہ استعمال کیا گیا [اور نیک اعمال زیادہ ہوئے اور معاصی

سے پرہیز زیادہ ہوا] وہاں قرب زیادہ ہوا۔ (جلد۱۔ص:۲۱۴)

حضرتؒ اور توجّہِ اصطلاحی:

فرمایا کہ میں پہلے جب حضرت کی خدمت میں نیا نیا آیا تھا اہل طریق کی دیکھا دیکھی، توجہ بھی دیا کرتا تھا، شاہ لطف الرسول صاحب وغیرہ توجہ میں بیٹھتے تھے۔ اور ان پر بہت سے مخفیّات منکشف بھی ہوتے تھے۔ لیکن میں کورا ہی رہتا تھا۔ (جلد۱۔ص:۲۲۵)

دین پر عمل کا مدار سلف کی تعظیم پر ہے:

فرمایا کہ اہل علم کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں، کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے۔ اس لیے حتی الامکان ان پر اعتراض و تنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہئے۔
(جلد۱۔ص:۲۲۶)

[سبحان اللہ عجیب معرفت اور گہرے راز کی بات ہے۔ خوب مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ جن لوگوں اور حلقوں میں سلف کی قلبی تعظیم کم ہوتی ہے عمل سے خالی رہتے ہیں۔]

ایک سالک عالم کے حالات اور حضرتؒ کے جوابات:

ایک مولوی صاحب نے اپنی حالت بیان کی جس کے چار اجزاء تھے۔

نمبر۱: یہ کہ نماز میں اب یہاں رہ کر حضرت کی برکت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذات بحت بے کیف کے سامنے موجود ہوں۔ اور نہایت عاجزی سے قصور کی معافی کی خواستگاری کر رہا ہوں۔ مگر یہ کیفیت مستقر [لگاتار] نہیں ہوتی، آتی جاتی رہتی ہے۔ اور بعض ارکان میں بالکل خطرات مستولی ہوجاتے [یعنی خیالات چھائے رہتے] ہیں۔ بعض ارکان میں کسی خاص خیالِ محمود پر دل لگاتا ہوں، بعض دفعہ ارکانی ادعیہ (نماز کے الگ الگ ارکان میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں) کے معنیٰ کی طرف خیال ہوتا ہے۔ بعض دفعہ نہ معلوم کہاں چلا جاتا ہوں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ نماز میں ہوں یا نہیں۔ ایک حالت پر استقرار کیسے ہو؟

حضرت والا نے جواب میں فرمایا: یہ تقلبات سفر [یعنی سفر کے مختلف حالات] ہیں۔ اور تثبّت [یعنی ایک حالت پر قرار ہوجانا] منزل ہے۔ منزل پر رسائی سفر ہی سے ہوتی ہے۔ اور کوئی طریق

نہیں۔ یوں ہی چلنے دیجیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک روز تثبّت [یعنی مستقل اچھی حالت کا بقا] بھی عطا ہو جائے گا۔ جس کی کوئی مدت متعین نہیں ہوسکتی۔ جب تک حاصل نہ ہواس کی طلب وقصد بھی قرب وقبول میں بجائے حصول ہی کے ہے۔ [یعنی جب تک ایسی نماز نصیب نہ ہو جس میں خیالات اور غفلت کے بجائے مسلسل حضوری اور اللہ کی طرف توجہ نصیب ہو اس وقت تک اس کی طلب اور کوشش کا بھی وہی اجر ہے جو حضوری وتوجہ الی اللہ کا ہے۔ اور اس سے بھی قرب حاصل ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! کیسی تسلی واطمینان اور راہ پر قائم وجاری رکھنے والی تعلیم ہے]۔

نمبر۲: یہ پختہ عہد کرلیا ہے کہ ان شاء اللہ کوئی گناہ نہ کروں گا۔ اور اگر ہوا تو نفس کو خوب سزا دینی چاہیے۔ مگر وہ سزا سمجھ میں نہیں آتی۔ جس سے یہ [نفسِ] امارہ [نفسِ] مطمئنہ ہو جائے۔

جواب میں فرمایا: ہر ایک نفس کی سزا جدا ہے۔ جیسے حضرات فقہاء نے شریف کی تعزیر اور لکھی ہے، مثلاً محکمۂ قضاء میں بلا کر قدرے ملامت کر دینا۔ بس آپ کے نفس کے لیے یہ ہی سزا کافی ہے۔ مگر نفسِ غیر شریف کے لیے دوسری ہے۔

نمبر۳: فکر یہ ہے جب یہاں سے جا کر دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاؤں گا تو یہ یادداشت کیسے رہے گی؟ اس کی کیا تدبیر ہے؟

جواب میں فرمایا: میرے معروضاتِ زبانی یا مکاتبت کو ضبط کر کے پاس رکھنا اور گاہ گاہ مطالعہ کرلینا ان شاء اللہ ایک بڑی حد تک کافی ہوگا۔

نمبر۴: دو تین روز سے تقریباً ہر وقت یہ حالت رہتی ہے کہ قلب جیسے غمگین وحزین ہو، بلکہ جیسے کسی غم میں برداشت کرنے کے بعد حالت ہوتی ہے۔ زیادہ توضیح سے اس کو بیان نہیں کرسکتا۔ البتہ عجب تاثر کی سی کیفیت ہے۔ مجھ کو یہ بھی امتیاز نہیں کہ یہ تکلیف دہ ہے یا لذت بخش۔ یہ حالت کسی وقت زائد ہوتی ہے کسی وقت کم۔ کچھ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ شاید یہ حالت جزوی واقعات سے ہو جیسے لڑکے کا بیمار ہو جانا وغیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جواب میں فرمایا: اسباب کی تشخیص وہاں ضروری ہے جہاں مضرت ہو، تاکہ سبب کو مرتفع کیا جائے۔ اور اس سے کوئی مضرت نہیں اس لیے تشخیصِ اسباب بھی ضروری نہیں۔ ایسے حالات

سب کو پیش آتے ہیں اور خود بخود مضمحل ہو جاتے ہیں۔ بالکل بے فکر رہیے۔ (جلد ا۔ص:۲۲۷)

ایک نظر سے کامیابی کی توقع؟

فرمایا کہ اس طریق میں اصل شے طلب ہے۔ بقدر طلب جو مناسب ہوگا ملے گا۔ اور جہاں ایک نظر میں کامیابی ہوئی ہے، وہاں بھی مجاہدہ کی بدولت ہوئی ہے۔ بہت سے مجاہدات اس نظر سے مقدّم [یعنی پہلے] رہے ہیں۔ یہ مسئلہ، بلکہ تمام فن تصوف، بہت صاف ہے۔ جہلاء نے غلط قواعد مشہور کئے ہیں [کہ شیخ کی ایک نظر سے کسی کا کام بن جاتا ہے اور وصول الی اللہ نصیب ہو جاتا ہے، یہ وہ باتیں ہیں] جن کی کوئی اصل نہیں۔ چنانچہ ایک نظر میں کامیابی کی توقع میں بیٹھے رہتے ہیں۔ (جلد ا۔ص:۲۲۸)

......مریداں می پرانند:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اتفاقاً ایک صاحب کے خط کے جواب میں جن پر فوجداری کا مقدمہ تھا، محض توکّل پر میرے قلم سے نکل گیا کہ ان شاءاللہ کچھ نہ ہوگا۔ وہ اتفاقاً اس مقدمہ سے بری ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ مجھ کو [پہلے ہی] پتہ چل گیا تھا۔ حالانکہ مجھ کو علم بھی نہ تھا، می پرانند اسی کو کہتے ہیں۔ [مگر عموماً خواصِ اہل اللہ کی زبان سے نکلی ہوئی بات کی اللہ تعالیٰ لاج رکھ لیتے ہیں۔ از یحییٰ]۔ (جلد ا۔ص:۲۲۸)

احیاء العلوم کے باب الخوف کو نہ دیکھیں:

فرمایا کہ میں اپنے احباب کو مشورہ دیتا ہوں کہ کتاب احیاء العلوم کے باب الخوف کو نہ دیکھیں۔ امام غزالیؒ پر ہیبت غالب ہے۔ اس لیے عنوانات سخت ہیں [یعنی بات کہنے کا انداز سخت ہے] جن کا تحمل نہیں ہوتا۔ مثلاً لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا ہے: اے داؤد! مجھ سے ایسے ڈرو جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں، اس پر امام علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ درندہ مجرم ہی کو نہیں پھاڑتا۔ یہاں پر ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ تعذیب بلا وجہ ہو سکتی ہے۔ حالانکہ مطلب یہ ہے جیسے درندہ سے غیر مجرم بھی ڈرتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے، خواہ کوئی جرم نہ کیا ہو [کہ وہ محض عظمت کا خوف ہے]۔ تو وجہ تشبیہ صرف یہ ہے۔ نہ یہ کہ حق تعالیٰ غیر مجرم کو بھی عذاب دیتے ہیں۔ امام علیہ الرحمۃ کی عبارت ناکافی ہے غلبۂ حال کی وجہ سے۔ (جلد ا۔ص:۲۲۸۔۲۲۹)

اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ عوام کے عقائد نہ بگڑیں:

بعض جگہ اس کی رسم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جبہ شریف کے ہمراہ لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ اس سے عوام کے عقائد بگڑ جانے اور غلو کا اندیشہ ہے۔ ورنہ وہ اپنی ذات میں ایسی بزرگ محترم چیز ہے کہ سر کے بل چلنا بھی کم ہے۔ مگر ایسی باتیں انتظامِ شریعت کے خلاف ہیں۔ ان سے عوام کے عقائد بگڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا اجتناب ضروری ہے۔ (جلد ا: ص۔ ۲۳۰)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کی بے نفسی:

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ بہت مرتبہ اثناء درس فرما دیتے تھے کہ بھائی اس مقام میں شرح صدر نہیں ہوا۔ بعض مرتبہ تو ماتحت مدرسین سے ان کے حلقۂ درس میں تشریف لے جا کر دریافت فرمالیا کرتے تھے کہ یہ مقام سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کی تقریر کر دیجئے جو مطلب وہ مدرس بتاتے اس کو آ کر نقل فرما دیتے تھے کہ فلاں صاحب نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے۔ اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے اس بے نفسی کا! آج تو کوئی کر کے دکھلائے۔ (جلد ا: ص۔ ۲۳۴)

حضرتؒ کو دار العلوم کی سند:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ مجھ کو مدرسہ سے سند نہیں ملی۔ مدرسہ نے دی نہیں، ہم نے مانگی نہیں۔ کیونکہ یہ اعتقاد تھا کہ ہم کو کچھ آتا نہیں، پھر سند کیا مانگتے؟ بلکہ میں مع چند ہم سبقوں کے زمانہ جلسہ [جلسۂ دستار بندی] میں حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، اور عرض کیا کہ یہ معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ سے ہم لوگوں کو سند ملنے والی ہے۔ مگر چونکہ ہم کو کچھ آتا جاتا نہیں، اس لیے اس کو موقوف کر دیجئے۔ جوش میں آ کر فرمایا کون کہتا ہے کہ تم کو آتا نہیں؟ یہ خیال اپنے اساتذہ کو دیکھ کر آتا ہے۔ لیکن باہر جہاں جاؤ گے تم ہی تم ہو گے اللہ اکبر! کیسے توکل کے ساتھ فرما دیا تھا۔ (جلد ا۔ ص: ۲۳۵۔ ۲۳۶)

اولیاء اللہ کو تکلیف پہنچانے پر انتقام:

فرمایا کہ اولیاء اللہ کو جو شخص تکلیف پہنچاتا ہے اس سے انتقام لیا جاتا ہے۔ اور یہ اولیاء اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، لیکن قسم لے لیجئے ان کو وسوسہ بھی نہیں آتا کہ ہماری وجہ سے ایسا ہو رہا

ہے۔ یہ لوگ تو فنا میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ (جلد۱۔ص:۲۳۷)

جاہل صوفیہّ کی غلط تفسیر:

﴿ قل الروح من امر ربی ﴾ میں جہلاء صوفیہ نے عجب گڑبڑ کی ہے جب ہی تو ابن تیمیہ وغیرہ صوفیہ پر خفا ہوتے ہیں۔ ایک اصطلاح ہے کہ عالم دو ہیں عالم امر یعنی مجردات اور عالم خلق یعنی مادیات۔ اس اصطلاح پر آیت کی تفسیر کرلی کہ روح عالم امر سے ہے یعنی مجرد ہے۔ تو اس کا تجرد قرآن سے ثابت کیا۔ مگر یہ استدلال محض لغو ہے۔ کیونکہ اصطلاح خود مقرر کی اور پھر قرآن کو اس کا تابع بنایا ﴿ قل الروح من امر ربی ﴾ سے تو مقصود یہ ہے کہ تم روح کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اتنا سمجھ لو کہ روح اللہ تعالیٰ کے امر سے پیدا ہوئی بس اس سے آگے کسی تفسیر کا دعویٰ من گھڑت ہے۔ (ص:۲۳۸۔۲۳۹)

[ناواقف حضرات آج بھی ایسی تفسیرات نقل کرتے رہتے ہیں۔ صوفیہ کی تفسیر جب تک معتبر علماء میں سے کسی کی اختیار کردہ نہ ہو، بیان نہیں کرنی چاہیے]۔

حضرت سلیم چشتیؒ اور جہانگیر:

فرمایا کہ [مشہور بزرگ حضرت خواجہ] سلیم چشتیؒ سے جہانگیر ملنے آئے۔ انہوں نے جوں دیکھنے کے لیے اپنی گدڑی مرید کو دی اور خود حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ کواڑ حجرہ کے بند تھے۔ خادم نے دروازہ کھٹکھٹایا، دریافت فرمایا: کیا ہے؟ عرض کیا کہ بادشاہ آئے ہیں۔ فرمایا: لاحول ولاقوۃ الا باللہ، میں تو سمجھا تھا کہ کوئی بڑی سی جوں نکل آئی، اس کو دکھلانے کے لیے بلاتا ہے۔ (جلد۱:ص۔۲۴۲)

مشائخ صوفیہ کے تذکرہ سے حضرتؒ کے قلب وبدن میں خاص حرارت پیدا ہوجاتی تھی:

فرمایا کہ مشائخ صوفیہ کے تذکرہ سے میرے بدن میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی پسینہ آرہا ہے۔ اور علماء کے تذکرہ سے ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماء اقرب الی الرحمۃ ہیں، جیسے صوفیہ اقرب الی المحبت ہیں۔ (جلد۱۔ص:۲۴۲۔۲۴۳)

جس سالک میں تواضع نہ آئے وہ قطعاً محروم:

فرمایا کہ جس شخص کو داخل طریق ہوکر تواضع میسر نہیں ہوئی، وہ بالکل محروم ہے۔ جیسے ایک

امیر کبیر کی لڑکی سے کسی نے شادی کی لیکن وہ رتقاء تھی۔ تو مقصود نکاح تو حاصل نہ ہوا، خاوند کی نظر میں دو کوڑی کی نہیں۔ اسی طرح بدوں تواضع داخل طریق ہونا بیکار ہے۔ [مولانا روم] فرماتے ہیں:

این ہمہ ہاہست لیکن ہست نیست ☆ تا فرشتہ لا نشد اہریمنے ست

(یہ تمام چیزیں موجود ہیں مگر وجود حقیقی ان کا نہیں ہے، جب تک فرشتے کو درجۂ فنا حاصل نہ ہو وہ شیطان ہے)۔ (جلد ا۔ص: ۲۴۴۔۲۴۵)

اظہار عیوب میں شیخ سے شرمانے کی وجہ:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اظہارِ عیوب میں شیخ سے شرمانے کی دو ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ یا تو اس سے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ امراض کو سن کر اس کو حقیر سمجھے گا، یا یہ کہ کسی سے کہے گا۔ تو شیخ میں یہ دونوں احتمال بالکل مفقود [غیر موجود] ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو وہ شیخ نہیں۔ (جلد ا۔ص: ۲۴۵۔۲۴۶)

باطنی امراض کے علاج کا طریقہ:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علی التعاقب [یعنی ایک ایک کر کے] اپنے امراض کا علاج کرے۔ اس طرح کہ جو اس کے نزدیک اہم ہو اس کو مقدم کرے۔ اسی طرح ایک ایک کو مصلح سے دریافت کرے۔ جب ایک مرض کے علاج میں رسوخ ہو جائے تو دوسرا شروع کر دے۔ اور اول کی مقاومت [یعنی اس سے بچنے کی کوشش میں مجاہدہ] بھی نہ چھوڑے۔ پھر تیسرا شروع کر دے۔ اور پہلے دو کو نہ بھولے۔ آخری بات یہ ہے کہ امراض کا معالجہ شروع کر دے۔ اور اتفاقی تقصیر [وکوتاہی] پر استغفار کرتا رہے۔

اس فکر میں نہ پڑے کہ کتنا نفع ہوا اور کتنا باقی رہا۔ ورنہ اسی حساب میں رہے گا۔ اس کو چھوڑ کر کام میں لگے [یعنی علاج کرتا رہے اور ذکر کی پابندی کرے]۔ اور یوں سمجھے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوا، روزِ اول ہی جیسا اہتمام رکھے۔ اور اپنے کو معالجہ اور استغفار ہی میں ختم کر دے۔ [یعنی ہمیشہ اپنی اصلاح کی ویسی ہی فکر رکھے جیسی راہ سلوک میں قدم رکھتے وقت کرتا تھا۔ اور موت تک اپنے عیوب کی اصلاح اور رذائل کے علاج میں مشغول رہے۔ ساتھ ہی جو کوتاہیاں ہوتی رہیں ان پر ندامت

وپشیمانی کے ساتھ استغفار کیا کرے۔ اوراسی حال میں مرجائے۔ یحییٰ] (جلد۱۔ص:۲۴۶)

اللہ کی صحیح یاد وہی ہے جو اصلاح کی فکر کے ساتھ ہو:

فرمایا کہ بعض لوگ أنا جلیس من ذکر نی [میں اپنے ذکر کرنے والے کا ہم نشیں ہوں] سے استدلال کرتے ہیں کہ صرف اذکار ہی اصلاح کے لیے کافی ہیں۔ کیونکہ ذکر سے قرب ہوگا اور قرب سے معاصی سے نفرت و اجتناب ہوگا۔ اور تدابیر کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ذکر نی میں خود تدابیر اصلاح بھی داخل ہیں۔ تو بدوں معالجۂ امراض کے ذکر ہی متحقق نہیں [یعنی بغیر اپنی گندگیوں کی اصلاح کی کوشش کے ذکر الٰہی کا اعتبار ہی نہیں]۔

دیکھو حصن حصین میں ہے کل مطیع للّٰہ فھو ذاکر (جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ ذکر کرنے والا ہے) سنئے ذکر کے معنی ہیں: یاد۔ تو یاد تو سب طریقہ سے ہوتی ہے، نہ یہ کہ محض زبان ہی سے نام لے لے۔ کیا یہ یاد ہے کہ جس کی یاد کا دعویٰ ہے، نہ اس سے بات کرے، نہ اس کے خط کا جواب دے، نہ اس سے ملے، نہ اس کا کہنا مانے۔ یہ ہرگز یاد نہیں۔ تو جو ذکر بدوں اصلاح کے ہو وہ ایسی ہی یاد کی طرح سے ہے۔ (جلد۱۔ص:۲۴۷)

تفویض کی حقیقت اور دعا کا وجوب:

[تفویض ایک بلند ایمانی حال اور دل کا عمل ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ بندہ اپنے معاملے کو مکمل طور پر اپنے رب کے حوالے کرکے اس کے ہر فیصلے پر دل سے راضی رہے۔ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھ لیا تھا کہ اللہ سے دعا بھی نہ مانگی جائے، اس سلسلے میں] ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تفویض کے یہ معنی نہیں کہ مانگے نہیں۔ تفویض کے معنی یہ ہیں کہ یہ عزم رکھے کہ اگر مانگنے پر بھی نہ ملا اس پر بھی [دل سے راضی] رہوں گا۔ تفویض کی حقیقت اگر نہ مانگنا ہوتا تو مانگنے کا [قرآن حدیث میں حکم و] امر نہ فرمایا جاتا۔ یہ کوئی بہت باریک مسئلہ نہیں ہے۔ مانگنے کے لیے [قرآن وحدیث کے احکام کا] نص موجود ہے۔ [بلکہ دعا اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قرب الٰہی کا خاص عمل ہے]۔ البتہ عین دعا کے وقت بھی اس کا استحضار رہے کہ اگر

مانگنے پر بھی نہ ملا تو بس اس پر دل سے راضی رہوں گا۔

یہ وہ مسئلہ ہے کہ بڑے بڑے فضلاء کو شبہ ہو گیا کہ دعاء اور تفویض کیسے جمع ہوں گے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ خوب مانگے اور خوب الحاح وزاری کرے۔ مانگنا ہرگز تفویض کے منافی نہیں۔ مانگنے کو کون منع کرتا ہے؟ اپنے بزرگوں کا بھی یہی معمول رہا ہے، جو میں اس وقت بیان کر رہا ہوں۔ [یہی تمام انبیاء کا طریقہ رہا ہے۔ یہی سنت ہے۔ اسی پر محقق مشائخ تصوف کا عمل رہا ہے]۔

اور ایک کام کی بات بیان کرتا ہوں جو یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ اس میں عبدیت زیادہ ہے کہ یہ سمجھ کر مانگے کہ یہ چیز ضرور ہم کو ملے گی اور ضرور ہی دیں گے۔ یہ بھی شان عبدیت کے لیے ایک لازم چیز ہے۔ اور مانگنے کے آداب میں سے ہے۔ آگے ان کو اختیار ہے کہ اگر بندہ کے لیے وہ مصلحت اور حکمت دیکھیں گے عطا فرما دیں گے۔ ایک اور بات بیان کرتا ہوں مانگنے کے متعلق۔ جب حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے تو خود اس [مانگنے کے عمل] کو بھی مقصود سمجھو۔ تو مقصود دو ہوئے، ایک وہ چیز جو مانگ رہے ہو، دوسرے خود مانگنا بھی۔ بلکہ نہ مانگنے پر [پکڑ کا] اندیشہ ہے۔ اس لیے کہ حکم مانگنے کا تھا، اس میں استغناء [یعنی خدا تعالیٰ سے بے نیازی] سے کام لیا۔

بعض لوگ خود دعا کو مقصود سمجھتے ہیں اور حاجت کو مقصود نہیں سمجھتے۔ غلطی ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد طعام کے دعا میں یہ اضافہ فرمایا کرتے تھے "غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا" یعنی ہم اس کھانے کو رخصت نہیں کرتے۔ اس سے مستغنی نہیں۔ اور صدہا احادیث ہیں جن میں حضورؐ سے [دعا اور] حاجتیں مانگنا ثابت ہے۔ تو ایسی چیز تفویض کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔ مانگنے کو تفویض کے خلاف سمجھنا سخت غلطی ہے۔ گو اجتہادی ہے، جس کا سبب [بعض مشائخ کا] غلبۂ حال ہے۔ (جلد ا۔ ص: ۲۵۷)

اشغال وریاضات تصوف بدعت نہیں:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج کل بعض خشک علماء بھی طریق اصلاح کے بعض اجزاء کو بدعت کہتے ہیں، جیسے بعض ریاضات یا بعض اشغال۔ فرمایا کہ بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو دین سمجھ کر اختیار کرے اگر معالجہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہو سکتا ہے پس ایک

احداث للدین (دین حاصل کرنے کے لیے کوئی جدید طرز اختیار کرنا) ہے اور ایک احداث فی الدین (دین کے اندر کوئی نئی بات پیدا کرنا) ہے۔ احداث للدین معنیً سنت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے۔ اس پر بحمد اللہ کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ (جلد ا۔ص:۲۵۹۔۲۶۰)

حضرت کی تواضع:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک معترض نے مجھ پر اعتراض کیا ہے کہ رخص (شرعی سہولتوں پر) پر عمل کرتا ہے۔ مگر ہم رخص کو تو تمام عمر ان شاء اللہ تعالیٰ نباہ دیں گے۔ اور دعوے سے عزائم پر عمل کرنے والوں کی چار دن کی چاندنی ہے، [یعنی زیادہ دن نبھا نہیں پاتے] اور بھائی صاف صاف بات یہ ہے کہ عزیمت میں محنت ہے، اور محنت ہوتی نہیں اور کبھی کی بھی نہیں۔ بس عملی حصہ تو بہت ہی کم ہے۔ رہا علم تو یہ بھی خدا تعالیٰ کی عنایت ہے کہ دو چار باتیں آ گئیں دوسروں کو بتلا دیتا ہوں۔ کمال اس میں بھی نہیں۔ (جلد ا۔ص:۲۶۵)

ہندوستانی مسلمانوں پر شیعیت کا اثر:

فرمایا: ایک اور بات بھی ایسی ہی ہے۔ مثلاً امام حسین علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام کہتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ امام ابوبکر صدیق علیہ السلام، امام عمر فاروق علیہ السلام حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ بھی امام کا لقب نہیں استعمال کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل بیت کے ساتھ اس کو مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ اس میں دوسرے صحابہ کے شریک رہے۔ (جلد ا۔ص:۲۸۳۔۲۸۴)

حضرت کے اساتذہ کی شان:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں کم عمری میں جب دیوبند پہلی مرتبہ گیا تو میں نے ان حضرات کو دیکھا۔ اور یہ سمجھا کہ یہ کیا علماء ہوں گے؟ محض پڑھنے پڑھانے کے ہوں گے۔ اس لیے کہ چھوٹے چھوٹے قد، معمولی لباس، نہ چوغہ ہے نہ عمامہ، ہر طرح پر سادگی۔ یہ خیال اس وجہ سے

ہوا تھا کہ میں نے یہاں پر مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا، جو بہت قد آور اور وجیہ بزرگ تھے۔ مگر پھر [دیوبند] رہنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرات کیا چیز تھے! کیا ٹھکانہ تھا ان کے علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کا!

بحمد اللہ ایسے بزرگوں کی خدمت میسر ہوگئی۔ یہ اللہ کا فضل اور والد صاحب کا احسان ہے۔ اول تو انہوں نے مجھ کو عربی کے لیے تجویز کیا۔ اور پھر اس پر یہ احسان کہ دیوبند تعلیم کا سلسلہ رکھا۔ ورنہ میرٹھ میں بھی ممکن تھا۔ کیونکہ وہاں پر والد صاحب کا قیام بھی تھا۔ اور ایک مرتبہ میرٹھ ہی میں مجھ کو ایک مدرسہ میں داخل کرنے کے لیے لے بھی گئے تھے۔ شہر میں ایک مدرسہ بھی تھا۔ مگر نہ معلوم کیا اسباب وہاں پر ہوئے داخل نہیں فرمایا اور پھر دیوبند ہی کو تجویز فرمایا۔ والد صاحب مرحوم کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ (جلد ا۔ص:۲۹۲)

بہن کی شادی میں شرکت نہیں فرمائی:

فرمایا کہ میری علاتی ہمشیرہ کی جو شادی ہوئی تھی اس میں سب رسومِ مروجہ ہوئیں تھیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اس کی والدہ کو عورتوں نے بہکایا اور یہ سمجھایا کہ تمہاری ایک ہی تو بچی ہے دل کھول کر شادی کرو۔ باقی اگر یہ اندیشہ ہے کہ وہ (یعنی میں) شرکت نہ کرے گا تو نکاح میں تو شرکت ہو ہی جائے گی۔ اور جن رسموں کو برا کہتے ہیں اس میں شرکت نہ کریں گے۔ نکاح تو سنت ہے۔ اس میں تو ضرور ہی شریک ہوں گے۔ والدہ بیچاری بہکاوے میں آگئیں۔ برات آنے کا دن جمعہ کا تھا۔ میں نے بھینسانی (ایک گاؤں ہے) والوں سے کہلا بھیجا، کہ جب جمعہ پڑھنے آؤ ایک بہلی لیتے آنا۔ اور قصبہ سے باہر کھڑی کر دینا۔ میں بعد جمعہ تمہارے یہاں آؤں گا۔ وہ لوگ جمعہ کی نماز کو آتے ہی تھے۔ تو ایک بہلی ہمراہ لیتے آئے۔ میں نے نماز جمعہ کی جامع مسجد میں پڑھی۔ اور باہر ہی باہر بہلی میں بیٹھ کر بھینسانی پہنچ گیا۔ یہاں پر کسی سے ذکر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ گھر والوں تک کو بھی خبر نہ کی۔ برات آگئی دن ختم ہوا یہی خیال رہا سب کو کہ ہوگا یہیں مسجد وغیرہ میں۔

جب مغرب کا بعد ہو گیا، تب نکاح پڑھانے کے لیے تلاش ہوئی۔ میں نہ ملا تو بھائی صاحب نے مختلف اطراف میں آدمی بھیجے۔ ایک آدمی بھینسانی بھی آیا۔ میں عشاء کی نماز پڑھ کر

لیٹ گیا تھا۔ جس مقام پر میں ٹھہرا ہوا تھا ایک آنے والے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ میں نے کہا کہ غالبًا تھانہ بھون کا آدمی آیا اس لیے کہ خیال تو تھا ہی۔ وہ آدمی آیا مجھ سے ملا۔ میں نے کہا وہاں جا کر کہہ دینا کہ میں زندہ ہوں اطمینان رکھو۔ اگر اوروں پر اختیار نہ تھا تو اپنے نفس پر تو اختیار تھا، خود اپنے کو بچا لیا۔ اور میں صبح کو آجاؤں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ شب کو وہیں پر رہا۔ صبح کو بھی دیر کر کے چلا۔ اس خیال سے کہ ایک براتی کی بھی صورت نہ دیکھوں۔ پھر تو میری شرکت نہ کرنے کی وجہ سے سارے خاندان نے توبہ کی کہ بڑی واہیات ہوئی، اب آئندہ کبھی ایسا نہ کریں گے۔ جب سے اللہ کا فضل ہے خاندان میں کبھی کوئی رسم نہیں ہوتی۔

گاؤں والوں کا خیال سنیے۔ یہاں سے بھینسانی دو سو روپیہ گھی خریدنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو خیال ہوا تھا جب مولویوں کے گھر دو سو روپیہ کا گھی ایک گاؤں سے جا رہا ہے اور دوسری جگہ سے بھی ضرور آیا ہوگا۔ جب گھی کا اتنا صرفہ ہے اور اجناس میں نہ معلوم کس قدر صرفہ ہوگا، تو اب ہم بھی دل کھول کر شادیاں کیا کریں گے، چاہے گھر کی جائدادیں فروخت ہو جائیں۔ سو اگر اس وقت آپ یہاں نہ آتے تو ہمارے یہاں بھی شادیوں میں ایسا ہی ہوتا جس کا انجام گھر کی بربادی ہوتی۔ آپ نے یہاں آ کر ہمارا گاؤں بچا لیا۔ اور ایسا ہو گیا جیسے اپنے پاس سے گاؤں ہم کو دیا ہو۔

واقعی اگر میں وہاں نہ جاتا اور یہاں پر رہتا گو شریک نہ ہوتا، مگر کس کو معلوم ہوتا کہ شرکت کی یا نہیں کی۔ عوام پر بہت برا اثر ہوتا۔ اب یہاں پر قصبہ میں یہ حالت ہے کہ کسی کو ان رسوم کی پابندی نہیں رہی، اب اگر کوئی صرف بھی زائد کرے تو اس کا نام نہیں۔ نہ کرے کچھ ملامت نہیں۔ اور رسوم مباحہ کے متعلق یہی درجہ مقصود ہے۔ (جلد اول۔ ص: ۲۹۹۔۳۰۰)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو

---

(۱) [طریق تصوف کی حقیقت و مقصد اور اس کے اعمال و اشغال پر ہونے والے اعتراضات کے سلسلے میں اس عاجز کے نزدیک سب سے اطمینان بخش مدلل گفتگو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب ''تصوف کیا ہے'' میں آ گئی ہے۔]

اس تقریب میں[جس میں فضول رسمیں ہوئی تھیں] شرکت فرمائی اور فلاں شخص نے (یعنی میں نے) شرکت نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے؟ جواب میں فرمایا کہ بھائی ہم نے فتوے پر عمل کیا۔ اس نے تقوے پر عمل کیا۔ یہ تو تواضع کا جواب تھا۔ مگر اسی طرح کا ایک صاحب نے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے سوال کیا، حضرت نے محققانہ جواب دیا کہ عوام الناس کے مفاسد کی جیسی اس کو خبر ہے ہم کو خبر نہیں۔ حضرت نے حقیقت ہی کو ظاہر فرما دیا۔ (جلد ا۔ ص:۳۰۴)

دوسروں کے برا کہنے پر حضرتؒ کا ردعمل:

ایک صاحب نے آ کر مجھ سے بھی کہا کہ فلاں صاحب نے تمہاری نسبت ایسے ویسے الفاظ بھی کہے۔ اگر آپ چاہیں تو نام بھی بتلا سکتا ہوں۔ میں نے کہا کہ نہیں بھائی! مجھ کو کیوں لوگوں سے بدگمان کرتے ہو؟ اور ایسے موقع پر اکثر یہ شعر پڑھ دیا کرتا ہوں:

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ ہے برا وہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا تو وہ سچ کہتا ہے پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے

اور ایسے موقع پر یہ شعر بھی پڑھا کرتا ہوں:

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں کیا قیامت ہے مجھ کو سب برا کہنے کو ہیں

اور فرمایا کہ میری تو یہ حالت ہے ؎

خود گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات ☆ ہیں یہی کہنے کو وہ بھی، اور کیا کہنے کو ہیں

یعنی جب میں خود اپنی ردّی حالت کو لوگوں پر کھولتا رہتا ہوں اور کسی بات کو مخفی نہیں رکھتا، تو دوسروں کو کہنے سننے کی تکلیف اٹھانے کی کون سی ضرورت ہے؟ یہ تو عیب گوئی کے متعلق میرا مذاق ہے۔ باقی عیب شوئی[یعنی الزامات کی صفائی] اور جواب دہی کے متعلق یہ مذاق ہے کہ میں تو اپنے دوستوں سے بھی اپنی نصرت کا خواہاں نہیں یہ سب غیر ضروری چیزیں ہیں ان سے بچ کر آدمی ضروری کام میں لگے۔ (جلد ا۔ ص:۳۰۴۔۳۰۵)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد دوم

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

تصوف کی پہلی منزل شکستگی:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر صحبتِ شیخ سے کسی میں شکستگی [یعنی اپنی حالت پر افسوس اور تواضع] پیدا ہوگئی تو سمجھ لو کہ کام چل گیا۔ کیونکہ اس طریق میں پہلی منزل یہ ہے کہ فنا کی شان (۱) [اور] شکستگی کی شان پیدا ہو جائے۔ اگر شکستگی نہ پیدا ہوئی تو سمجھ لو کہ بالکل محروم ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

سالہا تو سنگ بودی دل خراش ☆ آزموں را یک زمانے خاک باش

تو سالوں ایک سخت و دل خراش پتھر بن کر رہا۔ اب تجربہ ہی کے طور پر کچھ وقت خاک بن کے دیکھ۔

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش ☆ ہمچو او با گریہ و آشوب باش

جب تو یوسف نہیں، تو حضرت یعقوب ہی کی طرح اپنی حالت بنا۔ انہیں کی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے آنسو بہا۔

---

(۱) [: فنا کی حقیقت ہے اپنے عیوب اور گناہوں پر نظر ہونا، انا کو مٹانا اور کبر و نخوت جیسے مہلک امراض سے نجات پانا۔ جس کے بعد بندے میں تواضع اور فکر و حزن کی ایک خاص حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ فنا تقرب الی اللہ کی لازمی شرط اور راہ سلوک و طریقت کی ایک اہم منزل ہے۔ یحییٰ]

فہم وخاطر تیز کردن نیست راہ ☆ جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

سُن! قرب کی راہ عقل وخرد کی تیزی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا فضل کسی شکستہ ومتواضع ہی کی دستگیری کرتا ہے۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ☆ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

جہاں پستی ہوتی ہے، پانی وہیں پہنچتا ہے۔ جس کو سوال واشکال ہوتا ہے جواب اسی کو دیا جاتا ہے۔

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ☆ ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

(جو درد میں مبتلا ہوتا ہے دوا اسی کو دی جاتی ہے۔ جہاں غم وتکلیف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی شفا اسی کو عطا کی جاتی ہے۔) (جلد دوم۔ص:۳۷)

غیر مشہور شخص کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کا مشورہ:

ایک صاحب عمائد قصبہ میں سے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت فلاں ہندو عورت مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مشورہ کی کون سی ضرورت ہے۔ عرض کیا وہ چاہتی ہے کہ یہاں پر حاضر ہو کر مسلمان بنوں۔ فرمایا کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے موقع پر غیر مشہور شخص مسلمان کرے۔ مشہور شخص نہ کرے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ میری تو ہر حالت میں یہی رائے ہے۔ (جلد دوم۔ص:۴۲)

محبت کے نہ ہونے پر افسوس ہونا خود محبت ہے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ [اللہ تعالیٰ کی] محبت نہ ہونا، مگر اس پر افسوس ہونا کہ محبت نہیں، یہ بھی تو محبت ہے [ورنہ افسوس ہو ہی نہیں سکتا، افسوس ہونا اس کی یقینی دلیل وعلامت ہے کہ، کم سہی، لیکن محبت ہے]۔ اور اسی سلسلہ میں فرمایا کہ محبتِ طبعی معین [ومددگار] ہو جاتی ہے محبتِ عقلی کی۔ اس پر سوال کیا گیا کہ اگر دونوں جمع ہو جائیں تو کیا زیادہ فضیلت ہوگی؟ فرمایا کہ ظاہر ہے، بلکہ اعمال صالحہ نہایت خوبی اور رغبت سے صادر ہوں گے۔ بس یہ ہے دونوں کے مل جانے کا بڑا فائدہ۔

(جلد دوم۔ص:۴۵)

بیعت سے پہلے اچھی طرح دیکھ لیں:

فرمایا کہ آج کل اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ جس سے دین کا تعلق پیدا کیا جائے یا ہاتھ میں ہاتھ دیا جائے، پہلے اس کی حالت کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے۔ اس لیے کہ اس راہ میں راہزن بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ اور بہت اچھا معیار پہچان کا یہ ہے کہ اس زمانہ کے صلحاء اس سے جو معاملہ کرتے ہوں اُس کو دیکھے۔ علماء واہلِ طریق واہلِ وجدان کے قلوب کی شہادت اس کا معیار ہے۔ علماء بھی اپنے اجتہاد سے پہچان لیتے ہیں۔ اور یہاں پر علماءِ خشک مراد نہیں۔

اور صاحب! یہ سب کچھ ہے۔ مگر پھر بھی اس میں [یعنی اصلاح وسلوک کی راہ میں] کاوش گو ضروری ہے، مگر کافی نہیں۔ بس جس کو حق تعالیٰ ہدایت فرمائیں، وہی راہ پر آسکتا ہے۔ فرماتے ہیں ﴿انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء﴾ [تم اے رسول! جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے]۔ مگر عادۃ اللہ ہے کہ طالب کے ارادہ پر حق تعالیٰ ہدایت نصیب فرما ہی دیتے ہیں۔

......اور ایک بڑا مانع وصول الی اللہ اور قرب مع اللہ میں، ستانا ہے مخلوق کا اور اس پر ظلم کرنا اور تکلیف پہنچانا۔ (جلد دوم۔ ص:۴۶)

اعمال صالحہ کے ملکات راسخ ہونے کی ضرورت:

بڑی ضرورت ہے کہ اعمال صالحہ کے ملکات راسخ ہو جائیں، جس سے اعمال صالحہ کا بے تکلف صدور ہونے لگے۔ یہ ایک بڑی تدبیر ہے۔ [یہ بہت اہم افادہ ہے۔ مگر ذرا تشریح طلب۔ جب آدمی اعمال صالحہ کی پابندی کرتا ہے تو ایک مدت کے بعد نفس ان کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ عمل کرنے میں کوئی خاص مشقت یا تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ دل میں اعمال صالحہ کا شوق پیدا اور لذت نصیب ہو جاتی ہے۔ پھر بڑی آسانی سے وہی اعمال ہونے لگتے ہیں جو پہلے مشکل سے اور اپنے اوپر جبر کر کے کیے جاتے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اپنی دینی ترقی اور تکمیل کی یہ ایک بڑی تدبیر ہے کہ اعمال کی پابندی کر کے ان کا ملکہ اپنے اندر ایسا پیدا کر لیا جائے کہ پھر وہ آسانی اور شوق سے انجام پانے لگیں]۔ (جلد دوم۔ ص:۴۸)

مفید باتوں کی کثرت بھی بلاضرورت مضر ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر مفید باتیں ہوں تو کیا ان کی کثرت سے بھی تکدر ہوتا ہے؟ [یعنی دل میں میلا پن آتا ہے؟ دل کے میلے پن اور گندگی سے اللہ تعالیٰ کی یاد میں دل نہیں لگتا اور نیک اعمال سے طبیعت میں وحشت پیدا ہو جاتی ہے، تو کیا مفید باتوں کی کثرت سے دل میں بھی میلا پن آ جاتا ہے؟] فرمایا کہ ہاں اگر بلاضرورت ہو۔ حضرت شیخ فرید فرماتے ہیں:

دل زَ پُرگفتن بمیرد دربدن ☆ گرچہ گفتارش بود درعدن

[زیادہ بولنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ چاہے اس کی گفتگو جنت ہی کے بارے میں کیوں نہ ہو۔]

جو کلام بھی غیر ضروری ہو اس سے قلب میں کدورت ہوتی ہے۔ اور ضروری چیز کا معیار یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو کوئی ضرر مرتب ہو۔ (جلد دوم۔ ص:۴۹)

مدارس دینیہ میں صنعت وحرفت:

مدارس دینیہ میں، میری رائے ہے کہ، صنعت وحرفت ضرور تھوڑی سی ہونی چاہئے۔ تا کہ اہل علم دنیا داروں سے مستغنی رہیں۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت واقعی اس میں بڑی حکمت ہے۔ فرمایا کہ جی ہاں! بڑی عمدہ چیز ہے، بشرطے کہ تابع کے درجہ میں ہوں۔ کیونکہ احتیاج کی حالت میں اکثر اہل علم مال داروں سے مغلوب ہو کر بگڑ جاتے ہیں۔ (جلد دوم۔ ص۴۹)

حضرت حاجی صاحبؒ کی حضرت مولانا گنگوہیؒ پر شفقت واعتماد:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلقین کی بے حد دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ بہت ہی شفیق تھے۔ میں جب مکہ معظّمہ سے واپس ہوا تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ سے کہہ دینا کہ یہاں پر لوگ آپ کی بہت شکایت کرتے ہیں۔ مگر میں نے آپ کی نسبت ضیاء القلوب میں جو لکھا ہے، وہ الہام سے لکھا ہے۔ وہ الہام بدلا نہیں۔ اس لیے لوگوں کی شکایت کا مجھ پر کوئی اثر نہیں۔ آپ اطمینان سے بیٹھے رہو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میری دوستی آپ کے ساتھ اللہ کے واسطے ہے۔ جیسے اللہ کو بقاء ایسے ہی حب فی اللہ کو بھی بقاء ہے۔

میں گنگوہ پہنچا، جا کر عرض کیا کہ حضرت کا کچھ پیام لایا ہوں۔ حضرت [گنگوہیؒ] پر یہ سن کر ایک ایسی کیفیت پیدا ہوگئی جیسے خوف و رجاء کے درمیان کی حالت ہوتی ہے۔ یہ خیال ہوا کہ نہ معلوم کیا فرمایا ہوگا۔ حجرہ میں تشریف لے گئے۔ میں بھی ہمراہ ہوگیا۔ میں نے سب عرض کیا کہ حضرت نے یہ فرمایا ہے۔ بس شروع ہی سے شگفتگی حضرت پر آگئی اور بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا: بھائی ہم تو توکل کئے بیٹھے ہیں۔ لوگ جو چاہیں کریں۔ (جلد دوم۔ص:۵۰۔۵۱)

عین عتاب کے وقت دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھنا:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں تو کسی سے عین باز پرس کے وقت بھی الحمدللہ اس کا استحضار رکھتا ہوں کہ یہ شخص مجھ سے لاکھوں درجہ افضل ہے۔ اور یہ استحضار کوئی کمال کی بات نہیں۔ اس لیے کہ موٹی بات ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ عنداللہ اس کا کیا درجہ ہے؟ مگر اصلاح کی ضرورت باز پرس پر مجبور کرتی ہے۔ (جلد دوم۔ص:۵۴)

ہم تو عاشق احسانی ہیں:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ عاشق کی دو قسمیں ہیں: عاشق ذاتی اور عاشق احسانی۔ تو ہم عاشق احسانی ہیں۔ سبحان اللہ! کیا ٹھیک بات فرمائی۔ اگر ہم کو کوئی تکلیف نہ ہو اور نعمتیں فائض ہوتی رہیں، تو زہد بھی ہے، توکل بھی ہے، تہجد بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ المشائخ ہیں۔ اور جہاں کوئی تکلیف یا راحت میں کمی ہوئی، سب ختم۔ (جلد دوم۔ص:۸۰)

نفس دین دار کو دینی رنگ سے مارتا ہے:

فرمایا کہ ہر وقت آدمی کو اپنے نفس کی دیکھ بھال اور نگرانی میں لگا رہنا چاہیئے۔ یہ نفس کم بخت ہر رنگ میں مارتا ہے۔ حتیٰ کہ دین دار کو دنیا میں دین کا رنگ دکھا کر مبتلا کر دیتا ہے۔...... سخت ضرورت ہے نگرانی کی۔ کسی کو بھی بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔ اس پر تفریعاً ایک حکایت بیان فرمائی کہ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کو ایک غریب آدمی نے ایک دھیلا [آدھا پیسہ] پیش کیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے یہ عذر کیا کہ تم غریب آدمی ہو تم سے کیا لیں گے۔ وہ بیچارہ خاموش ہوگیا۔ مگر حق تعالیٰ کو یہ بات

ناپسند ہوئی۔حضرت شاہ صاحب کے فتوحات بند ہو گئے [یعنی رزق کی آمد رک گئی]۔فکر ہوئی،غور کیا، دعاء کی۔قلب پر وارِد ہوا کہ اس دھیلے کے لوٹانے سے ایسا ہوا،اُس شخص سے وہ دھیلا مانگو۔چنانچہ مانگا۔ جب فتوحات کا دروازہ کھلا۔

بعض لوگ فخر کرتے ہیں کہ معاصی پر بھی ہماری نسبت باطنی باقی رہتی ہے۔وہ آنکھیں کھولیں کہ [حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ پر] کیسی بات پر عتاب ہو گیا؟ جس میں معصیت کا شبہہ بھی نہیں ہوسکتا۔لیکن واقع میں عتاب کی بات ضرور ہوگی۔شاید یہ وجہ ہو کہ اصل سبب ردّ [کرنے] کا نفس کا ترفّع [بلند ہونے کا احساس] ہو۔جس کا عنوان نفس نے مُہدی [ہدیہ دینے والے] کی مصلحت تراش لیا ہو [کہ وہ غریب ہے، اس سے نہ لیا جائے]۔اس لیے کہتا ہوں کہ نفس کی نگرانی کی سخت ضرورت ہے۔

فرمایا کہ کوئی کیا زہد اور تقوی کا دعوی کرسکتا ہے؟ کیا کوئی علم پر ناز کرسکتا ہے؟ وہاں ناز سے کوئی کام نہیں چل سکتا، نیاز کی ضرورت ہے۔...... یہ مسئلہ حضرت شاہ حاجی صاحبؒ کے یہاں حل ہوا کہ نفس کی تلبیس سے بعض اوقات ضروری پہلو تک بھی نظر نہیں پہنچتی۔

چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ سے جب کوئی عرض کرتا کہ حضرت نوکری چھوڑ دوں؟ اس پر حضرت فرماتے کہ نوکری مت چھوڑو، کام [یعنی ذکر و سلوک] میں لگو۔جب کام کرو گے، خود بخود نوکری چھوڑ دو گے۔اور وہ وقت ہوگا کہ اس چھوڑنے کا تحمّل ہوگا۔اور بدون کام کیے ہوئے قوت تحمل کی نہ ہوگی۔تو ممکن ہے کہ اس چھوڑنے سے ایسی پریشانی ہو جو دین میں مضر ہو۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت میرا ایک جگہ نوکری کا تعلق ہے۔اگر حضرت اجازت فرمائیں تو چھوڑ دوں؟ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ مولوی صاحب! ابھی تک تو آپ پوچھ ہی رہے ہیں۔یہ پوچھنا خود دلیل ہے تردُّد کی۔اور تردُّد دلیل ہے خامی کی۔اور خامی کی حالت میں ملازمت کا تعلق چھوڑنا تشویش قلب کا سبب ہوگا۔اور جس وقت قلب میں قوت پیدا ہو جائے گی، اس وقت خود بخود چھوڑ دو گے۔اگر کوئی روکے گا بھی نہ مانو گے۔یہ ہے حضرت کی شان مشیخت اور فن کی مہارت کی، اور یہ حضرت ہی کا

صدقہ ہے جس کو میں اس وقت بیان کر رہا ہوں۔ حضرت اس فن کے امام تھے، مجتہد تھے، مجدد تھے۔ حضرت پیدا تو ہوئے اس زمانے میں، مگر ان میں روح تھی پہلوں کی۔ کیسی پاکیزہ اور پرمغز تعلیم فرمائی۔ جو لوگ یہ کہتے کہ آج رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے وہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ان ملفوظات کو دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ غزالی رازی اب بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ یہ شان تھی حضرت کی:

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ☆ ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

(جلد دوم۔ص:۹۱۔۹۲)

انہماک فی الدنیا کا علاج:

فرمایا کہ انہماک فی الدنیا نہایت ہی مبغوض چیز ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿**یا ایھا الذین آمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ**﴾۔ ترجمہ یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم کو تمہارا مال اور تمہاری اولاد خدا کے ذکر سے غافل نہ کردے۔ اور بعض بزرگوں نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ نفرت عن الدنیا کی غرض سے بھی کبھی اس کی طرف توجہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں تو کدورات ہی کدورات ہیں۔ [یعنی دنیا تو دل کو میلا ہی کرتی ہے۔ اور گدلے و میلے دل پر خدائی انوار کا انعکاس نہیں ہوتا] اس [دنیا] کی طرف جس غرض سے بھی توجہ کی جائے ظلمات سے خالی نہیں۔ بس سب میں بہتر نسخہ یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ کام میں لگا رہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن ایسا آئے گا کہ قلب سے یہ چیزیں خود بخود کافور ہو جائیں گی اور حق ہی حق جلوہ گر رہ جائے گا۔ (جلد دوم۔ص:۱۰۲۔۱۰۳)

ذکر و سلوک کے لیے فراغت کا انتظار شیطانی دھوکہ:

فرمایا کہ لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے۔ چاہتے یہ ہیں کہ کرنا تو کچھ پڑے نہیں اور کام سب ہو جائیں۔ اور بعض شب و روز اس انتظار میں رہتے ہیں کہ فلاں کام سے فراغت ہو جائے، فلاں مقدمہ سے نمٹ لیں، فلاں کی شادی سے فارغ ہو جائیں تب خدا کی یاد میں لگیں۔ چونکہ ایسی فراغت میسر نہیں ہوتی، اس لیے ایسا شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ محروم ہی رہتا ہے۔ اور ایک دن موت آ کر کام تمام کر دیتی ہے۔ یاس اور حسرت کی حالت میں، خسران کی گٹھری سر پر رکھے

ہوئے، اِس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کام کرنے کی صورت تو یہ ہی ہے کہ اِسی آلودگی [اور انتشار] کی حالت میں خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ [اور ذکر وسلوک کا کام شروع کرو]۔ اس کی برکت سے فراغ بھی میسر ہو جائے گا۔ تمہارا آج کل کرنا ایسا ہے جس کو فرماتے ہیں:

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم ☆ باز چوں فردا شود، امروز را فردا کنم

(ہر رات یہ ارادہ کرتا ہوں کہ کل کو اس گناہ کو چھوڑ دوں گا۔ پھر جب کل کا دن ہوتا ہے تو پھر کل ہی کا ارادہ کرتا ہوں)۔

کس کا فراغ؟ اور کس کا انتظار؟ اور دنیا میں رہتے ہوئے کہاں فراغ؟ یہ نفس وشیطان کا ایک بڑا زبردست کید [دھوکہ] ہے۔ لوگ رسائی [اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے] کی تو تمنا کرتے ہیں۔ مگر معلوم بھی ہے کہ رسائی کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں۔ جن میں پہلی شرط یہ ہے تم برے ہو یا بھلے، اُس طرف متوجہ ہو جاؤ۔ پھر رحمت حق تم کو خود بخود جذب کرے گی [یعنی کھینچ لے گی]۔... صاحبو! جو لوگ اس آرزو میں بیٹھے ہیں کہ فراغ میسر ہو تو خدا کی یاد میں لگیں، بے فکری ہو تو اس طرف متوجہ ہوں، یہ غیر ممکن ہے بدون تعلق بحق کے۔ (جلد دوم۔ ص:۱۰۳۔۱۰۴)

بلاضرورت کلام کی ظلمت:

فرمایا کہ بلاضرورت کلام کرنے سے قلب پر ظلمت ہوتی ہے۔ اور ضرورت سے اگر کلام ہو، گو کتنا ہی زیادہ ہو، اس سے ظلمت نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک [پھل فروش] تمام دن یہ کہتا پھرے کہ ''لے لو خربوزے''، اس سے رائی برابر بھی ظلمت نہ ہوگی۔ اور بلاضرورت اگر یہ بھی پوچھ لے کہ کب جاؤ گے؟ تو اس سے بھی ظلمت ہوتی ہے۔ (جلد دوم۔ ص:۱۰۹)

ملفوظات میں زیادہ نفع ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وعظ زیادہ نافع ہے یا ملفوظ؟ فرمایا کہ ملفوظ زیادہ نافع ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ملفوظ میں خاص حالت میں گفتگو ہوتی ہے۔ البتہ وعظوں میں سے اگر اپنے حسبِ حال انتخاب کر لیا جائے اس سے بھی ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا۔ (جلد دوم۔ ص:۱۱۰)

اہلِ حق سے عناد نہ ہونا غنیمت ہے:

ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا: یہ بھی نفع سے خالی نہیں کہ اگر انسان کچھ بھی نہ کرے، تو کم از کم اس کو اہلِ حق سے عناد تو نہ ہو۔ یہ عناد بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ (ص:۱۲۳)

طلب صادق کی ضرورت:

ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا کہ اس طریق میں طلب صادق کی ضرورت ہے۔ بدون سچی طلب کے کامیابی مشکل ہے۔ جیسے دوا وہیں اثر کرتی ہے جہاں بیماری ہو، پانی وہیں جا کر ٹھہرتا ہے جہاں نشیب ہو، اونچے پر پانی نہیں چڑھا کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ طلب صادق کی بدولت سب شرائط اور آداب طریق کے آسانی سے پورے ہو جاتے ہیں۔ پھر منزلِ مقصود قریب ہے۔ بس پستی اور شکستگی کی ضرورت ہے۔ اور یہ ایسی ضروری چیز ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اس کو پیدا کر لینا چاہیئے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کس طرح پیدا ہو؟ تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ کسی کی جوتیاں سیدھی کرے۔ اور اپنی رائے کو اس کی رائے کے سامنے فنا کر دے۔ اپنی عقل کو اس کی سامنے مٹا دے۔ اسی کو [مولانا روم] فرماتے ہیں:

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ☆ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

سُن! قرب کی راہ عقل و خرد کی تیزی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا فضل کسی شکستہ و متواضع ہی کی دستگیری کرتا ہے۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ☆ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

جہاں پستی ہوتی ہے، پانی وہیں پہنچتا ہے۔ جس کو سوال و اشکال ہوتا ہے جواب اسی کو دیا جاتا ہے۔

ہر کجا دردے دوا آنجا رود ☆ ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

جو درد میں مبتلا ہوتا ہے دوا اس کے واسطے ہوتی ہے۔ جہاں غم و تکلیف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی شفا اسی کو عطا کی جاتی ہے۔ (جلد دوم۔ص۔۱۳۳)

مزاحِ محمود کی حد:

خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور ﷺ بھی مزاح فرمایا کرتے تھے۔؟ فرمایا: ہاں مگر ایک

خاص حد تک، زیادہ نہیں، بہت کم۔ وہ بھی دوسروں کی تطییبِ قلب [دل اچھا کرنے] کی مصلحت سے۔ [اس سے معلوم ہوا کہ مذاق ومزاح کا اصل مقصد دوسروں کی دل جوئی کرنا ہے۔ ساتھ ہی کچھ اپنی بھی تفریحِ طبع ہو جائے گی۔ مگر اس میں زیادتی اچھی چیز نہیں]۔ (جلد دوم۔ص:۱۵۴)

حج کے جوش میں کمی اور حضرات تھانویؒ وگنگوہیؒ:

خواجہ [عزیز الحسن مجذوبؒ] صاحب نے عرض کیا کہ حضرت لوگ حج کو جا رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر جوش اٹھتا ہے۔ فرمایا کہ مجھ میں تو یہ بات نہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے کہا تھا کہ اگر حضرت بیت اللہ تشریف لے جائیں، تو سفر خرچ کے لیے کل روپیہ میں دوں گا۔ سن کر فرمایا: دیکھو تو کیسی اچھی بات ہے۔ ایک تو بیت اللہ کی زیارت اور دوسرے حضرت حاجی صاحبؒ سے ملاقات۔ مگر کچھ حالت ایسی ہوگئی ہے کہ طبیعت میں جانا نہ جانا دونوں برابر سے معلوم ہوتے ہیں۔ (جلد دوم۔ص:۱۵۵)

ذکر کی برکات کے لیے منکرات سے اجتناب ضروری ہے:

فرمایا کہ ذکر بڑی برکت کی چیز ہے۔ مگر اس کی برکت وہیں تک ہے کہ منکرات [گناہوں] سے اجتناب رہے۔ اگر ایک شخص فرض نماز نہ پڑھے اور نفلیں پڑھے، تو ثواب تو ہوگا، مگر فرض نہ پڑھنے کا جو گناہ ہے وہ ضعیف کر دے گا۔ کوئی نفع ان نفلوں سے ظاہر نہ ہوگا۔ یعنی یہ کہ اس [نفل پڑھنے سے] سے آئندہ اعمال میں قوت نہ ہوگی۔ (جلد دوم۔ص:۱۶۴)

نصیحت اور امر بالمعروف کے لیے ایک اہم شرط:

فرمایا کہ آج کل غیر اہل فن بھی تو فن میں دخل دیتے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے، ان کے بے محل دوسرے شخص کو نصیحت کرنے پر باز پرس کی تھی۔ تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ امر بالمعروف بھی تو عبادت ہے۔ اور عبادت ہی کے واسطے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ عبادت کے کچھ شرائط اور حدود بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً نماز بھی تو عبادت ہے، اگر کوئی بے وضو ٹرخانے لگے تو کیا صحیح ہو جائے گی؟ اسی طرح امر بالمعروف کی بھی شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک یہ

بھی ہے کہ عین امر بالمعروف کے وقت ناصح اپنے کومخاطب سے کمتر اور بدتر سمجھے۔ایسا شخص امر بالمعروف کر سکتا ہے۔کیا تمہاری اس وقت یہ حالت تھی؟ کہنے لگے: نہیں۔میں نے کہا کہ جب شرط نہ پائی گئی تو پھر عبادت کہاں ہوئی؟؟ (جلد دوم۔ص ١٦٥)

بعض مرتبہ گردن جھکا کر بیٹھنے سے عجب ہو جاتا ہے:

فرمایا کہ بعض مرتبہ گردن جھکا کر بیٹھنے سے اور ذکر کرنے سے عجب(١) کا اندیشہ ہوتا ہے۔اس کو شیخ ہی سمجھتا ہے۔وہ ایسے وقت ذاکر سے کہے گا کہ چلتے پھرتے اللہ اللہ کرو۔گردن جھکا کر نہ بیٹھو۔اس سے شہرت ہوگی۔نفس میں عجب پیدا ہوگا۔آج کل ان تعلیمات کا اکثر مشائخ کے یہاں نام ونشان نہیں۔ (جلد دوم۔ص:١٦٥)

فناءِ تجویزات اور ترک تعلقات:

فرمایا کہ میرا مسلک تو فناءِ تجویزات اور ترک تعلقات ہے۔مگر یہاں پر تعلقات سے مراد غیر ضروری تعلقات ہیں۔[اور فناء تجویزات سے مراد ہے کہ بندہ اپنے بارے میں کوئی حالت اپنی طرف سے تجویز نہ کرے، اپنا معاملہ بس اللہ کے حوالے کردے]۔بدون اس فناء کے راحت کی زندگی میسر نہیں ہوسکتی۔ (جلد دوم۔ص:١٧٩)

حافظے کی قوت کے لیے:

یاقوی گیارہ مرتبہ سر پر ہاتھ رکھ کر پڑھ لیا کرے، حافظہ کی قوت کے لئے۔ان شاءاللہ نافع ہوگا۔اور اگر وسعت ہو تو اصل تدبیر یہ ہے کہ کسی طبیب سے کوئی نسخہ تجویز کرائے۔

(جلد دوم۔ص:١٩٧)

میں اپنی اصلاح سے بھی غافل نہیں:

میں الحمدللہ اپنی اصلاح سے بھی غافل نہیں۔چاہے مجھ سے کوئی قسم لے لے۔جو بات

(١) [عُجب کا مفہوم ہے اپنے کو اچھا سمجھنا۔یہ ایک بڑی بری صفت ہے۔حدیث میں اس کو انسان کے دین کے لیے بڑی مہلک بیماری بتایا گیا ہے۔یحییٰ]

معلوم ہوتی جاتی ہے اس کی اصلاح کرتا رہتا ہوں۔ میں اپنے کو بھی اصلاح سے بری نہیں سمجھتا۔ صدہا نقائص میرے اندر ہیں۔ (جلد دوم۔ص:۱۹۸)

اصل چیز بیعت نہیں، شیخ کی اتباع ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بیعت میں کیا رکھا ہے؟ اصل چیز تو اتباع ہے۔ اتباع میں بیعت سے بھی زیادہ قوی علاقہ [رابطہ و تعلق] ہو جاتا ہے۔ (جلد دوم۔ص:۲۱۱)

تقریر کا جوش مخاطب کے جذب پر موقوف ہے:

تقریر کا جوش مخاطب کے جذب [یعنی شوق اور طلب] پر موقوف ہے۔ جیسے ماں کے دودھ میں جوش ہوتا ہے بچے کی طلب پر۔ (جلد دوم۔ص:۲۱۸)

نفسانیت کا خطرہ اور کسی رہبر و مصلح کی ضرورت:

ایک صاحب غلام احمد قادیانی کے متعلق فرماتے تھے کہ شروع میں تو کوئی غلطی ہوگئی۔ مگر آخر میں نفسانیت ہوگئی، اسی کی وجہ سے ہمیشہ غلطی پر اصرار رہا اور رجوع ایک دعوے سے بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ [نفسانیت اور انا کا] جب ایسا ابتلاء ہوتا ہے تو وہ وقت بڑا ہی خطرناک ہوتا ہے۔ بدون رہبرِ کامل کے اس راہ سے گذرنا غیر ممکنات سے ہوتا ہے۔ (جلد دوم۔ص:۲۳۴)

حضرتؒ کی تواضع:

فرمایا کہ حضرت! ہمارے پاس تو یہی ایک سرمایہ ہے کہ دوستوں کو محبت ہے۔ اسی سے امید ہے کہ شاید آخرت میں نجات ہو جائے، اور کچھ بھی نہیں۔ (جلد دوم۔ص:۲۳۶)

زیادہ تر گناہ نفس کی شرارت سے ہوتے ہیں:

فرمایا کہ شیطان تو کم بختی مارا بدنام ہی ہوگیا۔ ورنہ ہم جیسوں کے بہکانے کے لیے تو نفس ہی بڑی چیز ہے۔ شیطان کی بھی ضرورت نہیں۔ شطونگڑے ہی، یعنی ذریت شیطان ہی کافی ہیں۔ باقی اگر ان سب کے شرور سے بچنا چاہو تو پہلے یہ معلوم کر لینے کی ضرورت ہوگی کہ دشمن مقابلہ

پر کون ہے؟ یہ معلوم ہو جانے کے بعد مقابلہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ یعنی پہلے یہ معلوم کر لو اس خاص گناہ کی طرف شیطان رغبت دلا رہا ہے یا نفس؟ سو اس کا معیار یہ ہے کہ جس وقت قلب میں معصیت کا وسوسہ پیدا ہو تو، یہ دیکھو کہ باوجود بار بار کے دفع کے کرنے کے بعد اگر پھر وہی [اسی گناہ کا] وسوسہ ہوتا ہے، تو یہ نفس کی طرف سے ہے۔ اس لیے کہ نفس کو گناہ سے محض حظ [یعنی لذت] مقصود ہے۔ اور خاص وقت میں حظ خاص ہی گناہ میں ہے۔ اور اگر دفع کرنے کے بعد قلب سے وہ وسوسہ نکل جائے، دوسرے گناہ کا وسوسہ پیدا ہو تو سمجھو کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اس لیے کہ شیطان کو کوئی خاص حظ مقصود نہیں، بلکہ عداوت کی وجہ سے مطلق گناہ میں مبتلا کرنا مقصود ہے۔ اس لیے یہ شخص اگر ایک سے ہٹے گا تو وہ اس کو دوسرے میں مبتلا کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زیادہ تر صدور معاصی کا نفس ہی کی طرف سے ہے۔ مگر لوگ دھوکہ میں ہیں کہ ایسے خطرات کے وقت کثرت سے لاحول پڑھتے ہیں مگر پھر بھی وسوسہ میں کمزوری پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ لاحول نفس کا علاج نہیں۔ سو کتنی بڑی غلطی میں عدم علم کی وجہ سے ابتلاء ہو رہا ہے۔

نفس کا علاج کرو۔ جو گناہ کرانے میں شیطان کی بھی اصل ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اوروں کو تو شیطان بہکاتا ہے۔ مگر شیطان کو کس نے بہکایا تھا؟ ظاہر ہے کہ شیطان کو اس کے نفس نے بہکایا تھا۔ تو اصل کون ہوا؟ نفس ہی تو ہوا۔ البتہ بُعدِ حق [یعنی اللہ تعالیٰ سے دور کرنے] میں دخل دونوں کو ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو شیطان کا مقابلہ لاحول اور ذکر سے کرو۔ اور نفس کا مقابلہ ہمت سے [یعنی یہ ارادہ کر کے کہ گناہ نہیں کریں گے] کرو۔ آج کل گڈ مڈ معاملہ ہے۔ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنا چاہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ ناکامی ہے۔ اسی لیے کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہے۔ ایسے علوم اُسی کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے کیوں کہ وہ خود بھی اس کے مکر و فریب سے بچتا ہے اور دوسرں کو بھی حقائق بتلا کر بچاتا ہے۔ (جلد دوم۔ ص: ۲۳۷۔۲۳۸)

شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا مرید نہ ہونا:

فرمایا کہ بغیر شوہر کی اجازت کے عورت کو مرید نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اس میں بہت ممکن ہے کہ مرد غیر معتقد ہو اور عورت معتقد ہو، اور مرد اس پیر کی نسبت کچھ کہنے لگے تو عورت کو نا گوار ہو۔ اس لیے یہ مرد کو کوئی جواب دے پھر گھر میں فساد ہو۔ اس لیے مرید کرنا مناسب نہیں۔ میرے یہاں ہر بات الحمدللہ اصول کے ماتحت ہوتی ہے۔ (جلد دوم۔ص:۲۳۹۔۲۴۰)

اللہ کے فیصلے پر راضی:

ایک صاحب نے خط میں دریافت کیا تھا کہ حضرت کو اب تو نیند کی شکایت نہیں؟ جواب لکھا گیا کہ ''شکایت تو نہیں حکایت ہے کہ، نیند اب بھی کم ہے''۔ شکایت وہ ہے جس میں نا گواری کا اظہار ہو۔ (جلد دوم۔ص:۲۴۰)

کثرت ازدواج پر اعتراض:

فرمایا کہ حضورﷺ پر مخالفین کی طرف سے نفس پرستی کا اعتراض ہے کثرت ازدواج کے متعلق۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ عرب کے بڑے بڑے عمائد نے حضورﷺ کی خدمت مبارک میں حسین سے حسین عورتیں اور سلطنت اور حکومت اور مال پیش کرنے کی درخواست کی تھی۔ اور یہ چاہتے تھے کہ ہمارے لات اور عزیٰ [کی عبادت] کو برا نہ کہئے۔ حضورﷺ نے صاف انکار فرما دیا۔ کیا حظ نفس والے کا یہی رنگ ہوتا ہے؟ اس قسم کا اعتراض ایسی ذات مقدس پر وہی کر سکتا ہے جو یا تو اندھا ہو اور اگر اندھا نہیں تو شرارت ہے۔ (جلد دوم۔ص:۲۴۲)

عجب اور تکبر میں فرق:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عجب اور کبر دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ عجب میں دوسرے کو حقیر نہیں سمجھتا، اپنے کو عظیم سمجھتا ہے۔ اور کبر میں دوسرے کو بھی حقیر سمجھتا ہے۔ (جلد دوم۔ص:۲۶۶)

برا کہنے والے سے شکایت کی وجہ:

[ایک صاحب نے حضرت کے متعلق ایک بیہودہ تحریر لکھی تھی۔اس پر حضرت نے فرمایا کہ] جو کچھ مجھ کو شکایت ہوئی محض اس وجہ سے کہ آپ کو محبت کا دعویٰ ہے، معاملہ سے بھی اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔اور زبان سے بھی کہا جاتا ہے: انا محب لك [میں آپ سے محبت کرتا ہوں]۔ورنہ میں تو اپنے کو اُس سے بھی بدتر سمجھتا ہوں جتنا مجھ کو کہا جاتا ہے۔دیکھیے احمد رضا خاں صاحب نے مجھ کو ہمیشہ برا کہا۔مگر مجھ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا۔[سبحان اللہ! سیکھنے کے اخلاق ہیں]۔ (جلد دوم۔ص:۲۷۰)

حضرت شیخ الہندؒ کی عالی حوصلگی:

فرمایا کہ سبحان اللہ! حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی عالی حوصلگی قابل دید ہے۔ کہ میرا مسلک جو حضرت مولانا کے مسلک سے ظاہراً مختلف تھا، ڈھکا چھپا نہ تھا۔مگر حضرت ذرا بھی دل گیر [رنجیدہ] نہ ہوئے۔بڑے اور چھوٹوں میں یہ فرق ہوتا ہے۔ (جلد دوم۔ص:۲۷۱)

اتباعِ شریعت میں حضرت گنگوہیؒ کا تصلب اور مجتہدانہ ومحققانہ شان:

فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی جیسی شان تھی وہ ان کے واقعات سے معلوم ہوسکتی ہے۔ ایک شخص نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ایک صاحب ہیں انبہٹے میں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مجھ کو سماع کی اجازت دے دی ہے۔حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں فرمایا کہ اگر ایسا ہوا بھی ہو تو حجت نہیں۔حضرت حاجی صاحبؒ جس فن [یعنی طریقت] کے امام ہیں، اس میں ہم ان کے غلام ہیں۔باقی یہ مسائلِ فقہیّہ ہیں، اس میں فقہاء کا اتباع کیا جائے گا۔

دیکھئے حضرت مولاناؒ ہمیشہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط میں اپنے نام کے ساتھ یہی لکھتے تھے کہ کمترین غلام، کمینۂ خدام۔مگر اس موقعہ پر صاف صاف حقیقت ظاہر کردی۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ان مسائل میں حضرتؒ کو ہم سے فتویٰ لے کر عمل کرنا چاہئے۔نہ کہ ہم آپ کے قول پر عمل کریں۔حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ میں انتظامی شان بڑی زبردست تھی۔جس کو بعض بدفہموں نے نخوت سے تعبیر کیا۔نخوت نہ تھی، بلکہ صفائی تھی۔جو ایک مجتہدانہ محققانہ شان کی

مظہر تھی۔......کیا ٹھکانہ ہے ان حضرات کی حق پرستی کا۔ یہ لوگ عاشق تھے شریعت کے۔ آج کل تو کوئی ایسی بات کر کے دکھلائے۔ (جلد دوم۔ص ۲۷۸۔۲۷۹)

صوفیہ کے علومِ مکاشفہ کا مطالعہ مضر ہے:

فرمایا کہ صوفیہ کے ایسے کلام کو دیکھنا جو علمِ مکاشفہ [یعنی کشف وغیرہ] سے تعلق رکھتا ہو، عوام الناس کے لیے حرام ہے۔ اندیشہ گمراہی کا ہے۔ اور وہ اس وجہ سے کہ سمجھ سکتے نہیں، یوں ہی گڑبڑ میں پھنس کر گمراہ ہوں گے۔ (جلد دوم۔ص:۲۸۳۔۲۸۴)

تعمیرات کے کام سے وحشت کی وجہ:

فرمایا کہ تعمیر کے کام سے مجھ کو بہت تنگی ہوتی ہے۔ اس میں کوئی صرفہ کی انتہا ہی نہیں رہتی۔ اندازہ کر و سو روپیہ کا اور صرف ہو جائیں دو سو ڈھائی سو۔ گو ضرورت کی وجہ سے کرنا پڑتا ہے، مگر دل گھبراتا ہے۔ بزرگوں کو تو اس سے بڑی نفرت تھی۔ اس میں بڑے خرچ کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس میں روپیہ صرف کرنے کو کہاں؟ اور اگر ہو بھی تو اس زمانہ میں پیسہ کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ اس کی حفاظت کرنی چاہیے اور سوچ سمجھ کر صرف کرنا چاہیے۔ بڑا ہی نازک زمانہ ہے۔ (جلد دوم۔ص:۳۰۲)

چار آدمی محبت کرنے والے کافی ہیں:

فرمایا کہ اگر چار آدمی ہوں محبت کرنے والے اور مخلصانہ تعلق رکھنے والے اور سمجھدار، وہ کافی ہیں۔ یہ بہتر ہیں ان چار ہزار سے جو مہمل ہوں۔ آج کل تو رسمی پیروں کے یہاں رجسٹر بنے ہوئے ہیں کہ اتنے مرید ہیں۔ مجھ سے تو کسی خاص شخص کے متعلق بھی یہ یاد نہیں رہتا کہ یہ مجھ سے بیعت ہے یا نہیں۔ ہاں جو لوگ زیادہ ملتے رہتے ہیں یا کثرت سے خط و کتابت رکھتے ہیں وہ بے شک یاد رہتے ہیں۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ایک ہی کی یاد بہت ہے، جس کو یہ دولت حق تعالیٰ نصیب فرمادیں۔ (جلد دوم۔ص:۳۱۰)

دین اور دنیا کا فرق:

فرمایا: دین کی باتوں میں تو کہا جاتا ہے کہ جی نہیں لگتا، مزہ نہیں آتا۔ گورنمنٹ کے احکام

میں بھی، جو کہ نفس کے خلاف ہوں، کبھی کہا ہے کہ جی نہیں لگتا، مزہ نہیں آتا؟ مثلاً گورنمنٹ حکم دے کہ مالگذاری داخل کرو یا ٹیکس داخل کرو۔ اس وقت یہ کہہ کر الگ ہو جائیں کہ ہم داخل نہیں کرتے۔ ہمیں مزہ نہیں آتا، یا جی نہیں لگتا۔ ایسا کر کے دیکھیں، جیل خانہ میں پہنچ جائیں۔

......اے صاحبو! خدا کے ساتھ محبت نہ سہی، مگر ان کی حکومت تو ہے۔[وہ ہمارے مالک اور حاکم تو ہیں] یہی سمجھ کر احکام بجالاؤ۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ ایسی بیہودہ باتیں جو سوجھتی ہیں، اُس کا سبب ہے کہ نہ خدا کے ساتھ محبت ہے نہ خدا کی عظمت ہے۔ اس لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جی نہیں چاہتا۔...اصل میں [اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت جیسے] جذبات کے پیدا کرنے کے لیے صحبت کی ضرورت ہے۔ یہ باتیں نہ کتابوں کے دیکھنے سے حاصل ہوتی ہیں نہ پڑھنے سے۔ یہ تو کسی کی صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ (جلد دوم۔ص:۳۱۳۔۳۱۴)

دنیا کب مضر ہے؟

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کا ہاتھ میں ہونا مضر نہیں۔ دل میں ہونا مضر ہے۔ بطور مثال کے یہ پڑھا کرتے تھے۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است ☆ آب اندر زیر کشتی پشتی است

(پانی کشتی کے اندر ہو تو ڈبو دے گا۔ اور اگر کشتی کے نیچے ہو تو اس کے لیے سہارا ہے)

(جلد دوم۔ص:۳۱۵)

حضرت رائپوریؒ کے پیر کی حضرت تھانویؒ کو عجیب دعا:

فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے پہلے پیر کا نام شاہ عبدالرحیمؒ تھا۔ میں ان سے ملا ہوں۔ انہوں نے مجھ کو دعا دی تھی کہ جسم ہمیشہ امیر رہے اور دل فقیر۔ میں بحمداللہ اس کو کھلی آنکھ دیکھ رہا ہوں۔ (جلد دوم۔ص:۳۱۵)

ایک بڑے عالم اور طریق کی حقیقت سے بے خبری:

فرمایا کہ اس طریق کی حقیقت سے بے خبری کی حالت ہے کہ ایک بڑے عالم تھے اور

درویش بھی سمجھے جاتے تھے۔ میں بھی ان سے ملا ہوں۔ شروع میں تو ہمارے بزرگوں کے معتقد تھے۔ آخر میں آکر کسی قدر بدعت کا رنگ غالب ہوگیا تھا۔ مگر تھے سادہ اور نیک۔ انہوں نے ایک ذاکر سے پوچھا کہ کچھ ذکر و شغل کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ جی ہاں۔ دریافت کیا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نظر تو کچھ نہیں آتا۔ کہنے لگے کہ خیر، ثواب لیے جاؤ۔ باقی نفعِ مقصود تو کچھ ہے نہیں۔ مجھ کو تو یہ سن کر حیرت ہوگئی کہ عالم درویش ہو کر ایسی بات کہی۔ اصل چیز تو ثواب ہی ہے جو تمام اعمال سے مقصود ہے۔ اور ثواب کی حقیقت ہے حق تعالیٰ سے قرب اور اس کی رضاء۔ انہوں نے اس کی کیسے تحقیر کی؟ اصل میں یہ فن بھی بڑا ہی نازک ہے، اس میں بہت سنبھل کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ آدمی ٹھوکریں ہی کھاتا رہتا ہے۔ (جلد دوم۔ص:۳۱۸)

صفات الٰہی کے عقیدہ میں اجمال بہت اچھا ہے:

فرمایا: عوام کا عقیدہ صفات [الٰہی] کے متعلق بہت اچھا ہے، کہ وہ اجمال کی صورت میں سمجھتے ہیں کہ خدا حاضر و ناظر ہے۔ بس اتنا کافی ہے، ورنہ آگے تفصیل گڑبڑ ہی ہے۔ (ص:۳۱۹)

تقدیر کا مسئلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف خیر و شر کی نسبت:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ صاحب! یہ مسئلہ بہت ہی نازک ہے۔ [یعنی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ شر کے بھی خالق ہیں، اور کیا پھر ان کی طرف شر کی نسبت کی جا سکتی ہے؟] پھر فرمایا کہ ہے تو سب خدا ہی کا پیدا کیا ہوا، شر بھی اور خیر بھی۔ مگر ادب یہ ہے کہ خیر کی نسبت خدا کی طرف کرنا چاہئے اور شر کی نسبت اپنی طرف۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ [خیر اور شر] دونوں میں نسبتیں ہیں۔ ایک خلق کی اور ایک کسب کی [یعنی دونوں کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں، اور دونوں کے عامل اور حاصل کرنے والا بندہ ہے]۔ تو خیر میں تو مراقبہ [دھیان] ان کی طرف کی نسبت کا [یعنی اس بات کا کہ اس کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں] کرے۔ کسب کا استحضار نہ کرے۔ اور شر میں مراقبہ اپنی طرف کی نسبت کا [کہ عمل کرنے والا میں ہوں] کرے خلق کا نہ کرے۔ غرض خیر میں تو نسبتِ خلق کو متحضر کرو اور شر میں نسبت کسب کو متحضر کرو۔ (جلد دوم۔ص:۳۲۰)

موت کا ایک طرح سے رحمت ہونا:

فرمایا کہ اگر موت نہ ہوتی تو دنیا کی کدورت سے پریشان ہو کر انسان پوچھتا پھرتا کہ مرنے کی بھی کوئی تدبیر ہے؟ اس لیے موت بھی رحمت ہے۔ بعض لوگ تو اب بھی باوجود اس یقین کے کہ موت اپنے وقت پر یقینی ہے، پھر بھی اس کی تمنا کرتے ہیں کہ ہم مرجائیں۔ اس لیے کہ علاوہ کدورت کے انسان کی یہ بھی خاصیت ہے کہ ایک چیز سے گھبرا جاتا ہے۔ (جلد دوم۔ص:۳۲۳)

حضرت شاہ شہیدؒ کی حاضر جوابی:

ایک شخص تھا عبدالرحیم، یہ دہری تھا۔ اس نے مولانا [اسماعیل] شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو میں کہا کہ داڑھی رکھنا اس لیے ضروری نہیں کہ پیدائش کے وقت یہ نہ تھی۔ تو یہ فطرت کے خلاف ہے۔ مولانا شہیدؒ نے جواب میں فرمایا کہ اس وقت تو دانت بھی نہ تھے۔ ان کو بھی نکلوا دو۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ مولوی عبدالحئی صاحبؒ حضرت شہید صاحب کے رفیق تھے۔ انہوں نے کہا کہ واہ مولانا! کیا دندان شکن جواب دیا!! اس دندان شکن میں عجیب لطیفہ ہے۔ (جلد دوم۔ص:۳۲۹)

مراقبۂ موت:

مجلس میں موجود ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اگر کبھی کبھی موت کا مراقبہ کیا جائے تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ ضرورت کے وقت۔ ورنہ اصل چیز تو اللہ ہی کی یاد ہے۔ اسی کے لیے موت کا مراقبہ بھی تجویز کیا جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ [غفلت اور دنیا میں انہماک و مستی جیسے] موانعِ ذکر مرتفع [اور دور] کرنے کے واسطے موت کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ اگر وہ موانع ہوں تو اب ضرورت ہے کہ موت کا مراقبہ کرے۔ اور اگر موانع نہیں، تو اللہ کی یاد میں مشغول رہے۔ اور موت کا مراقبہ بھی غلو کے ساتھ نہیں۔ بقدر ضرورت کافی ہے۔ جیسے طاعون کے زمانہ میں سب کام کرتے ہیں۔ مگر دل دنیا سے اکھڑ جاتا ہے۔ دل برداشتہ ہو جاتے ہیں۔ بس اتنا استحضار کافی ہے۔

(جلد دوم۔ص:۳۳۴۔۳۳۵)

وجد اور جوش جیسے حالات کمال نہیں:

وجد و جوش حقیقت میں مذموم نہیں، مگر کمال بھی نہیں...... بلکہ یہ ضعفِ قلب کی دلیل ہے کہ آدمی بے اختیار ہو جائے۔ سو اس قدر مغلوب ہو جانا یہ ضعفِ قلب سے ہوتا ہے۔ اگر یہ کمال ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ مغلوب ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ از جا رفتہ [اور بے قابو] ہو گئے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت کمال کے خلاف ہے۔ ہاں گریہ جاری ہو جانا یہ نقص نہیں۔

گریہ کے مضمون پر ایک صاحب نے شیعوں کے مجالس کا ذکر کیا۔ وہ رونے ہی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں اور اس کے لیے سامان مہیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ رنج ہی کیا ہوا جو اتنے سامان کے بعد رونا آئے؟ (ص:۳۳۸)

اطمینان معاش بڑی نعمت ہے:

فرمایا کہ آج کل لوگ عموماً فکرِ معاش میں مبتلا ہیں۔ ایسے میں اگر حق تعالیٰ کسی کو اطمینانِ معاش نصیب فرما دیں بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرنا چاہیئے۔ مگر اکثر قدر زوال پر معلوم ہوتی ہے۔ (جلد دوم۔ص ۳۴۱)

اگر جنت جہنم کی حقیقت معلوم ہو جائے؟

فرمایا کہ لوگوں کو دوزخ جنت کی حقیقت نہیں معلوم۔ اس لیے بے فکر ہیں۔ ورنہ یہی فکر غالب ہو جائے۔ ضلع بارہ بنکی میں ایک گونگا تھا، اس نے دوزخ، جنت، میدان محشر، میزان، پل صراط، یہ سب خواب میں دیکھ لئے۔ پہلے قطعاً نماز نہ پڑھتا تھا۔ یہ خواب دیکھ کر نماز شروع کر دی۔ اور اشاروں سے دوزخ جنت وغیرہ کے واقعات بیان کرتا تھا۔ میں نے خود اس گونگے کو دیکھا ہے۔ اور اشاروں سے جو واقعات بتلاتا تھا اس کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ ان اشاروں کے وقت رونگٹا کھڑا ہو جاتا تھا۔ وہ بڑا ذہین تھا۔ ایسے کافی اشارے کرتا تھا کہ بالکل نقشہ کھینچ دیتا تھا۔

(جلد دوم۔ص:۳۴۱۔۳۴۲)

متکبر مالداروں کو منہ نہ لگانا:

فرمایا کہ اِن [دین سے بے پروا] دنیاداروں کو خصوصاً [ان میں سے] مالداروں کو منہ نہیں لگانا چاہئے۔ان میں اکثر 'خرد ماغ' [یعنی گھمنڈی] ہوتے ہیں۔جی چاہتا ہے کہ کوئی ان کو 'اسپ دماغ' ملے تب ان کا دماغ ڈھیلا ہو۔آج کل مدارس والے ان باتوں کا قطعاً خیال نہیں کرتے۔انہوں نے ان کے دماغ زیادہ خراب کردیے۔نا اہلوں کی چاپلوسی اور ان کی تعظیم وتکریم کرنا بے حد مضر ہوتا ہے۔ میں ایک مرتبہ مدرسہ میں گیا۔اتفاق سے ایک مولوی صاحب ایک مالدار کو پھانس کر لائے تھے۔ان مالدار کی درخواست پر مدرسہ کی جانب سے مجھ سے بیان کے لیے کہا گیا۔میں نے منظور کرلیا۔ہم لوگوں کا ایک ہی بیان ہوتا ہے، اسی کے مختلف عنوان ہوتے ہیں۔اور وہ یہی ہے کہ اللہ سے تعلق بڑھاؤ، غیر اللہ سے تعلق گھٹاؤ، چنانچہ میں نے جب دنیا کے متعلق بیان کیا، اس شخص نے سن کر کہا کہ میں ایسے مدرسہ کی امداد نہیں کرسکتا جس میں ترکِ دنیا کی ترغیب دی جاتی ہو۔اور یہ بھی کہا کہ دیکھو مال کی مذمت کی جاتی ہے، مگر مال ایسی چیز ہے کہ میں داڑھی منڈا ہوں، بدافعال ہوں، نہ شریعت کے موافق لباس ہے، نہ اعمال ہیں، محض مال میرے پاس ہے، اس کی وجہ سے بڑے بڑے علماء میری تعظیم کو کھڑے ہوجاتے ہیں۔دیکھئے! ان کی تعظیم وتکریم ایسی مضر ہوتی ہے۔ (جلد دوم۔ص:۳۴۳)

تکبر کی قباحت:

میں کہا کرتا ہوں کہ متکبروں کی کبھی وقعت نہیں کرنی چاہیے، چاہے ثقہ صورت ہوں...... یہ تکبر ایسی چیز ہے کہ جس شخص میں یہ نہ ہو میں سمجھتا ہوں اس میں سب کچھ ہے۔اور جس میں تکبر ہو، اس میں اور اگر سب کچھ خوبیاں بھی ہوں، میں سمجھتا ہوں اس میں کچھ بھی نہیں۔ (جلد دوم۔ص:۳۴۳)

بے نفسی اور حکمت کا عجیب امتزاج:

فرمایا کہ ادب محض تعظیم وتکریم کا نام نہیں۔اصل ادب یہ ہے کہ دوسرے کو دل آزاری سے بچانا اور راحت کا اہتمام کرنا۔ایک غیر مقلد صاحب کا خط آیا تھا نہایت گستاخانہ۔میں نے ان کو نہایت نرم جواب دیا۔اور اس میں ضروری اصول کی رعایت رکھی۔میں نے لکھا کہ اگر آپ کو مجھ

سے استفادہ مقصود ہے، تو یہ لہجہ استفادہ کا نہیں ہے۔ اور اگر افادہ مقصود ہے، میں نہایت خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ آپ مجھ کو میری غلطیوں پر اطلاع دیں۔ لکھا ہے کہ مجھ کو استفادہ مقصود ہے۔ افادہ وہ کر سکتا ہے جس کو مساوات کا درجہ حاصل ہو۔ میں تو خادم ہوں۔ جوتیوں کے برابر بھی درجہ نہیں رکھتا۔ [لکھتے تو یہ ہیں مگر] مگر پھر بھی تحریر کا رنگ مناظرانہ ہے۔ عجیب حالت ہے لوگوں کی۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی تحریر میں دو متضاد باتیں جمع۔ پھر اس پر دعویٰ علم کا!! میں نے لکھ دیا ہے کہ یہ تو مشاہدہ ہو گیا کہ یہ لہجہ افادہ کا ہے۔ پس اب آپ مجھ کو میری غلطیوں پر اطلاع دیں۔ میں نہایت ٹھنڈے دل سے ان شاء اللہ غور کروں گا۔ لیکن اسی کے ساتھ آپ کو جواب نہ دوں گا۔ اگر غلطی سمجھ میں آجائے گی تو ترجیح الراجح میں شائع کر دوں گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ میرے 'عنایت فرماؤں' نے درحقیقت مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ کہ میرے لیے سہولت پیدا کر دی۔ وہ یہ کہ میں نے تصانیف کیں، جن کی تصحیح کے لیے اگر میں اہتمام کرتا تو کتنا روپیہ خرچ ہوتا!! اب انہوں نے غور کر کے غلطیاں نکالیں۔ اور میں نے ترجیح الراجح میں شائع کر دیں۔ اور کرتا رہتا ہوں۔ تو مفت میں اتنا بڑا کام ہو گیا۔ اور خدا نہ کرے مجھ کو ضد تھوڑا ہی ہے۔ یہ تو دین ہے۔ اس میں سب ہی مسلمانوں کی شرکت ہے۔ سب مل کر خدمت کریں۔

(جلد دوم۔ ص: ۳۴۷)

شریعت کے احکام حکمت جانے بغیر ماننے چاہئیں:

[ایک صاحب حضرت سے احکام کی حکمتیں پوچھ رہے تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ یہ بتاؤ] زنا کی حرمت کی کیا علت ہے؟ کہنے لگے کہ یہ تو معلوم نہیں۔ میں نے کہا میں بتلاتا ہوں، اس میں دو علتیں ہیں: ایک خلطِ نسب [یعنی بچے کے باپ کا پتہ نہیں چل سکتا]۔ دوسرے مردوں میں باہم لڑائی جھگڑا۔ بڑے خوش ہوئے، کہنے لگے: بہت ٹھیک۔ میں نے کہا کہ عورت کو ایسی دوا کھلا دی جائے جس سے علوق [حمل ٹھیرنے] کا احتمال نہ رہے، نیز زانی مردوں میں باہم ایسا تعلق و تعشق [محبت] ہو جس میں جھگڑے کا بھی احتمال نہ رہے، تو کیا پھر زنا حلال ہو جائے گا؟؟ بس دم بخود رہ گئے۔

[ایک ڈپٹی کلکٹر آئے] انہوں نے سوال کیا کہ سود کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں

نے کہا کہ میرا خیال آپ کو معلوم ہے، کہ میں مذہبی شخص ہوں، قرآن وحدیث کا حکم ظاہر کر دینا میرا کام ہے۔ فلسفی شخص نہیں ہوں نہ فلسفیات کا ذمہ دار۔ قرآن وحدیث سے جواب دوں گا۔ اس میرے جواب پر اور اِن اصول موضوعہ کی بناء پر اُن کے سوالات کا بہت بڑا ذخیرہ تو ختم ہو گیا۔ میں نے کہا کہ جواب سنئے۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔

کہنے لگے حسن نظامی دہلوی تو ربا [سود] کی یہ تفسیر کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ قانون کی جن دفعات کی بناء پر فیصلے دیتے ہیں، آپ وہ قانون اور وہ دفعات مجھے دیجئے۔ میں اس کی شرح کروں گا۔ آپ میری شرح کے ماتحت فیصلہ لکھا کریں۔ پھر دیکھئے کہ گورنمنٹ کی طرف سے آپ پر کیسی لتاڑ پڑتی ہے اور جواب طلب ہوتا ہے؟؟ اس جواب طلب ہونے پر اگر آپ گورنمنٹ سے کہیں کہ فلاں شخص نے قانون کی یہی شرح لکھی ہے اور وہ شخص عربی فارسی اردو سب جانتا ہے، اس [کی شرح] سے میں نے یہ فیصلہ لکھا ہے، تو یہی جواب ملے گا کہ زبان دانی اور چیز ہے قانون دانی اور چیز ہے۔ طالب علم [یعنی شریعت کا عالم] ہونا اور چیز ہے قانون داں ہونا اور چیز ہے۔ بس یہی جواب اس تفسیر کے متعلق ہمارا [ہے]۔ اس شخص کی تفسیر ایسی ہی ہے کہ جیسے میں قانون کی شرح لکھوں۔ تو حسن نظامی ہونا، اردو داں ہونا، اخبار نویس ہونا اور بات ہے، مفسّر ہونا اور چیز ہے۔ [خواجہ حسن نظامی اردو کے بلند پایہ ادیب اور دانشور تھے]۔ (جلد دوم۔ص:۳۴۹۔۳۵۰)

امراء کی طرف میلان:

امراء کی طرف طبعاً [دل کا] میلان تو ہوتا ہی ہے۔ اور یہ میلان مذموم نہیں۔ جیسے کسی حسین کو دیکھ کر میلان ہوتا ہے۔ ہاں اس کے مقتضاء [تقاضے] پر عمل نہ کرنا چاہئے [یعنی ان سے نہ چاپلوسی کرے نہ کچھ طلب کرے]۔ اگر ایسا کرے گا یہ مذموم ہو گا۔ (جلد دوم۔ص:۳۶۳)

حضرت شیخ الہندؒ کی تواضع:

حضرت مولانا دیو بندیؒ کی تواضع کا ذکر تھا۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ میں جب کبھی دیو بند گیا، بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ میں حاضری میں سبقت کر سکا ہوں۔ ورنہ خود حضرت تشریف لے

آتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اگر طریقت میں داخل ہو کر تواضع بھی نہ ہوئی تو کچھ بھی نہ ہوا۔

(جلد دوم۔ص:۳۷۰۔۳۷۱)

شیخ کے قلب کا مکدر ہونا نقصان دہ ہے:

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص سے اصلاحِ باطن کا تعلق ہو اس کو رائی برابر بھی مکدر کرنا ایسا ہے جیسے بڑا بھاری پہاڑ بیچ میں آ گیا ہو۔ حجاب ہو جاتا ہے اور فیض بند ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات وجدانی ہے۔ اس طریق میں کدورت اور نفع دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر کدورت اسی سے ہوتی ہے جس سے [محبت وسعادت مندی کی] توقع ہوتی ہے۔ (جلد دوم۔ص:۳۷۷)

ایک اہم عرفانی نکتہ:

[سلوک وتصوف کی راہ میں] ان مجاہدات و ریاضات سے جب ملکہ (۱) پیدا ہو جاتا ہے، تو طبعی طور پر افعال صادر ہونے لگتے ہیں۔ زیادہ اہتمام ومشقت کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ [اب سوال یہ ہے کہ] اجرِ کامل موقوف ہے اہتمام اور مشقت پر۔ تو ان لوگوں کو اجرِ کامل بھی نہ ملنا چاہئے۔ بلفظ دیگر یوں کہنا چاہئے کہ منتہی کو مبتدی سے کم اجر ملتا ہے۔ کیوں کہ مبتدی کو مشقت ہوتی ہے منتہی کو نہیں ہوتی۔ تقریر جواب کی ظاہر ہے کہ جب [شروع میں] مجاہدہ اسی ارادہ سے کیا کہ بے تکلف افعال کا صدور ہونے لگے، تو مشقت حکماً ہر فعل کے ساتھ ممتدّ [باقی] سمجھی جائے گی اور اجر کامل ملے گا۔ اور اپنے کمال میں مبتدی کے اجر سے زیادہ ہوگا۔ کیوں کہ مشقت تو امر مشترک ہے ایک جگہ حساً ایک جگہ حکماً مگر منتہی میں رسوخِ خُلق وتثبیت ومہارت وتشبّہ بالملائکۃ کی (جن کی شان میں وارد ہے "**یسبحون اللیل والنھار لا یفترون**" وہ رات دن تسبیح کرتے ہیں اور سست نہیں پڑتے) فضیلت زائد ہے۔ (جلد دوم۔ص:۳۸۲)

---

(۱) [ملکہ کہتے ہیں مزاج میں راسخ ایسی کیفیت کو جس کے بعد کوئی عمل آسانی سے انجام پانے لگے۔ جیسے سائیکل چلانا شروع میں نہایت مشکل ہوتا ہے، مگر جب مشق ہو جاتی ہے تو پھر نہایت سہولت سے یہ کام انجام پانے لگتا ہے، کچھ زیادہ خیال بھی نہیں کرنا پڑتا۔ یہی معاملہ اعمال صالحہ کے انجام دینے اور معاصی کے جذبات کو قابو میں کرنے کا ہے، کرتے کرتے ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور عمل سہولت سے ہو جاتے ہیں۔ یحییٰ)

حضرت حاجی صاحبؒ کی احتیاط:

حضرت حاجی صاحبؒ اس فن [سلوک وطریقت] کے امام تھے۔ اور عجیب یہ کہ درسیات کی بھی [مکمل] تحصیل نہ فرمائی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں ناخواندہ ہوں اور جو کچھ میں بیان کرتا ہوں، یہ واردات [دل میں آنے والی باتیں] ہیں۔ اگر یہ کتاب وسنت کے خلاف ہوں عمل نہ کرنا۔ اور مجھ کو بھی اطلاع کر دینا۔ میں بھی توبہ کرلوں گا۔ اگر اطلاع نہ کرو گے تو تمام بوجھ تم پر ہوگا میں بری رہوں گا۔ (جلد دوم۔ص:۳۸۶)

تصوف کی کتابیں صرف مشائخ کے لیے ہیں:

فرمایا کہ تصوف کی کتابیں منتہی کے واسطے ہیں [یعنی صرف ایسوں کے لیے ہیں جو تصوف کی راہ کسی محقق کی رہنمائی میں طے کر چکے ہوں اور اس کا صحیح ذوق پیدا کر چکے ہوں] مبتدی کے لیے نہیں۔ جیسے طب کی کتابیں طبیب کے لیے ہیں، مریض کے لیے نہیں۔ بس اسی طرح تصوف کی کتابیں شیوخ کے لیے ہیں۔ عوام کے لیے نہیں۔ (ص:۳۸۸)

دین میں دنیا کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے:

دین میں دنیوی مصالح سے متاثر ہونا سب کمزوری کی باتیں ہیں۔ بڑی چیز دین ہے، یہ محفوظ رہے۔ خواہ تمام مصالح بلکہ سارا عالم فنا ہو جائے کچھ پرواہ نہیں۔

(جلد دوم۔ص:۳۸۹)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد سوم

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

تجدّد پسندوں کی غلطیوں پر ٹوکنا، کب اور کس طرح؟

ایک جنٹلمین صاحب علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ تشریف لائے۔ اور آ کر فرمایا کہ میں آپ سے کچھ عرض کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ ضرور کر سکتے ہیں۔ کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو علی گڑھ والوں سے نفرت ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر کہتا ہوں کہ ہاں تب تو تعصب کا شبہ ہوگا۔ اور اگر کہتا ہوں کہ نہیں، تو ایک طرح کی چاپلوسی ہے۔ جو واقع کے بھی خلاف ہے۔ حق تعالیٰ نے دل میں ایک بات ڈالی۔ میں نے کہا، ان کی [یعنی علی گڑھ کے حضرات کی] ذات سے تو نفرت نہیں، افعال سے نفرت ہے۔ کہا کہ وہ کیا افعال ہیں؟ میں نے کہا کہ ہر فاعل کے افعال جدا ہیں۔ کہنے لگے مثلاً میرے کیا افعال ہیں؟ میں نے کہا کہ بعض تو صاف ظاہر ہیں جن کے اظہار کی ضرورت نہیں (ان کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی)۔ کہنے لگے کہ وہ ظاہر کون سے افعال ہیں؟ میں نے کہا کہ مجمع میں ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ اور تنہائی میں بھی بدون باہمی مناسبت کے ظاہر کرنا نافع نہیں۔ اور مناسبت کا طریقہ یہ ہے کہ چند روز میرے پاس رہیے۔ تا کہ آپ کو مجھ پر اعتماد ہو جاوے کہ یہ خیر خواہی اور ہمدردی سے کہہ رہا ہے۔ اور مجھ کو یہ اطمینان ہو جاوے کہ آپ خلوص سے پوچھ رہے ہیں۔ سمجھ گئے۔ پھر سوال نہیں کیا۔ غرض ان متکبروں کی رعایت کی ضرورت نہیں۔ تجربہ کی بات ہے کہ رعایت

گفتگو کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ ہر بات اصول کے ماتحت ہونی چاہئے۔ ان ہی اصول میں سے ایک یہ ہے کہ اول یہ دیکھ لیا جائے کہ مخالف کو اپنی فاسد رائے پر جزم [یقین واصرار] ہے یا تردّد ہے؟ اگر جزم ہے تو ہم گفتگو نہ کریں گے۔ کہ محض فضول ہے۔ اور اگر تردد ہے تو بیشک گفتگو کریں گے۔ لیکن اس صورت میں بھی گفتگو سے پہلے قدرے موانست کی ضرورت ہے۔ تاکہ باہمی اعتماد ہو ورنہ سب کیا کرایا بے کار جاوے گا۔ (جلد ۳۔ص: ۱۷۔۱۸)

فضل خدا متوجہ ہونے کے لیے بندے میں طلب ہونا ضروری ہے:

فرمایا: عادۃ اللہ یہی ہے، کہ بدون طلب کے کچھ نہیں ہوتا۔ اِس طرف سے طلب ہو پھر اُس طرف سے سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ (جلد ۳۔ص: ۱۸۔۱۹)

مصلح کی اتباع کی ضرورت:

تم بھی نیت اور ارادہ کے ساتھ کام میں لگو۔ سوال جواب میں مت پڑو۔ زیادہ تدقیق وتعمّق [بال کی کھال نکالنے] کی ضرورت نہیں۔ اتباع کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ دو وقت کھانا کھانے میں باورچی پر تو اعتماد کریں کہ اس نے کھانے میں زہر نہیں ملایا۔ اور اپنے خیر خواہوں پر اعتماد نہ ہو۔ ان سے قیل وقال کی جاوے۔ اس تدقیق [یعنی ضرورت سے زیادہ باریک بینی اور بے فائدہ باتوں کے پیچھے پڑنے] میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو دیکھا جاوے کہ ہمارا عمل کامل ہے یا ناقص، اگر ناقص ہوا تو بددل ہو کر ہمت ہار دی۔

صاحبو! معلوم بھی ہے؟ کہ عمل میں جس کمال کے تم منتظر ہو، کہ کوئی نقص نہ ہو وہ کمال تو صرف ذات پاک ہی کے ساتھ خاص ہے۔ ورنہ اس ذات کے سامنے تو انبیاء بھی کامل نہیں۔ اور کسی کا تو کیا منہ ہے کہ کامل ہونے کا دعویٰ کرے یا منتظر ہو؟ اس کے سامنے تو جو کامل بھی ہوگا وہ ناقص ہی ہوگا۔ یہ ہی بڑی رحمت ہے کہ ہم ناقص ہی ہیں، محروم تو نہیں۔ اور اگر کمال کے درپے ہو گئے، اور وہ ممکن نہیں، تو کیا نتیجہ ہوگا؟ اِس آدھی روٹی سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ بس یہ ہوگا کمال کی ہوس کا نتیجہ کہ پہنچنے والے پہنچ گئے، یہ ابھی اس میں ہیں کہ سڑک کیسی ہے؟ اس میں گڑھے ہیں یا صاف ہے؟

سڑک پر درخت آم کے ہیں یا سیب کے؟ ارے تجھے کیا؟ کہیں کے ہوں، تو اپنے کام میں لگ۔ تو اپنی راہ طے کر، تا کہ منزل مقصود پر پہنچے۔ ہم تو ہر حال میں ناقص ہی رہیں گے، ہمارا علم بھی ناقص، عمل بھی ناقص، نظر بھی ناقص۔ ان تحقیقات میں کیا رکھا ہے۔ اسی کو [مولانا رومؒ] فرماتے ہیں:

کار کن کار، بگذر از گفتار ☆ اندریں راہ کار باید کار

(کام کرو قیل وقال کو چھوڑ دو، کہ اس راستہ میں عمل ہی مقصود ہے)

مگر شیخ کی تقلید شرط ہے۔ اس طریق میں بدون تقلید کے کام چل نہیں سکتا۔ قیل وقال وفکر تحقیق سے کچھ کام نہیں چلتا۔ [ابتدا میں تو] تقلید محض کی ضرورت ہے۔ اسی کی برکت سے کسی وقت تحقیق بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کئے جاؤ، سب سمجھ میں آجائے گا۔ سب تسلی ہو جائے گی۔ کیسی عجیب اور جامع تعلیم ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں بڑی لمبی چوڑی تعلیم نہ ہوتی تھی۔ مختصر اور پرمغز تعلیم ہوتی تھی۔ (جلد۳۔ص:۲۰۔۲۱)

بس خدا طلبی کی دُھن لگی رہنی چاہیے:

اہل تحقیق یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر عمل کا بھی زیادہ حصہ نہ ہو مگر اُس طرف کی دُھن ہی لگائے رکھو۔ نہ معلوم کس وقت فضل ہو جائے۔

یک چشم زدن غافل از آں شاہ نہ باشی ☆ شاید کہ نگاہے کند، آگاہ نہ باشی

(ایک لمحے کے لیے اس شاہ سے غافل مت ہو، ممکن ہے کہ وہ توجہ فرماویں اور غفلت کی وجہ سے تمہیں خبر بھی نہ ہو)

اور اگر اس میں بھی کوتاہی ہو جائے، تب بھی اس فکر میں نہ پڑے کہ کوتاہی کیوں ہوئی؟ اس کے تدارک کے لیے **اللّٰھم اغفرلی** پڑھ کر کام میں لگ جائے۔ اگر اسی کے افسوس میں رہا تو وقت ہی بے کار کھویا۔ کیونکہ ماضی کی فکر بھی تو اپنی ہی یاد ہے، اُن کی یاد نہ ہوئی۔ (جلد۳۔ص:۲۲)

نفلی عبادات میں کمی زیادتی شیخ کے مشورہ سے ہونی چاہئے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تلاوت قرآن اور کثرت نوافل سب سے افضل عبادت ہے۔ اور یہ مقاصد ہیں۔ ان ہی دو چیزوں کی صلاحیت کے لیے طریق میں

ذکر و شغل کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور وہ سب مقدمات ہیں اور ان میں شیخ کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس میں بعض اوقات کچھ خطرات بھی پیش آتے ہیں اور مقاصد میں کوئی خطرہ نہیں۔ پھر یہ دونوں [یعنی تلاوت اور نوافل] ذکر اللہ پر بھی مشتمل ہیں۔ ان دونوں کی بھی روحِ اعظم ذکر ہی ہے۔ وہ خود ان میں مضمر ہے۔ باقی مستقل اذکار مثلاً سبحان اللہ، یا لا الہ الا اللہ ان سب سے تلاوت قرآن و نماز افضل ہے۔ نماز اور قرآن کی آج کل کے اکثر مشائخ کے دل میں وقعت و عظمت نہیں۔ تمام زور ذِکر پر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں ایک اور لطیف فرق بھی ہے۔ وہ یہ کہ جب کوئی ذکر زیادہ کرتا ہے، اس میں عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور نماز اور تلاوت قرآن سے عجب کم پیدا ہوتا ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اکثر عوام ذکر کو خواص کا فعل سمجھتے ہیں۔ اور نماز و تلاوت قرآن کو عوام کا فعل سمجھتے ہیں۔ تھوڑی سی دیر بیٹھ کر ذکر کر لیا، الا اللہ، الا اللہ، یا اللہ، اللہ، بس خواص میں داخل ہو گئے۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا ایسی حالت میں [جب نفس میں عجب پیدا ہو رہا ہو] ذکر و شغل چھوڑ دینا چاہئے۔ مگر یہ سب امور شیخ کی تجویز پر موقوف ہیں کہ کس وقت کیا مناسب ہے؟ چنانچہ بعض اوقات وہ یہ مشورہ دے گا کہ خاص ہیئت سے بیٹھ کر ذکر نہ کیا جاوے، چلتے پھرتے پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ اس طور سے تم کو کوئی ذاکر نہ سمجھے گا۔ یہ گردن جھکا کر بیٹھنا اور اِدھر اُدھر گردن ہلانا، اِس سے لوگ ذاکر سمجھتے ہیں۔ غرض کہ ہر حالت میں شیخِ کامل کی ضرورت ہے۔ اپنے کو اُس کے سپرد کر دینے کے بعد مطمئن ہو جانا چاہئے۔ (جلد ۳۔ص:۳۴)

صحبت کا اثر تابع پر ہوتا ہے متبوع پر نہیں:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اُمراء کے پاس بیٹھ کر قلب میں دین کا اثر کمزور ہو جاتا ہے۔ اور دنیا کا اثر قوی ہو جاتا ہے۔ اور یہ اثر اِس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے پاس تابع بن کر جاتے ہیں۔ اور جو شخص کسی کے پاس قصد کر کے جائے گا اُس پر اسی کا اثر ہوگا [جس کے پاس وہ قصد کر کے گیا ہے]۔ چنانچہ اگر امراء قصد کر کے اہلِ دین کے پاس آئیں تو اُن پر دین کا اثر ہوگا۔ اور اگر اہل دین امراء کے پاس قصد کر کے جائیں تو ان پر دنیا کا اثر ہوگا۔

غرض تابع پر اثر ہوا کرتا ہے متبوع پر اثر نہیں ہوا کرتا۔ یہ ہی قاعدہ صحبتِ بد اور صحبتِ

نیک کا ہے۔ اگر بد آدمی نیک آدمی کی صحبت اختیار کرے اور تابع بن کر اُس کے پاس رہے تو اس پر [نیک] اثر ہوگا اور دین پیدا ہوگا۔ اگر نیک آدمی بد کی صحبت اختیار کرے اور اُس کے پاس رہے تو اس پر بدی کا اثر ہوگا۔ (جلد۳۔ص:۳۶)

شیخ سے بالکل بحث نہیں کرنا چاہیے:

اصول صحیحہ کے موافق بھی مناظرہ استاد اور شاگرد میں تو نامناسب نہیں، مگر پیر مرید میں اس طرح بھی مناسب نہیں۔ اگر شیخ کی کوئی بات سمجھ میں نہ آوے دوسرے وقت پر چھوڑ دو۔ اُس سے معارضہ [یعنی بحث] نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایسا کرے گا فیض نہ ہوگا۔ مناظرہ کی طرح ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ شیخ کے متعلق اگر کوئی شبہہ ہو تو اسی سے پوچھتے ہیں۔ ایسا نہ چاہیے، اول تو شبہہ ہی کو جگہ نہ دے۔ اور جو [شبہہ کا] بہت ہی غلبہ ہو تو کسی دوسرے محقق سے شبہہ رفع کر لے۔ البتہ اگر اس [شیخ] سے تعلق قطع کر لے تو پھر اس سے پوچھنے کا بھی مضائقہ نہیں۔ غرض یہ تعلقِ باطنی اور قیل وقال جمع نہیں ہو سکتے۔ (جلد۳۔ص:۵۰۔۵۱)

تجدید دین کے کام پر اللہ کا شکر:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ طریق بالکل مردہ ہو چکا تھا۔ لوگ بیحد غلطیوں میں مبتلا تھے۔ بحمد اللہ اب سو برس تک تو تجدید کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر پھر خلط ہو جائے گا تو پھر کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہو جائے گا۔ (جلد۳۔ص:۵۷)

پوچھنے پر اپنی رائے کا اظہار کر دینا ہی ادب ہے:

ایک نو وارد صاحب نے درخواستِ بیعت کی، حضرت والا نے بیعت کے متعلق اصول اور قواعد بیان کر کے فرمایا کہ اب ان اصول اور قواعد کو سن لینے کے بعد جو رائے قائم کی ہو وہ بتلا دو۔ اس پر ان صاحب نے عرض کیا کہ جو حضرت کی رائے ہو۔ فرمایا کہ قواعد بتلانے کے بعد استفسار کے جواب میں یہ کہنا کہ جیسے رائے ہو نہایت بد تہذیبی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ استفسار لغو ہے۔ کیا کلام کی معاشرت کا کوئی ادب نہیں؟ استفسار پر اپنی رائے کو ظاہر کرنا چاہیے۔ دوسرے پر بوجھ ڈالنا خلاف تہذیب ہے۔ کام تو اپنا اور بوجھ دوسرے پر، یہ کیا لغو حرکت ہے؟ (جلد۳۔ص:۵۷۔۵۸)

حضرتؒ کی تواضع:

ایک صاحب کی غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں تو خود ان آنے والے حضرات کی برکت سے مستفیض ہونے کا متمنی رہتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھ کو اپنی حالت خود معلوم ہے۔ کبھی اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوا اور نہ آتا ہے، کہ مجھ سے ان کو کوئی نفع پہنچ رہا ہے۔ حتی کہ عین مواخذہ کی حالت میں بھی میں اپنے مخاطب کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ مگر اصلاح کی ضرورت سے تادیب کرنا پڑتی ہے۔ (جلد۳۔ص:۵۸)

امام فن حضرت حاجی صاحبؒ کے دو ملفوظ:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی نیک عمل کر لینے کے بعد پھر جب کسی نیک عمل کی توفیق ہو، تو یہ اس کی علامت ہے کہ پہلا عمل قبول فرما لیا گیا۔ تب ہی تو پھر عمل کی توفیق نصیب ہوئی۔ ورنہ مطرود و مخذول ہوتا [یعنی اللہ کی بارگاہ سے دور کر دیا جاتا اور دوبارہ توفیق نہ دی جاتی]۔ حضرت اپنے فن کے امام تھے، مجتہد تھے، مجدد تھے۔ عجیب وغریب تحقیقات ہوتی تھیں۔ ایک شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت ذکر و شغل کرتا ہوں مگر کچھ نفع نہیں ہوتا۔ فرمایا: بھائی! ذکر میں مشغول ہو، اللہ اللہ کرنے کی توفیق دے دی گئی، یہ کیا تھوڑا نفع ہے؟ (جلد۳۔ص:۵۸)

اپنے دینی کارناموں کی تفصیل بیان کرنے میں نفس کا کیدِ خفی:

ایک صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ میں نے فلاں مقام پر ایک مدرسہ کا آغاز کیا ہے۔ اس کے یہ انتظامات ہیں، اور ایک جلسہ مدرسہ کا کیا گیا۔ اور بڑی دیر تک اُس کی تعریف کرتے رہے۔ حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ جتلاتے کیوں ہو کہ میں نے مدرسہ جاری کیا، جلسہ کیا؟ کچھ خبر بھی ہے؟ اس میں نفس کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ عرض کیا کہ بیان سے یہ مقصود نہیں۔ فرمایا کہ تم کو کیا خبر اپنے مرض کی؟ نفس وہ چیز ہے کہ اس کا کیدِ خفی اہل نظر کو بھی بعض اوقات محسوس نہیں ہوتا۔ [یعنی انسان کا نفس ایسا دھوکہ باز ہے کہ وہ دل میں برے جذبات اور نیتیں چپکے سے

پیدا کر دیتا ہے اور اچھے خاصے اصحاب نظر علماء وصوفیہ کو بھی اس کے دھوکے کا پتہ نہیں چل پاتا]۔ ایک بزرگ کسی درویش کے مہمان ہوئے۔ اس درویش نے خادم سے کہا کہ اُس صراحی میں سے پانی لاؤ جو ہم دوسرے حج میں لائے تھے۔ اُن بزرگ نے فرمایا کہ بندۂ خدا تو نے دونوں حجوں کا ثواب برباد کیا۔ [پھر حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا]: کام کر کے جتلایا نہیں کرتے۔ اور اگر دعاء مقصود تھی تو اس تفصیل کی ضرورت نہیں۔ بعض اوقات اپنے مرض کی خبر نہیں ہوا کرتی۔ اور جگہ تم لوگوں کو روک ٹوک نہیں کی جاتی، میں کرتا ہوں۔ اس وجہ سے بدنام ہوں۔ دوسرے لوگ عرفی اخلاق کی وجہ سے کچھ نہیں بولتے، مجھ سے ایسے عرفی اخلاق اختیار نہیں کئے جاتے۔ میں مکرر کہتا ہوں کہ یہ بھی نفس کی شرارت ہے کہ دعاء کے بہانے سے اپنی روئداد سنا دی۔ حضرت! نفس کے کید نہایت ہی خفی ہیں۔ عرض کیا کہ غلطی ہوئی۔ فرمایا کہ اتنی سختی کے بعد آپ نے تسلیم کیا۔ (جلد۳۔ص:۶۰)

رونق تو خلوت و وحدت میں ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اس زمانے میں اہل علم اور طلبہ کا کافی مجمع رہا، بڑی رونق رہی۔ فرمایا کہ یہ بھی کوئی رونق ہے کہ مجمع رہا تھا؟ اس سے بڑھ کر یہ رونق ہے کہ اب کوئی نہیں سوائے ایک کے۔ (جلد۳۔ص:۶۴)

حاجی صاحبؒ کے یہاں جمعیت قلب کا اہتمام:

[جمعیت قلب کا مطلب ہے دل کا سکون واطمینان اور اللہ کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونے کے قابل ہونا]۔ ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہر معاملہ سے یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ حضرت یہ چاہتے ہیں کہ جو غیر ضروری بات جمعیتِ قلب کے خلاف ہو اس کو ترک کردو اور ایسی چیزوں سے اکثر منع فرماتے تھے۔ (جلد۳۔ص:۶۴)

کسی چہرہ پر نظر نہ رکھنا:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: میں کسی چہرہ پر نظر نہیں کرتا، طبعاً حجاب معلوم ہوتا ہے۔ (جلد۳۔ص:۷۷)

انتظامِ اوقات کی برکت:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ الحمدللہ اب کسی چیز کی امنگ نہیں رہی۔ اب تو یہ جی چاہتا ہے کہ فراغ کے ساتھ خاص تعلق مع اللہ میسر ہو جائے۔ گو ابھی وہ نصیب نہیں ہوا، مگر جی چاہتا ہے کہ نصیب ہو جائے۔ (جلد۳۔ص:۷۸)

دوسروں کے برا کہنے کی کیا پرواہ؟

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جاہ کا مرض بھی عام ہو گیا ہے۔ رات دن لوگ اسی کی فکر میں ہیں کہ کوئی برا نہ کہے۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے؟ کام میں لگو، خدا سے صحیح تعلق پیدا کرنے کی فکر کرو۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ ایک خدا کو اختیار کرلو، لوگوں نے پچاس خدا اختیار کر رکھے ہیں، کہیں نفس کہیں برادری کہیں قوم، کہیں جاہ، کہیں عزت، کہیں روپیہ، کہیں کچھ کہیں کچھ، سو سب کو راضی نہیں کر سکتے۔ (جلد۳۔ص:۹۵)

تمدن کی ترقی:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ تمدن کی ترقی (یعنی نت نئی ایجادات اور نئے طرز زندگی) سے عالم میں فساد ہو گیا۔ تمدن سے تشویش [اور ذہنی الجھن] بڑھ گئی۔ (جلد۳۔ص:۱۰۳)

سر سید کی حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ سے عقیدت:

مجھ سے ایک صاحب نے بروایت محسن الملک کے بیان کیا کہ سید احمد خان اپنی کوٹھی میں بیٹھے تھے۔ اس میں شیشے کے کواڑ تھے۔ ایک شخص آئینوں میں سے نظر آیا۔ نہایت بوسیدہ اور میلے کپڑے پہنے ہوئے، کوٹھی سے باہر آ کر بیٹھا۔ یہ شیشہ کے کواڑوں میں سے دیکھ رہے تھے۔ محسن الملک بھی سید احمد خان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ سر سید نے ان سے کہا کہ دیکھو یہ ایک مکار سائل ہے۔ اور اب اپنا لباس تصنع کا بدلے گا اور پھر آ کر سوال کرے گا۔ مگر میں اس کو ایک کوڑی نہ دوں گا۔ ایسا ہی ہوا اس نے اپنی گٹھری میں سے چوغہ، عمامہ، تسبیح نکالی اور بن ٹھن کر کوٹھی پر آیا اور دستک دی۔ کواڑ کھول دیئے گئے، اس نے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔ اس وقت سید احمد خاں لیٹے ہوئے

تھے، نہایت بے رخی سے جواب دیا اور بیٹھے بھی نہیں۔ اس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر کہا کہ مجھ کو فلاں ضرورت ہے، اعانت چاہتا ہوں۔ سرسید اسی طرح بے التفاتی کے ساتھ لیٹے رہے۔

دورانِ گفتگو میں اس کے منہ سے یہ بھی نکلا کہ میں حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دیکھنے والا ہوں۔ [سرسید کو حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ سے نہایت عقیدتمندانہ محبت تھی] اس کا یہ کہنا تھا کہ سید احمد خان نہایت اضطراب کے ساتھ اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے۔ وہ کچھ حالات شاہ صاحب کے بیان کرتا رہا اور سرسید بہت توجہ سے سنتے رہے۔ پھر اس کے لیے نہایت ادب واحترام کے ساتھ کھانا منگایا اور کھانے کے بعد پچاس روپے پیش کیے۔ جب وہ چلا گیا تو محسن الملک نے پوچھا کہ یہ کیا خبط تھا؟ خود ہی تو کہہ رہے تھے یہ شخص مکار سائل ہے، پیشہ ور ہے، اس کو ایک کوڑی نہ دوں گا۔ یا ایسے معتقد ہوئے جیسے اس نے جادو کر دیا ہو۔ آخر آپ کو یہ سوجھی کیا تھی؟ سید احمد خان نے کہا کہ تم کو خبر نہیں اس شخص نے کس کا نام لیا؟ اگر یہ اس وقت جان بھی طلب کرتا تو میں عذر نہ کرتا۔ حضرت شاہ صاحب کی اس قدر عظمت تھی [سرسید کے دل میں]۔ نام سن کر از خود رفتگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ (جلد۳۔ص:۱۲۳۔۱۲۴)

خالی رائے دینے والوں کا علاج:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ رائے دینا بہت آسان ہے۔ مگر جب کچھ کام کرنا پڑتا ہے تو سب کام سے منہ چھپاتے ہیں۔ یہ مرض اکثر نیچریوں [تجدد پسندوں] میں ہے۔ یہ جب کوئی رائے دیتے ہیں میں قبول کر کے طریقۂ عمل ایسا بتلا دیتا ہوں کہ ان کو بھی اس میں کچھ کرنا پڑے اور وہ آسان ہوتا ہے مگر سب ختم ہو جاتے ہیں۔ (جلد۳۔ص:۱۲۶)

بزرگوں کی عظمت سے نورِ ایمان قوی ہوتا ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بزرگوں کی عظمت قلب میں ہو، تو اس سے نورِ ایمان قوی ہوتا ہے، دین میں رسوخ ہوتا ہے۔ (جلد۳۔ص:۱۲۶)

سچا آدمی محبوب ہوتا ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس میں مکر وفریب نہ ہو سچا ہو، یہ ادا مجھ کو بہت پسند ہے۔

اور یہ ادا جس میں بھی ہو وہ مجھ کو محبوب ہے۔ (جلد۳۔ص:۱۲۷)

اپنے مصلح سے متعلق شبہہ کے حل میں احتیاط:

فرمایا کہ جس سے اصلاحی تعلق ہو، اگر اس پر کوئی شبہہ ہو تو اس کے متعلق خود اس سے تسلی کرنا نہ چاہئے، نہ اس کے متعلقین سے۔ اِس سے اُس کو طبعاً انقباض ہوگا۔ اور انقباض کی حالت میں کوئی نفع نہیں ہوگا۔ نیز جواب میں اِس لیے پس و پیش کرے گا کہ اس میں [یعنی اپنی صفائی دینے میں] میں ایک گونہ خود غرضی کا شائبہ ہے۔ اور اس کے متعلقین سے اس لیے کہ اُن کو اس سے رنج ہو جائے گا۔ یہ طریق بہت ہی نازک ہے۔ اس کے ہر قدم پر سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ (جلد۳۔ص:۱۴۱۔۱۴۲)

موت کے وقت توجہ الی اللہ کا انتظام کرنا چاہیے:

موت کے وقت مناسب ہے کہ ایک دو عاقل میت کے پاس ہوں۔ زیادہ بھیڑ کی ضرورت نہیں۔ وہ ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا وقت ہے نہ کہ دنیوی خرافات کا۔ (جلد۳۔ص:۱۴۷)

شیخ تو وہ ہے جس کا فیض سارے عالم پر محیط ہو:

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ شیخ تو وہ ہے جس کا فیض سارے عالم میں محیط ہو۔ جب تک جسم میں قوت ہو جسم سے بھی، ورنہ پھر قلب سے اور توجہ سے۔ ایک شخص مجھ سے کہتے تھے کہ فلاں شخص چالیس برس تک خانقاہ سے نہیں نکلے میں نے کہا واقعی عفیف عورت ہیں کسی نامحرم کے سامنے نہیں آئے، یہ شیخ ہیں شیخ تو وہ ہے کہ اپنے فیض سے تمام عالم کو محیط ہو [یعنی تبلیغ و اصلاح اور دعوت و ارشاد کی سعی و کوشش کرے]۔ نہ کہ کسی کوٹھری کا مقید ہو جاوے۔ (جلد۳۔ص:۱۴۹)

صوفیہ کے کشفیات اور متکلمین کی تاویلات کا حکم:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ صوفیہ کے کشفیات میں اور احکام وحی میں نسبت ہی نہیں۔ اسی طرح نصوص اعتقادیہ میں اور ان کی جو رائے سے تفسیر کی گئی ہے، ان میں کوئی نسبت نہیں۔ وہ نصوص جس حالت پر ہیں، ان کو ایسے ہی رہنے دینا چاہئے [بے ضرورت تاویل نہیں کرنا چاہیے]۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے فرماتے ہیں: **ابھموا ما ابھمہ اللہ** یعنی جس چیز کو خدا تعالیٰ نے مبہم رکھا ہو تم بھی مبہم رکھو۔ بڑی

حکمت کی بات بیان فرمائی۔ (جلد ۳۔ص:۱۵۴۔۱۵۵)

شرکت والے کام پورے نہیں ہوتے:

ایک سلسلۂ میں گفتگو میں فرمایا کہ آج کل ایسے کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، جس میں دوسرے کی شرکت کی ضرورت ہو۔ آج کل تجربہ سے معلوم ہوا کہ وہ کام ہوتا ہی نہیں جس میں مختلف طبائع کے لوگ جمع کیۓ جائیں۔ (جلد ۳۔ص:۱۶۲)

حضرت مولانا شیخ الہندؒ کا حضرت تھانویؒ کے بارے میں ایک قول:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بعض لوگوں نے اسی زمانۂ تحریک میں میری شکایت حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے کی، کہ وہ اس تحریک میں شریک نہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہم کو اس پر بھی فخر ہے کہ ایسی ہمت کا بھی ہمیں میں سے ہے کہ جس نے تمام ہندوستان بلکہ دنیا کی پرواہ نہ کی، جو اس کی رائے میں حق ہے، اس پر استقلال سے قائم ہے۔ کسی دباؤ یا اثر کو ذرہ برابر حق کے مقابلہ میں قبول نہ کیا۔ پھر تحریک فرو ہونے کے بعد کثرت سے لوگوں کے خطوط [جنہوں نے ناروا مخالفت کی تھی] طلب معافی میں آئے۔ میں نے لکھ دیا کہ معافی کے متعلق تو عذر نہیں بقول غالب:

سفینہ جب کنارہ پہ آلگا غالب ☆ خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیۓ

باقی دل ملنے کے متعلق وہ بات ہے جس کو شیخ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بسالے ز جورت جگر خوں کنم ☆ بیک ساعت از دل بروں چو کنم

(سال بھر تک تیرے مظالم سہہ کر جگر خون کروں، تو ایک گھڑی میں ساری کلفت کو دل سے کس طرح نکال دوں)۔ (جلد ۳۔ص:۲۵۴۔۲۵۵)

معصیت سے توبہ:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ کا

مقولہ میں نے خود دیکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس معصیت سے توبہ کر لی ہو اور وہ پھر یاد آئے، تو یہ دیکھو کہ یاد آ کر لذت آتی ہے یا نفرت؟ اگر لذت آتی ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ توبہ قبول نہیں ہوئی۔ اور اگر نفرت معلوم ہو تو اس کی علامت ہے کہ توبہ قبول ہو چکی۔ (مگر نظر ثانی کے وقت اچھی طرح یاد نہیں کہ یہ مقولہ حضرت سلطان جی کا ہے یا کسی اور کا؟) (ص:۲۶۶)

انسان کا کام صرف طلب ہے:

فرمایا کہ حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ [اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے کی کوشش میں] لگا رہے۔ جو کچھ ہو سکے کرتا رہے۔ وہ طلب کو دیکھتے ہیں اگر ادھر سے طلب ہے تو اُدھر علم بھی ہے، قدرت بھی ہے، رحمت بھی۔ اس لیے سب کچھ عطا ہو رہے گا۔ (جلد۳۔ص:۲۶۶)

اہل اللہ کی صحبت حاصل کرنے کا طریقہ:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اگر اتنا وقت نہ ہو کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہ سکے، تو کم از کم ان سے خط و کتابت ہی رکھے۔ اور جب کبھی موقع مل جائے چاہے دو چار ہی روز کے لیے کیوں نہ ہو، اس میں ان کے پاس رہ جایا کرے۔ اور بزرگوں کے حالات کا مطالعہ کرتا رہے، غرض کوئی کام ایسا نہیں جس کی کوئی راہ نہ ہو۔ مگر کام کرنے والا چاہیے۔ راہیں سب نکل آتی ہیں۔

(جلد۳۔ص:۲۶۷)

مشائخ چشت کے حالات پڑھنے کا فائدہ:

فرمایا کہ حضرات چشتیہ کے بزرگوں کے حالات پڑھ کر اور اپنے موجودہ بزرگوں کے حالات دیکھ کر کبر تو پاس نہیں پھٹکتا۔ بڑا نفع ہوتا ہے۔ (جلد۳۔ص:۲۶۷)

سنت کی تعریف اور اس کی وضاحت:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سنت کہتے ہیں عادت غالبہ کو۔ تو حضور ﷺ کی جو عادت غالب ہے، اس کو سنت کہا جاتا ہے۔ ورنہ ہر منقول سنت نہیں، اباحت ہوگی۔

پھر غلبہ خواہ حقیقیہ ہو، یعنی کثرت صدور، اور خواہ حکمیہ، یعنی اگر موانع نہ ہوتے تو کثرت صدور ہوتا جیسے تراویح، کہ حضورﷺ نے اس پر دوام نہیں فرمایا، مگر خود آپؐ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر افتراض کا اندیشہ نہ ہوتا تو دوام فرماتے۔ (جلد۳۔ص:۲۷۲)

گنہگاروں پر رحم آنا چاہیے:

الحمدللہ مجھ کو گنہگاروں پر بجائے تحقیر کے رحم آتا ہے۔ جیسے بیمار پر رحم آتا ہے۔ (ص:۲۷۴)

بیٹے کے سامنے باپ کی عزت کرنا:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ اگر باپ بیٹے دونوں ساتھ ملنے آئیں تو باپ کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں کرتا جس سے بیٹے کی نظر میں اس کی سبکی ہو میں ایسی باتوں کا بہت خیال رکھتا ہوں۔ (جلد۳۔ص:۲۷۴۔۲۷۵)

نفع کا مدار شیخ کی بشاشت پر ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ طالب کو اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ شیخ کو اس کے کسی قول یا فعل سے گرانی نہ ہو۔ ورنہ محروم رہے گا۔ کیونکہ اس طریق میں نفع کا مدار زیادہ تر مناسبت اور بشاشت پر ہے۔ (جلد۳۔ص:۲۷۵)

حضرتؒ کا طریق اصلاح اور تجدید تصوف:

ایک صاحب کی غلطی پر مواخذہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ مجھ کو تو تمہاری ان نالائق حرکتوں سے اذیت ہوتی ہے۔ جس کو میں تو یہ سمجھ کر برداشت کر سکتا ہوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اصلاح کے لیے اذیتیں سہتے تھے۔ ہم تو کیا چیز ہیں؟ ہماری ہستی اور وجود ہی کیا ہے؟ سو میں تو اپنے دل کو اس طرح سمجھا سکتا ہوں۔ لیکن اس میں آپ لوگوں کا تو ضرر ہے۔ اس کے متعلق آپ نے کیا تسلی سوچی ہے؟ اگر آپ ایذا نہ دیتے اور یہاں بیٹھتے تو مفید مفید باتیں سنتے۔ ان سے نفع ہوتا۔ جو اصل مقصود ہے مجالست [یعنی ساتھ بیٹھنے] ومصاحبت سے۔

رہا برکت کا خیال اور مجالست سے اس کا قصد، سو اگر خواجہ معین الدین، قطب الدین

بختیار کاکی، بابا فرید گنج شکر، یہ سب بھی جمع ہو جائیں تو اتنی برکت نہ ہوگی۔ جتنی قرآن شریف سے برکت ہوگی۔ اور میں بیچارہ تو کس شمار میں ہوں؟ اس لیے کہ آدمی تو گوشت اور پوست اور قاذورات کا مجموعہ ہے۔ قرآن شریف تو نور ہی نور بلکہ نور علی نور ہے۔ سو ایک قرآن مجید آٹھ آنہ بارہ آنہ میں خرید لو برکت حاصل ہو جاوے گی۔ سو برکت اور چیز ہے اصلاح اور چیز ہے۔ لوگوں کو اس کا اہتمام نہیں۔ اور مجھ کو اس کا اہتمام ہے۔ یہ حاصل ہے میرے اور عام لوگوں کے اختلاف کا۔ مگر اس تجربہ کے بعد اب میں بھی اس طرز کو غالباً چھوڑ دوں۔ کیونکہ جب کوئی نفع نہیں تو کیوں خود اذیتیں اٹھاؤں؟ اور کیوں دوسروں کو تکلیف پہنچاؤں؟ اور لوگوں کے عدم اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اہمیت ان کی نظر میں نہیں۔ چنانچہ لوگ عالم بننا چاہتے ہیں، بزرگ بننا چاہتے ہیں، مگر انسان بننا کوئی نہیں چاہتا۔ مٹنا اور فنا ہونا کوئی نہیں چاہتا۔

ارے بندۂ خدا! کیوں اس طریق کو بھی بدنام کرتے ہو؟ مدتوں کے بعد طریق زندہ ہوا ہے۔ کیا پھر یہ چاہتے ہو کہ یہ مٹ جائے اور گم ہو جائے؟ اور عوام کی شکایت ہی کیا؟ اہل علم اس بلا میں مبتلا ہیں کہ اصلاح کی فکر نہیں۔ جن کی بدولت علم کی جگہ جہل ہو گیا۔ بزرگی کی جگہ فسق ہو گیا۔ اور مدارس میں جا کر دیکھ لو کہ طالب علم اور اساتذہ کا کیا رنگ ہے؟ نہ حدود ہیں، نہ انسانیت اور آدمیت ہے۔ کہتے ہیں کہ مولوی ہو کر سب درست ہو جائیں گے۔ ارے نادانو! اور بگڑ جائیں گے۔ اس وقت تو دوسروں کے ماتحت ہیں، جب ابھی ٹھیک نہ ہوئے تو آئندہ مختار ہو کر کیا امید ہے؟ اس وقت تو کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکے گا کہ مولانا آپ سے یہ کوتاہی ہوئی۔ یا آپ نے مسئلہ کے خلاف کیا۔ درست ہونے کا تو یہ ہی وقت ہے۔ مگر ان باتوں کی طرف مطلق لوگوں کو خیال نہیں۔ اور طلباء بیچارے کس شمار میں ہیں؟ اکثر ان کے بڑوں کی یہی حالت ہے۔

ایک شخص لکھے پڑھے، ممتاز لوگوں میں سے، یہاں پر معافی چاہنے کے لیے آئے۔ میرے متعلق انہوں نے ایک تحریر میں تہذیب کے خلاف الفاظ قلمبند فرمائے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ معافی سے مقصود کیا ہے؟ آیا عدم مواخذۂ آخرت یا کچھ اور؟ کہا کہ جی ہاں۔ میں نے کہا اس درجے میں معاف ہے۔ آپ سے نہ دنیا میں انتقام لیا جائے گا نہ آخرت میں۔ بالکل بے

فکر رہیے۔عفو بامعنی عدم الانتقام حاصل ہو گیا۔ رہا رنج، وہ اس معافی سے زائل نہیں ہوا۔ [چوں کہ محبت کا دعویٰ تھا اس لیے] مجھ کو آپ سے رنج تھا اور ہے اور رہے گا۔ مجھ کو انقباض تھا اور ہے اور رہے گا۔ مجھ کو شکایت تھی اور ہے اور رہے گی۔ اس پر کہا کہ اس کا کوئی حرج نہیں۔ دیکھیے یہ محبت ہے۔ نہ معلوم پھر دعویٰ ہی کیوں کرتے ہیں محبت کا۔ اور کس بنا پر معافی چاہنے آئے تھے۔ یہ حالت تو ان کی ہے جو اصلاح شدہ اور سنورے ہوئے کہلاتے ہیں۔ معلوم نہیں ان کے بگڑے ہوئے کیا کچھ ہوں گے۔ اس تھوڑے سے عرصے میں کایا پلٹ ہو گئی۔ افسوس ہوتا ہے! اب اپنے بزرگوں کا رنگ ہی نظر نہیں آتا، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (جلد۳۔ص:۲۷۶۔۲۷۷)

صوفی کا سب سے بڑا کمال:

فرمایا کہ لوگ خاص خاص چیزوں کو کمال سمجھتے ہیں۔ کوئی عبادت کو، کوئی تقویٰ کو، مگر محققین سب سے بڑا کمال اس کو سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے نقائص کو پیشِ نظر رکھے۔ (ص:۲۸۰)

خلوص کے لیے اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی کرنا ضروری:

میں سچ عرض کرتا ہوں؛ جن میں باطنی کیفیت نہیں، ان کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں۔ خلوص جس کا نام ہے، وہ بدون اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی کیے ہوئے پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ (ص:۲۸۱)

اپنے عیب نظر نہ آنا بہت بڑا عیب ہے:

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا تھا اصلاح چاہتے تھے۔ میں نے لکھا کہ تم اپنے عیوب کو بیان کرو۔ میں اصلاح کا طریقہ بتا دوں گا۔ لکھا کہ میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ میرے اندر کیا عیب ہیں۔ میں نے لکھا کہ تبلیغ دین کا مطالعہ کرو۔ آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ تبلیغ دین کو پڑھا۔ چند عیوب اپنے اندر سمجھ میں آئے۔ فرمایا کہ جب طلب ہوتی ہے، راہ نکل ہی آتی ہے۔ اور انہوں نے تو یہ ہی لکھا تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا، ایک شخص نے تو یہ لکھا تھا کہ میرے اندر کوئی عیب ہی نہیں۔ ارے بندۂ خدا یہ ہی کیا تھوڑا عیب ہے کہ اپنے اندر کوئی عیب ہی نہیں بتلاتا۔ اگر حقیقت معلوم ہو جائے تو یہ کہنے لگے کہ میں سرتاپا عیوب میں غرقاب ہوں۔ حقیقت سے بے خبری ہے، جس وجہ سے اپنے کو عیوب

ہی سے پاک ہونے کا خیال ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ جب کوئی عیب ہی نہیں تو بالکل بے فکر رہو اور اصلاح کی ضرورت نہیں۔ (جلد ۳۔ص:۲۸۳)

اہل تدین میں بدعت کا سبب دو چیزیں ہیں:

فرمایا کہ اہل تدین میں بدعت، شدت محبت اور قلت فہم سے پیدا ہوتی تھی۔ پہلے جو بدعتی ہوئے تھے، وہ اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے۔ مگر محبت کی زیادتی اور فہم کی کمی سے بدعت میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ جس سے ان کی نیت کا اچھا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (جلد ۳۔ص:۲۸۴)

راحت کا اہتمام ضروری ہے تعظیم ضروری نہیں:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں تعظیم و تکریم کی تو زیادہ رعایت کرتا نہیں۔ البتہ راحت کا خاص اہتمام کرتا ہوں۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا میں نے آج تک دونوں گھروں میں اس کی فرمائش نہیں کی کہ فلاں چیز پکا لو۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید انتظام میں کوئی الجھن ہو۔ البتہ خود ان کے پوچھنے پر بتلا دیتا ہوں۔ وہ بھی محض ان کی دلجوئی کی وجہ سے کہ یہ گمان نہ ہو کہ ہم سے اجنبیت برتتے ہیں۔ پھر وہ بتلانا بھی اس صورت سے ہوتا ہے کہ میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ تم بسہولت جو جو پکا سکتی ہو اس میں دو چار چیزوں کے نام لو۔ وہ نام لیتی ہیں تو میں اس میں سے ایک کو منتخب کر دیتا ہوں۔ (جلد ۳۔ص:۲۹۱)

تہجد کے وقت کبھی آنکھ کھلنا اور کبھی نہ کھلنا:

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ تہجد کے وقت کبھی آنکھ کھلتی ہے اور کبھی نہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ پھر دینی ضرر کیا ہے؟ (جلد ۳۔ص:۲۹۳)

طریق تصوف کی تکمیل اور اس کا احیاء:

فرمایا کہ آج کل لوگ صرف نفلیں اور وظائف کے پڑھ لینے کو انتہائی کمال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی [ایسی] کمال کی چیز نہیں [جن سے انسان ایک کامل مومن بن جائے]۔ ہاں ثواب کی چیزیں ہیں، جو کمال پر موقوف نہیں [یعنی ثواب تو غیر کامل کو بھی ملتا ہے]۔ کمال پیدا ہوتا ہے اصلاح

کے بعد۔ اور اصلاح کا ہونا عادۃً موقوف ہے صحبتِ کامل پر۔ مگر نری صحبت بھی کار آمد نہیں، جب تک کہ اعمال مامور بہ کا اہتمام نہ ہو۔ یہی اعمال اصل سلوک ہیں۔ ان کے اختیار کئے بغیر کوئی شخص منزل مقصود تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، اگر چہ وہ آسمان پر پرواز کرنے لگے یا دریا پر بدون کشتی اور جہاز کے چلنے لگے۔ حقیقت یہ ہے۔ مگر آج کل جاہل صوفیوں نے لوگوں کی راہ ماری ہے اور گمراہ کیا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب طریق بالکل زندہ ہو گیا، مدتوں کے بعد یہ دن نصیب ہوا۔ اور یہ میں فخر سے نہیں کہتا، بلکہ بطور نعمت کے عرض کر رہاں ہوں۔ وہ جس سے چاہے اپنا کام لے سکتے ہیں۔ طریق سے لوگوں کو اجنبیت اور وحشت ہو چکی تھی۔ وہ اس کو دین سے خارج سمجھ چکے تھے اب بحمد اللہ طریق کی تکمیل ہو گئی۔ (جلد۳۔ص:۲۹۴)

بزرگوں کی سادہ باتوں میں اثر ہونا:

فرمایا کہ بزرگوں کی معمولی باتوں میں بھی برکت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر بھی کریں، تو اس میں بھی ایک خاص برکت ہوتی ہے۔ علاوہ برکت کے اس میں کشش بھی ہوتی ہے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے پڑھ کر آئے۔ وعظ کہا، بہت زور لگایا۔ سامعین پر کچھ بھی اثر نہ ہوا، اس کے بعد حضرت منبر پر بیٹھے اور کچھ بیان بھی نہیں کیا۔ صرف یہی فرمایا کہ رات ہم نے سحری کے لیے دودھ رکھا تھا، لیکن بلی پی گئی۔ حق جل علا شانہ کا ارادہ غالب رہتا ہے۔ توحید کا بیان کرنا مقصود تھا۔ یہ کہنا تھا کہ تمام مجلس لوٹ پوٹ ہو گئی، تڑپ گئی۔ اب بتلایئے کون سا ایسا عالی مضمون تھا، ان حضرات کے اقوال افعال سب میں نور رہتا ہے۔ (جلد۳۔ص:۲۹۵)

ایک نشست میں ذکر کی برکت:

[حدیث میں ہے کہ] اگر نماز فجر پڑھ کر اشراق کی نماز تک اسی جگہ بیٹھا رہے پھر اشراق پڑھ لے تو پورے حج اور عمرے کا ثواب ملے گا۔...... سو مشاہدہ ہے کہ جو نور اور بشاشت وانبساط جگہ نہ بدلنے پر ہوتا ہے، وہ جگہ پر بدلنے پر نہیں ہوتا۔ صوفیہ نے اسی مشاہدہ سے کہا ہے کہ جس قدر ذکر ایک نشست میں ہو سکے، زیادہ بہتر ہے۔ اس میں خاص برکت ہوتی ہے۔ (جلد۳۔ص:۲۹۹)

ولا یفلح الساحر میں شبہہ:

ارشاد فرمایا آیت" **ولا یفلح الساحر**" [ساحر کامیاب نہیں ہوتا] میں شبہہ ہوتا ہے کہ ساحر تو اکثر کامیاب ہوتا ہے؟ پھر باوجود اس کے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ **و لا یفلح الساحر**. میرے نزدیک یہاں پر ایک قید محذوف ہے، جو قصۂ موسیٰ علیہ السلام وساحرین سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ **ولا یفلح الساحر فی معارضة المعجزة** (یعنی ساحر معجزہ کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا)۔ (جلد۳۔ص:۳۰۴)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد چہارم

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

بزرگوں کے مزار پر خرافات پہ اظہار افسوس:

فرمایا کہ آج کل جاہلوں نے بزرگان دین کے مزارات پر نہایت ہی خرافات برپا کر رکھی ہیں۔ کھلم کھلا شرک و بدعت کرتے ہیں اور منع کرنے والوں کو بزرگوں کا مخالف اور نہ ماننے والا بتلاتے ہیں۔ اجمیر ہی میں دیکھ لیجے کیسے کیسے بزرگ ہیں! حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی، جنہوں نے تمام عمر توحید اور اسلام کی خدمت اور کفار سے مقابلہ میں گزار دی، اب ان سے عقیدت رکھنے والے اور محبت کا دعوی کرنے والے شرک و بدعت میں مبتلا ہیں۔ یہ متبعین اور معتقدین ہیں؟ مقام عبرت کو تماشا گاہ اور فسق وفجور کا مرکز بنا رکھا ہے۔ خوف خدا تو ان لوگوں کے قلوب میں رہا نہیں۔ حالات سن سن کر نہایت ہی قلب دکھتا ہے۔ یہ بدفہم بزرگوں کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ عوام کی تو شکایت ہی کیا جو لکھے پڑھے کہلاتے ہیں، اُن کو اِن خرافات اور شرکیات و بدعات میں ابتلاء ہو رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(جلد۴۔ص:۲۱)

مشائخ کے لیے بھی کبر و عجب سے حفاظت کا اہتمام بہت ضروری ہے:

ایک صاحب مجلس میں بہت ہی زیادہ ادب کی صورت بنائے بیٹھے تھے۔ حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ آپ جس طرح بیٹھے ہیں اور بھی کوئی اس طرح بیٹھا ہے؟ یا آپ ہی پر سب سے زیادہ ادب کا غلبہ ہے؟ [ان کو ادب میں اعتدال کی تعلیم کے بعد فرمایا:] غضب کی بات ہے کہ میں تو اصلاح کروں، دین کا نفع پہنچاؤں اور یہ میرے ساتھ یہ برتاؤ کریں، کہ مجھ کو فرعون بنانے کی کوشش کریں۔ انسان ہے، بشریت ہے، اِس طرز سے کبھی نہ کبھی قلب میں اپنی بڑائی کا خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ لوگ ہماری اتنی تعظیم و ادب کرتے ہیں، تو واقعۃً ہم بھی کچھ ہوں گے، جب ہی تو لوگ ایسا سمجھتے ہیں۔ نفس کا کیا اعتبار؟ ہمیشہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نفس کو کبھی ایسا موقع نہ دے اور ایسے اسباب نہ پیدا ہونے دے کہ جس سے اُس کو شرارت کا موقع ملے۔ یہ نہایت ہی کام کی بات ہے، جس کو میں اس وقت بیان کر رہا ہوں۔ یہ نفس ہی وہ بلا ہے کہ جس نے بڑوں بڑوں کے زہد اور تقوی اور تقدس کو ذرا سی دیر میں خاک میں ملا دیا۔ اس کو کبھی مردہ مت سمجھو۔ بعض اوقات یہ اسباب نہ ہونے کی وجہ سے دبا ہوا رہتا ہے۔ مگر موقع اور اسباب کا منتظر رہتا ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفس اژدہاست او کے مردہ است ☆ از غم بے آلتی افسردہ است

(نفس ایک اژدہا ہے یہ مردہ کہاں ہے؟ بلکہ کسی وجہ سے ٹھٹھرا ہوا ہے)

اور فرماتے ہیں:

نفس از بس مدحہا فرعون شد ☆ کن ذلیل النفس ہونا لا تسد

(نفس زیادہ تعریفیں سن کر فرعون ہو گیا ہے۔ لہذا اس کو کبھی کبھی ذلیل کر لیا کرو)

اس کی چالاکیاں اور مکاریاں کسی شیخ کامل ہی کی صحبت سے محسوس ہو سکتی ہیں اور ان کا علاج ہو سکتا ہے۔ صحبت کامل ہی اس زہر کا تریاق ہے۔ ویسے یہ کہاں قبضہ میں آتا ہے؟ شیطان کو اسی نے مردود بنوایا۔ اس کی تمام عبادت کو ایک لمحہ کے اندر خراب اور برباد کرا دیا۔ یہ ایسا دشمن جان بلکہ دشمنِ ایمان ہے۔ (جلد ۴۔ ص: ۲۲۔۲۳)

علماء کو مجاہدہ کم کیوں کرنا پڑتا ہے:

فرمایا کہ صحبت کامل اور مجاہدہ کے بغیر کام نہیں بن سکتا۔ اس حکم کے عموم پر ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے جو مشاہدہ ہے، کہ علماء کو مجاہدہ کم کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ مقصود میں جلد کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے متعلق میں نے ایک بزرگ سے پوچھا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ علماء کو سلوک میں بہت کم مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ ان بزرگ نے نہایت ہی اچھا جواب دیا کہ یہ سب سے زیادہ مجاہدہ کرتے ہیں، یہ طالب علمی مجاہدہ ہی تو ہے، اس کی ایسی مثال ہے کہ جس دیا سلائی کو برسوں دھوپ دے چکے ہوں، وہ ذرا گرمی پا تے ہی روشن ہو جائے گی۔ اور جس نے ہمیشہ نمی ہی دیکھی ہو اور دھوپ سے واسطہ ہی نہ پڑا ہو وہ بڑی ہی دقت سے جلے گی۔ حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے مختصر سا کام لیا اور خلافت دے کر رخصت کر دیا۔ اس پر اہل خانقاہ کو بڑا رشک ہوا کہ ہم تو برسوں سے پڑے ہیں، اب تک کچھ بھی نہ ہوا۔ اور یہ شخص ابھی آیا اور سب کچھ ہو کر چل دیا۔ اس پر سلطان جی مطلع [واقف] ہوئے۔ یہ حضرات بڑے ظرف والے ہوتے ہیں۔ وقت کو ٹال کر ایک روز فرمایا کہ بھائی جنگل سے کچھ سوکھی لکڑیاں لاؤ اور کچھ گیلی، خدام لے آئے۔ فرمایا کہ دونوں میں آگ لگا دو۔ جو لکڑیاں سوکھی تھیں فوراً جلنے لگیں، جو گیلی تھیں وہ باوجود کوشش کے نہ جلیں۔ شیخ کو اطلاع کی گئی کہ گیلی لکڑیاں نہیں جلتیں۔ فرمایا کہ میرا کیا قصور ہے کہ میں تم کو نہ روشن کر سکا اور ایک دن کے آئے ہوئے شخص کو روشن کر دیا۔ بات یہ ہے کہ وہ سوکھا سکھایا آیا تھا۔ محض دیا سلائی کھینچ کر لگا دینے کی ضرورت تھی۔ اور تم گیلے ہو۔ پھر کیسے آگ پکڑ سکتے ہو۔ واقع ہی بہت کام کی بات ہے۔ غرض کہ جو کام کر رہے ہو اس کو بیکار نہ سمجھو۔ اسی کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک روز مراد تک پہنچ جاؤ گے۔ (جلد ۴۔ص:۲۵)

کسی شکایت پر یقین نہیں کرتا:

میں کسی کی روایت پر عمل نہیں کرتا جب تک کہ صاحب واقعہ سے تحقیق نہ کر لوں، اس باب میں آج کل لوگ بہت کم احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ (جلد ۴۔ص:۲۷)

اصل چیز اللہ تعالیٰ سے محبت ہے:

اصل چیز عشق ومحبت ہے خواہ محبت عقلی ہو یا محبت طبعی ہو، آگے اس میں گفتگو ہے کہ ان میں افضل کون ہے؟ مگر واقع بات یہ ہے کہ جس کو جو عطا ہو جائے اس کے لیے وہی افضل ہے۔ یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتی ہے۔ (جلد۴۔ص:۲۹)

انسان کو کبھی ناز نہیں کرنا چاہیے:

فرمایا کہ انسان کو کبھی ناز نہیں کرنا چاہیے، ہمیشہ نیاز پیدا کرنے کی سعی میں لگا رہنا چاہیے۔ اسی میں خیر ہے۔ جہاں آگے بڑھا فوراً پٹک دیا جاتا ہے۔ اسی ناز کی بدولت ہزاروں لاکھوں کے زہد اور تقوے برباد کردیے گئے۔ پیر صاحب کو اس پر ناز نہیں ہونا چاہئے کہ میں ہی مریدوں کا ذریعۂ نجات ہوں۔ بلکہ کبھی مرید پیر کے لیے ذریعۂ نجات ہو جاتے ہیں۔ جیسے باپ کبھی محتاج ہوتا ہے بیٹے کا۔ اور کبھی بیٹے کو باپ کی حاجت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر مرید پر رحمت ہوگی پیر کو ہمراہ لے لے گا۔ اور اگر پیر پر رحمت ہوگی مرید کو ہمراہ لے لے گا۔ اسی بناء پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو اس نیت سے مرید کر لیتے ہیں کہ اگر اپنے تعلق والے پر رحمت ہوگئی، تو ہم بھی اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ واقعی یہ حضرات اپنے کو مٹائے ہوتے ہیں۔ (جلد۴۔ص:۳۴)

اخلاص ہو تو مناظرے کا رنگ ہی جدا ہوتا ہے:

ایک مرتبہ مولوی تراب صاحب لکھنوی اور مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری میں گفتگو ہوئی۔ مولوی تراب صاحب مولودِ متعارَف [رواجی میلاد] کے حامی تھے۔ اور مفتی صاحب مانع۔ تراب صاحب نے مفتی صاحب سے کہا کہ کیوں صاحب ابھی تک آپ کا انکار چلا ہی جاتا ہے؟ مفتی صاحب نے کہا کہ ابھی تک آپ کا اصرار چلا ہی جاتا ہے۔ مولوی تراب صاحب نے کہا واللہ ہمارے اس فعل کا منشا بجز محبت رسول اللہ ﷺ کے اور کچھ نہیں۔ سعد اللہ صاحب نے کہا واللہ ہمارے منع کا منشا بجز متابعت رسول اللہ ﷺ کے اور کچھ نہیں۔ مولوی تراب صاحب نے کہا: الحمد اللہ ہم تم دونوں ناجی [یعنی ان شاء اللہ نجات پانے والے] ہیں۔ یہ رنگ تھا اہل اخلاص کے مناظرے کا۔ (جلد۴۔ص:۳۵)

اہل بدعت کا غلط طریق:

فرمایا کہ یہ اہل بدعت ہمیشہ اہل حق کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔اور یونہی اڑنگ بڑنگ ہانکتے رہتے ہیں۔ایک سب انسپکٹر میرے وعظ میں شریک تھے۔وعظ کے بعد انہوں نے مجھ سے گیارہویں کے متعلق سوال کیا۔میں نے کہا کہ بدعت ہے۔کہنے لگے آپ اس کو بدعت کہتے ہیں اور فلاں مولوی صاحب اس کو اچھا بتلاتے ہیں،تو ہم کیا کریں؟میں نے کہا جیسے ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کبھی ان سے بھی تو کیا ہوتا کہ تم اچھا کہتے ہو اور فلاں اس کو بدعت کہتے ہیں ہم کیا کریں ؟اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں کرنے کی خود ہے اور دوسروں کو آڑ بناتے ہو پھر کچھ نہیں بولے۔

(جلد۴۔ص:۳۶۔۳۷)

حقیقتِ مجاہدہ:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حقیقت مجاہدہ کی ہے ﴿ **نهى النفس عن الهوى** ﴾ (نفس کو اس کی بری خواہشات سے روکنا)اور اس کے حاصل ہونے کی تدبیر یہ ہے[کہ اللہ کے سامنے جواب دہی سے ڈرا جائے] "**من خاف مقام ربه**" (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے)۔ (جلد۴۔ص:۴۷)

ایمان پر خاتمہ بڑی دولت ہے:

ایک مولوی صاحب کے تعریفی جملوں پر فرمایا کہ اجی حضرت! کہاں کی بزرگی اور کہاں کا تبرک؟اگر ساتھ ایمان کے چلے جائیں یہ ہی سب کچھ ہے۔اسی کا خطرہ ہے نہ معلوم قسمت میں کیا لکھا ہے؟ (جلد۴۔ص:۴۸)

ایک فکر کی بات:

فرمایا کہ آج کل لوگوں کو گناہوں پر بڑی دلیری ہے، جو نہایت ہی خطرناک بات ہے۔ بعض گناہ وہ ہیں جن میں لوگوں کا زیادہ ابتلاء ہے اور ان کو ہلکا سمجھتے ہیں۔مثلاً بدنگاہی ہے،اس میں عوام تو کیا خواص تک کو ابتلاء ہے۔ (جلد۴۔ص:۶۰)

دو چیزیں قلب کا ستیاناس کرنے والی ہیں:

واقعی یہ بدنگاہی ایسی ہی سخت بلا ہے۔اہلِ فن نے لکھا ہے کہ دو چیزیں قلب کا ستیاناس کرنے والی ہیں اور نورانیت کو برباد کرنے والی۔ایک غیبت اور ایک بدنگاہی۔مگر یہ دونوں چیزیں آج کل لوگوں میں شیر وشکر بنی ہوئی ہیں۔ (جلد۴۔ص:۶۰)

انسان دنیا میں عبد بننے کے لیے آیا ہے:

میں نے ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسا عمل بھی ہے کہ جس سے مؤکل تابع ہو جائیں؟ فرمایا کہ عمل تو ہے، مگر کیا دنیا میں عبد بننے کے لیے آئے ہو یا خدا بننے کے لیے۔اُس روز سے طبیعت میں اِن عملیات سے اِس قدر انقباض پیدا ہوگیا کہ ایسی باتوں کے ذکر سے بھی طبیعت مکدر رہوتی ہے۔ (جلد۴۔ص:۶۴)

مدتوں بعد طریقِ تصوف زندہ ہوا:

فرمایا کہ طریق مردہ ہو چکا تھا۔مدتوں کے بعد دوبارہ زندہ ہوا اور حقیقت واضح ہوئی۔ مگر لوگ اب بھی یہی چاہتے ہیں کہ سب غتر بود ہو جائے۔سو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جس کو خدا نے کشادہ کر دیا اس کو بند کون کرسکتا ہے؟ ﴿**ما یفتح الله للناس من رحمة فلا ممسک لها وما یمسک فلا مرسل له من بعده وهو العزیز الحکیم**﴾ (اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں۔اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں۔اور وہی غالب حکمت والا ہے) اب بحمد اللہ طریق بے غبار ہے۔صدیوں تک تجدید کی ضرورت نہیں۔ اور جب ضرورت ہوگی حق تعالیٰ اور کسی کو پیدا فرما دیں گے۔مگر اس چودہویں صدی میں تو ایسے ہی پیر کی ضرورت تھی جیسا کہ میں ہوں، لٹھ۔ (جلد۴۔ص:۸۰۔۸۱)

عمل شروع کرتے ہی دشواری سہولت بن جاتی ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ عمل تو اگر دشوار بھی ہو تو شروع کر دے۔پھر سہولت بھی حق تعالیٰ میسر فرما دیتے ہیں۔چنانچہ فرماتے ہیں ﴿ **فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی**

فسنیسرہ للیسری﴾ ہمارے اکابر تو تسہیل کا بہت قصد کرتے ہیں۔ مگر بعض چیز سہولت کی ہوتی ہی نہیں، کیا کیا جاوے؟ ایک شخص بی اے ہیں، وہ یہاں پر آئے تھے، ہیں سمجھدار شخص۔ یہاں سے وطن واپس جا کر لکھا کہ میرے اندر کبر کا مرض ہے۔ اور نفس اس کو لکھنے پر بھی تیار نہیں کہ کبر کو اپنی طرف منسوب کرے۔ میں نے لکھا کہ یہ ہی مضمون مجھ کو پانچ مرتبہ لکھ کر بھیج دو۔ پانچ مرتبہ بھی نہیں لکھنے پائے کہ مرض سے شفا ہوگئی۔ اب اس سے زیادہ اور کیا تسہیل ہوگی؟ (جلد۴۔ص:۸۴)

تصوف پر اعتراض کی حقیقت:

اب وہ بتلائیں جو اس طریق کو بدعت کہتے ہیں کہ اس میں بدعت کی کون سی بات ہے؟ یہ تو تدابیر ہیں۔ جیسے طبیب جسمانی امراض کی تدابیر اختیار کرتا ہے، ایسے ہی اس طریق میں خاص تدابیر ہیں۔ ان ہی تدابیر کا نام مستقل فن ہو جانے کی وجہ سے تصوف رکھ دیا ہے۔ یہ تدابیر خود مقصود بالذات نہیں۔ نہ اصل طریق ہیں۔ اصل تو صرف اعمال واجبہ ہیں۔ جو مامور بہ ہیں۔ ہاں یہ تدابیر اس مقصود کے معین ہیں۔ تو ان میں بدعت کی کونسی بات ہوئی؟

مگر ہر حال میں یہ سب کچھ موقوف ہے ارادہ پر۔ مگر لوگ ارادہ ہی نہیں کرتے، محض تمنا کرتے ہیں۔ اگر ارادہ کریں سخت سے سخت کام آسان ہو جائے۔ اور بے ارادہ آسان سے آسان کام سخت ہو جاتا ہے۔۔...... حق تعالیٰ ارادہ کے متعلق فرماتے ہیں﴿**من اراد الآخرة وسعی لها سعیها وهو مؤمن فاولئک کان سعیهم مشکورا**﴾اور تمنا کے متعلق فرماتے ہیں﴿**ام للانسان ما تمنی**﴾ تمنا کے متعلق یہ فرمایا اور ارادہ کے متعلق یہ فرمایا۔ جب انسان ارادہ کرتا ہے سخت سے سخت اور مشکل سے مشکل کام سہل ہو جاتا ہے اور درمیان کے تمام حائل اور موانع خود بخود دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

پھر اس کام کے ہر جزو میں ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی جیسے کوئی شخص بازار جانے کا ارادہ کرے تو اول مرتبہ تو پہلا قدم اٹھانے پر ارادہ کی ضرورت ہوگی، پھر آخر تک ارادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہی پہلا ارادہ ممتد ہوتا چلا جاتا ہے۔ ورنہ اگر ہر قدم پر مستقل ارادہ کرے تو صبح سے شام تک

بھی بازار کا راستہ طے نہ کر سکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کام شروع کر دینا چاہیے۔ اور یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ کچھ حاصل بھی ہوا یا نہیں۔ جیسے چکی پیسنے والی عورت اگر چکی کے ہر پھیر پر یہ دیکھے کہ کس قدر پس چکا تو بس آٹا پس چکا۔ اس کی صورت تو یہ ہی ہے کہ غلہ ڈالے جائے اور چکی کو گھمائے جائے جب صبح کو دیکھے گی تو چکی کا گرنڈ یعنی مخزن آٹے سے بھرا پائے گی۔ غرض [راہ سلوک میں] کام کرنا چاہیے اور اس پر آمادہ رہنا چاہیے کہ چاہے کچھ نفع ہو یا نہ ہو، اور عمل بھی خواہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو، اس کی طرف نظر ہی نہ کرے، کام شروع کر دے۔

اور ایک اور بات کام کی اس وقت ذہن میں آئی۔ وہ یہ کہ ماضی کی کوتاہی کو بھلا دینا چاہیے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ ماضی پر مستقبل کو قیاس کرتے ہیں، کہ آئندہ بھی ایسی ہی کوتاہی ہوگی۔ اس سے بھی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ نیز اگر کام کرنے کے زمانہ میں کوئی لغزش ہو جائے، یا کسی نامناسب بات یا فعل کا صدور ہو جائے، [یہ بھی غلط ہے کہ] اس کا بھی مراقبہ کرنے پر بیٹھ جائے [کہ فلاں غلطی ہوگئی]۔ بس دل سے **اللھم اغفرلی** کہہ کر آگے چلے۔ ورنہ پھر یہ مراقبہ بھی اپنا ہی مطالعہ ہوگا، اُس طرف [یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات وشئون] کا تو مشاہدہ پھر بھی نہ ہو [جو راہ سلوک کا اہم مراقبہ ومقصود ہے]۔ ایک ضروری بات اور بھی ہے کہ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خواہ قلیل ہی کی توفیق ہو اور ہمیشہ کے لیے بھی توفیق کی امید نہ ہو، اس کو بھی غنیمت سمجھے۔ مثلاً یہ خیال کرے کہ آج کی دو رکعت بھی کیوں چھوڑیں، شاید یہی نجات کا سبب ہو جائیں۔ سو اس طریق سے کام کر کے دیکھو۔ پھر دیکھو گے کیا سے کیا ہوتا ہے۔ (جلد۴۔ص:۸۴۔۸۶)

حضرتؒ کی تواضع کا حال:

مجھ کو اپنی کسی بات، کسی کام اور کسی حالت پر ناز نہیں۔ اور ناز تو کس چڑیا کا نام ہے؟ میں تو واقعی اپنے کو کلب اور خنزیر سے بدتر سمجھتا ہوں۔ بھلا کوئی اس کا کیا یقین کر سکتا ہے! اس لیے میں بتلاتا ہوں کہ خنزیر سے بدتر سمجھنا اس معنی کر رہے ہے کہ ان میں عقوبت کا احتمال [یعنی آخرت کی سزا کا امکان] نہیں۔ اور ہم میں عقوبت اور عذاب کا احتمال ہے۔ اب بتلاؤ کون اچھا ہے؟

نیز بابِ اصلاح میں بحمداللہ میں امین ہوں۔ یعنی کسی کی حالت کی اطلاع دوسرے کو نہیں کرتا۔ اگر کسی [کے خط] کا مضمون نقل کراتا ہوں [جس میں اس نے اپنا کوئی عیب یا مرض بغرض اصلاح لکھا ہوتا ہے]، تو اس کا نام نہیں نقل کراتا کہ یہ کس کا مضمون ہے۔ غرض میں ہر قسم کی رعایت کو ملحوظ رکھتا ہوں۔ اور امراضِ باطنی کا سہل سے سہل علاج تجویز کرتا ہوں۔ اور کسی مرض کو لاعلاج نہیں بتلاتا ہوں۔ کیونکہ طبِّ جسمانی میں تو بعض امراض ایسے ہیں کہ ان کا کوئی علاج نہیں، مگر طبِّ روحانی میں بحمداللہ کہیں گاڑی نہیں اٹکتی۔ (جلد۴۔ص:۸۶)

گاؤں میں جمعہ کا مسئلہ:

حضرت مولانا گنگوہیؒ اس مسئلہ میں بہت محتاط تھے [اجازت نہیں دیتے تھے]۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اس مسئلہ میں قدرے توسع رکھتے تھے۔ (جلد۴۔ص:۸۷)

میں ہمیشہ غلطی ماننے کے لیے تیار رہتا ہوں:

میرا تو قدیم سے معمول ہے کہ جب کوئی میری غلطی پر متنبہ کرتا ہے، تو سب سے اول مجھ کو یہی احتمال ہوتا ہے کہ ضرور مجھ سے غلطی ہوئی ہوگی۔ اس کے بعد پھر اس میں غور کرتا ہوں۔ یہ خدا کا ایک بہت بڑا فضل ہے کہ میں اول ہی سے اپنی غلطی قبول کرنے کو تیار ہوتا ہوں۔ اور دوسرے اکثر لوگ اول اس کے جواب کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ سب بزرگوں سے زیادہ یہ بات حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تھی کہ اپنی غلطی کو فوراً تسلیم فرمالیتے تھے اور رجوع فرمالیتے تھے۔ اور الحمداللہ میرے یہاں تو اس کا ایک مستقل شعبہ ہے، جس کا نام "ترجیح الراجح" ہے۔ اس میں برابر اپنی غلطیوں کو شائع کرتا رہتا ہوں۔ (جلد۴۔ص:۸۹۔۹۰)

بعض اہل علم کے قلوب میں دین کی بے وقعتی:

فرمایا کہ افسوس ہے؛ آج کل بعضے حضرات دین دار اور اہل علم کہلاتے ہیں۔ مگر اپنی اولاد کو تعلیم دنیا کی طرف بھیجتے ہیں۔ مجھ کو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگ غالباً اس پر بھی

پچھتاتے ہوں گے کہ ہم عالم کیوں ہو گئے؟ ہم نے انگریزی کیوں نہ پڑھی؟ سو یہ حالت کس قدر خطرناک ہے کہ اس سے ان کے قلب میں علم دین کی کھلی بے وقعتی معلوم ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ ان لوگوں کی حالت پر رحم فرمائیں اور ان کو ہدایت فرمائیں۔ (جلد۱۴۔ص:۱۰۱)

میں اپنا کوئی حال چھپاتا نہیں، نہ نقائص نہ محاسن:

جیسے میرے یہاں اپنے نقائص کے اخفاء کا اہتمام نہیں، ایسے ہی اپنے محاسن کے اخفاء کا بھی اہتمام نہیں۔ جو بھی حالت ہے کھلی ہوئی ہے۔ اب خواہ کوئی نقائص سے غیر معتقد ہو جائے، خواہ محاسن پر معتقد۔ مجموعہ پر نظر کر کے اعتقاد میں بھی کسی کو غلو نہ ہوگا، وہ وسط رہے گا۔ پالیسی [انگریزی والی] بمعنی فریب اور پالیسی [فارسی والی] بمعنی خوشامد دونوں سے بحمداللہ مجھ کو ہمیشہ سے نفرت ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ انگریزی کی پالیسی اور فارسی کی پالیسی دونوں قابل نفرت ہیں۔ اور بناوٹ پر معتقد ہونے والے کا اعتبار ہی کیا؟ آخر انسان ہے کہاں تک بنے گا۔ ہمیشہ بنتے رہنا بڑا مشکل کام ہے۔

اور جس طرح مصلح کو ضرورت ہے طالبین کو تلبیس سے بچاوے، اسی طرح طالبین کو بھی سخت ضرورت ہے کہ تعیینِ مصلح میں نہایت احتیاط سے کام لیں اور [کسی دھوکے] تلبیس سے بچیں۔ اور یہ سب احتیاطیں حالت موجودہ کے متعلق ہو سکتی ہیں، باقی انجام کے متعلق جو کہ اس وقت محض مخفی ہے کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ جس وقت اس کا [یعنی کسی مصلح کی حالت کی خرابی کا] ظہور ہو اس سے قطعِ تعلق کر دے۔ کسی کو دلائلِ صحیحہ سے صاحب کمال سمجھا گیا، مگر باوجود اِس کے پھر اس کو رجعت ہوئی [یعنی رائے بدل گئی] تو اس وقت یہی حکم کیا جائے گا کہ سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ وہ پہلی ظاہری حالت واقع میں ولایت ہی نہ تھی۔ جیسے طب کا مسئلہ ہے کہ دِق [ٹی بی] کا مریض اگر اچھا ہو گیا تو کہا جاتا ہے کہ وہ دق ہی نہ تھی، طبیب کی تشخیص میں غلطی ہوئی [اُس وقت ٹی بی لاعلاج مرض تھی]۔ ایسے ہی ایسی حالت میں کسی کو صاحب کمال سمجھنے میں غلطی ہوئی وہ پہلے ہی سے صاحب کمال نہ تھا۔ بعض صورتیں اشتباہ کی ایسی بھی ہوتی ہیں، کہ غیر حقائق پر حقائق کا دھوکہ ہو جاتا ہے، جیسے صبح کاذب پر صبح صادق کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔

(جلد۱۴۔ص:۱۰۶)

غوائل نفس کا نہ سمجھنا بے فکری ہے:

فرمایا کہ بہت سے نفس کے غوائل [یعنی مہلک امراض] ایسے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتے۔ اگر کوئی کہے کہ پھر یہ ان کا مکلّف ہی نہیں ہوگا، سو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ فکر کرنے سے یہ سمجھ سکتا ہے۔ مگر فکر نہیں کرتا، اس لیے نہیں سمجھتا۔ اور بے سمجھی کا انسداد کر سکتا ہے مگر نہیں کرتا۔ پس اس کا سبب بے فکری ہے۔ اگر فکر ہو سب کچھ کر سکتا ہے، اور فکر کا مکلّف ہے۔ (جلد۴۔ص:۱۰۸)

روپوں کو بار بار گننا محبتِ مال کی علامت ہے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمع مال کی مذمت میں ''عدَّدہ''، فرمایا، جو تکرار پر دال ہے [یعنی جس کا مطلب بار بار گننا ہے]۔ ''عدّہ'' نہیں فرمایا۔ بار بار گننا علامت ہے لذت اور محبت مال کی۔ (جلد۴۔ص:۱۱۰)

خدا سے محبت پیدا کرنا تمام تصوف کی جڑ ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس راہ میں صرف ایک ہی طریق ہے کامیابی کا۔ وہ یہ کہ خدا سے محبت پیدا کرو۔ بس یہی جڑ ہے تمام تصوف کی۔ بدوں اس کے اس راہ میں کامیابی مشکل ہے۔ اب رہا یہ کہ محبت پیدا کرنے کا کیا طریق ہے؟ سو وہ طریق یہ ہے کہ اہل محبت کے پاس بیٹھو، ان کی صحبت اختیار کرو۔ اس کی برکت سے یہ چیز نصیب ہو جائے گی۔ اور یہ چیز نہ پیر کی توجہ پر موقوف ہے اور نہ کسی تعویذ گنڈوں پر۔ یہ خود اپنی طلب پر موقوف ہے۔ اب جس کو بھی عطا ہو جائے، مگر طلب ضرور شرط ہے۔ (جلد۴۔ص:۱۱۴)

اہل اللہ اور خاصان حق کی شان:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی شان ہی جدا ہوتی ہے۔ ان کی ظاہری تکالیف بھی ان کے لیے موجبِ راحتِ باطنی ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کی حالت کا دوسروں کو اپنی حالت پر قیاس کرنا بالکل ہی غلط ہے۔ (جلد۴۔ص:۱۱۵)

حضرت کے استغنا اور احتیاط کا ایک واقعہ:

جس وقت رنگون گیا تھا تو حاجی محمد یوسف صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی موقع خیر کا ہوا کرے تو اطلاع کردی جایا کرے۔ ہم بھی اس میں شریک ہوجایا کریں۔ مگر چونکہ عادت نہیں، کبھی زبان نہیں اٹھی قلم نہیں چلا۔ چنانچہ آج تک بھی کبھی نہیں لکھا۔ حالانکہ ان کی حالت پر مجھ کو ہر طرح کا اطمینان ہے۔ مالدار بھی ہیں، مخلص بھی ہیں۔ مگر اپنے نفس پر اطمینان نہیں۔ نفس کو گنجائش مل جانے کا اندیشہ ہے۔ اسی وجہ سے اور بھی ایسی باتوں سے اجتناب رکھتا ہوں۔ (جلد۴۔ص:۱۲۳)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ایک سبق آموز حکایت:

سلطان سنجر، شاہِ نیمروز نے حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا کہ اگر اجازت ہو تو جی چاہتا ہے کہ ملکِ سنجر کا کچھ حصہ خانقاہ کے اخراجات کے لیے پیش کردوں۔ تاکہ اہل خانقاہ کی راحت اور آرام کا سامان ہوجائے۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

چوں چترِ سنجری رُخِ بختم سیاہ باد　　در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب　　من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

(ملک سنجر کے چھتر کی طرح میرا نصیبہ بھی سیاہ ہو اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ہوس ہو۔ اور اصل بات یہ ہے کہ جب سے ملکِ نیم شب [رات میں یادِ خدا، جو سب سے بڑی بادشاہی ہے] کی خبر مجھ کو ملی ہے میں ملکِ نیم روز کو ایک کوڑی کے بدلہ میں خریدنے کو تیار نہیں ہوں)۔ (۴۔ص:۱۲۷)

اوسط درجہ کے کپڑے پہننے کے معمول کی حکمت:

ہمارے بزرگوں کا طرز یہ رہا ہے کہ صاف تو رہے، مگر زیب و زینت اور تکلف نہ ہو۔ بس میلا نہ ہو، پسینے کی بو نہ ہو۔ اور یہ اعتدال بدوں صحبت کے میسر ہونا مشکل ہے۔ باقی امتیاز کا قصد اگر آدمی نہ چاہے تو فاخرہ لباس میں بھی امتیاز نہیں ہوسکتا۔ اور اگر نفس امتیاز چاہے، تو اضع کے لباس میں بھی امتیاز ہوسکتا ہے، کہ بڑے ہی بے نفس ہیں۔ میں تو اس ہی لیے اوسط درجہ کا کپڑا پہنتا ہوں کہ کسی قسم کا امتیاز نہ ہو۔ (جلد۴۔ص:۱۲۹۔۱۳۰)

ادائیگیِ قرض کے لیے وظیفہ:

ایک صاحب نے سوال کیا کہ میں قرض دار ہوں، دعا فرما دیجیے۔ اور کچھ پڑھنے کو بتلا دیجیے۔ فرمایا کہ یا مغنی بعد نماز عشاء گیارہ سو بار پڑھا کرو، اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف۔ یہ عمل حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ (جلد۴۔ص:۱۳۲)

مواعظ و تصانیف پر حق تعالیٰ کا شکر:

حضرت والا کے رسائل اور مواعظ کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ مجموعۂ مواعظ اور رسائل کی تعداد اس وقت بفضلہٖ تعالیٰ پانچ سو اکیاون (۵۵۱) ہے۔ فرمایا کہ بہشتی زیور کے گیارہ حصہ ہیں۔ یہ سب مل کر ایک ہی رسالہ ہے۔ اسی طرح تفسیر بیان القرآن کی بارہ جلدیں مل کر ایک ہی کتاب ہیں۔ اس طرح پر اس قدر مجموعی تعداد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس قدر کام لے لیا۔ ورنہ مجھ میں اتنی قابلیت کہاں تھی؟ اس کے بعد ۱۳۵۷ھ کے وسط تک پوری ساڑھے سات سو تصانیف ہو گئیں والحمد للہ۔ (جلد۴۔ص:۱۴۳)

مقرَّبین اور مکرِّبین:

فرمایا: یہ بیچ کے معتقدین بڑے غضب کے ہوتے ہیں۔ حاجی محمد عابد صاحب رات دن ہمارے اکابر کے مجمع میں رہنے والے تھے۔ مگر ان مصاحبین اور مقرَّبین کی بدولت ایک زمانہ میں تفریق ہو گئی تھی۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ مقرَّبین مکرِّبین (تکلیف دینے والے) بن جاتے ہیں۔ انہوں نے ہماری جماعت پر یہ الزام لگایا کہ یہ تو حضور ﷺ کی تنقیص کرتے ہیں۔ نفسِ ذکرِ رسول کو حرام کہتے ہیں۔ بس اس روایت کی تصدیق کرنے سے فتنہ بڑھ گیا۔ اور یہ روایت کا سلسلہ ایسا زہر ہے، کہ اسی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں لوگوں نے جنگ کرا دی۔ بیچارے حاجی محمد عابد صاحب کیا چیز تھے؟ (جلد۴۔ص:۱۴۳)

اخلاص و تقویٰ اگر باقی نہ ہو تو مدرسہ کی مادّی ترقی کی مثال:

ایک مدرسہ کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی مریض اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کی صحت اور حیات سے مایوسی ہو جائے، تو اس کو خدا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اور پرہیز تڑوا دیا جاتا

ہے۔تو یہ مدرسہ اِسی درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ اِس کی روح ختم ہو چکی ہے۔ گو مادی ترقی باقی بھی ہو۔ اِسی مضمون کے متعلق میں نے فلاں بزرگ مہتمم مرحوم سے کہا تھا کہ اگر مدرسہ اِن مفاسد کے ساتھ باقی بھی رہا اور مادی ترقی بھی کی، اور روح باقی نہ رہی تو اس کی ترقی اِس حالت میں ایسی ترقی ہوگی، جیسے مرنے کے بعد لاش پھول جاتی ہے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں پھٹ بھی جاتی ہے۔ اُس وقت تماشا ہوگا کہ محلّہ بھر کو کیا، بلکہ بستی تک کو اور بستی سے بھی آگے بڑھ کر قرب و جوار کو بدبو سے خراب کرے گی۔ ہاں اگر روح باقی ہو اور ساتھ ہی مریض کا جسم کمزور اور لاغر ہو گیا ہو، تو اس کا علاج ہونا بھی ممکن، فربہ ہونا بھی ممکن۔ اور ایسا فربہ موٹا ہونا محمود ہے، نہ کہ آماس کی فربہی [ورم سے موٹا ہونا]۔ (جلد۴۔ص:۱۴۵)

تنخواہ دار ملازمین سے برتاؤ:

فرمایا کہ میں کیا عرض کروں؟ دوسرں سے تو میں کیا خدمت لے سکتا ہوں؟ اور کسی کو کیا ستا سکتا ہوں؟ میں نے تو اپنے تنخواہ دار ملازموں تک سے کہہ رکھا ہے کہ جو کام نہ کر سکو، صاف کہہ دو کہ ہم نہیں کر سکتے۔ مجھ کو اس پر کوئی ناگواری نہ ہوگی۔ چنانچہ بعضے کام سے وہ بے تکلف انکار کر دیتے ہیں۔ جس سے مجھ کو بحمداللہ کوئی ناگواری نہیں ہوتی۔ تو جس شخص کا اپنے تنخواہ دار ملازموں کے ساتھ یہ برتاؤ ہو، وہ دوسرں سے تو کیا کام اور خدمت لے سکتا ہے۔ اسی لیے میں قریب قریب سب کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں۔ مجھ کو اس کا بے حد خیال رہتا ہے کہ کسی کو میری وجہ سے تکلیف نہ ہو۔ (جلد۴۔ص:۱۵۹)

شرائط سماع از فوائد الفواد:

مولانا نصیرالدین چراغ دہلویؒ حضرت سلطان جیؒ [یعنی حضرت نظام الدین اولیاء] کے خلیفہ ہیں۔ یہ سماع کے خلاف تھے۔ انہوں نے ایک شخص کے اس سوال پر کہ آپ کے شیخ تو صاحبِ سماع ہیں، جواب میں فرمایا تھا کہ شیخ کا فعل سنت نہیں ہوتا۔ یہ حضرت کو پہنچایا گیا کہ نصیرالدین آپ کے متعلق ایسا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ نصیرالدین راست می گویند [نصیرالدین صحیح کہتے ہیں] یہ حالت ہے ان حضرات کی۔ اب اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ غلبۂ حال میں ایسا [

یعنی شاید کچھ خلاف سنت] ہوتا تھا۔اس لیے وہ حضرات معذور تھے۔[ورنہ حضرت سلطان المشائخ اور دیگر اکابر مشائخ چشت رحمہم اللہ کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ سماع کے لیے ایسی شرائط ضروری قرار دیتے تھے جس کے بعد اس کے جواز میں شبہ نہیں رہتا۔ ہاں بعد کے کچھ لوگوں نے حدود سے تجاوز کرلیا]۔ حضرت سلطان نظام الدین صاحب قدس سرہ فوائد الفواد میں سماع کے متعلق چار شرائط فرماتے ہیں۔ سامع [یعنی سننے والا]، مُسمِع [یعنی اشعار پڑھنے والا]، مسموع [اشعار]، آلۂ سماع [یعنی موسیقی کے آلات، ان چار چیزوں کے شرائط ضروری ہیں]۔اور اس کی اس طرح تفصیل فرماتے ہیں کہ:

''سامع از اہل دل باشد، از اہل ہوا و شہوت نباشد۔ مسمع مرد تمام باشد، کودک وزن نباشد۔ مسموع مضمونِ ہزل نباشد۔ آلۂ سماع چنگ ورباب درمیان نباشد۔

[یعنی سماع کے لیے ضروری ہے کہ سننے والا اہلِ دل اور محبت خدا رکھنے والا ہو، خواہش پرست نہ ہو۔ پڑھنے والا پوری عمر کا مرد ہو کوئی کم عمر نوجوان یا عورت نہ ہو۔ اشعار فحش و بے ہودہ نہ ہوں۔اور چنگ ورباب، موسیقی کے آلات نہ ہوں تو سماع جائز ہے]۔ (جلد۴۔ص:۱۶۶)

تصوف پر اعتراض بے جا ہے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مقصود تو اصلاح نفس ہے۔اب اس کی تعبیر چاہے جن الفاظ میں کر لی جاوے، طریق کا مقصود اور حاصل صرف یہی ہے۔اور اسی اصلاح کے طرق اور تدابیر کو اصطلاح میں سلوک کہتے ہیں۔اور یہ طرق بالتخصیص واجب اور فرض نہیں، اصلاح فرض ہے۔خواہ دوسری تدابیر سے ہو۔اصل مقصود اصلاحِ نفس ہے۔اس پر بھی اگر معترض اعتراض کرے، تو اس بدفہمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔آخر طبیبِ جسمانی بھی تو تدابیر کو اختیار کرتا ہے۔اس کو کوئی بدعت نہیں کہتا۔تو اس میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ البتہ اگر خاص تدابیر کو کوئی قربتِ مقصودہ سمجھ جائے، تو وہ ضرور قابلِ نکیر ہے۔لیکن کسی محقق کا یہ مسلک نہیں۔

(جلد۴۔ص:۱۶۷)

راہِ سلوک میں خلوص سے کام کرنے والے کو نفع ضرور ہوتا ہے:

جب آدمی خلوص سے کام کرتا ہے اور طلب صادق ہوتی ہے، ضرور نفع ہوتا ہے۔ مگر یہ بات لوگوں میں رہی ہی نہیں۔ (جلد۴۔ص:۱۶۸)

آج کل کی بزرگی:

مجھ کو سب میں زیادہ تکبر سے نفرت ہے۔ تکبر میں اور اس طریق میں تو بعد المشرقین ہے۔ اول قدم اس طریق میں اپنے کو فنا کرنا اور ذلیل سمجھنا ہے۔ ہر شخص سے اپنے کو ذلیل وخوار سمجھے۔ اگر یہ بات نہ پیدا ہوئی تو وہ محروم رہا۔ اس نے کچھ حاصل نہ کیا۔ اور یہ تو امورِ طبعی ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ سکھلانے کی باتیں نہیں۔ مگر بے حسی کا کسی کے پاس کیا علاج؟ بعض لوگوں کو اپنے کو بزرگ سمجھنے کا مرض ہو جاتا ہے۔ مگر جس کو یہ معلوم نہ ہو کہ میں کس طرح اور کس حال میں مروں گا، اس کو تقدس پر کیسا ناز؟ اللہ بچائے جہل سے۔ اور صاحب! ناز کس بات پر ہو؟ شاید ساری عمر میں ایک رکعت بھی ایسی یاد نہ آوے گی کہ خدا کے حکم کے موافق ادا کی ہو۔ پھر یہ ناقص بھی جیسی کچھ [نصیب] ہے ان کا فضل ہے، انعام ہے، احسان ہے۔ ورنہ ہم تو اس کی توفیق کے بھی مستحق نہ تھے۔ (جلد۴۔ص:۱۶۹)

کم فہموں کو دو چیزوں سے ناز ہوتا ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا جی ہاں جن کی طبیعتوں میں سلامتی ہوتی ہے، ان کو تو ذکر و شغل سے نفع ہوتا ہے۔ عجز وانکساری کی شان پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ اِسی سے ناز پیدا ہو جاتا ہے، کہ اپنے کو ذاکر سمجھنے لگتے ہیں۔ اکثر کہا کرتا ہوں کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن سے کج طبعوں کو ناز پیدا ہو جاتا ہے، ایک ذکر و شغل سے اور ایک بڑھاپے سے۔ اس لیے کہ لوگ بوجہ بڑا ہونے کے رعایت کرنے لگتے ہیں۔ یہ اس کو اپنی بڑائی اور بزرگی پر محمول کرنے لگتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ میں بڑا آدمی ہو گیا ہوں اس لیے لوگ رعایت کرتے ہیں۔ اور حضرت! بڑائی اور بزرگی تو بڑی دور کی چیز ہے۔ اگر ایمان ہی دنیا سے سلامت چلا جائے یہ ہی غنیمت ہے۔ اسی کو بڑی دولت سمجھنا چاہیے۔ اور یہ مرنے سے پہلے معلوم ہو نہیں سکتا پھر ناز کیسا؟ (جلد۴۔ص:۱۷۰)

عملیات سے باطنی نقصان ہوتا ہے:

ایک مرتبہ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسا بھی عمل ہے کہ جس سے مؤکل تابع ہو جائیں؟ فرمایا ہے تو، مگر یہ بتلاؤ کہ تم بندہ بننے کے لیے پیدا ہوئے ہو یا خدائی کرنے کے لئے۔ بس مولانا کا اتنا کہنا تھا کہ مجھ کو بجائے اشتیاق کے ان عملیات سے نفرت ہوگئی۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے ایک مرید کو یہ وسوسہ تھا کہ حضرت کوئی عمل پڑھتے ہوں گے جس کی وجہ سے اس قدر معتقدین کا ہجوم ہے۔ آپ کو اس خطرہ [خیال] پر اطلاع ہوگئی۔ فرمایا کہ ارے معلوم بھی ہے کہ ان عملیات سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے۔ [یہاں وہ عملیات جو قرآن کی آیات، یا احادیث کی دعاؤں یا اللہ کے اسماء حسنٰی اور اس سے دعا پر مشتمل ہوں وہ مراد نہیں ہیں]۔ قربان جایئے حضور اقدس ﷺ کے کہ ان سب فضولیات سے بچا کر ہم کو ضروری چیزوں کی طرف لائے۔ میں نے ان چیزوں کے عاملوں کو دیکھا ہے کہ ان میں کو کوئی باطنی کمال نہیں ہوتا، بلکہ اور ظلمت بڑھتی ہے۔ الحمدللہ مجھے مولانا کے ارشاد کے بعد عملیات سے کبھی مناسبت نہیں ہوئی۔ (جلد۴۔ص:۱۸۱)

بات کہنے کا سلیقہ چاہیے:

ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ میرے سب دانت ٹوٹ گئے۔ کسی تعبیر بتانے والے کو بلا کر اس نے تعبیر دریافت کی۔ اس نے تعبیر دی کہ آپ کا سب خاندان آپ کے سامنے مر جائے گا۔ بادشاہ یہ سن کر برہم ہوا۔ اور اس کو نکلوا دیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے معبّر کو بلوایا اور خواب بیان کیا، تعبیر چاہی۔ انہوں نے یہ تعبیر دی کہ آپ کی عمر آپ کے سب خاندان سے بڑی ہوگی۔ اس پر بادشاہ خوش ہوا اور یہ کہا کہ بات وہی ہے، صرف عنوان کا فرق ہے۔ مگر اس سے طبیعت پر کوئی گرانی نہیں ہوئی۔ اور اس کو خلعت دے کر نہایت عزت واحترام سے رخصت کیا۔ اسی پر ایک تفریع کرتا ہوں، اگر کسی لڑکے کو کہیے او مرغی کے بچے! آگ ہو جائے گا۔ برہمی پیدا ہو جائے گی۔ اور اگر یوں کہا جائے کہ او چوزے! خوش ہو جائے گا۔ حالانکہ مرغی کے بچے ہی کو چوزہ کہتے ہیں۔ (جلد۴۔ص:۱۸۸)

نفس کے حقوق:

نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ تم بہت ہی اپنے نفس کی رعایت کرتے ہو۔میں نے کہا کہ یہ تو صغریٰ ہے۔اور کبریٰ کیا ہے؟ کہ نفس کی رعایت جائز نہیں۔اگر قویٰ کی رعایت وحفاظت نہ کی جاتی، تو اتنا کام تھوڑا ہی ہوسکتا تھا۔......اچھی،عمدہ اور مقوّی غذائیں کھانا چاہیے۔اور خوب کام کرنا چاہیے۔[گویا اچھی غذا کھانے کی یہ نیت ہونی چاہیے]۔ (جلد۴۔ص:۱۹۶)

ایک حکیمانہ بات:

حضرت (حاجی صاحبؒ) کی اور بھی بڑی حکیمانہ باتیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک بات فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز کسی کے پاس حبّ فی اللہ کے تعلق سے آئی ہو، اس میں سے ضرور کھانا چاہیے، اس میں نور ہوتا ہے۔ (جلد۴۔ص:۱۹۶)

حیلہ کے جواز کی شرط:

حیلہ کا جائز یا ناجائز ہونا، اس میں تفصیل ہے۔وہ یہ کہ اگر وہ حیلہ شریعت کی مصلحت سے ہے، نفس کی مصلحت سے نہیں، تب تو جائز ہے۔اور اگر نفس کی مصلحت سے ہے تو ناجائز ہے۔اس میں شریعت کا ابطال ہے۔مثلاً اغنیاء کو حکم ہے مساکین کیلئے زکوۃ دینے کا، جس کی غرض اغناءِ مساکین (مساکین کو غنی کرنا) ہے۔اب بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال گذرنے کے قریب دوسرے کے [مثلاً بیوی کے] نام ہبہ کردیا [اس سے زکات واجب نہیں ہوئی]۔ پھر اُس نے [اپنے اوپر سال گزرنے سے پہلے] واپس کردیا۔سو یہ صورت اور حیلہ جس میں اغناء مساکین ہی کا ابطال ہے، کہاں تک جائز ہوسکتا ہے؟ حاصل یہ کہ جہاں حیلہ سے غرض شرعی مصلحت کی تحصیل ہو وہاں حیلہ جائز ہے۔اور جہاں غرضِ شرعی کا ابطال ہو، وہاں ناجائز ہے۔ (ص:۱۹۷)

عوام الناس اور اہل اللہ کا مصائب کے وقت فرق:

فرمایا کہ مصائب اور تکالیف تو سب پر صورۃً ایک ہی طرح کے آتے ہیں، یعنی اللہ والوں پر بھی اور دنیاداروں پر بھی۔مگر دونوں کی حالت میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہ بیمار بھی ہوتے

ہیں تو انہیں یہ خیال نہیں ہوتا ہے کہ ہائے بیماری بڑھ جائے گی تو کیا ہوگا؟ ہائے مقدمہ ہار گئے تو کیا ہوگا؟ ہائے کھانے کوکل نہ ملا تو کیا ہوگا؟ بلکہ ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہر حال میں ان کو سکون ہوتا ہے۔ان کے قلب میں ایک چیز ایسی مخفی ہے کہ اس کے ہونے سے اطمینان اور یکسوئی ہوتی ہے۔مزاحاً فرمایا کہ چاہے پاس ایک سوئی بھی نہ ہو [مگر یکسوئی رہتی ہے]۔بخلاف دنیاداروں کے کہ ان کی حالت اس کے عکس ہوتی ہے۔ (جلد۴۔ص:۲۱۱)

سالک کو مایوس نہ ہونا چاہیے:

فرمایا کہ انسان کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔حق تعالیٰ سے اچھی امید رکھنی چاہیے۔وہ بندہ کے ظن کے ساتھ ہیں۔جیسا بندہ ان کے ساتھ گمان رکھتا ہے ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ فرماتے ہیں۔بڑی رحیم کریم ذات ہے۔مگر یہ شرط ہے کہ طلب ہو اور [سلوک واحسان کے] کام میں لگا رہے۔جو بھی ہوسکے کرتا رہے۔پھر وہ اپنے بندے کے ساتھ رحمت اور فضل ہی کا معاملہ فرماتے ہیں۔وہ کسی کی محنت اور طلب کو رائیگاں یا فراموش نہیں فرماتے۔ایک شخص کا مقولہ مجھ کو بے حد پسند آیا کہ کیے جاؤ اور لیے جاؤ۔واقعی ایسی ہی ذات ہے۔اس قائل نے بہت بڑے اور اہم مضمون کو دو لفظوں میں بیان کر دیا۔ہاں! لگا رہنا شرط ہے۔اور ایک یہ ضروری امر ہے کہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ پڑے۔اس سے بھی انسان بڑی دولت سے محروم رہتا ہے۔یہ بھی تو ماسوا اللہ ہی کی مشغولی ہے۔

خلاصہ میرے بیان کا یہ ہے کہ قصد سے ماضی اور مستقبل کے مراقبہ کی ضرورت نہیں۔اگر بدون قصد خیال آجائے تو ماضی کی کوتاہیوں پر توبہ استغفار کرلیا کرے۔بس کافی ہے پچھلے معاصی کا کاوش کے ساتھ استحضار بھی کبھی حجاب بن کر خسران کا سبب ہوجاتا ہے۔اور نہ آئندہ کیلئے تجویزات کی ضرورت۔یہ بھی ضرر رساں ہے۔نہ اس کی ضرورت کہ میں پہلے کیا تھا اور اب کیا ہوگیا؟ اور میں کچھ ہوا یا نہیں؟ کن جھگڑوں میں وقت ضائع کیا، کام میں لگو۔ان فضولیات کو چھوڑو۔کسی حالت میں بھی مایوس نہ ہو۔وہ تو دربار ہی عجیب ہے۔کوئی شخص کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، ایک لمحہ، ایک منٹ میں کایا پلٹ جاتی ہے۔بشرطیکہ خلوص کے ساتھ اُس طرف متوجہ ہوکر رجوع کرے۔اور آئندہ کے لیے

عزم استقلال کا کرے۔ پھر تو جس نے کبھی ساری عمر اللہ کا نام نہ لیا ہو اور اپنی تمام عمر کا حصہ معاصی اور لہو ولعب میں برباد کیا ہو، اس کے لیے بھی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ (جلد۴۔ص:۲۲۴)

بڑھاپے پر اللہ کا رحم:

یحییٰ بن اکثم جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ بھی ہیں، ان کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا حق تعالیٰ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا مجھ کو حاضر کر کے ارشاد ہوا کہ ارے بڑے بوڑھے تو نے فلاں عمل کیا، فلاں معاملہ کیا، اس کا کیا جواب ہے؟ میں خاموش رہا۔ ارشاد ہوا کہ بولتا کیوں نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کیا جواب دوں سوچ رہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ کیا سوچ رہا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے حدیث کی روایت کی ہے **ان اللہ یستحیی من ذی الشیبۃ المسلم** کہ حق تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کا عکس دیکھ رہا ہوں۔ اب حیران ہوں کہ اگر حدیث صحیح ہے تو یہ کیا قصہ ہے؟ ارشاد ہوا کہ جاؤ اعمال سے قطع نظر کر کے آج صرف بڑھاپے پر رحم کر کے بخشش کئے دیتے ہیں۔ (جلد۴۔ص:۲۲۵)

حضرت حاجی صاحبؒ کی حضرتؒ کو نصیحت:

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرما دیا تھا کہ جو شخص تم سے الجھے، سب رطب ویابس اس کے حوالہ کر کے الگ ہو جاؤ۔ بڑی ہی پاکیزہ تعلیم ہے اس کی بدولت بڑے بکھیڑوں سے نجات مل گئی۔ (جلد۴۔ص:۲۲۷۔۲۲۸)

غیر اختیاری چیزیں مقصود فی الدین نہیں:

فرمایا کہ جن چیزوں کی تحصیل تکمیل کا حکم ہے، وہ مامور بہ ہیں، اختیاری ہیں۔ اور جو اختیاری نہیں، وہ مامور بہ نہیں، نہ وہ مقصود فی الدین ہیں۔ مگر جن چیزوں کی تکمیل کا امر ہے دعویٰ ان کی تکمیل کا بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ناز کر سکتا ہے کہ میری نجات کا مدار میرے اعمال پر ہے۔ نجات کا مدار فضل خداوندی پر ہے۔ واقعی اپنے اعمال کی بدولت کون جنت کو پا سکتا ہے؟ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **لن یدخل الجنۃ احد بعملہ**، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا **ولا**

انت یا رسول اللہ؟ کہ یارسول اللہ آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ حضور ﷺ نے اپنے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: **و لا انا الا ان یتغمدنیَ اللہ برحمتہ** یعنی نہ میں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں چھپالے۔ اب کس کا منہ ہے اور کس شمار میں ہے؟ بس معلوم ہوگیا کہ ایسے خیالات ہی میں نہ پڑے۔ اپنے کام میں لگنا چاہیے۔ اور یہ لگنا ساری عمر کے لیے ہے۔ بس اسی میں اپنی عمر کو ختم کردے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

اندریں رہ می تراش و می خراش ☆ تا دم آخر، دمے فارغ مباش

(اس راہ میں ساری عمر اپنی اصلاح اور تراش خراش میں لگے رہو۔ آخر وقت تک ایک ساعت کے لیے بھی فارغ مت بیٹھو۔)

وہ تو دربار ہی اور ہے۔ وہاں تو ان نقائص ہی پر سب کچھ عطا ہوگا۔ وہ کاملین ہی کے خریدار تھوڑا ہی ہیں، وہ تو ناقصین کو بھی قبول فرمانے والے ہیں۔ اس لیے کہ جو کچھ عطاء ہوگا، اس کے مقابلہ میں ان ہمارے اعمال کی کچھ بھی حقیقت نہ ہوگی، گو وہ قاعدہ سے کامل ہی ہوں۔ جو کچھ بھی ہوگا، فضل اور رحمت سے ہوگا۔ وہاں ضابطہ کے کھوٹے کھرے کو نہ دیکھا جائے گا، بلکہ طلب اور خلوص کو دیکھیں گے۔ مولانا فرماتے ہیں:

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را ☆ کہ بیک گل می خری گلزار را

(ایسا بازار کس کو ملتا ہے جہاں ایک پھول کے بدلہ میں پورا باغ ملتا ہو؟)

اس لیے مایوس نہ ہو۔ جیسے ٹوٹے پھوٹے کی توفیق ہو، کام میں لگے رہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب کچھ عطا ہورہے گا۔ (جلد۴۔ ص: ۲۳۱۔۲۳۲)

کام شروع کر کے چھوڑنا بے برکتی کا سبب ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں طلبہ کو ذکر و شغل نہیں بتلاتا۔ اس لیے کہ تجربہ ہے کہ ایک وقت میں دو کام نہیں ہوسکتے۔ تو شروع کر کے چھوڑنا پڑے گا۔ شروع کر کے چھوڑنا یہ نہایت بے برکتی کا سبب ہے۔ بخاری کی حدیث اس کی دلیل ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **یاعبد اللہ لا تکن مثل فلان. کان یصلی باللیل ثم ترکہ** (اے عبداللہ اس شخص کی طرح نہ ہونا جو

رات کو [تہجد] نماز پڑھا کرتا تھا پھر اس کو چھوڑ دیا)......اور سلف کے جمع پر قیاس نہ کیا جاوے۔ اس وقت ویسی قوت نہیں ہے۔ البتہ علم سے فارغ ہو کر ذکر و شغل شروع کرے۔ اور ایسے وقت شروع کرے کہ پھر کرتا ہی رہے، چھوڑے نہیں کہ بے برکتی سے محفوظ رہے۔ (جلد۴۔ص:۲۳۷۔۲۳۸)

نصاب کی ترمیم کے سلسلے میں حضرت گنگوہی کا مشورہ:

اہل علم کا طبقہ اکثر لوگوں کو رسم پرست بتلاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ علماء سب سے زیادہ رسم پرست ہیں، کہ پرانے معمولات کو نہیں چھوڑتے گو ضرورت اور مصلحت واقعیہ کے خلاف ہی ہو۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں مدرسہ کے متعلق ایک مشورہ فرمایا تھا کہ فلاں فلاں کتابیں درس سے خارج کر دو۔ مگر اس پر کسی نے بھی عمل نہیں کیا۔ حالانکہ سب جان نثار ہی تھے۔ مگر کچھ بھی حضرت کے مشورہ کی پرواہ نہ کی گئی تھی۔ یہ قدر ہے بزرگوں کے مشوروں کی۔ ان اہل مدارس کی عموماً یہ حالت ہے کہ جو دل میں ٹھان لی، وہی کریں گے کسی کی نہیں سنیں گے۔ (جلد۴۔ص:۲۴۶۔۲۴۷)

کسی اللہ والے کی صحبت کے بغیر صحیح فہم نہیں پیدا ہوتا:

میں سچ عرض کرتا کہ جو اہل اللہ کے پاس نہیں رہے، اُن کے قلوب حقیقت کے ادراک سے بالکل مُردہ ہیں۔ اور اس مردہ ہونے کے خاص آثار ہیں۔ ایک اثر اس وقت بیان کرتا ہوں جن صاحب کا یہ واقعہ ہے میں اُن کا نام نہیں بتاؤں گا۔ مگر بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کا مقولہ عرض کرتا ہوں، جس وقت حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ دیوبندی حج کو تشریف لے گئے تو میرے متعلق یہ مشہور کیا گیا بعض حاسدوں کی طرف سے کہ اُس نے یعنی میں نے حدیث شریف کا دورہ شروع کرا دیا ہے۔ تو وہ عالم صاحب فرماتے ہیں کہ کیا اس کا انتظار ہی تھا کہ مولانا نعوذ باللہ یہاں سے رخصت ہوں تو ہماری دکان چمکے؟ یہ علماء ہیں!!

اگر میں مولانا ہی کے سامنے شروع کرا دیتا، تو کون سا گناہ تھا؟ بلکہ حضرت مولانا ہی سب سے زیادہ خوش ہوتے۔ تو حضرت کے رہتے ہوئے کون مانع تھا؟ پس ایسے لوگوں میں اس کی کمی ہے کہ اہل اللہ کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں۔ بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جوتیاں نہیں کھائیں۔

کیونکہ محض سیدھی کرنے سے بھی کام نہیں چلتا۔[مراد یہ ہے کہ جب تک آدمی اپنے آپ کو کسی کے سامنے اس طرح پیش نہ کردے کہ وہ اس کی اصلاح وتنبیہ کرسکے، اس وقت تک عموماً اصلاح اور صحیح ذوق پیدا نہیں ہوتا]۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں نے کسی کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں۔ فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، کہ کسی کو بغیر اس کے بھی عطا فرمادیں۔ مگر میں اپنے بزرگوں کا ہمیشہ دل سے غلام رہا۔ اور غلام سے بڑھ کر اپنے کو سمجھا۔ اور خدمتِ ظاہری اس وجہ سے نہیں کی کہ میں سمجھتا تھا کہ میرا خدمت کرنا اپنے بزرگوں کی تکلیف کا سبب ہوگا، وہ گوارا نہ کریں گے۔ ان کو ناگوار ہوگا۔ باقی ان چیزوں میں قیاس نہیں چلتا۔ (ص:۲۴۸)

بوجہ عدم مناسبت طریق سلوک نازک ہے:

خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ طریق سلوک بہت نازک طریق ہے۔ بظاہر ﴿ وما جعل علیکم فی الدین من حرج ﴾ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ توجہ نہیں کرتے، اس واسطے نزاکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر توجہ کریں تو آسان ہو جائے۔ حقیقت میں کوئی نزاکت نہیں۔ مگر چونکہ لوگوں کو اس راہ سے، عدم طلب کی وجہ سے، مناسبت نہیں اس لیے دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے نازک ہونے کا حکم کیا جاتا ہے۔ پس کوئی تعارض نہیں۔ (جلد۴۔ص:۲۵۰)

ایک مناظر عالم کے لیے ذوقِ طریق کی تمنا:

ایک مناظر مولوی صاحب کا ذکر تھا، فرمایا کہ بڑے ہی تیز[ذہین] ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے جی چاہتا ہے کہ کچھ ذوق طریق کا بھی ہوتو نور علیٰ نور ہوجائے۔ (ص:۲۵۲)

اچھے اچھے لوگ طریق کی حقیقت سے بے خبر:

میں نے بڑے بڑے مشائخ کے خاص خاص مریدوں سے جنھوں نے یہاں آکر تعلیم کا سلسلہ جاری کرنا چاہا، پوچھا کہ تم کو شیخ نے کیا بتلایا تھا؟ جہاں جہاں اور جس جس سے تحقیق کیا، بس

اوراد و وظائف ہی کی تعلیم معلوم ہوئی، اصلاح کا پتہ نہیں۔ حضرت! میں نے علماء کو دیکھا، بعضے ان میں مشائخ کی طرف سے صاحبِ اجازت بھی ہیں، مگر غلطیوں میں مبتلا ہیں۔ آج کل یہ غلطی عام ہو گئی ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ذکر مقصود ہے۔ حالانکہ یہ معینِ مقصود ہے۔ [مقصود اس طریق کا یہ ہے کہ ظاہر و باطن شریعت کے مطابق ہو جائے اور قلب میں اللہ کا تعلق پیدا ہو جائے، جب اخلاق ہی خراب ہیں تو کہاں مقصود حاصل ہوا؟ ذکر مددگار ہے اس مقصود کے حصول میں]۔ اسی وجہ سے یہ طریق بدنام ہوا کہ مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود سمجھ رکھا ہے۔ لوگ فن کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔ کودنے پھاندنے کو، جوش و خروش کو، ضحک اور بکاء کو، حق ھو کو اصل سمجھتے ہیں۔ انتہائی کمال ان لوگوں کے نزدیک یہ ہی چیزیں ہیں۔ خدا بچائے جہل سے۔ ایسوں نے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ کیفیات نفسانیہ کو طریق سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ یہ چیزیں کچھ بھی کمال نہیں۔ بعضوں نے برسوں مجاہدے کیے، خدمتیں کیں، محنتیں کیں، عیش و راحت کو چھوڑا، شب شب بھر جاگے، مگر حقیقت سے بے خبری کے سبب تیلی کے بیل کی طرح وہیں کے وہیں رہے۔ (جلد۴۔ص:۲۵۴)

طریق میں دو چیزوں کا تزکیہ:

فرمایا کہ طریق بہت ہی سہل ہے۔ مجھ جیسے نادان آدمی نے جب اس کو سمجھ لیا، پھر کیا مشکل رہا؟ اب میں اس کو سہل عنوان سے سمجھاتا ہوں۔ اس طریق کا حاصل نفس کا تزکیہ [صفائی] ہے۔ اور جس چیز سے تزکیہ کیا جاتا ہے، وہ دو چیزیں ہیں: شہوت اور کبر۔ اور ان کا علاج کامل کی صحبت ہے۔ کیونکہ وہ اس راہ سے گزر چکا ہے۔ اُس کو اِس راہ کی تمام گھاٹیاں معلوم ہیں۔ وہ طالب کو اِس کنارے سے اُس کنارے لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ طالب کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے کو اُس کے سپرد کر کے وہ جو تعلیم کرے اُس کو بجا لائے اس میں سر مو فرق نہ کرے۔ (جلد۴۔ص:۲۵۹)

حضرت حاجی صاحبؒ فن طریقت کے امام تھے:

فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے امام تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے الغیبة اشد من الزنا [غیبت کا معاملہ زنا سے بھی سخت ہے] یہ تو مسلّم ہے کہ

احکام میں متعدد حکمتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس کی ایک حکمت تو مشہور ہے، وہ یہ کہ زنا حق اللہ ہے۔ اور غیبت حق العبد ہے۔ اور ایک حکمت حضرت نے اپنے علوم موہوبہ سے ایک مرتبہ بیان فرمائی۔ وہ یہ کہ غیبت گناہِ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے۔ یعنی منشا غیبت کا تکبر ہے۔ جو بعد غیبت کے بھی باقی رہتا ہے۔ اور اسی لیے اکثر غیبت کرنے والے کو ندامت نہیں ہوتی ہے۔ ور اپنے کو گنہگار نہیں سمجھتا۔ بخلاف زنا کرنے والے کے، کہ اس کو ندامت بھی ہوتی ہے اور اپنے کو گنہگار بھی سمجھتا ہے۔

سبحان اللہ! کیا ٹھکانہ ہے ان علوم موہوبہ کی لطافت کا!! اور جو حکمتیں خود منصوص ہیں وہ ان واردات سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ (جلد۴۔ص:۲۶۰)

ہمارے حضرات کی صحبت کی عجیب تاثیر:

یہ حضرات عجیب شان کے بزرگ تھے۔ سلف کے نمونہ تھے۔ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ ان حضرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اور کوئی نظروں میں نہیں سماتا۔ ان حضرات میں کوئی بات تو تھی ہی کہ ان کی صحبت سے گنوار لٹھ جاہل ایسے ہو جاتے تھے کہ بعضے علماء میں بھی آج وہ چیز نظر نہیں آتی۔ ان حضرات کی صحبت جس کو نصیب ہوگئی اس کی یہ حالت ہوگئی جس کو فرماتے ہیں:

آہن کہ بپارس آشنا شد ☆ فی الحال بصورت طلا شد

(جو لوہا پارس کی پتھری سے چھو بھی گیا، فوراً ہی سونے کی شکل کا ہو گیا)

مفتی الٰہی بخش حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد خاص تھے۔ کسی کے سوال پر مفتی صاحب نے فرمایا تھا کہ سید صاحب کے تعلق سے پہلے بھی قرآن وحدیث پڑھے ہوئے تھے۔ اور اب بھی وہی قرآن وحدیث پڑھتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہی قرآن وحدیث پہلے اور طرح کا نظر آتا تھا۔ اب اور طرح کا نظر آتا ہے۔ سو یہ چیز بزرگوں کی صحبت سے ملتی ہے۔ مگر افسوس اتنی بڑی چیز کو لوگ چھوڑے ہوئے ہیں۔ اور صحبت اختیار نہیں کرتے۔ بڑا ناز ہے علم پر کہ ہم عالم ہو گئے۔ یاد رکھو، بدون اپنے کو مٹائے کچھ نہیں ہوتا۔ مٹانے کے یہ معنی نہیں کہ کتابیں مٹا دو۔ نہیں نہیں، اپنے کو مٹا دو۔ کہ ہم کچھ نہیں۔ جب تک یہ بات نہ پیدا ہو، سمجھ لو کہ دوسرے معنی کر فنا ہو یعنی برباد ہو، کورے ہو، کچھ نہیں ہو۔

اب رہا یہ شبہہ کہ وہ چیز کیا ہے، جو بزرگوں کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے اور اپنے کو ان کے سپرد کرنے پر ملتی ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ سمجھانے سے مطلق سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اگر سمجھایا بھی تو ایسا قصہ ہو جائے گا جیسے ایک اندھے حافظ جی کی حکایت ہے، ٹیڑھی کھیر کی۔ وہ اس طرح ہے کہ ایک حافظ جی تھے نابینا، ان کی ایک لڑکے نے دعوت کی۔ کہنے لگے کیا کھلاؤ گے؟ اس نے کہا کہ کھیر۔ اب گڑ بڑ شروع ہوتی ہے اور غلطی میں ابتلاء ہوتا ہے۔ حافظ جی نے پوچھا کہ کھیر کیسی ہوتی ہے؟ اس نے کہا کہ سفید۔ کہنے لگے سفید کسے کہتے ہیں؟ اس نے کہا جیسے بگلا۔ حافظ جی نے پوچھا بگلا کیسا ہوتا ہے؟ اب وہ اس کو کیسے سمجھاتے؟ اس نے سامنے بیٹھ کر [بگلے کی گردن کی طرح] ہاتھ موڑ کر سامنے کو کر دیا کہ ایسا ہوتا ہے۔ حافظ جی نے ہاتھ سے ٹٹول کر کہا کہ بھائی یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، حلق سے نیچے کیسے اترے گی؟

دیکھئے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے کس قدر حقیقت سے دور ہوتے چلے گئے۔ یہ تو تھا بگلا۔ اور لڑکا تھا پگلا۔ دعوت کی صرف واحد صورت تھی۔ طباق بھر کر لاکر حافظ جی کے سامنے رکھ دیتا کہ لو کھا کر دیکھ لو کہ کھیر کیسی ہوتی ہے۔ ایسے ہی آپ گھبراتے ہیں۔ مگر اپنے کو کسی محقق کے سپرد کر کے دیکھو وہ تم کو سختی میں نہ ڈالے گا۔ کھیر کے طباق کی طرح تم پر طریق کو آسان کر دے گا۔ جو بدون مشقت ہی حلق سے اتر جائے گی۔ (جلد۴۔ص:۲۷۰۔۲۷۱)

کچھ مال ضرور اپنے پاس رکھے:

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی نفس کے بہلانے کو کچھ نہ کچھ ضرور اپنے پاس رکھے۔ (جلد۴۔ص:۲۷۲)

مستقبل بعید کی فکر میں نہ پڑو:

ایک صاحب نے حضرت والا سے کچھ مشورہ چاہا۔ جس کا تعلق مستقبل بعید سے تھا۔ فرمایا کہ میں نے تجربہ کیا ہے، کہ آدمی کو ایسے مستقبل کے سوچ و بچار میں نہ پڑنا چاہیے۔ یہ ایسا سلسلہ ہے کہ تا زیست اس سے نجات مشکل ہے۔ اگر آدمی اس کے پیچھے پڑے پاگل بن جائے۔ بس راحت اسی میں

ہے کہ جو واقع ہوتا جائے یا اس کا وقوع غالب ہو اس کا حق ادا کرتا رہے۔ (جلد۴۔ص:۲۷۵)

قوت باطنی کا استعمال اصلاح کا بہتر طریقہ نہیں:

فرمایا کہ میں تو بحمد اللہ اکثر تدابیر ہی سے کام لیتا ہوں۔ وجہ یہ کہ اول تو مجھ میں قوتِ باطنی ہے نہیں۔ ہاں قوت بطنی تو ہے، دونوں وقت پیٹ بھر کر کھالیا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر قوتِ باطنی ہوتی بھی تو میں اس سے کام نہ لیتا۔ اس لیے کہ یہ انبیا علیہم السلام کی سنت نہیں۔ مجال تھی کہ ابولہب اور ابوجہل ایمان سے رہ جاتے اگر حضور قوت باطنی سے کام لیتے۔ نیز عبدیت کے بھی خلاف ہے۔ خدا پر چھوڑ دینا چاہیے اور تبلیغ و تدبیر اِس تفویض [خدا کے سپرد کرنے] کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اس کا حکم خدا تعالیٰ ہی نے کیا ہے۔ (جلد۴۔ص:۲۸۲)

تقریر کے وقت عزم راسخ:

فرمایا کہ میں جب تقریر کرتا ہوں اس وقت دل میں یہ عزم راسخ ہوتا ہے کہ مخاطب میں دین پیدا ہو جائے۔ (جلد۴۔ص:۲۸۲)

تقوی کب کامل ہوگا؟

فرمایا کہ تقوی اسی وقت کامل ہوگا کہ جب اس کے خلاف کے مقتضی اسباب ہوں اور پھر ان کو دبائے۔ مثلاً شہوت ہے [اور پھر اس کو دبائے] اگر کوئی عنین ہو اور فجور سے بچے تو اس کو تقوی کا وہ خاص نور میسر نہ ہوگا، جو ایسے شخص کو میسر ہوگا جو مرد ہو اور پھر اس سے اجتناب کرے۔ عارف رومی فرماتے ہیں:

شہوت دنیا مثال گلخن است ☆ کہ از و حمام تقوی روشن است

(دنیا کی شہوت مثل اس بھٹی ہے کہ جس سے تقوی کا حمام گرم ہوتا ہے)

مثلاً اگر کوئی عنین کہے کہ میں کبھی برا کام نہیں کرتا۔ یا اندھا کہے کہ میں کبھی بدنگاہی نہیں کرتا۔ تو کون کمال ہے؟ مثلاً یہ سامنے والی دیوار کہے کہ میں چوری نہیں کرتی تو کیا کمال ہوا؟ ہاں اسباب ہوں اور پھر اجتناب ہو، یہ ہے مجاہدہ۔ جس سے لوگ گھبراتے ہیں۔ یوں نہیں سمجھتے کہ

انسان دنیامیں آسانی کے لیےتونہیں آیا۔ارشادفرماتے ہیں﴿لقد خلقنا الانسان فی کبد﴾ کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔مگراس مشقت کے سہل ہونے کے لیے ارادہ اور ہمت بھی ساتھ ساتھ پیدا فرما دیے ہیں۔اسی لیے یہ چاہیے کہ خواہ کیسی ہی کوئی مشکل آپڑے،صبر واستقلال کے ساتھ اس کو نکال دیا جاوے۔بس یہی جوہرِ انسانی ہے۔اسی استقلال کی مداومت اور استحضار سے بڑے بڑے رذائل اور جبلی چیزیں دب جاتی ہیں۔اور بڑے بڑے مشکل کام آسان ہوجاتے ہیں۔ (جلد۴۔ص:۳۰۴)

طریقت سے عدم مناسبت کا ایک واقعہ:

فرمایا کہ اس طریق سے عدم مناسبت اور حقیقت سے بے خبری یہاں تک ہوگئی ہے کہ ایک صاحب مجھ سے خود اپنی حالت بیان کرتے تھے کہ میں ذکر وشغل کی حالت میں کبائر میں مبتلا تھااوراس کوطریق کے لیے مضر نہ سمجھتا تھا۔کیا ٹھکانہ ہےاس جہل کا؟اس لیے سخت ضرورت ہے شیخِ کامل کی تعلیم کی اوراس کی صحبت کی۔وہ اس طریق کا واقف ہے۔وہ اس راہ سے گذر چکا ہے۔اور یہ تعلیم تدریجاً حالات کے پیش آنے پر ہوتی رہتی ہے۔اس لیے طالب کو مدتِ طویل تک استفادہ کے لیے آمادہ رہنا چاہیے۔واقعاتِ مستقبلہ محتملہ [مستقبل میں کیا کیا پیش آنے کا امکان ہے؟ اس] کی ایک دم سے تحقیق نہ کرے۔کیونکہ شیخ بھی ایک جلسہ میں،ایک تقریر میں سب اجزاء کے بیان کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔اس لیے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا تعلق وقوع کی خصوصیات سے ہے۔جیسے طبیب کی تقریر،متعدد تغیرات کے کل نسخے اور مرض کے کل اسباب ایک ہی جلسہ میں بیان نہیں ہوتے۔مثلاً کبر کے اسباب مختلف ہیں۔اس کے علاج بھی مختلف ہیں۔اب یہ تشخیص کہ کبر ہے یانہیں،اوراگر ہےتواس کا سبب کیا ہے،یہ سب کچھ وقت پر شیخ ہی سمجھ سکتا ہے۔تو پہلے سے کلیات معلوم کرنے سے وقت پر انطباق کون کرے گا؟

یہ ہی وجہ ہے کہ میں کہا کرتا ہوں کہ چندے [کچھ مدت] شیخ کے پاس رہنے کی ضرورت ہے۔[یا کم ازکم مستقل رابطہ رکھ کراپنے حالات بتا کراس کے مشوروں پرعمل کرنے کی] کیونکہ وقت وقت پرحالت بدلتی رہتی ہے۔جیسے مریض کوطبیب کے پاس رہ کرعلاج کرانے کی ضرورت ہے۔بالکل اسی

طرح مرید کو شیخ کے پاس رہ کر علاج کرانے کی ضرورت ہے اور یہ بالکل موٹی بات ہے جس کو میں بیان کر رہا ہوں۔ کوئی باریک بات نہیں، کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ غرض پاس رہ کر کام کرنے سے بڑی سہولت سے شیخ اس گھاٹی سے نکال کر لے جائے گا۔ لیکن یہ نہ سمجھ لیا جاوے کہ سب کچھ شیخ ہی کرے گا۔ وہ تو تدابیر بتلائے گا اور سہولت سے یہ ہی مراد ہے کہ طالب پر فکر کا بوجھ نہیں پڑے گا۔ سب تدبیریں وہی بتلا دے گا۔ مگر...... اس کا علاج شیخ کے پاس بھی نہیں کہ وہ خود کچھ نہ کرے اور اگر کرے، تو اپنی رائے کو دخل دے۔ (جلد۴۔ص:۳۰۶۔۳۰۷)

کیفیات کے پیچھے پڑنا درست نہیں:

اس طریق کی حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بہت لوگ کیفیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ کثرت سے ایسے خطوط آتے ہیں، ان میں یہی بھرا ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا وہ نہیں ہوتا۔...... اور حقیقت میں یہ کیفیات نفسانی ہوتے ہیں عوارض نفسانیہ کے تغیر سے ان میں تغیر ہو جاتا ہے اسی لیے محققین اہل فن کہتے ہیں کہ یہ مقصود نہیں۔ ہاں اگر کسی وقت مقصود کے معین بن جائیں، تو محمود ہیں۔ مگر مقصود نہیں۔ اور اگر دین میں معین نہ ہوں، تو پھر محمود بھی نہیں۔ (جلد۴۔ص:۳۱۱۔۳۱۲)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی بے نفسی:

مولانا (محمد قاسم صاحب نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ دہلی تھے، [امیر شاہ] خاں صاحب اور مولانا احمد حسن صاحب امروہوی ہمراہ تھے۔ شب کو دونوں صاحبوں نے چارپائی مولانا سے ادب کے سبب ذرا دور کو بچھائیں۔ خاں صاحب نے مولانا احمد حسن صاحب سے کہا کہ یہاں جو ایک برج والی مسجد ہے اس میں صبح کی نماز چل کر پڑھیں گے۔ سنا ہے کہ وہاں کا امام بہت اچھا قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ارے جاہل پٹھان! ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ وہ تو ہمارے مولانا کی تکفیر کرتا ہے۔ مولانا نے سن لیا۔ پکار کر فرمایا کہ احمد حسن تو اوروں کو جاہل بتاتا ہے اور خود جاہل ہے۔ کیا قاسم کی تکفیر سے وہ امامت کے قابل نہیں رہا؟ میں تو اس سے اس کی دینداری کا معتقد ہو گیا۔ اس نے میری کوئی بات دین کے خلاف [ایسی] سنی ہوگی، جس کی وجہ سے میری تکفیر

لازم تھی۔ اگر روایت غلط پہنچی، تو راوی کی خطا ہے۔ اب میں خود اس کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ مولانا نے صبح کی نماز اس کے پیچھے پڑھی اور ان دونوں کو ساتھ جانا پڑا۔ (جلد۴۔ص:۳۲۳۔۳۲۴)

بندہ بن کر رہو:

ایک مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے ایک گھڑی خریدی ہے۔ اُس میں الارم ہے۔ تہجد کے وقت اُس سے آنکھ کھلتی ہے۔ اس کا افسوس ہے کہ اب تک کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی۔ خارجی چیزوں کی حاجت ہے۔ میں نے جواب لکھا کہ افسوس کی کیا بات ہے؟ خارجی چیزوں سے کہاں تک بچو گے؟ ضروری چیزیں زیادہ تر خارجی ہیں؟ چنانچہ روٹی بھی خارجی ہے۔ پانی خارجی ہے۔ ان سے کہاں تک بچو گے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، انہوں نے گھڑی ایجاد کرادی، تم کو اتنی وسعت دی کہ اس کو خرید سکو، اُس میں الارم لگوا دیا، سو اس سے استغناء کی فکر کیوں ہے؟ تمہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا، ان کی رحمت کا، ان کی عطاء کا شکر ادا کرنا چاہیے اور خوش ہونا چاہیے، نہ کہ افسوس۔

معلوم نہیں لوگ بننا کیا چاہتے ہیں۔ بندہ بن کر رہنا تو لوگوں کو دوبھر ہو گیا ہے۔ کمال کے معنی گھڑ کر اس معنی کے اعتبار سے اپنے کو کامل بنانا چاہتے ہیں۔ مگر حضرات انبیا علیہم السلام کو دیکھئے؛ جو ہر طرح کامل ہیں، مگر ان سے پوچھئے کہ وہ اپنی عبادتوں کو کیسا سمجھتے تھے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **لن یدخل الجنة احد بعمله** کہ جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے کوئی داخل نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا **ولا انت یا رسول الله**؟ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ولا انا الا ان یتغمدنی الله برحمته** ۔ اگر آپؐ اپنے عمل کو کامل سمجھتے تو جنت میں جانے کو عمل کا ثمرہ کیوں نہ فرماتے؟ حضرت! وہاں تو فضل ہی پر مدار ہے۔

(جلد۴۔ص:۳۲۶۔۳۲۷)

عشق کے تو کاروبار ہی نرالے ہیں:

حضرت عشق کے تو کاروبار ہی نرالے ہیں۔ یہ چیز ہی ایسی ہے کہ بجز محبوب کے قاعدوں کے کوئی قاعدہ قانون ہی باقی نہیں رہتا۔ بلکہ کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی سوائے محبوب

کے۔ یہ خدا سے کیسی محبت اور کیسا عشق ہے کہ جس میں ایسی باتوں پر نظر ہے جو محبوب کی راہ میں سدِّ راہ ہیں۔ محبّ کو کسی طرح بھی چین نہ آنا چاہیے، اگر چین ہے تو اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے عاشق نہیں۔ خاتم مثنوی [حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی] رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی کہ ایک عورت چلی جارہی تھی، اُس نے دیکھا کہ میرے پیچھے ایک مرد آرہا ہے۔ اُس عورت نے کہا کہ تو میرے پیچھے کیسے آرہا ہے؟ اُس نے کہا کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔ اُس عورت نے کہا کہ میری بہن مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے، میرے پیچھے آرہی ہے۔ مجھ جیسی بدصورت پر کیا عاشق ہوتے ہو، وہ زیادہ حسین ہے اس پر عاشق ہو۔ یہ سن کر اس شخص نے منہ موڑ کر دیکھا۔ اُس عورت نے اس کے منھ پر ایک طمانچہ رسید کیا اور کہا:

گفت اے ابلہ! اگر تو عاشقی　　در بیان دعوئ خود صادقی

پس چرا بر غیر افگندی نظر　　ایں بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

(اس عورت نے کہا کہ ارے بیوقوف اگر تو میرا عاشق صادق ہوتا تو میرے سوا دوسری پر کیوں نظر ڈالتا؟ کیا عشق کا دعویٰ ایسا ہی ہوتا ہے؟)

اسی طرح وہ شخص کذاب ہے جو خدا کی محبت اور عشق کا دعوی کرے اور اس کے احکام اور اس کے نام لیے بغیر اس کو چین ہو۔　　(جلد۴۔ص:۳۲۸۔۳۲۹)

سالک کی کامیابی کا راستہ:

اگر آدمی اسی میں رہے کہ میں کامل بنوں۔ جنید بغدادی بنوں۔ تو میں بتلائے دیتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں بنے گا۔ بس کام میں لگو، سعی اور کوشش کرو۔ وہ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں فرماتے۔ اور بدوں کام میں لگے یہ تمنائیں پکانا، یہ شیطان کی راہ زنی ہے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے جیسے ایک شخص کا مقولہ ہے کہ وہ دربار ایسا ہے کہ کئے جاؤ اور لیے جاؤ۔ کیسی کام کی بات ہے۔　　(ص:۳۲۹)

وہ محروم ہے جس میں انکسار اور فنا کی شان نہ ہو:

اگر سلسلہ میں داخل ہو کر انکسار اور فنا کی شان نہ پیدا ہوئی، جو اس طریق کی پہلی سیڑھی

ہے، تو وہ شخص بالکل محروم ہے۔ (جلد۴۔ص:۳۳۱)

نیک اعمال کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ تو ضرور سمجھنا چاہیے کہ ہمارے اعمال ناقص ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی کرے کہ نہ ہونے سے ہونا اچھا ہے۔ جیسے مال گزاری ادا کرنا ہے اور کل روپیہ پاس نہ ہو تو جو ہو وہی ادا کرو۔ بازار میں جا رہا ہے اور ہاتھ میں کچھ نہیں اس سے زیادہ اچھا ہے کہ کھوٹا ہی روپیہ سہی، وہ آٹھ ہی آنہ میں چلے گا تو سہی۔ سیر بھر مٹھائی نہ آوے گی آدھ سیر ہی سہی۔
(جلد۴۔ص:۳۳۲)

طریقِ تصوف کے بغیر اپنے رذائل پر بھی نظر نہیں جاتی:

یہ طریق ضروری اس قدر ہے کہ بدوں اس کے اپنی ہی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے ایک شخص کے اندر مرضِ کبر محسوس کر کے اس کو بتلایا۔ اس نے انکار کیا۔ مگر پانچ برس کے بعد اطلاع کی کہ مجھ کو اب معلوم ہوا کہ واقعی مجھ میں کبر کا مرض ہے۔ تو دیکھئے اتنی مدت تک اس کو پتہ نہ لگا۔ اسی طرح ایک شخص نے مجھ کو لکھا کہ میں کس چیز کا علاج کروں؟ مجھ میں کوئی مرض ہی نہیں۔ دیکھئے مریض ہو کر اپنی صحت پر اطمینان تھا۔ (جلد۴۔ص:۳۳۳)

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ مقصودِ اعظم تو شریعت ہی ہے۔ فرمایا کہ خود ایک ہی چیز ہے؛ یعنی شریعت۔ اس کے مقابل کوئی چیز نہیں۔ جس کی وجہ سے [شریعت کو] اعظم کہا جاوے۔ جس کا حاصل عمل کا [اللہ کے لیے] خالص کرنا ہے۔ بس شیخ اسی کی تدابیر کی تعلیم کرتا ہے۔ ان تدابیر کا نام طریقت ہے۔ پھر اس کی برکت سے جو علوم منکشف ہوتے ہیں، وہ حقیقت ہیں۔ اور ان ہی کے حقائق میں بعض کے انکشاف کا نام معرفت ہے۔ باقی اور جو کچھ ہے مراقبہ، مکاشفہ، ذکر و شغل، سب اِسی مقصود کے معین اور متمّم ہیں۔ اور اصل وہی ایک چیز ہے۔ اور یہ سب کرنے کے کام ہیں۔ مگر آج کل بجائے کچھ کرنے کے بڑا شغل دوسروں کی عیب جوئی یا فضول تحقیقات رہ گئی

ہیں۔ (جلد۴۔ص:۳۳۴)

ہم مرغانِ جنگی نہیں:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بجز کفار کے اور کسی سے مناظرہ نہ کرتے تھے۔ بہت ہی مجبوری کے درجہ میں ایک مرتبہ بعض غیر مقلدین کا، اور بعض شیعوں کا جواب لکھا۔ تحذیر الناس پر جب مولانا پر فتوے لگے تو جواب نہیں دیا۔ یہ فرمایا کہ کافر سے مسلمان ہونے کا طریقہ بڑوں سے یہ سنا ہے کہ کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو جاتا ہے، تو میں کلمہ پڑھتا ہوں: **لاالہ الا اللہ ۔ محمد رسول اللہ ۔**
ایک مرتبہ میرے لکھے ہوئے، اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصحیح کردہ ایک فتوے پر سائل کی طرف سے کچھ اعتراضات آئے تھے۔ میں نے جواب لکھنے کی اجازت لینے کے لیے دکھلایا، تو فرمایا کہ جواب مت لکھنا۔ صرف یہ لکھ دو کہ ضروری جواب دیا جا چکا ہے۔ باقی ہم مرغانِ جنگی نہیں کہ جنگ وجدال کا سلسلہ دراز کریں۔ اگر ہمارے جواب سے اطمینان نہ ہو **فوق کل ذی علم علیم** دوسری جگہ سے اطمینان کرلو۔ ہم کو اس جنگ وجدل سے معاف رکھو۔ (جلد۴۔ص:۳۳۷)

سارے جہاں کا جائزہ، اپنے جہاں سے بے خبر:

لوگوں کی عجیب حالت ہو رہی ہے کہ اپنی فکر نہیں، دوسروں کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ خصوصاً عیب جوئی اور عیب گوئی، کہ اس میں عام ابتلاء ہو رہا ہے۔ اپنے بدن میں تو کیڑے پڑ رہے ہیں، ان کی خبر نہیں۔ اور دوسروں کے کپڑوں پر جو مکھیاں بیٹھی ہیں، ان پر نظر ہے۔ ارے! اپنے کو تو دیکھ، کہ کس حال میں ہے۔ (جلد۴۔ص:۳۳۷)

مریدوں کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں:

حضرت! یہ اصلاح کا پیشہ بھی بڑا ہی نازک ہے۔ اور مجھ کو بھی اپنے طریق اصلاح پر ناز نہیں۔ اس لیے کہ میں بھی بشر ہوں۔ علمی غلطی بھی ہو سکتی ہے عملی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ کرتا میں ضرور ہوں اس کام کو، مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں حق تعالیٰ اسی طرح مجھ سے نہ مطالبہ فرمالیں۔ مگر ان کے فضل پر بیڑا ہے اور بھروسہ ہے۔ میں آپ سے بقسم عرض کرتا ہوں کہ [مرید کے] عین مواخذہ اور مطالبہ کے وقت مجھ کو یہ

استحضار رہتا ہے کہ اُس کی یہ باتیں اور یہ خود خدا کے نزدیک مقبول ہو۔ اور اس استحضار کے سبب میرا یہ سب کہنا سننا تحقیر سے نہیں ہوتا، محض اصلاح کی غرض سے ہوتا ہے۔ ورنہ عقیدہ سے ہر طرح پر میں آنے والوں کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اور یہ خیال کرتا ہوں کہ ممکن ہے کہ یہ ہی حضرات میری نجات کا ذریعہ بن جائیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر پیر مرحوم ہوگا تو مرید کو جنت میں لے جائے گا۔ اور اگر مرید مرحوم ہوگا تو پیر کو جنت میں لے جائے گا۔ تو مجھ کو سب آنے والوں سے یہی توقع ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی خدمتِ اصلاح کو ضروری سمجھتا ہوں۔ (جلد۴۔ص:۳۴۲)

طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں:

ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وصول مقصود نہیں، طلب مقصود ہے۔ کیونکہ اوّل غیر اختیاری ہے، ثانی اختیاری ہے۔ (جلد۴۔ص:۳۴۴)

اتباع سنت اور محبت شیخ:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اتباع سنت بڑی چیز ہے۔ مجدد صاحبؒ نے ایک کام کی بات بیان فرمائی کہ کسی شخص میں اگر دو چیزیں ہیں اتباع سنت اور حب شیخ، وہ بزعم خود کتنی ہی ظلمات میں مبتلا ہو، وہ ظلمات نہیں۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں نہیں، تو وہ بزعم خود کتنے ہی انوار میں محاط ہو وہ انوار نہیں۔ اور یہ بھی جاننے کی بات ہے کہ اتباع سنت وہ ہے کہ بلا چون و چرا ہو۔ اس کے متعلق بھی مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ شرائع میں حکمت کا تلاش کرنا گویا یہ مرادف ہے انکار نبوت کا۔ اگر نبی کو نبی سمجھتا ہے تو پھر [بات ماننے اور اتباع کے لیے] مصالح کے جاننے کا انتظار کیوں ہے؟ مگر جب انتظار ہے تو یہ شخص اپنی عقل کا متبع ہوا، نبی کا متبع نہ ہوا۔ اور آج کل اس کو فلاسفی قرار دے رکھا ہے۔ فرمایا کہ جو برتاؤ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے اور آپ کے احکام میں حکمتیں تلاش کرتے ہیں، اگر ہمارا نوکر یا غلام ہمارے کاموں کی حکمتیں پوچھنے لگے، مثلاً اس سے کہا جائے کہ ایک گھنٹہ یہاں بیٹھو۔ وہ پوچھے اس میں کیا حکمت ہے؟ تو آپ کی طرف سے غلام کو کیا جواب ہوگا؟ تو گویا یہ شخص اپنے غلام کو تو غلام سمجھتا ہے۔ اور اپنے کو حضورؐ کا غلام نہیں سمجھتا یہی فرق نکل سکتا ہے۔ (جلد۴۔ص:۳۴۴)

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد پنجم

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

اللہ اپنے اکثر صالح بندوں کو دنیا اور آخرت دونوں کی راحت دیتے ہیں:

جب وہاں [جنت] کے درجات اور نعمتیں دیکھو گے تو وہی کہو گے جو حدیث شریف میں آیا ہے، کہ اگر دنیا میں ہماری کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی اور ہم کو یہ درجہ ملتا تو بھی کیا خوب ہوتا!! مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ اپنے اکثر [صالح] بندوں کو دونوں جگہ راحت دیتے ہیں۔ اگر کسی کو تکلیف بھی ہوتی ہے تو وہ محض جسمانی تکلیف ہوتی ہے۔ اور ان کی یاد کرنے والوں کو اس میں روحانی پریشانی نہیں ہوتی۔ (جلد ۵۔ صفحہ:۲۶)

اہل اللہ کے دل میں دنیا کی حقیقت:

جن کے قلوب میں حق تعالیٰ کی اور اس کے احکام کی محبت پیدا ہو چکی ہے، ان کی نظر میں تمام دنیا کا وجود مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ ان کے نزدیک تو اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے چھوٹے چھوٹے بچے مٹی یا ریت کے گھر بنا لیتے ہیں۔ اور وہ اس میں سے کسی کا نام دیوان خانہ اور کسی کا بالا خانہ رکھتے ہیں، تو عقلاء ان بچوں پر ہنستے ہوئے گزرتے ہیں۔ اور ان سے کہتے ہیں کہ آؤ ہم تم کو حقیقی دیوان خانہ اور بالا خانہ دکھائیں، اُن کو دیکھو۔ اِسی طرح خاصان حق اہل اللہ آپ

کے اِن محلوں اور کوٹھی بنگلوں کو دیکھ کر ہنستے ہیں اور آخرت کی ترغیب دیتے ہیں۔

تمہاری اس فانی سلطنت کی حقیقت وہ ہے جو ایک بزرگ نے ایک بادشاہ کو بتلائی تھی۔ انہوں نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ اگر کسی موقع پر آپ جارہے ہوں، اور پانی پاس نہ ہو اور شدتِ پیاس سے جان پر بن رہی ہو، ایسے وقت پر کوئی شخص ایک کٹورا پانی لے کر آئے اور یہ کہے کہ نصف سلطنت کے بدلے یہ کٹورا پانی کا فروخت کرتا ہوں، تو [کیا اتنی قیمت پر] آپ خرید لیں گے؟ بادشاہ نے کہا کہ ضرور خرید لوں گا۔ پھر ان بزرگ نے کہا کہ اگر اتفاق سے تم کو پیشاب کا بند لگ جائے اور کوئی علاج مفید نہ ہو۔ اور کوئی شخص یہ کہے کہ اگر نصف سلطنت دو تو یہ بند کھول دوں گا۔ تو کیا کرو گے؟ بادشاہ نے کہا کہ نصف سلطنت دے دوں گا۔ ان بزرگ نے کہا کہ یہ حقیقت ہے تمہاری سلطنت کی!! کہ آدھی سلطنت کی قیمت ایک کٹورا پانی کا۔ اور آدھی سلطنت کی قیمت ایک کٹورا پیشاب کا۔ (جلد۵۔صفحہ:۲۶۔۲۷)

مسلمانوں کی قوت وحکومت اگر دین کے ساتھ ہو تب ہی مبارک ہے:

بس یہ ہے وہ سلطنت جس کے لیے آج کل کے عقلاء اور ان کے ہم خیال بعض مولوی [بھی] سرگردان اور پریشان حال ہیں اور آخرت کو بھی بھول گئے ہیں۔ [ان کی فکر بس یہ ہے کہ چاہے دین کا کتنا ہی نقصان ہو جائے، مسلمانوں کو حکومت وسلطنت مل جائے۔ میں] سلطنت حاصل کرنے کو یا ترقی کرنے کو منع نہیں کرتا۔ خوب ترقی کرو اور خوب سلطنت اور حکومت کرو۔ میں تو خود ترقی کو پسند کرتا ہوں۔ مگر اس میں کچھ شرط بھی تو ہے۔ وہ یہ کہ احکامِ شریعت کو محفوظ کرتے ہوئے، حدود اسلام پر نظر رکھتے ہوئے حاصل کرو۔ البتہ اس کے عکس کے [یعنی دین کو پامال کر کے ترقی حاصل کی جائے، اس کے] خلاف ہوں۔ کیونکہ ایسی حکومت مسلمانوں کے کام کی نہیں ہوسکتی جس میں پہلے احکام شرعیہ کو پامال کر دیا جائے۔ سو ایسی سلطنت باعثِ ترقی نہیں ہوسکتی، بلکہ باعث نحوست ہوگی۔ مجھ کو مقاصد سے اختلاف نہیں، طریق کار سے اختلاف ہے۔ میں یوں کہتا ہوں کہ سلطنت ہو یا حکومت، مال ہو یا جاہ، عزت ہو یا آبرو اگر تم خدا کے احکام کی حفاظت کرتے ہوئے، اُن پر کار بند رہتے ہوئے، حاصل کرسکو، تو تم کو ہزار بار مبارک۔ اس لیے کہ اس صورت میں یہ

چیزیں احکامِ اسلام کی اشاعت کا ذریعہ ہوں گی۔اور اگر اس کے ساتھ اغراضِ فاسدہ وابستہ ہیں، جیسا آج کل کے واقعات سے بالکل ظاہر ہے،تو ایسی سلطنت اور حکومت پر لعنت، ہزار بار لعنت۔ ایسی چیز مبغوض ہے، منحوس ہے،مردود ہے، جو خدا کی یاد سے غافل کردے، یا[شریعت کے] احکام سے دور کردے۔

[یہ لوگ مثال میں] حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سلطنت کو پیش کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے ساتھ ہی وہ حضرات احکام اسلام پر کس طرح عاشق تھے؟ اور کس سختی سے ان کے پابند تھے؟ عین قتال کے وقت جوش کی حالت میں بھی احکام کا ہوش رکھتے تھے۔مثلاً یہ مسئلہ ہے کہ اگر عین قتال کے وقت کسی کافر پر تلوار اٹھاؤ، جس نے تمہارے باپ بھائی بیٹے کو قتل کردیا ہو، اور وہ عین اس حالت میں کلمہ پڑھ لے تو فوراً ہاتھ روک لو۔ کیا اب کوئی ایسا کرسکتا ہے؟ رات دن کے معمولات اور معاملات میں تو حدود اور احکام کی پابندی کی ہی نہیں جاتی۔ ایسے سخت وقت میں تو بھلا کون رعایت کرسکتا ہے؟ غرض ہر چیز کے کچھ حدود ہیں،قواعد ہیں۔ پہلے طبیعتوں کو ان کا خوگر بناؤ پھر میدان میں آؤ۔ میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ پھر نصرت خداوندی تمہارے ساتھ ہوگی۔اور پھر تم سلف کی طرح تمام عالم پر حکومت کروگے۔ اور بدون احکام کی پابندی کے اختیار کئے ہوئے حکومت یا سلطنت کا حاصل کرنا ایسا ہے، جیسے بلا وضو کے نماز پڑھنا یا بدون منتر جانے ہوئے سانپ پکڑنا، جس کا انجام ہلاکت ہے۔اور اگر بالفرض چندے یہاں حکومت کر بھی لی تو آخرت کی زندگی تو برباد ہو ہی جائے گی۔ اصل چیز تو وہی ہے، جس کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی۔ اور وہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔ایمان کی حفاظت کرو اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔ پھر اس پر خوشخبری ہے، بشارت ہے۔

......یہ بیان تو ان کے لیے تھا جو جاہ کے لیے [اور دنیوی سطوت وعزت کے لیے] حکومت اور سلطنت کے خواہاں اور جویاں ہیں۔ باقی اہل اللہ اور خاصان حق، جن کو تم نظر تحقیر سے دیکھتے ہو، کہ وہ خستہ حالت میں ہیں، میلے کچیلے ہیں، بے سروسامانی ان کی رفیق ہے، وہ ان چیزوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ گو بضرورت سلطنت بھی حاصل کرلیں، اور اس [حال] میں بھی [وہ اس کو

امانت اور بوجھ سمجھتے ہیں، اور] کوشش کریں کہ اپنے کو اس سے علیحدہ رکھ کر دوسرے کے سپرد کردیں۔ اور اگر بادل ناخواستہ ان کے ذمہ پڑ جاوے تو پھر اس کے پورے حقوق ادا کریں۔ میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ یہی حضرات کچھ ساتھ لے جانے والے ہیں۔

تم نے جن سامانوں کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہے وہ تم ہی کو مبارک ہوں۔ وہ تو اِن سامانوں کو حجاب اور وبال جان خیال کرتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب باہان ارمنی کے دربار میں اپنے اسیروں کو چھڑانے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے دربار کا فرش دیبا اور حریر کا اٹھا کر پھینک دیا۔ اور اس کے سوال پر جواب میں فرمایا کہ تیرے فرش سے ہمارے اللہ کا فرش افضل ہے۔

......غرض ہماری عزت اس ظاہری سامان سے تھوڑا ہی ہے، اگر عزت ہے تو بے سرو سامانی ہی میں ہے، جو عبدیت سے مسبب [یعنی عبدیت کا نتیجہ] ہو۔ اسی کو فرماتے ہیں:

زیر بارند درختاں کہ ثمر ہا دارند ☆ اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

دلفریبانِ نباتی ہمہ زیور بستند ☆ دلبر ماست کہ با حسنِ خداداد آمد

(پھلدار درخت زیر بار رہتے ہیں۔ مبارک ہو سرو، کہ وہ تمام غموں سے آزاد ہے۔ حسینان جہاں کو بناؤ سنگھار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہمارے محبوب کو حسنِ خداداد حاصل ہے)

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بادشاہ سنجر نے ایک مرتبہ لکھ کر بھیجا کہ معلوم ہوا ہے کہ حضرت کی خدمت میں اکثر خدام کا مجمع رہتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ایک حصہ ملک کا خدام کے لیے حضرت کی خدمت میں پیش کردوں۔ [جس سے خانقاہ کا اور آنے والے مہمان سالکوں کا انتظام ہو جاتا]۔ حضرت نے جواب میں لکھ بھیجا۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ☆ دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ☆ من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

(اگر میرے دل میں ملکِ سنجر کی ہوس ہو تو جس طرح سنجر کا سیاہ چھتر ہے، میرا نصیب بھی سیاہ ہو۔ اور جس وقت سے ملک نیم شب (یعنی عبادت نیم شبی) کی مجھے خبر ہوئی ہے، میں تو ملکِ نیم روز کو ایک جو کے بدلے میں بھی نہ خریدوں)۔ (جلد ۵۔ص:۲۷۔۲۹)

طریق میں نکات ولطائف ہیچ ہیں:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس طریق میں نکات اور لطائف ہیچ ہیں۔ یہ سب باتیں طریق کی حقیقت سے بے خبری کی بدولت ہو رہی ہیں۔ طریق تو اعمال ہے۔ اور مقصود رضاء حق ہے۔ یہ حقیقت ہے اس طریق کی۔ ایسے ہی طالب میں صدق اور خلوص کی ضرورت ہے، اگر یہ نہیں تو محروم رہے گا۔ (جلد۵۔ص:۳۲)

علمی سوال کا جواب دینے سے پہلے دو باتوں کی تحقیق:

جب کوئی مجھ سے علمی سوال کرتا ہے تو میرا معمول ہے کہ میں جواب سے پہلے دو امر کی تحقیق کر لیتا ہوں۔ پھر بعد میں جواب دیتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ سائل کو علم کس قدر ہے۔ دوسرے یہ اطمینان ہو جائے کہ واقعی خلوص سے پوچھ رہا ہے۔ (جلد۵۔ص:۳۲)

اس طریق میں محرومی اور مایوسی کا گذر نہیں:

فرمایا کہ کام کرنا چاہئے۔ اس غم میں نہ پڑنا چاہئے کہ میرے اندر شوق نہیں، خوف نہیں، کیفیات نہیں، لذات نہیں، انوار نہیں۔ یہ سب چیزیں غیر مقصود ہیں۔ ہاں مقصود کی معین ہو جاتی ہیں۔ وہ بھی بعض کے لیے۔ اور بعض کی قید اس لیے لگائی کہ بعض کو یہ چیزیں مضر بھی ہوتی ہیں۔ اور ہر حال میں سالک جن احوال و کیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتا ہے، یہ فقدان کوئی نقص نہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ یہ بڑا کمال ہے، کہ بدون احوال و کیفیات کے بھی مقاصد میں [جو اعمال ہیں] رسوخ حاصل ہو جائے۔ یہ بڑی نعمت ہے، بڑی دولت ہے۔ غرض بندہ کو بندہ بن کر رہنا چاہئے۔ اور جس حال میں حق تعالیٰ رکھیں اسی کو اپنے لیے مصلحت اور حکمت سمجھنا چاہئے۔

ایک ضروری بات سمجھ لینے کی یہ ہے کہ یہ چیزیں غیر اختیاری ہیں، اختیاری نہیں۔ اس لیے مامور بہ بھی نہیں۔ مامور بہ صرف اعمال ہیں۔ اور ثمرہ ان کا رضائے حق۔ بس یہ حقیقت ہے اس طریق کی۔

اب اس کا عکس لوگ سمجھے ہوئے ہیں، کہ غیر مقصود کو مقصود اور مقصود کو غیر مقصود سمجھ رہے ہیں۔ اور اس لیے غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔ اور وہ سبب پریشانی کا ہو جاتا ہے۔

اسی لیے میں سب سے اول اس کی کوشش کرتا ہوں کہ طالب صحیح راستے پر پڑ جائے۔ اور اپنے مقصود کو سمجھ لے۔ پھر ساری عمر کے لیے ان شاء اللہ پریشانی سے نجات ہو جاتی ہے۔

......اور ایک پریشانی ہوتی ہے محبوب کے توارو تجلیات [غالباً، انوار و تجلیات] کی۔ تو وہ حزن اور غم و پریشانی تو ایسی ہے کہ ہزاروں سکون اور راحتوں کو اس پر قربان کریں۔ اس میں محبّ کو ہر ساعت یہی خیال رہتا ہے کہ میں محبوب کا حق ادا نہیں کرسکا۔ پھر جس وقت یہ شبہہ ہو جاتا ہے کہ ان کی محبت یا طلب میں ذرہ برابر بھی کمی ہے، تو اس پر حزن اور غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں:

بر دل سالک ہزاراں غم بود ☆ گر ز باغِ دل خلالے کم بود

(سالک دل کے باغ میں سے اگر ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے تو اس کے دل پر ہزاروں غم سوار ہو جاتے ہیں)

پھر یہ سب کچھ تو ہے، مگر اس طریق میں ناکامی اور ناامیدی اور مایوسی کا نام و نشان نہیں۔ قدم قدم پر تسلی موجود ہے۔ بشرطیکہ منزلِ مقصود کی صحیح راہ معلوم ہوگئی ہو۔ اس لیے کہ پھر تو صرف چلنا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اور جس قدر چلتا ہے مقصود سے قرب ہی ہوتا جاتا ہے۔ پھر تو اس شخص کو ناامیدی اور مایوسی کا وسوسہ تک بھی نہیں ہوتا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:

کوئے نومیدی مرو، کامیدہاست ☆ سوئے تاریکی مرو، خورشیدہاست

(ناامیدی کے کوچہ میں بھی مت جاؤ کیونکہ (حضرت حق سے) بہت امیدیں ہیں۔ اندھیرے کی طرف مت جاؤ، جب کہ سورج نکلے ہوئے ہیں)

باقی خود محبت کے نشیب و فراز کی پریشانی یہ الگ چیز ہے۔ من لم یذق لم یدر [جس نے اس کو چکھا نہیں وہ مزہ نہیں جان سکتا۔ تا نہ چشی ندانی]۔ (جلد۵۔ص:۳۹۔۴۰)

مدعیانِ علم و فہم کے ساتھ معاملہ کا اہم اصول اور ایک قیمتی نصیحت:

میری عادت مدعیانِ علم و فہم کے ساتھ معاملات کی گفتگو میں تسامح و رعایت کی نہیں اس سے ان کو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ دبتا ہے اور اس خیال سے ان کا جہل بڑھتا ہے میں جب تک ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے درگذر کرتا ہوں۔ مگر جس وقت گفتگو کے لیے متوجہ ہوتا ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ

مدد فرماتے ہیں۔ (جلد۵۔ص:۴۶)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ایک مرتبہ اپنا نام تک بھول گئے تھے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کو کسی چیز پر بھی ناز نہ کرنا چاہیئے۔ محض ان کے فضل پر نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر اُن کا فضل نہ ہو سب دھرارہ جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ خط لکھ کر اپنے دستخط کرنا چاہا۔ مگر اپنا نام بھول گیا۔ اور ایسی عجیب بات ہے کہ اگر میں خود مولانا سے نہ سنتا تو راوی کی تکذیب کرتا۔ [اللہ چاہے تو سب بھلا دے اور عقل ختم کردے]۔ بھلا کیا کوئی دعویٰ یا ناز کرسکتا ہے؟ جب اتنے بڑے عالم کو ایسی بات بھُلا دی گئی جس کا بھولنا عادۃً محال ہے۔ (جلد۵۔ص:۴۹)

حالات کی بہتری کے لیے حق تعالیٰ سے دعا کی ترغیب:

فرمایا کہ میں اپنے دوستوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں اور خود بھی اس پر عامل ہوں کہ حق تعالیٰ سے اپنی بہبود اور فلاح کی دعا کریں۔ اور یہ بڑا عمل ہے۔ اور اس سے بڑا عمل یہ ہے کہ خدا کے راضی کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ اگر مسلمان ایسا کریں تو چند روز میں ان شاء اللہ کایا پلٹ ہو جائے۔ ملک کے حقیقی مالک حق تعالیٰ ہی ہیں۔ تو ملک جن کی مِلک ہے انہیں سے مانگو اور اس کا صحیح طریق یہی ہے کہ ان کو راضی کرو۔ (جلد۵۔ص:۵۰۔۵۱)

اہل اللہ کی خفا ہونے سے برا نہ ماننا اللہ سے تعلق کی علامت ہے:

میں ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض زیارت حاضر ہوا۔ شب کو بے وقت پہنچا۔ حضرت مولانا بہت خفا ہوئے اور مجھ پر ڈانٹ ڈپٹ کی۔ مولانا نہ میرے استاد تھے نہ پیر تھے، نہ پیر کے پیر تھے۔ حتیٰ کہ جس سلسلہ میں میں ہوں یعنی چشتیہ میں، مولانا اس سلسلہ میں بھی نہ تھے۔ کیوں کہ مولانا کا سلسلہ نقشبندی تھا۔ مگر مولانا کے خفا ہونے کا میرے دل میں ذرہ برابر ثقل [بوجھ] نہ تھا۔ میں اپنے نفس کو عین خفگی کے وقت خوش پاتا تھا۔ اور ذرا کدورت یا نفرت محسوس نہ کرتا تھا۔ اس پر میں [نے] حق تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا شکر ادا کیا۔ یہ

اللہ سے تعلق کی علامت ہے، کہ اللہ والوں کی خفگی سے دل پر کوئی ناگوار اثر پیدا نہیں ہو۔ سو جب تک قلب میں خلوص نہ ہو، طلب صادق نہ ہو، ایسی چیزوں کی برداشت نہیں کر سکتا۔ (جلد۵۔ص:۵۸۔۵۹)

حضرت حکیم الامت کی کسرِ نفسی:

فرمایا کہ اگر کوئی میرا معتقد ہو جاتا ہے تو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اِس پر مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں تو کوئی چیز نہیں، جس کی وجہ سے یہ میرا معتقد ہوا۔ اور اگر معتقد نہ ہو، تو اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو میری حالت کا مقتضا ہی ہے۔ (جلد۵۔ص:٦٠)

اچھا کپڑا، اچھا جوتا پہننے میں تکبر نہیں:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اچھا کپڑا پہننے کو جی چاہے، اچھا جوتا پہننے کو جی چاہے، کیا یہ تکبر ہے؟ فرمایا یہ تکبر نہیں۔ تکبر وہ ہے کہ حق کو رد کرکے لوگوں کو حقیر سمجھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے اس قسم کا سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی جواب دیا۔ کبھی تنگی نہیں فرمائی۔ مگر لوگ خود تنگیوں میں پڑ گئے۔ (جلد۵۔ص:٦١)

خواب کا حکم بیداری کی طرح نہیں:

فرمایا کہ ایک خط آیا ہے، ایک صاحب کی لڑکی کا رشتہ ہو رہا ہے، لڑکے والوں نے ان کو لکھا ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے۔ اور یہ فرمایا کہ شادی میں جلدی کرو۔ تو کیا آپ کی مصلحت حضورؐ کی مصلحت سے بڑھی ہوئی ہے؟ اب وہ بے چارے لڑکی والے لکھتے ہیں کہ کہیں اس وقت شادی نہ کرنا حضورؐ کے حکم کے خلاف تو نہ ہوگا؟ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ ایسے امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیداری کے ارشادات بھی محض مشورہ ہوتے تھے۔ جن پر عمل کرنے میں انسان مختار ہوتا تھا۔ وہ احکامِ تشریعیہ نہیں ہوتے تھے کہ لازم وواجب ہوں۔ اور خواب تو بیداری سے بھی ضعیف ہے۔ البتہ احیاناً (کبھی کبھی) امرِ حازم [پختہ حکم] بھی ہوتا تھا، جس کا علم قرائنِ قویہ سے ہو جاتا تھا۔ اس پر عمل واجب تھا۔

پھر زبانی ارشاد فرمایا کہ ایک طالب علم نے چاہا کہ میں شرح جامی پڑھوں۔ مولانا

دیوبندیؒ نے منع فرمایا۔اس نے اگلے روز خواب بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو شرح جامی پڑھ۔مولانا نے فرمایا کہ خواب کو تو ہم خود سمجھ لیں گے۔مگر تم شرح جامی نہیں پڑھ سکتے۔ (جلد ۵۔ص: ۷۳)

کوئی دے بھی تو مبلغینِ خانقاہ مدرسے کے لیے چندہ نہ لیں:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی طرف سے جو مبلغین بیرونجات میں تبلیغ کا کام کررہے ہیں۔ان کے وعظ اور نصائح کا لوگوں پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔اور لوگوں کو بہت بڑا نفع دین کا پہنچ رہا ہے۔لوگ بھی ان کے ساتھ محبت اور مدارات سے پیش آتے ہیں۔اور کسی کو ذرا وحشت نہیں ہوتی۔مگر لوگوں پر یہ امر بڑا شاق ہوتا ہے کہ وہ کسی کی دعوت قبول نہیں کرتے۔فرمایا کہ یہ جو اتنی خاطر مدارات ہے اور وحشت نہیں ہوتی، یہ سب اسی کی برکت ہے کہ وہ کسی سے کچھ لیتے یا کھاتے نہیں۔اگر لیتے یا کھاتے تو یہ خاطر مدارات پھر نہ ہوتی۔

......ایک مرتبہ فلاں مبلغ صاحب کچھ روپئے مدرسے کے واسطے لائے۔ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ روپیہ کہاں سے اور کیوں لائے؟ انہوں نے کہا کہ لوگوں نے اصرار کرکے مدرسہ کے واسطے دیا ہے، مجبوراً لے لینا پڑا۔میں نے ان سے کہا کہ اس روپیہ کو واپس کرو۔اور ان سے کہہ دو کہ وہ خود آکر مدرسہ میں دیں۔مبلغ صاحب نے کہا کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کاروباری لوگ ہیں، ہم کو فرصت نہیں ہوتی۔میں نے کہا کہ ان سے کہو کہ وہ منی آرڈر کردیا کریں۔انہوں نے کہا کہ فیس منی آرڈر کا بار ہوگا۔میں نے کہا کہ جو رقم مدرسہ کو دینا چاہیں اسی میں سے فیس منی آرڈر وضع کرلیا کریں۔

اگر کوئی شخص کام کرنا چاہے۔اس کے سینکڑوں راستے نکل آتے ہیں۔میں نے مبلغین سے کہہ دیا ہے کہ آپ لوگ مدرسہ کے لیے چندہ جمع کرنے کو نہیں رکھے گئے۔تمہارا کام صرف لوگوں کو ہدایت کرنا اور مسائلِ دینیہ بتانا ہے۔مدرسہ جدا چیز ہے اور تبلیغ کا کام جدا ہے۔فرمایا کہ یہ وعظ کا اثر اور مبلغ کی وقعت اسی کی برکت سے ہے کہ کسی سے لینے کھانے کا معاملہ نہیں رکھا گیا۔آج کل مبلغین کو اس کی بڑی ضرورت ہے کہ وہ ان امور کی احتیاط رکھیں۔ورنہ وعظ میں جو تین چار گھنٹے دماغ صرف ہوتا ہے اور محنت ہوتی ہے، سب بے کار جائے گا مقصود حاصل نہ ہوگا۔ (جلد ۵۔ص: ۸۳۔۸۴)

پورب کے بعض اضلاع میں علماء کے لیے غایت تکلف:

فرمایا کہ پورب کے بعض اضلاع میں علماء کے لیے بہت کچھ لوگ تکلفات کرتے تھے۔ وہاں کے بعض علماء نے لوگوں کو اس قسم کی عادتیں ڈال رکھی تھیں۔ادھر ایک مولوی صاحب تھے، جو اچھی خاصی حکومت کرتے تھے۔ان ہی مولوی صاحب کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر گئے۔کسی نے حاکم کے یہاں درخواست دے دی کہ فلاں مولوی صاحب آئے ہیں۔ان کے وعظ سے اندیشہ بلوہ کا ہے۔حاکم نے کوتوال کو حکم دیا کہ تم جا کر مولوی صاحب سے آنے کی وجہ معلوم کرو۔اور اس کا انتظام کرو کہ کوئی فساد نہ ہو۔کوتوال مولوی صاحب کے پاس آیا۔مولوی صاحب نے صورت دیکھتے ہی خدام کو حکم دیا کہ اس کی داڑھی جو چڑھی ہوئی ہے اس کو اتار دو اور گٹوں سے نیچا پاجامہ ہے اس کو کاٹ ڈالو۔فوراً کوتوال صاحب کی داڑھی اتار دی گئی اور پائینچے کاٹ دیے گئے۔اور اس کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جاؤ ہم تم کو کوئی جواب دینا نہیں چاہتے۔جب بلوہ ہوگا اس وقت گرفتار کرنے کے لیے آنا۔وہ بے چارہ جان بچا کر بھاگا۔مگر ہمارے بزرگوں کا یہ طرز نہ تھا۔

غرض وہاں کا یہ رنگ تھا۔اور ایسے حضرات کے لیے خوب تکلفات ہوتے تھے۔پھر جب سے میں ان اطراف میں جانے لگا یہ تکلفات بہت کم ہوگئے۔پہلے یہ حالت تھی کہ کوئی عالم پہنچ گیا تو اس کے ساتھ پچاس پچاس آدمیوں کی دعوتیں ہوتی تھیں۔میں نے اس رسم کو اس ترکیب سے مٹایا کہ میں کہہ دیتا تھا کہ میں تنہا کھاؤں گا۔کسی کے ساتھ نہ کھاؤں گا۔اس حالت میں دوسروں کی مستقل دعوت کون کرتا۔غریب لوگ اس پر بہت خوش ہوئے۔اس لیے کہ وہ بے چارے پچاس آدمیوں کی دعوت کی ہمت نہ رکھتے تھے۔مگر رسم سے مجبور تھے۔نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ دعوت کر کے اظہار محبت سے محروم رہتے۔

اور ایک یہ رسم تھی کہ واعظ صاحب کے چلنے کے وقت ایک شخص آگے آگے چلتا تھا، راستہ صاف کرتا ہوا۔میرے ساتھ بھی اول یہی برتاؤ ہوا۔ہم غریب لوگ، نہ ایسی باتیں خود پسند کریں۔ اور نہ اپنے بزرگوں کو ایسا کرتے دیکھا۔میں نے اس کا انسداد اس طرح کیا کہ اول ان سے کہا کہ یہ کیا بے ادبی ہے آگے آگے مجھ سے چلتے ہو؟ کہنے لگے کہ راہگیروں کے ہجوم سے آپ کو تکلیف

ہو گی۔ میں نے کہا کہ کیا راستہ آپ کی یا میری مِلک ہے؟ اگر وہ نہ بچیں گے ہم بچ جائیں گے۔ یہ رسم ختم ہوئی۔

ایک رسم یہ تھی کہ وہاں پر اکثر راستہ پالکی میں چلنا ہوتا تھا۔ میں پالکی میں بیٹھا جا رہا تھا کہ چند لوگ کچھ داہنے اور کچھ بائیں پالکی کے ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے؟ کہا کہ آپ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے دوڑ رہے ہیں۔ شاید راستہ میں کوئی ضرورت ہو۔ میں نے کہا کہ تو اس کی کیا ضرورت ہے کہ برابر ہی میں دوڑو کیا پیچھے رہ کر نہیں دوڑ سکتے؟ اس کہنے سے وہ سب پیچھے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں جو دیکھتا ہوں تو دوڑنے والوں میں سے ایک بھی نہ تھا۔ وہ تو سب میرے دِکھلانے کے واسطے دوڑ رہے تھے، کہ ہم بھی ایسے جاں نثار ہیں۔ یہ رسم بھی ختم ہوئی۔

ایک مقام ہے ضلع اعظم گڑھ میں ندوا سرائے۔ میں وہاں بلایا ہوا گیا تھا۔ وہاں کے زمیندار نے رخصت کے وقت رومال میں بندھے ہوئے غالباً دوسو روپیہ بطور نذرانہ پیش کئے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ آپ کی طرف سے ہے؟ کہنے لگے کہ سب گاؤں کی طرف سے ہے۔ یہاں پر دستور ہے کہ جب کوئی عالم آتا ہے تو رخصت کے وقت گاؤں کی طرف سے نذرانہ دیا جاتا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ خود دیتے ہیں یا مانگنے پر دیتے ہیں۔ کہا کہ ان سے جمع کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ یہ رقم جن جن کی ہے سب کو واپس کر دی جائے۔ اور کہہ دیا جائے جس کو دینا ہو یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر فلاں مقام ہے، آج وہاں ٹھہروں گا، وہاں آ کر دیں۔ اس لیے کہ لینے والے کو تو معلوم ہو کہ فلاں شخص نے یہ چیز دی اگر قبول کر لی جائے تو اس کو بھی خوشی ہو اور وہ بھی خوش ہو۔ چنانچہ سب رقم واپس کر دی گئی۔ مگر اس کے بعد ایک بھی تو نہیں آیا۔ یہ رسم بھی ختم ہوئی۔

بات یہ ہے کہ جن بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں یہ سب ان کی برکت ہے۔ ان حضرات کو اس ہی طرز پر دیکھا۔ وہی باتیں پسند ہیں۔ میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔ انہیں حضرات کی صحبت کی برکت ہے اور اسی کا یہ اثر ہے۔

گِلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری که از بوئے دل آویزِ تو مستم
بگفتا من ِگل نا چیز بودم ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم، کہ ہستم

(ایک روز ایک خوشبودار مٹی ایک حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے مجھ کو ملی۔ میں نے اس مٹی سے کہا کہ تو مشک ہے یا عبیر ہے؟ کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہو گیا۔ مٹی نے کہا: میں تو ناچیز مٹی ہی تھی۔ مگر ایک عرصہ تک پھولوں میں رہی ہوں۔ لہٰذا ہمنشیں خوشبو نے مجھ میں اثر کر دیا ہے۔ ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو پہلے تھی)۔

اس مقام پر ایک اور بات بھی سمجھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ میں نے جو کہا ہے کہ سب بزرگوں کی برکت ہے۔ چھوٹوں کو تو یہی سمجھنا چاہیئے۔ مگر بزرگوں کو یہ ناز نہ ہونا چاہیئے کہ یہ ہماری ہی سب برکتیں ہیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کبھی چھوٹوں کی بھی برکت ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ مجھ کو مہمان ہونے کی حالت میں ایک صاحبِ جاہ و مال کے پاس شب کو سونے کا اتفاق ہوا۔ اس روز جماعت تو بڑی چیز ہے، نماز فجر میں احتمال ہوا کہ ادا بھی ہوئی یا کہ قضا ہو گئی۔ اس روز چھوٹوں کی برکت محسوس ہوئی، کہ جن کو ہم اپنا چھوٹا سمجھتے ہیں، ان ہی میں ملے جلے رہنے کی یہ برکت ہے کہ نماز بھی وقت پر میسر ہو جاتی ہے۔ مجھے تو چھوٹوں کی برکت آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ تو وہ ضابطہ سے چھوٹے ہیں، ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑے ہوں۔ (جلد۵۔ص:۸۴۔۸۶)

کشیدگی والے میرے دشمن نہیں:

فرمایا: میں نہایت خوش دلی سے اپنے احباب کو اجازت دیتا ہوں کہ جن حضرات کو مجھ سے کشیدگی ہے، ان سے میری وجہ سے اپنے تعلقات کو نہ بدلیں اور نہ چھوڑیں۔ بلکہ ویسے ہی تعلقات رکھیں جیسے کہ پہلے سے آپس میں ہیں۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میرے احباب کے تعلقات میں بے لطفی ہو۔ اور خدانخواستہ وہ کشیدگی والے بھی میرے دشمن نہیں۔ نیز پسِ پشت جو کچھ بھی کرتے ہوں یا کہتے ہوں، مگر سامنے آکر وہ بھی نیازمندی ہی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور میں اپنے اس مذاق کو سب حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت سمجھتا ہوں۔ اور یہ اثر بھی ان ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ مخالف سے مخالف بھی

سامنے آ کر سرنگوں ہو جاتا ہے۔ ورنہ میرے اندر ایسی کوئی چیز نہیں کہ جس کا یہ اثر ہو۔ نہ مجھ میں کوئی علمی ہی قابلیت ہے، نہ مالی ہی وجاہت ہے، نہ کوئی جاہی قوت ہے، ایک غریب آدمی ہوں، غریب شیخ زادہ کا لڑکا ہوں۔ پھر یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے سب حق تعالیٰ کا فضل اور حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ اسی کی فرع ہے کہ میں اپنے دوستوں کو ہمیشہ اس معاملہ میں آزادی دیتا ہوں، کہ وہ میری وجہ سے اپنے ایسے دوستوں سے جن کو مجھ سے کشیدگی ہے بے لطفی اور بے تعلقی نہ پیدا کریں۔ اگر ان سے تعلقات رکھے جائیں، مجھ پر بحمداللہ ذرا اثر نہ ہوگا۔ البتہ اس کے عکس پر تعجب نہیں کہ اثر ہو۔ [یعنی اگر میری وجہ سے کسی تعلق والے سے بے تعلقی کی گئی تو مجھے تکلیف و ناراضگی ہوگی]۔ (جلد۵۔ص:۸۸۔۸۹)

مذہب حنفی میں کوئی کمزوری نہیں:

ایک مولوی صاحب کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ حنفیت میں بہت ہی ڈھیلے تھے۔ مگر اب یہ کہنے لگے ہیں کہ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک امام صاحب پہنچے وہاں تک کوئی بھی نہیں پہنچا۔ ابن تیمیہ وابن القیم کے اب بھی بے حد معتقد ہیں۔ مگر اب اس تغیر مذکور کے بعد ان کی بھی کچھ زیادہ رعایت نہیں کرتے۔ چنانچہ ابن القیمؒ نے حنفیہ کے بعض فروع پر جو اعتراض کئے ہیں ان ہی مولوی صاحب نے ان کا بڑے شدومد سے جواب لکھا ہے۔ اور واقعی بات یہ ہے کہ حنفیہ پر اکثر خواہ مخواہ کی بدگمانی کر لی گئی ہے۔ ورنہ بے غبار مسائل پر اعتراض عجیب بات ہے۔ مذہب حنفی کو بعضے نادان حدیث سے بعید سمجھتے ہیں مگر مذہب میں اصل چیز اصول ہیں۔ سو ان کے اصول کو دیکھا جائے تو سب مذاہب سے زیادہ اقرب الی الحدیث ہیں۔ ان ہی اصول کے توافق کی بناء پر میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ حنفیہ کے اصول پر نظر نہ کرنے سے ان کو ہمیشہ بدنام کیا گیا ہے۔ اسی طرح چشتیہ کے اصول پر نظر نہ کرنے سے ان کو بھی بدنام کیا گیا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ جب حضرات چشتیہ کے اس قدر پاکیزہ اصول ہیں، پھر یہ بدنام کیوں ہیں؟ میں نے کہا کہ زیادہ تر سماع کی وجہ سے۔ اگر یہ گانا نہ سنتے تو ان سے زیادہ کوئی بھی نیک نام مشہور نہ ہوتا۔ مگر الحمدللہ کہ ہمارے سلسلے کے قریب کے حضرات تو بالکل ہی نہ سنتے تھے۔ سو ماشاء اللہ ان سے نفع بھی بہت ہوا۔ (جلد۵۔ص:۸۹)

امام مہدی کونقشبندی یا حنفی کہنا غلو ہے:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض لوگوں نے یہ مشہور کیا ہے کہ امام مہدی نقشبندی ہوں گے۔ فرمایا کہ یہ تو میں نے نہیں سنا۔ البتہ بعض حنفیوں نے لکھا ہے کہ وہ حنفی ہوں گے۔ مگر یہ غلو ہے۔...... باتیں دعوے کی دل کو نہیں لگتیں۔ اس میں تو ایک گونہ اہانت ہے امام مہدی علیہ السلام کی۔ ان کا طرز صحابہ کا سا ہوگا وہ نہ نقشبندی ہوں گے، نہ چشتی، نہ حنفی۔ وہ تو دین کے ہر شعبہ میں خود مستقل شان رکھتے ہوں گے۔ (جلد ۵۔ص:۹۰)

طریق میں محبت کی اہمیت:

طریق میں بعد تصحیح عقائد و اعمال ضرور یہ کے سب سے بڑی چیز محبت ہے۔ اس کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ مراقبات سے بھی زیادہ تر یہی مقصود ہے کہ ان سے یکسوئی ہو اور یکسوئی سے محبت۔ (جلد ۵۔ص: ۹۰)

توحید و شرک کے بارے میں لوگوں کی بے احتیاطی:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر مردہ کو دفن کرنے کے بعد سرہانے پائینتی کھڑے ہو کر اور قبر پر انگلی رکھ کر سورۂ بقرۃ کا اول اور آخر پڑھتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ یہ پڑھنا تو ثابت ہے۔ مگر انگلی رکھ کر پڑھنا ثابت نہیں۔

پھر عرض کیا کہ اس کے پڑھنے کے بعد قبر پر کل حاضرین ہاتھ اٹھا کر مردہ کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ فرمایا ویسے ہی دعا کر دینا اور ثواب پہنچا دینا چاہئے، ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے۔ قبر کی طرف منھ کر کے اور ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کو فقہاء نے منع کیا ہے۔ اس میں صاحب قبر سے استفادہ [فائدہ مانگنے اور صاحب قبر سے دعا] کا شبہہ ہوتا ہے [جو ناجائز اور شرک ہے]۔ ہاں! قبر کی طرف پشت کر کے دعا مانگنا جائز ہے۔ اسلام میں توحید کی بے حد حفاظت کی گئی ہے۔ مگر لوگ خیال نہیں کرتے گڑبڑ کرتے ہیں۔ ان ہی باتوں سے بدعات پیدا ہو گئی ہیں۔

(جلد ۵۔ص:۹۵)

اہل علم کو جلد نفع کیوں ہوتا ہے؟

بعض کو شبہہ ہو جاتا ہے کہ اکثر اہل علم کو جلد نفع ہوتا ہے۔ گویا بے کیے ہی مقصود حاصل ہوتا ہے۔ اس سے آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ بدون مجاہدہ کے کام ہو گیا۔ مگر ایسا ہر گز نہیں۔ وہ جو دس برس یا بیس برس تک کتاب کو سامنے رکھ کر آنکھیں سینکتے رہے ہیں اور تمام تمام شب اور تمام تمام دن رٹتے رہے ہیں، یہ کیا تھوڑا مجاہدہ ہے۔ اِسی مجاہدہ سے ان میں استعداد پیدا ہوگئی۔ سو کام مجاہدہ ہی سے ہوا۔ اول مجاہدہ ہوا، پھر مقصود کی اہلیت و استعداد پیدا ہوگئی۔ اور کسی کامل کی توجہ سے وہ مستقل اور راسخ ہوگئی۔ باقی اگر نری توجہ سے کوئی کیفیت پیدا ہوگئی، تو وہ بھی مستقل نہ ہوگی، ایک عارضی ہوگی۔ جیسے جب تک لحاف میں رہے گرمی ہے، باہر نکلے پھر وہی ٹھنڈے کے ٹھنڈے۔ کیونکہ وہ گرمی عارضی بات تھی۔ اور ایک گرمی انڈے کا حلوہ کھانے سے ہوتی تھی۔ سو یہ گرمی مستقل ہوگی۔

سو نری توجہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اصل چیز تربیت ہے۔ سو اس میں عمل کی تعلیم لازم ہے۔ اور بدون تربیت و مجاہدہ کے انسان قطب اور غوث تو ہو سکتا ہے، مگر مقصود [یعنی رضاء خداوندی] حاصل نہیں کر سکتا۔ اور مجاہدہ بھی کوئی معین مدت کا نہیں، بلکہ شرط یہ ہے کہ آدمی ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں لگا رہے۔ اور یہ لگا رہنا ہی بڑی دولت [اور] بڑی نعمت ہے۔ (جلد ۵۔ص:۱۰۴)

عشق خدا سب سے بڑی دولت:

اور عشاق کی تو مجاہدۂ دائمی میں یہی شان ہوتی ہے، کہ ان کی ساری عمر رونے پیٹنے میں کٹتی ہے آنکھ اور دل سے۔ جس کا سرچشمہ وہی عشق و محبت ہے۔ اسی کو کسی نے خوب کہا ہے۔

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں   یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

(یا اللہ! یہ محبت کیسا چشمہ ہے؟ کہ میں نے ایک قطرہ اس کا پیا تھا۔ اور آنکھوں سے رو رو کر دریا بہا دیے ہیں)

اور واقعی محبت ایسی ہی عجیب چیز ہے کہ اس کا ایک قطرہ اخیر میں دریا سے بھی بڑھ جاتا ہے۔......غرض کام کرنا ضروری ٹھہرا، مگر اخلاص کے ساتھ پھر اگر کوئی ملامت کرے یا ریاء وغیرہ کا شبہہ کرے، پرواہ بھی نہ کرنا چاہیے۔ (جلد ۵۔ص:۱۰۴۔۱۰۵)

ذکر جلی اور ریا کی حقیقت:

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو ذکر جہر کی تعلیم فرمائی۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت! اس سے تو ریاء ہو جائے گی، ذکر خفی کر لیا کروں؟ فرمایا کہ جی ہاں! اس میں ریاء نہیں ہے کہ گردن جھکا کر بیٹھ گئے؟ چاہے سو ہی رہے ہوں، مگر دیکھنے والا سمجھے کہ نہ معلوم عرش و کرسی کی سیر کر رہے ہیں یا لوح و قلم کی؟ تو صاحب! اظہار کا نام ریاء نہیں ہے۔ [یعنی بغیر دکھاوے کی نیت کے کوئی عمل ایسے کیا جائے کہ کسی کو نظر آ جائے، اس کا نام ریا نہیں ہے۔] جب اظہار کا قصد ہو اس کا نام ریاء ہے۔ اور اگر ریاء ایسی ہی سستی ہے تو اسلام [کا] اخفاء کیوں نہیں کرتے جو اصل جڑ ہے۔ (جلد ۵۔ص: ۱۰۵۔۱۰۶)

حالات کی تبدیلی کے لیے ہماری تدبیریں کیوں نتیجہ خیز نہیں ہوتیں؟

[مسلمانوں کے غلبہ کے لیے کی جانے والی] تدابیر کی تاثیر موقوف ہے مشیتِ [الٰہی] پر اور مشیت مسلمان کے لیے موقوف ہے رضا پر۔ اس لیے کہتا ہوں کہ بدون حق جل علی شانہ کو راضی کئے ہوئے اور مشروع تدابیر کو اختیار کئے ہوئے مسلمانوں کو فلاح اور بہبود میسّر ہونا محال ہے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے جو میں تم کو بتلا چکا ہوں کہ اللہ اور رسول کو راضی کرنے کی فکر اور مشروع تدابیر کو اختیار کرو۔ اپنے دوست دشمن کو پہچانو۔ سلیقہ اور طریقہ سے کام کرو۔ اور جو کام بھی کرو متحد ہو کر کرو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے اپنے کو چھوٹا سمجھے۔ اور یہ چھوٹا سمجھنا ہی صورت اتفاق کی ہے۔ اور آج کل کی یہ ساری خرابیاں بڑے بننے کی ہیں۔

اور یہ سب ضروری تفصیل ہے تدابیرِ مشروعہ کی۔ ان کو اختیار کرو، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ فتح اور نصرت تمہاری لونڈی غلام بن کر تمہارے ساتھ ہوگی۔ کیا تم نے اپنے سلف کے کارنامے نہیں سنے؟ کہ مادیات کا ان کے پاس نام و نشان نہ تھا۔ ہر طرح کی بے سرو سامانی تھی۔ مگر بڑے بڑے قیصر و کسریٰ اور بڑی بڑی منظّم جماعتیں غیر مسلم اقوام کی ان سے لرزاں اور ترساں تھیں۔ آخر کیا چیز ان کے پاس تھی؟ وہ صرف ایک ہی چیز تھی، جس کا نام تعلق مع اللہ ہے۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق تھا۔ بس سب اس کی برکت تھی۔ ہمارے اندر اسی کی کمی ہے۔ اس لیے ذلیل اور خوار ہیں۔ حق تعالیٰ فہم سلیم عطا

فرمائیں کہ صحیح طریق پر چلیں اور دارین کی فلاح پر فائز ہوں۔ (جلد ۵۔ص:۱۱۴)

آج کل خاصان حق کی صحبت فرض عین ہے:

فرمایا کہ آج کل زمانہ نہایت ہی پرفتن ہے۔اس میں تو لوگوں کے ایمان کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ چہار طرف سے بددین، ملحد، زندیق بنانے کی سعی اور کوشش کی جارہی ہے۔اس لیے بزرگوں کی صحبت کی سخت ضرورت ہے۔اور اس موجودہ زمانہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے میں تو خاصان حق کی صحبت کے فرض عین ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں۔ ان کے ساتھ وابستہ رہنے سے لوگ اپنے ایمانوں کو سلامت تو رکھ سکیں گے۔تو جو چیز شرط ہو دین اور ایمان کی حفاظت کی اس کے فرض عین ہونے میں کیا کسی کو شبہ ہوسکتا ہے؟ (جلد ۵۔ص:۱۱۶)

توجہ و تعلق مع اللہ کا بس ایک ہی طریق ہے:

اس توجہ و تعلق مع اللہ کا بس ایک ہی طریق ہے۔ وہ یہ کہ قلب کو دوسروں سے خالی کرو۔ پھر سب کچھ ہوسکتا ہے۔مگر خالی کرنے کے متعلق اس کا انتظار غلطی ہے کہ پہلے دنیا سے یا دنیا کے تعلقات سے قلب کو خالی کرلیں پھر تب یادالٰہی میں مشغول ہوں گے۔اس کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ کام شروع کردو۔[یعنی شیخ کا بتایا معمول پورا کرو]۔اس سے وہ آپ سے آپ خالی ہوتا رہے گا۔مگر کام کا مؤثر ہونا محبت سے ہوتا ہے۔اس لیے پہلے حق تعالیٰ سے محبت پیدا کرو۔اور محبت پیدا کرنے کا طریق یہ ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ان کی صحبت سے قلب میں ایک آگ پیدا ہوگی، جو سب ماسوا کو فنا کردے گی۔اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(عشق وہ آگ ہے جب یہ بھڑکتی ہے تو معشوق کے سوا سب کو جلا پھونک دیتی ہے)

اور اگر اس تدبیر مذکور سے قلب کو خالی نہ کیا بلکہ تعلق مع اللہ کے ساتھ ماسوی اللہ کے تعلقات مانعہ کو بھی جمع رکھنا چاہا، تو سمجھ لو کہ قلب کیا ہوا، مرادآباد اسٹیشن کا اسلامی مسافرخانہ ہوا۔ کہ نگینہ والے بھی اس میں ہیں، بچھراؤں والے بھی اس میں ہیں، بریلی والے بھی، سہارن پور والے

بھی۔غرض قلب کیا سرائے ہے؟ جس کو دیکھو وہاں پر موجود ہے۔اور سب کا دار القیام بنا ہوا ہے۔ پس ہر مقصود کو اس کے صحیح طریقہ سے حاصل کرو۔ (جلد ۵۔ص:۱۲۲)

[حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لیے تعلقات مانعہ سے قلب کو خالی کرنے کو ضروری بتایا ہے۔اس میں مانعہ کی شرط کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جو تعلقات محبت الٰہی کے حصول میں رکاوٹ بنتے ہیں، بس ان سے دل کو خالی کرنا ضروری ہے۔ مثلاً بیوی کی ایسی محبت جو اللہ کے احکام اور دین میں رکاوٹ بنے، تو ایسی محبت سے قلب کو خالی کیا جائے گا۔ باقی بیویوں سے محبت تو رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ مومن کا حال یہ ہونا چاہیے کہ وہ بیوی، بچوں، سب سے محبت کرے، مگر اللہ کے حکم کے تابع رکھ کر۔ اور اس کا نقطۂ نظر یہ ہونا چاہیے کہ اِن چیزوں سے حدود کے اندر محبت کرنا شریعت کا حکم اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ غرض ہر چیز کو اللہ کی محبت کے تابع کرنے کا مزاج بنالے۔ بس یہی سارے دین کی کنجی ہے۔ اور عادۃً یہ چیز اللہ والوں کی صحبت اور ذکر الٰہی کی کثرت سے ہی حاصل ہوتی ہے]۔

ہر انسان کی حالت جدا ہے:

ایک ہی چیز کا مادہ ایک شخص میں اور ہے دوسرے میں اور۔ اسی لیے میں جس کے لیے جو مناسب سمجھتا ہوں اس کو وہی تعلیم کرتا ہوں۔ اور ایک کی حالت پر دوسروں کی حالت کو قیاس کرنا سخت نادانی ہے۔ جیسے بعضے لوگ بزرگوں کا لباس دیکھ کر خود بھی اس کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دو شخصوں کا ایک ہی فعل ہے دونوں کی ظاہری ایک ہی صورت ہے مگر زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔...... اسی وجہ سے مولانا یہ بھی فرماتے ہیں کہ اپنی حالت پر دوسروں کی حالت کو قیاس نہ کرو۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ مانند در نوشتن شیر وشیر

(پاک لوگوں کے کاموں پر اپنے کاموں کو قیاس مت کرو۔ (دیکھو شیر جانور) اور شیر (بمعنی دودھ) ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں، مگر دونوں میں حقیقت کے اعتبار سے کس قدر فرق ہے)

تو اہل اللہ اور خاصان حق کا کھانا، پہننا، چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، ہنسنا، رونا، بولنا، خاموش

رہنا، سب اللہ ہی کے واسطے ہوتا ہے اور ﴿قل اِن صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین﴾ کا مصداق ہوتا ہے۔ ان کے اچھے لباس کو دیکھ کر، ان کے سامان کو دیکھ کر، نہ ان پر معترض ہو نہ ہر موقع پر ان کی نقل کرو۔ اسی بناء پر جس کے لیے جو مناسب سمجھتا ہوں تعلیم کرتا ہوں۔ سب کو ایک لکڑی [سے] نہیں ہانکتا۔

اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ کسی نعمت کا استعمال مذموم اور برا نہیں۔...... اس کی طرف درجۂ مقصودیت میں التفات کا رہنا برا ہے۔ [یعنی یہ برا ہے کہ آدمی دنیا کی نعمتوں ہی کو اپنا مقصود بنا لے۔ اور اسی کی فکر میں رہا کرے کہ زیادہ سے زیادہ نعمتیں ملیں]۔ اس لیے کہ ایسا التفات [اور توجہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ] مُنعم کی طرف ہونا چاہیئے۔ (جلد ۵۔ ص: ۱۳۰)

شاید آنے والے ہی میری نجات کا ذریعہ بن جائیں:

ایک صاحب کی سخت تنبیہ کی بعد فرمایا: مجھ کو کوئی آنے والوں سے نفرت یا بغض تھوڑا ہی ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ ان کی اصلاح ہو۔ جن امراض میں ابتلاء ہے ان سے نجات ہو۔ اور میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ ان آنے والوں کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اور یہ سمجھتا ہوں کہ شاید یہی ذریعہ نجات ہو جائیں۔ اور اپنے اس طرز پر مجھ کو ناز نہیں۔ اس طرز کے استعمال کے بعد بھی حق تعالیٰ سے دعا کرتا رہتا ہوں اور ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں حد سے تجاوز نہ ہو جائے۔ (جلد ۵۔ ص: ۱۴۸)

حضرت کا فقہی توسُّع:

یہاں ایک طالب شافعی مذہب کے آئے تھے۔ موپلوں کی قوم سے تھے۔ زبان بھی عربی تھی۔ نماز میں آمین بالجہر کہتے تھے۔ مگر بہت دبی آواز سے۔ میں نے ان کو محض اس خیال سے کہ شاید یہاں کے ادب کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، کہلوا دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے سنت کو چھوڑا جائے۔ بے تکلف آمین کہو۔ مگر اس انداز سے جیسے اپنے شافعی بھائیوں [کے بیچ] کہتے تھے۔ وہ اس پر بہت خوش ہوئے کہ یہاں اس قدر وسعت اور رعایت ہے۔ جو کہیں نہیں دیکھی گئی۔

(جلد ۵۔ ص: ۱۵۸)

مجدد وقت ہونے کا ظن:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجدد وقت ہیں؟ جیسا بہت لوگوں کا خیال ہے۔ فرمایا کہ احتمال تو مجھ کو بھی ہے۔ مگر اس سے زائد نہیں۔ جزم اوروں کو بھی نہ کرنا چاہیے۔ ظن کے درجے میں گنجائش ہے۔ باقی قطعی یقین کسی مجدد کا بھی نہیں ہوا۔ جس پر جتنا اور جس درجہ کا بھی فضل ہو جائے۔ ﴿**ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء. واللہ ذوالفضل العظیم**﴾ **الحمد للہ حمداً کثیراً مبارکاً فیه۔** (جلد۵۔ص:۱۶۱)

عشقی تعلق کے بغیر نبی کی اتباع کا حق ادا نہیں ہو سکتا:

سچ یہ ہے کہ حقوق اتباع کے جب ہی ادا ہوتے ہیں جب متبوع سے عشقی تعلق ہو۔

(جلد۵۔ص:۱۶۳)

بانی کے خیالات کا اثر اداروں میں ضرور باقی رہتا ہے:

جس وقت سر سید نے اس علی گڑھ کالج کی بنیاد ڈالی تو...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے...... فرمایا کہ سنت اللہ یہ ہے کہ جس چیز کی بنا ڈالی جاتی ہے بانی کے خیالات کا اثر ساتھ ساتھ اس میں ضرور ہوتا ہے۔ سو...... ان کے ہی خیالات کے آثار اس بناء میں ضرور ظاہر ہوں گے۔ (جلد۵۔ص: ۱۶۶۔۱۶۷)

کسی کی ملامت کے خوف سے نیک کام چھوڑنا:

فرمایا کہ ملامت خلق کی وجہ سے کسی نیک کام کو چھوڑ دینا اس کی دلیل ہے کہ اس کے کام خلق کے رضا کے واسطے ہوتے ہیں۔ باقی اہل حق ہمیشہ بدون کسی کی ملامت اور خوف کے اظہار حق کرتے ہیں۔ ان ہی کی شان میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿**لا یخافون فی اللہ لومة لائم**﴾ دیکھئے حضرت زینبؓ سے نکاح کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعاً خیال تھا کہ ملامت ہوگی مگر اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**تخشی الناس واللہ أحق ان تخشاہ**﴾ البتہ ملامت سے قطع نظر کوئی دینی ضرر ہو، وہاں خیالات عامہ کی رعایت کی جاوے گی۔ اسی لیے حطیم کو بیت اللہ میں

داخل کرنے پر جو ملامت ہوتی، اس کی رعایت فرمانے پر حق تعالیٰ نے کچھ نہیں فرمایا۔ غرض اہل اللہ کا جو فعل اور قول ہوتا ہے وہ محض اللہ کے واسطے ہوتا ہے۔ کسی کی ملامت کا ذرہ برابر ان پر اثر نہیں ہوتا۔

(جلد ۵۔ ص: ۱۷۰۔۱۷۱)

دین اور اہل دین کی تعظیم بہت ضروری ہے:

دین تو بڑی چیز ہے، اگر اہل دین اور بزرگوں ہی کی عظمت قلب میں ہو، تو اس سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے، ایمان قوی ہوتا ہے، ایمان میں رسوخ ہوتا ہے۔ کیونکہ منشأ اس عظمت کا دین ہے۔ تو اہل دین کی تعظیم دین ہی کی تعظیم ہے، گو بواسطہ سہی۔ تو بلا واسطہ کا تو کیا پوچھنا؟ اس وقت جو خیر و برکت دنیا سے اٹھ گئی، اس کا اصلی راز یہی ہے کہ دین اور اہل دین کی عظمت قلوب سے نکل گئی۔ بدعملی بھی بری چیز ہے، مگر دین کی وقعت اور عظمت کا نہ ہونا، یہ نہایت ہی خطرناک چیز ہے۔ اس سے ایمان کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے جس کے قلب میں دین کی عظمت نہ ہو، اس کو جلد سے جلد توبہ اور اصلاح کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ (جلد ۵۔ ص: ۱۷۶)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ میں خداداد ہیبت:

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں خداداد ہیبت تھی۔ جب مدرسہ میں آ کر بیٹھ جاتے تھے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ سارا مدرسہ انوار جلال سے بھرا ہوا ہے۔ یہ چیزیں خداداد ہوتی ہیں۔ کسی کے کسب کو اس میں دخل نہیں۔ بننے بنانے سے یہ چیزیں حاصل نہیں ہوتیں۔ یہ عطاءِ حق ہے، جس کو بھی عطا فرما دیں۔ (جلد ۵۔ ص: ۱۸۰)

حضرت گنگوہیؒ کا حسن قرأت:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تمام کمالات کے جامع تھے۔ قرآن شریف نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ حضرت کے پیچھے نماز میں اس قدر جی لگتا تھا کہ جی یہ چاہتا تھا کہ سلسلہ قرأت کا ختم نہ ہو۔

(جلد ۵۔ ص: ۱۸۳)

حضرت تھانویؒ کا تعلق حضرت گنگوہیؒ سے:

حضرتؒ کی عجیب شان تھی۔ مجھ کو مولاناؒ سے بہت ہی مناسبت تھی۔ میں نے اول طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ مگر جب حضرت مولانا نے طالب علمی کی وجہ سے بیعت نہیں فرمایا۔ اس کے بعد اتفاقاً حضرت حج کو تشریف لے جا رہے تھے، میں نے حضرت حاجی صاحبؒ کو ایک عریضہ لکھا۔ اور اس میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شکایت بیعت نہ کرنے کی لکھی۔ اور حضرت مولانا کو وہ عریضہ دیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پیش فرما دیں۔ حضرت مولانا نے لے جا کر وہ عریضہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پیش فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم ہی پڑھ کر سنا دو۔ مولانا نے پڑھ کر سنایا۔ پھر آپس میں کچھ گفتگو ہو کر حضرت حاجی صاحبؒ نے تحریر فرمایا کہ ہم نے تم کو بیعت کر لیا۔ بعد فراغِ علم اگر شغل کرنا چاہو گے تو مولانا گنگوہی یا مولانا محمد یعقوب صاحب سے دریافت کر لینا۔ مگر مشغلۂ علم کو کبھی ترک مت کرنا۔

یہ کتنی بڑی عنایت ہوئی۔ اور الحمدللہ ہمیشہ بزرگوں کی نظرِ عنایت ہی رہی۔ بس یہی ایک ذخیرہ ہے۔ ورنہ عمل وغیرہ تو جیسے کچھ ہیں وہ معلوم ہیں۔ تو گویا اپنی کمائی کبھی نہیں ہوئی۔ ہمیشہ مفت خوری ہی میں گزری۔ اور جیسے یہاں گزری ویسے ہی امید وہاں گزر جانے کی ہے۔ اہل اللہ اور خاصانِ حق کی محبت اور عنایت بڑی نعمت ہے یہ خالی کبھی نہیں ہوتی۔ (جلد۵۔ص:۱۸۳)

وساوس کا علاج وظائف نہیں:

فرمایا کہ آج ایک خط آیا ہے لکھا ہے کہ وساوس زیادہ آتے ہیں، ان کے لیے کوئی وظیفہ بتا دیجئے۔ اب بتلائیے! کہ یہ وظائف کا کام ہے؟ یہ اس طریق سے بے خبری کی دلیل ہے۔ جب تک انسان کو حقیقت کی خبر نہ ہو، ایسے ہی بے تکی ہانکا کرتا ہے۔ ایک صاحب کا خط آیا تھا کہ قلب میں وساوس آتے ہیں اس کے واسطے کوئی ورد بتلا دو۔ یہ صاحب ایک بہت بڑے شیخ سے مرید ہیں۔ اور یہ آج تک خبر نہ ہوئی کہ وساوس کا علاج کہیں اوراد یا وظائف سے ہوتا ہے؟ اسی لیے کہا

کرتا ہوں کہ نری بیعت سے کام نہیں چلتا جب تک کہ کسی محقق کے پاس نہ رہے۔

(جلد ۵۔ص:۱۸۴)

بزرگوں کی صحبت اکسیر اعظم ہے:

فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت اکسیر اعظم ہے۔ بدون اس کے کچھ نہیں ہوتا، خواہ اپنے کو کیسا ہی بڑا سمجھے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ ایک کلمہ کہہ دیا ساری عمر کے لیے قلب پر نقش ہوگیا۔ اب انفکاک محالِ عادی ہے [یعنی یہ حال ہوجاتا تھا کہ وہ بات دل سے نکل ہی نہیں سکتی تھی]۔ قلب کے اندر گھس جاتا ہے، یہ حالت ہے اس کے اکسیر ہونے کی۔ اور یہ چیز اگر بچپن ہی سے میسر ہوجاوے تو اور زیادہ عجیب ہے۔ پھر وہ چاشنی ساری عمر رہے گی۔ مولانا فتح محمد صاحبؒ میرے استاد تھے، ان کی صحبت بچپن میں مل گئی۔ اس نے سب کام بنادیا۔ الحمدللہ دل میں اسی وقت ہی کی تربیت اور تعلیم کا اثر ہے۔ دیکھنے میں مولانا فتح محمد صاحبؒ بہت سادہ تھے۔ کسی کمالِ باطنی کا شبہہ بھی نہ ہوتا تھا۔ مگر دل اللہ کی محبت سے، خشیت سے لبریز تھا۔ تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نرے پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میں نہ رہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں اور خوب خوب فرماتے ہیں:

بے عنایات حق وخاصان حق ☆ گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(بغیر حق تعالیٰ اور خاصان حق کی عنایتوں کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا بھی نامہ اعمال سیاہ ہوگا)

(جلد ۵۔ص:۲۱۵)

حب جاہ اور کبر کا مرض حماقت سے پیدا ہوتا ہے:

فرمایا کہ یہ حب جاہ اور کبر کا مرض بھی دنیا اور دین دونوں کو برباد کرنے والا ہے۔ اور یہ مرض حماقت سے ناشی [یعنی پیدا ہوتا] ہے۔ فلاں مولوی صاحب یہاں پر رہتے تھے۔ مدرسۂ دیوبند پر فتویٰ لگایا تھا کہ حیدرآباد دکن [کی حکومت] سے جو مدرسہ کو آمدنی ہے، یہ بالکل حرام ہے۔ اور اب وہی جناب ایک رافضی کی سفارش سے، اسی حیدرآباد دکن سے وظیفہ پارہے ہیں، وہ بھی بہت خوشامدوں کے بعد۔ وہ سب تقویٰ طہارت نذرِ ریاست ہوگیا۔

اللہ بچائے اپنے قہر سے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی کسی حالت پرناز نہ کرے۔ ہماری حقیقت ہی کیا ہے؟ بلکہ ہمارا وجود ہی کیا ہے؟ اور کسی کو کیا خبر ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ بس نیاز پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔اسی میں خیر ہے۔ ایسے ''متقی اور پرہیز گاروں'' سے، کہ جن کی ظاہری وضع تو نیکوں کی سی ہے اور دل کی یہ حالت ہے کہ فرعونیت سے پُر ہے، رند ہزار درجہ اچھے ہیں۔بس ان لوگوں کی وہی حالت ہے۔ (جلد۵۔ص: ۲۱۵)

حنفیت میں غلو:

[حیلۂ ناجزہ نامی رسالہ سے متعلق، جس میں ارتداد کے خطرے کے پیش نظر ایک مسئلہ میں مالکی فقہ پر فتویٰ دیا گیا تھا، گفتگو کے درمیان فرمایا کہ]اس کے متعلق یہاں پر متعدد مشاہیر علماء حنفیہ سے مشورہ کیا۔ اور چاہا کہ اس پر بصورتِ فتویٰ دستخط کردیں۔ ان میں سے بعض نے تو قبول کرلیا اور بعض نے یہ کہا کہ اس رسالہ کا حاصل تو تقلید کو چھوڑ کر غیر مقلدی کی گنجائش دینا ہے۔ میں نے کہا کہ خواہ اسلام چھوٹ جائے، ایمان برباد اور غارت ہوجائے، مگر حنفیت نہ چھوٹے۔ اور جب کوئی مرتد ہوگیا تو کیا پھر بھی وہ حنفی ہی رہے گا؟ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کوئی معصیت میں بھی مبتلا رہے، مگر کفر سے بچا رہے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کفر میں مبتلا ہوجائے۔ نیز اگر دنیا میں سب غیر مقلد بھی ہوجائیں مگر رہیں مسلمان تو حرج ہی کیا ہے؟ مسلمان تو ہوں گے۔اللہ تعالیٰ کفر سے بچائے۔اور یہ ارتداد تو کفر اصلی سے بھی آگے بڑھا ہوا درجہ ہے۔ (جلد۵۔ص:۲۱۷۔۲۱۸)

ہر وقت اپنی اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں:

فرمایا کہ الحمد اللہ میں خود بھی اپنی حالت سے بے خبر نہیں ہوں۔ ہر وقت اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہتا ہوں۔اور جب کسی دوسرے کی غلطی پر مواخذہ کرتا ہوں یا متنبہ کرتا ہوں، اس وقت بھی مجھ پر خود ایک خوف کا غلبہ ہوتا ہے، کہ اگر تجھ پر مواخذہ ہو تو کیا کرے گا؟ اور باوجود اس کے پھر دوسرے کے لیے جو کچھ علاج تجویز کرتا ہوں وہ اُسی کے اصلاح کے لئے۔ ورنہ ادنی معذرت سے دل فوراً نرم ہوجاتا ہے۔[یہ]اس لیے کہ مجھ کو بھی تو خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں حق تعالیٰ اِسی طرح مجھ سے مؤاخذہ فرمائیں اور میں معذرت کروں اور وہ قبول نہ ہو، تو پھر مواخذہ کا کیا جواب دے سکتا

ہوں؟ اور سوچتا ہوں کہ جب حق تعالیٰ کے یہاں توبہ اور معذرت قبول ہوتی ہے، تو بندوں کی کیا حقیقت اور کیا وجود ہے کہ وہ قبول نہ کریں؟ ان سب تصورات کے ساتھ پھر جو میں کچھ مواخذہ کرتا ہوں یا متنبہ کرتا ہوں وہ اکثر دل کی نفرت سے نہیں ہوتی، بلکہ محض لہجے کی تیزی ہوتی ہے۔ اور جو آثار سے ایک غصہ کی سی کیفیت ظاہر ہوتی ہے وہ بمصلحتِ اصلاح میرے قصد سے ہوتی ہے۔ کوئی اضطراری کیفیت نہیں ہوتی۔ اگر میں چاہوں تو ضبط بھی کرسکتا ہوں۔ مگر ضبط کرنے سے دوسرے کی اصلاح نہ ہوگی۔ (جلد۵۔ص:۲۲۰)

[عاجز مرتب عرض کرتا ہے کہ ناظرین کرام اوپر کی عبارت ایک مرتبہ پھر پڑھیں۔ کیا یہ کسی عام انسان کا حال ہوسکتا ہے؟ یہ حال کسی ایسے ہی مردِ خدا کا ہوسکتا ہے جس کا نفس بالکل مردہ ہو چکا ہو۔ سوچیے! کس قدر بھٹیوں میں تپ کر ایسا خالص سونا نکل سکے گا؟ بخدا اہل اللہ اور عام انسانوں میں بجز ظاہری جسم کے کچھ بھی مشترک نہیں ہوتا۔ وہ کچھ اور ہی چیز ہوتے ہیں۔ نواب مولانا حبیب الرحمان شیروانیؒ صدر یار جنگ (جو بڑے عالم، فاضل، دانش ور اور مصنف ہونے کے علاوہ ایک ریاست کے نواب تھے اور ریاست حیدرآباد میں وزارت کے اعلیٰ درجے کے عہدے پر بھی فائز تھے) جب حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی قدس سرہ کے آستانۂ فقر ودرویشی میں حاضر ہوئے تو مبہوت رہ گئے۔ اور حضرت کے بارے میں اپنا احساس ان لفظوں میں لکھا کہ ''ہم میں اور ان میں سوائے ظاہری مشابہت کے اور کوئی مشابہت نہیں''۔]

اللہ کا خاص فضل:

فرمایا کہ یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ضرورت کی چیز وقت پر قلب میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کی دعاؤں کی برکت ہے ورنہ مجھ کو علم تو کچھ ہے نہیں۔ (جلد۵۔ص:۲۲۱)

حضرتؒ کے پاس ایک سرکاری وفد کی آمد کا سبق آموز واقعہ:

یہاں پر وقف بل کے متعلق ایک وفد آیا تھا، جو نو شخصوں پر مشتمل تھا۔ سب انگریزی خوان، بڑے بڑے بیرسٹر، وکلاء منتخب شدہ تھے۔ ان سے گفتگو ہوئی۔ آنے سے قبل اول تو ان کا

ایک خط آیا کہ ہم فلاں تاریخ کو تھانہ بھون پہنچیں گے۔ یہ وفد تمام مشاہیر علماء سے ملاقات کرتا ہوا پھر رہا تھا۔ اوقاف کے متعلق مسئلۂ شرعی کی تحقیق کرنا ان کا مقصود تھا۔ میں نے ایک رئیس سے جو کونسل کے ممبر بھی ہیں اور وفد کے رکن بھی تھے، بذریعۂ خط معلوم کیا کہ اس وفد کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ یہی حیثیت ہے کہ وہ سرکار کے فرستادہ ہیں کہ وقف بل کے متعلق علماء کی رائے معلوم کریں۔

میرا یہ معلوم کرنا اس غرض سے تھا کہ جس درجہ کی ان کی حیثیت ہے، اس حق کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ رہ جائے۔ عدل کی حقیقت بھی یہی ہے۔ غرض کہ وہ تاریخ آ گئی جس میں انہوں نے تھانہ بھون آنے کو لکھا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مدرسۂ سہارن پور اور مدرسۂ دیوبند کے علماء سے بھی گفتگو اس مسئلہ پر ہو چکی ہے۔ آخر میں تھانہ بھون کو رکھا تھا۔ یہاں پر اتفاق سے اس روز دو صاحب سرکاری عہدہ دار بھی پہلے سے قیام کئے ہوئے تھے، جن کا مجھ سے دوستی کا تعلق ہے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر تھے اور ایک اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس۔ میں نے ان دونوں کو بھی جلسہ میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ اور اپنے بعض اعزہ کو اسٹیشن پر بھیج دیا کہ تم جا کر لے آؤ۔ اور ٹھہرنے کے متعلق مولوی شبیر علی کا مکان تجویز کیا۔

غرض وہ آ گئے۔ میں نے کہلا کر بھیجا کہ کھانا آپ میرے یہاں کھائیں گے۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ اور میں نے یہ بھی کہلا کر بھیجا کہ اول اُس کام سے فراغ مناسب ہے جس غرض سے سفر کیا گیا۔ اس کے بعد کھانا نوش کیجئے گا۔ یہ سب طے ہو کر میں خود ان کے فرودگاہ پر پہنچا۔ اور ملاقات کر کے گفتگو کے لیے سب بیٹھ گئے۔

میں نے صدر وفد کو ایک پرچہ چند شرائط بطور اصولِ موضوعہ کے لکھ کر پیش کر دیں، کہ بوقت گفتگو یہ شرائط پیش نظر رہیں۔ اول: یہ کہ سوال کے وقت جو بات یاد ہوگی عرض کر دوں گا۔ نہ یاد ہوگی فوری جواب سے عذر کر دوں گا۔ البتہ اگر کوئی تحریری یادداشت لکھ کر دے دی جائے گی تو بعد میں جواب بھیج دیا جائے گا۔ دوسرے: یہ کہ صرف مسائل پوچھنے کا حق ہوگا دلائل پوچھنے کا حق نہ ہوگا۔ دلائل پوچھنے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص عدالت میں حاکم سے پوچھے کہ اس قانون کی

دلیل کیا ہے، تو اس کا جو جواب حاکم دے گا، وہی ہماری طرف سے سمجھ لیا جاوے۔ تیسرے: یہ کہ عقلیات میں گفتگو کرنے کا حق نہ ہوگا، صرف نقلیات میں گفتگو کا حق ہوگا۔ میں اگر شامی، درّ مختار اور عالمگیری کا مسئلہ بیان کروں تو اِس سوال کا حق نہ ہوگا کہ اس کی حکمتِ عقلی کیا ہے؟ اس لیے کہ ہم مقلد ہیں اور مسئلہ منقول ہے۔ چوتھے: یہ کہ ایک صاحب کو گفتگو کے لیے منتخب کر لیا جائے۔ سب کے بولنے میں گڑبڑ ہوگی۔ ہاں! اس کی اجازت ہے کہ دوسرے اصحاب اُن کی امداد کریں۔ یعنی ان سے کہہ دیں جو کہنا ہو۔ [سب] مجھ سے خطاب نہ کریں۔

غرض اس پرچہ میں اسی قسم کے اصول موضوعہ کی یادداشت تھی۔ اور وہ اصولِ موضوعہ ایسے مضبوط تھے کہ بجز تسلیم کے ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ ان ہی سے بہت باتوں کا جواب ہو گیا تھا۔ اور میں نے جو اُن کو خانقاہ میں نہیں بلایا، اُس کی وجہ یہ تھی کہ اگر اُن کو خانقاہ میں بلاتا تو مجھ کو ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا پڑتا۔ [اور ایک عالم خادمِ دین کا دنیا کے بڑوں کے لیے کھڑا ہونا اور تعظیم کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ لیکن] اگر میں اُن کے پاس جاؤں گا [تو] وہ میری تعظیم کو کھڑے ہوں گے...... ایک [اور بات] یہ کہ اُن کے پاس میرے جانے سے ان کے دل میں مسرت اور قدر ہوگی، کہ ہمارا اتنا اکرام کیا کہ ہمارے پاس قصد کر کے آیا۔

اور انہوں نے جو اپنی آمد کی اطلاع کے ساتھ سوالات بھیجے تھے، ان میں سے ایک سوال بڑا ٹیڑھا تھا۔ اس کے متعلق یہاں پر میں نے وقت سے پہلے بھی بعض اہل علم احباب سے مشورہ کیا تھا کہ اگر یہ سوال ہوا تو کیا جواب دوں گا؟ کسی کی سمجھ میں جواب نہ آیا، سب چکر میں تھے۔ اور خود میری بھی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ میں نے دعا بھی کی تھی کہ خدا کرے یہ سوال ہی نہ ہو۔ مگر انہوں نے وہ سوال بھی کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ فوراً جواب قلب پر وارد ہو گیا۔ اس واقعہ کے نقل کرنے سے میرا مقصود یہی جزو ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وقت پر کیسی تائید فرماتے ہیں۔ وہ سوال وجواب آگے معلوم ہوگا۔

اب گفتگو شروع ہوتی ہے۔ خلاصۂ مقصود اس وفد کا یہ تھا کہ اوقاف کے متولی بہت خیانت کرتے ہیں۔ ہم ایسا قانون بنانا چاہتے ہیں کہ جس کی رو سے اوقاف کا حساب کتاب گورنمنٹ لیا

کرے۔اور گورنمنٹ ہی کے ہاتھ میں سب انتظام رہے۔آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔اُس طرف سے گفتگو کے لیے ایک بیرسٹر ہائی کورٹ کے، جو جرح میں بہت ممتاز اور مشہور شخص ہیں، منتخب ہوئے۔انہوں نے یہی سوال کیا۔میں نے کہا کہ گورنمنٹ کو اس میں مداخلت کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ دیانات محضہ سے ہے جیسے نماز، روزہ میں دخل دینا گورنمنٹ کو جائز نہیں۔اسی طرح اس میں بھی جائز نہیں۔......[اس پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی، اور حضرت نے ایک مفصل علمی تقریر فرمائی] اس تقریر پر چہار طرف سے، خود وفد کے ارکان کی زبان سے، سبحان اللہ نکلا۔......علاوہ تقریر کے اس پر بھی بہت متعجب تھے کہ بوقت گفتگو طبیعت پر کسی کی وجاہت کا بالکل اثر نہ تھا۔اور ایک یہ کہ تقریر میں ربط نہیں چھوٹا۔نیز تہذیب اعلیٰ درجہ کی ملحوظ رکھی اور مزاج میں ذرا تغیر نہیں ہوا۔

اس گفتگو کے ختم ہونے پر میں تو اٹھ کر چلا آیا۔مگر بعض احباب بیٹھے رہے۔ارکان وفد نے ان سے کہا کہ ہم تمام جگہوں کے مشاہیر علماء سے گفتگو کرتے رہے ہیں، مگر یہ لطف کہیں بھی نہ آیا۔اور نہ ایسی تحقیقات سنیں۔ہم کو آج تک خبر نہ تھی کہ علماء میں بھی اس دماغ کے لوگ موجود ہیں۔ ایسا جامع شخص ہماری نظر سے نہیں گذرا۔اور خاص بات یہ دیکھی کہ ہر دعویٰ کے ساتھ ایسی دلیل موجود تھی جس کا کوئی جواب ہمارے پاس نہ تھا۔ہم نے کسی کو ایسا جامع نہیں پایا۔اس وفد میں بعض بیرسٹر و وکلاء شیعہ بھی تھے۔اور وہ شاعر بھی تھے۔انہوں نے کہا کہ علوم اور تحقیقات تو عجیب وغریب تھے ہی۔مگر ہم تو یہ دیکھ رہے تھے کہ اتنی دیر گفتگو ہوئی، مگر کوئی لفظ تہذیب کے خلاف اس شخص کی زبان سے نہیں نکلا۔

غرض کہ ہر شخص محظوظ اور خوش تھا۔میں نے یہ سن کر راوی سے کہا کہ انہوں نے ابھی علماء دیکھے کہاں ہیں؟ میں تو علماء کی جوتیوں کی گرد کی برابر بھی نہیں۔اگر علماء کو دیکھیں تو معلوم ہو کہ علماء کی کیا شان ہوتی ہے۔خیر جو کچھ بھی ہوا، اللہ کا شکر ہے کہ طالب علموں کی آبرو رکھ لی۔

اور وہ تو یہ چیزیں دیکھ رہے تھے اور میں گفتگو کے وقت یہ دیکھ رہا تھا کہ ان کے قلب پر دین کی عظمت کس قدر ہے! [یعنی اگرچہ ان لوگوں کا ظاہر کوئی معروف دین داروں جیسا نہیں تھا، مگر ان کے دل میں دین کی بہت عظمت محسوس ہو رہی تھی]۔اگر دین کی عظمت کسی کے قلب میں ہو، مگر

ہو بدعمل تو مجھ کو اس سے نفرت نہیں ہوتی۔ ہاں بدعملی کی حالت پر رنج ضرور ہوتا ہے۔ اور اس عظمت کا درجہ اعمال سے اس لیے بڑھا ہوا ہے کہ اعمال کی اصلاح تو ایک منٹ میں ہو سکتی ہے۔ مگر قلب میں عظمت اور وقعت دین کی پیدا ہو جانا، یہ اکتساب [یعنی حاصل کرنے کی کوشش سے] سے نہیں ہوتا۔ یہ محض عطاء حق ہے۔ تجربات اور غور و فکر کے بعد یہی سمجھ میں آیا کہ یہ محض عطاء حق ہے۔ اس میں اکتساب کو دخل نہیں۔ وہ جس کو بھی اپنی رحمت کاملہ سے اس دولت سے سرفراز فرمادیں، بڑی دولت ہے، بڑی نعمت ہے۔

اور میں اس وفد کو لینے کے واسطے تو اسٹیشن پر نہیں گیا تھا۔ مگر رخصت کے وقت جب وہ لوگ اسٹیشن پر پہنچ گئے، میں بھی کچھ دیر بعد پہنچ گیا۔ دور سے دیکھ کر دوڑے اور بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کیوں تکلیف کی؟ میں نے کہا کہ میں تو لینے بھی جاتا، لیکن قصداً اس لیے نہیں گیا کہ اگر اس وقت جاتا تو وہ آپ کی جاہ کا اثر سمجھا جاتا۔ اور اب رخصت کے وقت آنا چاہ [یعنی محبت] کا اثر ہے۔ اس پر بھی سبحان اللہ کہتے رہے۔ غرض یہاں سے بظاہر بہت خوش اور مسئلہ کے متعلق بھی ظاہراً خوب اچھی طرح سمجھ گئے۔ الغیب عند اللہ۔ اور حضرت! یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ کسی کی کیا ہستی اور کیا وجود؟ سب ان ہی کا فضل ہے۔ اور اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت۔ ورنہ یہاں تو نہ کچھ علم ہے نہ عمل ہے۔ (جلد۵۔ص:۲۲۳۔۲۲۸)

اجتماعی کام کی مشکلات اور حیلۂ ناجزہ پر کم فہموں کے اعتراضات:

میں جو ایسے کاموں میں شرکت نہیں کرتا کہ جن سے دوسروں کا بھی تعلق ہو، اس کی اصل وجہ تو یہی ہے کہ ایسے کاموں میں اکثر حدودِ شرعیہ سے تجاوز کر کے چلنا پڑتا ہے۔ لیکن ایک درجہ میں ایک دوسری وجہ بھی ہے، کہ دوسروں کو کام سپرد کر کے اطمینان نہیں ہوتا، کہ یہ انجام کو پہنچ جائے گا۔ دوسروں کے سپرد کر کے انجام پا جانا آج کل عادۃً امرِ محال ہو گیا ہے۔ معمولی معمولی کاموں میں رات دن مشاہدہ اس کا کرتا ہوں، یہ میرا تجربہ ہے۔ اس وجہ سے جماعت کے ساتھ کام کرنے سے طبیعت کھٹی ہو گئی۔ اور یہ طے کر لیا کہ جس کام کا دوسروں سے تعلق ہو اور بدون دوسرے کی شرکت اور اعانت کے میں خود نہ کر سکوں، اس میں قدم نہیں رکھتا۔

اب یہی ایک کام تھا (الحیلۃ الناجزۃ کا) کہ مردوں کی غفلت اور ظلم سے عاجز آ کر جو عورتیں کثرت سے مرتد ہو رہی ہیں، اس کے متعلق ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس کا نام ''حیلۂ ناجزہ'' ہے۔ سال بھر سے زائد ہو گیا، آج تک تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ (الحمد للہ اس ملفوظ کی نظرِ اصلاحی کے وقت مکمل ہو کر شائع ہو گیا ہے)۔ وجہ وہی ہے جس کو میں کہہ رہا ہوں کہ اس میں دوسروں سے بھی بعض باتیں متعلق ہیں۔ دوسروں کو اتنا اہتمام نہیں۔ اور عام حالت ہو رہی ہے کہ کام میں تو مدد دینے والے بہت کم ہیں۔ ہاں! بے سوچے سمجھے اعتراض جتنے چاہو کرا لو۔

چنانچہ اس رسالہ کے متعلق بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس رسالہ کا حاصل تو یہ ہوا کہ حنفیت کو چھوڑ دو؟؟ منشا اس اعتراض کا یہ ہے کہ اس میں بعض صورتوں میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حنفیت نہ چھوٹے، چاہے اسلام چھوٹ جائے؟؟ جب اسلام اور ایمان ہی جاتا رہا تو اب وہ کیا ہوگا؟ حنفی یا شافعی؟ یا مالکی یا حنبلی؟ مقلد یا غیر مقلد؟ دیکھیے: کیا عقلیں ہیں؟ اگر یہ فتویٰ لیا جائے کہ ایک شخص یا مرتد ہوتا ہے یا غیر مقلدی اختیار کرتا ہے؟ تو شرعاً کیا حکم ہے؟ اس پر کیا فتویٰ دیتے ہو۔ (جلد۵۔ص:۲۳۲۔۲۳۳)

بزرگوں کی دعاؤں کے ثمرات:

فرمایا کہ اپنے پاس اعمال وغیرہ کا تو کچھ ذخیرہ نہیں، صرف بزرگوں کی دعا اور محبت ہی ہے۔ میں جب حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاتا تو فرماتے کہ تو جب آتا ہے دل زندہ ہو جاتا ہے یا تازہ ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک لفظ تھا۔ اپنے بزرگوں کا محبت کرنا، خوش رہنا، خدا کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا ہر شخص کو اہتمام رکھنا چاہیے۔ (جلد۵۔ص:۲۵۱)

کشفیات میں خوض کرنا مضر ہے:

فرمایا کہ صوفیہ کے جو علوم کشفیہ ہیں، وہ ان احکام کے سامنے جو بذریعہ وحی کے پہنچے ہیں، کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اِن احکام کو چھوڑ کر کشفیات میں خوض کرنا نہایت مضر ہے۔ مثلاً وحدۃ الوجود ہی کا مسئلہ ہے، یا ایسے ہی مسائل میں بلاضرورت ان کی تقریر کرنا، خصوصاً عوام کے سامنے

سخت مضر ہے۔اسی کو فرماتے ہیں۔

ظالم آن قومے کہ چشماں دوختند　　از سخنہا عالمے را سوختند

اُن کو تو جس حالتِ ابہام پر ہیں ایسے ہی رہنے دینا چاہئے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: **ابھموا ما ابھم اللہ تعالیٰ**" یعنی جس چیز کو خدا نے مبہم رکھا ہے تم بھی مبہم رکھو۔ بڑی حکمت کی بات ارشاد فرمائی۔مگر اس کے برعکس آج کل اِن مسائل میں بڑے غلو سے کام لیا جارہا ہے۔ (جلد۵۔ص:۲۵۳۔۲۵۴)

معصیت سے بچنے کا ثواب:

جو فعل سبب ہو معصیت سے بچنے کا، اس پر بھی اجر ہوتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی سے ہم بستر ہوتا ہے، اس کو ثواب ملتا ہے۔عرض کیا گیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، اس میں ثواب کی کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اگر برے کام میں لگتا تو گناہ ہوتا۔اب برے کام سے بچا تو ثواب ملے گا۔مگر عوام ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے۔ (جلد۵۔ص:۲۵۴)

اہل دنیا کی تہذیب حقیقی تہذیب نہیں:

کانپور کے ایک شخص شاعر یہاں آئے تھے انہوں نے یہاں سے جا کر ایک رسالہ بطور سفرنامہ کے لکھا تھا۔اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جو تہذیب ہم نے ساری عمر کی کوشش میں حاصل کی تھی، وہ وہاں جا کر بدتہذیبی ثابت ہوئی۔ (جلد۵۔ص:۲۶۰)

عارفین کا مذاق ہی جدا ہوتا ہے، نہ ریا کاری کرتے ہیں نہ قصداً نیکی کا اخفاء:

فرمایا کہ عارفین کا مذاق ہی جدا ہوتا ہے۔وہ مذاق غیر عارف کی سمجھ میں ہی آنا مشکل ہے۔ یہ حضرات نہ فقر کو چھپاویں، نہ نقائص کو چھپاویں، نہ عبادت کو چھپاویں۔غیر عارف کے نزدیک تو عبادت کا ظاہر کرنا ریاء ہے۔اور عارفین کے نزدیک قصداً اخفاءِ عبادت ریاء ہے۔کیونکہ اگر سب ماسوا نظر سے غائب ہوتے تو یہ بات ہی کیوں قلب میں پیدا ہوتی کہ کوئی دیکھ نہ لے، اُن سے اخفا کرنا چاہئے۔یہ نظر تو غیر اللہ پر ہوتی ہے۔سو عارف کی نظر میں سب ایسے ہوتے ہیں جیسے مسجد کے لوٹے،

چٹائی وغیرہ، کہ ان کے سامنے نہ اظہارِ عبادت کا کوئی قصد کرتا ہے نہ اخفاء کا۔ (جلد۵۔ص:۲۶۰)

استغناء اور تواضع کی جامعیت:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اہل علم کے لیے یہ بات بہت ہی ناپسند ہے کہ وہ امراء سے خلط [میل جول] کریں۔ [مراد ایسا میل جول ہے جس میں علماء تابع بن کر امراء کے ساتھ رہیں۔ البتہ اگر امراء دین کی اور اہل دین کی عظمت رکھتے ہوں اور دینی فائدہ اٹھانے کی نیت سے کسی صاحب علم سے تعلق رکھیں اور عالم استغناء سے کام لے، تو یہ تو دونوں کے لیے نعمت ہے۔ باقی اگر عالم امراء کے ساتھ تابع بن کر رہے تو یہ دونوں کے لیے مہلک ہے]۔ اس لیے کہ غرباء کو جو کسی مصلح سے نفع ہوجاتا ہے، امراء سے مل کر وہ بھی گیا ہوجاتا ہے۔ قلوب پر مصلح کا وہ اثر نہیں رہتا۔

مجھ کو حیدر آباد دکن میں ایک دوست نے مدعو کیا تھا۔ تقریباً چودہ روز قیام رہا۔ جس وقت یہاں سے حیدر آباد دکن کے لیے سفر کا ارادہ کیا، تو ایک خاص ضرورت سے اس وقت دیوبند بھی جانا ہوا۔ بعض احبابِ خاص اہل علم نے مشورہ دیا کہ نواب صاحب سے ملاقات ضروری ہے۔ میں نے کسی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ دل میں جو بات تھی اس کو ظاہر نہیں کیا۔

غرض وہاں پر پہنچ کر غالباً پانچ سات ہی روز گزرے تھے کہ فلاں نواز جنگ صاحب کا ایک پرچہ آیا، جس میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ سے مجھ کو زیارت کا اشتیاق تھا، مگر بدقسمتی سے تھانہ بھون کی حاضری نصیب نہ ہوئی۔ خوش قسمتی ہم لوگوں کی کہ حضرت کا ورود اس شہر میں ہوگیا۔ میں برائے زیارت حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ اور مجھ کو فلاں فلاں وقت اپنے فرائضِ منصبی سے فرصت ملتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی رعایت سے مجھ کو وقت ملاقات کا بتلایا جائے۔

میں ان صاحب سے واقف نہ تھا۔ اس وقت مجلس میں بہت سے جنگ اور دولہ جمع تھے۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ ان میں سے ایک صاحب نے (کہ وہ بھی ایک بہت بڑے عہدے پر ممتاز تھے) بتلایا کہ یہ نواب صاحب کی ناک کے بال ہیں، ارکان سلطنت میں سے ہیں۔ میں نے اس پرچہ کے جواب میں لکھا کہ آپ کے پرچہ کے مضمون کو پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ اس لیے کہ آپ کے دل میں دین اور اہل دین کی عظمت اور محبت ہے۔ مگر نیچے کی سطر پڑھ کر

افسوس کی بھی کوئی حد باقی نہیں رہی۔ اس لیے کہ اس میں فہم سے کام نہیں لیا گیا۔ جس سے ملنے کو زیارت کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا، اس کو تو اپنے اوقات فرصت بتلا کر پابند کیا گیا اور خود آزاد رہے۔ یہ کون سی تہذیب اور فہم کی بات ہے؟

جو شخص پرچہ لے کر آیا تھا، واپس ہو گیا۔ کوئی دس منٹ کے بعد جواب لے کر آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ فی الحقیقت غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ بات میری بدفہمی کی ہے، معافی کا خواستگار ہوں۔ حضرت والا ہی اپنی ملاقات کے اوقات تحریر فرما دیں۔ میں نے لکھا کہ اب بھی پورے فہم سے کام نہیں لیا گیا۔ مردہ بدست زندہ کی طرح مہمان میزبان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لیے سفر میں اوقات کا ضبط ہونا غیر اختیاری ہے۔ آپ ساتھ رہیں، جس وقت مجھ کو فارغ دیکھیں، ملاقات کر لیں۔ میرے اس جواب پر جواب آیا کہ بدفہمی پر بدفہمی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ میں اب نہ تو اپنے اوقات کو ظاہر کرتا ہوں اور نہ حضرت سے معلوم کرتا ہوں، جس وقت فرصت ہو گئی حاضر خدمت ہو کر زیارت سے مشرف ہو جاؤں گا۔ اگر آپ کو فرصت نہ ہوئی لوٹ آؤں گا۔

میں نے اس کا جواب لکھا کہ اب پورے فہم سے کام لیا گیا، جس سے اس قدر مسرت ہوئی کہ پہلے تو آپ کا میری زیارت کو جی چاہ رہا تھا، اب میرا آپ کی زیارت کو جی چاہنے لگا۔ اگر آپ کو فرصت ہو آپ تشریف لے آئیں۔ ورنہ مجھ کو اجازت فرمائیے میں خود حاضر ہو جاؤں۔

یہ جواب لکھ کر میں نے اہل مجلس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ میرا طرز اس لیے تھا کہ یہ دنیا کے لوگ جس قدر بڑے ہیں، اہل دین کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ ان کو یہ دکھلانا تھا کہ اہل علم اور اہل دین کی یہ شان ہے۔ تو پہلے تو تذلّل [یعنی ذلت اختیار کرنے] سے بچنا مقصود تھا۔ مگر جب وہ اپنی کوتاہی تسلیم کر چکے، تو اب کھنچنا تکبر تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ دونوں سے محفوظ رکھا۔

کوئی پندرہ ہی منٹ غالباً گزرے تھے، کہ خود وہی صاحب آ گئے۔ اہل مجلس میں سے بعض لوگوں نے دور سے دیکھ کر کہا کہ فلاں صاحب آ رہے ہیں۔ میں اس وقت ڈاک لکھ رہا تھا برابر لکھتا رہا۔ جس وقت انہوں نے مجلس پر پہنچ کر کہا السلام علیکم تب میں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کھڑے ہو کر مصافحہ کیا۔ بے چارے بہت ہی مہذب تھے۔ دو زانو ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔ میں نے

اپنی برابر جگہ دے کر کہا بھی کہ اس طرف آ جائیے، اِس پر کہا کہ مجھ کو یہیں پر آرام ملے گا۔

کچھ دیر تک میرے سوال پر نواب صاحب کی بیدار مغزی اور انتظام سلطنت کے واقعات بیان کرتے رہے۔ اس کے بعد کہا کہ اگر نواب صاحب سے ملاقات ہو جائے، تو بہت مناسب ہے۔ میں نے سوال کیا کہ یہ آپ کی خواہش ہے یا نواب صاحب کی؟ اس میرے سوال پر کچھ سکوت کے بعد کہا کہ میری ہی خواہش ہے۔ میں نے سوال کیا کہ جس وقت آپ نے ملاقات کے مناسب نامناسب ہونے پر غور فرمایا ہوگا اس پر بھی ضرور غور فرمایا ہوگا کہ ملاقات سے نفع کس کا ہے؟ کہا کہ نواب صاحب کا۔ میں نے کہا کہ نفع تو نواب صاحب کا اور ملاقات کی ترغیب مجھ کو دی جارہی ہے۔ طالب کو مطلوب اور مطلوب کو طالب بنایا جارہا ہے۔ میں اگر ملاقات کو گیا تو میں طالب اور وہ مطلوب ہوں گے۔ (جلد ۵۔ص:۲۷۲۔۲۷۳)

مقصود کشف و کرامات نہیں، احکام کی اتباع ہے:

فرمایا کہ ایسے تصرفات مشق سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کا بزرگی سے کیا تعلق؟ یہ مسمریزم والے بھی کر لیتے ہیں۔ اصل چیز احکام کی اتباع ہے۔ بلکہ بعض اوقات یہ چیزیں منزلِ مقصود سے بعید کر دیتی ہیں۔ اگر مضرِ مقصود بھی نہ ہوں مگر مقصود تو کسی حال میں نہیں۔ درجۂ مقصودیت میں نہ کشف کوئی چیز ہے اور نہ کرامت، نہ تصرف، نہ کیفیت۔ ان میں سے اگر کوئی چیز بھی نہ ہو، مگر اتباعِ سنت ہو بس مقصود حاصل ہے۔ (جلد ۵۔ص:۲۷۸۔۲۷۹)

حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ کی بے تکلفی:

ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ فطری تواضع کے ساتھ خوش پوشاک بھی بہت تھے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کے مزاج میں تکلف ہے۔ مگر واقع میں لطافت تھی۔ اب مولانا کے فطری تواضع کا واقعہ سنیے: ایک روز دیکھا گیا کہ مولانا نے بجائے کسی کپڑے وغیرہ کے، بان کی رسی کا کمر بند ڈال رکھا ہے۔ پوچھنے پر فرمایا کہ اس وقت جلدی تھی، کون تلاش کرتا؟ اصل مقصود اس سے بھی حاصل ہے۔ (جلد ۵۔ص:۲۸۱)

اور حضرت گنگوہیؒ کی تواضع:

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں بے حد لطافت تھی، ہر لطیف چیز پسند تھی۔ مگر فطری تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ پیدل سفر کر کے گنگوہ پہنچے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ نماز شروع ہونے کو تھی کہ لوگوں نے دیکھ کر خوشی میں کہا کہ مولانا آ گئے، مولانا آ گئے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مصلّے پر پہنچ چکے تھے، یہ سن کر نگاہ اٹھا کر مولانا کو دیکھا، تو مصلے سے واپس ہو کر صف میں آ کر کھڑے ہوئے۔ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نماز پڑھانے کے لیے فرمایا۔ مولانا سیدھے مصلے پر پہنچے۔ چونکہ پیدل سفر کر کے تشریف لے گئے تھے، پاجامہ کے پائینچے چڑھے ہوئے تھے۔ اور پیر گرد آلود تھے۔ مگر غایت سادگی سے اسی ہیئت میں مصلے کی طرف چلے۔ جب حضرت مولانا گنگوہی کی محاذات (برابر) میں پہنچے، تو مولانا نے صف میں سے آگے بڑھ کر اپنے رومال سے پہلے پیروں کی گرد صاف کی اور پھر پائینچے اتارے۔ اور فرمایا اب نماز پڑھائیے۔ اور خود واپس صف میں آ کر کھڑے ہوئے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے نماز پڑھائی۔ حالانکہ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ حضرت گنگوہیؒ کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ جیسے استاد کا ادب کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا گنگوہیؒ نے کسی سے فرمایا کہ مجھ کو اس سے بے حد مسرت ہوئی کہ مولانا نے میری خدمت سے انکار نہیں فرمایا۔ قبول فرمالی۔

سچ تو یہ ہے کہ ایسے حضرات اور ایسی جماعت نظر سے نہیں گزری۔ جنہوں نے عالم کی سیاحت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عالم میں ایسی جماعت نہیں۔ سو میں نے تو ان حضرات کو دیکھا ہے۔ ان حضرات کی طرز معاشرت میری آنکھوں میں ہے۔ اس لیے وہی باتیں پسند ہیں۔ اور اس لیے آج کل کے جو یہ لوگ باتیں بناتے پھرتے ہیں، میری نظر میں یہ ایک طفلِ مکتب کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناسمجھ بچے ہیں کھیل کود کرتے پھرتے ہیں۔ (جلد ۵۔ص:۲۸۱۔۲۸۲)

اس طریق میں لگے رہنا عادۃً شرط ہے:

[راہِ سلوک کے بارے میں] فرمایا کہ یہ تو وہ راہ ہے کہ اگر ساری عمر بھی اسی میں کھپا دے اور اس میں لگا رہے، پھر اس کے بعد بھی فضل ہو جائے تو سب کچھ مل گیا۔ اس لیے کہ ہماری کیا

عبادت اور کیا زہد و تقویٰ؟؟ محض ان کے فضل ہی پر مدار ہے۔ اور وہ فضل تو فرما ہی دیتے ہیں۔ مگر لگا رہنا عادۃً شرط ہے۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں:

اندریں رہ می تراش و می خراش ☆ تادم آخر دمے فارغ مباش

تا دم آخر دمے آخر بود ☆ کہ عنایت با تو صاحب سر بود

(اس راہ میں تراش خراش بہت ہیں۔ آخر دم تک، ایک دم کے لیے بے فکر مت رہو۔ آخر کار آخر دم تک ایک گھڑی ایسی ہوگی کہ تجھ پر عنایت حق ہوگی) (جلد ۵۔ص:۲۹۱)

مخلوق کو ستانا سب سے خطرناک عمل:

اس طریق میں سب سے بدتر رہزن اور سمِ قاتل مخلوق کو ستانا اور اس پر ظلم کرنا ہے۔ خواہ کسی عنوان اور کسی طریق سے ہو۔ اس لیے اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے۔ (جلد ۵۔ص:۲۹۴)

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کا ایک خاص وصف:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولانا عبدالحئی صاحب لکھنویؒ [فرنگی محلی] کی عمر غالباً چالیس سال کی بھی نہیں ہوئی۔ مولانا گو با قاعدہ کسی شیخ کے پاس نہیں رہے۔ مگر رات دن چونکہ کتاب وسنت کی خدمت میں مشغول رہتے تھے، اس کی یہ سب برکت تھی جو ان کے حالات سے ظاہر ہے۔ جس میں بڑی نعمت مقبولین سے محبت تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوئے، تو ایک روز فرمایا کہ ککڑیوں کو جی چاہتا ہے۔ اُن کو خبر ہوگئی۔ بڑے اہتمام کے ساتھ لکھنؤ سے ککڑیاں بھیجیں۔ جس وقت مولانا نے تحذیر الناس لکھی ہے، کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی۔ بجز مولانا عبدالحی صاحبؒ کے۔ مولانا کو ہمارے بزرگوں سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ (جلد ۵۔ص:۲۹۵۔۲۹۶)

نماز عید کے بعد دعا؟؟

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عیدین میں نہ قبل الخطبہ نہ بعد الخطبہ دعا منقول تو ہے نہیں۔ لیکن اگر کہیں معمول ہو، مگر التزام نہ ہو، [یعنی لوگ عمل کرتے ہوں مگر اس کو

لازمی چیز یا سنت نہ سمجھتے ہوں] تو کلیاتِ شرعیہ کی بنا پر کوئی حرج بھی نہیں۔ایسی چیزوں کی بحث میں نہ پڑنا چاہیے۔جس میں شرعاً وسعت ہے۔اہتمام کے لائق اور بہت باتیں ہیں،لوگ اُن[باتوں] کے چھوڑنے پر آمادہ نہیں جن میں کھلم کھلا دین کی تحریف کر رہے ہیں۔ (جلد۵۔ص:۳۰۱)

حضرتؒ کے اکابر کے چند سبق آموز واقعات:

جب حاجی عابد حسین صاحب اور مدرسۂ [دیوبند] والوں میں اختلاف ہوا......ایک مرتبہ اسی زمانہ میں میرا دیوبند جانا ہوا۔اور یہ اختلاف دیکھ کر پریشان ہوا کہ حاجی صاحب سے ملوں یا نہ ملوں۔آخر میں نے [شیخ الہند] حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ احمد صاحبؒ [مہتمم دارالعلوم] سے عرض کیا،کہ میں مدرسہ میں رہا ہوں اور اس زمانہ میں حاجی عابد حسینؒ کی خدمت میں بھی آنا جانا تھا،اب نہ ملنا بے مروّتی ہے۔لیکن بشرط جواز۔سو اگر ان سے ملنا شرعاً جائز ہو تو میں مل لوں؟ حضرت مولانا دیوبندیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ضرور مل لو۔اس میں ایک حکمت بھی ہے۔ وہ یہ کہ مخالفت کم ہو جائے گی۔

دیکھئے!اختلاف کی حالت میں حضرت مولانا نے کس قدر رعایت فرمائی۔

دوسرا واقعہ ایک طالب علم کا حاجی عابد حسینؒ کے ساتھ بیان فرمایا۔اس نے حاجی صاحب کو دکاندار،مکار منہ پر کہا۔اس وقت حاجی صاحب خاموش ہو گئے۔رات کو حاجی صاحب اس طالب علم کے حجرہ پر گئے اور معافی چاہی۔اور فرمایا تم عالم،نائب رسول ہو۔تمہارا ناراض ہونا رسول کا ناراض ہونا ہے۔مجھ سے راضی ہو جاؤ۔

حضرت!زبان سے سے حکایت بیان کر دینا تو آسان ہے۔مگر ذرا دل کو ٹٹول کو دیکھو، ایسا کر بھی سکتے ہو؟ یہ حالت تھی ان بزرگوں کی۔

تیسرا واقعہ حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ نے ان ہی حاجی صاحب کا بیان کیا۔کہ ایک ڈپٹی صاحب حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے کہ حاجی صاحب اٹھ کر حجرہ بند کر کے چل دیئے تھے۔ڈپٹی صاحب سامنے آ گئے،تو ان سے کھڑے کھڑے بات کی۔اتنے میں مولانا فتح محمد صاحبؒ،جو اس وقت مدرسہ کے معمولی طالب علم تھے،کچھ عرض کرنے کے لیے پہنچے تو

حاجی صاحب اپنی نشست کی جگہ بڑھے کہ بیٹھ کر کہیں جو کہنا ہو۔ مولانا نے عذر کیا کہ میں پھر آ جاؤں گا۔ فرمایا شاید ڈپٹی صاحب کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا، اس سے آپ کو دھوکہ ہوا ہوگا۔ مگر کہاں سگ دنیا اور کہاں آپ نائب رسول۔ ظاہر ہے کہ یہ بات بلا بزرگی کے ہو نہیں سکتی۔ اللہ اور رسول کی عظمت کس درجہ قلب میں تھی!! حقیقت میں یہ مجمع ہی عجیب وغریب تھا۔

چوتھا واقعہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کا بیان فرمایا کہ مولانا طالب علموں کو توجّہ دیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے سنا۔ ناراض ہو کر فرمایا کہ یہ لوگ یہاں پڑھنے آئے ہیں یا فقیر بننے آئے ہیں؟؟ مولانا نے توجہ بند کردی۔ واقعی یہ حضرات حکیم ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی کا سبق پڑھنا چاہا۔ مجھ پر بہت عنایت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے سن لیا۔ مجھ کو بلا کر پوچھا: سنا ہے کہ حضرت مولانا سے تم مثنوی پڑھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! فرمایا کہ مولانا کو مدرسہ میں بیٹھا رہنے دو، ورنہ جنگلوں میں چڑھ جائیں گے۔ یہ ارشاد بھی حکیم ہونے پر مبنی تھا۔

فرمایا کہ وہ وقت بھی عجیب تھا۔ مدرسہ کی در و دیوار سے اللہ اللہ نکلتا معلوم ہوتا تھا۔ جدھر دیکھو بزرگ نظر آتے تھے۔ اس وقت گو عدد میں مجمع کم تھا، کمّا تو بے شک کم ہی تھا، مگر کیفاً زیادہ تھا۔ اب سب کچھ ہے مگر وہ بات نہیں۔ اب ماشاءاللہ تعمیر بھی بہت بڑی ہے، کتب خانہ بھی بہت بڑا ہے، آمدنی بھی بہت زیادہ ہے، مجمع بھی کثرت سے ہے، مگر وہ چیز جو اس وقت تھی وہ نہیں۔ گویا جسد ہے روح نہیں۔ بس اس وقت سارا مدرسہ خانقاہ بنا ہوا تھا۔ (جلد ۵۔ص:۳۰۴۔۳۰۶)

خاصان حق کی علامات:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی علامات اور ان حضرات کی صحبت کی برکت کو اہل بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

نور حق ظاہر بود اندر ولی ☆ نیک بیں باشی اگر اہل دلی

اسی کا ترجمہ گلزار ابراہیم میں مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے اور خوب کیا ہے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ☆ کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

اس کی تائید میں ایک قصہ نقل فرمایا: ایک مرتبہ مولانا رفیع الدین صاحب کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ مولانا رشید احمد صاحب سے کمالات باطنی میں کسی طرح کم نہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ وہ ظاہری عالم بھی ہیں یہ عالم نہیں [حاشیہ: حضرت مولانا رفیع الدین صاحب بھی اگر چہ باقاعدہ اصطلاحی عالم تھے، مگر یہاں مقصود یہ ہے کہ حضرت گنگوہی جیسا علم و تحقیق کا مقام اور درس و افتاء کا مشغلہ نہیں تھا]۔

ایسا ادراک اہل بصیرت ہی کو ہوسکتا ہے۔ اور اس کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہم لوگوں کو ان کمالات کا کیا خاک، پتھر علم ہوسکتا ہے؟ البتہ اتنا یاد ہے کہ کیسا ہی رنج اور غم اور پریشانی ہوئی، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے پاس جا کر بیٹھے اور سکون ہوا۔ اتنی برکت تو صحبت کی یاد ہے۔ جو ایک درجہ میں [اللہ والا ہونے کی] علامت بھی ہے۔

اس برکت کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ میں نے ایک بار مولانا گنگوہیؒ سے ایک سوال کیا کہ توسل کی حقیقت کیا ہے؟ مولانا نے [چوں کہ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی، اس لیے] پوچھا سائل کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اشرف علی۔ تعجب سے فرمایا: تم پوچھتے ہو؟ اور کچھ نہیں فرمایا۔ میں نے بھی دوبارہ عرض کرنے کو خلافِ ادب سمجھا۔ مگر یہ حضرت کی برکت ہے کہ بدون کسی ظاہری ذریعہ کے اللہ تعالیٰ نے اس کی حقیقت منکشف فرمادی۔ مقبولین کی صحبت سے علمی مشکلیں بھی حل ہوجاتی ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

اے لقائے تو جواب ہر سوال ☆ مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(جلد ۵۔ ص: ۳۱۶)

لوگ بوڑھوں کی قدر نہیں کرتے:

حضرت یحیٰی ابن اکثم، جو بخاری کے شیخ ہیں، انتقال کے بعد جب ان کی پیشی ہوئی تو حق تعالیٰ نے سوال فرمایا کہ ارے بدحال بوڑھے! فلاں دن یہ کیا؟ فلاں دن یہ کیا؟ یہ خاموش تھے۔ کوئی جواب نہ دیا۔ پھر سوال ہوا کہ جواب کیوں نہیں دیتا؟ عرض کیا اے اللہ! کیا جواب دوں؟ یہ واقعات سب صحیح ہیں۔ مگر میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔ سوال ہوا کیا سوچ رہا ہے؟ عرض کیا کہ

یہاں کا تو یہ حال سنا نہ تھا۔ ارشاد ہوا کیا سنا تھا؟ عرض کیا کہ میں نے ایک حدیث میں پڑھا تھا اور اس کو مع سند پڑھا۔ ان اللہ یستحیی من ذی الشیبۃ المسلم. یعنی اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں۔ اور میں معاملہ اس کے برعکس دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا کہ تم نے صحیح پڑھا جاؤ، آج صرف بوڑھے ہونے کی وجہ سے تم پر رحمت کی جاتی ہے۔ جنت میں تو یہ بوڑھا ہونا بھی بڑی رحمت کا سبب ہے۔ لوگ بوڑھوں کی قدر نہیں کرتے۔ (جلد۵۔ص:۳۲۵)

بیماری اور مصیبت میں حکمت خداوندی:

فرمایا کہ ہر چیز میں خدا کی حکمت اور رحمت رکھی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ بیماری اور مصیبت میں بھی۔ کیونکہ اگر انسان ہمیشہ تندرست رہے تو کبھی دنیا سے جانے کو جی نہ چاہے۔ اگر چاہے بھی تو تکلف کے ساتھ۔ اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے دنیا سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ اپنے اصلی گھر کو جائیں، تاکہ راحت نصیب ہو۔ یہ کتنی بڑی رحمت اور حکمت ہے۔ (جلد۵۔ص:۳۳۱)

نعمت خداوندی کو کبھی اپنا استحقاق نہ سمجھے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جب تک نعمت خداوندی کو عطاء سمجھ کر استعمال کرتا رہے گا، کبھی زوال نہ ہوگا۔ اور جب اپنا استحقاق سمجھے گا، چونکہ اس سے عطاء کی بے قدری ہوگی، اس لیے زوال اس کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ جو بڑے خوف کی بات ہے۔ (جلد۵۔ص:۳۳۲)

حضرت حاجی صاحبؒ کی برکات:

فرمایا کہ یہ سب کچھ بڑے میاں کی برکات ہیں۔ (مراد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں) دیکھنے میں بظاہر تھانہ بھون کے ایک معمولی شیخ زادے معلوم ہوتے تھے۔ مگر وہ شیخ زمانہ کا مجدد تھا، امام تھا، محقق تھا، معاصرین میں حضرت کے کمالات کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ متأخرین میں ایسا شخص گذرا ہے جس میں روح متقدمین کے زمانہ کی تھی۔ حضرت بالکل سلف کا نمونہ تھے۔ ﴿ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء﴾ اور اس میں کچھ بُعد نہ سمجھا جائے۔ نبوت ہی تو ختم ہوئی ہے۔ ولایت تو ختم نہیں ہوئی۔ بعض متأخرین بعض متقدمین سے افضل ہوئے ہیں۔ ایک شخص نے

کہا تھا کہ اس زمانہ میں علماء میں رازی اور غزالی پیدا نہیں ہوتے۔ میں نے کہا کہ ہمارے بزرگوں کی تحقیقات مدوّنہ کو غزالی اور رازی کی مصنفات سے موازنہ کر کے دیکھ لیجئے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ رازی اور غزالی سے کم ثابت نہ ہوں گے، بلکہ عجب نہیں کہ بہتر ہی ہوں۔ (جلد۵۔ص:۳۵۶)

حضرت نانوتوی ؒ کا علم لدنی تھا، مگر اپنی جماعت میں حضرت گنگوہی ؒ کی شان سب سے نرالی تھی:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ عجیب جامع کمالات تھے۔ مولانا کا علم بالکل لدنی تھا۔ مولانا میں حق تعالیٰ نے علمی کمالات بڑے عالی درجہ کے جمع کر دیئے تھے۔ یہ عطاء حق ہے، جس پر بھی فضل ہو جائے۔ یہی شان حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ بلکہ اپنے تمام مجمع سے نرالی شان تھی۔ مجھ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے طبعاً زیادہ مناسبت ہے، باقی محبت سب سے ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ میں انتظامی شان اور حضرات سے بالاتر تھی۔ خلاصہ یہ کہ امام وقت تھے۔ (جلد۵۔ص:۳۵۶)

شیخ کے جامع بین الاضداد ہونے کی ضرورت:

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے کہ یہ غلام آنجناب کو مثل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے جانتا ہے۔ میں نے لکھ دیا ہے [کہ تمہارا یہ سمجھنا] گو بلا دلیل ہے، مگر تمہارے لیے اس میں اثر دلیل ہی کا ہے۔ [یعنی تمہارے لیے یہ خیال نافع ہے]۔ ایسے موقع پر ہر طرف نظر کرنی پڑتی ہے اگر تواضع کا خیال کرتا ہوں تو اس کا نفع بند ہوتا ہے اگر نہیں کرتا تو تواضع فوت ہوتی ہے، اس میں بحمد اللہ دونوں شق کی رعایت ہوگئی اسی لیے ضرورت ہے کہ معلم جامع بین الاضداد ہو۔ (جلد۵۔ص:۳۵۷)

فراست کا مفہوم:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! فراست بھی کشف کے اقسام سے ہے؟ فرمایا جی ہاں کشف بالمعنی الاعم کے اقسام سے ہے، ذوق سے ایک چیز معلوم ہو جائے اسی کو فراست کہتے

ہیں۔اس میں اطاعت اور تقوے کو زیادہ دخل ہے۔اس سے اس میں برکت ہوتی ہے،نور پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی آنکھ بند کر کے کھائے تب بھی ذوق سے روکھا،کڑوا،میٹھا،نمکین پھیکا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔مگر اس کو بھی اس کے درجہ میں رکھا جاتا ہے،اس کی وجہ سے حدود شرعیہ کو نہیں توڑ سکتے۔اس کی بنا پر وہ کام کر سکتے ہیں کہ اگر کشف بھی نہ ہوتا تب بھی اس کا کرنا جائز تھا۔بس ایسے ہی کام کو کر سکتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ وحی کے مقابلہ میں سب چیزیں ہیچ ہیں،اصل چیز وحی ہے۔ (جلد۵۔ص:۳۶۹)

حق تعالیٰ کی صفات میں کلام خطرناک ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی کنہ کا کوئی ادراک نہیں کرسکتا۔اس لیے اس میں کلام کرنا خطرناک چیز ہے۔اور متکلمین نے جو اس میں کلام کیا ہے،وہ بضرورت کلام کرتے ہیں۔وہ ضرورت یہ ہے کہ اول سلف کے خلاف اہل بدعت نے اس کا مشغلہ بنایا۔اور رائے سے کچھ کتر بیونت کرنے لگے۔اس کے رد کے لیے متکلمین کو بولنا پڑا۔ورنہ بلا ضرورت کلام کرنے کو اکابر نے اچھا نہیں سمجھا۔ (جلد۵۔ص:۳۷۱۔۳۷۲)

غیبت سے بچنے کا طریقہ:

فرمایا کہ ایک خط آیا ہے۔لکھا ہے کہ غیبت سے بچنے کا طریقہ ہے؟ اگر معلوم ہو جائے ممنون ہوں گا۔میں نے لکھ دیا ہے کہ استحضار اور ہمت۔[استحضار یعنی:اس گناہ کی سزا اور عذاب کو بار بار یاد کیا جائے کہ اگر قیامت میں اس کی سزا ملی تو کیا ہوگا؟ اور ہمت یعنی:ارادہ کی طاقت کو کام میں لاکر گناہ سے رکا جائے]۔اس پر فرمایا کہ یہ سب کام کرنے کے ہیں۔بدون ہمت کے کچھ نہیں ہوتا۔یہاں وظیفوں کا کام نہیں،جیسا عام لوگوں کا خیال ہے۔ (جلد۵۔ص:۳۷۵)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ششم

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق ضروری:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یوں تو آپ مجھ سے بھی بہتر سمجھنے والے ہیں، مگر اس طریق میں بدون کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اور اپنے حالات کو پیش کئے ہوئے اور اس کا اتباع کئے ہوئے، منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہی ہے۔ (جلد ٦۔ص:۴۴)

آنے والوں کے قدموں کی زیارت کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں، مگر اصلاح میں رعایت نہیں کرتا:

عقیدہ میرا آنے والوں کے ساتھ وہ ہے جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، کہ میں آنے والے حضرات کے قدموں کی زیارت کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میرا اچھا ہونا تو کسی دلیل سے بھی ثابت نہیں۔ اور میرے پاس آنے والے مجھ کو اچھا سمجھ کر، اللہ کا نام لینے کے لیے آتے ہیں۔ اس لیے یہ یقیناً اچھے ہیں۔ سو غور کیجئے کہ جس شخص کا آنے والوں کے ساتھ یہ عقیدہ ہو، کیا وہ ان کو نظرِ تحقیر سے دیکھ سکتا ہے؟ مگر اصلاح میں کیسے رعایت کر سکتا ہوں؟ اس میں رعایت کا انتظار اور خواہش ایسی ہے کہ جیسے مریض طبیب سے رعایت چاہے کہ مجھ کو فلاں دوا نہ دینا

بڑی مہربانی ہوگی۔ حالانکہ مرض کے لیے وہی مفید ہے، گو وہ تلخ ہے مگر ہے مفید۔ اکثر لوگ اب تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر کام جی چاہا ہو۔ ایک خاص حساب لگا کر گھر سے چلتے ہیں کہ جاؤں گا، خاطر تواضع ہوگی، ظہر کی مجلس میں بیعت ہو جاؤں گا اور عصر کے وقت ولایت اور قطبیت کا سارٹیفکٹ مل جائے گا۔ پھر واپس آکر ہم خود مستقل شیخ اور سب کچھ بن کر بیٹھ جائیں گے۔ مگر یہ سب محض تخمینات ہیں۔ جس میں شیخ چلی کے کارخانہ سے زیادہ واقعیت نہیں۔ (جلد ۶۔ص: ۴۵۔۴۶)

خالی رہنا نقصان دہ ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سلامتی اس میں ہے کہ شغل سے خالی نہ رہے۔ خواہ دنیا ہی کے کسی جائز میں مشغولی ہو۔ ہر حال میں شغل بے شغلی سے اچھا ہے۔ تجربہ ہے کہ جب انسان بالکل خالی ہوتا ہے اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ پھر اشغال میں سب سے بہتر تو عارف [یعنی کسی اللہ والے] کی صحبت ہے۔ ورنہ پھر تو نوم و غفلتِ محضہ ہو، جس میں قویٰ مدرکہ [یعنی ہوش و احساس] محض معطل رہیں۔ غرض بیکاری سے یہ سب چیزیں بہتر اور افضل ہیں۔

(جلد ۶۔ص: ۴۶)

تقلیل کلام کی تاکید سے مقصود:

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ پر ایک معتقد مولوی صاحب نے شبہہ کیا کہ آپ طویل کلام کرتے ہیں۔ اور بزرگوں نے تقلیلِ کلام کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا کہ بزرگوں نے اصل میں فضول کلام سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور مقصود مبتدی کو منع کرنا ہے۔ اور اس میں [یعنی فضول کلام سے بچنے کی عادت ڈالنے میں] بدون زیادہ تقلیل کے کامیابی نہیں ہوتی۔ اور اس کی ایک مثال بیان فرمائی۔ کہ دیکھو مڑے ہوئے کاغذ کو سیدھا کرنے کے لیے اس کے مخالف جانب پر کاغذ کو موڑتے ہیں، تب وہ سیدھا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ذمیمہ [یعنی برے اخلاق] کے ترک کرانے میں اس کی ضد کے اختیار کرنے میں مبالغہ اور اہتمام کی تعلیم کی جاتی ہے۔ (جلد ۶، ص: ۴۷)

اختلاف کے باوجود ادب نہایت ضروری ہے:

فرمایا کہ کسی کے ساتھ اختلاف وغیرہ کچھ ہو، مگر ادب یعنی حفظِ حدود کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے۔ الحمدللہ کہ میں اس کا خاص خیال رکھتا ہوں کہ امرِ حق بیان بھی ہو جائے اور کسی کی اہانت بلاضرورت نہ ہو۔ مجدد صاحبؒ ابن عربی کے اقوال کا زور شور سے رد کرتے ہیں۔ مگر خود ان کو کچھ نہیں کہتے، بلکہ ان کو مقبول [بندہ] کہتے ہیں۔ یہ ہے ادب۔ مگر ابن القیمؒ ابوالحسن اشعریؒ کے باب میں بہت بے باک ہیں، جو غلو ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں تو بہت ڈرتا ہوں ان فقیروں کو کچھ کہتے ہوئے۔ کیونکہ وہاں یہ کون دیکھتا ہے کہ کون بڑا مولوی ہے؟ وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم سے اس بندہ کا کیسا تعلق ہے۔ ممکن ہے کہ اِس متکلِّم سے اُس متکلَّم فیہ کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ صحیح اور قوی ہو۔ اِس لیے ادب کی سخت ضرورت ہے۔ نیز اس میں احتیاط بھی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص قابلِ ادب نہ ہو اور اس کا ادب کر لیا جائے، جہاں دین کا کوئی ضرر نہ ہو، تو کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر قابلِ ادب ہے اور اس کے ساتھ بے ادبی کی، تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ میں اپنے ادبِ طبعی کو کیا عرض کروں! ابوطالب حضورؐ کے چچا ہیں، تو حضورؐ کے انتساب کی وجہ سے ہمیشہ حضرت ابوطالب زبان پر آتا ہے۔ باقی عقیدہ جو ہے وہ ہے۔ تو ہر چیز اپنی جگہ پر رہنی چاہیئے۔ (جلد۶۔ص:۵۱۔۵۲)

مغرب پرستی دینی حالت کی بربادی کا سبب:

فرمایا کہ اس نیچریت [مغرب پرستی] کی بدولت زیادہ تر لوگوں کی دینی حالت برباد ہوئی۔ ان کے یہاں ہر چیز کا معیار اور مدار محض عقل ہے۔ لیکن موٹی بات ہے کہ مخلوق احکامِ خالق کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے؟ اور عقل بھی تو مخلوق ہی ہے۔ وہ کہاں تک پرواز کرے گی؟ کہیں نہ کہیں جا کر اس کی دوڑ ضرور ختم ہو جائے گی۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

آزمودم عقلِ دور اندیش را ☆ بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اس لیے سخت ضرورت ہے کہ اب سب چیزوں کو [نبی پر آنے والی] وحی کے تابع بنا کر کام

میں لگے۔ بدون وحی کے اتباع کے راہ کا ملنا کارے دارد۔ پس اصل چیز ہے وحی۔ اور اگر نری عقل پر مدار رہے تو عقل کا ایک اقتضا تو یہ بھی ہے: جیسا......ایک شخص گوہ کھایا کرتا تھا۔ اور منع کرنے پر کہا کرتا تھا کہ جب یہ میرے ہی اندر تھا تو پھر اگر میرے ہی اندر چلا جاوے تو اس میں کیا حرج ہے؟ تو ان چیزوں کو عقل کے فتویٰ سے جائز رکھا جاوے گا۔ ایسے ہی یہ آج کل کے عقلاء ہیں۔ غرض عقل کا اتباع بدون وحی کے کرنا بالکل ان ہی واقعات کا مصداق ہے۔ چنانچہ اب بھی نتیجہ یہی ہورہاہے اور ہوگا، کہ گوہ کھاویں گے اور کھا رہے ہیں۔

......ارے کیوں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہو؟ جب تک وحی کا اتباع نہ کروگے، میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ راہ نہیں مل سکتی۔ راہ ملنے کا طریق صرف انقیاد اور اطاعت ہے۔ جب تک وحی کے سامنے اپنی عقل کو اپنی رایوں کو نہ مٹادوگے اور فنا نہ کردوگے، اس وقت تک ہرگز ہرگز منزلِ مقصود کا پتہ نہ چلے گا۔ اسی کو فرماتے ہیں:

فہم وخاطر تیز کردن نیست را ☆ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(جلد۶۔ص: ۶۶۔۶۹)

کوئی عقل کی کمی کی وجہ سے نیک ہو تو بھی خوش قسمت:

فرمایا کہ کوئی عقل نہ ہونے کی وجہ سے نیک ہو تو یہ بھی خدا کی رحمت ہے، بہت بڑا انعام ہے۔ شاید عقل ہوتی تو اس کو شرارت میں صرف کرتا۔ اس کی بھی قدر کرنا چاہیئے۔ (ص:۶۹)

دو طرح کے امراء:

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بزرگوں کا ارشاد ہے نعم الامیر علی باب الفقیر۔ پس جو امیر فقیر [یعنی کسی اللہ والے] کے دروازہ پر آ گیا، وہ صرف امیر نہیں نعم الامیر [بہترین امیر] ہے۔ اس کے ''نعم'' ہونے کی قدر کرنا چاہیئے۔ البتہ متکبر امراء سے بالکل ہی خلط کرنا نہیں چاہیئے۔ اس میں بہت مفاسد ہیں۔ جن میں بڑا مفسدہ یہ ہے کہ یہ علم دین اور اہل دین کو نظرِ تحقیر سے دیکھتے ہیں۔ میرا ایسے امراء کے ساتھ اِس قسم کا خشک برتاؤ کرنے کا اصلی سبب یہی ہے کہ ان کے معاملہ کا منشا اور نیت نہایت ہی فاسد ہے۔ (جلد۶۔ص: ۷۶)

گانے کے مفاسد:

[گم راہ صوفیوں کے سماع کے بارے میں] فرمایا کہ گانا نہایت ہی خطرناک چیز ہے۔ خصوص جبکہ گانے والی عورت ہو۔ اس سے دل ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اور یہی حکمت ہے کہ شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ آفت کی چیز ہے۔ اس سے عشقِ صورت پیدا ہوجاتا ہے ﴿اِثمهما اكبر من نفعهما﴾ کی طرح اس میں بھی نفع سے زیادہ مضرت ہے۔ بعضوں کی تو گانا سننے سے جان نکل گئی ہے۔ اور میں تو حسین بچوں سے قرآن شریف خوش الحانی کے ساتھ سننا جائز نہیں سمجھتا جس میں نفس کی آمیزش ہو۔ (جلد ۶۔ص: ۹۹۔۱۰۰)

نورِ قلب اور معاصی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے:

ایک سلسلۂ گفتگو فرمایا کہ معصیت کے ساتھ اعمال صالحہ تو جمع ہوسکتے ہیں۔ **فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره** ۔ لیکن نورِ قلب اور معاصی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔ معاصی اس میں مُخِل [خلل انداز اور رکاوٹ بنتے] ہیں۔ (جلد ۶۔ص: ۱۱۳)

میں ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں اور اپنی اصلاح کی فکر میں بھی لگا رہتا ہوں:

ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں اور خود اصلاح کی فکر میں بھی لگا رہتا ہوں۔ کیونکہ نفس ایسی ہی چیز ہے کہ اس سے کبھی بے فکری نہیں ہوسکتی۔ اور نہ بے فکر ہونا چاہئے۔ اس کی طرف سے اگر ذرا بھی بے فکری اور غفلت ہوئی فوراً اس نے وار کیا۔ اس کی تو ہر وقت ہی دیکھ بھال جانچ پڑتال کرتا رہے تو خیر ہے۔ ورنہ اس نے بڑوں بڑوں کے زہد اور تقویٰ اور عبادتوں کو پلک جھپکنے میں خاک میں ملا دیا۔

(جلد ۶۔ص: ۱۱۶۔ ۱۱۷)

عالم اور مصلح کا امراء کے ساتھ معاملہ:

نواب محمد یوسف صاحب کا قصہ سنا ہے کہ ان کو ایک صاحب ایک بزرگ کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ مگر وہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ مائل تھے۔ اُن صاحب نے اِس کی وجہ پوچھی۔ نواب صاحب نے جواب دیا کہ وہ دوسرے بزرگ تو میری خاطر

کرتے ہیں اور مولانا دیوبندی میں اپنے سے ایسی کشیدگی پاتا ہوں، جیسے مجھ میں سے مولانا کو دنیا کی بدبو آتی ہو۔ تو یہ دلیل ہے ان کے اللہ والے ہونے کی۔

غرض اعتدال یہ ہے کہ اُمراء اگر مہمان ہوں اور اپنے پاس آئیں، تو ان کی آسائش کا تو خیال کرنا چاہئے تاکہ تکلیف نہ ہو۔ اور اہانت اور تحقیر بھی نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن لپٹنا بھی نہیں چاہئے۔ بس اس میں نہ تکبر ہوگا اور نہ تذلل۔ (جلد ۶۔ ص: ۱۲۶)

حضرت حاجی امداداللہؒ کے سلسلے کی شان:

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے جنید اور بایزید تھے۔ فن طریقت کے امام اور مجتہد تھے۔ یہ ان ہی کے سب برکات ہیں، جو خاص ان کے سلسلہ میں نظر آتے ہیں۔ صدیوں کے بعد اُن ہی کی بدولت اِس طریق کی تجدید ہوئی۔ طریق مردہ ہو چکا تھا، اب پھر زندہ ہوا ہے۔ یہ سب ان ہی کی برکت ہے۔ حضرت کی عجیب شان تھی۔ (جلد ۶۔ ص: ۱۲۹)

اکابر علماء دیوبند کا علمی مقام:

اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ علماء میں بھی متقدمین کے رنگ کے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب رازی اور غزالی نہیں پیدا ہوتے۔ میں نے کہا کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان سے بڑھ کر اس وقت موجود ہیں۔ اُن حضرات کی تحقیقات دیکھ لی جاویں اور اِس وقت کے بعض محققین کی بھی تحقیقات دیکھ لی جاویں۔ معلوم ہو جائے گا کہ اب بھی رازی اور غزالی، بلکہ ان سے اکمل موجود ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ زمانہ غلبۂ خیر کا تھا، اب غلبۂ شر کا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ اِس وقت علوم اور کمالات کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ سو بفضلہٖ تعالیٰ رازی اور غزالی اب بھی موجود ہیں۔ (جلد ۶۔ ص: ۱۲۹)

دنیا کا ایک بڑا عیب:

فرمایا کہ دنیا کے اندر ایک بہت بڑا نقص اور عیب وہ ہے جس کو امام غزالی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے، اور عجیب بات فرمائی ہے، کہ دنیا میں اگر کوئی بھی عیب نہ ہو تو یہ کیا تھوڑا عیب ہے کہ وہ ایک دن ہاتھ سے نکل جانے والی ہے۔ (جلد ۶۔ ص:۱۳۲)

تکبر کا مرض عام ہو گیا:

فرمایا کہ آج کل تکبر کا مرض ہر شخص میں عام ہو گیا، الا ماشاء اللہ۔ اس بلا سے بچنے کی کسی کو فکر ہی نہیں۔ اب اس مرض کے وجوہ مختلف ہیں۔ کسی میں یہ کبر حسن و جمال کی وجہ سے ہے۔ کسی کے اندر علم و فضل کی وجہ سے ہے۔ کسی کے اندر زہد و تقویٰ کی وجہ سے ہے۔ کسی کے اندر قوت و شجاعت کی وجہ سے ہے۔ غرضیکہ یہ بلا ہے قریب قریب سب ہی میں۔ (جلد ۶۔ص:۱۳۳۔۱۳۶)

کسی خوبی پر ناز کرنا بڑی بلا ہے:

فرمایا کہ فضائل اور کمالات لیے پھرتے ہیں۔ میاں اگر ایمان کے ساتھ خاتمہ ہو جائے اور حق تعالیٰ اپنے فضل سے دوزخ سے نجات فرمادیں اور جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ مل جائے، یہی سب کچھ ہے۔ لوگوں کو اپنے علم و عمل پر ناز ہے۔ صاحبو! یہ ناز کرنا اپنے کسی کمال پر بڑی ہی بری بلا ہے۔ اور ہماری تو حقیقت کیا ہے؟ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے ﴿**ولئن شئنا لنذھبن بالذی او حینا الیک**﴾ [یعنی اگر ہم چاہیں تو اے محمد! تم سے وہ علم اور دین واپس لے لیں جو ہم نے وحی کے ذریعے تم کو دیا ہے۔] جس سے علم پر ناز کرنے کی جڑ اکھڑتی ہے۔ اور [حضور اقدس ﷺ ہی کو مخاطب کرتے ہوئے] ارشاد ہے ﴿**ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا**﴾ [یعنی اگر ہم نے تم کو حق پر ثابت قدم نہ رکھا ہوتا، تو تم بھی ان (مشرکین) کی طرف کچھ جھک پڑتے] تو اس سے عمل پر ناز کرنے کی جڑ اکھڑتی ہے۔

اس کے بعد پھر کیا خبط نہیں ہے کہ دو چار روز تہجد پڑھ لیا، ذکر و شغل کر لیا، تسبیح ہلالی، بس ہو گئے بزرگ، بن گئے مقدس؟ معلوم بھی ہے؟ کہ ذرا سی دیر میں اسی ناز کے وبال میں سارا تقدس اور بزرگی کافور ہو جائے گی اور سب کچھ دھرا رہ جائے گا۔ صاحبو! نیاز پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ پہلا قدم اس طریق میں فنا ہونا اور اپنے کو مٹا دینا ہے۔ اگر یہ بات نہ پیدا ہوئی تو وہ شخص محروم ہے۔ اور اس شخص کو اِس طریق سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ کان کھول کر سب سن لیں۔

(ص:۱۳۷)

بندہ ہوکر دعویٰ کیسا؟

فرمایا کہ بندہ ہوکر دعویٰ کیسا؟ خواہ دعویٰ علم وفضل پر ہو یا حسن و جمال پر، زہد اور تقوی پر یا شجاعت اور قوت پر۔ عطاء پر دعویٰ کرنا ایسا ہے جیسے ایک......[ذلیل] کو بادشاہ ایک قیمتی موتی اپنے خزانہ سے عطاء فرمائے تو کیا وہ......[ذلیل] اپنے کو اہل سمجھ کر ناز کرے گا؟ یا اس عطاءِ بلا استحقاق سے اور زیادہ پستی پیدا ہوگی، کہ مجھ نااہل کو اتنی بڑی قیمتی چیز سے نوازا، میں اس قابل نہ تھا۔ پھر اُس پر یہ عطاء!! ایسے ہی یہاں پر سمجھو۔ کہ ہر چیز ان کی عطاء فرمائی ہوئی ہے۔ اور اُس کو ہماری طرف منسوب فرمادیا۔ ورنہ ہم کیا اور ہماری حقیقت کیا؟ محض ان کا فضل اور ان کی عطاء اور ان کی عنایت ہے۔ اسی کو کسی نے خوب کہا ہے:

کہاں میں اور کہاں وہ نکہت گل ☆ نسیم صبح تیری مہربانی

(جلد ٦_ص: ١٣٨_١٣٩)

حضرت حکیم الامتؒ کی تواضع:

فرمایا کہ یہاں تو سب بڑے میاں کی دعاؤں کی برکت ہے (مراد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں)۔ ورنہ اپنے پاس علم ہے نہ عمل۔ ہمیشہ یوں ہی گزر گئی۔ اب جی چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جو وقت باقی ہے، اس میں اپنی یاد کی توفیق عطاء فرما کر اپنے کام میں لگائے رکھیں۔ میں اپنے دوستوں کے رنج کی وجہ سے ظاہر نہیں کرتا، ورنہ مجھ کو اپنے وقت کا پوری طرح سے استحضار ہے۔ اگر کسی کو میرے ساتھ ہمدردی اور محبت ہے، تو وہ میرے لیے ایمان کی سلامتی اور اعمال کی توفیق کی دعاء کریں۔ اور باتیں تو بڑے لوگوں کی ہیں۔ اگر ایمان کے ساتھ خاتمہ ہو جائے اور جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ مل جائے یہی سب کچھ ہے اور بڑی دولت ہے۔ باقی تقویٰ طہارت پر کیا کوئی ناز کرسکتا ہے؟ اور دعوے کا کیا کسی کا منہ ہے؟ (جلد ٦_ص: ١٥١_١٥٢)

بس طلب اور توجہ ہو تو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما ہی دیتے ہیں:

فرمایا کہ اُن کی ذات تو ایسی رحیم وکریم ہے کہ بندہ کی ذرا سی توجہ اور طلب پر رحمت شروع فرما دیتے ہیں۔ مگر طلب اور توجہ شرط ہے۔ اگر یہ نہیں؟ تو فرماتے ہیں ﴿انلزمکموها وأنتم لها

کارهون﴾[کیا ہم اس (ہدایت) کو زبردستی تم پر مسلط کردیں جب کہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟]۔وہ استاد یکھتے ہیں کہ بندہ کو طلب اور توجہ بھی ہے؟ پھر سب کچھ خود ہی کر دیتے ہیں۔ (جلد۶۔ص:۱۵۳)

دین کے خادم کو اختلاف سے بہت بچنا چاہیے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ انسان کی خاصیت ہے کہ دوسرے کی تنقیص کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے معائب اور غلطیوں پر غور نہیں کرتا۔ اور نہ ان پر نظر ہوتی ہے۔ اسی لیے اکثر رائے میں غلطی ہوتی ہے اور دوسرے کی رائے کو قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ میں نے فلاں مدرسہ والوں کو مشورہ دیا تھا کہ ایک دم سب کے سب مدرسہ کو چھوڑ دیں۔ یعنی مدرسہ کا کام چھوڑ دیں کہ جس کا جی چاہے کام کرے۔ اگر اس وقت مدرسہ والے اس مشورہ پر عمل کر لیتے اور مدرسہ کو چھوڑ دیتے، تو یہ سارے فتنے دب جاتے۔ ایک دم شور وشغب بند ہو جاتا۔ اور پھر یہی مخالف لوگ مدرسہ والوں کی خوشامد کرتے کہ تم ہی سب کچھ ہو اور تم ہی مدرسہ اپنے انتظام میں رکھو۔ مگر اب اہل مدرسہ کے نہ چھوڑنے سے دوسروں کو بھی ضد ہوگئی۔ اور جب انسان ضد اور ہٹ پر اتر آتا ہے، پھر حق ناحق کچھ نظر میں نہیں رہتا۔

میں اسی واسطے ہمیشہ اپنے دوستوں کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ تم کبھی کسی الجھن میں مت پڑو۔ جہاں الجھن دیکھو، ایک دم اس کام کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ انسان ہے، نفس ہے، نفسانیت آ ہی جاتی ہے۔ اصل مقصود تو دین کی خدمت ہے، یہاں پر نہیں کہیں اور سہی۔ یہ کام نہ سہی اور کوئی دین کا کام سہی۔ ایک کام کو ہی کیوں مقصود سمجھا جائے؟ اور مقصود تو دین کے ہر کام سے رضاء حق اور قرب حق ہے، وہ جس سے بھی حاصل ہو جاوے۔ نہ سہی مدرسہ، گھر پر بیٹھ کر ایک دو طالب علم ہی کو سبق پڑھا دیا۔ یہ بھی تو وہی کام ہے۔ مدرسہ نہیں مدرسی (یعنی چھوٹا سا مدرسہ) ہی سہی۔ رہا کثرت درس، سو نیت بہت سے اسباق پڑھانے کی رکھو۔ لیجئے مدرسہ ہی کا ثواب نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ کام کم اور ثواب زیادہ۔ نقصان کیا ہوا؟ خوامخواہ جھگڑے کرتے پھرتے ہیں۔ اور ان قصوں اور جھگڑوں سے ایک بہت بڑی چیز برباد ہوتی ہے۔ جس کی ہمیشہ اہل اللہ اور خاصان حق سلف صالحین نے حفاظت کی ہے، وہ یکسوئی ہے۔ اگر یہ یکسوئی اپنے پاس ہے تو پھر چاہے اپنے پاس ایک سوئی بھی نہ ہو، مگر اس کی یہ حالت ہوگی [جیسے] فرماتے ہیں:

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی ☆ بے زر و گنج و بصد حشمتِ قاروں باشی

......اور معترضین جو اپنے کو مصلحین کہتے ہیں، مدرسہ کی اصلاح کے لیے چلے تھے، مگر طریق کار وہ اختیار کیا کہ مدرسہ بیخ بنیاد ہی سے اکھڑ جائے۔ میں مدرسہ والوں کو فرشتہ نہیں سمجھتا۔ میں نے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں آپ کو فرشتہ نہیں سمجھتا، کہ آپ سے کسی غلطی کا امکان ہی نہیں۔ بعض چیزوں میں مجھ کو بھی آپ سے اختلاف ہے۔ اور وہ چیزیں قابل اصلاح ہیں۔ مگر اِن لوگوں نے جو اصلاح کے نام سے طریق کار اختیار کیا یہ بھی برا ہے۔ میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا، کہ کام کرنے والوں کو ادب سے، محبت سے رائے دیتا۔ کیونکہ مجھ کو مدرسہ کے ساتھ ہمدردی ہے، مدرسہ کی ذات سے خیر خواہی ہے، اس لیے کہ میرے بزرگوں کی بنیاد ڈالی ہوئی ہے۔ اس لیے جس کی ذات سے بھی مدرسہ کو نقصان پہنچے گا، اس سے ضرور قلب میں رنج ہوگا۔ اور ضرور اس سے شکایت پیدا ہوگی۔

یہاں اپنے قصبہ میں ایک زمانہ میں ایک اور مدرسہ کی تجویز ہوئی، اس موجود مدرسہ کے مقابلہ میں۔ اور اس کی کارروائی مجھ سے مخفی کی گئی، اس لیے کہ شاید مزاحمت کرے۔ اور تجویز یہ ہوئی کہ مولانا فتح محمد صاحب کو، جو میرے استاد تھے، مدرس تجویز کیا۔ تاکہ میں ان کی وجہ سے مزاحمت نہ کرسکوں۔ حالانکہ مقصود تو کام ہے، انتساب مقصود نہیں۔ اس لیے اگر وہ لوگ کہتے تو میں بھی ان کی تجویز میں شریک ہوتا اور موجودہ مدرسہ کو ختم کر دیا جاتا۔ مگر انہوں نے مجھ سے مخفی رکھا اور ایک مکان میں اس کا جلسہ قرار پایا۔ مجھ کو معلوم ہوا میں بدون بلائے ہوئے وہاں پہنچا۔ تقریر ہو رہی تھی، ایک دم سب خاموش ہو گئے۔ میں نے جا کر کہا کہ میں آپ کے جلسہ میں مخل ہونے نہیں آیا ہوں۔ ایک مختصر سی بات کہہ کر ابھی واپس جاتا ہوں۔ اور وہ بات یہ ہے کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کوئی مدرسہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مجھ سے مخفی رکھا گیا۔ لہٰذا میں آپ کو مطمئن کیے دیتا ہوں، کہ اتنی کلفت اور پریشانی برداشت نہ کریں۔ میں کل صبح ہی سے اپنے سابق مدرسہ کو بند کر دوں گا۔ آپ مجھ سے مدرسہ کا حساب کتاب سمجھ لیں اور جو چیزیں اس کی ملک ہیں اس پر قبضہ کر لیں۔ صرف خانقاہ کا کتب خانہ جس کا متولی واقفین نے مجھ کو بنایا ہے، فی الحال آپ کو نہ ملے گا۔ باقی

سب چیزیں آپ لے سکتے ہیں۔اور دو برس کے بعد جب دیکھوں گا کہ آپ اچھا کام کر رہے ہیں، باذنِ واقفین کتب خانہ بھی سپرد کر دوں گا۔ میں اتنا کہہ کر چل دیا۔بس جلسہ وغیرہ سب درہم برہم، تر کی ختم۔ پھر کہیں جلسہ ہوا نہ مشورہ۔سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔ کام کرنا آسان تھوڑا ہی ہے۔ مقصود تو ان لوگوں کا کچھ اور ہی ہوتا ہے، کہ جھگڑا ہوگا، فتنہ فساد ہوگا، ذرا تصادم میں مزہ آئے گا۔

اللہ کا شکر ہے، اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے، خصوص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عنایتوں سے اللہ تعالیٰ نے ان قصوں سے پاک صاف ہی کر دیا۔ کنج وکاوش کی اور الجھن میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ نظر ہمیشہ مقصود پر ہونا چاہئے۔ پس جب مدرسہ مقصود نہیں، بلکہ مقصود رضاءِ حق اور قربِ حق ہے، سو وہ دین کے دوسرے کاموں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر کیوں خوامخواہ قلب کو مشوش کیا جائے اور فتنہ فساد کو مول لیا جائے؟ کسی اور کام میں لگ جاؤ۔

(جلد۶۔ص:۱۸۰۔۱۸۲)

معصیت کمبخت نہایت ہی بری اور مہلک چیز ہے:

فرمایا کہ معصیت کمبخت نہایت ہی بری اور مہلک چیز ہے۔اس سے اجتناب کی سخت ضرورت ہے۔ وہ وقت اور وہ گھڑی بندہ کے واسطے نہایت ہی مبغوض اور منحوس ہے جس میں یہ اپنے خدا کا نافرمان ہوتا ہے۔ اگر حس ہو تو فوراً معصیت کرنے کے بعد قلب پر ظلمت محسوس ہوتی ہے۔ اور بعض نافرمانی کا یہ بھی اثر ہوتا ہے کہ آئندہ کے لیے عمل کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ بڑے خوف کی بات ہے۔اور معصیت میں ایک اور خاصیت بھی ہے کہ اس کے محکوم اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہوئے وہ شوخی کرنے لگا، فرمایا آج ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہ ہماری نافرمانی کرتا ہے۔ (جلد۶۔ص: ۱۸۳)

استاد کے ادب واحترام کے بغیر علم میں برکت نہیں ہوسکتی:

فرمایا کہ آج کل استادوں کا ادب اور احترام بالکل ہی جاتا رہا۔تو ویسی ہی علم میں خیر و برکت رہ گئی۔ عادۃ اللہ یہ ہے کہ استاد خوش اور راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا......۔فلاں مولانا میرے ابتدائی کتابوں کے استاد تھے۔ایک دفعہ مجھ کو زیادہ مارا۔اس پر خاندان اور قصبہ میں بہت کچھ قصہ ہوا۔مگر

انقیاد کا یہ اثر ہوا، کہ بعد فراغ درسیات، ایک روز مولانا نے مجھ سے بایں عنوان معافی چاہی کہ ہم تم ایک مدت تک ساتھ رہے ہیں، ایسی حالت میں کچھ حقوق میں کوتاہی بھی ہو جاتی ہے، مجھ سے بھی ہوگئی ہوگی، تم معاف کردو۔ میں نے عرض کیا کہ میں سمجھ گیا جس چیز کی آپ معافی چاہتے ہیں۔مگر وہ معافی کی چیز ہے؟ وہ تو ایک دولت تھی اور رحمت تھی۔ اسی کی بدولت تو آج دو حرف نصیب ہوگئے۔ فرمایا کہ اس سے تسلی نہیں ہوتی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت حکم فرماتے ہیں اس وجہ سے میں عرض کرتا ہوں کہ معاف ہے۔الامر فوق الادب۔

مولانا کی یہ حالت تھی انکسار اور سادگی اور بزرگی کی۔ یہ ہے شان عبدیت کی۔ پہلے استادوں کا شاگردوں کے ساتھ یہ معاملہ تھا۔اب شاگردوں کا بھی استادوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں۔ پھر کہاں علم اور کہاں برکت؟ میں مولانا کی برکت کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ سب سے بڑی دولت امتی کے واسطے یہ ہے کہ قلب میں دین کی محبت ہو، عظمت ہو، چاہے عمل میں کوتاہی ہو۔سو یہ دولت مجھ کو مولانا کی صحبت کی برکت سے نصیب ہوئی۔اس لیے کہ بچپن میں تعلیم شروع انہیں سے ہوئی۔ شروع ہی میں اس کی ضرورت ہے کہ استاد بھی صاحبِ محبت [خداوندی] ہوں، تا کہ شاگردوں کے جذبات اور خیالات پر ان کا اثر ہو۔اور شروع ہی سے صحیح تربیت اور اصلاح ہو۔

پھر فرمایا کہ دین کی محبت اور اپنے بزرگوں کی محبت کے علاوہ اور میرے پاس ہے ہی کیا؟

(جلد٦۔ص: ١٩١)

کثرت مباحات کا نتیجہ:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کثرت مباحات میں بھی زیادہ انہماک کرنے سے قلب پر کدورت کا اثر ہوتا ہے۔مثلاً ہنسنا ہے، اس کی کثرت قلب کو پژمردہ بنا دیتی ہے۔جیسے ذکر اللہ سے قلب کو طمانیت اور نورانیت حاصل ہوتی ہے۔جس نے تھوڑا سا بھی خلوت کا ذائقہ چکھ لیا ہوگا وہ اس کو محسوس کرے گا۔اس کا اثر اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ ایک پہاڑ جیسی چیز قلب کے سامنے اڑی ہوئی ہے، اور بدون استغفار یہ کیفیت نہ بدلے گی۔

مگر ان باتوں کے احساس کے لیے ضرورت ہے کہ کچھ خلوت میسر آچکی ہو۔ ذکر اللہ میں

مشغول رہ چکا ہو۔ بدون اس کے پتہ چلنا مشکل ہے۔ ایسی حالت سے بچنے کی خاص سعی اور کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ (جلد ٦۔ص:١٩٨)

تفاخر ہر طبقے میں آ گیا:

تفاخر [یعنی باہم فخر اور ایک دوسرے سے زیادہ بڑے ہونے کا جذبہ] ہر طبقہ میں ہو گیا ہے، اس سے الا ماشاء اللہ کوئی شخص اس زمانہ میں بچا ہو گا۔ ورنہ قریب قریب سب کو اس بلاء میں ابتلاء ہے۔ اب تو تفاخر کی یہ حالت ہے کہ صرف دنیا ہی کے کاموں میں تفاخر نہیں، بلکہ دین کے کاموں میں بھی تفاخر کی نیت ہو گئی۔ اس ہی لیے ضرورت ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہے۔ بدون شیخِ کامل کی صحبت کے اور اس کی جوتیاں سیدھی کئے ہوئے، اصلاح مشکل ہے۔ اور نری صحبت سے بھی کچھ نہ ہو گا، جب تک کہ اس کی تعلیم پر عمل نہ ہو گا۔ اور اپنا کچا چٹھا اس کے سامنے کھول کر نہ رکھ دو گے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال را بگزار، مرد حال شو ☆ پیشِ مردے کاملے پامال شو

(جلد ٦۔ص: ٢٠٦)

حبِّ دنیا اب اکثر علماء و مشائخ تک میں آ گئی:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل حُبِّ دنیا اکثر مشائخ اور علماء تک میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ چیز بحمد اللہ اپنے بزرگوں میں نہ تھی۔ مکہ معظّمہ میں ایک ترکی شیخ تھے خلیل پاشا، انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے سب جگہ کے علماء کو دیکھا، مگر جیسے ہندوستان کے علماء ہیں اور کہیں کے علماء نہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے ان میں کیا بات دیکھی؟ انہوں نے ایک عجیب بات کہی کہ ہندوستان کے علماء میں حبِّ دنیا میں نے نہیں دیکھی۔ اور یہ بات الحمد للہ ہے بھی، کہ ان کے اکثر میں حب دنیا نہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔ پھر میں نے یہ بھی پوچھا خلیل پاشا سے کہ آپ ہندوستان کے کن علماء سے ملے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ میں نے دل میں کہا کہ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے علماء کے معتقد ہوئے۔

(جلد ٦۔ص: ٢١٦۔٢١٧)

بزرگوں کا عملیات سے ایک درجہ انقباض:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھ کو تو تعویذ گنڈوں سے طبعی انقباض ہے۔ مگر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمادیا کہ جو کوئی آیا کرے اللہ کا نام لکھ کر دے دیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو کچھ جانتا ہی نہیں۔ فرمایا کہ جو جی میں آیا کرے وہی لکھ دیا کرو۔ اکثر ایسا ہی کرتا ہوں، قرآن کی کوئی آیت یا کوئی حدیث جو جی میں آتا ہے لکھ دیتا ہوں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عامل نہیں تھے۔ مگر آپ کا اثر جنوں پر بھی تھا۔ ایک جگہ [ایک معروف جن] اللہ بخش گنگوہی کا اثر تھا، وہاں گھر والا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لے گیا۔ اللہ بخش نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ اگر صرف کہلا کر بھیج دیتے تو میں عدول حکمی نہ کرتا۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ سہارنپور کا ہے، کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے ایک مکان میں ٹھہرا دیا۔ اس میں جن کا بہت قوی اثر تھا۔ حضرت کے ہمراہ حافظ محمد ضامن صاحب بھی تھے۔ وہ جن اخیر شب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اعتقاد کا اظہار کیا۔ اور اسی سے معلوم ہوا کہ اس جن کے خوف سے وہ مکان چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت نے اس کو نصیحت فرمائی۔ اور اس نے توبہ کی۔ پھر حضرت نے حافظ صاحب سے ملنے کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا کہ آپ کے تو اخلاق سے جرات ہوئی، مگر حافظ ضامن صاحب کے جلالِ ہیبت سے ان سے ملنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ سو ایسی برکات کے واقعات تو اپنے بزرگوں کے بہت ہیں۔ مگر عملیات وغیرہ سے کسی جن یا انسان کو مغلوب نہ فرماتے تھے، یعنی عملیات کا شغل نہ تھا۔

ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسا عمل بھی ہے، جس سے جن مسخّر [یعنی قابو میں] ہو جائے؟ فرمایا: ہے۔ مگر ایک بات پوچھتا ہوں کہ تم بندہ بننے کو پیدا ہوئے ہو یا خدا بننے کو؟ خدا معلوم کس دل سے یہ الفاظ حضرت نے فرمائے تھے۔ سالہا سال کا شوق ایک منٹ میں ختم ہو گیا۔ بلکہ خود اس فن سے ایک درجہ انقباض کا قلب میں پیدا ہو گیا۔ اس ہی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرو۔ ان کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے۔ خاک کو کندن بنا دیتی ہے۔ افسوس صحبت کے برکات لوگوں کو معلوم نہیں۔

اسی سے آج کل لوگوں کو وحشت ہے۔ حالانکہ بدون صحبت کے فضول اور عبث سے نجات ملنا صرف دشوار ہی نہیں، بلکہ عادۃً محال ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے جن کا یہ اعتقاد تھا کہ مولانا عامل ہیں۔ مولانا کا کشف بڑھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ نعوذ باللہ، استغفر اللہ، کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم عامل ہیں؟ ارے کچھ خبر بھی ہے کہ عملیات سے نسبتِ باطنی سلب ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ مولانا کے ارشاد سے معلوم ہوا۔ سبحان اللہ یہ حضرات کیسے حکیم تھے۔ (جلد۶۔ص: ۲۲۴۔۲۲۶)

دعا دنیا کے لیے ہو تب بھی عبادت ہے:

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ پندرہ ہزار کا قرض دار ہوں، بہت مرتبہ جی چاہا کہ حضرت کو لکھوں، مگر محض اس خیال سے کہ دنیاوی معاملہ میں کیا حضرت کو تکلیف دوں، نہیں لکھا۔ آج ہمت کر کے لکھ ہی رہا ہوں۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ تم نے سخت غلطی کی۔ دعا کے متعلق تم کو معلوم نہیں، وہ اگر دنیا کے لیے بھی کی جائے تب بھی دین اور عبادت ہی ہے۔ ایک شخص یہاں پر آئے، قرض دار تھے مجھ سے دعاء کے لیے کہا۔ میں نے کہا کہ میں بھی دعاء کرتا ہوں، تم بھی دعا کرو۔ کہنے لگے کہ اجی ہماری دعاء ہی کیا؟ میں نے کہا کہ اس طرح تو نماز روزہ بھی چھوڑ دے کہ ہماری نماز ہی کیا؟ ہمارا روزہ ہی کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ ان سب اعمال میں دو حیثیتیں ہیں؛ ایک حیثیت تو یہ ہے کہ اس کو اپنا کمال سمجھے۔ اس حیثیت سے تو وہ قابلِ نظر نہیں۔ اسی درجہ میں ارشاد ہوا ﴿ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک﴾ [یعنی اگر ہم چاہیں تو اے محمد! تم سے وہ علم اور دین واپس لے لیں جو ہم نے وحی کے ذریعے تم کو دیا ہے] تو جب حضور کو ایسا حکم فرمایا گیا ہے اور تو کس کی مجال ہے کہ وہ دعویٰ کرے۔ اور ایک حیثیت ہے کہ یہ [نیک عمل] حق تعالیٰ کا عطیہ ہے، جو باوجود ہماری عدم اہلیت کے ہم کو عطا ہوا ہے۔ اس حیثیت سے وہ قابل نظر اور قابل قدر ہے۔ غرض حق تعالیٰ کی نعمت کی تحقیر نہ کرے۔ اور اس سے اپنی اہلیت کا گمان نہیں ہے کیونکہ ان کی نعمت باوجود عدم استحقاق کے بھی عطا ہوتی ہے۔

(جلد۶۔ص:۲۲۷)

غیر مقلدین کے بارے میں حضرتؒ کا معتدل موقف:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بعض غیر مقلدین بیباک ہوتے ہیں۔ میں ان کے متعلق اپنی حالت کہتا ہوں کہ؛ جو شخص تقلیدِ مجتہدین کو حرام کہتا ہے، میں اپنے قلب میں اس سے نفرت پاتا ہوں (۱)۔ اور اگر جواز کا قائل ہو گو واجب نہ سمجھے، اس سے نفرت نہیں پاتا۔ اور نہ اس سے قلب میں بُعد ہوتا ہے۔ اور بعض تو اس مسئلہ میں بڑے ہی سخت ہیں۔ اس تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ بڑی دلیری کی بات ہے۔ (جلد ٦۔ص:۲۳۱)

تصوف کے اشغال و مراقبات کی مثال:

فرمایا کہ اس طریق میں علاوہ اعمال کے جس قدر چیزیں ہیں اشغال و مراقبات، سب کا درجہ تدابیر کا ہے۔ اور یہ سب اعمالِ مقصودہ ہی کی معین سمجھ کر اختیار کی جاتی ہیں۔ ان کو بدعت کہنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص طبیب جسمانی کی تدابیر کو اس لیے بدعت کہے کہ یہ تدابیر قرآن وحدیث میں وارد نہیں۔ حالانکہ محل بدعت کا افعال ہیں نہ کہ تدابیر۔ ایک نوعمر خان صاحب یہاں پر آئے تھے، چند روز یہاں پر رہ کر وطن واپس ہو گئے۔ اور مجھ کو لکھا کہ مجھ میں کبر کا مرض ہے۔ یہاں کے زمانہ قیام میں میں نے ان کی حالت وسلامتِ طبع کا اندازہ کر لیا تھا۔ آدمی فہیم اور سمجھ دار ہیں۔ میں نے ان کو لکھا کہ اس ہی مضمون کو پانچ خطوط میں لکھ کر میرے پاس بھیج دو۔ میں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کے لیے یہ پانچ مرتبہ لکھنا بڑا مجاہدہ ہے، اس سے مرض کا ازالہ ہو جائے گا۔ ایسا ہی ہوا کہ انہوں نے پانچ مرتبہ سے بھی کم لکھا تھا، مرض کا ازالہ ہو گیا۔ اب اس [پانچ مرتبہ لکھوانے] میں بدعت کی کون سی بات ہے؟ کیونکہ یہ مثل دیگر تدابیر طبّیہ کے ایک تدبیر تھی۔ جس سے ایک اتنے بڑے خبیث مرض سے ایک مسلمان کو نجات مل گئی، جو برسوں کے مجاہدہ اور ریاضات سے بھی میسر ہونا مشکل ہوتا ہے۔ جو ایک سہل تدبیر سے حاصل ہو گئی۔ [بس یہی حیثیت تصوف کے اشغال و مراقبات کی ہے]۔

(جلد ٦۔ص: ۲۴۳)

---

(۱) [عربی میں نفرت کے معنیٰ بیزاری وناپسندیدگی ہیں، وہی یہاں مراد ہیں۔ بغض یا دشمنی نہیں۔]

سلوک وطریقت میں حضرت حاجی صاحبؒ کا مقام:

حضرت حاجی صاحبؒ اپنے فن کے امام تھے، مجتہد تھے، مجدد تھے، محقق تھے۔ حضرت کی ذات بابرکات سے عالم کو بڑا فیض ہوا۔ بے شمار گم کردہ راہوں کو راہ مل گئی۔ حضرت کی بدولت فنِ سلوک کی درس گاہیں کھل گئیں۔ آپ کی دعاء کی برکت سے صدیوں کا مردہ طریق زندہ ہوگیا۔ اب صدیوں ضرورت نہیں۔ اور جب ہوگی حق تعالیٰ اور اپنے کسی خاص بندے کو پیدا فرمادیں گے۔

(جلد ۶۔ص: ۲۴۷)

شریعت وطریقت ہرگزا الگ نہیں:

فرمایا کہ جھک مارتے ہیں جو ایسا کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت دو [الگ الگ] چیزیں ہیں۔ ایک ہی چیز ہے۔ مگر سہولتِ تعبیر کے لیے اصطلاحاً اعمال ظاہرہ کے احکام کو شریعت کہتے ہیں۔ اور اعمال باطنہ مامور بہا کے احکام کو طریقت۔ یہ صوفیہ کی اصطلاح ہے، جو محض سہولت تعبیر کے لیے الگ الگ نام رکھ لیا ہے۔ اس اعتبار سے دو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ان جاہلوں کی جو مراد ہے کہ دونوں میں تنافی بھی ہوسکتی ہے، یہ جہل محض ہے۔ یہ تو جاہلوں کی غلطی تھی۔ اور آج کل ایک غلطی میں اہل علم تک مبتلا ہیں، کہ اوراد اور وظائف کو طریق سمجھتے ہیں اور کیفیات کو ثمرہ۔ جو محض غلط ہے۔ نہ اوراد وظائف طریق ہیں اور نہ کیفیات ثمرہ۔ بلکہ [مشروع] اعمال ہی طریق ہیں۔ اور مقصود رضاءِ حق ہے۔ اس سے آگے تحریف ہے۔ ان ہی باتوں کی بدولت تو طریق بدنام ہوا۔ اور اس میں لوگوں کو شبہات پیدا ہوئے۔ (جلد ۶۔ص: ۲۴۸)

فن تصوف کے حصول کا طریق:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فن تصوف محض تحقیقات سے نہ آج تک کسی نے حاصل کیا اور نہ یہ قاعدہ ہے۔ یہ آتا ہے کام کرنے سے۔ محض زبانی جمع خرچ اور سنانے سے نہیں آیا کرتا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ ہاں اصول وقواعد کے حاصل کرنے کے بعد پھر یہ تحقیقات اور سننا سنانا مناسبت میں معین ہوجاتا ہے۔ اس لیے میں اپنے دوستوں کو ہمیشہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ

کام میں لگو، کام کرو۔ سب ضروری معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ ہر کام کا ایک طریقہ ہے، قاعدہ ہے، اصول ہیں، شرائط ہیں۔ آخر دوسرے علوم بھی تو طریقہ ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں اس میں اوران میں فرق کیا ہے۔ (جلد ۶۔ص: ۲۵۹)

غیر معمولی شفقت کے سبب حضرت حاجی صاحبؒ کا فیض زیادہ ہوا:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو فیض زیادہ ہوا، وہ حضرت کی شفقت کی وجہ سے ہوا۔ آپ کی شفقت کی حالت اس کے مصداق تھی:

بندہ پیر خراباتم، کہ لطفش دائم ست ☆ زانکہ لطف شیخ وزاہد گاہ ہست وگاہ نیست

حضرت کی ذات کچھ عجیب وغریب تھی۔ وہ بات کسی میں بھی نہ دیکھی جو حضرت میں تھی۔ مایوسی اور پریشانی تو وہاں تھی ہی نہیں۔ ہر پریشان کی وہاں تسلی ہی تسلی تھی۔ اور ہر برے سے برے شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے، جس کی وجہ غایتِ تواضع تھی۔ مشکل سے کسی کے ساتھ حضرت کو بدظنی ہوتی تھی۔ حتی الامکان سب کے افعال میں اقوال میں توجیہ اور تاویلات ہی فرمادیا کرتے تھے۔ (جلد ۶۔ص: ۲۶۱)

ہر وقت کہتا ہوں کہ اے نفس! دیکھ سنبھال کر کام کرنا:

میں کسی پر عین مواخذہ کرنے کے وقت ڈرتا ہوں کہ اے نفس! دیکھ سنبھال کر کام کرنا۔ کبھی یہ مواخذہ تیرے مواخذہ کا سبب نہ بنے۔ واللہ اس وقت ایک حالت ہوتی ہے خوف کی۔ مگر آنے والوں کی مصلحت سے ایسا کرتا ہوں۔ اور کیا اپنی کسی چیز پر انسان ناز کرسکتا ہے؟ وہاں تو یہ شان ہے کہ ہمارا تقویٰ بھی قابل پیش کرنے کے نہیں۔ اور غیر تقویٰ تو کسی طرح قابل پیش کرنے کے ہو ہی نہیں سکتا۔ خود تقویٰ بھی پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اگر تقویٰ ہی کے متعلق یہ سوال ہوا کہ یہ سڑیل چیز کیوں پیش کی تو کیا جواب ہوگا؟ (جلد ۶۔ص: ۲۶۲)

بزرگوں کی بے نفسی:

اپنے بزرگوں کو دیکھا کیسی کیسی ہستیاں تھیں! اس قدر بے نفسی! اللہ اکبر!! اپنے کو بالکل

مٹائے ہوئے اور فنا کئے ہوئے تھے۔ کسی فعل اور کسی قول سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ ہیں یا کچھ جانتے ہیں۔ ان حضرات کو اب آنکھیں ڈھونڈتی ہیں۔ وہ حضرات سب کچھ تھے اور اپنے کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ اور آج کل یہ حالت ہے کہ کچھ نہیں اور اپنے کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں۔ اور اس کے متمنی ہیں کہ دوسرے بھی ہم کو کچھ سمجھیں۔ ہم نے تو یہ دیکھا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ؛ بھائی میں ادھورا ہوں۔ اور میں نے ان دونوں سے کئی مرتبہ کہا کہ بھائی مجھ کو بھی کچھ بتا دو۔ مگر دونوں نے بخل سے کام لیا۔ مراد دونوں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور فرماتے کہ اگر میں ایسا ہوتا جیسے کہ یہ دونوں، تو بالدیوں (یعنی مویشی چرانے والوں) کو ایسا بنا دیتا جیسے یہ دونوں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے میں ادھورا ہی مر جاؤں گا۔ اپنے تلامذہ اور مریدوں کے سامنے یہ بات! اس بے نفسی کو ملاحظہ کیجئے۔ اس کے بعد اتفاق سے مکہ معظّمہ کا سفر ہوا اور حضرت (حاجی صاحبؒ) کی خدمت میں پیاس بجھ گئی۔ (جلد ۶۔ ص: ۲۶۴۔ ۲۶۵)

دین کی معمولی سمجھ پیدا ہونے سے پہلے اصلاح بھی شروع نہیں ہو سکتی:

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے، پہلے بھی ان کے بہت لمبے چوڑے خطوط آئے، مگر کوڑ مغزی سے بھرے ہوتے تھے۔ میں نے ان کو لکھا تھا کہ تم کو سمجھ نہیں۔ تم میرے سو وعظ دیکھو۔ اس سے امید ہے کہ دین کی سمجھ پیدا ہو جاوے گی۔ آج خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں نے بموجب ہدایت حضرت والا کے سو وعظ کا مطالعہ کیا۔ الحمدللہ حضرت کی دعا اور توجہ کی برکت ہے، مجھے اپنے امراض معلوم ہو گئے ہیں، سراپا امراض ہوں۔ اور اب کے کوئی بے ڈھنگی بات نہیں لکھی۔ اب اصلاح شروع ہو جاوے گی۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ کیا کیا امراض معلوم ہوئے، یہ لکھو۔ میں نے اس لیے لکھا ہے کہ اس طریق میں دو غلطی ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی مریض ہو، مگر اپنے کو مریض نہ سمجھے۔ دوسری غلطی یہ ہوتی ہے کہ غیر امراض کو امراض سمجھ بیٹھے۔ سو غلطیاں لکھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ جن کو امراض سمجھا، آیا حقیقت میں بھی وہ امراض ہیں یا نہیں، دیکھئے کیا لکھتے ہیں۔ (جلد ۶۔ ص: ۲۶۹)

میں بحمداللہ کسی کی تکلیف کا سبب نہیں بنتا:

اوروں کو تو کیا مجھ سے تکلیف پہنچتی؟ گھر والوں تک کو میری وجہ سے بحمداللہ کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ گھر والوں کا یہ معمول تھا کہ جب میں گھر جاتا، تب میرے لیے تازی اور گرم روٹی پکاتیں۔ مجھ کو اس سے تنگی ہوتی اور تکلیف ہوتی کہ ان کو میری وجہ سے تکلیف ہے۔ میں نے کہا کہ میں گرم روٹی نہ کھاؤں گا۔ ایک گھنٹہ کی رکھی ہوئی ٹھنڈی روٹی کھاؤں گا۔ تب گھر والوں نے وہ عادت چھوڑی۔...... کبھی وقت پر کھانا نہ کھایا اور دوسرے وقت کے لیے رکھ دیا گیا، تو کہہ دیتا تھا کہ تم بے فکر ہو جاؤ۔ اور معین جگہ رکھ کر بتلاؤ میں خود اپنے ہاتھ سے لے کر کھا لوں گا۔ تم ایک جگہ رکھ دینے کا انتظام کر دو۔ جگہ کے مقرر ہونے پر مجھ کو ڈھونڈنے کی کلفت نہ ہوگی۔ غرض ان کو ہر طرح پر فارغ کر دیا۔ اسی طرح کے بہت سے معمولات ہیں یہ ایک آدھ نمونہ کے طور پر ذکر کر دیا۔ (جلد ۶۔ص: ۲۸۸۔ ۲۸۹)

آج کل لوگ اصلاح کرانے نہیں آتے:

فرمایا کہ آج کل لوگ علاج یا اصلاح کرانے تھوڑا ہی آتے ہیں۔ کیونکہ مریض بن کر آتے ہیں تو سُبکی ہوتی ہے۔ طبیب بن کے آتے ہیں، فن کے متعلق سوالات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ مرض لکھے پڑھے لوگوں میں زیادہ ہے۔ اور یہ سب جاہ کا مرض ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ بڑے فن کے جاننے والے ہیں، محقق ہیں، مجتہد ہیں۔ گو سراپا امراض ہیں، مگر اپنے کو تندرست سمجھتے ہیں۔ اور یہ حالت نہایت خطرناک ہے کہ مریض ہو کر اپنے کو مریض نہ سمجھے۔ (جلد ۶۔ص:۲۹۵)

علماء کے لیے استغنا بہت ضروری ہے:

اہل علم کو استغناء کی سخت ضرورت ہے، خصوص امراء کے دروازوں سے تو ان کو بالکل ہی اجتناب چاہئے۔ اس میں دین، علم دین، اہل دین سب کی ذلت ہے، سُبکی ہے۔ مجھ کو تو اس سے بڑی نفرت ہے۔ اور میں جب کوئی واقعہ اہل علم کا امراء کے ساتھ تملق کا سنتا ہوں، سخت افسوس ہوتا ہے۔ میں تعلق کو منع نہیں کرتا، تملق کو منع کرتا ہوں۔ یہ اہل علم کی شان سے بہت ہی بعید ہے۔ **مگر کس طرح دل میں دل ڈال دوں؟** (جلد ۶۔ص: ۳۰۲)

تعظیم میں تکلف اور مبالغہ بھی برا ہے:

ایک صاحب نے اتنی عجلت سے پنکھا کھینچنے کے لیے پکڑ لیا کہ حضرت والا مجلس میں اپنی جائے قیام پر اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ اس پر فرمایا کہ اگر میں دس منٹ اور کھڑا رہتا تو تم کیا کرتے؟ یہ کوئی انسانیت ہے؟ کیا اور دس منٹ تک اسی میں قلب کو مشغول رکھتے کہ یہ بیٹھے گا تو میں پنکھا کھینچوں گا؟ کیا ایسے انہماک کے ساتھ غیر اللہ کی طرف مشغول رہنا یہ طریق میں مضر نہیں؟ آپ لوگوں کو تعلیم کرنا بھی عبث ہی ہے۔ آخر میں کہاں تک چکنے گھڑوں پر پانی ڈالوں؟ جب کہ تم لوگوں کو خود ہی اپنی اصلاح کا خیال نہیں۔ ہر کام موقع اور حدود کے اندر کرنا چاہئے۔ مومن کا قلب تو ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ہر وقت کسی دوسرے ہی کی طرف مشغول رہے۔ مومن کا قلب تو ایک ہی کی مشغولی کے واسطے بنایا گیا ہے۔ یہ تو قلب کو تاریک کرنا ہے۔ مجھ کو بھی اسی سے وحشت ہوتی ہے کہ ناموزوں حرکتیں کر کے میرے قلب کو بھی لوگ غیر اللہ میں مشغول رکھنا چاہتے ہیں۔ جس سے الجھن ہوتی ہے۔ صبر بھی کرتا ہوں، مگر پھر تغیر ہو جاتا ہے۔ اب چپ بیٹھے ہو، اپنی غلطی کو محسوس کیا یا نہیں؟ ہاں یا نہ کچھ جواب تو ملنا چاہئے۔ عرض کیا کہ اپنی غلطی کو سمجھ گیا اب آئندہ خیال رکھوں گا۔ فرمایا کہ مجھ کو تو اس کا افسوس ہے کہ میں تو آپ لوگوں میں دین کے پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ اور تم مجھ کو افراط فی التعظیم [یعنی تعظیم میں مبالغہ] کر کے، جو اس وقت کی حرکت کا منشا تھا، فرعون بنانے کی کوشش کرو۔ یہ باتیں اور ہی جگہ چلتی ہیں۔ مجھ کو ایسی خدمت سے اور ایسی تعظیم سے نفرت ہے۔ خدمت سے اس وقت راحت ہوتی ہے جبکہ روح کو تکلیف نہ ہو۔ تب ہی جسم کو راحت ہوتی ہے۔ اس کا خیال رکھنے کی سخت ضرورت ہے، کہ روح کو تکلیف نہ ہو۔

ایک صاحب یہاں پر آئے تھے، مجھ پر بھوت کی طرح مسلط ہو گئے۔ ذرا اٹھا، جوتے اٹھا لئے۔ ذرا بیٹھا، پنکھا کھینچنا شروع کر دیا۔ اذان ہوئی، لوٹا بھر کر رکھ دیا۔ میں نے منع کر دیا تو اس پر پرچہ لکھ کر دیا کہ مجھ کو سعادت سے محروم کر دیا۔ میں نے بلا کر کہا کہ جہاں سعادت بٹتی ہو وہاں جاؤ۔ یہاں تو سعادت سے محروم ہی رکھا جاتا ہے تب آنکھیں کھلیں۔ میں نے کہا کہ جس کام کو آئے ہو وہ کرو۔ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے؟ تب ان سے پیچھا چھوٹا۔ (ص:۳۰۳)

مسلمانوں میں اتحاد کا تعلق تدبیر سے نہیں۔ایک آیت قرآنی سے عجیب استدلال:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک صاحب تھے ندوہ کے فاضل۔ان کا خیال تھا کہ اگر کوشش کی جائے تو تدبیر سے مسلمانوں میں اتفاق ہوسکتا ہے۔میں نے کہا کہ نری تدبیر سے مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہوسکتا۔اور میں نے یہ آیت پڑھی ﴿هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ. وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیۡنَهُمۡ﴾[یعنی اللہ نے ہی تمہاری (اے رسولؐ) تائید کی اپنی مدد سے اور مومنین کے ذریعے۔اور ان کے دلوں میں جوڑ پیدا کردیا۔اگر تم زمین کی تمام چیزیں بھی خرچ کرڈالتے تو بھی ان کے درمیان اتفاق نہ پیدا کرسکتے تھے]۔دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مدبر اور تدبیر کا اتنا بڑا سامان کہ تمام مافی الارض کا انفاق،مگر ان سب تدبیروں کا نتیجہ اور حاصل دیکھئے کیا ارشاد ہے کہ﴿مَاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ﴾ [ان کے درمیان اتفاق نہ پیدا کرسکتے تھے]۔وہ فاضل بے حد مطمئن ہوئے۔کہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کبھی میری نظر سے نہ گذری تھی۔

اور چونکہ اتفاق[واتحاد] کا تعلق تدبیر سے نہیں،اسی لیے میں نے اس اتفاق کا بیان آج تک وعظوں میں مستقلا بیان نہیں کیا۔اس لیے کہ بے کار ہے۔جو چیز اصل ہے اتفاق کی،وہ اعمالِ صالحہ [اور خصوصا عدل،خلوص اور تواضع] ہیں۔اگر مسلمان ان کو اختیار کریں خود بخود اتفاق ہوجائے گا۔

(جلد ٦۔ص: ٣١٥)

تصوف کے اشغال واذکار بدعت نہیں:

اعمال مامور بہا[یعنی شریعت میں جن اعمال کا حکم ہے] طریق ہیں۔اور رضاءِ حق مقصود ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ مشائخ تعلیم کرتے ہیں،اذکار واشغال وغیرہ،اعمال مامور بہا کے رسوخ [اور پابندی واستحکام] کے واسطے ہیں،جن کا درجہ تدابیر سے بڑھ کر نہیں۔جیسے طبیب جسمانی کی تدابیر مریض کے واسطے ہوتی ہیں۔اسی لیے جیسے طبیب جسمانی کی تدابیر کو بدعت نہیں کہا جاسکتا، ایسے ہی اس کو بھی بدعت نہ کہیں گے یہ ہے حقیقت طریق کی اب دیکھئے اس میں کون سی بات وحشت کی ہے؟ (جلد ٦۔ص: ٣٢٣)

بزرگوں سے تعلق بڑی دولت ہے:

بزرگوں سے تعلق بڑی دولت ہے، بڑی نعمت ہے۔لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ مجھ کو تو اس لیے بھی اس کی خاص قدر ہے کہ میرے پاس تو سوائے بزرگوں کی دعا کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ نہ علم ہے، نہ عمل ہے، اگر ہے تو صرف یہی ایک چیز ہے۔اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ کیا اپنی کسی بات پر ناز یا فخر کرسکتا ہے؟اور ناز وفخر تو کسی حالت میں بھی انسان کو نہیں کرنا چاہئے۔ جب کہ سرتا سر نقائص وعیوب سے بھرا ہوا ہے۔اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

ناز را روئے بباید ہمچو ورد ☆ چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

(یعنی ناز کرنے کے لیے گلاب جیسا منہ چاہیے، جب تیرا چہرہ ایسا حسین نہیں تو تیرا ناز دکھانا بداخلاقی کے سوا کچھ نہیں،تو اس سے بڑا پرہیز کر)۔

نیاز پیدا کرنے کی سعی اور کوشش میں لگا رہنا چاہئے،اسی وقت تک خیر ہے ورنہ آگے خیر نہیں۔ یہ بات تو اپنے بزرگوں میں دیکھی، کہ سب کچھ تھے اور اپنے کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔اپنے کو مٹائے ہوئے فنا کئے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ طرز اپنے بزرگوں میں دیکھا، اس لیے یہی پسند ہے۔آج کل کے ڈھونگ نظروں میں سماتے نہیں۔اور کوئی کتنا ہی بڑا ہو نظروں میں جچتا نہیں۔اصل تو یہ ہے کہ ہمارے بزرگ ہم کو بگاڑ گئے اور کسی کام کا چھوڑا ہی نہیں۔صرف ایک ہی کام کا بنا گئے۔مٹنا،فنا ہونا۔

(جلد۶۔ص: ۳۲۹۔۳۳۰)

میرے دل میں کسی سے عداوت نہیں:

فرمایا کہ میرے دل میں اللہ کا شکر ہے کہ باوجود بہت لوگوں کے ستانے کے اور بدنام کرنے کے، نہ کسی کی طرف سے کینہ ہے، نہ کپٹ، نہ بغض، نہ عداوت۔ یہ تو غیر معتقدین کے ساتھ معاملہ ہے۔اور معتقدین کے ساتھ یہ معاملہ ہے، کہ میں نے یہاں کے رہنے والوں تک کو اپنے معاملات میں ایسا دخل کبھی نہیں دیا کہ [ان کو یہ موقعہ ملتا کہ] جس سے چاہا راضی کردیا،جس سے چاہا ناراض کردیا۔ بہت سے درویشوں کے یہاں یہ آفت ہے۔ایک مرتبہ میرے بڑے گھر میں سے ایک

شخص کی شکایت کی۔اور وہ شخص بھائی مرحوم کے یہاں کارندہ تھے۔میں نے ان کو دروازہ پر بلا کر کہا کہ یہ تمہارے متعلق یہ کہتی ہیں۔انہوں نے اپنا تبریہ کیا[یعنی الزام کا انکار کیا]۔میں نے گھر میں سے کہا کہ ثبوت تمہارے ذمہ ہے۔ثبوت دو۔کہنے لگیں: توبہ،تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو فضیحت کرتے ہو۔میں نے کہا کچھ بھی ہو،مگر اب سے کسی کی چغلی مت کرنا۔بس شرمندہ ہو کر رہ گئیں۔تو میرے یہاں یہ چیزیں نہیں ہیں۔اللہ کا شکر ہے۔ (جلد ۶۔ص:۳۳۴)

جن لوگوں نے مجھ کو برا بھلا کہا،قسم قسم کے الزامات اور بہتان لگائے،ان سے کینہ نہیں،ہاں طبعاً رنج ہے،انقباض ہے۔اور میں اس میں معذور ہوں۔کیا کروں؟ غیر اختیاری چیز پر کیا اختیار؟ آخر بشر ہوں،اثر کا ہونا امر فطری ہے۔ (جلد ۶۔ص: ۳۴۹)

اصلاح کی طلب کے بغیر مشائخ کی صحبت سے بھی کچھ نہیں ہوتا:

نری صحبت سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔جب تک کہ خود طلب نہ ہو اپنی اصلاح کی۔یہاں تو خیال کرنے سے اور فکر اور ہمت سے کام چلتا ہے۔نرے وظائف اور صحبت سے کیا ہوتا ہے؟ اور اس سے کیا کام چل سکتا ہے؟ (جلد ۶۔ص: ۳۵۹۔۳۶۰)

دین پر استقامت میں اللہ کی مدد کے چند واقعے:

فرمایا کہ یہی بڑی زبردست تبلیغ ہے کہ انسان خود عامل ہو۔اور دوسروں سے کہنا اور خود عمل نہ کرنا یہی کمزوری کی بات ہے۔حافظ عبدالکریم نامی ایک شخص آگرہ کے رہنے والے تھے۔وہ لندن میں ملکہ کے پاس ملازم تھے۔یہاں ان کے ذریعہ سے ایک غریب مسلمان جو گلاؤنی میں تھے،مجھ سے بھی ملے۔پولیس میں جمعدار تھے،لندن بلائے گئے۔اور ملکہ کے سامنے پیش کرنے کے قبل حافظ صاحب نے ان کو تعلیم دی کہ آداب شاہی یوں بجالانا۔اور سلام یوں جھک کر کرنا۔انہوں نے کہا کہ صاحب میں نے علماء سے سنا ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی کے سامنے جھکنا جائز نہیں۔حافظ صاحب نے کہا کہ بھائی یہاں مسئلہ نہ بگھارو۔یہ شاہی دربار ہے۔انہوں نے کہا کہ ہو گا دربار،خدا کے دربار سے بڑا نہیں۔حافظ صاحب نے کہا کہ بھائی بدقسمتی تمہاری،ایسی بڑی جگہ آیا اور خالی

چلا۔ انہوں نے کہا کہ میاں بدقسمت اور کوئی ہوگا۔ میں تو اللہ کا شکر ہے کہ خوش قسمت ہوں۔ اپنے دین وایمان پر قائم ہوں۔

غرض کہ یہ ملکہ کے سامنے پیش نہیں کیئے گئے۔ ایک روز ملکہ نے خود دریافت کیا کہ میاں وہ تمہارے ہندوستانی نہیں آئے؟ حافظ صاحب نے کہا کہ حضور وہ تو پاگل سے ہیں۔ ملکہ نے دریافت کیا کہ وہ پاگل پنا کیا ہے؟ کہا کہ ان سے یہ گفتگو ہوئی ہے۔ ملکہ نے کہا کہ یہ پاگل پنا ہے؟ وہ تو بہت اچھا آدمی ہے۔ اپنے مذہب کی عزت کرتا ہے۔ اس کو ضرور پیش کرو۔ دیکھئے دین کی برکت سے اس شخص کی کتنی رعایت کی گئی۔

درمیان میں ایک اور واقعہ اسی سلسلہ کا یاد آ گیا۔ اسی طرح ایک شخص یوسف بیگ، لکھنؤ کے، ملکہ کے یہاں خان ساماں مقرر ہوئے تھے۔ ملکہ کو معلوم ہوا کہ یہ گوشت نہیں کھاتے۔ ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ یہاں ذبیحہ خلافِ شرع ہے۔ ملکہ نے کہا کہ شرع کے موافق کس طرح ہوسکتا ہے؟ انہوں نے بے ضرورت بھی بہت سانخرہ پھیلا دیا۔ ملکہ نے ان کے بیان کے موافق حکم دیا کہ ان کے ذبیحہ کے لیے ایک مکان الگ تیار کرا دیا جائے۔ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ اس کے متعلق برتن چھری کپڑا سب الگ اور صاف ہو۔ یہ قصہ یوسف بیگ نے خود مجھ سے بیان کیا۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب میں جمعدار مذکور کے قصہ کی طرف عود کرتا ہوں کہ حافظ صاحب نے ان کو پیش کیا۔ یہ پہنچے اور نہ جھکے نہ اور کچھ کیا۔ جا کر السلام علیکم کہا۔ ملکہ نے اپنی دستی گاڑی پر ہوا خوری کی خدمت پر ان کو ملازم رکھ لیا۔ اور ان کی بڑی قدر تھی۔

غرض دینی کمزوری اپنی ہے اور دوسروں پر الزام!

اسی طرح مولوی عبدالجبار صاحب وزیر بھوپال کا واقعہ ہے، کہ ایک جلسہ میں والیس رائے خود تقریر کر رہے تھے، کہ ان ہی مولوی عبدالجبار صاحب نے گھڑی دیکھ کر اور کھڑے ہو کر والیس رائے سے کہا کہ ہماری نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم نماز پڑھ کر آ جائیں، تب تقریر کیجئے گا۔ والیس رائے نے ایک دم تقریر بند کی اور بیٹھ گئے۔ اور وہاں جتنے مسلمان تھے ان کو بھی نماز کے لیے جانا پڑا۔ اس خیال سے کہ کہیں والیس رائے یہ نہ سمجھیں کہ یہ بے نمازی مسلمان ہیں۔ جب سب باہر آئے ایک

صاحب نے ان سے کہا کہ آپ نے غضب کیا، کہ تقریر بند کرا دی۔ انہوں نے کہا کہ کیا نماز فرض نہیں؟ کہا کہ نماز تو فرض ہے، لیکن خود چپکے سے اٹھ کر چلے آتے، اعلان کی کیا ضرورت تھی؟ انہوں نے کہا اگر اعلان سے نہ کہتا تو تم جیسے کیسے نماز پڑھتے؟

واقعی کام کا جواب دیا۔ غرض خود ویسا ہو جانا بڑی زبردست تبلیغ ہے۔ یہ واقعات تو پختگی کے ہیں۔ اب غیرت اسلامی اور حمیت اسلامی اور جوش اسلامی کا ایک واقعہ سنئے۔ راجہ گوالیار کے یہاں فوجی لوگ داڑھی منڈائیں یا نہ منڈائیں، اس کے متعلق کوئی قانون نہ تھا۔ ایک شخص مسلمان نوجوان فوجی ڈاڑھی منڈایا کرتا تھا۔ سب برا بھلا کہتے کہ تو داڑھی منڈاتا ہے۔ وہ جواب میں کہتا کہ میاں گناہ کرتا ہوں۔ اللہ معاف کرے گا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ راجہ کی طرف سے حکم ہوا کہ فوج میں رہنے والا شخص کوئی داڑھی نہیں رکھ سکتا۔ جس قدر اُس شخص کو تبلیغ کرنے والے تھے، ایک دم سب نے داڑھی منڈا لی۔ اور اُس شخص سے کہا کہ لو میاں مبارک ہو، تیرا ہی چاہا ہو گیا۔ کہا کہ کیا ہوا؟ کہا کہ اب تو راجہ کا حکم ہو گیا، کہ کوئی فوجی داڑھی نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے بھائی ہم سب کو منڈانی پڑیں۔ اس پر یہ شخص جواب دیتا ہے کہ میاں اب تک جو داڑھی منڈائی اور خدا کی نافرمانی کی تو نفس کے کہنے سے۔ مگر اب خدا کے ایک نافرمان کا حکم ہے، تو اب منڈانا بے حمیتی ہے۔ کہا کہ فوج سے برخاست کر دئے جاؤ گے۔ کہا کہ اللہ رازق ہے۔ وہ کہیں اور سبیل فرما دیں گے۔

یہ ہے قوت ایمانیہ۔ اور یہ ہے جوش اسلامی اور غیرت اسلامی اور حمیت اسلامی۔ مگر مسلمانوں نے خود ہی کمزوری اختیار کر لی۔ اس کے یہ نتائج ہیں جو ظاہر ہو رہے ہیں۔ (جلد ۶۔ ص: ۳۷۱۔۳۷۳)

حضرتؒ پر ایک مرتبہ سترہ دن غشی رہی، مگر نماز کوئی قضا نہیں ہوئی:

فرمایا کہ میں کہاں تک اس کی رحمتوں اور فضل کا بیان کر سکتا ہوں؟ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک دفعہ مجھ کو سترہ یوم طاعونی بخار آیا۔ غشی طاری رہی۔ مگر نماز ایک وقت کی بھی بحمد اللہ قضا نہیں ہوئی۔ حالت یہ تھی کہ نہ ہوش، نہ کھانا، نہ پینا۔ مگر جہاں نماز کا وقت آیا ہوش ہو جاتا تھا اور اتنی قوت ہوتی تھی کہ بدون کسی کے سہارے خود نماز پڑھ لیتا تھا۔ یہ ان کا ہی فضل ہے، رحمت ہے۔ یہ بخار جلسۂ سہارنپور کے وعظ میں ہوا تھا۔ اس کے قبل بخار آیا تھا۔ نقاہت باقی تھی۔ کہ جلسہ میں جانا ہو گیا۔ مگر وعظ کہنے سے عذر

کیا۔ ایک طبیب نے قوت کی دوا دے دی تھی کہ وعظ کہنا ممکن ہو۔ چنانچہ وعظ شروع ہو گیا اور وعظ ہی کے درمیان میں طاعونی بخار ہو گیا۔ وطن واپس پہنچ کر بخار چڑھ گیا، غشی ہو گئی۔ اسی غشی کی حالت میں بحمداللہ تعالیٰ ہر بات ٹھکانے کی ہوتی۔ بحمداللہ بیان بھی جلسہ میں پورا ہو گیا۔ کام بھی نہیں رکا، وہ جس سے چاہیں اور جس حالت میں چاہیں کام لے سکتے ہیں۔ (جلد ۶۔ ص: ۳۷۹۔۳۸۰)

ہر مدرسے کی طرف سے وعظ و تبلیغ کا انتظام ہونا چاہیے:

فرمایا کہ میں تمام اہل مدارس دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلّغ ہونے چاہئیں۔ یہ سنت نبویہ ہے۔ اور پڑھنا پڑھانا اسی مقصود کا مقدمہ ہے۔ اصل مقصود تبلیغ ہی ہے۔ اور ایک بات اور تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ مبلغین سے چندہ کا تعلق نہ ہونا چاہیے۔ صرف احکام بیان کرنا، ترغیب اور فضائل بیان کرنا ان کا کام ہو۔ اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچتا ہے۔ مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ عرصہ ہوا غالباً ان تحریکات سے چودہ پندرہ برس قبل، میں نے مدرسۂ دیوبند والوں کو اس کا مشورہ دیا تھا کہ ملک کے تمام اطراف میں باقاعدہ مبلغین کی جماعت جاتے رہنا چاہیے، جن کا کام صرف تبلیغ ہو۔ اور ہر شہر میں اس کی آبادی کی نسبت سے مبلغ یا ان کی آمد و رفت رہنا چاہیے۔ مگر کوئی خاص انتظام نہیں ہوا۔ ان مدارس کے متعلق میری ایک یہ رائے ہے کہ مدارس دینیہ میں صنعت و حرفت کا بھی انتظام کیا جائے۔ خواہ طلبہ اس کام کو بعد میں نہ کریں۔ لیکن سکھایا ضرور جائے۔ اس لیے کہ آج کل عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے اس کے ان کو اور کچھ نہیں آتا۔ اس لیے اپنا محتاج سمجھتے ہیں۔ اور اس سے تحقیر کرتے ہیں۔ اگر کوئی دستکاری وغیرہ سیکھ لیں اور کسی وقت کسب معاش کی ضرورت ہو تو اپنے کام میں تو لگ جائیں گے۔ اور اس طرح پر چندے کرتے اور مانگتے نہ پھریں گے کہ اس میں غایت تحقیر ہے۔ (جلد ۶۔ ص: ۳۸۷)

معراج بیداری کا واقعہ ہے:

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب ہی میں معراج ہوتی، بیداری میں نہ ہوتی تو جس وقت کفار نے تکذیب کی اور کہا کہ بیت المقدس کا نقشہ بیان کرو اور فلاں فلاں چیزیں بتلاؤ، تو حضور فرما دیتے کہ

وہ تو ایک خواب تھا۔ اس سوال سے آپ کو خاص اہتمام کیوں ہوتا؟ اور یہ اختلاف ہی نہ پڑتا۔ اس حالت میں ان لوگوں کا [جو معراج کو خواب کا واقعہ قرار دیتے ہیں] اقرارِ شرائع ایسا ہی ہے جیسے کسی سر پڑی چیز کا نباہنا پڑ جاتا ہے۔ جو جی میں آیا لکھ مارا۔ نہ اصول ہیں نہ نقول۔ محض ناکافی عقل سے کام لینا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جب سلف کا اتنا بڑا طبقہ کسی چیز کا قائل ہے [تو وہ کیسے غلط ہو سکتی ہے؟] یہ اتنا ہی سمجھ لیتے! خدا معلوم ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ جب اس قدر فہم اور عقل سمجھ نہیں تو پھر اپنے منصب سے زیادہ مباحث میں کیوں دخل دیتے ہیں؟ (جلد۶۔ص: ۳۹۲)

ایک غیر مقلد عالم کی درخواستِ بیعت:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک غیر مقلد مولوی صاحب لکھنؤ سے یہاں آئے تھے۔ نہایت صفائی کی باتیں کیں۔ بڑا جی خوش ہوا۔ خوش فہم اور سمجھدار آدمی تھے۔ ملتے ہی کہنے لگے کہ شاید بعد میں آپ کو یہ معلوم ہو کہ یہ فلاں جماعت کا شخص ہے تو تنگی ہوتی۔ اس لیے میں پہلے ہی عرض کیے دیتا ہوں کہ میں عامل بالحدیث ہوں۔

میں نے کہا کہ میں آپ کے صدق اور خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ اور میں بھی صاف بتلائے دیتا ہوں کہ ہمارے یہاں اتنی تنگی نہیں کہ محض فرعی [وفقہی] اختلاف سے انقباض ہو۔ ہاں جن لوگوں کا شیوہ بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا اور بدتمیزی اور بدتہذیبی سے کلام کرنا ہے، ایسے لوگوں سے ضرور لڑائی ہے۔ یہ مولوی صاحب حسین عرب صاحب کے پوتے ہیں، جو بھوپال میں تھے۔ کئی روز رہے۔ اور بڑے لطف سے رہے۔ ویسے بھی آنکھیں کھل گئیں۔ کیونکہ ان لوگوں کو عامل بالحدیث ہونے کا بڑا دعویٰ ہے۔ دوسروں کو بدعتی اور مشرک ہی سمجھتے ہیں۔ کہتے تھے کہ یہاں پر تو کوئی بات بھی حدیث کے خلاف نہ دیکھی۔

دو مسئلے پوچھے: ایک تو یہ کہ **اہل قبور سے فیض ہوتا ہے یا نہیں؟** میں نے کہا کہ ہوتا ہے۔ اور حدیث سے ثابت ہے۔ اس پر ان کو حیرت ہوگئی کہ اہل قبور سے فیض ہونا حدیث سے کہاں ثابت ہوگا؟ اس لیے کہ ساری عمر حدیث میں گزر گئی، کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ میں نے کہا کہ سنیے، ترمذی میں حدیث ہے کہ کسی صحابی نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ لگا لیا۔ اس قبر میں ایک آدمی سورۃ الملک پڑھ رہا تھا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا یہ سورت مردہ کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ دیکھیے قرآن کا سننا فیض ہے یا نہیں؟ اور مردے سے قرآن سنا، تو اہل قبور سے فیض ہوا یا نہیں؟ بے حد مسرور ہوئے خوش ہوئے۔ کہا کہ آج تک اس طرف نظر نہ گئی۔

دوسرا **مسئلہ سماعِ موتی** کا پوچھا [کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں؟] اور کہا کہ ﴿ **انک لا تسمع الموتی** ﴾ [یعنی تم مردوں کو نہیں سنا سکتے] قرآن میں ہے جس سے اس کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ حدیث میں وقوع سماع مصرح [اور صاف مذکور] ہے۔ اور اس آیت سے نفی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہاں پر حق تعالیٰ نے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی ہے۔ اور تشبیہ میں ایک مشبّہ ہوتا ہے اور ایک مشبّہ بہ اور ایک وجہ تشبیہ، جو دونوں میں مشترک ہوتی ہے۔ تو یہاں وہ عدم سماع مراد ہے جو موتی اور کفار میں مشترک ہے۔ اور اموات کا سماع وعدم سماع تو معلوم نہیں، مگر کفار کا تو معلوم ہے کہ قرآن وحدیث کو سنتے ہیں۔ مگر وہ سماعِ نافع نہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ میں وجہ شبہ میں تماثل ہوتا ہے۔ پس کفار سے جو سماع منفی ہے، یعنی سماعِ نافع، ویسا ہی سماع اموات سے منفی ہوگا، نہ کہ مطلق سماع۔ بے حد دعا دی۔ پھر بیعت کی درخواست کی۔ میں نے کہا کہ اس میں تعجیل مناسب نہیں۔ (ص:۳۹۴۔۳۹۵)

فنا کے بغیر محرومی ہے:

طریق میں قدم رکھنے سے بھی پہلے فنا کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر قدم رکھنے کے بعد بھی فناء کی شان نہ ہوئی تو محروم ہے غرض یہاں فناء ہی کے بعد کچھ ملتا ہے۔...... ہم لوگ کام ہی کیا کر رہے ہیں؟ اور کیا کر ہی سکتے ہیں جس کو ظاہر اور مشتہر کیا جائے۔ میں تو بحمد اللہ نہ صراحۃً نہ اشارۃً نہ تحریراً نہ کلاماً کبھی اس کا ذکر تک بھی نہیں کرتا کہ یہاں پر کوئی کام ہو رہا ہے۔ (ص:۳۹۶)

حضرت کا ایک سبق آموز واقعہ:

اصل اثر اس طریق کا غیر ضروریات سے آزاد رہنا ہے۔ چنانچہ اس آزادی ہی کے سبب جب زمانۂ تحریکات میں خانقاہ خالی کرانے کا واقعہ پیش آیا، تحریکات سے میری علیحدگی کے سبب اہل تحریک کو جوش اٹھا کہ خانقاہ خالی کرائی جاوے۔ اس وقت میں سفر میں تھا، یہاں یہ تجویز ہو رہی تھی

کہ خانقاہ خالی کرائی جائے۔ سفر سے واپس آنے کے بعد میرے کانوں میں پڑا کہ یہ تجویز ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا کہتے ہیں ہم خود ہی خالی کر دیں گے۔ الحمد اللہ یہ آزادی کا اثر تھا۔ نیز آدمی کسی بات کے پیچھے پڑ کر کیوں اپنا وقت خراب کرے؟ یہ تو بے کار لوگوں کے کام ہوتے ہیں۔ ماموں امداد علی صاحب کا تکیہ خالی پڑا تھا۔ میں نے سوچا کہ وہاں جا بیٹھیں گے۔ اور اگر وہاں بھی نہ ہو، جنگل میں سہی۔ اور تھانہ بھون اور اس کا جنگل بھی نہ ہو اور کہیں کا سہی۔ خاص جگہ میں رکھا کیا ہے؟ مگر میں نے یہ خیال کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ اتفاق سے تکیہ کی نگرانی کے لیے میرے ماموں زاد بھائی نے، جو اس تکیہ کے متولی تھے، مجھ سے کہا کہ ایک آدمی تکیہ کے لیے تجویز کر دو۔ دو ایک طالب علم نئے آئے تھے، میں ان کو وہاں پہنچانے گیا۔ ادھر خفیہ خفیہ ایک محضر نامہ پر خاص خاص لوگوں کے دستخط کرائے جا رہے تھے، کہ خانقاہ خالی کرائی جاوے۔ میں جوان طالب علموں کو تکیہ میں پہنچانے گیا، تمام ماحول سے عام طور سے لوگوں کو یہ شبہہ ہوا کہ یہ تکیہ میں اسی واسطے گیا ہے کہ وہاں ذاکرین کے قیام کا انتظام کر کے خانقاہ کو خالی کر دے گا۔ خدا کی قدرت کہ جن لوگوں نے اس کا بیڑا اٹھایا تھا کہ خانقاہ خالی کرائی جائے، ان ہی لوگوں نے آ کر معافی چاہی اور خوشامدیں کیں۔

میں نے بھی اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کہا کہ یہ آپ کا محض خیال ہے کہ میں خانقاہ خالی کر رہا ہوں۔ میں نہ خود آیا اور نہ خود جاؤں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بٹھلایا ہوا ہوں، از خود کیسے خالی کر دوں گا؟ اور دل میں یہ تھا کہ بدون کسی کی تحریک کے خود تو خالی کروں گا نہیں۔ لیکن تحریک کرنے سے اگر...... بچہ بھی خالی کرنے کو کہے گا فوراً خالی کر دوں گا۔ میری کوئی مِلک تھوڑا ہی ہے۔ مال وقف ہے۔ جس میں سب مسلمانوں کو برابر حق ہے۔ میں تو اسی ملک نہ ہونے کے خیال سے تمام خانقاہ میں سے بقدر ضرورت جگہ [اپنے] تصرف میں لاتا ہوں۔ یعنی جہاں بیٹھ کر ڈاک وغیرہ کا کام کرتا ہوں اور ڈیسک رکھا ہے اور ایک چھوٹا سا حجرہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، جو بہت ہی مختصر ہے۔ بلکہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ والا یہ حجرہ بھی بوقت ضرورت ذاکرین یا طلباء کے سپرد کر دیتا ہوں۔

مجھ کو خود ہی غیر ضروری قصوں جھگڑوں سے وحشت ہے۔ چنانچہ خود گھر میں اگر ضرورت سے

زیادہ چیز ہوتی ہے تو الجھن ہوتی ہے۔ بعضے لوگ محبت کی وجہ سے اکثر ایسی چیزیں لے آتے ہیں کہ جو قابل استعمال نہیں ہوتیں۔ ان کو فروخت کر دیتا ہوں۔ اور ضرورت کی چیز خرید لیتا ہوں۔ بہت جگہوں میں دیکھا گیا ہے کہ خانقاہوں میں پشت در پشت تک کی چیزیں محفوظ ہیں۔ اور باقاعدہ ملازم ان کی حفاظت کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ تو ان صاحبوں کا قلب کیا ایک سرائے ہے؟

حضرتؒ کا غیر معمولی استغناء و توکل:

اسی خانقاہ خالی کرانے کی تحریک کے زمانہ میں ایک عجیب قدرتی لطیفہ ہوا۔ ایک متمول شخص تھے راندیر میں، انہوں نے وصیت کی یہاں کے لیے چار ہزار اٹھائیس روپیہ کی۔ وہاں سے ایک صاحب نے لکھا کہ حسب وصیت چار ہزار روپیہ وہاں کا جمع ہے۔ باضابطہ سب رجسٹرار کے سامنے وصول یابی کی تصدیق کر دینے کی ضرورت ہوگی۔ جب کہو روپیہ بھیج دیا جاوے۔ میں نے لکھ دیا کہ ہم اس تصدیق کے لیے رجسٹرار کے پاس نہ جاویں گے۔ انہوں نے لکھا کہ خیر کوئی مجسٹریٹ ہو قصبہ میں ان کی تصدیق کرادیں۔ میں نے کہا کہ مجسٹریٹ تو ہیں اور ایسے ہیں کہ گھر پر آسکتے ہیں۔ مگر ہم نہ ان کو تکلیف دینا چاہتے ہیں اور نہ خود تکلیف اٹھائیں گے۔ انہوں نے لکھا کہ پھر کیا ہو ہم تو ضابطہ سے مجبور ہیں۔ میں نے لکھا کہ علماء سے استفتاء کرلو کہ ایک ایسی مشروط وصیت تھی۔ اور ان شرائط کو فلاں مدرسہ کے کارگزار تسلیم نہیں کرتے۔ اب ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ اس پر لکھا کہ بہت اچھا ہم روپیہ بھیجتے ہیں اور ایسی کوئی تصدیق وغیرہ نہیں چاہتے۔ صرف دو طالب علموں کی شہادت لکھا دو۔ میں نے اس کو منظور کرلیا۔ چنانچہ روپیہ آگیا۔ اتفاق سے اس روز یہاں پر دو گورنمنٹ آفیسر موجود تھے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر اور ایک سب جج۔ میں نے دونوں کی تصدیق کرا کر بھیج دی۔ بے حد خوش ہوئے۔ [اس وقت کے چار ہزار آج کے لاکھوں سے زیادہ ہیں۔ یحییٰ]۔ انسان کو چاہیے کہ کام کرے اللہ کے واسطے۔ اور اللہ پر نظر رکھے تو سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ میں ایک آسانی یہ ہوئی۔ اور اسی بناء پر میں نے اس کو قدرتی لطیفہ کہا کہ وہ زمانہ وہ تھا جس میں خانقاہ خالی کرائی جاتی ہے۔ اس وقت کبھی کبھی یہ وسوسہ ہوتا تھا کہ ایسا وسیع مکان دوسرا نظر میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چار ہزار روپیہ بھیج کر یہ وسوسہ دفع فرمادیا۔ (جلد ۶۔ص: ۳۹۶۔۳۹۹)

حضرت والاؒ کا غیر معمولی استغنا۔ ہے کوئی جو اقتداء کا عزم کرے؟

نواب ڈھاکہ نے مجھ کو دو مرتبہ بلایا۔ اول طلبی پر تو چلا گیا۔ مگر آنے کے متعلق میں نے ایسے شرائط لکھے کہ جس سے تملق کا شبہہ بھی نہ ہو اور تعلق معلوم ہو۔ اور دوسری طلبی پر عذر کر دیا۔ لیکن چونکہ اس بار دوسرے علماء دیوبند کو بھی بلایا تھا، ان کا اصرار ہوا کہ میں بھی ساتھ چلوں۔ چونکہ میں اب ان کے کہنے سے جا رہا تھا، اس لیے میں نے ان سے کچھ شرطیں لگائیں۔ چنانچہ من جملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی لگائی تھی کہ میں اپنے کرایہ سے سفر کروں گا۔ یہ اس خیال سے کہ راستہ میں اگر کوئی الجھن پیش آئے تو واپس ہو سکوں۔ کسی کا مقید اور پابند نہ ہوں۔

کلکتہ پہنچ کر ایک صاحب اسٹیشن پر ملے جن کو نواب صاحب نے استقبال کے لیے بھیجا تھا۔ اور یہ وہ شخص تھے کہ جو مدرسۂ دیوبند میں ایک مرتبہ میرا وعظ سن چکے تھے۔ میں نے اپنے بیان میں دنیا سے نفرت دلائی تھی اور آخرت کی ترغیب دی تھی۔ تو اس پر ان صاحب نے یہ کہا تھا کہ میں ایسے مدرسہ کی امداد کرنا نہیں چاہتا جس میں ترک دنیا کی تعلیم دی جاتی ہو۔ سو یہ صاحب نواب صاحب کی طرف سے مہمانداری کے انتظام کے لیے مقرر ہوئے۔ جب قیام گاہ پر پہنچ گئے اور لوگ بھی آ بیٹھے، یہ صاحب بھی آئے۔ بعد سلام مصافحہ کے بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ کے آنے سے بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ نواب صاحب مایوس کر چکے تھے اور فرماتے تھے کہ انہوں نے ایسی مشکل شرط لگائی کہ ہم اس کو پورا نہیں کر سکتے۔ وہ یہ کہ ہم کو کچھ دیا نہ جاوے۔ میں نے کہا کہ یہ شرط کون سی مشکل تھی۔ یہ تو بہت آسان تھی، نہ دیتے۔ کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے محبوب کی خدمت نہ کی جاوے؟ میں نے کہا کہ کیا گھر ہی بلا کر دیا جا سکتا ہے؟ اور بھی تو صورتیں اور ذریعے ہیں دینے کے۔ مثلاً وطن میں پہنچا سکتے ہیں۔ اس پر کہا کہ "معاف کیجئے پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے، کنواں پیاسے کے پاس نہیں جایا کرتا"۔ میں نے کہا: اللہ، اللہ! آپ کے نزدیک ہم پیاسے ہیں اور آپ کنوئیں ہیں؟؟ ہمارا اعتقاد تو اس کا عکس ہے۔ اور دلیل کے ساتھ۔ وہ دلیل یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے، دنیا کی اور دین کی۔ سو قدرتی نظام سے ایک چیز ہماری حاجت کی تمہارے پاس ہے، یعنی دنیا۔ اور ایک چیز تمہاری حاجت کی ہمارے پاس ہے، یعنی دین۔ مگر اتنا فرق ہے کہ جو چیز

ہماری حاجت کی تمہارے پاس ہے، یعنی دنیا، وہ بحمداللہ بقدر ضرورت ہمارے پاس بھی ہے۔ اور جو چیز تمہاری حاجت کی ہمارے پاس ہے، یعنی دین، وہ بقدر ضرورت بھی تمہارے پاس نہیں۔ اس لیے ہم تو ساری عمر تمہارے دروازوں سے مستغنیٰ رہ سکتے ہیں۔ اور تم ایک منٹ بھی ہمارے دروازہ سے مستغنی نہیں۔ تم کو ہماری ہر وقت ضرورت ہے، احتیاج ہے۔ اب بتلاؤ کہ پیاسے کون ہیں اور کنواں کون ہے؟ بس کچھ نہیں بولے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے ناگواری بھی ان کو نہیں ہوئی۔ اس کی میں ضرور تعریف کروں گا۔ اور یہ بھی دین کا قلب میں اثر ہونے کی علامت ہے۔

مجھ کو یہ بے ہودہ گفتگو اس قدر ناگوار ہوئی کہ میں وہیں سے وطن واپس ہو گیا۔ نواب صاحب کو اطلاع ہوئی، ان کا تار آیا کہ اگر آپ نہ آئے، مجھ کو بہت رنج ہوگا۔ مگر میں نے اس کا جواب الہ آباد پہنچ کر دیا۔ مگر ان صاحب کا دماغ درست ہو گیا۔ یہ لوگ کبر کے پتلے ہیں۔ اپنے سامنے کسی کو سمجھتے نہیں۔ اس لیے میں اہل علم کا امراء کے دروازوں پر جانا اور ان سے تملق پیدا کرنا پسند نہیں کرتا۔

(جلد ۶۔ص:۴۱۱۔۴۱۳)

معاملات میں سوءِ ظن رکھنے کا مطلب:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ معاملات میں تو سوءِ ظن چاہیئے۔ اور اعتقاد میں حسن ظن۔ اور معاملات میں سوءِ ظن سے مراد یہ ہے کہ جس کا تجربہ نہ ہو چکا ہو اس سے [قرض] لین دین نہ کرے، روپیہ نہ دے۔ تو اس معنے کر معاملات میں سوءِ ظن رکھے۔ باقی اعتقاد میں سب سے حسن ظن رکھے کہ کسی کو برا نہ سمجھے۔ یہ دونوں ایک وقت میں اس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔

(جلد ۶۔ص:۴۲۲)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ہفتم

سلسلہ الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ

بدعتی اکثر بددین ہوتے ہیں:

فرمایا کہ ایک بدعتی مولوی تمام بڑے بڑے اکابردین اور بزرگوں کی تکفیر کرتا ہے، مگر ہم لوگوں کو یہ مشکل ہے کہ ہم اس کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمارے لیے جہاں اور مجاہدے ہیں ایک مجاہدہ یہ بھی ہے کہ وہ ہم کو کافر کہتا ہے۔ ہم اس کو کافر نہیں کہتے۔ اور یہ بدعتی تو اکثر بددین بھی ہوتے ہیں۔ خوف خدا ذرا بھی ان کے قلب میں نہیں ہوتا قلوب مسخ ہو جاتے ہیں۔ (جلد ۷ ص: ۳۸)

انداز گفتگو کا فرق اور اس کا اثر:

حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرے آباء و اجداد سے تعزیہ بنتا چلا آتا ہے۔ میں بھی بناتا ہوں لیکن اب آپ کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ شرک و بدعت ہے۔ دین کا کام نہیں بددینی کا کام ہے۔ نیکی نہیں بدی ہے۔ ثواب کا کام نہیں گناہ کا کام ہے۔ مگر ایک بنا ہوا تعزیہ میرے گھر رکھا ہے، اس کو کیا کروں۔ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: کرتا کیا؟ توڑ پھوڑ جلا پھونک کر الگ کر۔ اور کیا کرتا؟ وہ چونکہ ایک زمانہ تک اس کی وقعت اور احترام کرتا رہا تھا، اس عنوان کا متحمل نہ ہوا۔ اور حضرت مولانا

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر اس واقعہ کو اسی طرح عرض کیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی! گھر جا کر اس کے بند [یعنی ڈورے] کاٹ ڈالو۔ اس نے بخوشی جا کر بند کاٹ ڈالے۔ معنوں میں ایک، عنوان جدا جدا۔ لیکن اثر میں زمین آسمان کا فرق۔

دوسرا واقعہ... حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کاغذی تصویر میرے پاس ہے۔ میں اس کو کیا کروں؟ فرمایا کہ توڑ پھوڑ کر الگ کرو۔ اور کیا کرتے؟ وہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور یہی عرض کیا۔ سن کر فرمایا کہ وہ تصویر جاندار ہے یا بے جان؟ عرض کیا کہ بے جان۔ فرمایا کہ صاحب تصویر بے جان ہو گئے تھے اور وفات پا گئے تھے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا تھا؟ عرض کیا غسل و کفن دے کر دفن کر دیا تھا۔ فرمایا کہ تم بھی یہی معاملہ کرو۔ مشک اور عنبر کے پانی سے غسل دو۔ قیمتی کپڑے کا کفن دو۔ اور ایسے مقام پر دفن کر دو جہاں کسی کا پاؤں نہ پڑے۔ اس شخص نے بخوشی اس تدبیر کو قبول کر کے عمل کر لیا۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فرق:

حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تعلیم میں ایسے لطائف کی رعایت نہ فرماتے تھے، اس لیے لوگ حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے متحمل نہ ہوئے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم عوام کے ذوق کی رعایت کے ساتھ ہوتی تھی، اس کے لوگ متحمل ہوئے۔ اور میں ان دونوں تعلیموں کے تفاوت کو اس طرح بیان کیا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا نفع عام تھا، تام نہ تھا۔ اور حضرت مولانا شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا نفع تام تھا عام نہ تھا۔...... اصل تعلیم حق وہی ہے جو حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور طرز ہے۔ (جلد ۷۔ ص: ۴۰۔۴۱)

اللہ تعالیٰ کا فضل:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے اپنے بزرگوں کی دعاء کی برکت سے دنیا پر دین کو ترجیح دینے کی توفیق نصیب فرمائی ہے۔ میں دونوں نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں، ترجیح دین کا بھی اور

اس کا بھی کہ بقدر ضرورت، بلکہ ضرورت سے زیادہ سامان زندگی نصیب فرمایا، جو کہ بڑی نعمت اور رحمت ہے اسی کو فرماتے ہیں:

چوں ترا نانے وخرقانے بود ☆ ہر بن موئے تو سلطانے بود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **من اصبح آمنا فی سر به معافیً فی جسده، عنده قوت یومه، فکانما حیزت له الدنیا بحذا فیرها** ۔یعنی جس کے پاس ایک دن کا گھر میں کھانے کو ہو اور تندرست ہو اور کسی دشمن کا خوف نہ ہو تو گویا اس کو ساری دنیا مل گئی۔ اس حسی رزق کا بھی معاملہ بڑا نازک ہے۔ جس قدر حق تعالیٰ عطاء فرئیں اس کی قدر کرنا چاہئے۔ ہرگز ہرگز کفران نعمت نہ کرنا چاہئے۔ اس کے فقدان یا نقصان پر صبر کرنا ہر شخص کا کام نہیں، ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ باقی خواص کا دوسرا معاملہ ہے۔ جیسے ایک حکایت سنی ہے کہ دہلی کی جامع مسجد میں ایک مسافر شخص کئی روز سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ کئی وقت کا فاقہ ہو گیا۔ ایک شخص مرغ کے پلاؤ کی رقاب بھری ہوئی لایا۔ اور دے کر چل دیا۔ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا، اب جو پلاؤ بچا تو بڑی گڑ بڑ اور کشمکش میں پڑے کہ پھر کے لیے رکھ لوں کیونکہ شاید پھر قریب وقت میں نہ ملے یا کسی کو دے دوں اور آئندہ کے لیے توکل رکھوں۔ آخر میں ترجیح دینے ہی کو ہوئی۔ تو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچ کر کسی حاجتمند کے منتظر رہے۔ ایک نظر آیا اس کو دے دیا۔ دینے کے بعد ہی ایک طرف سے ایک مجذوب نکلے، جو با آواز بلند کہتے ہوئے جا رہے تھے کہ خوب سمجھا بے سالے، خوب سمجھا، اگر نہ دیتا تو یہ طے ہو گیا تھا کہ سالے کو ایک دانہ مت دو۔ مگر جان بچ گئی۔ (جلد ۷۔ص: ۴۵۔۴۶)

تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی ضرورت:

ہماری جماعت سے جو بعض جماعتوں کو حسد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں تو رات دن معتقد بنانے کی کوشش ہے۔ اس لیے کہ جاہ پسند ہیں۔ اور ہمارے حضرات کسی کو منہ بھی نہیں لگاتے۔ بلکہ اور اس کی الٹی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی معتقد نہ رہے یا معتقد نہ ہو۔ اور پھر بھی لوگ لپٹتے ہیں بس اس پر حسد ہے کہ کیا بات ہے کہ انہیں کے معتقد بڑھتے رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ سے تعلق بڑھاؤ اور ان خرافات کو چھوڑو، دیکھو پھر تمہارے بھی معتقد بڑھ جائیں گے۔ (جلد ۷۔ص: ۵۰)

اہل اللہ نہایت رحم دل ہوتے ہیں:

اہل اللہ نہایت رحم دل ہوتے ہیں۔ایک مرتبہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کی ایک شخص نے دعوت کر دی اور بجائے کیوڑہ کے فیرینی میں کافور ڈال دیا۔لوگوں نے ناک منہ چڑھایا، فرمایا کہ ناگواری کا اظہار نہ کیا جاوے اس کی دل شکنی ہوگی۔اور خود اسی کو نوش فرمایا۔ (جلد ۷،ص:۵۱)

آج کل لوگوں کا مذاق:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ہمیں نے بہت چاہا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہو جس میں یہ اپنی ضروریات کا مشورہ کر لیا کریں۔مگر نہیں ہو سکا بے حد افسوس ہے، یہ سب اس کا اثر ہے کہ خلوص نہیں۔اور خلوص نہ ہونے کی وجہ دین کی کمزوری ہے۔ہر شخص اپنی اغراض میں مبتلا ہے۔اور یہ کمزوری مسلمانوں کی بڑی زبردست ہے، کہ ان کی قوت کے اجتماع کا کوئی مرکز نہیں۔اور عادت اللہ جاری ہے کہ مل کر کام ہوتا ہے، دیکھئے ﴿ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین﴾ [یعنی اسی اللہ نے اپنی مدد سے تم کو طاقت دی اور مومنوں سے] میں ﴿و بالمومنین﴾ بھی بڑھایا گیا ہے۔ورنہ مومنین کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔اس میں حق تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ اتنی بڑی ہستی کی نصرت میں بھی سنت اللہ یہی ہے کہ مل کر کام کیا جاوے۔غرض ہر حال میں مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔محض زبانی باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔مگر آج کل مسلمانوں میں صرف زبانی عمل درآمد ہے۔کام کی ایک بات بھی نہیں۔جس کا بڑا ہی افسوس ہوتا ہے۔ (جلد ۷،ص:۵۱)

حکام سے یکسوئی کا ایک واقعہ:

ایک انگریز کلکٹر کا میرے پاس خط آیا۔جس میں تحریکات سے علیٰحدگی پر شکریہ ادا کیا تھا۔میں نے لکھ دیا کہ میں آپ کے کسی شکریہ کا مستحق نہیں ہوں۔اس لیے کہ میں نے جو کچھ اس بات میں لکھا ہے، اپنے بھائیوں کی بہبود اور فلاح کے لیے لکھا ہے۔لیکن اگر اس پر بھی آپ شکریہ ادا کرتے ہیں، تو میں آپ کے اس شکریہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ باوجود آپ کو نفع نہ پہنچانے کے میرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔اور آپ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے مخلوق کو نفع پہنچائے۔میں نے کسی

عہدے کی دعاء نہیں دی۔ بلکہ بندگان خدا کا خادم ہی رکھا۔ بعض انگریزی تعلیم یافتہ روشن دماغ لوگوں نے یہ جواب سنا تو بے حد پسندیدگی کا اظہار کیا، کہ جس شخص کو کبھی ان لوگوں سے خط و کتابت کا اتفاق نہ ہوا ہو اور اس کا پہلا موقع ہو اور اس حالت میں ایسا عجیب جواب دیا۔ میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے ان کا انعام ہے جو انہوں نے مناسب وقت دل میں ڈال دیا۔ (جلد ۷۔ص:۵۳)

استواء علی العرش ایک نازک مسئلہ ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ استواء علی العرش کے متعلق جو لکھا ہے، بہت ہی ڈرتے ڈرتے لکھا ہے کہ کہیں حدود سے تجاوز نہ ہو جائے۔ اپنے نزدیک تو بہت ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔ بہت ہی نازک بحث ہے۔ اور جن پر خشیت غالب ہے ان کو تو ڈر ہی لگتا ہے۔ اور جو اس سے کورے ہیں ان کے نزدیک تو یہ ایک معمولی چیز ہے۔ اللہ بچائے جرأت سے۔ میرا تو یہ لکھنے کے وقت ہاتھ تک کانپ رہا تھا اور قلب کی کیفیت احاطۂ بیان سے باہر ہے بڑی نازک بات ہے، مگر بالضرورت قلم اٹھایا۔ (جلد ۷۔ص:۵۵۔۵۶)

بیعت کو مقصود سمجھنا حقیقت سے بے خبری ہے:

فرمایا کہ یہ ابتلاء لوگوں کو طریق کی حقیقت سے بے خبری کی بناء پر ہے کہ غیر ضروری کو ضروری اور غیر مقصود کو مقصود سمجھ رکھا ہے۔ [انہی میں سے ایک یہ بات ہے کہ بعض لوگ بیعت کو ضروری اور واجب کے درجے میں سمجھنے لگے ہیں۔ حضرت بیعت فرمانے سے پہلے بہت سے لوگوں کے لیے اس حقیقت کو واضح فرماتے تھے کہ بیعت کوئی واجب چیز نہیں ہاں تعلیم، صحبت اور اصلاح ضروری ہیں۔ اسی لیے فرمایا:] میں اس ہی جہل سے نکالنا چاہتا ہوں، کہ ہر چیز اپنی حد پر رہے۔ لوگوں کے عقائد درست ہوں اور علماء جس طرح بہت سی چیزوں کو بدعت سمجھ کر مٹانے کی کوشش کرتے ہیں معلوم نہیں بیعت کے متعلق کیوں خاموشی ہے۔ یہاں بھی تو غیر ضروری اور غیر واجب چیز کو لوگ ضروری اور واجب سمجھنے لگے مگر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا۔ (جلد ۷۔ص:۵۸)

اتفاق کا صحیح طریقہ:

ایک خاص بات یہ بھی پیدا ہوگئی ہے کہ اہل حق کو تو کہا جاتا ہے کہ تم اہل باطل سے متفق ہو جاؤ۔ اہل باطل کو نہیں کہتے کہ تم باطل چھوڑ کر اہل حق سے متفق جاؤ۔ عجیب عقلیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ تفریق مناسب نہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ تفریق مناسب نہیں مگر اس کا صحیح طریقہ تو یہی ہے کہ اہل باطل کو چاہئے کہ وہ اپنا باطل مسلک چھوڑ کر اہل حق سے متفق ہوں۔ نہ کہ اہل حق اپنا مسلک چھوڑ کر اہل باطل سے متفق ہوں۔ اور اتفاق وہی مطلوب ہے جو حق کے ساتھ ہو۔ ورنہ یہ اعتراض تو دور تک پہنچتا ہے کہ جب حضور ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ کا اعلان کیا تو تمام کفار کفر پر متفق تھے۔ اس اعلان سے ایک دم تفریق پیدا ہوگئی۔ یہاں پر کیا کہا جاوے گا؟ ظاہر ہے کہ اہل حق کے لیے یہاں تفرّق ہی مطلوب اور محمود تھا۔ اسی طرح یہاں سمجھ لو کہ تمام اہل باطل کو اپنا باطل چھوڑ کر اہل حق کے ساتھ متفق ہونا چاہئے۔ تو اور اگر اہل حق کو کہا جائے کہ یہ حق کو چھوڑ کر ان کے ساتھ متفق ہو جائیں تو یہ اتفاق خود مردود اور غیر مطلوب ہے۔ (جلد ۷۔ ص: ٦٧)

ساری عمر کے مجاہدات و ریاضات کا حاصل:

فرمایا کہ آج کل تو حالت یہ ہو رہی ہے کہ کام شروع کرنے سے قبل ہی سب کچھ بننا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ساری عمر کے مجاہدات اور ریاضات پر بھی اگر فضل ہو جائے تو ان کی بڑی رحمت ہے اور یہ کیا تھوڑی نعمت ہے کہ انہوں نے اپنے کام میں لگا لیا اور کیا بننا چاہتے ہو؟ اور یاد رکھو کہ جب تک اس کی ہوس قلب میں ہے کہ ہم کچھ ہو جائیں، بس خوب سمجھ لو کہ یہ شخص محروم ہے۔ ہوسوں کو فنا کرے اور خدمت میں مشغول رہے اور فضل کا امیدوار رہے اور مایوس نہ ہو اور اپنی نا قابلیت پر نظر کر کے ہراساں نہ ہو۔ اٹھو چلو، پھر دیکھو جو ہم کو دشوار نظر آ رہا ہے، وہ اس کو کیسا سہل فرما دیتے ہیں ان کے نزدیک تو دشوار اور مشکل نہیں۔ (جلد ۷۔ ص: ۳۷۔۴۷)

رزق کی وسعت کے واسطے:

فرمایا کہ بعد نماز عشاء چودہ سو چودہ مرتبہ یَا وَھَّابُ پڑھ کر خلوص دل سے دعا کیا کرو۔ اللہ

بہتر فرمانے والے ہیں۔ آج کل رزق کے معاملہ میں مخلوق کثرت سے پریشان ہے۔ حق تعالیٰ اپنا رحم فرمائیں۔ میرا تو بڑا دل دکھتا ہے جب کسی کی معاشی پریشانی سنتا ہوں۔ (جلد ۷۔ ص:۷۶)

نصف سلوک:

فرمایا کہ انسان کو چاہئے کہ کوئی بات ایسی نہ کرے کہ جس سے دوسرے کو تکلیف اور اذیت پہنچے۔ یہ نصف سلوک بلکہ ایک معنی میں کل سلوک ہے۔ (جلد ۷۔ ص:۸۵)

حضرت حاجی صاحبؒ کی عجیب تواضع:

فرمایا کہ کیا کوئی کسی بات پر ناز کرے؟ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی مشائخ میں سے ملاقات کے لیے آتے اور حضرت کے کمالات کی تعریف کرتے، ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں کی ستّاری ہے کہ اہل نظر کی نظر سے بھی میرے عیوب چھپا رکھے ہیں۔ (سبحان اللہ کیا تواضع ہے)۔ (جلد ۷۔ ص:۸۶)

اللہ کا نام لینے میں برکت:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ پہلے ایسی شرارتیں کہاں تھیں؟ بدعتی بھی اللہ اللہ کرنے والے ذاکر شاغل نیک نیت ہوتے تھے۔ اللہ کے نام لینے کی برکت سے قلب میں رقت، انکساری، عاجزی، فنا، تواضع ہوتی تھی۔ علماء اہل حق سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے ان کے قلوب میں علماء کی وقعت، عظمت، ادب واحترام ہوتا تھا۔ کبھی ان کے سامنے قیل وقال نہ کرتے تھے۔ اور اب تو نہ ذکر ہے، نہ شغل، نہ تواضع، نہ ادب، غرض تدین نہیں، فساق فجار تک ہو جاتے ہیں۔ کبائر تک میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ اور پھر صوفی درویش بنے ہوئے ہیں۔ اور جو اہل ادب ہوتے تھے، اہل حق بھی حدود کے اندر ان کی رعایت کرتے تھے۔ چنانچہ خود وطن ہی میں جامع مسجد میں میرا بیان ہوا کرتا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اس مجمع میں ایک ڈھولک باز بدعتی آیا کرتا ہے۔ ذرا اس کی خبر لیجئے۔ میں نے کہا کہ **میں خبر لیا نہیں کرتا خبر دیا کرتا ہوں**۔ اور میں نے کبھی اس کے اس مسلک سے تصریحاً تعرض نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بخود اس کی اصلاح ہوگئی۔ (جلد ۷۔ ص:۸۶)

گناہ گار سے نفرت نہیں ہونی چاہیے:

ایک صاحب سرکاری عہدہ دار ہیں وہ اکثر میرے پاس آتے جاتے تھے، سونے کی انگوٹھی پہنے ہوتے تھے۔ میں نے ان کو کبھی نہیں ٹوکا۔ ایک روز انہوں نے مجھ سے بیعت کی درخواست کی۔ اس روز مجھ کو خیال ہوا کہ مجھ کو حق ہے ان کو اس پر مطلع کرنے کا۔ میں نے بیعت کرلیا۔ بعد بیعت کے ارادہ ہی تھا کہ انگوٹھی سے متعلق ان سے کہوں گا، انہوں نے بیعت ہوتے ہی انگوٹھی اتار کر مجھ کو دی، کہ اس کو کسی مناسب مصرف میں صرف کردیا جائے۔ میں نے کہا کہ اگر اس کو اپنے گھر والوں کو دے دیں تو کوئی حرج نہیں، آپ کو تو پہننا جائز نہیں، مگر گھر کی عورتیں پہن سکتی ہیں۔ کہا کہ نہیں بہت دنوں تک معصیت میں مبتلا رہا اب اس کا کفارہ یہی ہے۔ دیکھئے کسی کے قلب کی حالت کی کسی کو کیا خبر؟ کیسا خالص عمل کیا!!!

مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ ایسے لوگوں سے اپنا تعلق ہو کہ جن کے رگ و پے میں دین کی عظمت اور محبت ہو، گو ظاہر میں اس کا گمان نہ ہو۔ میں اس ہی لیے کہا کرتا ہوں کہ کیا کسی کو کوئی نظر تحقیر سے دیکھ سکتا ہے؟ نہ معلوم خدا کے ساتھ اس کا کیا تعلق اور کیا معاملہ ہے۔ اس لیے عاصی سے نفرت نہ ہونا چاہیے۔ بعض اوقات ایک منٹ میں کایا پلٹ ہو جاتی ہے۔ صد سالہ کافر اور بت پرست پلک جھپکنے میں مومن صادق اور مومن کامل ہو جاتا ہے۔ کیا خبر ہے کسی کے قلب میں [محبت کی] کیا آگ بھری ہے۔ اور دوسروں کی کیا خبر ہوتی، اپنی ہی خبر نہیں۔ اس لیے کبھی انسان اپنی کسی چیز پر ناز نہ کرے۔ اور ناز کی ہے ہی کون سی چیز؟ سب ان کی رحمت اور عطاء ہے۔ بس ہمیشہ نیاز پیدا کرنے کی سعی اور کوشش میں لگا رہنا چاہیے۔ (جلد ۷۔ ص: ۹۳)

پیروں کا مریدوں سے ذلیل خدمت لینا مذموم ہے:

فرمایا کہ آج کل کے اکثر پیر مریدوں سے اس قدر خدمتیں لیتے ہیں جس کا کوئی حد و حساب نہیں اور الحمد للہ یہاں تو سب آزاد ہیں۔ یہی جی چاہتا ہے کہ جس کام کے لیے گھر چھوڑا ہے اس کام میں مشغول رہیں اس لیے میں کسی سے خدمت نہیں لیتا۔ اگر کوئی محبت کی وجہ سے خدمت کرتا

ہے اس کو منع بھی نہیں کرتا۔ ہاں جو تنخواہ دار ملازم ہیں ان کو منع نہیں کرتا۔ یا جو لوگ پہلے سے بے تکلف ہیں وہ بھی مثل عزیزوں کے ہیں، ان کی خدمت سے بھی گرانی نہیں ہوتی۔ باقی اکثر پیر تو اس قدر ذلیل خدمتیں لیتے ہیں۔ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ ایک تحصیلدار اپنے پیر سے الٰہ آباد ملنے آئے تھے۔ پیر نے کہا کہ پاخانہ میں لوٹا رکھ کر آؤ۔ کیا واہیات ہے۔ کیا خود کے ہاتھ کٹ گئے تھے؟ ایک مسلمان کو بلاضرورت بدبو میں بھیجنا۔ میں تو کبھی تنخواہ دار ملازم سے بھی یہ کام نہیں لے سکتا اور نہ آج تک بحمد للہ ایسا کام کسی سے لیا۔ (جلد ۷۔ ص:۱۰۱)

دکاندار پیروں نے اس طریق کو گندا اور ذلیل کر دیا:

فرمایا کہ ان رسمی مشائخ اور دوکاندار پیروں نے اس طریق کو اس قدر گندا اور ذلیل کیا ہے کہ بعض وقت اس قدر غیرت کا غلبہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ ہی کو بند کر دیا جائے۔ (جلد ۷۔ ص:۱۰۳)

اولاد کے حقوق ادا کرنا دین ہے:

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میری لڑکی ہے جب وہ بیمار ہوتی ہے تو بدحواس ہو جاتا ہوں۔ قلب میں دنیا کی اس قدر محبت ہے (جواب دیا گیا کہ) اولاد دنیا نہیں ہے، ہاں دنیا میں رہتی ہے۔ ان کے حقوق ادا کرنا دین ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ وطن چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں، تب اس بلا سے نجات ملے گی۔ (جواب) بلا سے بھی نجات ملے گی اور ثواب سے بھی نجات ملے گی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اولاد نے بندہ کو تباہ کر دیا (جواب) بندہ کو تباہ کر دیا، بندہ کے دین کو تو تباہ نہیں کیا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ بندہ کی مشکل حضرت کی توجہ اور دعا سے آسان ہوگی (جواب) اگر مشکل مشکل ہی رہے تو ثواب زیادہ ملے گا۔ اس پر فرمایا کہ اگر یہی سوالات کہیں اور جاتے تو نہ معلوم بیچاروں کی کیا گت بنائی جاتی۔ ان جوابات کو دیکھ کر ان شاء اللہ تعالیٰ سکون ہو جائے گا۔ عین وقت پر اللہ تعالیٰ مناسب وقت باتیں دل میں القاء فرما دیتے ہیں لکھ دیتا ہوں۔ (جلد ۷۔ ص:۱۰۷)

دعا کے مقام بلند سے لوگوں کی غفلت:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ دعاء بڑی چیز ہے، تمام عبادات کا مغز ہے۔ اور سب سے زیادہ

آج کل اسی سے غفلت ہے۔ دعاء ایسی چیز ہے کہ دنیا کے کاموں کے واسطے بھی دعا مانگنا عبادت ہے۔ بشرط یہ کہ وہ کام شرعاً جائز ہو۔ یہ غلطی ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین ہی کے کاموں کے واسطے اور آخرت ہی کی فلاح اور بہبود کے لیے دعا عبادت ہے۔ بعض لوگ بجائے درخواستِ دعا کے لکھتے ہیں کہ فلاں کام کے لیے کوئی مجرب عمل اور کوئی مجرب وظیفہ دے دیجئے۔ میں لکھ دیتا ہوں کہ اس قید کے ساتھ [یعنی مجرب ہونے کی قید کے ساتھ] مجھ کو عمل معلوم نہیں۔ اور دعاء سے بڑھ کر کوئی وظیفہ اور عمل نہیں۔ (جلد ۷۔ص:۱۱۱)

حضرت حاجی صاحب فنِ طریق کے امام تھے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس فنِ طریق کے امام تھے، مجدد تھے۔ وہ تحقیقات فرمائی ہیں کہ آج ان کی نظیر مشکل ہے۔ چنانچہ حضرت فرمایا کرتے تھے: انوار ملکوتی [یعنی صحیح کشف وغیرہ میں نظر آنے والے انوار] حجابات نورانی ہیں۔ اور کائنات ناسوتیہ [یعنی مادی دنیا کی چیزیں] حجابات ظلمانی۔ اور حجب نورانیہ اشد ہیں حجب ظلمانیہ سے۔ اس لیے کہ انسان ان کو مقصود سمجھ کر آگے کی ترقی سے رہ جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ سے محجوب ہو جاتی ہے۔ اور حجابات ظلمانی کو ہر شخص ناقابل التفات اور حجاب مذموم اور برا سمجھتا ہے۔ اس لیے ہمارے یہاں اس کی نفی کرنے کی تعلیم کی جاتی ہے۔ جو شخص اس راہ میں قدم رکھے اور اس کو طے کرنا چاہے، سب چیزوں کو پس پشت چھوڑنے کے متعلق اس کی یہ حالت ہونا چاہیے۔

اے برادر بے نہایت در گہے ست ☆ ہر چہ بروے می رسی بروی مائیست

[اے بھائی! یہ بے انتہا درگاہ ہے۔ جس مقام پر بھی تو پہنچ جائے وہاں نہ رک، آگے بڑھتا جا۔]

اسی طرح اشغال وغیرہ اس طریق میں تدابیر کے درجہ میں ہیں۔ یہ سب دوائیں ہیں، غذا نہیں ہیں۔ اور دوا کبھی مقصود نہیں ہوا کرتی۔ ہاں مقصود کی معین ضرور ہوتی ہے۔ مقصود تو تندرستی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو کہ یہ تدابیر مقصود نہیں بلکہ مقصود اعمال واجبہ کی اصلاح اور رسوخ ہے اور وہ تدابیر اس کی معین۔ (جلد ۷۔ص:۱۱۷)

فقہی مذاہب کے موازنہ میں خطرناک طرز:

فرمایا کہ آج کل بعض اہل حق میں بھی یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ مذاہب مجتہدین میں ایک مذہب سے دوسرے مذہب کا اس طرح موازنہ کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے مذاہب کے باطل ہونے کا وہم ہوتا ہے۔ مثلاً مذہب حنفی کے کسی مسئلہ کو اس طرح ترجیح دیں گے کہ اس سے شافعی مذہب کے ابطال کا شبہہ ہوگا۔ سو میں اس طرز کو پسند نہیں کرتا۔ یہ طرز نہایت ہی خطرناک اور مضر ہے۔ توحید اور رسالت وعقائد اصل ہیں اور قطعی دلائل اس پر قائم ہیں۔ اس میں سب شریک ہیں۔ آگے فروع ہیں۔ جن کے دلائل خود ظنی ہیں۔ ان میں کسی جانب کا عزم [بالیقین اثبات] کرنا غلو فی الدین ہے۔ (جلد ۷۔ص:۱۱۷)

شریعت مثل میری فطرت کے ہوگئی ہے:

میں ان شاء اللہ تعالیٰ ایک انچ احکام شرعیہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا، نہ پیچھے ہٹ سکتا ہوں حق تعالیٰ کے فضل ورحمت سے اور اپنے بزرگوں کی دعا اور توجہ کی برکت سے شریعت مثل میری فطرت کے بن گئی ہے۔ میں اس کے خلاف پر قادر نہیں ہوں۔ (جلد ۷۔ص:۱۲۵)

[سبحان اللہ، کیا مقام ہے اور کیسی رفیع حالت ہے!]۔

دینی کاموں میں جھگڑے ختم کرنے کا طریقہ:

جب کسی کام میں کشمکش ہو تو بس یہی کرے۔ لے بھائی تو ہی کام کر۔ اگر دوسرا شخص کام کرنا چاہے اس کے سپرد کر کے الگ ہو جاؤ۔ انسان خواہ مخواہ کیوں الجھن اور پریشانی میں پڑے، مقصود تو کام ہونا ہے۔ اور مخالفت کرنے سے زیادہ ہیجان ہوتا ہے۔ اگر مخالفت نہ کی جائے تو سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں پر ایک مرتبہ ایک جماعت میں سازش ہوئی کہ اس مدرسہ کے مقابلہ میں دوسرا مدرسہ کھولنا چاہیے۔ پھر سازش ہوئی کہ اسی پر قبضہ کرو۔ مجھ کو معلوم ہوا کہ یہ قصہ ہے۔ شب کو ایک مکان میں مجھ سے مخفی کمیٹی قرار پائی، موقع ایسا تھا کہ وہ مکان میرے مکان سے قریب تھا۔ عین کمیٹی کے وقت جب کہ ایک مقرر تقریر فرما رہے تھے، میں دفعۃً پہنچ گیا۔ اور جا کر السلام علیکم کر کے

میں نے کہا کہ میں نے آپ حضرات کو بڑی تکلیف دی۔آپ کا بڑا حرج کیا۔اس وقت تمام جلسہ پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔سب دم بخود تھے۔میں نے کہا کہ میں نے ایک ضرورت سے یہ جرأت کی۔اورابھی ایک ضروری مختصر بات کہہ کر واپس جاتا ہوں۔آپ کے جلسہ میں مخل نہ ہوں گا۔اور وہ بات یہ ہے کہ مدرسہ پر جس وقت آپ کا جی چاہے قبضہ کرلیں۔(تمام ارکان اس سازش کے کرنے والے جمع تھے) صبح کو آپ حضرات مدرسہ میں تشریف لاکر اس کی تمام چیزوں کو ہم سے وصول کر لیں۔صرف وہ کتابیں جو میرے اثر سے آئی ہیں، دو سال تک نہ دوں گا۔لیکن اگر ضرورت ہوگی عاریۃً دے دوں گا۔کیونکہ میرے اثر سے جمع ہوئی ہیں۔میرے ہی اعتقاد پر آئی ہیں دو سال کے بعد جب میں دیکھوں گا کہ مدرسہ کا کام اچھا ہو رہا ہے، وہ کتابیں بھی مدرسہ میں داخل کر دوں گا۔ اور یہ کہہ کر میں نے کہا کہ میں جاتا ہوں۔صرف یہی کہنے آیا تھ۔ السلام علیکم۔

بس پھر نہ وہ جلسہ رہا اور نہ مقرر نے تقریر کی۔وہ مشورہ ہی ختم ہو گیا۔یہ گڑبڑ تو مخالفت سے ہوتی ہے۔سو مخالفت کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بس یہ کہہ دینا چاہیے کہ لو بھئی تم ہی کام کرو۔ہم دین کے کسی اور کام میں مصروف ہو جائیں گے۔باقی مخالفت کا اصل راز یہ ہے کہ مقصود نام ہوتا ہے۔ کام مقصود نہیں ہوتا۔اس لیے ایک ہی چیز کے درپے ہو جاتے ہیں۔، پھر اس میں طرفین سے کشاکشی ہوتی ہے جھگڑے قصے فساد ہوتے ہیں۔ (جلد ۷۔ص:۱۳۱)

صحبت اہل اللہ کی ضرورت:

آج کل مسلمان صرف باتیں بناتے ہیں۔ہر کام نام کے واسطے کرتے ہیں۔اللہ کے واسطے کوئی کام نہیں ہوتا۔ہر وقت جاہ اور عزت کے متلاشی ہیں۔تو اس کے آثار وثمرات بھی ایسے ہی ہیں۔ارے اللہ کے ہو جاؤ، مٹ جاؤ، فنا ہو جاؤ۔پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔بس وہ ہوگا جس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ ☆ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

[موسم بہار میں پتھر پر کہاں سبزہ اگتا ہے؟ تو مٹی بن جا، تا کہ تجھ پر رنگ برنگ پھولوں کا چمن اگے]

اور اگر اعتقاد سے ایسا نہیں کرتے، تو بطور امتحان ہی کر کے دیکھو۔بت پرستی تو کر کے دیکھ

لی۔اب خداپرستی بھی کر کے دیکھ لو۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش ☆ آزموں را یک زمانے خاک باش

[تو سالوں دل خراش پتھر بن کے جی لیا۔اب تجربے ہی کو سہی، کچھ دن خاک بن کے دیکھ لے]

اور حسب سنت اللہ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ کسی کامل کی معیت اور صحبت نصیب ہو۔اس کی صحبت سے قلب کے اندر جذب پیدا ہوگا۔پھراس چیز کے پیدا ہو جانے کے بعد ساری عمر کے لیے ایک بجلی قلب کے اندر پیدا ہو جائے گی اور وہ کندن بنادے گی۔یہ صحبت کامل ہی اکسیر اعظم ہے۔ مگر افسوس اسی سے غفلت ہے۔یہ وہ چیز ہے کہ۔

گرتو سنگ خار ومرمر شوی ☆ چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

[تو اگر سنگ خار ومرمر بھی کیوں نہ ہو، کسی صاحب دل کی خدمت میں حاضر ہوگا تو گوہر ہو جائے گا]

گو بظاہر تجھ کو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صحبت ایک اپنے جیسے ہم جنس کی ہے۔لیکن یہ سمجھنا سراسر غلط ہے اور اپنے پراس کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ایسے قیاس کے بارہ میں فرماتے ہیں:

کار پاکان را قیاس از خود مگیر ☆ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

[پاک نفس اہل اللہ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ان کی اور تمہاری مشابہت ایسے ہی ہے جس طرح شیر بمعنیٰ دودھ اور شیر بمعنی درندہ ایک طرح لکھے جاتے ہیں] (ص:۱۳۳)

ایک اہم تفسیری نکتہ:

فرمایا کہ ہمیں تو ہر وقت ان کی رحمت اور ان کے فضل کی ضرورت ہے۔جو کچھ ملے گا وہ انعام ہی ہے، گو نام کو جزائے اعمال ہے۔مگر ہمارے اعمال ہی کیا؟ جس پر جزاء کا استحقاق ہو۔بلکہ خود ان اعمال کو اعمال میں شمار کرنا یہ بھی انعام ہی ہے۔ورنہ ہمارے اعمال تو حسنات کہنے کے بھی قابل نہیں۔بلکہ وہ اپنے فضل سے ان کو حسنات بنادیں گے۔بعض اہل لطائف نے ﴿**اولئک یبدل اللہ سیآتھم حسنات**﴾ کی یہی تفسیر کی ہے۔پھرایک بڑی رحمت یہ ہے کہ ہمارے اعمال محدود اور جزاء غیر محدود۔اور میں نے جو کہا ہے کہ وہ جزاء برائے نام ہے ورنہ محض عطاء ہی ہے۔اس کی دلیل خود قرآن میں ہے ﴿**جزاءً من ربک عطاء حسابا**﴾. اس تقریر سے اس شبہہ کا بھی

جواب ہو گیا کہ اگر وہ جزاء ہے تو عطاء کیسی؟ اور اگر عطاء ہے تو پھر حساب کیسا۔ جواب یہ ہے کہ جزاء صورۃً ہے۔ اور عطاء حقیقۃً۔ اور حساب جزاء یا عطاء کے لیے نہیں، بلکہ خود اہل عطاء میں تفاوت کے لیے حساب ہوگا۔ باقی عطا بغیر حساب ہی ہوگی۔ (جلد ۷۔ ص: ۱۴۰)

ہمارے بزرگوں کی ایک خاص بات:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے لوگ طرح طرح کے ڈھونگ بناتے ہیں، امتیازی شان کا اہتمام رکھتے ہیں، لیکن کیا کریں ہماری نظروں میں نہیں سماتے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم کو تو ہمارے بزرگ بگاڑ گئے۔ کس طرح کی سادہ زندگی گزار گئے! بس ان کا جو رنگ ڈھنگ دیکھا وہی پسند ہے۔ آج کل کے ڈھونگ اور بناوٹیں پسند نہیں۔ ہمارے بزرگوں میں ایک خاص بات یہ تھی کہ خود داری کا نام ونشان نہ تھا، ملے جلے، ہنستے بولتے، رہتے تھے۔ مگر دل میں ایک [عشق کا] انگارہ دہک رہا تھا۔ بقول نواب شیفتہ:

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ بر لبہا وآتش پارہ دردلہا

میں نے اس ہنسنے پر ایک مثال تجویز کی ہے؛ کہ جیسے تَوَا ہنستا ہے، مگر ہاتھ لگا کر کوئی دیکھے پتہ چل جائے گا کہ کیسے ہنستا ہے؟ ان کے قلب میں خدا کی محبت کی ایک آگ بھری تھی۔ ہر وقت خشیت کا غلبہ رہتا تھا۔ شب روز آخرت کی فکر لگی رہتی تھی۔ یہ بات اس درجہ کی کسی جماعت کے بزرگوں میں نہیں دیکھی۔ (جلد ۷۔: ۱۴۰۔۱۴۱)

شفاء کے لیے وظیفہ:

بزرگوں سے سنا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد اکتالیس بار الحمد شریف پڑھ کر پانی پر دم کر کے مریض کو پلا دیا جائے تو امید نفع کی ہے۔ (جلد ۷۔ ص: ۱۴۶)

کام کے وقت باتوں کی ممانعت:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک جگہ مدرس ہوں۔ بعض لوگ اوقات تعلیم میں

پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان سے باتیں کرنے میں جو طلبہ کا حرج ہوتا ہے، کیا یہ خیانت ہوگی؟ فرمایا کہ بے شک خیانت ہے۔ ان لوگوں کو منع کر دینا چاہئے کہ یہ کام کا وقت ہے۔ عرض کیا جو اس وقت تک ہو چکا یا آئندہ اتفاقاً ایسا پھر ہو جاوے، تو کیا اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے؟ فرمایا سوائے توبہ کے اور کوئی بدل نہیں۔ عرض کیا کہ خارج اوقات میں کام کر دیا جاے؟ فرمایا کہ یہ بھی اس کا بدل نہیں۔ فرضوں کے قائم مقام نفلیں تھوڑا ہی ہوسکتی ہیں۔ کام کے وقت کام کرنا چاہئے اور لوگوں کو منع کر دینا چاہیے۔ (جلد ۷۔ ص:۱۴۶)

اللہ تعالیٰ سے نیک گمان کی ضرورت:

فرمایا کہ طریق کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے لوگوں کو غلطیوں میں ابتلاء ہے۔ کل ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا تھا، بے چارے مریض ہیں، میں نے بحمد اللہ تسلی کر دی۔ بہت خوش ہوئے۔ حاصل میرے جواب کا یہ تھا کہ اگر حالتِ مرض میں، قلب کے اُس طرف مشغول ہونے کی وجہ سے، استحضارِ معتاد میں کمی ہو جائے، تو اس وقت جس قدر استحضار ہے، وہی کامل ہے۔ اس کو یوں سمجھ لیا جائے کہ جیسے مرض کی وجہ سے کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، بیٹھ کر پڑھتا ہے، تو اس کی وہی نماز جو بیٹھ کر پڑھی ہے کامل ہے۔ یا جیسے ایک شخص مرض کی وجہ سے وضو نہیں کر سکتا، تیمّم کرتا ہے، اس کی وہی طہارت کامل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جتنا اس وقت مامور بہ ہے، وہی کامل ہے ناقص نہیں۔ تو پھر ہمیں اس تفاوت کے دیکھنے کی کونسی ضرورت ہے۔ ایک شخص ہے کہ وہ ایک شخص کو ایک روپیہ کی سیر مٹھائی دیتا ہے۔ اور ایک کو آٹھ آنہ سیر دیتا ہے۔ تو اس آٹھ آنہ والے کو کونسی ضرورت ہے کہ یہ اس پر افسوس کرے کہ مجھ سے کم لیا؟ بلکہ خوش ہونے کا موقع ہے کہ تھوڑا لیا اور زیادہ دیا۔ اور اس صورت میں جو کمی ہے وہ کمی حساً ہے، حکماً و معنیً نہیں۔ غرض ہر حال میں جب کہ حتی الوسع امتثال کر لیا۔ بندہ کو خدا کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیے۔ (جلد ۷۔ ص:۱۴۶۔۱۴۷)

مراقبۂ جمالِ خداوندی:

حق تعالیٰ کا مراقبہ جلال کا تو نافع ہے ہی، مگر جمال کا مراقبہ اس سے زیادہ نافع ہے۔ خصوصاً ضعفاء کو جمال کا مراقبہ زیادہ چاہیے۔ اس سے محبت بڑھ کر بہت جلد کامیابی ہوتی ہے۔ (ص:۱۴۷)

طریق اصلاح کا باب نہایت نازک ہے:

اس کی سخت ضرورت ہے مایوسی اور ہراس کو تو کبھی اس طریق میں راہ ہی نہ دیا جائے۔ مگر یہ اس وقت ہوتا ہے، جب کہ اہل فن کے ہاتھ میں ہاتھ ہو۔ ایسے صاحب فن کو اصطلاح میں شیخ کامل بھی کہتے ہیں۔ مراد اس سے ماہرِ فن ہی ہے۔ کہ طالب کی کوئی بھی حالت ہو اس کو کام میں لگائے رکھے۔ اس کو سمجھا دے کہ وہ چلا چلے ادھر ادھر نہ دیکھے۔ (جلد ۷۔ ص:۱۴۸)

بزرگوں میں موازنہ کرنا بے کار کام ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک صاحب ہیں، نہایت قابل ہیں، پہلے وہ بالکل جنٹلمین تھے۔ اب حضرت کے وعظ دیکھتے ہیں، بالکل حالت بدل گئی۔ ایک صاحب نے ان سے کہا کہ ہندوستان میں حضرت سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، بلکہ تمام دنیا میں حضرت مولانا سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ فرمایا کہ انہوں نے دنیا دیکھی کہاں ہے جو ان کا یہ کہنا صحیح مانا جائے؟ یہ تو ایسی بات ہے کہ جیسے ہماری ایک تائی صاحبہ تھیں۔ انہوں نے کسی بات پر بھائی اکبر علی مرحوم سے کہا کہ دنیا میں یوں ہی ہوتا ہے۔ بھائی مرحوم نے کہا کہ تم کو دنیا کی کیا خبر؟ میرا گھر تمہارا گھر ہے، بس یہ تمہاری دنیا ہے تم نے دنیا دیکھی کہاں ہے؟ اسی طرح ان بے چاروں نے دنیا دیکھی کہاں ہے؟ دوسرے ان بے کار باتوں میں رکھا کیا ہے۔ کام کی باتیں کرنا چاہیئے۔ کام میں لگنا چاہیئے۔ یہ مسلّم ہے کہ وعظ دیکھ کر اپنی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر یہ باتیں بے کار ہیں۔ کوئی ایسا دنیا میں ہو یا نہ ہو، ان کو اس سے کیا بحث؟ (جلد ۷۔ ص:۱۵۹)

نہایت عبرت آموز ملفوظ: فقہی اختلاف میں غلو آمیز مناظرے دین کو نقصان پہنچاتے ہیں:

فرمایا کہ بعض باتیں صورۃً دین ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت میں دین نہیں ہوتیں۔ نفسانیت سے ان کو دین سمجھ بیٹھتا ہے۔ میرے متعلقین میں ایک شخص تھے، لکھے پڑھے مولوی۔ ان کو اس مسئلہ میں عملاً غلو ہو گیا تھا کہ دیہات میں جمعہ نہیں ہوتا۔ مسئلہ تو احناف کے مسلک کے موافق صحیح ہے۔ جو

علماء ان کے مقابل تھے ان پر احتجاج [ومناظرے] کے لیے انہوں نے ایک فتوی مرتب کر کے اس پر تمام ہندوستان کے مشاہیر علماء کے، جن کو وہ جانتے تھے، دستخط کرائے۔ جہاں جاتے اس فتوی کو ساتھ رکھتے۔ چنانچہ یہاں پر بھی اس کو ساتھ لائے۔ معلوم ہوا کہ ڈیڑھ دو سال سے اسی میں منہمک ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ اس اہتمام کو دین سمجھ رہے ہوں گے۔ حالانکہ کھلی دنیا ہے۔ اس لیے اس میں نفس کی آمیزش ہے۔ دوسروں کی تو آپ کو فکر ہے، مگر اپنی فکر نہیں کہ نفسانیت سے دین تباہ ہو رہا ہے۔ غرض میں نے خوب ڈانٹ ڈپٹ کی اور ان سب کاغذات کو جلوایا۔ ایسے ہی اوراق ناشی عن النفس کے حق میں کہا گیا ہے:

جملہ اوراق و کتب درنار کن ☆ سینہ را از نور حق گلزار کن

مجھ سے تو نہیں کہا مگر اور لوگوں سے کہا کہ جس وقت سے وہ ذخیرہ جلا ہے، قلب ہلکا اور صاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑی اندھیری اور ظلمت سے میں روشنی میں آ گیا۔ [اکثر علمی فقہی مناظروں میں غلو کا سبب نفسانیت ہوتی ہے] (جلد ۷۔ ص: ۱۶۵۔۱۶۶)

میں کسی پر بار ڈالنے سے بچتا ہوں:

فرمایا کہ الحمدللہ میں خود کسی پر اپنی طرف سے بار ڈالنا نہیں چاہتا۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ اوروں پر تو کیا بار ڈالتا اپنے گھر والوں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھتا ہوں کہ میری وجہ سے ان پر ذرہ برابر گرانی اور بار نہ ہو۔ تنخواہ دار ملازموں تک کے ساتھ یہی برتاؤ ہے۔ اور یہ میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر بیان کرتا ہوں۔ کہنا تو نہیں چاہئے تھا، مگر مصلحت تعلیم سے کچھ حرج بھی نہیں۔ شاید اور کوئی اس پر عمل کر لے۔ میری وجہ سے گھر والے ہوں یا تنخواہ دار ملازم ہوں یا دین کا تعلق رکھنے والے ہوں یا نو وارد آنے والے ہوں، بحمداللہ تعالیٰ کسی کو کوئی گرانی یا بار نہیں ہوتا۔ اور مسلمان کا تو مذہب یہی ہونا چاہئے۔ (جلد ۷۔ ص: ۱۶۸)

قرآنی آیات میں ربط کی قوی دلیل:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آیتوں کی باہم ترتیب وحی کے ذریعے قرار پائی ہے۔ اس میں کسی اجتہاد کا دخل نہیں۔ اس وجہ سے اس کا بھی قائل ہونا پڑے گا کہ

آیات میں مناسبت ضرور ہے، ورنہ ترتیب نزول کو نہ بدلا جاتا۔......اجمالاً یہ ضرور کہا جاوے گا کہ قرآن شریف کی آیتوں میں تناسب اور تناسق ضرور ہے۔ اب یہ شبہ کہ وہ ربط سمجھ میں نہیں آتا، تو سمجھ میں نہ آنا تو مستلزم اس کو نہیں کہ اس میں ربط نہ ہو۔ دوسری بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ جس ربط کو آج کل ربط سمجھا جاتا ہے کہ مسلسل متعارف تصنیفات کا سارنگ ہو، یہ قرآن میں نہیں اس لیے کہ کریم اور رحیم خداوند جلّ جلالہ کا کلام ہے، جو شفقت سے پر ہے، اور شفقت کے مخاطبات میں تصنیفات کا سا ربط نہیں ہوتا۔ مثلاً باپ نے بیٹے کو ایک جلسہ میں کئی نصیحتیں کیں۔ تو ان میں ایک گونہ مناسبت ہے، مگر تصنیفات کا سا رنگ نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ خود حالات جو مشابہ ان مخاطبات کے ہیں ان میں بھی تو ویسا جوڑ نہیں ہوتا۔ تو پھر باپ کی نصیحت میں متعارف ربط کیسے ہو؟ جب حالات میں خاص ارتباط نہ ہو تو نصائح میں کیسے ہوگا؟ بلکہ ارتباط کا نہ ہونا ہی خوبی ہے اور دلیل شفقت ہے۔ اس لیے کہ مثلاً پانچ نصیحت کیں۔ اور اتفاق سے چار میں تو ربط تھا اور پانچویں میں نہ تھا۔ تو جو شخص ارتباط متعارف کا اہتمام کرے گا، وہ اس وقت پانچویں نصیحت کو ضرور موقوف رکھے گا۔ جو کہ شفقت اور محبت کے منافی ہے۔ اور اس لیے ایسا اہتمام ارتباط کا نقص ہے اور منافیِ محبت ہے۔ اگر کوئی باپ سے پوچھے کہ تمہاری اس پانچویں نصیحت میں ربط کیا تھا؟ وہ کہے گا کہ ربط کیا ہوتا؟ جو ضرورت دیکھی ظاہر کر دیا۔ غرض قرآن مجید میں تصنیفات کا سا رنگ نہیں۔ اور یہی بڑی شفقت ہے حق تعالیٰ کی۔ (جلد۷۔ص:۱۷۶۔۱۷۷)

اہل اللہ کی عجیب شان:

ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ عطاء ہے اور عطاء پر انسان کو ناز نہ کرنا چاہیئے۔ جب چاہیں نکال باہر کریں۔ پھر ناز کیسا؟ ہاں شکر کرو۔ اور اہل اللہ کو چونکہ نعمت کی حقیقت زیادہ معلوم ہے، اس لیے ان کو نعمت پر شکر زیادہ ہوتا ہے۔ مگر ان کو جس قدر تعلق نعمت سے ہوتا ہے اس سے زیادہ منعم سے ہوتا ہے۔ ان کی زیادہ نظر منعم پر ہوتی ہے۔ نیز وہ ہر نعمت کو اپنے استحقاق سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے وہ موجودہ پر راضی رہتے ہیں۔ مفقود پر نظر نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک شخص نے شکایت کی ایک بزرگ سے: مجھے افلاس زیادہ ہے۔ فرمایا کہ میاں اگر دل میں امن واطمینان ہو، بدن میں کوئی مرض نہ ہو، ایک دن

کے کھانے کو ہو، اس سے زیادہ اور کیا چاہئے؟ اسی لیے اہل اللہ کی یہ شان ہے کہ اگر مل گیا تو شکر، نہ ملا تو اس کو بھی نعمت سمجھ کر صبر، اور عبدیت کی وجہ سے وہ حاجت کی ہر چیز مانگتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز نہ ملے تو اس پر بھی راضی رہتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے لیے نعمت ہے۔ ایک بزرگ تھے ان کے گھر میں سات کوٹھڑیاں تھیں۔ ایک گری، دوسری میں جا بیٹھے۔ دوسری گری، تیسری میں جا بیٹھے۔ اسی طرح ساتویں کوٹھڑی میں انتقال ہو گیا۔ بس ان حضرات کی دنیا سے تعلق نہ ہونے کی یہ حالت ہوتی ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ سب ایسا کریں۔ یہ بتلا دیا کہ یہ بھی اہل اللہ کا ایک رنگ ہے۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو پسند تو کرو۔

اور ان حضرات کو اگر کسی نعمت کی طلب ہوتی ہے، وہ بھی اس ہی کے واسطے کہ جمعیتِ قلب میسر ہو۔ قلب کو پریشانی نہ ہو۔ کہ اطمینان کے ساتھ کام میں لگیں۔ اس لیے ان حضرات کے یہاں جمعیتِ قلب کا بڑا اہتمام ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ سال بھر کا سامان ازواج کو عطا فرما دیتے تھے۔ گو حضور ﷺ کو جمعیت اس پر موقوف نہ تھی۔ مگر حضور ﷺ نے اپنے مذاق مبارک کے خلاف، صرف ہماری رعایت کی۔ اور ایسا کر کے اس فعل کو جائز سے آگے بڑھا کر سنت بنا دیا، تاکہ میری امت کو دنیا میں بھی دین کا ثواب ملے۔ کیونکہ اتباع سنت تو دین ہے۔ کیا انتہاء ہے اس شفقت کی کہ ہم نالائقوں کی رعایت سے سال بھر کا خود انتظام فرمایا، جس سے مقصود یہ تھا کہ امت کو ایسے کرنے سے جمعیت قلب حاصل ہو۔ اور حضور ﷺ کے ہر فعل میں یہی شفقت ہے۔ کیا یہ شفقت نہیں کہ آپ ساری ساری رات کھڑے ہو کر امت کی سفارش کر رہے ہیں حتیٰ کہ قدم مبارک پر ورم بھی۔ (جلد ۷۔ ص: ۱۷۹۔ ۱۸۰)

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ پر غلبۂ حضوری:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی غلبۂ حضوری کی یہ کیفیت تھی۔ حضرت کے ایک خادم خاص کہتے تھے کہ میں نے حضرت کو پاؤں پھیلا کر سوتے نہیں دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ حضرت کیا آرام ملتا ہوگا۔ فرمایا کہ ارے باؤلے! کوئی محبوب کے سامنے پاؤں پھیلایا کرتا ہے؟

حضرت سیاہ نری اور کمبخت کا جوتہ نہ پہنتے تھے۔ خادم کے پوچھنے پر فرمایا کہ ارے باؤلے میں نے جب سے خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ دیکھا ہے اور روضہ مبارک پر سبز غلاف دیکھا ہے اس رنگ کو

پاؤں میں ڈالنا خلاف ادب سمجھتا ہوں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کو واقعہ میں دیکھا کہ کچھ دے رہے ہیں۔ اور یہ فرماتے ہیں کہ لاکھوں روپے تمہارے ہاتھ پر صرف ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ میں اس کا متحمل نہیں۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایسا ٹھکانا مل جاوے کہ کوئی وہاں سے اٹھائے نہیں۔

پھر [حضرت حکیم الامتؒ نے] خود اپنا معمول بیان فرمایا کہ میری خود یہ حالت ہے کہ میں مال کو خدا کی نعمت سمجھ کر اس ہاتھ میں جوتا نہیں لیتا جس میں روپیہ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ نعمت کی تحقیر کا کسی کو کیا حق ہے۔ نعمت وہ چیز ہے کہ ہمارے یہ سارے لمبے چوڑے دعوے کمالات کے اور سارا طنطنہ جبھی تک ہے، جب تک کہ انہوں نے اپنی نعمت سے نواز رکھا ہے۔ ورنہ ایمان کا سنبھالنا بھی مشکل تھا۔ (جلد ۷۔ ص: ۱۸۱)

علیٰحدہ گھر بنانے میں حکمت:

فرمایا کہ حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمایا تھا گھر علیحدہ بنا لینا مناسب ہے۔ اس کی ضرورت ہے کہ اپنا کوئی جدا ٹھکانا ہو۔ (جلد ۷۔ ص: ۱۸۱)

نعمتوں پر خوش ہونے کے بھی حدود ہیں:

[نعمتوں پر] خوش ہونے کے بھی حدود ہیں۔ ایک ان [نعمتوں] کی ذات پر اترانا، تو ان کے متعلق فرماتے ہیں ﴿**لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین**﴾ [مت اتراؤ۔ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا]۔ دیکھو قارون بالذات مال سے خوش ہوتا تھا، کیا درگت بنی؟ دوسرے خدا کے فضل اور رحمت ہونے کی حیثیت سے اس پر خوش ہونا، اس کے متعلق ارشاد ہے ﴿**قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا**﴾ [کہو، اللہ کا فضل اور اس کی رحمت، اسی پر تو خوش ہونا چاہیے]۔ بس ایک فرح بطر [غرور اور اترانے والی خوشی] ہے، ایک فرح شکر ہے۔ تو فرحِ شکر محمود اور فرحِ بطر منہی عنہ ہے۔ پس نعمتوں پر شکر کے طور پر خوش ہونا یہ حق ہے منعم کا۔ اور خود ذاتِ نعمت پر ناز کرنا، یہ ناشکری ہے منعم کی۔ اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ قلب میں نعمت کے زوال کے احتمال کا

استحضار نہیں رہتا۔ اور استحضارِ زوال کے بعد جو فرح کی کیفیت قلب میں رہ جاوے گی وہ عین شکر ہے۔ پھر استحضارِ زوال کے متعلق فرمایا کہ ہماری تو کیا ہستی اور کیا وجود ہے؟ خود حضور ﷺ کو خطاب ہے ﴿ولئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک﴾ کہ اگر ہم چاہیں تو تمام وحی کے علوم کو محو اور زائل کر دیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سن کر حضور ﷺ کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔

...پس جس وقت نعمت پر ناز کا وسوسہ ہو تو اس وقت اس کا مراقبہ کرو کہ اس پر ہماری کیا قدرت ہے؟ تو اس مراقبہ سے فرحِ بطر جاتا رہے گا فرحِ شکر باقی رہ جائے گا۔ (ص:۱۸۴)

بے نتیجہ خیالات میں وقت ضائع نہ کرو:

فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ کام میں لگے۔ اور بے نتیجہ فکروں میں نہ پڑے۔ مثلاً یہ کہ معصیت ہوگئی تھی۔ اس سے توبہ بھی کر لی تھی معلوم نہیں وہ قبول ہوئی یا نہیں؟ آخر اس سے کیا فائدہ؟ اسی طرح یہ خیالات مضر ہیں کہ میں کامل ہوا یا نہیں۔ میں کچھ ہوا یا نہیں۔ غرض بے نتیجہ خیالات اس راہ میں راہزن ہیں۔ کام کرنے والوں کی شان ہی جدا ہوتی ہے وہ ایسی چیزوں کو کب دیکھتے ہیں؟

(جلد ۷۔ ص:۱۸۵۔۱۸۶)

روزگار ملنے کا وظیفہ:

ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت روزگار کے لیے ایک تعویذ دے دیجئے۔ فرمایا کہ روزگار کے لیے تعویذ نہیں ہوتا۔ اگر کچھ پڑھ سکو تو اللہ کا نام بتلا دوں۔ عرض کیا بتلا دیجئے۔ فرمایا کہ بعد نماز عشاء یَا وَھَّاب چودہ تسبیح اور چودہ دانے [یعنی ۱۴۱۴ مرتبہ] پڑھ لیا کرو۔ اول آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف۔ (جلد ۷۔ ص:۱۸۷)

ہدیہ لینے میں طبعی انقباض:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ہدیہ لینے میں بعض اوقات ایک تو طبعی انقباض ہوتا ہے، اس کا تو کچھ ذکر نہیں۔ اور ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ تجربہ کی بناء پر ہدیہ قبول کر کے پچھتانا پڑتا ہے۔ اس میں انتظام کی ضرورت ہے۔ یہاں ہماری برادری میں ایک صاحب تھے جن کا

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خادمی کا تعلق تھا۔اس بناء پر مجھ سے بھی محبت کرتے تھے۔ان کے یہاں کوئی پھل آیا کوئی اچھا کھانا پکا،میرے لیے بھیج دیتے تھے۔اور یہاں سے بھی جاتا رہتا تھا،مگر کم وبیش کا تفاوت تھا۔اتفاق سے ایک فرائض کا مسئلہ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔میں نے بتلا دیا۔وہ ان کے خلاف تھا اور اس میں ان کے فریق مخالف کا نفع تھا۔اس پر کہا کہ ہم اتنے زمانہ سے خدمت کرتے ہیں،مگر جب ہمارے کام کا وقت آیا تو ہماری کچھ رعایت نہ کی۔دیکھئے کتنی رنج دہ بات ہے۔

اس وجہ سے بعض ہدیہ میں شبہ ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کا بھی یہی انجام نہ ہو۔ہدیہ دے کر کسی رعایت کی توقع تو نہایت ہی منکر وقبیح ہے۔مجھ کو تو یہ بھی پسند نہیں کہ ہدیہ دے کر دعاء کے لیے کہا جاوے۔اس لیے کہ ہدیہ تو محض طیبِ قلب سے اور تطییبِ قلب [دل خوش کرنے] کے لیے ہوتا ہے۔اس میں اور اغراض کی یا دوسرے مصالح کی آمیزش کیسی؟ اسی لیے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر یہ شبہ ہو جائے کہ یہ شخص ہم کو غریب سمجھ کر ہدیہ دے رہا ہے،لینے کو جی نہیں چاہتا۔ہم غریب ہی سہی،مگر اس کو کیا حق ہے کہ وہ غریب سمجھ کر دے؟ مولانا نے رفع حاجت کی مصلحت کی آمیزش کو پسند نہیں فرمایا۔ (جلد۷،ص:۱۹۶)

مجھ کو حضرت گنگوہی سے زیادہ تعلق ہے:

...مجھ کو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ کشش ہے۔دوسرے بزرگوں کے ساتھ تو ان کے کمالات کی بناء پر عقیدت ہے اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اضطراری طور پر محبت ہے۔ان کی ہر بات میں ایک محبوبانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ میاں تم بہت دنوں سے آتے ہو،ہم نے تمہیں کبھی کھانا نہیں کھلایا۔آج تمہاری دعوت ہے۔دیکھئے اس سے سادگی کی کیسی عجیب وغریب شان مترشح ہوتی ہے،جو محبوبانہ انداز کی بڑی فرد ہے۔

(جلد۷،ص:۱۹۶)

خاصان حق کی صحبت میں برکت:

فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میں،ان کی دعاء میں،ان کی نصیحت میں،سب میں نور اور برکت ہوتی ہے۔دہلی میں جو حکیم نابینا ہیں،ان کی نباضی مشہور ہے۔اس کا قصہ یہ ہے کہ

انہوں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت میں نابینا ہوں، بجز نبض کے اور علامات کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ نبض شناسی کی دعاء کر دیجئے۔ آپ نے نبض کے لیے دعاء فرما دی، جس میں ان کا کمال مشاہد ہے۔ تو یہ اس دعاء کی برکت ہے۔ (جلد ۷۔ص: ۱۹۷)

حضورﷺ کی عینی زیارت کس طرح ممکن ہے؟

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ خواب یا کشف سے جو زیارت حق تعالیٰ کی ہوتی ہے، وہ مثالی ہے [یعنی بعینہ حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہوتی]۔ سو حق تعالیٰ کی رویت کے درجات مختلف ہیں۔ جن لوگوں کو یہاں پر رویت ہوئی وہ مثالی ہوئی۔ اصلی جنت میں ہوگی۔ حضورﷺ کی زیارت کبھی عینی بھی ہو سکتی ہے، وہ اس طرح کہ یہاں سے حضورﷺ کے جسد مبارک تک [کے تمام] حجابات اٹھ جائیں اور اصلی صورت نظر آ جاوے۔ باقی حضرت حق کی رویت دنیا میں عینی نہیں ہو سکتی۔

اور ہر حال میں ان چیزوں کو قرب میں دخل نہیں۔ بلکہ خود قرب کو اس میں دخل ہے، مگر بلا لزوم۔ بلکہ بعض اوقات یہ حالات خطرناک ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں بڑوں بڑوں سے غلطیاں ہو گئی ہیں، یعنی ان کے سمجھنے میں۔ (جلد ۷۔ص: ۲۰۰)

اعمال مامور بہا طریق ہیں:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایک مرتبہ فلاں مقام پر تشریف لے گئے تھے۔ اسٹیشن سے دو میل کے فاصلے پر ایک بزرگ مدفون ہیں، حضرت نے اسٹیشن ہی پر فرمایا کہ یہاں پر کسی بزرگ کا مرقد ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ فرمایا کہ مجھ کو نہ یہ درجہ حاصل اور نہ یہ میری عادت۔ خلاصہ یہ کہ جو بات طالب علموں میں نہیں ہوتی، وہ ہم میں نہیں۔ اگر طالب علمی کا نام درویشی ہے، تو ہم درویش ہیں۔ اور اگر کسی اور چیز کا نام درویشی ہے، تو ہم درویش نہیں۔ اور نہ ان چیزوں کا درویشی سے کوئی تعلق۔ جیسا عام خیال ہے۔ اور یہ ساری خرابی کہ غلط خیالات میں ابتلاء ہو رہا ہے، اس کی ہے کہ لوگ طریق سے بے خبر ہیں۔ جن چیزوں کو طریق سمجھتے ہیں وہ حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ خارجی چیزوں

کا بلکہ اکثر تو واہی تباہی باتوں کا نام طریق رکھ چھوڑا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اعمال مامور بہا طریق ہیں۔[یعنی طریقت وسلوک کی اصل حقیقت صرف وہ اعمال ہیں جن کا شریعت میں حکم ہے] اور رضاء حق اس طریق کا مقصود ہے۔ اس سے آگے جو شیخِ کامل تجویز کرتا ہے، یا سلف کا معمول رہا ہے، وہ سب تدابیر کا درجہ ہے۔ فن طب کی طرح اس طریق میں بھی تدابیر ہیں۔ (جلد ۷۔ص:۲۰۱)

نسبت حقیقی کے حصول کا طریق:

وہ نسبت حقیقی کہ بندہ کو خدا کے ساتھ عشق کا سا تعلق ہو جائے اور حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ رضا کا تعلق ہو جاوے، یہ موقوف ہے دوامِ طاعت اور کثرت ذکر پر۔ یہ [نسبت] بدوں اس [دوام طاعت و کثرت ذکر] کے نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور یہی نسبت مطلوب ہے باقی جو نسبت بمعنی کیفیت ہے، وہ مطلوب نہیں۔ (جلد ۷۔ص:۲۰۵۔۲۰۶)

اپنے آخری وقت کا استحضار:

فرمایا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہمارے گھر میں ایک بڑی بی تھیں، وہ کہنے لگیں کہ ہمارا وقت تو قریب ہے۔ میں نے کہا ہمارا تمہارا دونوں ہی کا قریب ہے۔ اس پر گھر کی مستورات پر اثر ہوا، اور یہ کہا کہ ہمارے سر پر تو کوئی بھی نہیں۔ اس اثر کو محسوس کر کے میں پھر کبھی ایسا لفظ محبین کے سامنے زبان پر نہیں لاتا، کہ دوسروں کی تکلیف کا سبب ہوتا ہے۔ باقی الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ، مجھ کو اپنے وقت کا کافی استحضار ہے۔ لیکن زبان پر اس لیے نہیں لاتا کہ دوستوں کو رنج ہوگا۔

[غور کیجیے! حضرت والاؒ نے اس بات پر کہ اپنی موت کا استحضار رہتا ہے کس طرح اور کتنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے! یہ واقعۃً بڑی نعمت ہے۔ اللہ ہم کو بھی نصیب فرمائے]۔ (جلد ۷۔ص:۲۰۶)

خرافات سے بچنے کی ضرورت:

فرمایا کہ میں تو اس کو پسند کرتا ہوں کہ ہر شخص کام میں لگے۔ چاہے وہ کام دین کا ہو، یا دنیا کا۔ جو شخص مشغول ہوتا ہے، وہ بہت سی خرافات سے بچا رہتا ہے۔ ایک بزرگ اپنے خدام کے ساتھ جا رہے تھے۔ ایک شخص راستہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ بزرگ نے اس کو سلام نہیں کیا۔ پھر واپسی اسی

راستے سے ہوئی وہی شخص پھر بیٹھا تھا، اور زمین کرید رہا تھا۔ ان بزرگ نے اس کو سلام کیا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت اس میں کیا راز تھا کہ اس شخص کو پہلے سلام نہیں کیا اور اب کیا؟ فرمایا کہ پہلے بے کار بیٹھا تھا۔ اس لیے اس کے قلب میں شیطان تصرف کررہا تھا۔ اور اب مشغول ہے۔ گو بے کار فعل ہی سہی، جو معصیت بھی نہیں۔ اس لیے شیطان اس سے دور ہے۔ (جلد ۷۔ ص: ۲۱۸)

ایک صاحب کو حضرت حکیم الامت کی خدمت میں خاموش بیٹھنے کا نفع:

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے یہ ایک ہفتہ یہاں پر رہ بھی گئے ہیں لکھا ہے کہ خاموش مجلس میں بیٹھے رہنے سے وہ نفع ہوا کہ بارہ برس گھر پر رہ کر کام کرنے سے بھی وہ نفع نہ ہوتا۔ لکھا ہے کہ اصلاح اور تعلق مع اللہ اس قدر میسر ہوا کہ جس کو بیان نہیں کرسکتا۔ لکھا ہے کہ رخصت کے وقت جی چاہتا تھا کہ قدم چوموں۔ مگر چونکہ حضور کی اجازت مکاتبت مخاطبت کی بھی نہ تھی۔ ڈر کی وجہ سے نہ چوم سکا۔ یہ خاموش بیٹھا رہنا بے حد مفید ثابت ہوا۔ (جلد ۷۔ ص: ۲۲۱)

بغیر اخلاص کے عمل کی مثال:

فرمایا کہ جو عمل خلوص اور محبت سے خالی ہوگا وہ بے مغز کا بادام ہے۔ اور بے رس کا آم ہے۔ اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور جب تک نہ ہو اس وقت تک اس نقالی کو بھی بے کار نہیں سمجھنا چاہیے، اس لیے کہ صورت بھی کبھی سیرت تک پہنچا دیتی ہے۔ تعمیر الظاہر والباطن کی ضرورت ہے اگر اجتماعاً نہ ہو تعاقباً ہی سہی [دونوں ایک ساتھ نہیں ہوسکیں تو کم از کم پہلے ظاہر اچھا ہو جائے، پھر باطن اچھا ہو جائے]۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمل ریا سے بھی ہو، اس کو بھی نہیں چھوڑنا چاہئے، کرتا رہے۔ اس لیے کہ ریا سے عادت ہو جاتی ہے۔ اور عادت سے عبادت۔ (جلد ۷۔ ص: ۲۲۶)

کامل بصیرت صحبتِ شیخ سے میسر ہوتی ہے:

فرمایا کہ کتنا ہی بڑا ذی استعداد ہو، بدوں صحبتِ شیخ کامل بصیرت نہیں ہوسکتی۔ ہاں بصیرت کے بعد پھر خواہ شیخ سے بھی بڑھ جائے، یہ ممکن ہے۔ (جلد ۷۔ ص: ۲۲۷)

حضرتؒ کے تصوف سے ملک عبدالعزیز کا اتفاق:

جانبین میں افراط تفریط ہو گیا۔اس لیے تصوف ایک مختلف فیہ چیز بن گئی۔ ورنہ اگر حدود میں اعتدال رہے،تو مسائلِ تصوف میں کوئی منصف کلام نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ایک میرے دوست حج کو گئے تھے۔انہوں نے ابن سعود شاہ نجد وحجاز سے ملاقات کی۔اور میرا رسالہ ''التشرف'' جو تصوف میں ہے،ان کے سامنے پیش کیا۔اس کو پڑھ کر کہا: ھٰذا یوافقنا. یہ ہمارے موافق ہے۔میں نے لکھا کہ اب بھی یہ نہ کہا کہ نحن نوافقه. ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ (جلد ۷۔ص:۲۳۴)

اصل رعب عظمت سے ہوتا ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل رعب وہ ہے، جو عظمت سے ہو۔اور محض غصہ سے جو رعب ہوتا ہے، وہ رعب نہیں وحشت ہے۔اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ نقصان نہ پہنچادیں۔اور عظمت کے ساتھ جو رعب ہوتا ہے اس میں ایک محبوبانہ شان ہوتی ہے۔ دلکشی ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے غصہ کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے:

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ ☆ ہم کو غصہ پر پیار آتا ہے

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خداداد ہیبت کی یہ حالت تھی، کہ اگر خود کلام میں ابتداء فرماتے تو دوسروں کی ہمت کلام کرنے کی نہ ہوتی تھی۔ ورنہ بڑے بڑے ویسے واپس ہوجاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمت نہیں ہوئی کلام کرنے کی۔ یہ خداداد بات ہوتی ہے۔یہ باتیں بنائے نہیں بنتیں۔سب خدا کی طرف سے ہے۔اور اصل تو یہ ہے کہ رعب اور ہیبت میں کیا رکھا ہے؟ بندہ بن کر رہنا چاہیے۔خواہ رعب ہو یا نہ ہو۔ فرعون بن کر نہیں رہنا چاہیے،اگرچہ اس سے رعب ہی ہو۔ (جلد ۷،ص:۲۳۷،۲۳۸)

جی لگنے کا انتظار عبث ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کام ضروری ہیں۔ان کو کرنا چاہیے۔خواہ جی لگے یا نہ لگے۔ یہ تو حالت ہی بری ہے کہ جی لگنے کا انتظار کیا جاوے۔کیا اپنے جی کی پرستش کرتے ہو؟ اپنے جی کے بندے ہو؟ (جلد ۷۔ص:۲۳۹)

عالمگیر کا عدل وتدیُّن:

ان بددینوں میں کوئی خوبی نہیں جس کی وجہ سے ان کو سلطنت دی گئی، بلکہ ہماری بداعمالی اور ہمارے نقص کی وجہ سے سزا کے طور پر ہم پر ان کو مسلط کیا گیا۔...عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ متبع شریعت، متبع سنت تھے۔ اس لیے وہ حدود سے تجاوز نہیں کر سکتے تھے، جیسا ان کو بدنام کیا گیا ہے۔ میں ان کے مزار پر گیا ہوں۔ حیدر آباد دکن سے واپسی پر اتفاق ہو گیا۔ مزار پر وجداناً انوار معلوم ہوتے تھے۔ اور یہ اتباع سنت کی برکت ہے۔ (جلد ۷۔ ص: ۲۴۸۔ ۲۴۹)

خلوص اکثر غرباء میں ہوتا ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ خلوص بڑی چیز ہے۔ اور یہ اکثر غرباء میں ہوتا ہے۔ امراء میں فلوس تو ہوتا ہے مگر خلوص نہیں ہوتا، الا ماشاء اللہ۔ ایک غریب شخص نے مجھ کو ایک اکنّی دے کر کہا کہ ایک پیسہ دینا چاہتا ہوں، تین پیسے واپس کر دو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ بھلا اس میں کیا ریاء ہو سکتی ہے۔ سو غرباء سے ہمیشہ میرا یہ معاملہ رہا ہے محض ان کے خلوص کی وجہ سے۔ اور امراء کے ساتھ دوسرا معاملہ ہوتا ہے۔

حضرت کا استغناء اور چند سبق آموز واقعات:

چنانچہ نواب ڈھاکہ سلیم اللہ خان صاحب مرحوم نے مجھ کو مدعو کیا۔ میں نے چند شرائط پیش کیں۔ منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مجھ کو کچھ دیا نہ جاوے سب شرائط طے ہو گئیں۔ میں ڈھاکہ پہنچا۔ نواب صاحب نے ایک روز درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں ہیں، ان کو بسم اللہ کرا دیجئے۔ اور یہ بھی کہا کہ ہمارا خاندانی دستور یہ ہے کہ بسم اللہ شروع کرانے کے وقت کچھ دیا جاتا ہے۔ اگر نہ دیا جاوے یا قبول نہ کیا جائے تو ہماری سُبکی ہوتی ہے۔ یہ ترکیب تھی کہ اس بہانہ سے مجھ کو نقد دیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی سبکی گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن اپنی وضع کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ تو اس کی صورت یہ ہے کہ میں جلوت میں تو آپ کا عطیہ لے لوں گا۔ اور خلوت میں واپس کر دوں گا۔ اور عمر بھر واپسی کا کسی سے تذکرہ نہ کروں گا۔ مگر اپنے دل میں تو خوش رہوں گا کہ میں نے اپنے

مسلک اور مشرب کے خلاف نہیں کیا۔ پس چپ رہ گئے۔ اور رقعہ لکھا کہ میری غلطی تھی۔ اب میں آپ کی وضع پر اپنی تجویز کو نثار کرتا ہوں۔

اور اس سے یہاں تک ان کا اعتقاد بڑھا کہ لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس نے صحابہ کو نہ دیکھا ہو وہ تھانہ بھون جا کر دیکھ لے۔ اور یہ سب ذرا سے نسخہ کی بدولت۔ اور نواب صاحب مجھ سے بعضے پیروں کی شکایت کرتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارا روپیہ بھی لیا، اس کا تو ذکر کیا؟ اور مجھ سے اپنے سامنے سجدے تک کرائے۔ اور میرے محض چند روز کے قیام میں میرے پاس بیٹھنے سے ان کی کایا پلٹ ہوگئی۔ حالانکہ میں نے نہ کسی بات سے روکا۔ پھر واپسی کے بعد وطن پہنچ کر کچھ روپے سفر خرچ میں سے بچ گئے، میرا ہمیشہ معمول رہا ہے کہ بچی ہوئی رقم واپس کر دیتا تھا، مگر یہ واپس کرنا نواب صاحب کی شان کے خلاف تھا، اور رکھنا اپنی وضع کے خلاف تھا۔ میں نے یہ کیا کہ مسجد میں لگا دیا۔ اور ان کو اطلاع کر دی۔

بریلی میں یہ مشہور ہوا کہ چھ ہزار روپیہ لایا ہے۔ میں نے سن کر کہا کہ تم بھی لے آؤ۔ ایک ذرا سا نسخہ تھا، استغناء کا، جس سے دین کی عزت ہوئی اور نواب صاحب کو دینی نفع حاصل ہو گیا۔

ایک واقعہ یاد آیا۔ نواب جمشید علی خان صاحب نے باغپت بلایا تھا۔ اس وقت تک ان سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ میں نے شرط کر لی تھی کہ کچھ لوں گا نہیں۔ مگر گھر میں ان کی والدہ صاحبہ نے بلایا۔ یہ بی بی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں۔ سو روپیہ دینا چاہا۔ میں نے عذر کر دیا کہ خلاف شرط ہے۔ امراء کے ساتھ ضابطہ کا برتاؤ مناسب ہے، جب تک بے تکلفی اور خلوص کا اطمینان نہ ہو جاوے۔ چنانچہ اس کے بعد موصوف کے تمام خاندان سے ایسا ہی تعلق ہو گیا۔ اب برتاؤ بھی بدل دیا۔

...... ایک مولوی صاحب یہاں پر آئے۔ پانچ سو روپیہ ان کے ذمہ قرض تھا۔ مجھ سے کہا کہ کسی کو لکھ دو۔ مجھ کو اس معاملہ میں بڑی احتیاط ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ کو کیا خبر کون شخص اس کام کا ہے؟ تم ایسوں کے نام بتلاؤ۔ انہوں نے تین نام بتلائے۔ میں نے ایک خاص مسودہ لکھا اور ان سے کہہ دیا کہ یہ مسودہ بھیج سکتا ہوں اس کا یہ مضمون تھا کہ ایک صاحب ہیں وہ مجھ سے آپ کے نام

سفارش چاہتے ہیں۔ پانچ سو روپیہ کے قرض دار ہیں۔ اگر میں ان کی سفارش آپ کو لکھ دوں، تو کیا آپ اس کی اجازت دیتے ہیں؟ اس کے جواب میں جو رقم آ گئی [وہ کچھ اس طرح تھی] ایک جگہ سے پچاس روپیہ، ایک جگہ سے دو سو روپیہ، ایک جگہ سے اڑھائی سو روپیہ کی نکلتی ہوئی کتابیں۔ بے چاروں کا بھلا ہو گیا۔ اور میں بھی سفارش کرنے سے بچ گیا۔

ایک صاحب ہیں، ان کا مجھ سے تعلق ہے، میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ میں ڈھائی ہزار یا دو ہزار کا قرض دار ہوں۔ میں نے کہا کہ خطاب خاص سے تو میں کسی کو کچھ لکھوں گا نہیں۔ ہاں خطاب عام میں لکھ دوں گا۔ وہ بے چارے اس پر ہی راضی ہو گئے۔ میں نے ایک عام مضمون لکھ دیا کہ سب مسلمانوں سے التماس ہے کہ یہ حاجتمند ہیں، ان کی اعانت موجب ثواب ہے۔ یہاں سے میرٹھ پہنچے۔ اور اپنی جماعت کے بزرگوں سے تعلق رکھنے والے ایک متمول صاحب سے ملے۔ اور میرا تصدیق کردہ پرچہ دکھلایا۔ انہوں نے اسی کو دیکھ کر کہا کہ میاں اتنی بڑی رقم بھلا کہیں یوں ادا ہو سکتی ہے۔ اور کچھ کہا ہو گا۔ ان کو جوش آ گیا، اور خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اب اگر کوئی شخص ڈھائی ہزار روپیہ یکمشت دے گا تو لوں گا، ورنہ ایک پیسہ کم ڈھائی ہزار بھی نہ لوں گا۔ یہ کہہ کر اٹھ کر چل دیئے۔ وہ صاحب ایک کافی رقم کا ایک نوٹ دیتے رہے، انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر ڈھائی ہزار دو تو لوں گا۔ وہاں سے دہلی پہنچے۔ وہاں پر اپنے جماعت کے ایک حکیم صاحب ہیں، وہاں کے پنجابی سوداگروں میں ان کا زیادہ رسوخ ہے، ان کو وہ پرچہ دکھلایا۔ اور یہ شرط بیان کی۔ حکیم صاحب نے شرط سن کر کہا کہ یہ تو بڑی ٹیڑھی شرط ہے، یوں تو ایسے ذی وسعت لوگ بھی بہت ہیں کہ ڈھائی ہزار یا دس ہزار ایک شخص دے سکتا ہے۔ مگر بظاہر ایسا کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں تھوڑا تھوڑا ایک ایک شخص دے سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک پیسہ کم ڈھائی ہزار بھی نہیں لے سکتا۔ میں خدا کی قسم کھا چکا ہوں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ میں ایک پرچہ اپنے ایک دوست کو لکھ کر تم کو دیتا ہوں۔ ان کے پاس تم لے جاؤ۔ حق تعالیٰ کفیل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ لکھیے۔ میں جاؤں گا۔ حکیم صاحب کا پرچہ اور میرا تصدیقی پرچہ لے جا کر انہوں نے ان سوداگر کو دیا۔ وہ ان سے اس کے متعلق سوالات کرنے لگے۔ اتفاق سے بمبئی کے ایک سیٹھ ان سوداگر کے یہاں مہمان تھے۔ وہ اپنے تجارتی

کاروبار کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔عقائد بھی ہمارے بزرگوں کے مسلک کے بالکل خلاف تھے۔وہ بھی ان کی باتوں کو سن رہے تھے۔انہوں نے دہلی کے سوداگر سے سوال کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ان سوداگر نے کہا کہ یہ بے چارے قرضدار ہیں۔اور میرا نام لیا کہ اس کی تصدیق ہے۔اور شرط یہ ہے کہ ایک شخص اڑھائی ہزار روپیہ دے تو لے سکتا ہوں ورنہ نہیں۔اس سیٹھ نے یہ سن کر جیب میں ہاتھ ڈال کر ڈھائی ہزار کی ایک گڈی نوٹوں کی ان کے حوالے کی۔اور یہ کہا کہ میں جس وقت گھر سے چلا تھا، یہ ڈھائی ہزار روپیہ اس نیت سے لے کر چلا تھا کہ کسی مصرف خیر میں صرف کر دوں گا۔تو اس سے بہتر مصرف خیر کیا ہوگا کہ ایک مسلمان قرض دار پریشان ہے اور معتبر شخص کی تصدیق بھی موجود ہے۔جناب رقم لے کر سیدھے گھر پہنچے اور جن کا قرض تھا ان کا ادا کیا۔اور دوسرے یا تیسرے روز میرے پاس آئے۔میں نے جب آتے دیکھا تو میں سمجھا کہ بے چارے ناکامیاب آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ڈھائی ہزار روپیہ کون اتنی جلدی دے سکتا ہے؟ وہ آ کر جب میرے پاس بیٹھے تو چہرے پر بشاشت کے آثار پاتا تھا۔اس سے معلوم ہوتا تھا کہ کامیاب آئے۔بالآخر میں نے سوال کیا کہ کیا ہوا آپ کے معاملہ میں؟ کہا کہ اللہ کا شکر ہے اور آپ کی دعا سے میں کامیاب ہو گیا۔اور قرض داروں کا دے کر فراغ حاصل کر کے حاضر ہوا ہوں۔پھر یہ سارا قصہ بیان کیا۔میں اس وقت حق تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ بڑے ہی کارساز ہیں۔اس لیے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ پچاس روپیہ بھی ملنا مشکل ہے۔مگر ہمارے ہی نزدیک تو مشکل ہے۔ان کے نزدیک کیا مشکل ہے؟ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو مگو ما را بدان شہ بار نیست ☆ با کریماں کارہا دشوار نیست

واقعی ان کی ذات پر بھروسہ کرنا ایسی ہی چیز ہے۔آج کل اسی سے لوگوں کی غفلت ہے۔میں کانپور میں تھا، مخالفین نے بڑے بڑے نذرانے دیئے۔میں نے قبول کئے، مخالف سے ہدیہ قبول کرنے میں میرا معمول ہے کہ چونکہ اس میں کسی دھوکے کا شبہ نہیں ہوتا اس لیے ان سے شرائط کی ضرورت نہیں سمجھتا۔البتہ دوستوں سے شرائط ہوتے ہیں۔کیونکہ ان میں دھوکے کا احتمال ہے۔کہ شاید بزرگ سمجھ کر دیتے ہوں۔اس لیے دوستوں سے ہدیہ لینے میں ہچر مچر کرتا ہوں۔اور ایسی جگہ

بھی احتیاط لینے میں کرتا ہوں، جہاں ذلت کا شبہہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اجنبی شخص سے ہدیہ قبول نہیں کرتا غیرت آتی ہے۔ اور نہ اجنبی شخص سے خدمت لیتا ہوں۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ میں نے تو اس کی کوئی خدمت ابھی تک کی نہیں۔ اس سے کیا خدمت لی جائے؟ یہ سب معمولات ہیں جو مصالح کی بناء پر تجویز کیئے گئے ہیں۔ (جلد ۷۔ص:۲۵۶۔۲۶۱)

منتظم کے لیے قدرے سختی کی ضرورت:

انتظام کے لیے منتظم کا اعتدال کے ساتھ کسی قدر سخت ہونا ضروری ہے۔ بدوں اس کے انتظام ہونا دشوار ہے۔ فلاں مدرسہ کے اندر جو فساد ہوا، اس کا اصل سبب کام کرنے والوں کا ڈھیلا پن ہے۔ جو مشورہ میں نے دیا تھا اس کو منتظمان مدرسہ پورا نہ کر سکے۔ ورنہ ایک دم تمام فساد خدا کے فضل سے ہباءً منثورا ہو جاتا۔ کام قوتِ قلبی سے ہوتا ہے۔ محض ظاہری سامان سے کام نہیں ہو سکتا۔ میں نے ایک ایسے ہی موقع پر خود حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا۔ اس زمانہ میں اہل قصبہ کی طرف سے مدرسہ میں فساد ہوا تھا۔ اہل قصبہ یہ چاہتے تھے کہ ایک آدمی ہمارا بھی ممبر ہو۔ اور حضرت منظور نہ فرماتے تھے۔ میں نے لکھا کہ اس کو منظور فرما لیا جاوے۔ کثرت تو پھر بھی حضرت ہی کے خدام کی رہے گی۔ ورنہ مدرسہ ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ نا اہل کو ممبر بنانے میں ہم پر مواخذہ ہو گا۔ اور اب اس فساد کے وہ خود ذمہ دار ہیں، اگر مدرسہ ٹوٹ جائے، ٹوٹ جائے۔ ہم کو خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہے۔ مدرسہ مقصود نہیں۔ ہم نا اہل کو ممبر نہیں بنا سکتے۔ (جلد ۷۔ص:۲۶۵)

مزامیر کے ساتھ سماع سننا بزرگوں سے ثابت نہیں:

میں نے صوفیہ کی ایک مجلس میں بسبیل گفتگو یہ کہا تھا کہ حضرت سلطان جی قدس سرہ نے سماع کے شرائط بیان کیئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ چار شرطیں ہیں۔ سامع، مُسمع، مسموع، آلۂ سماع (سامع از اہل دل باشد۔ از اہل ہوا و شہوت نباشد۔ مُسمع مرد تمام باشد، زن و کودک نباشد۔ مسموع مضمون ہزل و فحش نباشد۔ آلۂ سماع چنگ و رباب درمیان نباشد) اب فرمایئے! ان قیود اور شرائط کے بعد کیا پھر بھی کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ نہ مشائخ پر، نہ علماء پر۔ باقی ان حضرات سے یعنی مشائخ سے یا علماء سے

کسی کو بغض و عداوت ہی ہو وہ مخاطب نہیں۔ کیا محض خوش آوازی کو حرام کہا جا سکتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص قرآن شریف اچھی آواز سے پڑھے، اس کو کون حرام کہے گا؟ یا بوستان کو خوش الحانی سے یا اچھی آواز سے پڑھے، کون ممانعت کرے گا؟ ان شرائط کے ساتھ اگر کسی پر کوئی کیفیت ہو جائے، اس پر کیا ملامت؟ خشک لوگ کیا جانیں؟ جس کے قلب پر گزرتی ہے، وہی جانتا ہے۔ (جلد ۷۔ ص:۲۷۹)

تاویل اور توجیہ کا ایک معیار:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر تاویل کی جائے، تو پھر کوئی بھی مؤاخذہ [اور اعتراض] کے قابل نہیں رہتا۔ تاویل میں تو بڑی وسعت ہے۔ فرمایا کہ تاویل اور توجیہ کا بھی ایک معیار ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس کی غالب حالت صلاحیت کی ہے، دین کا مطیع ہے، عقائد صحیح ہیں، ایسے شخص سے اگر کوئی غلطی ہو جائے، وہاں تاویل واجب ہے۔ اور جہاں فسق و فجور کا غلبہ ہے، وہاں تاویل نہ کی جاوے گی۔ اور مستحقین تاویل کی شان میں اگر تاویل بھی نہ کی جاوے، تب بھی کفِّ لسان واجب ہے۔ گو ان کا معتقد ہونا بھی واجب نہیں۔ جیسے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یا بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا معتقد ہونا واجب نہیں۔ مگر گستاخی بھی محل خطر ہے۔ اور خطر بھی ایسا جس کو امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اہل طریق سے بدگمانی کرنے سے اندیشہ سوء خاتمہ کا ہے۔ اور اگر کچھ نہ کہو تو کچھ اندیشہ نہیں۔ تو بہتر صورت یہی ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ کچھ نہ کہو۔ گو یہ بھی ضروری نہیں کہ معتقد ہو جاؤ۔ بس نہ معتقد ہو، نہ کچھ بے جا کلمہ کہو۔ اسی میں خیر ہے۔ (جلد ۷۔ ص:۲۸۱۔۲۸۲)

اصولی بات:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان غالی اور جاہل صوفیوں نے تصوف کو بدنام کیا۔ یہ لوگ اپنی بے احتیاطیوں سے امت میں کفر پھیلاتے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں مشائخ نے فصوص کو داخل نصاب کر رکھا ہے۔ اس کا جو نتیجہ ہو گا ظاہر ہے۔ اس لیے کہ پڑھنے والے جاہل ہوں گے۔ پڑھانے والے نور علی نور۔ اب جس کو دیکھو ہمہ اوست ہانک رہا ہے۔ بھلا کوئی پوچھے کہ ایسی حالت میں اس کتاب کو سمجھے گا کون؟ (جلد ۷۔ ص:۲۸۳۔۲۸۴)

اشاعت طریق کا مفہوم:

ایک جاہل مصنوعی درویش دہلوی نے مجھ پر بیعت کی تقلیل پر یہ اعتراض کیا کہ اشاعت طریق پر حریص نہیں۔ حالانکہ شیخ کو اشاعت طریق پر حریص ہونا چاہیے۔ میں نے سن کر کہا کہ اشاعت طریق کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص کو بیعت کرلیا جاوے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ جلسۂ عام میں جلسہ خاص میں حقائق اور معارف کے طریق بیان کئے جاویں۔ وہ شخص اشاعت طریق کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔ (جلد ۷۔ص:۲۸۹)

دعا کی وسعت:

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس میں تو کوئی بھی تعجب نہیں اگر کسی بزرگ کی دعاء مستجاب ہو جائے اور اس کا ظہور ہو جائے۔ دعا تو وہ چیز ہے اور اس میں ایسی وسعت ہے کہ شیطان نے بھی عین مردودیت کے وقت عجیب شان میں دعا کی اور قبول ہوئی۔ (جلد ۷۔ص:۲۹۰)

علم بلا صحبت بالکل کافی نہیں:

جن لوگوں کو اہل اللہ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی، بالکل بے کار ہیں۔ اگرچہ اہل علم ہی کیوں نہ ہوں۔ محض پڑھنے پڑھانے سے کیا ہوتا ہے؟ یعنی کافی نہیں ہوتا، یہ نہیں کہ نفع نہیں ہوتا۔

(جلد ۷۔ص:۲۹۲)

علماء کو دو چیزوں سے گریز کی ضرورت:

فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ علماء میں دو چیزیں بالکل نہ ہوں۔ ایک کبر اور ایک طمع۔ اس کی وجہ سے یہ بڑی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ علماء کو امراء سے استغناء چاہیے۔ یہ لوگ ملانوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور اس حقیر سمجھنے کا زیادہ سبب یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ طامع ہوتے ہیں۔ اس سے علم اور اہل علم کی تحقیر اور حقارت ان کے دلوں میں مرکوز ہو جاتی ہے۔

علماء کو ہر وقت اس آیت کا مراقبہ رکھنا چاہئے ﴿ولله خزائن السموات والارض﴾۔ دین میں ضرور محبوبیت کی شان ہے، ضرور مطلوبیت کی شان ہے۔ اگر علماء اپنے وضع پر رہیں، ضرور محبوب

رہیں۔ میں استغناء تو کیا، ذرا استغناء کی نقل کرتا ہوں۔ مگر کم فہم لوگ اس پر مجھ کو ملامت کرتے ہیں کہ سخت ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں سخت نہیں ہوں۔ ہاں قلب میں غیرت ضرور ہے۔ اس کو کوئی سختی سمجھے، اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ جب یہ لوگ ملانوں کو حقیر سمجھتے ہیں، تو ان متکبروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا مناسب ہے۔ آخر غیرت اور حیا بھی کوئی چیز ہے؟ لیکن اگر کسی کو حس ہی نہ ہو تو اس کا علاج کیا؟ (جلد ۷۔ص:۲۹۲۔۲۹۳)

علماء ہند میں حب دنیا نہیں تھی:

ایک ترکی بزرگ تھے مکہ معظّمہ میں خلیل پاشا۔ میں ان سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے سے ملا ہوں۔ وہ کہتے تھے کہ جیسے علماء میں نے ہندوستان کے دیکھے ویسے علماء اسلامی ممالک میں بھی نہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ان میں کیا بات دیکھی؟ کہا کہ ہندوستان کے علماء میں حبّ دنیا نہیں۔ اور جگہ کے علماء میں حب دنیا ہے۔ (جلد ۷۔ص:۲۹۶)

تحریف قرآن کا اعتقاد صریح کفر ہے:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو غالی شیعہ ہیں اور صحابہ کرام پر تبرّا کرتے ہیں، کیا یہ کافر ہیں؟ فرمایا کہ محض تبرّے پر تو کفر کا فتویٰ مختلف فیہ ہے۔ البتہ تحریف قرآن کا اعتقاد یہ صریح کفر ہے۔ (جلد ۷۔ص:۲۹۸)

مصلح کے معمولات کو دیکھنا غلطی ہے:

آج کل بعض طالبین مصلح کے اعمال کی کمی زیادتی کو دیکھتے ہیں، جو سخت غلطی ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے، جیسے کوئی مریض طبیب کے معمولات کو دیکھے کہ یہ تو خود ہی ایک روٹی کھاتا ہے۔ اور ہم کو کہتا ہے کہ چار پانچ کھایا کرو۔ کوئی اس کو دیکھنے لگے کہ طبیب پہلوان بھی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو بداعتقاد ہو جائے۔ بھائی تم کو اس سے کیا بحث کہ وہ تندرست ہے یا بیمار۔ وہ پہلوان ہے یا کمزور۔ تم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جو مرض تمہارے اندر ہے، وہ اس کا بھی علاج کر سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کر سکتا ہے تو علاج کراؤ۔ ورنہ چلتے بنو۔ جو تمہارا علاج کر سکے وہاں جاؤ۔ بلانے کون گیا تھا؟ (جلد ۷۔ص:۳۰۳۔۳۰۴)

حکایت مولانا عبدالسمیع صاحب:

فرمایا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب خیالات کے تو غیر غالی بدعتی تھے۔مگر تھے نیک نیت۔ میں زمانہ طالب علمی میں دیوبند سے میرٹھ والد صاحب کے پاس آیا ہوا تھا۔زیادہ قیام کی ضرورت تھی۔ والد صاحب نے میرے اسباق کے ناغہ کے خیال سے مجھ کو درس کے لیے ان کے سپرد کرنا چاہا۔مگر انہوں نے فرمایا کہ کثرتِ اساتذہ مناسب نہیں۔اور وہ بھی محض دو چار روز کے لئے۔ کیونکہ کثرت میں سب کے حقوق ادا نہیں ہو سکتے۔ کیسے کام کی بات فرمائی۔اب جو میں ان کی نسبت نرم الفاظ کہتا ہوں، سامعین کے نزدیک یہ رعایت ہے۔اور اگر ان سے کچھ پڑھ لیتا تو اس وقت اس قسم کے نرم الفاظ نصرت سمجھے جاتے۔اور نافع نہ ہوتے۔ نیز کچھ مداہنت بھی ہو سکتی تھی۔اللہ تعالیٰ نے بچالیا ان کی شاگردی سے اور اس کے آثار سے۔

پھر ان کے نیک ہونے کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا۔اور سوال کیا کہ حضور ﷺ کے والدین شریفین کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے اس سائل سے دریافت کیا کہ تم سے موت کے وقت یا قبر میں یا حشر میں یا میزان پر یا پل صراط پر یہ سوال ہوگا؟ عرض کیا کہ نہیں۔ پھر کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ قیامت میں نماز کی اول پوچھ ہوگی؟ عرض کیا کہ جی معلوم ہے۔کہا کہ اچھا بتلاؤ نماز میں فرض، واجبات سنن مستحبات کیا کیا ہیں؟ بے چارہ گم ہو گیا۔فرمایا کہ جاؤ کام کی باتوں میں وقت صرف کیا کرتے ہیں۔غیر ضروری سوال نہ کرنا چاہیے۔اکثر بدعتی بڑے زور سے ایمان ثابت کرتے ہیں۔مگر انہوں نے سائل کی دینی مصلحت کو دیکھ کر اس کے موافق جواب دیا۔کم از کم علماء کو ایسا تو ہونا چاہیے کہ سائل کے تابع نہ بنیں۔(جلد ۷۔ص: ۳۰۷۔۳۰۸)

امر بالمعروف کی شرائط:

ہر شخص کا کام نصیحت کرنے کا نہیں۔اس کے بھی شرائط ہیں۔بدوں ان شرائط کے نصیحت کرنا ایسا ہے جیسے بدوں وضو کے نماز پڑھنا۔ایک شخص یہاں پر مقیم تھے۔انہوں نے دوسرے شخص کو ایک نصیحت کی۔اور یہاں کے قواعد میں مصالحِ تربیت کی بناء پر یہ بھی داخل ہے کہ ایک دوسرے کو کچھ نہ

کہے۔ میں خود ہی ہر بات کا انتظام رکھتا ہوں۔ کیونکہ ایک طالب کے دوسرے طالب کو کچھ کہنے میں عوارض کی وجہ سے بڑی خرابیاں، بڑے مفسدے ہیں۔ میں نے ان سے مواخذہ کیا کہ تم نے ان کو نصیحت کیوں کی؟ شاید یہ جواب دیا کہ دین سمجھ کر۔ میں نے کہا کہ نماز دین ہے؟ مگر اس کی بھی شرطیں ہیں۔ ایسے ہی تبلیغ اور نصیحت کی بھی شرطیں ہیں۔ کیا وہ تم کو معلوم ہیں؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ جب شرطیں معلوم نہیں تو تم نے جو نصیحت کی یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ دین ہے؟ اس پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا کہ لو میں یہ شرطیں بتلاتا ہوں۔

نصیحت کی پہلی اور ادنی شرط یہ ہے کہ جس کو نصیحت کرے عین نصیحت کے وقت یہ سمجھے کہ میں اس سے کم درجہ کا ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہے۔ جس وقت تم نے نصیحت کی تھی قسم کھا کر بتلاؤ کہ: کیا یہ خیال تمہارے دل میں تھا کہ میں ارذل ہوں اور یہ افضل؟ یا اس کا عکس تھا؟ کہنے لگے کہ عکس ہی تھا۔ میں نے کہا تو یہ تکبر ہوا، جو معصیت ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ دین سمجھ کر کیا۔ کیا جو چیز تکبر سے ناشی ہو وہ دین ہوسکتا ہے؟ اب یہ دیکھو کہ یہ تکبر تم میں کاہے سے ہوا؟ یہ ذکر و شغل سے پیدا ہوا۔ اس کے سبب اپنے کو بزرگ سمجھنے لگے۔ اس لیے آج سے ذکر و شغل چھوڑ دو۔ لیکن مطلب اس کا یہ ہے کہ ہیئت معتادہ، ایک جگہ بیٹھ کر مت پڑھو۔ چلتے پھرتے پڑھا کرو۔ جس کی کسی کو خبر بھی نہ ہو۔ دوسرے خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھا کرو۔ اور ان کے وضو کے لیے لوٹے بھرا کرو۔ دس روز تک انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تب ان کا نفس ڈھیلا ہوا۔ اور نفس اسی طرح ڈھیلا ہوتا ہے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ مجھ کو دس برس میں بھی وہ نفع نہ ہوتا، جو ان دس دن میں ہوا۔ (جلد ۷۔ ص: ۳۰۹۔۳۱۰)

تکبر اور اس کی فرع:

فرمایا کہ متکبرین کی سی وضع اختیار کرنا، اس کا سا لباس پہننا، اس میں خاصیت ہے کبر کی۔ جس سے ایک ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ اور قلب بگڑتا ہے۔ اسی طرح اپنی حیثیت سے زیادہ کپڑا پہننا، اپنی وسعت سے زیادہ سامان جمع کرنا، یہ سب کبر کی فرع ہیں۔ خصوصاً جب فجار یا کفار کے ساتھ تشبّہ بھی ہو، تب تو ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق ہوگا۔

(جلد ۷۔ ص: ۳۱۰۔۳۱۱)

اہل علم کے تکبر میں مبتلاء ہونے کا افسوس:

سب سے بڑی مانع چیز خدا کے دربار میں رسائی سے اور مقبول ہونے سے کبر ہے۔ اور اِس وقت اس میں، الا ماشاء اللہ، عام ابتلاء ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ اہل علم بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ اور عوام سے زیادہ مضر اہل علم کا ابتلاء ہے۔ اس لیے کہ جب پیشوا ہی گم کردہ راہ ہوں تو ہدایت کی بظاہر کوئی صورت نہیں۔ (جلد ۷۔ ص: ۳۱۲)

ہر حالت میں اعتدال اسلم ہے:

فرمایا کہ ہر حالت میں اعتدال ہی اسلم ہے۔ مثلاً اگر کسی پر مشاہدہ کا یا خوف یا محبت کا اتنا غلبہ ہو جاوے، جس سے کسی وقت سکون اور افاقہ نہ ہو، تو یہ شخص نماز روزہ سے بھی جاتا رہے۔ علاوہ معذورئِ باطنی کے ایک حسی معذوری یہ ہو جاوے گی۔ مثلاً نماز بدون طاقت کے نہیں ہوسکتی اور طاقت بدون طعام کے نہیں ہوسکتی اور طعام بدون رغبت کے نہیں ہوسکتا اور اس حالت میں رغبت کا ہونا مشکل۔ تو پھر قوت بھی نہ ہوگی۔ اور کوئی کام نہ ہوگا۔ نیز ان چیزوں کے دوام نہ ہونے میں ایک اور بھی حکمت ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضوری میں جو لطف ہوتا ہے وہ دوری ہی کی بدولت ہوتا لیے ہے، لطف اسی میں ہے کہ کبھی حضوری ہے اور کبھی دوری، کبھی سونا ہے کبھی جاگنا، کبھی ہنسنا ہے کبھی رونا، کبھی بولنا ہے کبھی چپ رہنا، کبھی قبض ہے کبھی بسط۔ ایک حالت پر فطرۃً انسان رہ نہیں سکتا۔ غرض ہر چیز میں خدا کی حکمتیں اور اسرار ہیں، جن کو بندہ سمجھ نہیں سکتا اس لیے خود تمناؤں کو فنا کر کے تفویض اختیار کرے۔ (جلد ۷۔ ص: ۳۱۴)

مالی معاملات میں حضرتؒ کی احتیاط کا واقعہ:

والد صاحب مرحوم نے چار نکاح کیئے تھے۔ اس وقت عام دستور تھا معافیِ مہر کا۔ [غالبا بیویوں نے اسی رواج کے مطابق معاف کر دیا تھا] اسی لیے اس طرف کبھی التفات نہیں ہوا۔ مگر ایک بار دفعتہً تنبہ ہوا اور اس عام عادت پر قناعت نہ ہوئی [کہ واقعتہً معاف بھی ہو گیا ہوگا] اس بناء پر میرے حصہ پر شرعی مسئلہ کی رو سے جو رقم بیٹھی تھی، اس کو تقسیم کرنے کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ وہ

جائیداد تو والد صاحب کی ہم ہی لوگوں کو پہنچی۔ اسی کے ذمہ یہ دین مہر بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے فرائض نکلوائی، صرف مناسخہ کی اجرت میں مجھ کو چودہ روپیہ دینے پڑے۔ اور تقریباً سال بھر کے عرصہ میں [چاروں کے] ورثہ کی تحقیق ہوئی۔ کوئی مکہ معظّمہ ہے، کوئی مدینہ منورہ میں، کوئی بمبئی میں، کوئی کلکتہ میں، کوئی لاہور میں۔ غرض الحمد للہ بعد تحقیق سب کو رقمیں پہنچادی گئیں۔ غالباً آٹھ سو روپیہ سے کچھ کم یا زائد میرے حصہ پر رقم بیٹھی۔ جس میں سے صرف دو جگہ باقی ہیں، جہاں ابھی رقمیں نہیں پہنچیں، بمبئی اور مکہ معظّمہ۔ (بعد میں وہاں بھی پہنچ گئیں)۔ ورثہ کے حصص میں بعض بیچاروں کے حصہ پر ایک ہی پیسہ آیا۔ بعض کے حصہ پر دو پیسے آئے۔ کاندھلے میں بڑے بڑے معزز و متمول لوگ ہیں، بعض کے حصہ پر قلیل پیسے آئے۔ مگر میری درخواست پر کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔ مجھ کو بڑی ہی مسرت ہوئی کہ کہ انہوں نے قبول فرمالیا۔ اور اس خیال سے نہ تو معاف کیا کہ معاف کرنے کی کوئی چیز نہیں۔ اور نہ لینے سے انکار کیا کہ میری دل آزاری اور دل شکنی ہوگی۔ ماشاءاللہ کیا ٹھکانہ ہے ان کی اس سمجھ اور فہم کا اور شرافت کا؟ (جلد ۷۔ ص: ۳۱۵۔۳۱۶)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ہشتم

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

جامع بین الاضداد کی شان:

عارفین نے لکھا ہے کہ محقق وہ ہے جو جامع بین الاضداد ہو۔ ایک صاحب نے، جو لکھے پڑھے بھی تھے، مجھ سے پوچھا کہ کسی سے بغض فی اللہ بھی ہو، پھر اس کی دل میں تحقیر بھی نہ ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں نے ایک مثال دے کر سمجھایا کہ ایک بادشاہ نے اپنے شہزادے کو کسی جرم کی سزا پر بید لگانے کا حکم دیا۔ اور بید لگانے والا [نہایت حقیر غلام] ہے۔ تو کیا عین بید لگانے کے وقت [اس] کو یہ خیال ہوگا کہ میں شہزادے سے افضل ہوں۔ ہرگز نہیں۔ یہی سمجھے گا کہ میں بیچارہ [حقیر غلام] اور یہ شہزادہ۔ اس کے سامنے کیا چیز ہوں؟ تو شہزادے کو اپنے سے لاکھوں درجہ افضل اور اپنے کو اس سے کمتر اور اس فعلِ موجبِ سزا کو قبیح و مبغوض سمجھنا، یہ سب باتیں ایک وقت میں جمع ہو سکتی ہیں۔ اس مثال کو سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور یہ کہا کہ بہت عرصہ کا شبہہ آج حل ہوگیا۔

پھر فرمایا کہ ایسے علوم کا تعبیر کردینا تو آسان ہے، مگر عمل کے وقت ان کا استحضار بڑا مشکل ہے۔ وہ جامعیت ہی کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ اور جامعیت کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہے، کہ یا تو اس نے مجاہدۂ عظیم کیا ہو، یا کسی کامل کی صحبت ملی ہو، اور ہر حال میں طبیعت میں سلامتی ہو۔ بلکہ

اس میں زیادہ دخل صحبت کو ہے۔ حتیٰ کہ اگر زیادہ مجاہدہ بھی نہ کیا ہو تب بھی استحضارِ کامل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ صحبت کامل کی مل چکی ہو اور طبیعت میں سلامتی ہو۔ (جلد ۸۔ص:۲۵)

اساتذہ کے اخلاق کا بھی اندازہ لگانا چاہیے:

عادت الٰہیہ یہ ہے کہ تابع کا اثر متبوع پر نہیں ہوتا۔ متبوع کا اثر تابع پر ہوتا ہے۔ اس لیے نیکوں کو جو حکم ہے کہ بَدوں کی صحبت سے بچو، مطلب یہ ہے کہ ان کے تابع بن کر ان کی صحبت مت اختیار کرو۔ لیکن اگر وہ تمہارے پاس آئیں گے تو تابع ہو کر آئیں گے۔ ان کو اپنے پاس آنے دو۔ اسی طرح بَدوں کو جو حکم ہے کہ نیکوں کی صحبت اختیار کرو، مطلب یہ ہے کہ تم ان کے تابع بن کر جاؤ۔ (جلد ۸۔ص:۲۶۔۲۷)

اکابر علماء کا مسلک و مشرب:

فرمایا کہ ہمارے حضرات کا ہمیشہ یہ مسلک اور مشرب رہا ہے، کہ غرباء اور دینداروں سے محبت رکھتے تھے۔ اور اہلِ دنیا خصوصاً اہل مال سے، جو امراء کہلاتے ہیں، خصوصیت کا تعلق نہ رکھتے تھے۔ اور امراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو متمول ہونے کے ساتھ دنیا دار [یعنی دین داری سے محروم] ہیں۔ لیکن اگر ان [امراء اور اہلِ دنیا] میں سے بھی کوئی دیندار ہو، تو اس سے بھی خصوصیت کا تعلق رکھتے تھے۔ ورنہ نہیں۔ یہ بات ہماری اس ہی جماعت کے ساتھ خاص تھی۔ ورنہ دوسرے اکثر علماء کو دیکھا کہ وہ امراء کو لپٹتے ہیں۔ ان کی چاپلوسیاں کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ کرنے کا سبب محض اپنی دنیاوی اغراض ہیں۔ ہمارے حضرات میں ایک استغناء کی شان تھی۔ توکل اعلیٰ درجہ کا تھا۔ کبھی دنیاوی اغراض کی بناء پر کسی سے تعلق نہ پیدا فرماتے تھے۔ (جلد ۸۔ص:۲۹)

اتباع سنت کی برکت:

فرمایا کہ مولانا محمد صدیق صاحب انبیٹھوی نے ایک عجیب اور کام کی بات فرمائی۔ وہ یہ کہ ہماری جماعت میں جو باوجود زیادہ مجاہدہ نہ ہونے کے اللہ کا فضل ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب اتباعِ سنت کا اہتمام ہے۔ اس کی برکت سے اُس طرف [یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف] سے جذب کیا جاتا ہے۔ کیسی عجیب اور کام کی بات فرمائی۔ سبحان اللہ! (جلد ۸۔ص:۳۱)

قلب میں صرف ایک کے سمانے کی جگہ ہے:

اور خلوت یہی ہے کہ قلب کا تعلق سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ہونا چاہیے۔ بس یہ ہے سکون کی چیز۔ مگر آج کل لوگوں نے قلب کو اسٹیشن مراد آباد کا اسلامی مسافر خانہ بنا رکھا ہے۔ کہ سب وہیں آکر ٹھہرتے ہیں۔ بچھراؤں والے بھی، بریلی والے بھی، سہارنپور والے بھی۔ میاں قلب تو ایک ہی کے رہنے اور سمانے کی جگہ ہے۔ اور خداوند جل جلالہ کی ذات پاک ہے۔ اور جن کے قلب میں وہ سما گئی ہے، ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ان کو ہر ناگوار گوارا ہو جاتا ہے۔ (جلد ۸۔ص:۳۴)

الاعراض عن الاعتراض:

حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اگر میں عنداللہ مومن ہوں، اور ساری دنیا مجھ کو مردود سمجھے، میرا کچھ ضرر نہیں۔ اور اگر عنداللہ مردود ہوں، اور ساری دنیا قطب غوث اور ابدال سمجھے، تو کچھ نفع نہیں۔ فلاں خان صاحب نے ساری عمر اسی میں صرف کی کہ مجھ کو برا بھلا کہا۔ مگر الحمدللہ میں نے ایک سطر بھی جواب میں نہیں لکھی۔ تو میرا کیا بگڑ گیا؟... حضرت! لوگوں کو خبر نہیں، مجھ کو خبر ہے؛ کہ ان خان صاحب کے بعضے مرید خود ان کی تصنیفات کو دیکھ کر بداعتقاد ہوئے۔ میری تصنیفات کو دیکھ کر بداعتقاد نہیں ہوئے۔ میری تصنیفات کو اٹھا کر اب دیکھ لیا جائے۔ بحمداللہ ان میں اس قسم کے مضامین نہ ملیں گے جن میں کسی سے بداعتقاد ہونے کی ترغیب دی گئی ہو۔ بس حق کو واضح کر دیا ہے۔ اب جس طرف کسی کا جی چاہے جاوے۔ ہر شخص اپنے دین کا ذمہ دار ہے۔ البتہ خود ان کی ہی تصنیفات کو دیکھ کر بعضے بداعتقاد ہوئے۔ اور یہ کہا کہ اس میں تو تہذیبِ انسانی بھی نہیں۔ عالم اور بزرگ ہونا تو بڑی چیز ہے۔

ابھی کا واقعہ ہے کہ بریلی میں ایک حکیم صاحب ہیں، عمر رسیدہ آدمی ہیں۔ پچیس سال سے ان کے مرید تھے، ان ہی چیزوں کو دیکھ کر اب انہوں نے ان عقائد باطلہ سے توبہ کر لی۔ اور اِس طرف رجوع کیا ہے۔ مجھ کو لکھا کہ میں آپ سے مرید ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھ دیا کہ اس کام میں تعجیل مناسب نہیں۔ اس کے بعد پھر ایک خط آیا کہ تعجیل نہ کرنے کی حد فرمائی جاوے۔ میں نے لکھ دیا کہ

جب تک میرے چالیس وعظ اور رسائل نہ دیکھ لو اور بیس مرتبہ خط و کتابت اور دس مرتبہ ملاقات نہ کر لو، اس وقت تک یہ حد پوری نہ ہوگی۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ میں وعظ اور رسائل بھی دیکھ لوں گا، خط و کتابت اور ملاقات بھی کرلوں گا۔

یہ بھی لکھا کہ میں نے ان خان صاحب کے صاحبزادے سے بذریعۂ اشتہار چند سوالات بھی کئے ہیں۔ ان کا انہوں نے جواب بھی دیا ہے۔ میں پھر کچھ سوالات کر رہا ہوں، وہ بھی آپ کے پاس بھیجوں گا۔ میں نے لکھا کہ مجھ کو ان چیزوں سے دلچسپی نہیں۔ مجھ سے جس مقصد کے لیے رجوع کیا ہے، وہ اس سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ کے نزدیک یہ سوال و جواب ضروری ہیں، تو مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لیے مجھ سے رجوع کیا ہے، اس کو موخر کر دیا جائے۔ اور جس میں اس وقت آپ کو انہماک ہے، اس کو مقدم رکھا جائے۔ جب اس سے فارغ ہولیں، اُس وقت مجھ سے خط و کتابت کی جائے۔ چاہے آپ سال بھر میں فارغ ہوں یا دو سال میں۔ اس پر لکھا ہوا آیا کہ آپ نے ایسے عنوان سے لکھا ہے کہ مجھ کو اِس [جھگڑے بازی] سے نفرت ہوگئی۔ اور اب میں کچھ نہ بولوں گا۔ مجھ کو آنے کی اجازت فرمائی جاوے۔ آدمی سمجھدار معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے لکھ دیا کہ ابھی جلدی کیا ہے کچھ خط و کتابت ہو لینے دیجئے۔ اور اگر آپ آنا ہی چاہتے ہیں تو اس کے متعلق یہ ہے کہ یہاں پر رہتے ہوئے، مجلس میں چپ بیٹھا رہنا ہوگا۔ اور مکاتبت اور مخاطبت کی اجازت نہ ہوگی۔ اس پر لکھا کہ میں کچھ نہ بولوں گا۔ مجلس میں خاموش بیٹھا رہوں گا۔

پھر فرمایا کہ اس مضمون سے ان کو اس قدر نفع ہوا کہ تمام عمر کے مجاہدات اور ریاضات سے بھی نفع نہ ہوتا۔ اگر میرا مذاق بھی وہی مروّج ہوتا، تو ان کی اس تحریر سے میں خوش ہوتا کہ میرے ساری عمر کے دشمن کے مقابلہ میں میری نصرت کر رہے ہیں۔ بلکہ اور ترغیب دیتا۔ مضمون منگا منگا کر دیکھتا۔ اس میں مشورے دیتا۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور ان کا فضل ہے کہ مجھ کو ہمیشہ ان چیزوں سے محفوظ رکھا۔ اور ان خرافات سے میری حفاظت فرمائی۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ آیا یہ شق زیادہ مفید ہے کہ ایک شخص کو فضول لایعنی بات سے ہٹا کر کام میں لگا دیا، یا وہ مفید تھا جو انہوں نے تجویز کیا تھا۔ نیز اگر درخواست بیعت کی کرتے ہی ان کو مرید کر لیتا اس قدر نفع ہوسکتا تھا جس قدر اب ہوا؟ بلکہ الٹا اثر

ہوتا۔ یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ منتظر بیٹھے تھے کہ ادھر سے کوئی ٹوٹ کر آئے تو ہم اس کو دبوچیں۔ اس صورت سے خاک نفع نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہے کہ طالب مطلوب ہوجاتا ہے اور مطلوب طالب۔ پھر نفع کہاں؟ نفع جب ہی ہوسکتا ہے جب ہر چیز حد پر رہے۔ نیز حق میں حق تعالیٰ نے قوت دی ہے۔...... حق کی قوت کو ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿قل جاء الحق وزھق البا طل ان الباطل کان زھوقاً﴾ اور تعجب ہے کہ لوگ سب چیزوں میں خاصیت کے قائل ہیں، مگر حق کی خاصیت کے قائل نہیں عجیب عقلیں ہیں۔ (جلد ۸۔ص:۳۷۔۳۹)

سلطنت کا زوال ظلم سے ہوتا ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اہل تحقیق کا قول ہے کہ سلطنت کا زوال ظلم سے ہوتا ہے کفر سے نہیں ہوتا۔ (جلد ۸۔ص:۴۱)

معرفت الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں:

انبیاء علیہم السلام سے حقیقی غلطی نہیں ہوتی۔ ان کی شان ہی یہ ہے کہ غلطی سے معصوم ہوں۔ اور اگر بظاہر کوئی غلطی معلوم بھی ہو، تو اس غلطی کو حق تعالیٰ ہی غلطی فرما سکتے ہیں۔ ہم کو حق نہیں کہ ہم اس کو غلطی کہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حقیقت میں وہ غلطی ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ وہ بھی طاعت ہوتی ہے۔ مگر وہاں کوئی طاعت اس سے بڑھ کر ہوتی ہے، جو فوت ہوگئی۔ جس کے مقابلہ میں اس کو غلطی فرمایا جاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی طاعت کے مقابلہ میں چھوٹی طاعت کو غلطی کہا گیا۔

...ایک مولوی صاحب نے...... عرض کیا کہ حضرت والا مثال میں کوئی ایسا واقعہ بیان فرمائیں جس سے اس کی توضیح ہو۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کافر رئیس کو اسلام کی تعلیم فرمارہے تھے۔ ایسے وقت میں حضرت عبداللہ ابن مکتوم اعمیٰ آئے۔ اور آکر باآواز بلند عرض کیا علّمنی یا رسول اللہ مما علمک اللہ [اے اللہ کے رسول ﷺ کچھ تعلیم فرما دیجیے] یہ سن کر حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ترش روئی کے آثار پیدا ہوگئے۔ جس کا منشا یہ تھا کہ میں اس وقت اصولِ اسلام کی تعلیم کررہا ہوں اور یہ فروع کی تعلیم چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصول

مقدم ہیں فروع پر۔[یا آں حضرت ﷺ کے قلب مبارک میں یہ خیال آیا کہ یہ بڑے درجے کا آدمی ہے اگر یہ اسلام قبول کرلے گا تو اس سے اللہ کے دین کو بڑی طاقت حاصل ہوگی۔ مسلمانوں کی مشکلات دور ہوں گی۔ رہے ابن امّ مکتوم، تو وہ تو اپنے آدمی اور مخلص مسلمان ہیں ان سے پھر کسی وقت گفتگو ممکن ہے]۔ اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی، أَن جَاءَ هُ الْأَعْمٰی، وَمَا یُدْرِیکَ لَعَلَّهُ یَزَّکّٰی، أَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّکْرٰی، أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی، فَأَنتَ لَهُ تَصَدّٰی، وَمَا عَلَیْکَ أَلَّا یَزَّکّٰی، وَأَمَّا مَن جَاءَکَ یَسْعٰی، وَهُوَ یَخْشٰی، فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهّٰی، کَلَّا إِنَّهَا تَذْکِرَةٌ﴾ اب دیکھ لیجئے کہ یہ حضور ﷺ کی طاعت تھی یا غیر طاعت، ظاہر ہے کہ طاعت تھی۔ لیکن یہ خطابِ عتاب اصول کی تقدیم فروع پر علی الاطلاق نہیں۔ بلکہ اس مقام پر ہے جہاں دونوں کا اثر متماثل ہو۔ باقی تعلیمِ فروع کا نفع یقینی ہو اور تعلیم اصول کا محتمل۔ وہاں یہ مقدم ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ایسا ہی تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ طریق تعلیم میں افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کی طرف کیوں متوجہ ہوئے۔ تو آپ کا عمل بھی طاعت تھا مگر دوسری طاعت اس سے اکمل تھی۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام اعمال فی نفسہ حسنات اور طاعات ہیں۔ لیکن بڑی طاعت کے مقابلہ میں چھوٹی طاعت کو غلطی فرمایا۔ (جلد ۸۔ص:۴۴۔۴۶)

قبض وبسط امور حالی وذوقی ہیں:

ایک صاحب کے سوال کے جو قبض وبسط کے متعلق تھا جواب میں فرمایا کہ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے کسی شیخ کی تعلیم سے کچھ خلوت میں کام کیا ہو۔ محض زبانی جمع خرچ سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ یہ امور حالی وذوقی ہیں۔ جو کام کرنے پر معلوم ہوسکتے ہیں بدوں کام میں لگے ان کا پتہ چلنا مشکل ہے۔ (جلد ۸۔ص:۴۶)

نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت:

فرمایا کہ نفس سے ہمیشہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ جب موقع پائے گا اور اسباب دیکھے گا، ضرور اپنا کام کئے بدون نہ رہے گا۔ جو لوگ اپنی اصلاح کامل کرچکے ہیں، بےفکری تو ان کے

لیے بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ مگر پھر ایک درجہ میں ان کے لیے سہولت ہے، کہ وہ عین وقت پر بھی علم اور تجربہ کی وجہ سے اس کو قابو میں کر سکتے ہیں، ورنہ ہمارے نفس کی حالت منہ زور گھوڑی کی سی ہے۔ جب قابو سے نکل جاتا ہے آگا پیچھا کچھ نہیں دیکھتا۔ جو کچھ ضرر بھی اس سے صادر ہو جاوے کم ہے۔ اس لیے ہر وقت ہوشیار رہنے اور انتظام رکھنے کی ضرورت ہے۔ جنھوں نے اس کی حقیقت پہچان لی ہے وہ ہر وقت اس کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ اس سے بے فکری کسی وقت بھی اور کسی کو بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کبھی بے فکری ہوگی دھوکا کھائے گا۔ سانپ سے کیا بے فکری؟ وہ تو موقع پاتے ہی اپنا کام کرے گا۔ بس یہی حالت اس نفس کی ہے۔ یہ تو اسی وقت تک قابو میں ہے جب تک کہ اس کی فکر میں ہے۔ اور جس طرح یہ تاک میں ہے، اس کی بھی کوئی تاک میں ہو۔ ورنہ یہ تو اژدھا ہے۔ شیطان اس قدر خطرناک نہیں جتنا یہ ہے۔ اسی لیے [حدیث میں] کہا گیا ہے **اعدی عدوک الذی بین جنبیک.** (جلد۸۔ص:۵۰۔۵۱)

راہِ طریق میں خود بینی رہزن ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس راہ میں خود رائی اور خود بینی سخت راہزن اور سمّ قاتل ہے۔ ایسا شخص کہ جس کے اندر یہ چیزیں ہوں گی، وہ قطعاً محروم رہے گا۔ کوئی حصہ اِس کا اُس کو نصیب نہ ہوگا۔ پہلا قدم اس راہ میں فنا ہے اور اپنے کو مٹانا۔ (جلد۸۔ص:۵۱)

یہ فکر کہ کوئی ہمیں برا نہ کہے، اس کا سبب تکبر ہے:

آج کل لوگوں میں ایک عام مرض ہو گیا ہے؛ کہ اس کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کوئی ہم کو بُرا نہ کہے۔ یہ مرض حبّ جاہ کہلاتا ہے۔ اور یہ مرض تکبر سے ناشی [یعنی پیدا ہوتا] ہے۔ اور بڑا ہی مہلک مرض ہے۔ اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔ دنیا میں بھی اس کی بدولت جو کلفتیں ہوتی ہیں، وہ محتاج بیاں نہیں۔ اور آخرت تو اس کی بدولت بہت ہی خراب اور برباد ہو جاتی ہے۔ اس کی تو فکر ہی نہ ہونا چاہیے۔ کوئی کچھ کہے، کہا کرے۔ اس سے بگڑتا کیا ہے۔ (جلد۸۔ص:۵۱)

مسلمانوں کے چند مشرکانہ عقائد:

فرمایا کہ ایک صاحب کا لفافہ آیا ہے۔ لفافہ کے پتہ کے اوپر لکھا ہے ''امانت شیخ معروف کرخی''۔ ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ایسا لکھنے سے وہ چیز محفوظ ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ لفافہ ہی ہے، ان صاحب کے خیال میں یہ کہیں گم نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کا عقیدہ صاف شرک ہے، جاہلوں نے بزرگوں کے متعلق اس قسم کی حکایتیں گھڑ رکھی ہیں۔ ایک حکایت ہے کہ ایک شخص کی دیوار جھکی ہوئی تھی اندیشہ اس کے گر جانے کا تھا اس نے یہ شعر اس دیوار پر چسپاں کر دیا۔

بحق حضرت معروف کرخی ☆ بماند سالہا دیوار تڑقی

[حضرت معروف کرخی کے حق سے یہ پھٹی دیوار سالوں باقی رہے]

(از ترقیدن بمعنے شق شدن) بہت عرصہ تک وہ دیوار اسی حالت پر کھڑی رہی۔ ایک روز مالکِ دیوار نے حضرت شیخ معروف کرخی کو خواب میں دیکھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ بھائی بہت دن ہو گئے مجھ کو تیری دیوار تھامے۔ میری تو کمر بھی رہ گئی۔ مطلب یہ کہ میں دیوار سے کمر لگائے کھڑا ہوں۔ اب میں مدت متعین کرتا ہوں۔ مثلاً ایک ہفتہ یا پندرہ روز۔ پھر میں ذمہ دار نہیں۔ اس قسم کی باتیں لغو اور جھوٹ تراش رکھی ہیں۔ استغفر اللہ۔ ایسے عقائد میں ان لوگوں کو ابتلاء ہو رہا ہے، جو سراسر شرک ہیں۔

......مولوی عبدالحق صاحب مشہور معقولی ریاست رامپور میں مقیم تھے۔ زبان کے تو آزاد تھے۔ مگر عقائد اچھے تھے۔ ایک خان صاحب ان سے ملنے آئے جو دیہات کی مستاجری کیا کرتے تھے۔ اس وقت تحصیل وصول کا زمانہ تھا۔ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ خان صاحب آج کل تو کام کا زمانہ ہے۔ تحصیل وصول کے دن ہیں۔ کام کس کے سپرد کر کے آئے؟ خان صاحب جواب میں کہتے ہیں کہ بڑے پیر صاحب کے سپرد کر کے آیا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آہا، ہم تو بڑے پیر صاحب کو ولی سمجھتے تھے، مگر آج معلوم ہوا کہ گاؤں کے پدہان بھی ہیں۔ اس وقت تو خان صاحب مولوی صاحب کے سامنے ادب کی وجہ سے کچھ نہ بولے۔ مگر جب مولوی صاحب کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب پر کسی وہابی کا اثر ہو گیا ہے۔ جو اس قسم کی باتیں کرنے لگے۔ اس پر فرمایا کہ مولوی صاحب پر کسی وہابی کا اثر ہو گیا ہو مگر تم پر کسی شیطان کا اثر ہو گیا، جس سے تم

نے ایک تو پیر صاحب کی بے ادبی کی کہ یہ ذلیل کام ان کے سپرد کیا۔ دوسرے شرک میں مبتلا ہوئے۔

تیسری حکایت: ایک شاہ صاحب کی گپ سنیے! مکہ معظّمہ میں بیٹھ کر جھوٹ بولا کہ دو حقیقی بھائی تھے۔ ایک دوکان میں دونوں شریک تھے۔ بڑے بھائی جب کہیں جاتے اور دوکان پر کوئی نہ ہوتا تو یہ کہہ کر جاتے کہ بڑے پیر صاحب دوکان آپ کے سپرد، چھوٹا بھائی ان کے اس عقیدہ پر ناراض ہوتا کہ یہ کیا واہیات عقیدہ ہے، ایک روز بڑے بھائی تو تھے نہیں چھوٹا بھائی دوکان پر تھا وہ نماز کو چلا گیا۔ پیچھے دوکان میں چوری ہوگئی۔ بڑے بھائی کو معلوم ہوا چھوٹے بھائی سے پوچھا کہ آخر بات کیا ہوئی تم نے دکان کس کے سپرد کی تھی؟ کہا کہ اللہ میاں کے سپرد کر گیا تھا۔ بڑا بھائی کہتا ہے کہ ارے بیوقوف! بڑے پیر صاحب تو بشر ہیں اور مکلّف ہیں۔ اگر کوئی چیز ان کے سپرد کی جائے وہ تو امانت کا خیال رکھیں گے۔ اور اللہ میاں مکلّف تو ہیں نہیں۔ اور ان کا یہی کام ہے کہ اس سے لے کر اسے دے دیا اور اس سے لے کر اسے دے دیا۔ اس لیے چوری ہوئی۔ یہ عقائد ہیں۔ اور یہ عقلیں ہیں۔ خدا معلوم ان لوگوں کا فہم کیا ہوا؟ عقلیں کہاں گئیں؟ واقعی بدعت سے قلب پر قساوت کے علاوہ جہل کی ظلمت بھی ہوتی ہے۔ یہ نورانیت اور روحانیت کو بالکل فنا کر دینے والی چیز ہے۔ یہ سب بدعت ہی کے ثمرات ہیں کہ کوئی بات عقل اور فہم کی نہیں رہتی۔ اس پر اگر ان لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے، روک ٹوک کی جاتی ہے تو بدنام کرتے ہیں کہ یہ وہابی ہیں۔ بزرگوں کے دشمن اور مخالف ہیں، بے ادب ہیں۔ مگر اپنے کو تو دیکھو۔...... بندگانِ خدا کیوں آخرت کو خراب اور برباد کرتے ہو۔ (جلد ۸۔ص:۵۲۔۵۴)

حب جاہ کا فساد:

جو مرض تمہارے اندر ہے وہ اس معافی سے تھوڑا ہی جا سکتا ہے وہ مرض ہے جاہ کا جس کی وجہ سے تم اپنے عیوب کو چھپاتے پھرتے ہو اس کا علاج کرو ورنہ یاد رکھنا کہ سب کیا کرایا جاتا رہے گا۔

(جلد ۸۔ص:۶۱)

حکایت حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادیؒ:

ایک مرتبہ [حضرت گنج مراد آبادی نے] فرمایا کہ جب ہم مر جائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور حوریں ہمارے پاس آئیں گی، تو ہم ان سے کہیں گے کہ: بی! اگر قرآن شریف پڑھ کر سناؤ تو

ہمارے پاس بیٹھو، ورنہ اپنا کام کرو۔ آپ کو قرآن شریف سے عشق کی کیفیت تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ؛ ہم ایک دفعہ بیمار ہو گئے، ہم کو مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے، ہم نے خواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا، انہوں نے ہم کو اپنے سینے سے چمٹا لیا، ہم اچھے ہو گئے۔

ایک مرتبہ [صوبۂ آگرہ و اودھ کے انگریز] لیفٹننٹ گورنر زیارت کو آئے۔ [بعض عیسائی حکام مذہبی و روحانی ذوق کے بھی ہوا کرتے تھے، اور صوفیہ سے محبت رکھتے تھے] پہلے اپنے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ اطلاع ہونے پر فرمایا: کیوں آ رہا ہے؟......غرض وہ آ پہنچا۔ حضرت اس وقت ایک گہری چارپائی پر لیٹے تھے۔ فرمایا بلا لو۔ اس نے حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ گورنر نے آپ کے قویٰ کا حال پوچھا، فرمایا بہت اچھے ہیں۔ گورنر نے تبرک مانگا۔ خادم سے فرمایا: ارے بھئی دیکھو، اگر کسی برتن میں مٹھائی کا کچھ چورا وغیرہ پڑا ہو دے دو۔ خادم نے ایک مٹی کے برتن میں سے مٹھائی کا چورا لا کر لیفٹننٹ گورنر کے سامنے کیا، اس نے نہایت احترام کے ساتھ لیا۔ گورنر نے عرض کیا کہ کچھ نصیحت کیجیے۔ فرمایا: انصاف کرنا، ظلم نہ کرنا۔

......ایک واقعہ حضرتؒ نے فرمایا کہ میاں! ایک جذامی یہاں پر آیا، لوگوں نے اس سے نفرت کی۔ ہم نے اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا، وہ اچھا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے بھی ایک جذامی کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا تھا، ہم نے اس پر عمل کیا، وہ اس عمل بالسنّت کی برکت سے اچھا ہوا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میری برکت سے اچھا ہو گیا۔ اور عجیب بات ہے کہ حضرتؒ پر جذب کی کیفیت غالب تھی، مگر اس پر یہ بھی ہوش کہ ہر بات میں حدود کی رعایت اور علوم کا ظہور۔ کیا ٹھکانا ہے اس اتباعِ سنت کا! کہاں ہیں وہ معترض جو بزرگوں پر خلاف سنت کا الزام لگاتے اور اعتراضات کرتے ہیں؟

(جلد ۸۔ ص: ۶۴۔۶۷)

عملیات میں مشغول ہونے سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عامل بھی صاحب نسبت ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی بہت بڑے شیخ ہیں۔ ایک ثقہ راوی بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا کے ایک مرید تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ مولانا عامل ہیں۔ عملیات سے لوگوں کو ہدایت

کے لیے تسخیر کرتے ہیں۔ مولانا کو ان کے اس خیال کی اطلاع ہوگئی۔ فرمایا نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔ توبہ توبہ۔ ارے معلوم بھی ہے؟ عملیات میں مشغول ہونے سے نسبت باطنی سلب ہوجاتی ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عملیات اصل میں ایک قسم کے تصرفات ہیں، جو متضمّن ہیں دعوے کو۔ اور ایسا تصرف عبدیت کے منافی ہے۔ (جلد ۸۔ ص: ۳۲۷)

حضرت حاجی صاحبؒ کا ایک واقعہ:

ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ سے اسی طرح ایک شخص نے کسی مخالف کا قول نقل کیا کہ حضرت فلاں شخص آپ کی نسبت یہ کہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ شخص بہت اچھا ہے۔ اس نے اتنا تو لحاظ کیا کہ منہ پر نہیں کہا۔ اور تو اس قدر بد لحاظ نکلا کہ منہ پر کہہ رہا ہے۔ اس وقت وہ شخص مارے ندامت اور شرمندگی کے پانی پانی ہوگیا اور اس کو کبھی چغل خوری کی ہمت نہیں ہوئی۔ حوصلہ پست ہوگیا۔ (جلد ۸۔ ص: ۸۹)

صفاتِ الٰہی کے سلسلے میں تحقیقی موقف:

[یہ مسئلہ صرف علماء کے سمجھنے کا ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح میں کچھ نہیں لکھا جارہا ہے۔ از: مرتب] ایک صاحب نے استواء علی العرش کے مسئلہ پر اعتراض کیا تھا۔ میں نے تفسیر بیان القرآن میں اس مسئلہ میں اس طرح ترتیب رکھی تھی کہ متن میں تو متاخرین کے قول کو رکھا تھا۔ اور حاشیہ میں متقدمین کے قول کو۔ اور یہ ظاہر کردیا تھا کہ راجح مسلک متقدمین ہی کا ہے۔ مگر ان معترض صاحب نے متاخرین کے مسلک پر اس قدر گستاخی اور بے باکی سے قلم اٹھایا ہے کہ جس کا کوئی حدو حساب نہیں۔ متاخرین کو گمراہ تک کہا۔ مجھ کو ان کی یہ حرکت ناگوار ہوئی۔ اس پر میں نے بطور جواب کے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے **تمہید الفرش فی تحدید العرش** وہ بھی ایک عجیب چیز ہے۔ لیکن مسئلہ کے نازک ہونے کے سبب اس کے لکھنے کے وقت جو کچھ مجھ پر صعوبت گذری ہے، اس کو بھی میں نے رسالہ میں ظاہر کردیا ہے۔ میں ہی جانتا ہوں۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت یہ تمنا ہوتی تھی کہ کاش کہ میں جاہلِ محض ہوتا تو اچھا ہوتا کہ یہ چیزیں ذہن ہی میں نہ آتیں۔ مگر اس وقت اللہ ہی نے دستگیری فرمائی اور ذہن نے پلٹا کھایا اور یہ سمجھ میں آیا کہ یہ تمنا بھی علم ہی کی بدولت ہے۔ اس پر قلب کو سکون ہوگیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ کبھی علوم کی کثرت سے بھی جہل بڑھتا ہے [اور شبہات پیدا ہوتے ہیں] اور بعض علم جہل کا سبب بن جاتا ہے۔ کیونکہ جاہل محض کو ایسے شبہات کا کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا۔ حالانکہ ﴿ استوی علی العرش ﴾ اور ﴿ ید اللہ فوق ایدیھم ﴾ سب کچھ اس کے کانوں میں پڑتا ہے۔ البتہ اس مقام پر کامل العلم سنبھل سکتا ہے۔

اب یہاں پر ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جس کو علمِ کامل حاصل ہے اس کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا اور عوام اور جاہلوں کو شبہ اور وسوسہ نہیں ہوتا، پھر متاخرین نے جو تاویل سے کام لیا وہ کس کی رہبری کے لئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسوں کی رہبری کے لیے ایسا کیا گیا کہ جن کی یہ حالت ہے ﴿ لا الی ھولاء ولا الی ھولاء ﴾ جو نہ جاہل ہیں نہ عالم۔ متاخرین نے ان کی حفاظت کی ضرورت سے ایسا کیا۔ ایسے لوگوں نے فرقِ باطلہ سے مثلاً مجسّمہ مشبّہہ وغیرہم سے شبہات سنے۔ یا انہوں نے قصداً ان کو بہکایا،...... ایسے اقوال وشبہات سن کر انہوں نے اپنے زمانہ کے علماء اہلِ حق اور محققین سے پوچھا اور انہوں نے دیکھا [اور پایا] کہ یہ بیچارے حقیقت کے متحمل نہیں، اس لیے انہوں نے اس مسئلہ میں تاویلاتِ مناسبہ اختیار کیں، تاکہ یہ لوگ گمراہی سے بچیں، تو حقیقت میں انہوں نے امت پر یہ بڑی رحمت کی ہے۔ پھر جو ان کی تضلیل اور تفسیق کرے، تو وہ خود گمراہ ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ معترض نے یہ نہ دیکھا کہ خود ان متاخرین نے بھی تو متقدمین ہی کے مسلک کو ترجیح دی ہے اور راجح فرمایا ہے۔ اس سے خود ثابت ہوتا ہے کہ حضرات متاخرین بھی متقدمین ہی کے مسلک پر تھے۔ لیکن بضرورت لوگوں کے سکون اور تسلی اور ایمان بچانے کے لیے مسئلہ میں تاویل کر کے پیش کر دیا۔

میں نے باوجود معترض صاحب کی زیادتیوں کے تفسیر بیان القرآن میں ان کے مشورے کے مطابق ترمیم بھی کر دی [اور متن میں بھی سلف کے مسلک کا ذکر کر دیا] کیوں کہ خدانخواستہ حق سے کوئی ضد تھوڑا ہی ہے۔ جو بات اچھی ہے اس کے مان لینے میں کون مانع ہے؟ (جلد ۸۔ ص: ۹۲)

[اس کو بیان القرآن میں سورۂ اعراف آیت ۵۴ کے تحت دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت نے متنِ تفسیر میں سلف کے مسلک یعنی نصوص صفات کو حقیقتِ لغویہ پر محمول کرنے اور معنیٰ کی تفسیر و تفصیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کی جانب اشارہ فرما دیا کہ جو معنیٰ بھی اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے مطابق

ہوں وہ مراد ہیں۔ اور حاشیہ میں اسی موقف کو ترجیح دی۔ لیکن متاخرین کی تاویل کی بھی توجیہ فرمائی اور شبہات کے وقت اس کی ضرورت کا ذکر کر دیا۔ بعینہ یہی موقف نہایت وضاحت اور اختصار کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''المہند علی المفند'' میں اکابر علماء دیوبند کے عقیدہ ومسلک کے طور پر تحریر فرمایا ہے۔ یعنی اصل تو یہ ہے کہ نصوص صفات کی تاویل نہ کی جائے ،لیکن شبہات کے وقت متاخرین نے بضرورت جو تاویل کی ہے، اس کی بھی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو المہند: صفحہ ۴۳۔ مطبوعہ نفیس منزل لاہور۔ یحییٰ]۔

حق تعالیٰ شانہ کی عطا پر نیاز کی ضرورت:

آدمی کو اپنی کسی چیز پر بھی ناز نہ کرنا چاہیے نہ علم وفضل پر، نہ عقل وفہم پر، نہ زہد وتقوے پر، نہ عبادت اور اعمال پر، نہ شجاعت اور قوت پر، نہ حسن اور جمال پر۔ یہ سب حق تعالیٰ کی عطاء ہیں۔ پھر ناز کس بات پر؟ ناز تو اپنے کمال پر ہوتا ہے۔ اور جب اپنا کمال کچھ بھی نہیں، سب عطاء حق ہے تو پھر تو نیاز کی ضرورت ہے اگر بے جا ناز کرے گا تو پھر خیر نہیں۔ (جلد ۸۔ ص: ۹۳)

ذوق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مقصد اظہار حق ہے یا کسی کے پیچھے پڑنا:

فرمایا کہ دوسروں کی فکر میں کیوں پڑے؟ اپنی فکر مقدم ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسے امور اظہارِ حق کے لیے ہوں، تو کیا اس کو بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ دوسروں کی فکر میں ہے؟ فرمایا کہ یہ ذوق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا مدعا اظہار حق ہے یا دوسروں کے درپے ہونا ہے؟ یہ تقریر وتحریر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نصرتِ حق کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے۔

ایک مولوی صاحب جمعہ فی القریٰ [گاؤں میں جمعہ کی نماز] کے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ قریہ میں جمعہ جائز نہیں۔ اس میں ان کو اس قدر شغف تھا کہ ایک بڑا وقت اِس میں کھپا دیا۔ دیوبند، سہارنپور، دہلی، مرادآباد، کانپور، لکھنؤ اور خدا معلوم کہاں کہاں کے مشاہیر علماء کے اس پر دستخط حاصل کئے۔ یہاں پر بھی آئے۔ اس وقت تعطیلِ رمضان میں بہت علماء جمع تھے، ان سے دستخط کرانے کے اہتمام میں لگ گئے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب! جس کو تم دین سمجھ رہے ہو، یہ کھلی

ہوئی دنیا ہے۔ کہ یہ شغل تم کو دوسرے اُس سے اہم مشاغل سے مانع ہو رہا ہے۔ لاؤ وہ ذخیرہ کہاں ہے؟ وہ تو اس کا مصداق ہے کہ:

جملہ اوراق کتب در نار کن ☆ سینہ را ازنور حق گلزار کن

......اور میں نے اس ذخیرہ کو جلوا دیا۔ اس کے بعد ان مولوی صاحب نے دوسروں سے کہا کہ مجھ کو اِس سے اس قدر نفع ہوا کہ جیسے قلب سے پہاڑ ہٹ جاتا ہے، ایک بڑی زبردست بلا سے نجات ہوگئی۔ ورنہ قلب ہر وقت اِسی اُدھیڑ بن میں لگا رہتا تھا۔ نہ نماز میں جی تھا، نہ روزہ میں، نہ قرآن میں۔

حضرت! مرض کو طبیب ہی پہچانتا ہے۔ دوسرے کو کیا خبر کہ یہ دین کی وجہ سے مشغول ہے یا دنیا اور نفس کی وجہ سے اس قدر کاوش ہے؟ یہ رنگ تو اظہارِ حق سے زائد ہی ہے۔ اگر یہ مولوی صاحب اور کہیں جاتے تو اس کو حمایتِ دین سمجھ کر معلوم نہیں ان کی کس قدر مدح کی جاتی۔ یہاں یہ گت بنی۔ اپنے بزرگوں کا یہی رنگ دیکھا اور یہی پسند ہے۔ یہ حضرات حکیم تھے۔ ہر چیز ان کے یہاں حد پر رہتی تھی۔ دوسروں میں یہ رنگ نہ دیکھا اور نہ ہے۔ (جلد۸۔ص:۹۶۔۹۷)

حضرت حکیم الامتؒ کی اپنے متعلقین پر شفقت:

ایک صاحب نے ایک اور صاحب کے حالات بیان کرتے ہوئے حضرت والا سے عرض کیا کہ قلتِ تنخواہ کے سبب اکثر پریشان رہتے ہیں۔ ہر چند یہاں کی حاضری کی کوشش کرتے ہیں مگر مجبور ہیں۔ فرمایا کہ مجھ کو تو ان کا حال معلوم نہیں ہوا۔ میں نے تو اپنے دوستوں سے کہہ رکھا ہے کہ جب ایسا موقع ہوا کرے، بے تکلف مجھ کو لکھ دیا کریں۔ میں بھی بے تکلف اگر کچھ سامان ہوگا، بھیج دوں گا۔ اگر نہ ہوگا عذر کر دوں گا۔ پھر فرمایا کہ ایک روز اسی قسم کی گفتگو ہو رہی تھی، ایک صاحب کہنے لگے کہ آپ سے لینا چاہیے یا آپ کو دینا چاہیے؟ لینا تو بڑے شرم کی بات ہے۔ میں نے کہا اچھا یہ بتلاؤ کہ دنیا زیادہ قیمتی ہے یا دین؟ کہا دین۔ میں نے کہا ایسی قیمتی چیز لیتے ہوئے تو شرم نہیں آئی اور اس گھٹیا چیز کے لینے سے بچتے ہو؟ (جلد۸۔ص:۱۰۷)

غلو سے بچانے اور عقیدۂ توحید کی حفاظت کا اہتمام:

[ایک بیمار طالب علم حضرت کے یہاں پڑھنے آئے، حضرت نے پوچھا کہ اپنے علاقے میں

ہی کیوں نہیں پڑھتے؟ انہوں نے] عرض کیا کہ یہاں کے رہنے کی برکت سے میری بیماری جاتی رہے گی۔ فرمایا: تم میں عقل اور فہم کا نام تک نہیں۔...... پھر حاضرین سے فرمایا کہ کس قدر غلط عقیدہ ہے کہ یہاں پر رہنے کی برکت سے بیمار نہ رہوں گا۔.... ایسی ہی برکت ہے تو میں خود کیوں بیمار ہو جاتا ہوں؟ یا یہ اور لوگ جو میرے پاس خانقاہ میں رہتے ہیں، یہ کیوں بیمار ہوتے ہیں؟ اور اگر ہوتے ہیں تو یہاں کی برکت سے اچھے کیوں نہیں ہو جاتے؟ یہ برکت دوسروں ہی کو چمٹتی پھرتی ہے۔ اپنی برکت خود اپنے کام نہیں آتی۔ کیا برا عقیدہ ہے جو مفاسد سے پُر ہے۔ لوگوں کے عقائد تک درست نہیں رہے۔ توحید کا صرف نام ہی رہ گیا۔ لیکن اس کا نور لوگوں کے قلوب سے مٹا جاتا ہے۔ لکھے پڑھے لوگ ایسی لغویات اور خرافات میں مبتلا ہیں۔ (جلد ۸۔ص: ۱۲۷۔۱۲۸)

ایسا شخص فُسّاق سے بدتر ہے:

ایک صاحب نے کسی کی یہ حالت بیان کی کہ بڑا چوغہ، بڑا عمامہ، بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہے، مگر معاملات بے حد گندے ہیں۔ حقوق العباد تک کی فکر نہیں۔ فرمایا کہ ایسے دین دار سے فاسق فاجر اچھا، جو کھلم کھلا فسق و فجور کرتا ہے، اس سے دوسروں کو تو دھوکا نہیں ہوتا۔ اور ایسے شخص سے دھوکا ہوتا ہے۔ (جلد ۸۔ص: ۱۳۶)

حضرتؒ کا تحمّل:

ایک شخص ہیں، میں نے پچیس برس ان کی اذیتیں اور بے ہودگیاں برداشت کیں۔ اس کے بعد [بغرض اصلاح وتربیت] خواجہ [مجذوب] صاحب کے سپرد کیا۔ وہ تین ہی ماہ میں چیخ اٹھے کہ یہ شخص مخاطبت کے قابل نہیں۔ حالانکہ خواجہ صاحب بے حد رحم دل شخص ہیں، اکثر لوگوں کے افعال واقوال میں تاویلات کرتے رہتے ہیں۔ اور مجھ سے معافی وغیرہ کی سفارش اور کوشش کرتے رہتے ہیں۔

(جلد ۸۔ص: ۱۵۱)

حضرت حکیم الامتؒ کی تواضع:

فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے، سب آنے والوں کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اور یہ حق تعالیٰ کی مجھ پر

ایک بڑی رحمت ہے کہ اس نعمت سے مجھ کو مشرف فرمایا۔حتی کہ عین مواخذہ اور محاسبہ، ڈانٹ ڈپٹ کے وقت بھی کافی طریق پر اس کا استحضار ہوتا ہے۔ گو ضرورت کے سبب تادیب بھی کرتا ہوں۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو آنے والوں کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔ کیونکہ وہ اللہ کے طالب بن کر آئے ہیں۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس نیت سے بیعت کر لیتا ہوں کہ اگر پیر مرحوم ہوگا مرید کو جنت میں کھینچ لے جائے گا۔ اور مرید مرحوم ہوگا پیر کو جنت میں کھینچ لے جائے گا۔ عجیب جامعیت ہے کہ اس کو مرید بھی سمجھیں اور اس کو اپنے سے بڑا اور ذریعہ نجات بھی سمجھیں۔

اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ شیخ وہ ہے جو جامع بین الاضداد ہو جس کے یہاں اصلاح و تربیت بھی ہے روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ بھی ہے۔ مواخذہ محاسبہ مطالبہ دار و گیر بھی ہے۔ اور یہ سب اپنے منصب کے فرائض ہیں، ان کو بھی ادا کرتا ہے، اور پھر اُن کو اپنے سے اعلیٰ اور افضل بھی سمجھتا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی کو کچھ خبر نہیں کہ کسی کا خدا کے ساتھ کیا تعلق اور کیا معاملہ ہے؟ اور نہ اس کی خبر کہ میں کیسا ہوں؟ اور میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ تو پھر کوئی کیا کسی کو حقیر سمجھ سکتا ہے ممکن ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ مقبول ہو اور یہ مردود۔ سو نظرِ تحقیر سے دیکھنے کا کسی کو کیا حق ہے؟ (جلد ۸۔ص:۱۶۱)

اصل دولت اعمال کی پابندی سے میسر ہوتی ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ بدوں مجاہدہ اور ریاضت کے صرف کسی متصرف کی توجہ سے بھی کام ہو سکتا ہے، لیکن نادر۔ اور النادر کالمعدوم۔ باقی توجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کی عمر کچھ نہیں ہوتی۔ وہ ایک وقتی چیز ہے۔ اور نہ توجہ سے رسوخ [یعنی پختگی و ثبات اور جماؤ] ہو سکتا ہے۔ جو اصل اور روح ہے طریق کی۔ یہ دولت مجاہدات، ریاضات، اعمال ہی کی پابندی سے میسر ہوتی ہے۔ اس کو کبھی زوال نہیں ہوتا، ان شاء اللہ تعالیٰ، بشرطیکہ یہ اس کی نگرانی کرتا رہے۔ (جلد ۸۔ص:۱۶۸)

خارش اور بدعت میں وجہ مناسبت:

فرمایا کہ ایک زمانہ میں مجھ پر پریشانی کا بے حد غلبہ تھا۔ اس وقت الغریق یتشبّث بکل حشیش [ڈوبتا تنکے کا بھی سہارا پکڑتا ہے] کی بناء پر، میں بغرض معالجہ ایک صاحبِ کیفیت، مگر

صاحب بدعت، درویش کی صحبت میں خذ ما صفا ودع ما کدر [یعنی ان کی غلط باتوں سے پرہیز کرتے ہوئے فائدہ اٹھانے کی نیت] کو پیشِ نظر رکھ کر بیٹھتا تھا۔ ایک روز حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ مجھ کو ان درویش کے پاس بیٹھنے سے منع فرماتے ہیں کہ ان کے پاس مت بیٹھا کرو، ورنہ خارش ہو جائے گی۔ معبّرین [خواب کی تعبیر جاننے والوں] کی اصطلاح میں خارش اور جذام کی تعبیر بدعت ہے۔ اس کے بعد میں نے ان کی صحبت چھوڑ دی۔ خارش اور بدعت میں وجہِ مناسبت یہ ہے کہ جیسے خارش میں تکلیف بھی ہے اور مزا بھی اور پہلے مزا اور بعد میں سوزش، ایسے ہی بدعت میں مزا بھی اور تکلیف بھی ہے اور پہلے مزا اور بعد میں تکلیف، جو آخرت میں محسوس ہوگی۔ اور یہ بدعت گناہوں سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ گناہ کو گناہ تو سمجھ کر کرتا ہے۔ اور بدعت کو دین سمجھ کر کرتا ہے۔ اس لیے یہ بڑی ہی خطرناک چیز ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (جلد ۸۔ص: ۱۷۲۔۱۷۳)

نفس کے مزے کو دین سمجھنا غلط ہے:

فرمایا کہ آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دین میں بھی حظوظ نفسانی کو دخیل بنا رکھا ہے۔ چنانچہ اگر تہجد قضا ہو جائے تو رنج ہوتا ہے اور اگر فجر کی فرض نماز قضاء ہو جائے تو رنج نہیں ہوتا۔ کیا یہ دین ہے؟ محض حظِّ نفس [نفس کی لذت] ہے، ورنہ فرض قضا ہونے کا زیادہ رنج ہو۔ مگر نفس تہجد کو بزرگی سمجھتا ہے۔ اور فرض کو معمولی۔ اس لیے اثر الٹا ہوتا ہے۔ اور اسی قسم کی بہت سے غلطیوں میں ابتلاء ہو رہا ہے۔ (جلد ۸۔ص: ۱۸۴)

مناظروں اور مباحثوں میں نفس کی آمیزش:

[ایک صاحب نے مخالفین کے رد میں رسالہ لکھا اور حضرت سے تقریظ لکھنے کی فرمائش کی۔ حضرت نے نہیں لکھی۔ اور اس کے بارے میں فرمایا:] اس رسالہ میں مخالفین پر بری طرح اعتراضات کیے ہیں۔ برا بھلا تک کہا ہے۔ مجھ کو یہ پسند نہیں۔ صاحب! دین کی خدمت کرنا مقصود ہے یا لوگوں سے لڑائی لڑنا؟ اس طرز میں بجائے خلوص کے نفس کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اور مخاطب پر بجائے اچھا اثر ہونے کے برا اثر ہوتا ہے۔ خدا معلوم ان لوگوں کو تصنیف کا شوق ہی کیوں ہوتا ہے؟

چپ چاپ بیٹھے رہیں، دنیا میں اور بہت کام ہیں۔ان میں مشغول ہوں۔دنیا کے کاموں میں بھی ان کاموں کو پسند کرتے ہیں جن میں شورش اور فتنہ ہو۔جی ہی ایسے کاموں میں لگتا ہے۔کیا بھدّی طبیعتیں ہیں۔بدفہمی اور بدعقلی کا غلبہ ہے۔حق تعالیٰ فہمِ صحیح نصیب فرماویں۔ (جلد ۸۔ص: ۱۸۵۔۱۸۶)

بزرگوں سے مشورہ میں برکت:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اگر کسی کا توکل، بمعنی ترکِ اسباب ظنیہ، کا ارادہ ہو تو بدون اپنے بزرگوں کے مشورہ کے عمل نہ کرنا چاہئے۔میں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا، کہ جب کچھ کرنے کا ارادہ کیا اپنے بزرگوں سے ضرور مشورہ کرلیا۔کبھی بزرگوں کے بدون شریک کیئے ہوئے کوئی کام نہیں کیا۔اس میں حکمت بھی ہے اور برکت بھی۔اور بعض اہل طریق ترک اسباب اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ تعلقات سے قلب کے لیے فراغ چاہتے ہیں۔سو یہ بھی اپنی تجویز سے مشکل ہے۔اس کا بھی غیب ہی سے سامان ہو جاتا ہے۔جس کے لیے حق تعالیٰ چاہتے ہیں [دل اللہ کی طرف توجہ کے لیے] فارغ کر دیتے ہیں۔یہ بھی ان کی عطاء ہے خود کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

......لیکن بزرگوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے اور ان کی برکت سے ضروری فراغ کی دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ (جلد ۸۔ص: ۱۹۳۔۱۹۴)

مبتدی کے لیے ایک ضروری کام:

فرمایا کہ مبتدی کو چاہئے کہ محبت اور ادب تو سب سے رکھے۔لیکن اعتقاد ایک ہی سے رکھے۔مختلف جگہ اعتقاد پیدا کرنے سے شبہات اور تشویشات کا دروازہ کھل جائے گا۔پھر ان شبہات سے یہ حالت ہوگی۔شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیر ہا۔

وجہ یہ کہ ابتداء میں جوش ہوتا ہے۔بس اسی میں رہے گا کہ اس سے کچھ لے لیا، اس سے کچھ لے لیا۔اس تشویش میں مقصود ہاتھ نہ آئے گا۔اس لیے اتباع کا تعلق ایک ہی سے چاہئے۔اور یہ ضروری نہیں کہ جس سے تعلق کیا جائے وہ اپنے ہم عصروں میں سب سے افضل واکمل ہو۔بلکہ [یہ کافی ہے کہ چاہے] خود افضل اکمل نہ ہو، لیکن فن سے واقف ہو اور طالب کو اس سے مناسبت ہو۔

اور اصلِ اعظم اس طریق میں مناسبت ہی ہے۔ پھر افضل غیر افضل کی تفتیش کے فضول ہونے پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ کیرانہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے۔ پاس بیٹھے ہوئے تھے، دل میں خیال کرنے لگے کہ معلوم نہیں حضرت حاجی صاحبؒ کا مرتبہ بڑا ہے یا حافظ ضامن صاحبؒ کا؟ حضرت اس خطرہ پر مطلع ہوئے۔ فرمایا کہ ایسا خیال بہت بری بات ہے۔ تمہیں اس سے کیا مطلب کہ کون بڑا اور کون چھوٹا؟ بادل کے دو ٹکڑے ہیں ایک چھوٹا ایک بڑا مگر تمہارا گھڑا بھر دینے کو تو دونوں کافی ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جیسے شخص یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو حضرت سے اعتقاد علوم ہی کی وجہ سے ہے۔ اور ظاہری تحصیل نہ ہونا یہ زیادہ کمال کی دلیل ہے۔ ورنہ اگر حضرت اصطلاحی عالم ہوتے اور پھر یہ تحقیقات ہوتیں تو کوئی کمال نہ تھا۔ وہ علمی استعداد کا ثمرہ سمجھا جاتا اور اب باوجود اصطلاحی عالم نہ ہونے کے اس قدر حقائق کا ظہور یہ حضرت کے کمال کی صریح دلیل ہے۔ اور تمام کرامتیں اس کرامت پر قربان ہیں۔ واقعی حضرت اس فن کے امام تھے مجتہد تھے، محقق تھے، مجدد تھے۔ حضرت کے فیض سے مدتوں کا مردہ طریق زندہ ہو گیا۔ والحمد للہ۔ (ص:۲۱۴۔۲۱۵)

محض بزرگوں کے سوانح اور ملفوظات پڑھنا کافی نہیں:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ کام کرنا چاہئے۔ محض بزرگوں کے قصے اور سوانح عمری جمع کرنے سے کیا حاصل؟ [یعنی ذکر و سلوک میں مجاہدہ کرنا چاہیے، اس کے ساتھ اہل اللہ کے سوانح اور ملفوظات بہت نافع ہوتے ہیں]۔ (جلد ۸۔ص:۲۱۶)

آج کل مؤکدہ سنتوں کو مسجد میں پڑھنا افضل ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو علاوہ فرضوں کے مؤکد [سنت] نمازیں بجائے مسجد کے اگر گھر پر پڑھا جائے کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ فرض کے علاوہ جو نمازیں ہیں، ان کے متعلق سلف میں یہی معمول تھا کہ گھر پر پڑھتے تھے۔ اور فی نفسہ اسی میں فضیلت ہے۔ مگر ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی کہ وہ مؤکد نماز کی منکر ہوئی۔ اس وقت سے مسجدوں میں مؤکد نمازوں کا اہتمام

شروع کیا گیا، تا کہ اس جماعت کی طرح دوسروں پر ترکِ سنن کا شبہ نہ ہو۔ اب اس عارض کی وجہ سے فضیلت اسی میں ہے کہ مؤکد سنت کو مساجد میں پڑھا جاوے۔ (جلد ۸۔ص:۲۲۲)

فن طریق میں راہزن اشیاء:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں، سب سن لیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس طریق میں دو چیزیں طالب کے لیے راہزن اور سمِ قاتل ہیں۔ ایک تاویل اپنی غلطی کی۔ اور دوسرے اپنے معلّم پر اعتراض۔ (جلد ۸۔ص:۲۳۱)

شجرہ اور ثمرہ:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میرے یہاں تو شجرہ کی رسم ہے نہیں، ایک مرتبہ فلاں مولوی صاحب نے بہت سے شجرے چھپوا کر بھیج دیے، میں نے واپس کر دیے کہ میں کہاں حفاظت کروں گا۔ ایک شخص نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا تھا کہ ایک شجرہ بھی بھیج دو۔ میں نے لکھ دیا تھا کہ گو کوئی ثمرہ نہ ہو؟ (جلد ۸۔ص:۲۳۳)

خان صاحب بریلوی کے متعلق کبھی انتقام کو نہ سوچا:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ فلاں خان صاحب نے ہمیشہ مجھ کو گالیاں دیں۔ مگر کبھی قلب میں وسوسہ بھی انتقام کا نہیں آیا۔ البتہ ان کے متعلق میں یہ شعر ضرور پڑھا کرتا ہوں ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں ☆ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

اگر ہمارے مخالف کے ساتھ کوئی ردو کد کرے ہمیں کوئی مسرت نہیں۔ ہمارے بزرگوں کا یہی مسلک تھا، یہی مشرب تھا۔ مسرت اس سے ہوتی ہے کہ آدمی اپنے کام میں لگے۔ (جلد ۸۔ص:۲۳۳)

بڑی نعمت اور راحت مناسبت ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مولوی صاحب نے زیادہ تنخواہ پر دوسری جگہ جانا پسند نہیں کیا۔ فرمایا کہ مجھ کو یہ بات بہت پسند ہے۔ اجی روپیہ تو ہے ہی ضرورت کی چیز، مگر بڑی نعمت

راحت اور مناسبت ہے۔ معلوم نہیں، نئی جگہ میں جا کر مناسبت ہو نہ ہو، راحت ملے نہ ملے۔ اس لیے پرانی ہی جگہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ میں جس زمانہ میں کانپور تھا، پچاس روپیہ تنخواہ تھی، آگرہ سے خط آیا کہ ہم سو روپیہ یا دوسو دیں گے۔ میں نے ان کو جواب میں مشورہ لکھ بھیجا کہ ایسے شخص کو بلا کر ملازم رکھو جو دوسری جگہ نوکر نہ ہو۔ اگر کسی نوکری کرتے ہوئے کو بلا کر ملازم رکھا تو تم تو سو دو گے اور اگر کہیں سے اس کو دو سو کی جگہ پر بلایا گیا وہ وہاں چل دے گا۔ ایسے بھگوڑے کا کیا اعتبار؟ پھر ہنس کر فرمایا کہ میرا تو کام بنا ہی نہ تھا، میں نے مشورہ دے کر دوسروں کی بھی راہ مار دی۔ خصوصاً اس زمانہ میں تو پرانی جگہ کو چھوڑنا ہی نہیں چاہیے۔ اس میں بڑی مصلحت اور حکمت ہے۔ ہر جگہ مناسبت اور موافقت کا پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔ (جلد ۸۔ص: ۲۴۵۔۲۴۶)

ہدیہ کے اصول وضوابط:

فرمایا کہ آج کل مدرسہ والے چندہ لینے میں اور مشائخ علماء ہدیہ لینے میں بہت بیباک ہیں۔ نہ دوسرے کی تکلیف کا خیال کرتے ہیں اور نہ اپنی اور دین کی ذلت کا۔ بالکل دہ دردہ معاملہ ہو رہا ہے۔ میں بحمداللہ ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں۔ ہدیہ میں لیتا ہوں مگر ان دو باتوں کا خیال رکھتا ہوں کہ ایک تو دینے والے کو تکلیف نہ ہو۔ دوسرے اپنی اور دین کی ذلت نہ ہو۔ اس کا میں نے ایک نظام مقرر کر دیا ہے کہ ایک روز کی آمدنی سے کوئی زائد نہ دے۔ (جلد ۸۔ص: ۲۴۸)

علماء ومشائخ کو عوام کی مصلحت سے وعظ کہنا چاہیے:

فرمایا کہ آج کل اکثر علماء وعظ بھی بجائے سامعین کی مصلحت کے اپنی مصلحت سے کہتے ہیں۔ جس سے اپنا معتقد بنانا، اپنی بدنامی کو رفع کرنا وغیرہ وغیرہ مقصود ہوتا ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے طبیب مریض نہ دیکھے اپنی مصلحت کو دیکھے۔ وہ طبیب ہی نہیں۔ اسی طرح وہ واعظ ہی نہیں جو سامعین کی مصلحت اور ان کی حالت کو پیش نظر نہ رکھے۔ ایسے ہی وہ مصلح نہیں، جو طالب کی مصلحت پر نظر نہ رکھے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ جتنے امراض اور خرابیاں آج کل پیدا ہو رہی ہیں ان سب کی جڑ حبِّ دنیا ہے۔ یہ مرض علماء اور مشائخ تک میں دِق کی طرح سرایت کر گیا۔ مثلاً علماء تقریریں کرتے ہیں عام لوگوں کو راضی کرنے کے واسطے۔ مشائخ ملفوظات بیان کرتے ہیں اپنی بزرگی اور کمالات کے اظہار کے لئے۔ سو یہ تو

سراسر دنیا پرستی ہے۔علاوہ اس کے آخر غیرت بھی تو کوئی چیز ہے۔ (جلد۸۔ص:۲۵۲)

پہلے اپنی نجات کی فکر کرو:

حضرت! کسی کو کیا خبر ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے؟ سب سے پہلے اپنی خبر لو۔اور جب اپنی فکر میں انسان لگا ہوتا ہے اس کو دوسرے کی فکر نہیں ہوتی۔ دیکھو اگر ایک شخص کو پھانسی کا حکم ہو جائے اور اس کے سامنے کسی دوسرے کا ذکر کرو، وہ کہے گا کہ تم اپنی ہی لیے پھرتے ہو، مجھے اپنی ہی لگی ہے۔ یہ سب باتیں [اپنی عاقبت سے] بے فکری کی بدولت سوجھتی ہیں۔ کام میں لگو اپنی فکر کرو دوسروں کو چھوڑو۔ (جلد۸۔ص:۲۷۴۔۲۷۵)

مصیبت میں گھبراہٹ کا سبب اللہ سے تعلق کی کمزوری ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ آپ تو ان معمولی مصائب اور تکالیف ہی سے گھبرا اٹھے، جس کا سبب ضعفِ تعلق مع اللہ ہے۔اصل مصیبت اور مشقت کی چیز موت ہے، جسے حق تعالیٰ نے بھی مصیبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے﴿ فاصابتکم مصیبۃ الموت ﴾......مگر ان کی یاد کرنے والوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کو موت جیسی مصیبت بھی لذیذ اور مطلوب اور محبوب ہوتی ہے۔......اللہ اکبر کیسا اطمینان ہے کہ موت کی تمنا کر رہے ہیں۔...کیا ٹھکانا ہے اس اطمینان کا یہ سب ذکر اللہ کی برکت ہے کہ کوئی چیز بھی پریشان اور غیر مطمئن نہیں رہ سکتی مگر اسی سے لوگوں کو غفلت ہے۔ (جلد۸۔ص:۲۷۶۔۲۷۷)

معترض کی بے برکتی:

اہل طریق نے لکھا ہے کہ مجلس کے اندر اگر ایک شخص بھی معترض یا بد مذاق ہو تو فیوض بند ہو جاتے ہیں۔ (جلد۸۔ص:۲۷۹)

گمنامی میں بڑی عافیت ہے:

فرمایا کہ گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے۔اور شہرت میں دینی اور دنیوی دونوں ضرر ہیں۔مشہور آدمی پر مخلوق کا حسد اور غصہ اس طرح نازل ہوتا ہے جیسے مشک کے دہانہ سے پانی گرتا ہے۔

......اسی وجہ سے گمنامی کی ترغیب دیتے ہیں، کہ جہاں تک ہو سکے شہرت سے بچو۔ ایسے رہو کہ کوئی جانے بھی نہیں، کہ کوئی رہتا بھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اشتہار خلق بند محکم است ☆ بند آواز بند آہن کے کم ست

خویش رارنجور ساز وزارزار ☆ تاترا بیروں کنند از اشتہار

[مخلوق میں شہرت ایک زبردست قید ہے، جو کسی آہنی قید سے کم نہیں۔ اپنے کو افسردہ و غمگین حال میں رکھو، تا کہ تجھے شہرت کی مصیبت محفوظ رکھیں]۔

مگر یہ اس شہرت کے لیے ہے، جو اپنے اختیار اور قصد سے ہو۔ باقی غیر اختیاری شہرت [جو کسی دین کے خادم یا اللہ کے مقبول بندے کو بغیر قصد اور جتن کیے حاصل ہو جاتی ہے، اس میں فتنہ نہیں ہے۔] وہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اپنے بزرگوں کو دیکھا کہ اپنے کو مٹائے ہوئے، فنا کیے ہوئے رہتے تھے۔ مگر اس پر بھی دنیا میں شہرت اور ان کے علوم کا غلغلہ تھا۔ جس طرف کو چلے گئے، سب ماند ہو جاتے تھے۔ سو یہ غیر اختیاری ہے۔ اور یہ مضر بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور انہیں کی نصرت اور حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ (ص:۲۸۱)

فراغ بہت بڑی نعمت ہے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ عادت میری ہمیشہ کی ہے کہ کام کے جمع ہونے سے قلب پر بار ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کام بھی ہو، وقت پر ختم ہو جائے، دل ایک طرف ہو۔ اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ کام اسی قدر پیش آوے، جو روز کے روز ختم ہو جائے، اسی وجہ سے کوشش کر کے روز کا کام روز ختم کر دیتا ہوں۔ مگر اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ وہ ختم ہوتا ہے تو دوسرا آ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے فراغ میسر نہیں ہوتا۔ لیکن اس کی تمنا بہت دنوں سے ہے کہ اپنے کو فارغ کروں۔ بلکہ کانپور سے تعلق قطع کر کے یہی نیت کر کے چلا تھا کہ اپنے کو فارغ رکھوں گا۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، وہی ہوتا ہے۔ اور وہی بندہ کے لیے خیر ہوتا ہے۔ اور اس فراغ سے میری دو غرض ہیں، ایک دنیا کی اور ایک دین کی؛ دنیا کی تو یہ ہے کہ دماغ کو آرام ملے۔ اور دین کی یہ کہ کچھ اللہ اللہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اب تک مجھے اس کے لیے کوئی وقت ہی نہیں ملا۔ اور چونکہ زیادہ جی کو اسی

طرف لگا ہوا دیکھتا ہوں، اسی وجہ سے لوگوں سے لڑائی ہوتی رہتی ہے کہ وہ الجھی ہوئی بات کہہ کر میرے قلب کو مشغول رکھنا چاہتے ہیں۔ اور میں فارغ رکھنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ بھئی صاف بات کیوں نہیں کہتے؟ جس سے قلب جلدی فارغ ہو۔ گول مول بات سے الجھن ہوتی ہے۔ باقی یہ خبر نہیں کہ یہ جو اپنے لیے تجویز کیا ہے، وہ خیر ہے یا شر۔ مگر طبعاً جی چاہتا ہے کہ فراغ نصیب ہو۔ دو چار احبابِ خاص پاس رہیں۔ جب کبھی جی چاہے ان میں جا بیٹھا۔ اور باقی تمام وقت اللہ اللہ میں صرف ہو۔ (جلد۸۔ص:۲۸۳)

آج کل کے مدعیانِ محبت کا حال:

ایک خط کے جواب کے سلسلہ میں فرمایا کہ آج کل کے مدعیانِ محبت کی یہ حالت ہے کہ جہاں کسی دوسرے نے کچھ کہہ دیا مذبذب ہو گئے۔ بھلا جس شخص سے محبت ہو، اول تو اس کی نسبت شبہہ کا ہونا ہی مشکل ہے۔ اور اگر ہو بھی تو محبت والا تو اس کو خود بخود دفع کر دیتا ہے۔ اور اگر خود دفع نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے حل کر لیا جائے۔ یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ جس کے متعلق شبہہ ہو اس ہی سے سوال کیا جائے۔ (جلد۸۔ص:۲۹۱)

اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اللہ کی نعمت ہے اور بڑی نعمت ہے کہ قلب میں تشویش نہیں۔ غصہ تو ہے، مگر تشویش سے قلب خالی ہے۔ غصہ کا یہ ہے کہ آیا اور ختم ہو گیا، قلب فارغ ہو جاتا ہے۔ میں اس کو حق تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ (جلد۸۔ص:۲۹۹)

میلانِ حُسن کو دبانا اصل کمال ہے:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر حسن کی طرف میلان نہ ہو تو یہ بڑا کمال ہے؟ فرمایا کہ جی نہیں، یہ تو کوئی کمال کی بات نہیں، کمال تو یہ ہے کہ میلان ہو اور پھر اس کو دبایا جاوے۔ اور اگر میلان نہ ہو تو تقوے کا نور کیسے پیدا ہو؟ تقوے کی ہنڈیا تو اس ہی سے تیار ہوتی ہے۔ اور اگر

میلان ہی نہ ہوتو بے حسی ہے جیسے دیوار۔ (جلد۸۔ص:۳۰۰۔۳۰۱)

بزرگان سلف پر اعتراض خطرناک ہے:

اکابر اور بزرگانِ سلف پر بدنیتی سے اعتراض کرنا بڑی خطرناک بات ہے۔ یہ میں نے اس لیے کہا کہ نیک نیتی سے اگر اختلاف کا درجہ ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ ایسا اختلاف تو ہر زمانہ میں ہوتا ہوا آیا ہے۔ (جلد۸۔ص:۳۰۲)

شہرت کی دوصورتیں ہیں:

شہرت کی دوصورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اختیار اور طلب سے حاصل ہو۔ یہ تو مضر ہے۔ اور ایک یہ کہ غیر اختیاری ہو۔ وہ نعمت ہے۔ بلکہ اس غیر اختیاری شہرت میں خاص حکمتیں ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ شہرت گمنامی سے بھی افضل ہوگی۔ اور عموماً اللہ کے بندے گمنام ہونا چاہتے ہیں۔ اور اپنے کو مٹاتے اور فنا کرتے رہتے ہیں۔ مگر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اور زیادہ مشہور ہوتے رہتے ہیں۔ باقی فی نفسہ مشہور پر مخلوق کا حسد اور طعن وغصہ بھڑکتا ہے۔......اور گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے۔ سو جہاں تک ہو سکے شہرت سے بچنے کی تدابیر کرتا رہے۔ اس پر بھی اگر شہرت ہوتو ہو۔ (ص:۳۰۸)

شیخ کی مجلس میں اختلافی فقہی مسائل کی تحقیق:

میرا یہ بھی تجربہ ہے کہ جو یہاں پر آ کر مسائل فقہی کی تحقیق کرتے ہیں وہ دوسرے مقصود [یعنی فیضِ باطن] سے بالکل محروم ہوتے ہیں۔ یہاں پر رہ کر اپنے کو مٹانا چاہیے، فنا ہو کر بیٹھنا چاہئے۔ اس طریق کا یہی ادب ہے کہ یہ بھی پتہ نہ چلے کہ یہ صاحبِ علم ہیں۔ اس طرز سے سوالات کرنے میں اپنے اظہارِ علم کی جھلک مارتی ہے کہ ہم بھی صاحبِ علم ہیں۔ اس سے بھی شرم آنا چاہیے۔ کچھ معلوم بھی ہے کہ ایسے سوالات سے فیض بند ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا مدار ہے بشاشت و انشراح قلب پر۔ اور ایسی باتوں سے تکدر اور انقباض ہو جاتا ہے۔ اس لیے فیض بند ہو جاتا ہے۔ بہت ہی نازک بات ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ شیخ سے کتاب نہیں پڑھنی چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں قیل وقال ہوتی ہے۔ اور یہ استاد شاگردی ہی میں مناسب ہے۔ پیری مریدی میں مناسب

نہیں۔ (جلد۸۔ص:۳۱۹۔۳۲۰)

صوفیاء سے عداوت رکھنا کیسا ہے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں صوفیاء پر علماء کو مقدم رکھتا ہوں۔ ہاں! یہ ضرور کہوں گا کہ یہ عشاق ہیں، عشاق کی شان میں گستاخی کرنا، ان سے عداوات کرنا، اذیت پہنچانا حسب حدیث (من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب) حق تعالیٰ سے جنگ خریدنا ہے۔

(جلد۸۔ص:۳۲۳)

عملیات میں عوام الناس کا غلو:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عملیات کے باب میں آج کل لوگوں کو از حد غلو ہو گیا ہے۔ حدود سے تجاوز کر کے آگے بڑھ گئے۔ عقائد تک خراب ہو گئے۔ ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت کوئی عمل جنات کی مسخر کرنے کا بھی ہے؟ فرمایا ہے۔ اور سہل ہے۔ مگر یہ بتلاؤ کہ تم بندہ بننے کے لیے پیدا ہوئے ہو یا خدا بننے کے لئے؟ کہ اس کی مخلوق کو تابع بناتے ہو۔ پھر [حضرت حکیم الامتؒ نے] فرمایا کہ خدا معلوم، کس دل سے مولانا نے یہ فرمایا تھا، جس سے میرے قلب سے عملیات کا خیال بالکل ہی مٹ گیا۔ ان حضرت کی عجیب محققانہ شان تھی۔ (جلد۸۔ص:۳۲۸)

دعا مانگنا عمل پڑھنے سے افضل ہے:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دعا مانگنا زیادہ افضل ہے یا عمل پڑھنا؟ فرمایا کہ دعاء کرنا افضل ہے۔ حضورﷺ نے کبھی کوئی کلام عمل کے طور پر نہیں پڑھا۔ بلکہ دعا ہی کی ہے۔ گو بعد کے لوگ ان دعاؤں کو عمل کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ اور علیٰ سبیل التنزل غالب شغل تو [آپؐ کا بہرحال] اس کا نہ تھا غالب معمول دعا ہی کا تھا۔ (جلد۸۔ص:۳۲۸۔۳۲۹)

مرض باطنی کا ایک سہل علاج:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں جو کسی مرضِ باطنی کے متعلق تھا، فرمایا کہ اس کا

تو بہت سہل علاج ہے، کہ جب کسی خرابی میں نفس کو مبتلا دیکھا، اس پر وعظ میں ایک مضمون بیان کر دیا۔ اس ترکیب سے ان شاء اللہ تعالیٰ فوراً فضل ہوگا۔ یہ میرا تجربہ ہے اور میں نے ایسا کیا ہے کہ جہاں نفس میں کوئی گڑبڑ دیکھی وعظ میں اس پر ایک مضمون بیان کر دیا۔ فوراً فضل ہو گیا۔ اس لیے کہ اس کے بعد خلاف کرنے سے شرم معلوم ہوتی ہے، کہ منبر پر بیٹھ کر دوسروں کو تو نصیحت کی اور خود عمل نہ ہو۔ اس لطیف تدبیر سے ان شاء اللہ تعالیٰ بڑا نفع ہوگا، کر کے دیکھنے کی چیز ہے۔ (جلد ۸۔ص:۳۳۵)

فناء کی دو قسمیں اور وحدۃ الوجود کی آسان تشریح:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اپنے علوم کے مٹانے کے یہ معنیٰ نہیں کہ خود علوم مٹ جائیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ علوم پر نظر کر کے جو دعوی [پیدا ہوتا] ہے وہ مٹ جائے۔ اور فناءِ رذائل کے معنے یہ ہیں کہ وہ رذائل مضحل ہو جائیں۔ تفصیل مقام کی یہ ہے کہ فناء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فناءِ حسی، ایک فناءِ علمی۔ فناءِ حسی رذائل کی ہوتی ہے۔ یعنی وہ رذائل ہی فنا ہو جاویں۔ مگر بمعنیٰ معدوم ہو جانے کے نہیں، بلکہ بمعنے اضمحلال کے۔ مثلاً کبر وریاء، بخل وحسد، کینہ وبغض و عداوت وغیرہا۔ ان کا ازالہ بمعنیٰ اعدام مقصود نہیں۔ بلکہ ان کا اِمالہ مقصود ہے۔ یعنی ان کا مادہ گو باقی رہے، مگر ان کا مصرف بدل دیا جاوے۔ مثلاً پہلے غصہ غیر محل میں ہوتا تھا اب محل میں ہونے لگا۔ اور غیر محل میں نہ ہونے کے معنیٰ بھی یہ نہیں کہ زوال ہی ہو گیا۔ بلکہ معنے یہ ہیں کہ اضمحلال ہو گیا۔ یعنی داعیہ اتنا ضعیف ہو گیا کہ مقاومت آسان ہو گئی۔

اور فناءِ علمی [اپنے اندر] وجودِ کمالات اور تمام کائنات ماسوی اللہ کے ہوتی ہے۔ یعنی یہ چیزیں اصلی حالت پر بعینہا باقی رہتی ہیں، مگر ان کی طرف التفات نہیں رہتا۔ علم بمعنے التفات منفی ہو جاتا ہے۔ پس ان کے مٹ جانے کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ ان کی طرف التفات نہ رہے۔ اور یہی حقیقت ہے وحدۃ الوجود کی۔ جس کو ایک بہت برے عنوان سے جہلاء نے پیش کیا ہے۔

میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ اس سے وحدۃ الوجود کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آجاوے گی۔ اور اس مسئلہ سے جو وحشت ہے وہ جاتی رہے گی۔ دیکھئے ایک تحصیلدار کرسی پر بیٹھے ہیں۔ بڑے طنطنہ سے احکام ہو رہے ہیں کہ اس کو پکڑ لاؤ۔ اس کو بند کر دو۔ کہ دفعتاً کلکٹر تحصیل

میں آ گیا۔ اب یہ تحصیلدار اپنے کو کیا سمجھے گا۔ یہی سمجھے گا کہ ہوں تو تحصیلدار مگر کلکٹر کے ہوتے ہوئے کوئی چیز نہیں۔ ایسے ہی کلکٹر اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا احکام کا اجراء کررہا تھا، کہ دفعتا وایسرائے پہنچ گیا۔ اور اب وہ کلکٹر کلکٹر ہے لیکن وایسرائے کے سامنے گویا اس کا وجود ہی نہیں۔ اب اگر یہ ماتحت حکام وایسرائے کے ہوتے ہوئے اِس کا قصد بھی کریں کہ اُسی لہجہ اور طنطنہ کا استعمال کریں تو ہو نہیں سکتا۔ بس اِس غلبہ اور استحضار کا نام وحدۃ الوجود ہے۔ اس میں اپنا وجود بایں معنی فانی ہو گیا کہ ایک بڑی ہستی کے ایسے استحضار سے اس کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا۔ گویا وہ وجود رہا ہی نہیں، وہی ایک بڑا وجود رہ گیا۔ اس لیے وجود کی وحدت کا حکم کردیا گیا۔ دوسری مثال لیجئے کہ ابر میں سے ایک قطرہ پانی کا چلا، جس کو اپنی ہستی پر نظر بھی تھی۔ مگر جس وقت سمندر پر آتا ہے۔ اپنے کو بے حقیقت کالعدم پاتا ہے۔ تیسری مثال لیجئے: شب میں جگنو کی چمک سب کو معلوم ہے۔ اسی طرح چراغ کی روشنی کو سب جانتے ہیں۔ لیکن جب آفتاب رونما ہوتا ہے یہ سب بمنزلہ معدوم کے ہو جاتے ہیں۔ دن کو چراغ جلائیے، اس کے متعلق مثنوی میں ہے کہ چراغ کا شعلہ ہے، مگر اس قدر ضعیف النور کہ گویا معدوم ہے۔ مختلف اعتبار سے باقی بھی ہے اور فانی بھی ہے۔ یعنی ذات کے اعتبار سے تو باقی ہے۔ اور آثار وانوار کے اعتبار سے فانی ہے۔

یہ ہے وحدۃ الوجود۔ جس کے نام سے لوگوں کو وحشت ہے۔ اور جب اس کی صحیح تفسیر معلوم ہوگئی تو میں کہتا ہوں کہ بدون وحدۃ الوجود کے کوئی شخص مومن کامل ہی نہیں بن سکتا۔ اس پر اعتراض صرف جہل ہے۔ اب بحمد اللہ یہ مسئلہ بے غبار ہو گیا۔ (جلد ۸۔ ص: ۳۴۱۔۳۴۲)

غم وکلفت اور پریشانی دور کرنے کا مراقبہ:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس قدر کنج وکاوش اور رنج وغم کی کونسی ضرورت ہے۔ میں اکثر ایک مراقبہ کا بیان کیا کرتا ہوں، جس میں تمام غموں اور کلفتوں اور پریشانیوں کا علاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر یہ مستحضر ہو جائے کہ حق تعالیٰ مجھ کو چاہتے ہیں (اور یہ واقعہ بھی ہے کہ وہ ہر مومن سے محبت کرتے ہیں "واللہ ولی المؤمنین" نص ہے) تو تمام غموم کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کو کوئی کر کے دیکھے، معلوم ہوگا کہ تمام غم اور حزن ھباءً منثوراً ہو گئے یا نہیں۔

اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ بچہ کو یہ اعتماد ہوتا ہے کہ ماں کو مجھ سے محبت ہے۔ مجھ کو چاہتی ہے پھر ماں بہت سی باتیں ناگوار بھی کرتی ہے۔ مار پیٹ تک کر لیتی ہے۔ لیکن اس ناگوار باتوں کے ہوتے ہوئے بھی بچہ کو اطمینان ہوتا ہے۔ اور ماں کی محبت کی ایک خاص شان ہوتی ہے، کہ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتی کہ بچے کو میری قدر بھی ہوگی یا نہیں۔ برابر بچہ کو نفع پہنچاتی رہتی ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بندہ کو نفع پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان کو بھی اس کی پرواہ نہیں کہ بندہ قدر کرے گا یا نہیں۔ بس ایسی محبت کا مراقبہ کیا کرے۔

یہ میں ساری عمر کا تجربہ بیان کر رہا ہوں۔ جس قدر نفع اس مراقبہ سے ہوسکتا ہے غالباً اور کسی مراقبہ سے نہیں ہوسکتا۔ اس میں سارے غموں کا ازالہ ہے۔ کوئی غم ہو پریشانی یا رنج ہو سب کا علاج اس مراقبہ میں ہے۔ عجیب وغریب مراقبہ ہے۔ لیکن کر کے دیکھنے کا ہے۔ بدون کئے کوئی کام نہیں ہوا کرتا۔ (جلد ۸۔ ص: ۳۵۲)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد نہم

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا خلوص:

ایک مرتبہ دہلی میں آمین بالجہر پر کسی مسجد میں کسی مسافر شخص پر سختی کی گئی۔ حضرت مولانا شہید صاحبؒ نے یہ دیکھ کر آمین بالجہر کہنا شروع کر دیا، کہ مجھ کو کوئی روکے، میرے ساتھ سختی کرے۔ لوگوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے عرض کیا کہ آپ مولانا اسمٰعیل صاحب کو منع کر دیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر منع کرنے پر انہوں نے حدیث پیش کر دی، تو میں کیا کروں گا؟ تم میرے سامنے ان سے گفتگو کرو۔ میں غالب کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ ان سے کون گفتگو کرتا؟ پھر یہی شکایت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے کی۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے حضرت مولانا شہیدؒ سے کہا کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ عوام میں شورش ہوتی ہے۔ مولانا شہید صاحبؒ نے جواب دیا کہ جو مردہ سنت کو زندہ کرے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ چونکہ یہ سنت مردہ ہو چکی ہے، میں اس کو زندہ کرتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت شہید صاحبؒ کو جو جواب دیا، میں اس جواب پر شاہ [عبد القادر] صاحبؒ کا بے حد معتقد ہو گیا۔ عجیب ہی جواب ہے۔ یہ فرمایا کہ اسمٰعیل ہم تو سمجھے تھے کہ تم مولوی ہو گئے۔ مگر معلوم ہوا کہ سمجھ کچھ نہیں آئی۔ یہ حدیث اس سنت کے باب میں ہے جس کے مقابلہ میں بدعت ہو۔ اور جس کے مقابلہ میں بھی دوسری سنت ہو، وہ حدیث میں مراد نہیں۔ تو ایک

سنت کا بھی زندہ رہنا سنت کا زندہ رہنا ہے۔ چونکہ وہ حضرات مناظر نہ تھے، حضرت مولانا شہید صاحبؒ نے مان لیا۔ جی کو یہ بات لگ گئی۔ قیل وقال کرنا ہوتا تو بہت گنجائش تھی۔ گو عمل کا تبدیل کرنا تو نہیں سنا۔ مگر جواب کچھ نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا ہر کام خلوص پر مبنی تھا اب یہ باتیں کہاں؟ (جلد۹۔ص:۲۰۔۲۱)

شیخ سے بے تکلفی میں ضرورتِ اعتدال:

فرمایا کہ شیخ سے بے تکلفی کا وہ درجہ مطلوب اور مفید ہے، جو درجہ بے حجابی تک ہو۔ مطلب یہ کہ حجاب نہ رہے۔ نہ کہ ایسی بے تکلفی کہ گستاخی اور بے ادبی تک نوبت پہنچ جائے۔ ہر چیز کے حدود اور آداب ہیں۔ اور یہ سب باتیں چند روز صحبت میں رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (ص:۲۲)

مصائب میں حکمتیں پوشیدہ ہیں:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مصائب میں جو حکمتیں ہوتی ہیں، وہ حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ اگر بندہ کو معلوم ہو جائیں تو وہ مصائب کی تمنائیں کرے اور دعائیں کرے۔ جب اس میں حکمت ہے، تو ہر مصیبت میں یہ استحضار کرے [یعنی سوچا کرے] کہ اس میں میرے لیے حکمت ہے۔

...حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے تو ان کے کسی تصرف [اور فیصلے] میں کسی سوال کا وسوسہ ہی نہ ہوگا۔ اب یہ بات رہ گئی کہ اللہ سے کیسے تعلق پیدا ہو، اس کا طریق یہ ہے کہ اللہ والوں سے تعلق پیدا کرو۔ اور یہی ایک ذریعہ ہے تعلق مع اللہ کا۔ اور یہ تعلق مع اللہ ہی اس [وساوس اور پریشانی کے] سلسلہ کو منقطع کرسکتا ہے۔ (جلد۹۔ص:۲۶)

نفس کا کید:

فرمایا کہ نفس بری بلا ہے۔ اس سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ عجیب بات ہے کہ جس قدر انسان ریاضات مجاہدات عبادات میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی قدر اس [نفس] کے اندر بھی ادراک کی ایک لطافت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور اس لطافت سے اس کے کید بھی نہایت لطیف صورت

میں پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس لیے یہ بڑی ہی خطرناک چیز ہے۔ اور اس کا علاج بجز قوت اور ہمت کے کچھ نہیں۔ شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے، مغلوب ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ظالم بجز مقابلہ کے ،اور وہ بھی جو ہمت اور قوت سے ہو، قبضہ میں نہیں آتا۔ اور ایک چیز سے تو یہ بالخاصہ بہت جلد پھول کر گدھا بن جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جب اس کی مدح کی جاتی ہے۔ اس لیے بزرگوں نے اس مدح سے بچنے کی خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ کوشش کی ہے۔ مدح سے اس میں فرعونیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ فرعون ہو جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

نفس از بس مدح ہا فرعون شد ☆ کن ذلیل النفس ہونا لاتسد

(جلد۹۔ص:۲۶۔۲۷)

غیر متقی کا شیخ ہونا ممکن ہے:

جس طرح تقویٰ شرطِ برکت ہے شیخ کے لیے، اسی طرح اور بھی بعض چیزیں اسی برکت کی شرط ہیں۔ مثلاً شیخ کا کوئی وقت خلوت کا معمول نہ ہو تو اسکی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔ ﴿**ان لک فی النهار سبحا طویلا. واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا**﴾ تبتل سے پہلے ﴿**ان لک فی النهار سبحا طویلا**﴾ فرمایا۔ یعنی دن میں کام زیادہ رہتا ہے اور اس وجہ سے ذکر و تبتل کے لیے فراغ نہیں ہوتا، اس لیے شب کا وقت اس کے واسطے تجویز کیا گیا۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ برکتِ تعلیم کے لیے ضرورت ہے نور کی۔ اور نور پیدا ہوتا ہے ذکر کامل سے۔ اور ذکر کامل کے لیے ضرورت ہے خلوت کی۔ (جلد۹۔ص:۲۸)

اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے:

میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض کہتا ہوں۔ اور فتویٰ دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں اہل اللہ اور خاصانِ حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنا فرض عین ہے۔ جیسے نماز، روزہ وغیرہ فرض عین ہیں۔ اس لیے کہ ایمان کی سلامتی کا جو ذریعہ ہوگا، اس کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ (جلد۹۔ص:۳۵)

مطالعۂ تربیت السالک کے ساتھ کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق کی ضرورت:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تربیت السالک ایک جگہ جمع ہو کر چھپ گئی۔ اب تو صرف اتنی ضرورت ہے کہ کسی بزرگ سے تعلق پیدا کر لے۔ اور [طریق سے] مناسبت ہو جانے کے بعد کچھ تھوڑی سی تعلیم حاصل کر کے، اُس کو لے کر بیٹھ جائے۔ [دینی فہم رکھنے والے کو] پھر ضرورت نہیں کسی کی اس میں سب کچھ ہے۔ (جلد ۹۔ص:۳۶)

قادیانیوں اور شیعوں کے کفر کی حقیقت:

ایک مولوی صاحب نے قادیانی فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے، حضرت والا سے عرض کیا کہ بعض مسلمان بھی قادیانیوں کو کافر نہیں سمجھتے، اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ فرمایا کہ نہ سمجھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ یہ کہیں کہ ان کے یہ عقائد ہی نہیں، جن کی بناء پر اُن کو کافر کہا جاتا ہے۔ اور ایک یہ کہ یہ عقائد ہیں، مگر پھر بھی وہ کافر نہیں۔ تو اب ایسا سمجھنے والا شخص بھی کافر ہے، جو کفر کو کفر نہ کہے۔ مگر احکامِ قضا میں کافر ہے۔ باقی احکام دیانت میں خدا کو معلوم ہے، شاید اس کے ذہن میں کوئی وجہِ بعید ہو۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے شیعوں کے متعلق مجھ سے سوال کیا۔ میں نے کہا کہ کافر قطعی کے متعلق بھی یہی بات ہے، کہ وہ احکام قضاء میں کافر ہے۔ حقیقت تو یہی ہے۔ مگر ان فرقوں میں اور کفار کی دوسری جماعتوں میں فرق یہ ہے کہ شیعہ اور قادیانی اپنے کو [اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور] کفر کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اور دوسری جماعتیں اپنے کو [اسلام کی طرف منسوب نہیں کرتیں اور] کفر کی طرف منسوب کرتی ہیں۔

شیعوں کی تکفیر سے حضرت حکیم الامتؒ کا اتفاق:

ایک مولوی صاحب نے شیعوں کے متعلق اہل فتوی پر اعتراض لکھا ہے کہ اپنے لوگوں کو کافر بنایا جاتا ہے۔ میں نے لکھا کہ بنایا نہیں جاتا بتایا جاتا ہے۔ ایک نقطہ کا فرق ہے یعنی کافر تو وہ خود بنے ہیں۔ صرف بتلا دیا جاتا ہے۔ (جلد ۹۔ص:۳۷)

صوفیاء اعمال کی تکمیل کرتے ہیں:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ اصلاح اور تربیت کا بڑا مہتم بالشان کام ہے، اسی کو حضرت والا نے انجام فرمایا۔ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں! یہ مہتم بالشان اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اور جگہ یہ کام نہیں ہو رہا۔ ورنہ حقیقت کے اعتبار سے تو یہ بات ہے کہ میں علماء کی منصبی خدمات کو بہ نسبت صوفیہ کی خدمت کے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ علماء شعائر کے خادم ہیں اس لیے میں ہمیشہ صوفیہ سے علماء ہی کو افضل سمجھتا ہوں اور ان کی ہی خدمت کو اعلیٰ سمجھتا ہوں۔ صوفیہ کی خدمت کی حقیقت علماء کی خدمت کے سامنے یہ ہے کہ جیسے وضوء میں کسی شخص نے بجائے تین مرتبہ پانی ڈالنے کے دو مرتبہ ڈالا۔ کسی صوفی نے پہنچ کر ایک مرتبہ اور ڈالوا دیا تین مرتبہ ہو گیا۔ یعنی صوفیہ اعمال کی تکمیل کرتے ہیں۔ باقی اصل خدمت علماء ہی کی ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ مجھ کو اول محبت محدثین سے ہے، دوسرے درجہ میں فقہاء سے، تیسرے درجہ میں صوفیہ سے۔ میں نے لکھا کہ مجھ کو اول صوفیہ سے، دوسرے درجہ میں فقہاء سے، تیسرے درجہ میں محدثین سے، اپنا اپنا ذوق ہے۔ مگر یہ ترتیب محبت میں ہے اور عظمت وجلالت میں صوفیہ کا درجہ سب کے بعد ہے۔ (جلد ۹۔ص: ۳۷۔۳۸)

کسی کافر کے مسلمان ہونے پر زیادہ اظہار خوشی مذموم ہے:

ایک صاحب نے ایک راجہ کے مسلمان ہونے کا ذکر حضرت والا سے ایسے طریق سے کیا کہ جس سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کے لیے ان کا مسلمان ہونا باعث فخر ہے۔ حضرت والا نے سن کر فرمایا کہ اگر ہفت اقلیم کا بادشاہ مسلمان ہو جاوے تو اس پر بھی ہرگز مسلمانوں کو فخر نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ مخواہ اس کا دماغ خراب کرنا ہے۔ (جلد ۹۔ص: ۴۱۔۴۲)

نفع کا مدار نیت پر ہے:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ [کسی شیخ کی صحبت سے] نفع تو ہوتا ہے مگر اس کے کچھ شرائط ہیں۔ منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ نفع کا مدار نیت پر ہے۔ حتیٰ کہ

شعائر اسلام تک تو بدوں نیت کے ہوتے نہیں۔ اور تو کیا کام ہوگا۔ دیکھیے نماز بدوں نیت کے نہیں ہوسکتی، روزہ بدوں نیت کے نہیں ہوسکتا۔ غرض نیت اعظم شرائط میں سے ہے نفع کے لیے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ نیت نفع کی کرے۔ پھر ان شاء اللہ نفع ہوگا ہی۔ (جلد ۹۔ص:۴۲)

ساری جد و جہد کا حاصل:

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ساری کوششوں اور جد جہد سے حاصل یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ میں رسوخ کامل ہوجائے [یعنی ایسی پختگی آجائے کہ اچھے اخلاق اور کام آسانی سے انجام پانے لگیں]۔ اور اخلاق رذیلہ کا امالہ ہوجائے [یعنی غصہ وغیرہ کا غلط جگہ پر ان کا ظہور نہ ہو صرف صحیح جگہ پر ہو]۔ ازالہ یعنی ان کا بالکلیہ ختم کرنا] مقصود نہیں۔ اس لیے کہ رذائل اپنی ذات کے اعتبار سے سب مذموم نہیں ہیں۔ جیسے بخل ہے، بغض ہے، شہوت ہے، عداوت وغیرہ وغیرہ، اپنی ذات کے اعتبار سے سب محمود ہیں۔ لیکن حدود سے گذر کر جب غیر محل میں ان کا استعمال ہوتا ہے، اس وقت مذموم ہوجاتے ہیں۔ (جلد ۹۔ص:۴۴)

نقصان کے وقت صبر و رضا کے دھیان کی ضرورت:

فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میری یہ حالت ہے کہ جب میرا کوئی دنیوی نقصان ہوجاتا ہے تو اس نقصان کی وجہ سے میرے دل میں ایک فکر سی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اس سے قلق اور صدمہ ہوتا ہے کہ دنیا کے نقصان کی وجہ سے فکر کیوں ہوئی۔ لہٰذا احقر کی اس حالت کا علاج فرمایا جاوے، تاکہ احقر کے اندر سے یہ بات دفع ہوجائے اور مجھ کو دنیا کے نقصان سے کچھ رنج نہ ہوا کرے۔ میں نے ان کو جواب لکھا ہے کہ دنیا کے نقصان سے جو فکر ہوجاتی ہے اس فکر کا دفع ہونا کمال نہیں، بلکہ اس فکر کے باقی رہتے ہوئے صبر و رضا سے کام لینا، کمال یہ ہے۔ لہٰذا صرف اس کا خیال رکھو کہ کوئی بات صبر و رضا کے خلاف نہ ہو۔ باقی اس کی فکر میں نہ پڑو کہ دنیوی نقصان سے رنج کیوں ہوتا ہے۔

(جلد ۹۔ص:۵۱۔۵۲)

ایک نہایت حیرت انگیز سچا واقعہ اور قوت متخیّلہ کے کرشمے:

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے ذریعہ سے جب چاہیں مردہ کی روح کو بلا سکتے ہیں۔تو کیا یہ صحیح ہے؟ فرمایا کہ بالکل غلط ہے۔جس زمانہ میں میں کانپور میں تھا، اس زمانہ میں طلسماتی انگوٹھیوں کا بہت چرچا ہو رہا تھا۔میں نے ایک ایسے شخص سے جو ہر قسم کے جلسوں میں آتے جاتے تھے کہا کہ تم ان واقعات کی تحقیق کر کے مجھ سے بیان کرو۔چنانچہ بعد تحقیق کے وہ آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ صاحب طلسماتی انگوٹھی سے بھی زیادہ عجیب بات معلوم ہوئی ہے۔وہ یہ کہ ایک عمل ایسا ہے کہ اس کے ذریعہ سے جس مردہ کی روح کو چاہیں بلا سکتے ہیں۔مجھ کو سن کر بہت بڑی حیرت ہوئی اور خود دیکھنا چاہا۔اس شخص نے کہا میں ان آدمیوں کو جو اس عمل کو کرتے ہیں، بلا کر لاؤں گا اور آپ کے سامنے یہ عمل کراؤں گا۔چنانچہ وہ لوگ ہمارے پاس آئے، یہ تین شخص تھے۔مگر ہم نے مدرسہ میں تو یہ شغل مناسب نہ سمجھا۔اس لیے ایک دوسری جگہ اس کام کے لیے تجویز کی۔اس مکان میں صرف چھ شخص تھے۔تین تو وہ عامل اور ایک میں اور میرے ساتھ ایک مدرسہ کے مہتمم اور ایک مدرس۔عصر کے بعد یہ اجتماع ہوا۔ان عاملوں نے ایک میز پر اس طرح وہ عمل کیا کہ دونوں ہاتھوں کو رگڑ کر میز پر رکھا اور ادھر متوجہ ہوئے۔تھوڑی دیر کے بعد خود بخود میز کا پایہ اٹھا۔انہوں نے کہا کہ لیجیے اب روح آ گئی۔انہوں نے کہا کہ تمہارا کیا نام ہے۔معلوم ہوا کہ تجمل حسین۔کوئی آواز نہ تھی، کچھ اصطلاحیں مقرر تھیں۔ان سے سوالات کے جوابات معلوم کرتے تھے۔اب لوگوں نے ایک مبتدع شخص کے لڑکے کی روح کو بلوایا اور اسی تجمل حسین کی روح کو مخاطب کر کے کہا کہ جاؤ اس شخص کی روح کو بلا لاؤ۔اور جب جانے لگو تو فلاں پایہ کو اٹھا جانا۔اور جب تم اس کو لے کر آؤ تو اپنے آنے کی اطلاع اس طرح کرنا کہ اس پایہ کو پھر اٹھا دینا۔چنانچہ فوراً پایہ اٹھا۔معلوم ہوا کہ روح کو لینے گیا ہے۔تھوڑی دیر بعد پھر پایہ اٹھا۔معلوم ہوا کہ جس روح کو بلایا تھا وہ بھی آ گئی۔اب ایسی ہی اصطلاحوں میں اس لڑکے کی روح سے سوالات کرنا شروع کیے۔اور اس کی طرف سے ایسی ہی اصطلاحوں میں جوابات دیے گئے۔

اب ہم ناواقف لوگ بڑی حیرت میں تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ ان لوگوں نے مجھ سے فرمائش

کی کہ اب آپ جس شخص کی روح کو بلوانا چاہیں، تو ہم سے فرمائیں، ہم اس شخص کی روح کو بلا دیں گے۔ چنانچہ میں نے حافظ شیرازیؒ کی روح کو بلوایا۔ وہی تجمل حسین سب روحوں کو بلا بلا کر لاتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح پایا پھر اٹھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت حافظ بھی تشریف لے آئے۔ میں نے کہا: السلام علیکم، اصطلاح میں جواب ملا وعلیکم السلام۔ پھر ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ حضرت حافظؒ کا کچھ کلام پڑھیے، ان کی روح خوش ہوگی۔ چنانچہ میں نے ان کی غزل **الا یا ایھا الساقی الخ** پڑھی تو میز کا پایا بار بار اور جلدی جلدی اٹھنے لگا۔ اس سے یہ سمجھا جانے لگا کہ گویا حافظ صاحب کی روح اپنا کلام سن کر خوش ہو رہی ہے۔ اور وجد میں آ رہی ہے۔ ہم لوگ بڑے تعجب میں تھے۔ اور کوئی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اتنے میں مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز پڑھنے کے لیے اٹھے۔ پھر اگلے روز ہم نے خود تجربہ کیا۔ اور اسی طرح ہاتھ رگڑ کر میز پر رکھے۔ اور ہم تینوں یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ فلاں پایہ اٹھے۔ چنانچہ وہی پایہ اٹھا۔ پھر یہ سوچا کہ اب کی مرتبہ فلاں فلاں دو پائے اٹھیں۔ چنانچہ وہ دونوں اٹھے۔ پھر تیسرے پائے کا خیال کیا تو وہ بھی اٹھنے لگا، لیکن ان دونوں میں سے جو پیشتر کے اٹھے ہوئے تھے ایک پایہ نیچے گر گیا۔ تینوں ایک ساتھ نہ اٹھ سکے۔ اس کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت تھی۔ پھر ہم نے میز پر بجائے ہاتھ کے صرف ایک انگلی رکھ کر اسی طرح پائے اٹھائے۔ پھر اس میز کے اوپر دوسری میز رکھی اور اس پر ہاتھ رکھ کر یہ سوچ کر کھڑے ہو گئے کہ اوپر والی میز کا فلاں پایہ اور نیچے والی میز کا فلاں پایہ اٹھ جائے، چنانچہ اسی طرح اٹھ گئے۔ غرض جس طرح چاہا اسی طرح پائے اٹھ گئے۔ اب ہمیں پوری طرح اطمینان ہو گیا۔ پھر ہم نے اسی قاعدہ کے موافق میز کو یہ خطاب کیا کہ اگر تجھ میں کوئی روح آتی ہے تو ایک بار فلاں پایا اٹھے۔ اور اگر نہیں آتی تو دو بار اٹھے چنانچہ دو بار اٹھا۔ تو خود انہی کے قاعدہ سے روح کے آنے کا غلط ہونا ثابت ہو گیا۔

اصل بات یہی ہے کہ یہ سب تصرفات خیال کے ہیں۔ اور ہاتھ رگڑنے کی یہ مصلحت ہے کہ رگڑ سے قوت برقیہ منتعش و مشتعل ہوتی ہے اور وہ معین ہو جاتی ہے۔ ہاتھ یا انگلی اس لیے رکھی جاتی ہے کہ اس سے خیال کو بہت مدد ملتی ہے۔ اگر زیادہ مشق بڑھائی جاوے تو پھر ہاتھ یا انگلی رکھنے کی بھی ضرورت نہ رہے۔ محض خیال کرنے سے پایا اٹھ سکتا ہے۔ پھر تو یہ ہوا کہ ہم نے سب طالب علموں سے یہ عمل کرایا۔ اب جو شخص ہاتھ رکھ کر بیٹھتا ہے اسی کے ہاتھ سے پایا اٹھ جاتا ہے۔ ساری حقیقت کھل گئی۔

ان سارے واقعات کے بعد اتفاق سے مدرسہ کا جلسۂ فراغ تھا جس میں ظاہر تھا کہ معمول سے زیادہ آدمی آنے والے تھے۔ مگر مقدار زیادتی کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ہم نے کہا کہ لاؤ اس عمل سے یہ معلوم کریں کہ آج جامع مسجد میں جس میں جلسہ تھا کتنی صفیں ہوں گی؟ چنانچہ یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ جتنی صفیں ہوں اتنی ہی بار پایہ اٹھ جائے۔ پایہ گیارہ بار قوت سے اٹھا اور بارہویں مرتبہ ہلکا سا اٹھا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ بارہویں مرتبہ تھوڑا اٹھ کر رہ گیا۔ پھر خود ہی احتمال ہوا کہ شاید اس کا مطلب ہو کہ گیارہ صفیں تو پوری ہوں گی اور بارہویں صف پوری نہ ہوگی۔ نماز ختم ہوتے ہی دعا مانگنے سے بھی پہلے میں نے اٹھ کر صفیں گنیں تو واقعی گیارہ صفیں پوری تھیں۔ اور بارہویں صف پوری بھری ہوئی نہ تھی۔ اس واقعہ سے بڑی حیرت ہوئی کہ اس صحیح جواب کی کیا بناء تھی؟ دوسرا عجیب واقعہ یہ ہے کہ ایک قلمدان میں بہت سے قلم جن کی گنتی معلوم نہ تھی اور ایک پرکار رکھا ہوا تھا، اس کی تعداد معلوم کرنے کے لیے عمل کیا تو اکیس مرتبہ پایہ اٹھا۔ گنے تو معلوم ہوا کہ انیس تو قلم تھے اور ایک پرکار تھا کل بیس عدد تھی۔ تعجب ہوا کہ ایک مرتبہ زیادہ اٹھا سمجھ میں آیا کہ پرکار میں دو پھل ہوتے ہیں اس لیے ایک کے بجائے دو بار اٹھا۔ پھر فرمایا کہ صفوں کے اور قلمدان کے دو واقعے عجیب ہیں باقی سب واہیات۔...... بہرحال یہ سب کرشمے قوت خیالیہ کے ہیں اس میں کسی روح کا دخل نہیں۔

اس کی ایک تائید عرض کرتا ہوں۔ کہ ایک بار ایک صاحب کا خط آیا جن کا دعویٰ تھا کہ مجھ کو ارواح سے ملاقات ہوتی ہے۔ اور سوالات کا جواب ارواح سے معلوم کر لیتا ہوں۔ تو انہوں نے لکھا تھا کہ بعض مرتبہ کسی امر میں تردد ہوتا ہے اور اس کا جواب میں اسی عمل کے ذریعہ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں تو اس کا جواب کچھ نہیں معلوم ہوتا، نہ نفی میں نہ اثبات میں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی دلیل ہے اس کی کہ اس عمل کے ذریعہ سے جو جواب معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہاں کوئی روح آکر جواب دیتی ہے، بلکہ یہ سب اس عامل کی قوت متخیّلہ کا اثر ہوتا ہے، اس لیے جس بات میں تردد ہوتا ہے تو ایک خیال دوسرے کی تاثیر کو مانع ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت دونوں خیالوں میں سے کسی کا اثر بھی خارج میں نہیں پڑتا۔ اس لیے جواب بھی کچھ نہیں آتا۔ اور اگر وہ جواب روح کا ہوتا تو اس جواب پر اس عامل کے تردد کا کوئی اثر نہ پڑتا۔ کیونکہ روح کے علم میں اس کے تردد کا کیا دخل؟ بلکہ

عین تردد کی حالت میں بھی اسی طرح جواب مل جاتا۔ جیسے عدم تردد کی حالت میں ملتا۔ پھر فرمایا کہ یہی حال طلسماتی انگوٹھیوں کا بھی ہے، کہ اس کے متعلق جو دعوی کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر چور کا پتہ چل جاتا ہے بالکل غلط ہے۔ بلکہ یہ سب اسی قوت خیالیہ کا اثر ہوتا ہے۔ کہ پاس بیٹھنے والے جو ہوتے ہیں انہی کی قوت خیالیہ کا اثر اس انگوٹھی کے دیکھنے والے پر پڑتا ہے۔ چنانچہ ان پاس والوں کو جس شخص پر شبہ ہوتا ہے اس کی صورت اس انگوٹھی میں دیکھنے والے کو نظر آجاتی ہے پس سمجھ لیا جاتا ہے کہ انگوٹھی میں کوئی اثر یا قوت ہے۔ جس سے چور کا پتہ لگ گیا۔ حالانکہ وہ سب ان پاس بیٹھنے والوں کے متخیّلہ کا عکس ہوتا ہے۔ ایک شخص کے متخیّلہ کا دوسرے پر عکس پڑنے کی، اگرچہ اس کا قصد بھی نہ ہو، ایسی مثال ہے کہ جیسے اگر کوئی شخص آئینہ کے پاس کھڑا ہو تو اس کی صورت کا عکس آئینہ پر پڑے گا، اگرچہ اس شخص کو اس کی خبر بھی نہ ہو، کہ میری صورت کا عکس آئینہ پر پڑ رہا ہے۔ پس اسی طرح جب ایک ذہن کی محاذاۃ دوسرے ذہن سے ہوتی ہے، تو ایک کا عکس دوسرے پر خود بخود پڑتا ہے۔ کیونکہ جیسے آئینہ میں خاصیت ہے انعکاس کی، اسی طرح حق تعالی نے اذہان کے اندر بھی خاصیت رکھی ہے انعکاس اور انطباع کی۔ اور اسی خیال کی تقویت کے لیے اس انگوٹھی میں دیکھنے والا ایسا تجویز کیا جاتا ہے جو بچہ ہو۔ کیونکہ بچہ کا متخیّلہ مختلف خیالات سے خالی ہونے کے سبب اور سادگی کے سبب زیادہ اثر قبول کرتا ہے، بہ نسبت کسی بڑے شخص کے، جس کے ذہن میں سذاجت کم ہو۔ اور یہی حکمت ہے اس میں کہ اس انگوٹھی کا نگینہ عادۃً سیاہ رنگ کا رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ سیاہ رنگ کے اندر خاصیت ہے نظر کی شعاعوں کے مجتمع کرنے کی اور یہ اجتماع معین ہوتا ہے خیال کی یکسوئی میں۔ اور یکسوئی کی حالت میں ذہن زیادہ کام کرتا ہے۔ بخلاف سفید رنگ کے کہ اس سے شعاعوں کو انتشار ہوتا ہے جس کی وجہ سے معمول کا متخیّلہ منتشر ہو کر پورے طور پر کام نہیں کرتا۔

پھر فرمایا کہ توجہِ متعارف اور تصرفات جن کو لوگ آج کل بزرگی میں داخل سمجھتے ہیں انکا منشاء بھی یہی قوت خیالیہ ہے کہ شیخ کی قوت خیالیہ مرید کے اندر مؤثر ہوتی ہے۔ اور چونکہ ان امور کا منشا قوت خیالیہ ہے نہ کہ قرب وقبول عند اللہ، یعنی اس کام کو ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کے خیال میں ایک گونہ قوت ہو، خواہ وہ قوت اس نے مشق سے پیدا کی ہو یا اس کے اندر فطری ہو، اس لیے ایسے

امور کو ہمارے بزرگوں نے کبھی کمال نہیں سمجھا۔ اور یہ بات نہ تھی کہ ایسے امور میں ہمارے بزرگوں کو دخل نہ تھا۔ بلکہ خود ہم نے بعض حضرات کا مشاہدہ کیا ہے کہ ان کو ایسے امور میں بھی کافی دسترس تھی۔

چنانچہ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں ایک صاحب دہلی سے تشریف لاتے تھے، تو مولانا ان کو بعد مغرب توجہ دیا کرتے تھے۔ اور وہ صاحب مچھلی کی طرح تڑپا کرتے تھے۔ مولانا تو توجہ دے کر ان کو جدا کر دیتے تھے، مگر ان صاحب پر مولانا کی اس توجہ کا بہت دیر تک برابر اثر رہتا تھا۔ ہم لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں ان صاحب کے چوٹ نہ لگ جائے۔ اس لیے ہم ان کو پکڑتے تھے، تو مولانا نے ہم کو منع فرمایا کہ پکڑو مت۔ ہاں اس کا خیال رکھو کہ یہ کہیں اونچے نیچے میں نہ جا پڑیں۔ باقی رہی چوٹ جس کا تم کو اندیشہ ہے تو چوٹ تو ان کے لگ چکی ہے۔ اب کیا لگے گی؟

پھر حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ اس عمل توجہ سے توجہ دینے والے کے قویٰ طبعیہ پر بہت اثر پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ توجہ دینے والے کے بیمار پڑنے کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مدرسہ دیوبند میں ہمارے قیام کے زمانہ میں مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ، مدرسہ کے طلبہ کو توجہ دیا کرتے تھے۔ تو مولانا رفیع الدین صاحب بیمار پڑ گئے۔ جب مولانا محمد یعقوب صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب کو ایسا نہ کرنا چاہیے۔ یہ طلبہ یہاں مدرسہ میں پڑھنے آئے ہیں یا توجہ لینے آئے ہیں۔

پھر حضرتؒ نے جو اوپر عمل مذکور وغیرہ کے متعلق واقعات اور اپنے تجربے بیان فرمائے ہیں، ان کے متعلق فرمایا کہ ان لہو ولعب سے یہ فائدہ ہوا کہ یہ معلوم ہو گیا کہ ان چیزوں میں کچھ نہیں، محض دھوکہ اور واہیات ہے۔ اور گو ان چیزوں کا تجربہ جو میں نے کیا یہ فی نفسہ مباح تھا، کوئی گناہ نہ تھا، مگر چونکہ اہل باطل ہی ان اعمال کو کرتے ہیں اور ان کے یہاں ان اعمال کا خاص طور پر مشغلہ ہے، اس لیے میں جو اس عمل میں ذرا دیر مشغول رہا، تو اس مشغولی سے مجھ کو اس قدر ظلمت محسوس ہوئی کہ اس ظلمت کی مجھ کو برداشت نہ ہو سکی۔ اور میں پریشان ہو گیا۔ آخر میں نے چاہا کہ کس طرح اس ظلمت کو دفع کروں؟ تو سوچا کہ اس ظلمت کی وجہ محض یہ ہے کہ اہل باطل کے ایک عمل کے اندر مشغولی رہی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ العلاج بالضد تو اہل نور کی صحبت اس کا علاج ہے۔ پس کچھ عرصہ اہل نور کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔ تو

اس وقت زندوں میں تو کوئی ایسا قریب موقع میں ملا نہیں، کہ کچھ عرصہ تک اس کی صحبت اختیار کی جاتی۔ لہذا پھر یہ کیا کہ بزرگوں کے مزارات پر گیا۔ چنانچہ وہاں تین کوس کے فاصلہ پر ایک بزرگ کا مزار ہے، وہاں گیا تب وہ ظلمت رفع ہوئی۔ (جلد ۹۔ص:۵۶۔۶۲)

کبھی اپنے نفس سے غافل نہ ہونا:

فرمایا: اس طریق باطن میں سب سے اہم چیز نفس کی اصلاح ہے۔ یعنی خواہ کوئی مرید ہو یا شیخ کسی شخص کو اپنے نفس کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ جیسے ایک مرید پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اسی طرح شیوخ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے نفس کی دیکھ بھال کرتے رہیں۔ اس طریق میں یہ اصلاح نفس ایک ایسا کام ہے کہ جو ساری عمر کا دھندا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اول تو آج کل شیوخ اپنے آپ کو اصلاح سے مستغنی سمجھتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ اور جن شیوخ کو اپنے نفس کی نگرانی کی طرف کچھ توجہ بھی ہوتی ہے تو ان کے اندر ایک دوسری کمی ہے، وہ یہ کہ وہ اپنے نفس کے متعلق ہر موقعہ پر اپنی رائے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور خواہ ان کو اپنی باطنی حالت کے متعلق کتنا ہی بڑے سے بڑا اشکال پیش آئے اور خواہ وہ اشکال ان سے پورے طور پر حل بھی نہ ہو سکے، مگر پھر بھی خود ہی اپنی اس حالت کے متعلق کچھ تجویز کر کے اسی کو کافی سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس پر قناعت کر لیتے ہیں۔ اور کسی دوسرے پر اس اشکال کو ظاہر نہیں کرتے اور اس سے اس اشکال کو حل نہیں کرتے۔ حالانکہ طب ظاہری میں ہر شخص جانتا ہے کہ ایک طبیب خواہ وہ کتنا ہی بڑا طبیب ہو مگر اپنا علاج خود نہیں کر سکتا بلکہ وہ خود بیمار پڑے گا تو اپنے علاج کے لیے اس کو کسی دوسرے ہی طبیب کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ بس یہی حال طب باطنی یعنی طریق باطنی کا ہے کہ اس کے اندر بھی کوئی شیخ اگر چہ وہ خود کامل ہو مگر اپنی اصلاح وہ خود نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنی اصلاح کے لیے اس کو کسی دوسری طرف رجوع کرنا ہوگا۔ لہذا شیوخ کو چاہیے کہ جب ان کو کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ اس کو اپنے سے بڑے شخص سے دریافت کیا کریں۔ اگر چہ وہ شخص جس کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا جاوے اپنے سلسلہ کا نہ ہو۔ بلکہ کسی دوسرے سلسلے کا ہی ہو۔ مگر یہ ضروری ہے کہ وہ شخص جس سے یہ استفادہ کیا جاوے اہل حق میں سے ہو اور اہل باطل سے نہ ہو۔ اور اگر کوئی بڑا (خدا تعالیٰ نخواستہ) نہ ہو، تو پھر یہ کرے کہ اپنے چھوٹوں میں سے متعدد اشخاص کے

سامنے اس کو ظاہر کر کے اس امر کے متعلق ان سے مشورہ کرے۔ اور مشورہ کے بعد غور کرے کہ ان میں سے کس کا مشورہ علم ضروری کے طور پر دل کو لگا ہے۔ اور حق تعالی کی عادت یہی ہے کہ کسی نہ کسی کا مشورہ دل کو علم ضروری کے طور پر ضرور لگ جاتا ہے اور اس کے صواب ہونے پر قلب کو پورا پورا اطمینان ہو ہی جاتا ہے۔ بس ان چھوٹوں سے جس کا مشورہ علم ضروری کے طور پر دل کو لگے اس پر عمل کرے۔

ایک بار حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے اسی مسئلہ مذکور کی تحقیق فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی سے بیعت تھے اور ایک مستقل شیخ تھے۔ مگر باوجود اس کے جب شاہ عبدالغنی صاحب کا انتقال ہو گیا تو شاہ رفیع الدین صاحب نے یہ خیال نہیں کیا کہ میری تو تکمیل ہو چکی ہے اب مجھ کو کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ شاہ عبدالغنی صاحب کے بعد وہ حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہو گئے۔ بعض لوگوں نے جب عرض کیا کہ حضرت آپ تو خود مستقل شیخ ہیں آپ کو اب کیا ضرورت تھی؟ تو شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ بھائی آدمی جب تک زندہ رہے اس کو چاہیے کہ سر پر کسی نہ کسی بڑے کو موجود رکھے۔ پہلے میرے شیخ موجود تھے اس لیے ضرورت نہ تھی اب جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف رجوع کیا۔

پھر حضرت حکیم الامت نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بڑا نہ میسر ہو تو کسی چھوٹے ہی کو مشورہ میں شریک کر لینا چاہیے خواہ بعد مشورہ لینے کے ترجیح اپنی ہی رائے کو دے اور عمل اپنی ہی رائے پر کرے مگر مشورہ تو کر لے۔ مقصود یہ ہے کہ اپنے کو آزاد نہ رکھے۔ (جلد۹۔ص:۹۱۔۹۲)

متکبر کے دماغ میں خلل ہوتا ہے:

فرمایا: اس کا تو مشاہدہ ہے کہ جو شخص متکبر ہوتا ہے اس کے دماغ میں خلل ضرور ہوتا ہے۔
(جلد۹۔ص:۱۱۶)

تازہ غم میں وعظ و نصیحت انتہائی مضر ہے:

ایک صاحب جو حضرت والا کے خاص اعزہ میں سے ہیں ان کے یہاں ایک مرتبہ چوری

ہو گئی۔ بہت مال چوری گیا۔ جس سے سب کو بہت افسوس تھا۔ خاص کر ان کی مستورات کو بے حد صدمہ تھا۔ ایک صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ دل چاہتا تھا کہ اگر وہ لوگ یہاں اس وقت تھانہ بھون میں ہوتے تو صبر کے متعلق حضرت والا کا ایک وعظ سن لیتے۔ جس سے ان لوگوں کی تسلی تشفی ہو جاتی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں، یہ بات غلط ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیے کہ تازہ غم میں کبھی وعظ و نصیحت نہ کرنا چاہیے۔ ایسی حالت میں وہ نصیحت اس مصیبت زدہ کے لیے کچھ مفید نہیں ہوتی۔ بلکہ الٹی اور مضر ہوتی ہے۔ اور وجہ اس کے مضر ہونے کی یہ ہے کہ اس وقت نصیحت تو ہوتی ہے اس بات کی کہ تم اپنے جذبۂ غم کو روکو۔ اور وہ مصیبت زدہ اس نصیحت کو سن کر کوشش بھی کرتا ہے غم کے روکنے کی۔ مگر چونکہ اس وقت غم کی شدت ہوتی ہے، اس لیے...... بجائے اس کے کہ اس وقت اس کی نصیحت سے اس مصیبت زدہ کو کچھ نفع پہنچے، نقصان ہوتا ہے۔ بس شدت غم کے وقت نہ تو یہ مناسب ہے کہ اس مصیبت زدہ سے ایسی باتیں کرے، کہ جس سے ان کا صدمہ اور بڑھے کہ ہائے اتنا مال چلا گیا۔ تمہارا اتنا نقصان ہوا اور نہ ایسی باتیں کرے کہ ارے میاں! کیوں فکر میں پڑے ہو اتنا صدمہ کیوں کرتے ہو؟ بس جہاں تک ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ اس شخص مصیبت زدہ کی طبیعت دوسری طرف مشغول رہے۔ اس حادثہ کی طرف توجہ نہ ہی ہونے پائے۔ چنانچہ میں نے بھی ایک خط اس وقت ان کو لکھا ہے۔ مگر قصداً میں نے ایک لفظ بھی ان کو ایسا نہیں لکھا، کہ جس سے ان لوگوں کے لیے رنج و غم کی ممانعت پائی جاتی ہو۔ یا یہ کہ ان کے غم میں اور اضافہ ہو۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایسے وقت میں اگر اس مصیبت زدہ کے سامنے اس کے اس نقصان پر کچھ اظہار افسوس نہ کیا جاوے تو اس کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کو میرے ساتھ ہمدردی نہیں۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب اوہام ہیں۔ البتہ یہ شبہہ عدم ہمدردی کا اُس پر ہوتا ہے کہ جو اس مصیبت زدہ کا مخالف ہو۔ اور محبت والے کے متعلق ایسا شبہہ نہیں ہوتا۔ اب بھلا میرے اوپر بھی کہیں ان کو یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ مجھ کو ان کے ساتھ ہمدردی نہیں۔ حالانکہ میں نے ان کو خط میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں لکھا، کہ جس سے ان کے اس حادثہ پر افسوس کیا گیا ہو۔ مگر باوجود اس کے ایک منٹ کے لیے بھی ان کو میرے متعلق یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ مجھ کو ان سے ہمدردی نہیں۔ (جلد ۹۔ ص: ۱۵۶۔ ۱۵۷)

شیخ سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ:

ایک بار حضرت والا مجلس کے اندر مختلف حقائق و معارف بیان فرما رہے تھے۔ اسی کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ یہ جو بعضے علوم مجھ کو عطاء ہوئے ہیں یہ سب حضرت حاجی صاحب کی صحبت کی برکت ہے۔ اس وقت مجلس شریف میں ایک بزرگ اہل علم بھی جو حضرت والا سے بے تکلف ہیں، تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی صحبت تو اور حضرات کو بھی نصیب ہوئی، مگر بعض کو یہ علوم حاصل نہیں ہوئے، جناب کو حاصل ہوئے؟ جواب ارشاد فرمایا کہ اس کی وجہ وہ عقیدت ہے جو مجھ کو حضرت حاجی صاحبؒ سے تھی۔ پھر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ بزرگوں کی صحبت میں تو رہتے ہیں، مگر جیسی عقیدت ان بزرگ کی ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتی۔ عقیدت تو یہ ہے کہ بزرگوں کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو فنا کر دے۔ اس پر ایک دوسرے اہل علم نے دریافت کیا کہ حضرت ایسی عقیدت کہ جس سے اپنی رائے شیخ کی رائے کے مقابلہ میں بالکل فنا ہو جائے، اس کے حاصل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ بس طریقہ یہی ہے کہ اول اول بہ تکلف اپنی رائے کو شیخ کی رائے کے مقابلہ میں فنا کر دے، یعنی ہیچ سمجھے۔ پھر چند روز بعد یہ تکلف حال بن جائے گا۔ (جلد۹۔ص:۱۵۹)

بدگمانی کی حقیقت:

فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے انہوں نے تحریر کیا ہے کہ میرے اندر بدگمانی کا مرض ہے اس کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے ان کو حسب ذیل جواب لکھا ہے۔

(۱) تم کو جو لوگوں کے متعلق یہ گمان ہوتا ہے کہ انکے اندر فلاں فلاں عیب ہوگا تو کیا تم اس کا یقین کر لیتے ہو؟

(۲) اور کیا تم زبان سے اس بدگمانی کے مضمون کو بیان کرتے ہو؟

(۳) اور کیا تم اس شخص کے ساتھ برتاؤ بھی ایسا ہی کرتے ہو جیسا کہ تم کو اس کے متعلق گمان ہوتا ہے؟

اگر ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو پھر تم پر مواخذہ نہیں۔ (جلد۹۔ص:۱۵۹۔۱۶۰)

شیخ کی تعلیم میں برکت خلوص وفنا سے ہوتی ہے:

ایک بزرگ نے جو حضرت والا کے مجاز طریقت ہیں، عرض کیا کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ کی محض تدبیر اور تعلیم سے طالبین کی اصلاح نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے لیے شیخ میں برکت کی ضرورت ہے۔ فرمایا کہ بے شک یہی بات ہے۔ پھر انہیں بزرگ نے دریافت کیا کہ اس برکت کے حاصل کرنے کی کیا تدبیر ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اس کا حصول تو محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔ بندہ کے اختیار میں نہیں۔ جب حق تعالیٰ کسی سے کام لینا چاہتے ہیں اس میں برکت بھی عطاء فرما دیتے ہیں۔ مگر تاہم اس میں خلوص اور صدق کو خاص دخل ہے۔ بالخصوص اس میں فنا کو زیادہ دخل ہے۔ شیخ کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے اپنے آپ کو فنا کرے اور دعوے کو مٹائے۔ (جلد ۹۔ص:۱۶۱)

بزرگوں کی اولاد کا لحاظ ضروری:

ایک مقام پر ایک متفق علیہ بزرگ کے پوتے کے ساتھ علی الاعلان ایسا برتاؤ کیا گیا، جس سے ان صاحبزادے کی اہانت ہوئی۔ جب حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی کو اس کی اطلاع ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ کو یہ معلوم کر کے کہ ان صاحبزادے کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا، بہت افسوس ہوا۔ ان صاحبزادے کی اگر کوئی کوتاہی تھی تو یہ چاہیے تھا کہ ان کو تنہائی میں بلا کر چاہے خوب ڈانٹ لیا جاتا، اس میں کچھ حرج نہ تھا، نہ اس میں ان کی اہانت تھی۔ باقی علی الاعلان ایسا برتاؤ کرنا مناسب نہ تھا۔ آخر ان بزرگ کا جن کی یہ اولاد میں سے ہیں کچھ تو لحاظ ہونا چاہیے تھا۔ بس جی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے محض دیکھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے قلوب میں بزرگوں کا ادب اور ان سے محبت صرف ان بزرگوں کی زندگی تک رہتا ہے۔ اور ان بزرگوں کے وفات کے بعد ان کی محبت ان کا ادب سب رخصت ہو جاتا ہے۔

میں نے ایک ایسے ہی بزرگ زادہ کو ایک بار بہت ہی سخت اور ناراضی کا خط لکھا تھا۔ مگر باوجود اس کے جس کا دل چاہے وہ اس خط کو ان سے لے کر دیکھ لے، کہ ایک بھی لفظ اس خط میں ایسا نہیں ہے جو ان کی شان کے خلاف ہو۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ انہوں نے ایک بار مجھ کو لکھا تھا کہ میں

نے سنا ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں صحیح ہے۔لیکن وہ ناراضی ایسی ہے جیسے اگر کسی شخص کی اولاد میں سے کوئی سنکھیا کھالے۔اور اس لڑکے کی ایسی نازک حالت ہو کہ مرنے لگے تو اس بنا پر اس لڑکے پر اس کی حرکت کی وجہ سے غصہ بھی ہوگا،مگر اس کے ساتھ ہی اس کی اس حالت زار کو دیکھ کر رحم بھی آئے گا۔بس وہی حال میرا تمہارے ساتھ ہے۔(جلد۹۔ص:۱۶۲۔۱۶۳)

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کا فہم حدیث:

ایک صاحب نے اپنی ہمشیرہ کے چھوٹے بچے کے انتقال کا حال بیان کر کے استفسار کیا کہ آیا یہ یقینی ہے کہ ایسے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں ضرور لے جائیں گے،جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔فرمایا کہ جی ہاں اگر کوئی اس کا قوی معارض[مخالف] نہ ہوا۔جیسے گل بنفشہ[دوا] کا پینا جبھی مفید ہے کہ اس کے معارض کوئی چیز نہ کھائی جاوے۔مثلاً کسی نے گل بنفشہ پیا اور اوپر سے دو تولہ سنکھیا[زہر] بھی کھالیا تو کیا ایسی صورت میں بھی گل بنفشہ کا پینا کچھ فائدہ مند ہوسکتا ہے؟ قرآن وحدیث میں جو مختلف اعمال واحوال کی خاصیتیں مذکور ہیں،اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں فی نفسہ یہ خاصیت ہے۔باقی اگر کوئی معارض قوی ہوا،تو ظاہر ہے کہ اس معارض کا اثر غالب ہوجائے گا۔ غرض ان میں اثر ضرور ہے بشرطیکہ کوئی قوی معارض[مخالف] نہ ہو۔

یہ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ کی تحقیق ہے۔جو میں نے کہیں منقول نہیں دیکھی۔سبحان اللہ قرآن حدیث پڑھے تو ایسے پڑھے۔دیکھیے!اس تحقیق سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نصوص جن میں مختلف اعمال واحوال کے فضائل مذکور ہیں حل ہوگئے۔مثلاً بروے حدیث مساکین اغنیاء سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے،تو اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام جو نبوت کے ساتھ ایک زبردست بادشاہ تھے،وہ بھی ایک مزدور کے بعد جنت میں جائیں گے؟ مولانا کی تحقیق کے بعد کوئی اشکال نہیں رہتا۔چونکہ یہاں ایک معارض قوی دوسری جانب موجود ہے،یعنی نبوت،اس لیے یہ اثر مرتب نہ ہوگا۔غرض اعمال واحوال خاصہ کے آثار وخواص جب ہی مرتب ہوں گے جب ان کے مقابلہ میں کوئی معارض قوی اِدھر یا اُدھر نہ ہو۔ (جلد۹۔ص:۱۶۶)

بدعت دوسرے گناہوں سے سخت کیوں ہے:

فرمایا کہ بدعت اور گناہوں سے زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ اور گناہوں کو دین نہیں سمجھا جاتا بلکہ گناہ سمجھا جاتا ہے۔ برخلاف اسکے بدعت کو دین سمجھا جاتا ہے۔ گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ یہ زیادہ سخت بات ہے۔ ایک بار فرمایا کہ نیچری بھی بدعتوں سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن ان کی نفرت بے دینی کی وجہ سے ہے اور یہ بدعت سے بھی بدتر ہے۔ ان سے تو بدعتی ہی ہزار درجہ بہتر ہیں کیونکہ بدعت کا منشاء اتنا فاسد نہیں، جتنا کہ نیچریت کا۔ بلکہ اس کا منشاء تو غلوفی الدین ہے نہ کہ بے دینی۔ (جلد۹۔ص:۱۶۷)

باری تعالیٰ کی ہیبت:

اس کا تذکرہ تھا کہ باوجود معصوم ہونے کے انبیاء علیہم السلام بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خائف ہی رہتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جہاں یہ قدرت ہے کہ جس کو چاہیں نبوت عطا فرمادیں وہاں یہ قدرت بھی تو ان کو حاصل ہے کہ اپنی دی ہوئی چیز کو جب چاہیں واپس لے لیں۔ نیز عظمت جس کے لوازم سے ہیبت ہے، اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ جیسے بلا تشبیہ اگر کوئی شیر کٹہرے کے اندر بند ہو اور یہ بالکل اطمینان ہو کہ ایسی حالت میں وہ ہرگز حملہ نہیں کرسکتا، پھر بھی پاس کھڑے ہو کر اس کی ہیبت بے اختیار طاری ہوجاتی ہے۔ اور زیادہ پاس جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ اس کی ذاتی شان ہے۔ آج میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا۔ مکان سے آرہا تھا دیکھا کہ راستہ میں سانڈ کھڑا ہے۔ مجھے پورا علم تھا کہ وہ بہت شائستہ ہے، حملہ نہ کرے گا، پھر بھی میں حفاظت کی دعا کرتا ہوا گذرا۔ تو حضرت خوف کی چیز سے تو خوف ہوتا ہی ہے۔ ایاز کو اچھی طرح معلوم تھا کہ محمود بادشاہ کو اس سے بے حد محبت ہے، لیکن بادشاہ پھر بادشاہ ہے۔ ایاز پر باوجود اس علم کے پھر بھی محمود کی ہیبت طاری رہتی تھی۔ بلکہ بادشاہ کا جو محبوب ہو اس کو تو اور بھی زیادہ خائف رہنا چاہیے کہ جو عنایتیں بادشاہ کی اب ہیں ان میں کہیں خلل نہ آجائے۔ اسی طرح عارف کو تو اور زیادہ ہیبت ہوجاتی ہے کہ کہیں ہماری بے ہودگیوں سے اللہ تعالیٰ کی عنایتوں میں فرق نہ آجاوے۔ مقربان رابیش بود حیرانی۔

اللہ تعالیٰ سے نعوذ باللہ کسی کا کوئی رشتہ تھوڑا ہی ہے۔ (جلد۹۔ص:۱۶۷۔۱۶۸)

سنن عادیہ کا درجہ:

اس کا تذکرہ تھا کہ حضور ﷺ نے ایک بدوی کو اس کے سوال پر اپنی کل بکریاں، جو کہ شمار میں سو تھیں، مرحمت فرما دیں۔ اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر اس کا ذکر کیا۔ اور سب کو ترغیب دی کہ مسلمان ہو جاؤ، محمد ﷺ بہت دینے والے ہیں۔ استفسار پر فرمایا کہ ایسا ایمان بھی معتبر ہے جو کسی طمع سے ہو بشرطیکہ [رسول ؐ کو] دل میں بھی سچا سمجھتا ہو۔ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے استفسار کیا کہ کیا بکریاں پالنا سنت ہے؟ فرمایا جی ہاں سنت ہے۔ لیکن سنت عادیہ ہے۔ سنت عبادت نہیں۔ اور اصل مقصودیت سنت عبادت میں ہے۔

البتہ سنت عادیہ میں، اگر منشاء اس [پر عمل] کا محبت ہو، ایک درجہ کا ثواب اور برکت ہے۔ اس میں غلو یعنی سنت عبادت کا سا اہتمام اور معاملہ نہ کیا جاوے۔ بعض لوگ اس کی تحقیق میں رات دن رہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا عصائے مبارک کتنا بڑا تھا اور عمامہ شریف کتنا بڑا تھا۔ یوں کوئی عاشق ان باتوں کی تحقیق کرے وہ اور بات ہے۔ اس کا منشاء تو محبت ہے۔ باقی ان کے پیچھے پڑ کر اکثر لوگ ضروریات دین سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی کو کافی سمجھنے لگتے ہیں۔ سو اگر اس میں ایسا غلو ہو تو دین سے بے کار ہو جائے۔ ہر شے اپنی حد پر رہنی چاہیے۔ یہ تو خیر سنت عادیہ ہیں سنت عبادت میں بھی یہ قانون ہے کہ اگر اس میں عوام کے لیے کسی مفسدہ کا احتمال غالب ہو تو مستحب کا چھوڑ دینا بھی واجب ہے۔ (جلد ۹۔ص:۱۶۸۔۱۶۹)

ربط آیات:

میری تو ربط آیات میں بھی یہی رائے ہے۔ اتنا تو اجمالاً معلوم ہے کہ باہم آیات میں ربط ضرور ہے۔ لیکن اس کی تعیین کوئی نہیں کر سکتا۔ اور ربط کا ہونا بھی دلیل شرعی سے معلوم ہوا۔ ورنہ اس کا بھی قائل ہونا ضروری نہ تھا۔ میں تو اس کا بھی قائل نہ ہوتا، کیونکہ اس کا احکام و نصائح میں باہم ربط ہونا لازم نہیں۔ مگر چونکہ دلیل شرعی سے ربط کا ہونا ثابت ہے، اس لیے فی الجملہ ربط کا قائل ہونا ضروری ہے۔ اور وہ دلیل یہ کہ نزول کی ترتیب اور ہے اور تلاوت کی ترتیب اور ہے۔ کیونکہ ہر آیت

کے نزول کے بعد بذریعہ وحی حکم ہوتا ہے کہ فلاں آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھ دیجیے۔ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام سے کوئی مناسبت ضرور ہے۔ باقی مناسبت کی وجہ کیا ہے؟ یہ علی سبیل القطع نہیں معلوم۔ کیونکہ وحی کے ذریعے سے یہ نہیں بتایا گیا۔

اب متاخرین نے تعین کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ کیا مناسبت ہے۔ سو یہ اگر جزماً ہے تو غلو ہے۔ ہاں اگر بطور نکتے کے کوئی مناسبت بیان کی جائے لیکن علی سبیل الجزم نہیں تو خیر مضائقہ نہیں۔ لیکن اس کو علمِ مقصود سمجھنا غلطی ہے۔ یہی میں نے کیا۔ چنانچہ میں نے خود ربط آیات کی تقریریں اپنی تصنیف ''سبق الغایات فی نسق الآیات'' میں کی ہیں جس کی بڑی تعریف کی جاتی ہے۔ لیکن میں خود کہتا ہوں کہ وہ علوم نہیں ہیں، بلکہ محض نکتے ہیں اور ظنی ہیں۔ جزم کے ساتھ یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واقعی ہیں۔ اس کا قطعی علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے۔ کیونکہ وحی سے ہم کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ باہم آیات میں کیا ربط ہے۔ لہٰذا جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محض رائے ہے دلیل قطعی نہیں۔ اور اگر ترتیب نزول و تلاوت مختلف نہ ہوتی تو میں اجمالی ربط کا بھی قائل نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ نزول کی اور ترتیب ہے اور تلاوت کی اور ترتیب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مناسبت تو ضرور ہے۔ اور مناسبت کی وجہ ہی سے تلاوت کی خاص ترتیب رکھی گئی ہے۔ باقی وجہ مناسبت کی کیا ہے اس کا علم ہم کو نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مناسبت کی تقریریں مختلف ہیں۔ ایک نے کچھ اور تقریر کی ہے دوسرے نے کچھ اور۔ تو کیا دونوں تقریریں صحیح ہو سکتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ سب ظنیات ہیں۔ (جلد ۹۔ص:۱۷۳)

حضرتؒ کی سادگی پسندی:

کسی خاص کارآمد چیز کے متعلق عرض کیا گیا کہ اگر منگالی جائے تو سہولت ہو۔ فرمایا کہ مجھے اس سے بھی وحشت ہوتی ہے کہ میری ملک میں زیادہ چیزیں ہوں۔ بہت تھوڑی چیزیں ہیں جن کا میں مالک ہوں۔ بس بدویانہ زندگی پسند ہے۔ سچ جانیے یہ جو ہاتھوں سے کھینچنے والی گاڑی نواب صاحب باغپت نے بھیج دی ہے، اس میں گو بضرورت بیٹھتا ہوں، مگر شرم آتی ہے۔ کیونکہ ذرا تکلف کی چیز ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ ایک دیہاتی گاڑی بنوالوں۔ یا کم از کم اِس کے پہیّے نکلوا کر سادہ قسم کے پہیّے چڑھوادوں تا کہ لیڑھو [بیل گاڑی] کی سی شکل کی ہو جائے۔ لیکن گاڑی کا تخمینہ کرایا تو

بہت لاگت بیٹھتی ہے۔اور پہیّے اس سے اچھے آرام کے بن نہیں سکتے۔مجبور ہو گیا۔(نوٹ: حضرت اقدس مدظلہم العالی بوجہ ضعف پیری و درد ِزانو،اسی گاڑی میں تا درِ دولت تشریف لے جاتے ہیں۔ کیونکہ پا پیادہ اچھی طرح چلا نہیں جاتا۔بلکہ سڑک کی ناہمواری کی وجہ سے کئی بار گر بھی پڑے۔لہذا مجبوراً اس گاڑی پر بیٹھ کر گھر تشریف لے جاتے ہیں)۔ (جلد۹۔ص:۱۷۶)

کسی مفسد کے قید ہونے پر بھی مسرت اچھی نہیں:

ایک بڑے غیر مسلم مفسد کے قید ہو جانے پر ایک شخص نے اظہار مسرت کیا کہ اچھا ہے،اب مفسدہ پردازی نہ کر سکے گا۔فرمایا کہ مسرت نہیں چاہیے۔کیا خبر کس کے لیے کیا مقدر ہے؟ اپنے ہی بارے میں کسی کو کیا اطمینان ہے کہ اس کے لیے کیا ہونے والا ہے؟ ہاں،مفسدہ پرداز جماعت کی کمزوری کی دعاء عام کی جاوے۔کسی خاص شخص کی مصیبت پر بجائے خوشی کے اس کی اصلاح کی دعا کی جاوے۔پھر فرمایا کہ مُفسد کی حرکتوں پر تو غصہ آتا ہے۔لیکن جب اس کی حرکتوں کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت آتی ہے،تو دل فوراً پگھل جاتا ہے۔مشرقی کی حرکتوں پر سخت غصہ تھا،لیکن جب اس کو قید ہو گئی تو رحم آیا کہ کیوں ایسی حرکتیں کیں جو قید ہوا۔ (جلد۹۔ص:۱۷۷۔۱۷۸)

استغناء و غیرت کے ساتھ تواضع وخشیت:

غالباً کسی کے ردِّ ہدیہ کا ذکر تھا۔فرمایا کہ میں جب کسی کا ہدیہ بضرورت بھی واپس کرتا ہوں، مارے ڈر کے کانپتا ہوں کہ کہیں اعراض از نعمت نہ ہو۔اور اُدھر کی طرف سے عطا یا بالکل ہی بند نہ ہو جاویں۔بہت چاہتا ہوں کہ کسی کی دل شکنی نہ کروں۔لیکن کیا کروں غلو بہت ہو گیا ہے۔ذرا ڈھیلا پن کیا جائے تو جہل پکا ہو جاتا ہے۔اگر جہل ہو گا تو خود ذمہ دار ہوں گے۔میں تو سبب نہ بنوں گا۔ایک صاحب نے میرا مطبوعہ اعلان دیکھ کر جس میں یہ لکھا ہے کہ بوجہ ضعف میں خدمت تربیت وافتاء وغیرہ سے معذور ہوں۔دس روپے بھیجے کہ ضعف بہت ہو گیا ہے یہ روپے غذا و دوا میں صرف کیے جاویں،تاکہ ضعف رفع ہو۔مجھے غیرت آئی،گویا میں نے معذوری اس لیے ظاہر کی کہ لوگ روپے دیں۔اس لیے میں نے منی آرڈر واپس کر دیا۔علاوہ غیرت کے یہ بھی خیال ہوا کہ وہ

سمجھ رہے ہوں گے کہ نہ جانے کتنا ضعف ہو گیا اور دراصل اتنا نہ ہو، تو اس مصرف میں جو بناءِ ہدیہ کے خلاف ہو صرف کرنا جائز کہاں تھا۔ اور کیا میں ان کے دس روپے میں بالکل اچھا ہو جاتا۔ میں نے اللہ پر توکل کر کے واپس کر دیا۔

اور اس استغناء کی یہ بھی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دے رکھا ہے۔ اس لیے اینٹھ مروڑ نبھ رہی ہے۔ ورنہ اگر احتیاج ہوتی تو کیا عجیب ہے کہ نفس تاویلیں کر لیتا۔ اس کا سبب تقویٰ نہیں ہے، کیونکہ میں جائز ناجائز کی تحقیق میں زیادہ کاوش نہیں کرتا۔ ہاں غیرت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ میں اس کا کیوں انکار کروں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہدیہ میں شرائط کیسی؟ نفع ہو رہا ہے، مال مل رہا ہے، لوٹانا کیسا؟ بس یہ سمجھتے ہیں کہ پیسہ دیکھ کر سب قواعد ختم ہو جائیں گے۔ ملانوں کو سمجھتے ہیں کہ کوئی حق ہی نہیں قواعد مقرر کرنے کا۔ (جلد ۹۔ص:۱۷۸۔۱۷۹)

بعض تواضع بھی کبر ہے:

بعض تواضع بھی تکبر ہے۔ بعض اوقات تواضع اس لیے اختیار کی جاتی ہے کہ ہمیں لوگ متواضع سمجھیں۔ یہ تکبر ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو متواضع سمجھنا بھی تکبر ہے۔ (ص:۱۷۹)

حضرتؒ کی نوجوانی کے کچھ واقعات:

جب ہم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے حدیث پڑھتے تھے، تو اسی زمانہ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں بھی حدیث کا دورہ شروع ہو گیا۔ اور طالب یہاں سے ٹوٹ ٹوٹ کر وہاں جانے لگے۔ مگر مجھے الحمدللہ کبھی اس کا وسوسہ بھی نہیں آیا کہ وہاں چلا جاؤں۔ حالانکہ میرا یہ اعتقاد تھا اور اب بھی ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ مولانا یعقوب صاحبؒ سے علم و فضل میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن باوجود اس کے جب کسی نے مجھ سے چلنے کے لیے کہا تو میں نے یہی جواب دے دیا کہ جس دن مولانا فرما دیں گے کہ مجھے اب حدیث پڑھانا نہیں آتا، اس وقت کسی دوسرے کو ڈھونڈوں گا۔ باقی میں کامل بننا نہیں چاہتا ناقص ہی سہی۔ بلا ضرورت مولانا کو نہ چھوڑوں گا۔ ورنہ جنابِ رسم کا مقتضاء تو یہ تھا کہ میں بھی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں حدیث پڑھنے چلا جاتا۔

کیونکہ وہ بڑی جگہ تھی اور عام دستور یہی ہے کہ:

خاک از تودۂ کلاں بردار

یعنی مٹی بھی لینی ہو تو بڑے ڈھیر سے لو۔ تو دیکھیے جناب ہم نے بڑے مدرس کو چھوڑ کر چھوٹے مدرس سے پڑھا۔ اور سند ان سے بھی نہیں لی۔ بلکہ جب سند فراغ و دستار بندی کا وقت ہوا، تو ہم لوگ یعنی جن جن کی جلسہ میں دستار بندی ہونی تجویز ہوئی تھی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کہ حضرت ہم نے یہ سنا ہے کہ جلسہ میں ہماری دستار بندی کی جائے گی۔ اگر یہ حکم ہے، تب تو ہمیں انکار نہیں۔ اور اگر ہمارے اختیار کو بھی اس میں کچھ دخل ہے۔ تو ہم باادب عرض کرتے ہیں کہ اسے موقوف فرمادیا جائے۔ اس واسطے کہ ہمیں کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں، مدرسہ کی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کی دستار بندی کی گئی۔

تو لیجیے! ہم سند کے لیے تو کیا کہتے، کہا تو یہ کہا۔ سند کی درخواست تو کیا کرتے، ملتی ہوئی سند کو بلکہ ملتی ہوئی دستار کو بھی اپنی طرف سے روک دیا۔ اور یہ نہیں کہ تکلف سے بلکہ سچے دل سے۔ اور اس وقت تو اپنے آپ کو کسی قابل کیا سمجھتے، الحمدللہ اب تک یہی اعتقاد ہے، آپ چاہے حلف لے لیجیے کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔ اور یہ تمنا ہے کہ خدا کرے عمر بھر یہی اعتقاد رہے، بلکہ بڑھے کہ ہمیں کچھ نہیں آتا۔ ہم تو اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ خیر علم کا تو علم نہ ہوا، وہ تو بڑی چیز ہے، اپنے جہل کا تو علم ہو گیا۔

جب ہم لوگوں نے یہ عرض کیا تو مولانا کو جوش آیا، فرمایا کہ کون کہتا ہے کہ لیاقت نہیں۔ اس کو تم جانو یا ہم جانیں؟ اپنے اساتذہ کے سامنے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور تم لوگوں کو یہی سمجھنا چاہیے۔ ورنہ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے تم ہی تم ہو گے۔ میدان خالی ہے۔ میدان خالی ہے۔ یہ فقرہ کہ "میدان خالی ہے" کئی بار فرمایا۔ اب [ہم لوگ] ڈر کے مارے بولے نہیں کہ کہیں مولانا خفا نہ ہو جائیں۔ ہم لوگ مولانا سے ڈرتے بہت تھے۔

پھر مولانا نے یہ تماشا کیا کہ کہ عین جلسہ میں فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ منطق وغیرہ اتنے فنون میں فارغ کر دیا ہے۔ اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ ان فنون میں صاحب کمال ہو گئے ہیں۔ اگر کسی کو ان کے فضل و کمال میں شک ہو، تو وہ جس فن میں چاہے اسی جلسہ میں

ان کا امتحان لے لے۔ لو صاحب! ہم تو دستار بندی ہی کرنے سے ڈر رہے تھے اور اس کے ملتوی کرنے کی درخواست کی تھی، یہاں مولانا نے علی الاعلان برسر جلسہ فرما دیا کہ جو چاہے اسی وقت ان کا امتحان لے لے۔ مگر صاحب ان حضرات کی ہیبت ایسی تھی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو ہم سے کوئی سوال کرتا۔ اور محض ہیبت ہی نہیں، بلکہ سب کو یقین تھا کہ جیسا مولانا فرما رہے ہیں، ویسے ہی ہوں گے۔ کسی نے امتحان کی درحقیقت کوئی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ اور اس موقع پر بھی ہمیں کوئی سند نہیں دی گئی۔ بس یہ دستار ہی سند تھی۔ اس کے بعد جب پڑھانے کا وقت آیا تو اول ہی میر زاہد امور عامہ کا سبق میرے ذمہ ہوا۔ دوپہر کو مطالعہ جو کیا تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ دعا کی اے اللہ یہاں استاد تو موجود نہیں، اگر یہ مقام حل نہ ہوا تو پڑھاتے وقت بڑی ذلت ہوگی۔ پھر ظہر کی نماز پڑھ کر جو مطالعہ کرنے بیٹھا ہوں تو کتاب بس پانی تھی۔ پھر تو خدا کے فضل سے ایسی طبیعت کھلی کہ اُس زمانہ میں کانپور میں بڑے بڑے فضلاء موجود تھے اور کئی مدرسے تھے اور بعض طلباء مشترک بھی تھے، کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ اس کو کچھ آتا نہیں۔ ہاں یہ رکاوٹ تو کچھ دن رہی کہ طلبہ یہ کہتے تھے کہ یہ بہت کم عمر ہے، اس سے پڑھنے میں عار معلوم ہوتی ہے۔ بس سات آٹھ طالب علموں کو لے کر بیٹھا رہتا تھا۔ کوئی کم عمر سمجھ کر پڑھتا ہی نہ تھا۔ پھر جو داڑھی بڑی ہوئی، طالب علموں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ بس پھر طالب علم خوب آنے لگے۔ پھر تو یہ حالت تھی کہ خدا کے فضل اور بزرگوں کی دعاء سے جس نے مجھ سے ایک بار بھی پڑھ لیا پھر کبھی اس نے کسی دوسرے سے پڑھنا پسند نہیں کیا۔

ایک شیعی مجتہد نے ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ مناظرہ کر لو۔ میں نے کہلا بھیجا کہ آ جاؤ۔ حالانکہ یہ لوگ اپنے یہاں کی کتابیں بھی اور ہمارے یہاں کی کتابیں بھی دیکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مناظرہ کے موقعے پیش آتے رہتے ہیں۔ نیز ویسے بھی انہیں بحث مباحثوں میں دلچسپی ہوتی ہے۔ مجھے نہ کبھی شیعوں سے مناظرہ کا اتفاق ہوا تھا نہ کبھی ان کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہوا۔ مگر چونکہ اس نے خود مناظرہ کے لیے کہلا بھیجا تھا اگر اس دعوتِ مناظرہ کو قبول نہ کرتا تو بڑی ذلت تھی۔ تو کلاً علی اللہ کہلا بھیجا کہ آ جاؤ۔ مگر ڈرتا رہا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے، خدا تعالیٰ عزت رکھ لے۔ اسی تردد میں تھا کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے سامنے بخاری شریف کا درس دے رہا

ہوں۔ بخاری کا نسخہ ایک مولانا کے سامنے ہے ایک میرے سامنے ہے اور مولانا نے رومال بچھا رکھا ہے اور کنگھا کر رہے ہیں۔ درس کے وقت بھی مولانا کا یہی معمول تھا کہ کنگھا فرماتے رہتے تھے اور سامنے رومال بچھا لیتے تھے تاکہ جو بال گریں رومال پر گریں۔ فرماتے تھے کہ کنگھے سے سر کے مسامات کھل جاتے ہیں اور دماغ کے بخارات نکل جاتے ہیں۔ غرض میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بخاری شریف پڑھا رہا ہوں اور میری تقریر پر مولانا فرماتے جاتے ہیں کہ ٹھیک ہے۔ پھر تو میرے دل میں اتنی قوت ہوگئی کہ چاہے مجتہد کا دادا بھی آجائے، میں اس پر غالب آجاؤں گا۔ حضرت! اس خواب کی ایسی برکت ہوئی کہ اس شیعی مجتہد کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ مناظرہ کے لیے میرے پاس آتا۔ ہاں چند روز بعد آیا تو نیاز مندانہ اور معتقدانہ آیا۔ بس پھر اس نے معمول مقرر کرلیا کہ کبھی کبھی ملاقات کے لیے آتا، لیکن مناظرہ کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔ کانپور میں بڑے بڑے رئیس شیعی سنی سب کے قلب میں خدا تعالیٰ نے ایسی بات ڈال دی تھی کہ سب نیاز مندانہ اور معتقدانہ آتے تھے۔ یہ سب بزرگوں کی برکت تھی۔ ورنہ لیاقت جس کا نام ہے، اس وقت تو کیا، اتنی عمر گزر گئی، اب تک حاصل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی پردہ پوشی فرمائی۔ اور اب آسان عذر ہے کہ بڑھاپے سے مجھے قوت نہیں، دوسری جگہ سے دریافت کرلو۔

تو حضرت! وہ زمانہ تو ایسا تھا۔ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی فرماتے تھے کہ میں بارہا گنگوہ حاضر ہوا اور جی میں بھی آیا کہ حضرت مولانا سے عرض کروں کہ مجھے بھی حدیث کی سند دے دیجیے۔ لیکن کبھی اس درخواست کی ہمت ہی نہ پڑی۔ جب اس نیت سے گیا تو یہی خیال ہوا کہ تو یہ تمنا لے کے تو جاتا ہے، لیکن تجھے کچھ آتا جاتا بھی ہے؟ بارہا خیال ہوا کہ عرض کروں کہ سب کو حضرت سند دیتے ہیں، مجھے بھی سند دے دیجیے۔ مگر پھر خیال ہوا کہ اگر مولانا پوچھ بیٹھیں کہ تجھے کچھ آتا بھی ہے؟ تو سند لیتا ہے؟ تو کیا جواب دوں گا؟ اس لیے کبھی اس درخواست کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ حالانکہ حضرت مولانا دیوبندیؒ ہندوستان میں حدیث کے اندر بے نظیر تھے۔ تو جناب ہم نے تو وہ وقت دیکھا ہے۔ اب یہ ہے کہ درخواستیں کرتے ہیں کہ ہمیں سند دے دو۔ جس نے وہ زمانہ دیکھا ہو، اس کو بھلا ایسی باتوں کا کیوں کر تحمل ہو۔

(جلد۹۔ص:۱۸۱۔۱۸۴)

ایک حدیث کا صحیح مفہوم:

الحزم سوء الظن [یعنی آں حضرتؐ کا فرمان کہ سمجھ داری بدگمانی میں ہے]......معاملہ کے متعلق ہے، کہ احتیاط اسی میں ہے کہ معاملہ ایسے کرے جیسے کوئی بدگمان معاملہ کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعتقاد میں بھی [اور دل میں بھی] بدگمانی ہو۔ اعتقاد کے درجہ میں [یعنی دل میں] تو نیک گمان رکھے۔ لیکن معاملہ احتیاط ہی کا کرے۔ گو بعض صوفیوں نے اس قول کے یہ معنیٰ نکالے ہیں کہ احتیاط یہ ہے کہ اپنے ساتھ سوءِ ظن رکھے۔ لیکن در حقیقت یہاں سوءِ ظن سے مراد سوءِ ظن بنفسہ نہیں ہے، بلکہ سوءِ ظن بغیرہ ہے۔ اور اس میں وہی تفصیل ہے جو میں نے ابھی بیان کی۔ (جلد۹۔ص:۱۸۷)

حضرتؒ کی تواضع:

[ایک سلسلۂ گفتگو میں اپنے سلسلے کے مریدین کی نیک نیتی اور سمجھ کو بیان فرمایا، پھر معاً بعد یوں کہا:] اور یہ میرا کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور آنے والوں کی نیک نیتی ہے۔ میری تو بس ایسی مثال ہے جیسے مرغی کے نیچے بطخ کے انڈے رکھ دیے جاویں تو وہ بطخ کے بچے نکالے گی۔ جو سمندر میں بھی تیرتے ہوئے چلے جائیں گے اور اماں جان کنارے ہی کھڑی تکتی رہے گی، کہ ارے یہ میرا بچہ کہاں چلا جا رہا ہے۔ اسی طرح گو میں ناقص ہوں، مگر میرے اکثر متعلقین اپنی خوبیِ استعداد سے صاحب کمال ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب اللہ کی طرف سے ہے کہ جن کی استعداد قوی ہے انہیں کو میرے یہاں بھیج دیتے ہیں۔ لیکن عادت اللہ یہی ہے کہ کمال جب ہی حاصل ہوتا ہے جب کسی کی تربیت میں رہے خواہ وہ مربی ناقص ہی ہو.........اس ملفوظ کے بعد جب مجلس برخاست ہو گئی تو احقر سے فرمایا کہ بعض مرتبہ جوش میں شیخی کی سی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ اور اگر نیت میں کوئی خرابی ہو تو اس کو دور فرمائے۔ (جلد۹۔ص:۱۹۰۔۱۹۱)

اہل باطل سے مناظرہ اور عوام میں ان کی تردید؟

اسی طرح [بلا سخت دینی ضرورت کے] اہل باطل سے مناظرہ بھی نہ چاہیے۔ کیونکہ مناظرہ میں ان سے تلبّس [یعنی ملنا جلنا] ہوتا ہے۔ اور تلبُّس سے اثر ہو جاتا ہے۔ ایک بزرگ کا یہاں تک

ارشاد ہے کہ اہل باطل کے شبہات کا عوام میں ظاہر کرنا بھی مضر ہے، گو ساتھ ہی ان کا رد بھی کر دیا جائے۔ کیونکہ عوام کے ذہن پہلے سے خالی ہیں۔ خود نقل کرنا ان کے ذہن میں خواہ مخواہ شبہات کا ڈالنا ہے۔ پھر چاہے وہ زائل ہی کر دیے جائیں۔ کیونکہ اس صورت میں یہ بھی تو احتمال ہے کہ وہ شبہات پیدا ہو جانے کے بعد پھر باوجود ان کا رد کر دینے کے زائل ہی نہ ہوں۔ (جلد ۹۔ص:۲۰۶)

سلسلۂ امدادیہ والوں کا حسنِ خاتمہ:

اپنے بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے سلسلہ والوں کا خاتمہ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ پھر کئی واقعات اپنے اہل سلسلہ کے حسن خاتمہ کے بیان فرمائے۔ بعض واقعات اشرف السوانح میں بھی مذکور ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرما لیے جائیں۔ پھر استطراداً یہ واقعہ بیان فرمایا کہ میری نانی کو بعد انتقال میرے ایک ماموں نے خواب میں دیکھا، تو پوچھا کہ تم پر نزع میں کیا کیفیت گزری۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میرے پاس تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ چل، میں ساتھ ہو لی۔ اس کے سوا مجھ کچھ خبر نہیں۔ (جلد ۹۔ص:۲۳۳)

حضرت حاجی صاحبؒ کا استغنا و توکل:

ایک بہت بڑی رقم کسی تاجر کے ذریعہ سے حضرت حاجی صاحب کے لیے ہندوستان سے بذریعہ حوالہ آئی۔ اور بھیجنے والے نے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں بھی خط لکھ دیا کہ اتنی رقم نذرانہ کے لیے بھیجی گئی ہے۔ فلاں دوکان دار کے یہاں سے وہ رقم منگوالی جائے۔ مگر حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنا کوئی آدمی دوکان دار کے پاس نہیں بھیجا، آخر اسی نے کئی روز انتظار کرنے کے بعد کہلا بھیجا کہ آپ کے لیے اتنی رقم ہندوستان سے آئی ہے۔ کوئی آدمی بھیج دیجیے۔ اس پر حضرت حاجی صاحب نے نہایت استغناء کے ساتھ فرمایا کہ جس خدا نے ہندوستان سے مکہ تک وہ رقم بھجوائی ہے وہی دوکان سے میرے مکان تک بھی بھجوا دے گا کوئی آدمی لینے نہیں آوے گا۔ بس پھر اس دوکاندار نے جھک مار کر خود ہی وہ رقم بھیج دی۔

نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری، جو حضرت حاجی صاحب سے خاص عقیدت رکھتے

تھے، ہجرت کی نیت سے مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تھے۔ پھر ریاست کے انتظام کے لیے ہندوستان آنا پڑا۔ چونکہ پھر واپسی کا قصد تھا، اس لیے جو رقم ضروریات سے زائد تھی، وہ بطور امانت کے حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے حافظ احمد حسن صاحب امین الحجاج کے پاس رکھوادی۔ نواب صاحب کو اتفاقاً واپسی میں زیادہ دیر ہوگئی۔ جانتے تھے کہ حضرت محض توکل پر ہیں۔ حج کے دنوں میں جو لوگ پہنچ جاتے تھے، وہ اپنی سعادت سمجھ کر ہدیہ کچھ پیش کر دیتے تھے، اُسی سے کام چلتا تھا۔ اس لیے حضرت حاجی صاحب کو لکھا کہ جو امانت رکھی ہوئی ہے، اس کو اپنا مال سمجھ کر جتنی ضرورت ہوا کرے بے تکلف اپنے صرف میں لے آیا کیجیے۔ کیونکہ جو کچھ ہمارا مال و متاع ہے وہ سب حضرت ہی کا ہے۔ اور سب حضرت پر قربان ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے لکھا کہ ہمارے بزرگوں کا یہ طریق نہیں ہے۔ اجازت سے بھی کسی کی چیز میں خود تصرف نہیں کرتے۔ یوں اپنے ہاتھوں سے کوئی محبّ کچھ دے دے، تو اس کے لینے میں عذر نہیں۔ لیکن امانت میں ہم تصرف نہ کریں گے، اگرچہ باِذن ہو۔ صاف انکار کر دیا۔

یہ چیزیں ہیں جن میں ضرورت ہے مشائخ کی۔ کتابوں میں یہ جزئیات کہاں؟ اس لیے کتابیں اصلاح کے لیے کافی نہیں۔ ناواقف کہتے ہیں کہ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے۔ جو پڑھا لکھا آدمی ہے، اس کے لیے شیخ کی کیا ضرورت ہے۔ کتابوں میں سب باتیں موجود ہیں، بس انہیں پر عمل کرتا رہے۔ اس پر میں کہتا ہوں کہ ان کے کافی نہ ہونے کی موٹی مثال یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ پھر کیوں طبیب سے رجوع کرتے ہو؟ طب جسمانی بھی طب روحانی کے مقابلہ میں بھلا کوئی چیز ہے؟ جب علوم حسّیہ مادّیہ میں ایسے دقائق ہیں، جو خود سمجھ میں نہیں آسکتے اور امراض جسمانی میں کسی طبیب سے رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو اپنی اصلاح نفس کے لیے بھی شیخ کی کیوں نہ ضرورت ہوگی؟ اس کا تو مدار بہت نازک مقدّمات پر ہے۔ اس میں بھلا محض کتابیں دیکھ کر اپنی اصلاح کی کوشش کرنا کیسے کافی ہوگا؟

البتہ ایک شخص کے لیے صرف کتابوں پر عمل کرنے کا بدوں شیخ کے مشورہ دیا جائے گا۔ یعنی اس کے لیے جو کسی شیخ سے مناسبت نہ رکھتا ہو۔ کسی سے اس کی موافقت نہ آتی ہو۔ وہ اس کلّیہ سے مستثنیٰ ہے۔ ایسے شخص کے لیے اسلم یہی ہے کہ وہ کسی سے رجوع نہ کرے۔ بس کتاب وسنت پر بطور

خود عمل کرتا رہے۔ اور چونکہ بہت مواقع پر احتمال غلطی کا بھی ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا رہے کہ غلطی سے محفوظ رکھیں۔ اور جہاں غلطی ہو معاف کر دیں۔ بس اس کے لیے یہی مناسب ہے۔ ورنہ اولیاء کے قلب میں جب بوجہ عدم موافقت اس کی طرف سے کدورت پیدا ہوگی، تو وہ مخذول [اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم] ہو جائے گا۔ اس لیے اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ کسی کو اپنا شیخ ہی نہ بنائے۔ میں نے اپنی عمر میں صرف ایک شخص ایسا دیکھا ہے۔ ممکن ہے اور بھی دیکھے ہوں، لیکن اس وقت یاد ایک ہی ہے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں شیخ کی صحبت میں مدینہ بھی رہا، مکہ بھی رہا، ہندوستان کے بھی بہت سے مشائخ کے پاس رہا، مگر کسی سے موافقت نہ آئی۔ اخیر میں یہاں بھی آئے، معلوم ہوا کہ ان میں اطاعت کی استعداد ہی نہیں ہے۔

مگر باوجود اس کے ان سے ہمیں عداوت تھوڑا ہی تھی۔ اگر انہوں نے ہمیں ناراض کیا، تو یہ تھوڑا ہی ہوسکتا ہے کہ ہم ان کی خدمت نہ کریں۔ ان کی خدمت یہی تھی کہ ان کو یہ مشورہ دے دیا کہ تمہائے لیے یہی بہتر ہے کہ کسی سے رجوع نہ کرو۔ بس کتاب وسنت پر عمل رکھو۔ اور جہاں احتمال غلطی کا ہو وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا و استغفار کرتے رہو۔ بس تمہارے لیے یہی کافی ہے۔ اس سے زیادہ کے تم مکلّف ہی نہیں۔

خدا کا قرب کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں:

خدا کا قرب کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب پیروں نے لوگوں کو اپنے ساتھ ایسا جکڑ بند کر رکھا ہے، کہ چاہے مناسبت ہو یا نہ ہو، موافقت آئے یا نہ آئے، کوئی نہ کوئی پیر ضرور ڈھونڈنا چاہیے۔ اور غضب یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیت ﴿وابتغوا الیہ الوسیلۃ﴾ میں وسیلہ کی تفسیر یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد شیخ سے بیعت کرنا ہے۔ یہ صریح تحریف ہے قرآن کی۔ شیوخ جانے اپنے کو کیا سمجھتے ہیں، گویا اردلی ہیں اللہ میاں کے، کہ بدوں ان کے اللہ میاں کے یہاں رسائی ہی نہیں ہوسکتی۔ لاحول ولاقوۃ، کیا واہیات ہے۔ وسیلہ سے مراد یہاں اعمال صالحہ ہیں۔ وسیلہ کہتے ہیں **مایتقرب بہ** کو۔ یعنی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب حاصل ہو۔ مگر اس کے عموم میں اتباع شیخ بھی داخل ہے۔ کہ وہ بھی ایک عمل ہے۔ لیکن محض شیخ ہی کی تخصیص سے وسیلہ کی تفسیر کرنا، یہ تحریف

ہے۔حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب القـــو ل الـجـمیل کا حوالہ دیا کہ اس میں بھی وسیلہ سے مراد شیخ ہی لیا ہے۔حضرت اقدس نے فرمایا ذرا عبارت دکھایئے، میں بھی دیکھوں کہ شاہ صاحب کے الفاظ کیا ہیں۔اوران کا مطلب کیا ہے۔اوراگر بالفرض اس تحقیق کے خلاف ہی ہو،تو[شاہ صاحب کی بات]حجتِ لازمہ تھوڑا ہی ہے۔جہاں کسی بزرگ کی کوئی تحقیق بظاہر خلافِ اصولِ شرعیہ ہو،ہم اس بزرگ کو اپنے ٹھکانے پر لاکر بٹھلائیں گے۔حکم کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹائیں گے۔بلکہ خودان کو ٹھیک جگہ پر لاکر بٹھادیں گے۔یعنی کوئی تاویل ایسی کردیں گے کہ ان پراعتراض نہ ہو۔اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ صرف کتابیں دیکھنا مضر ہے۔اب اسی مقام کو دیکھیے، کہ اگر وسیلہ سے مراد بیعت لی جائے تو ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا معصیت کا مرتکب ہونا لازم آتا ہے۔کیونکہ ”وابتغوا“امر کا صیغہ ہے،جو وجوب کے لیے ہے۔گویا سب لوگ تارک واجب ہوئے۔ توبہ توبہ۔بات یہی ہے کہ وسیلہ کی یہ تفسیر ہی نہیں۔بلکہ اس سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ہاں عموم میں تعلقِ شیخ بھی[چونکہ نیک عمل ہے]داخل ہوسکتا ہے۔ (جلد۹۔ص:۲۴۲۔۲۴۴)

زیادہ بھولا ہونا بھی کوئی قابل تعریف بات نہیں:

ایک صاحب نے کوئی بھولے پن کی بات خط میں لکھ دی تھی۔اس پر فرمایا کہ اتنا بھولا پن گناہ تو نہیں،لیکن پسندیدہ نہیں۔کیونکہ یہ حضرت انبیاء علیہم السلام کی وضع کے موافق نہیں۔حضرات انبیاء علیہم السلام سب کے سب نہایت عاقل،نہایت ذہین اورنہایت ذکی،نہایت بے دار،نہایت مدبر،نہایت ہوش مند،نہایت روشن دماغ ہوئے ہیں۔ان میں سے ایک بھی تو بھولے نہیں ہوئے۔گو بھولے مسلمان بھی جنت میں تو جاویں گے۔لیکن قرب کے درجات عالیہ انہیں کو ملیں گے جنکی حالت علماً وعملاً اصولاً واخلاقاً انبیاء علیہم السلام کی مشابہ ہوگی۔ (ص:۲۴۶۔۲۴۷)

حضرتؒ کا مخلوق سے بے پرواہونا:

فرمایا کہ میری طبیعت اتنی آزاد ہے،کہ میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو دنیا میں بالکل منفرد سمجھا ہے کہ بس اللہ میاں ہیں اور میں ہوں۔عرش پر وہ ہیں اورفرش پر میں ہوں۔دنیا میں اور کوئی نہیں۔ کہنے کی تو بات نہیں،لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ میں اس پر بھی آمادہ ہوں کہ اگر میرے گھروں میں سے

مجھ سے کسی وقت ذرا بھی تنگی ہو اور وہ میری قید میں رہنے کو ناپسند کریں، تو میں بدون خوف اپنی مصلحت فوت ہونے کے، دونوں کو بے تکلف آزاد کر دینے کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالی نے کچھ طبیعت ہی ایسی آزاد بنائی ہے۔ (جلد۹۔ص:۲۶۵)

ایک سبق آموز واقعہ:

فرمایا کہ بھلا اپنی ذات کے لیے تو میں غیرت کیوں نہ اختیار کرتا مجھے تو اس چیز سے بھی غیرت آتی ہے جو میری ذات کے لیے نہ دی گئی ہو، لیکن میرے تعلق کی وجہ سے دی گئی ہو۔......ایک مرتبہ نواب جمشید علی خان صاحب نے سو روپیہ زکوٰۃ کا مدرسہ میں بھیجا۔ اور چونکہ بے تکلف اور مخلص آدمی ہیں، منی آرڈر کے کوپن میں سادگی سے یہ بھی لکھ دیا کہ مجھے بے حد اشتیاق ہے آپ کو اپنا مہمان بنانے کا۔ میں نے منی آرڈر یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ آپ یہ رقم دے کر مجھ پر زور ڈالنا چاہتے ہیں کہ میں ضرور باغ پت آؤں۔ خواہ مجھے کوئی عذر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے میری آزادی میں فرق آتا ہے۔ اس لیے آپ اپنے روپے رکھیے۔ اور اب آنے جانے کے متعلق گفتگو کیجئے۔ بس حقیقت روشن ہو گئی۔ جمشید تو وہ تھے اور جام جمشید میرے پاس تھا، جس میں سارے حالات نظر آجاتے تھے۔ پھر ان کا معذرت کا خط آیا۔ ماشاء اللہ ان کی تہذیب اور سمجھ دیکھئے انہوں نے لکھا کہ حقیقت میں مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے منی آرڈر کے ساتھ ہی تشریف آوری کی درخواست بھی کر دی۔ میں اب بلانے کی تحریک سے رجوع کرتا ہوں۔ اور اب اس سے بالکل قطع نظر کر کے مکرر منی آرڈر بھیجتا ہوں۔ امید ہے کہ اب براہ کرم قبول فرما لیجیے گا۔ میں نے پھر منی آرڈر لے لیا۔ اور لکھا کہ پہلے تو آپ کو مجھ سے ملنے کا اشتیاق تھا اور اب آپ کی اس تہذیب کو دیکھ کر میں خود آپ سے ملنے کا مشتاق ہو گیا ہوں۔ لہذا جب آپ چاہیں اس کے متعلق مجھ سے خط و کتابت کریں۔ میں نے کہا کہ جب ان کی دل شکنی کی ہے تو اب دلجوئی بھی کرنا چاہیے۔ (جلد۹۔ص:۲۷۲۔۲۷۳)

سیرت کے دو واقعوں کی علمی توجیہ:

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو واقعے ایسے پیش آئے، جن میں آپ کو یہ تردد ہوا کے لوگ بدنام کریں گے۔ [جن میں] ایک تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا خیال [بلکہ اللہ کی

طرف سے حکم تھا۔ حضرت زینب حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں، جو رسول اللہ ﷺ کے متبنّیٰ تھے۔ عرب منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کو بھی اسی طرح حرام سمجھتے تھے جس طرح سگے بیٹے کی مطلقہ سے]۔ اس میں آپ کو لوگوں کی اس ملامت کا خوف تھا کہ دیکھئے اپنے بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح کرلیا۔ حالانکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محض متبنّیٰ تھے بیٹے نہ تھے۔ ایک موقعہ تو یہ تھا، اندیشۂ ملامت کا۔ اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے صاف طور سے ارشاد فرما دیا: **و تخشی الناس واللہ أحق أن تخشاہ**" یعنی لوگوں سے آپ ڈرتے ہیں؟ ڈرنا تو اللہ تعالیٰ ہی سے چاہیے۔ پھر فرمایا کہ "**زوجنٰکھا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا** "یعنی ہم نے آپ کا نکاح زینب کے ساتھ کر دیا۔ (اگر لوگ برا کہیں، کچھ پروا نہیں۔ ہمیں تو یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ متبنّیٰ کی بیویوں کے ساتھ بھی بعد علیٰحدگی کے نکاح کر لینا جائز ہے) تا کہ مسلمانوں کو اس معاملہ میں خواہ مخواہ تنگی واقع نہ ہو۔ اس ارشاد کے بعد اب حضور ﷺ کو کیا عذر ہوسکتا تھا؟ سوا ایک تو یہ موقع تھا۔ کہ جس میں حضور ﷺ کو ملامت کا خوف تھا مگر اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

اور ایک موقع تھا حطیم کے کعبہ میں داخل کرنے کا۔ حضور ﷺ کا دل تو چاہتا تھا کہ موجودہ عمارت کو شہید کر دیا جائے۔ اور حطیم کو داخل کعبہ کر کے از سر نو بنایا جائے۔ لیکن آپ کو ایسا کرنے سے یہ خیال مانع تھا کہ لوگ ملامت کریں گے کہ لیجئے یہ اچھے نبی پیدا ہوئے کہ کعبہ ہی کو ڈھاتے ہوئے آئے۔ لہذا آپ نے اپنے اس ارادہ کو فسخ فرما دیا۔ اور اس خوف ملامت پر اللہ تعالی نے نکیر نہیں فرمایا۔ لہذا معلوم ہوا کہ بدنامی کا خوف ہر جگہ معتبر نہیں، کوئی تو عمل ایسا ہے کہ جس کو بدنامی کے خوف سے نہ کرنے کی اجازت ہے۔ اور کوئی ایسا ہے کہ جو باوجود بدنامی کے خوف کے بھی مامور بہ ہے۔ یہ تحقیق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ فرماتے تھے کہ ان دونوں عملوں میں خواہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ کیا فرق ہے، لیکن اجمالاً اتنا معلوم ہو گیا کہ فرق ضرور ہے۔ پس ایسے موقعوں پر فرق سمجھنا یہ حکیم کا کام ہے۔

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ فرق اللہ کا شکر ہے میرے ذہن میں آ گیا۔ وہ یہ کہ حطیم کا

داخل کعبہ کرنا تو کوئی حکمِ شرعی مقصود بالذات نہیں۔ اگر سارے کعبہ کی عمارت بھی بے نشان ہو جاوے تب بھی کسی شرعی مقصود میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اگر حطیم داخل ہو جاوے تب بھی کسی شرعی مقصود میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اگر حطیم کعبہ [میں داخل] نہیں ہوا تب بھی اس بقعہ کی فضیلت اور حکم تو وہی ہے جو داخل ہونے کی حالت میں ہے۔ پس اس کے داخل نہ ہونے سے کون سا مقصودِ شرعی فوت ہو گیا؟ اور یہاں حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کرنا تبلیغ کا ایک فردِ عظیم ہونے کے سبب ایک مقصودِ شرعی ہے۔ جس کا حاصل ایک عملی فتویٰ بتانا ہے، کہ متبنی کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔ اور اس عام خیال کی تغلیط ہے کہ متبنّیٰ مثل حقیقی بیٹے ہی کے ہے۔ لہذا جو عورت اس کے نکاح میں رہ چکی ہو، اس کے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔ غرض اس حکم شرعی کی عملی تبلیغ تھی، جو سخت ضروری ہے۔ کیونکہ تبلیغ زبانی سے عملی تبلیغ زیادہ راسخ ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالی نے اس نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تبلیغ کرائی اور ارشاد فرمایا کہ تم خود نکاح کر کے دکھلا دو۔ اور بکنے دو لوگوں کو۔ یہاں ایک استطرادی نکتہ ہے، وہ یہ کہ جہاں حضرت زینبؓ کے نکاح کا ذکر ہے وہاں اس عنوان سے ذکر ہے "**وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ**" کہ آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ دیکھیے! اگر حضور ﷺ صاحبِ وحی نہ ہوتے اور نعوذ باللہ کلامُ اللہ حضور ہی کا بنایا ہوا ہوتا، تو قرآن میں "**تخشی الناس**" یہ تو اچھا خاصا الزام ہے کہ تم لوگوں سے ڈرتے ہو۔ جو دلیل ہے کمزوری کی۔ اب یہ سوال رہا کہ جب یہ تبلیغ تھی، جس میں انبیاء نہیں ڈرے، پھر آپ ﷺ کیوں ڈرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اولاً اس کے تبلیغ ہونے کی طرف التفات نہ ہوا تھا۔ جب معلوم ہوا، پھر تو آپ بلا خوف ملامت اس پر عامل ہو گئے۔ اس لطیف ربط اور تفسیر پر کسی صاحب نے عرض کیا کہ سبحان اللہ، کلام مجید کو حضرت نے کیا خوب سمجھا ہے۔ فرمایا کہ میں نے کیا سمجھا ہے؟ اللہ جسے سمجھا دے۔ جس روز یہ تفسیر میری سمجھ میں آئی، سارا غبار دور ہو گیا۔ اور یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ مقاصد شرعیہ میں تو بدنامی کا کچھ خیال نہ کیا جائے۔ اور غیر مقاصد میں بدنامی سے بچنا ہی مناسب اور سنت کے موافق ہے۔

(جلد ۹۔ص: ۲۷۴۔۲۷۶)

[ہمارے نزدیک اس میں مصلحت یہ ہے کہ جہاں بدنامی کا مفسدہ دین کے حق میں مصلحت سے بڑا اور زیادہ ہو وہاں بدنامی سے بچا جائے گا۔ اور جہاں بدنامی کا مفسدہ کم ہوگا پرواہ نہیں کی جائے گی۔ فتح مکہ کے بعد کعبہ سے چھیڑ چھاڑ میں عرب کے عمومی ارتداد کا خطرہ تھا۔ واللہ اعلم]

بزرگوں کے وقت میں برکت کا سبب:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں بمقام مکہ معظّمہ مقیم تھا تو حسب الحکم تنویر کا ترجمہ کر کے روز کے روز حضرت کو سناتا رہتا تھا۔ حضرت پوچھتے کہ کیا یہ سب ایک ہی دن کا ترجمہ کیا ہوا ہے؟ میں عرض کر دیتا کہ جی ہاں! ایک ہی دن۔ فرمایا کہ جب عالم ارواح سے تعلق ہو جاتا ہے، تو وقت میں وسعت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ روح میں وسعت ہے۔ یہ حضرت حاجی صاحب کے الفاظ ہیں۔ بزرگوں کی جو تصانیف ہیں۔ اگر ان کی تعداد کو اور حجم کو دیکھا جائے، تو یہ کسی طرح عادۃً ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی شخص اتنی عمر میں اتنی کتابیں تصنیف کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر جلالین نصفِ اول صرف چالیس دن میں لکھی تھی۔ ملا جیونؒ نے بھی صرف سترہ برس کی عمر میں تفسیر احمدی لکھی ہے۔ ان حضرات کے وقت میں بہت برکت ہوتی تھی۔ (جلد ۹۔ ص: ۲۹۶)

اتباع سنت کی برکات:

ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ جن کا انتقال ہو چکا ہے کہتے تھے کہ ہمارے اکابر کے سلسلہ میں جو اس قدر جلد وصول الی اللہ ہو جاتا ہے اور اس میں نہ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات لیکن پھر بھی بہت جلد وصول الی اللہ نصیب ہو جاتا ہے وہ سب اتباع سنت کی برکت ہے بخلاف دوسرے سلسلوں کے کہ ان میں بہت زیادہ مجاہدات اور ریاضات واذکار واشغال کے بعض اوقات عمر بھر بھی مقصود تک رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ وجہ یہ کہ اتباع سنت کی برکت سے کشش ہوتی ہے اور یہ حضرات مقصود حقیقی تک کشش سے پہنچتے ہیں یعنی جذب سے اور دوسرے سلسلہ والے سلوک سے پہنچتے ہیں اور مسلم ہے کہ طریق جذب طریق سلوک سے اسرع ہے۔ ......واقعی کیا سچی بات کہی۔ (جلد ۹۔ ص: ۳۱۲)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد دہم

سلسلہ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ

سائل بھی ہمارے محسن ہیں:

ہمارے حضرت حاجی صاحب، جہاں کوئی سائل آتا بڑی بشاشت سے اس کی خدمت کرتے اور اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ ایک دفعہ حضرت کچھ تقریر فرما رہے تھے۔ شاید مثنوی کا سبق ہو رہا تھا، مجلس بہت گرم تھی۔ اتنے میں ایک سائل نے آکر بیچ میں اپنی حاجت پیش کر دی۔ اور حضرت فوراً تقریر ختم کر کے بڑی بشاشت سے اس کی کچھ خدمت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ جب وہ چلا گیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ کہاں بیچ میں آکر حارج ہو گیا۔ کیسی اچھی تقریر ہو رہی تھی۔ فرمایا خبردار! سائل سے تنگ نہیں ہوا کرتے۔ یہ سائلین ہمارے محسن ہیں۔ ہمارا ذخیرہ آخرت میں بلاعوض پہنچا دیتے ہیں۔ اگر سفر میں کوئی قلی تمہارا اسباب اٹھا کر ریل میں رکھ آئے۔ اور تم سے کچھ مزدوری بھی نہ مانگے، تو اس سے خوش ہونا چاہیے اور اس کا ممنون ہونا چاہیے۔ نہ کہ اور اس سے الٹے ناخوش ہو۔ اگر سارے مساکین متفق ہو کر خیرات لینا چھوڑ دیں تو پھر کوئی اور سہل ذریعہ ہی نہیں، جو آخرت میں آپ کے اموال پہنچ سکیں۔ یہ سائل لوگ اٹھا اٹھا کر وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ اور اس پہنچانے کا کچھ نہیں لیتے۔ ان کا احسان ماننا چاہیے، تنگ نہیں ہونا چاہیے۔ اور پھر حضرت اقدس تھانوی مدظلہم العالی نے فرمایا کہ ان حضرات کی آنکھوں کے سامنے ساری چیزیں کھلی ہوئی تھیں۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۱۷۔ ۱۸)

عاملین کی تراکیب تجربات کی بناء پر ہیں:

عاملین کے یہاں جو خاص ترکیبیں عملیات کرنے کی ہیں، ان کا تذکرہ تھا۔ اس کے متعلق استفسار پر فرمایا کہ یہ سب الہامی نہیں ہیں۔ زیادہ تر کچھ قیاسات ہیں، کچھ مناسبات ہیں، کچھ تجربے ہیں۔ مثلاً بچہ صحیح سالم پیدا ہونے کے لیے ایک مشہور عمل سورۂ والشّمس کا ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے القول الجمیل میں نقل فرمایا ہے۔ یہ بہت مفید عمل ہے جیسا کہ بارہا تجربہ کیا جاچکا ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ سورۂ والشّمس کو بچہ کے صحیح سالم ہونے سے کیا مناسبت۔ مدت کے بعد سمجھ میں آیا کہ اس سورۃ میں جو یہ آیت ہے "**ونفس وماسواها**" کہ قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کو ٹھیک بنایا۔ بس اتنے جزو سے مناسبت ہے۔ اور ایسی ایسی مناسبتیں تو ہر آدمی بہت سی تجویز کرسکتا ہے۔

چنانچہ میں بھی خود بہت سی چیزیں اسی قسم کی مناسبتوں کی بناء پر تجویز کرلیتا ہوں۔ اور بہت دفعہ اثر بھی ہوجاتا ہے۔ مثلاً ایک بی بی جن کا شرعاً مجھ سے پردہ نہیں مانگ نکال رہی تھیں۔ اور باوجود کوشش کے سیدھی نہ نکلتی تھی۔ میں نے محض مناسبت سے انہیں یہ بتلایا کہ "**اهدنا الصراط المستقیم**" پڑھ کر مانگ نکالو۔ چنانچہ اول ہی بار میں سیدھی مانگ نکل آئی۔ میں نے اور عملیات میں بھی اپنی طرف سے ایسی ہی مناسبات کی بناء پر کچھ نہ کچھ تصرف کررکھا ہے۔ مثلاً سہولت ولادت کے لیے ان آیتوں کا تعویذ مشہور ہے۔ "**اذا السماء انشقت واذنت لربها وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیها وتخلت واذنت لربها وحقت**" میں نے اس میں اتنا اور بڑھا دیا ہے "**خلقه فقدره ثم السبیل یسره**" کیونکہ یہ آیت تو خاص اسی باب میں ہے۔ اور وہ پہلی آیتیں اس باب میں نہیں۔ ان میں تو زمین آسمان کا ذکر ہے۔ صرف "**والقت ما فیها وتخلت**" کی مناسبت سے یہ تعویذ لکھا جاتا ہے۔ جو زمین کے متعلق ہے، جنین کے متعلق نہیں۔ اور "**ثم السبیل یسره**" خاص جنین ہی کے متعلق ہے۔ (جلد۱۰۔ص:۱۸۔۱۹)

شہرت کے متعلق مذاق:

امت کی خدمت اور ان کے دین کی حفاظت کرنا چاہیے۔ اپنی شہرت میں کیا رکھا ہے؟ شہرت کے متعلق تو بس یہ مذاق ہونا چاہیے کہ نہ زندگی میں کسی کو خبر ہو کہ فلاں شخص بھی دنیا میں ہے، یا فلاں

شخص نے یہ کام کیا ہے۔ نہ ہی مرنے کے بعد کسی کی زبان پر نام تک آئے کہ کون تھا اور کون مر گیا، کیا کام کر گیا۔ (جلد۱۰۔ص:۱۹)

مال میں تقوی اور دیانت داری کی ضرورت:

مالیات میں تقوی بہت کم دیکھا جاتا ہے۔ افعال اور اعمال تو آج کل بہت ہیں۔ تہجد، چاشت، اشراق، ورد، وظیفے تو بہت، مگر یہ بات بہت کم ہے کہ مال سے انس ومحبت نہ ہو۔ یا ہو مگر پھر بھی احتیاط کرے۔ تو یہ اُس سے بھی بڑھ کر ہے۔ (جلد۱۰۔ص:۲۷)

عقیدۂ توحید کی حفاظت:

فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ نے اپنے استاد کے نام کو بجائے مملوک علی کے مملوک العلی، یعنی الف لام کے ساتھ لکھا ہے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام پر الف لام نہیں داخل کیا جاتا۔ گو علی اللہ تعالی کا نام بھی ہے، لیکن بلا الف لام داخل کئے اس کا ایہام تھا کہ لفظ علی کو بجائے اللہ تعالی کے نام کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام سمجھ لیا جاتا۔ اسی ایہام سے بچنے کیلئے الف لام داخل کر دیتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالی کا جو نام علی ہے، وہ الف لام کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی کا خود ارشاد ہے "**وھو العلیُّ العظیم**" نیز بلا الف لام بھی مستعمل ہے۔ جیسے اس آیت میں "**انہ علیّ حکیم**" لیکن لفظ علی جو حضرت علی کا عَلَم ہے، وہ ہمیشہ بلا الف لام ہی کے ہوتا ہے۔ اس لیے الف لام داخل کرنے کے بعد اس کا اشتباہ ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ اللہ کا نام نہیں ہے۔

(جلد۱۰۔ص:۲۷۔۲۸)

تعویذ کو مؤثر بالذات نہ سمجھنا چاہیے:

ایک صاحب نے کوئی نقش کسی کام کے لیے بذریعہ خط طلب کیا۔ تو یہ جواب تحریر فرمادیا کہ میں یہ کام نہیں جانتا۔ انہوں نے مکرر لکھا تو پھر عذر تحریر فرمادیا۔ اور زبانی فرمایا کہ گو میں گاہ گاہ تعویذ لکھتا ہوں، مگر ایسے شخص کیلئے جس کے عقائد مجھے معلوم ہوں کہ وہ اس کو مؤثر بالذات نہ سمجھے گا۔

(جلد۱۰۔ص:۲۸)

غیر اختیاری امور میں تشویش سے بچنا چاہیے:

جنگ کے خطرات پر اظہار تشویش کیا گیا۔تو فرمایا کہ غیر اختیاری امور کے متعلق زیادہ تشویش نہ چاہیے۔بس دعائے عافیت کرتا رہے۔اور بے فکر رہے۔کیونکہ مرنا تو بہر حال ایک دن ضرور ہی ہے۔اور موت قبل وقت کے آنہیں سکتی۔پھر فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اگر ایک ساتھ مثلاً ایک ہزار آدمی مثلاً بم کے گرنے سے مر جائیں،تو اس سے بڑی وحشت ہوتی ہے اور اگر وہی ایک ہزار ایک ایک کر کے مختلف اوقات میں مریں،جیسا کہ عموماً واقع ہوتا ہی رہتا ہے،تو اس سے اتنی وحشت نہیں ہوتی۔حالانکہ فرق کی کوئی وجہ نہیں۔اگر ہر شخص یہ سمجھ لے کہ مجھے ایک دن ضرور مرنا ہے۔چاہے اکیلا مروں چاہے بہت سے لوگوں کے ساتھ مروں،میرے لیے یکساں ہے۔تو ایسے خطروں سے زیادہ وحشت نہ ہو۔ہر شخص صرف اپنے ہی مرنے کا خیال کرے۔دوسروں کے مرنے کا خواہ مخواہ کیوں تصور کرے۔رہا اپنا مرنا،سو وہ تو واقع ہونا ہی ہے۔اور یہ بھی یقینی ہے کہ نہ وقت مقدر سے پہلے واقع ہوگا نہ بعد کو۔"لا یستا خرون ساعة ولا یستقدمون"۔ (جلد ۱۰۔ص:۲۸۔۲۹)

ہم نے تو ایک ہی بات سیکھی ہے، یہ کہ اپنے کو مٹانا چاہیے:

فرمایا کہ آدمی خواہ کتنا ہی عابد زاہد اور متقی و پرہیز گار ہو،لیکن اس کو یہ کیا خبر کہ میں خدا کے نزدیک کیسا ہوں۔اس احتمال کے ہوتے ہوئے کوئی کیا دعویٰ کر سکتا ہے۔کیونکہ سارا دارومدار اسی پر ہے کہ خدا کے نزدیک اچھا ہو۔اور اس کی یقیناً کسی کو بھی خبر نہیں۔...ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ یزید پر لعنت کرنا ایسے شخص کو جائز ہے جس کو یہ یقین ہو کہ میں یزید سے بدتر ہو کر نہ مروں گا۔

...بس اللہ ہی کی پناہ ڈھونڈے۔اور اسی کی پناہ میں رہے۔اور دعووں کو مٹاتا رہے۔ایک بڑے فاضل یہاں آئے اور مجھ سے کہا کہ کچھ نصیحت کیجیے۔میں نے کہا کہ آپ تو خود عالم ہیں۔میں آپ کو کیا نصیحت کروں؟ انہوں نے پھر اصرار کیا۔میں نے کہا مجھے تو بس ایک ہی سبق یاد ہے، اسی کو دہرائے دیتا ہوں۔وہ یہ کہ اپنے کو مٹانا چاہیے۔اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ رونے لگے۔...اسی

سلسلہ میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کی حکایت مولانا فخر الحسن گنگوہی کی روایت سے نقل فرمائی کہ جب بخاری کے درس میں یہ حدیث آئی تو شاگردوں نے یہ اشکال پیش کیا کہ آپؐ تو حضرت یونس علیہ السلام سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام یقیناً افضل تھے۔ پھر حضورﷺ نے اس کی نہی [ممانعت] کیوں فرمائی [کہ آپ کو حضرت یونسؑ پر فضیلت دی جائے] ؟ فرمایا کہ یہی تو افضل ہونے کی دلیل ہے۔ جو افضل ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو افضل نہیں سمجھا کرتے۔ وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ میں افضل نہیں۔ انہوں نے پھر اشکال کیا تو مولانا نے پھر سمجھایا۔ لیکن انہوں نے پھر عرض کیا کہ حضرت اب بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر مولانا نے دوسری قوت سے کام لینا چاہا۔ فرمایا اچھا میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ اپنے سے افضل یا کمتر؟ سب نے عرض کیا کہ حضرت!

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ہماری حقیقت ہی کیا ہے حضرت کے سامنے؟ پھر فرمایا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ عرض کیا بالکل سچا۔ پھر فرمایا کہ اگر میں کسی بات کو قسم کھا کر کہوں تو پھر تم مجھے سچا سمجھو گے یا جھوٹا؟ کہا تب تو اور بھی زیادہ آپ کی بات کا یقین کریں گے۔ جب ان سب باتوں کا اقرار کرا چکے تو پھر فرمایا کہ لو! اب میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تم میں سے ہر ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں۔ بس یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس تڑپ گئی، بچھ گئی۔ اور مولانا سب کو ذبح کر کے چپکے سے اٹھ حجرے میں جا بیٹھے۔ درس وغیرہ سب ختم ہو گیا۔ اگلے دن جب پھر سبق شروع ہوا تو فرمایا کہ کہو بھائی اب بھی اس حدیث میں کچھ شبہ ہے؟ سب نے بالاتفاق عرض کیا کہ حضرت اب تو کوئی شبہہ نہیں رہا۔

پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ مولانا نے یہ تصرف کے قصد سے نہیں کیا۔ ہمارے حضرات اس کا قصد نہیں کیا کرتے۔ مگر ہر شے میں ایک خاصیت ہے۔ صدق میں خاصیت ہے کہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ قاضی اسماعیل صاحب منگلوریؒ نے ایک بار حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا حضرت کبھی کبھی طالبین کو توجہ بھی دے دیا کیجیے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں جوگیوں کا سا عمل کیوں کروں؟ اس پر انہیں تعجب بھی ہوا کہ مشائخ کے معمول کو جوگیوں کا عمل فرما دیا۔ پھر دیوبند میں جب بڑا

جلسہ ہوا، اس میں مولانا کا وعظ ہوا۔ اس میں قاضی صاحب بھی شریک تھے۔ میں بھی حاضر تھا وہاں۔ مولانا کے وعظ کے مضمون پر ایسا ہی اثر ہوا جیسا مولانا فخر الحسن صاحب نے نقل کیا (جس کا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے) میں نے خود دیکھا، وہ تو سنی ہوئی حکایت تھی یہ دیکھی ہوئی ہے، جب لوگوں پر گریہ و بکاء کی حالت طاری تھی اور بے اختیار تڑپ رہے تھے اور لوٹ رہے تھے، اس وقت بعض اہل باطن کو جو اس وعظ میں شریک تھے، یہ محسوس ہوا کہ مولانا مجمع کی طرف اس غرض سے متوجہ ہیں کہ ان کو سکون ہو، جب وعظ ختم ہوا تو قاضی اسماعیل صاحب مولانا کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہاں مولوی صاحب بس کبھی کبھی یوں کر دیا کرو۔ مولانا اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے کیا کیا؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اللہ اکبر۔ کیا شان تھی!۔ سبحان اللہ۔ کیسے سچے بزرگ تھے! (جلد ۱۰۔ ص: ۳۳۔ ۳۶)

ادب کا مدار عرف پر ہے:

فرمایا کہ ادب کا مدار عرف پر ہے۔ یہ دیکھا جائے گا کہ عرف میں یہ خلاف ادب سمجھا جاتا ہے یا نہیں۔ اسی سلسلہ میں یاد آیا کہ ایک بار [حضرتؒ نے] ایک خادم کو تنبیہ فرمائی جنہوں نے ایک ہی ہاتھ میں ایک دینی کتاب اور جراب دونوں اس طرح لے رکھی تھیں کہ جراب کتاب سے مس ہوتی تھی۔ فرمایا کہ آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا۔ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلبہ بائیں ہاتھ میں کتب دینیہ اور داہنے ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں، بہت مذموم ہے۔ کیونکہ خلاف ادب ہے۔ اور صورتاً فوقیت دینا ہے جوتوں کو کتب دینیہ پر۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۳۷)

کسی کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے:

کسی مومن کا تطییب قلب [دل خوش کرنا] یہ خود عبادت ہے۔ چاہے بقصد عبادت نہ ہو۔ تطییب قلب بہر حال موجبِ اجر ہے۔ اس کی ایک حدیث سے مجھے بڑی تائید ملی۔ حضرت ابو موسی اشعریؓ ایک بار جہر سے تلاوت کر رہے تھے۔ حضور ﷺ تک آواز پہنچ رہی تھی۔ اور ان کو اس کا علم نہ تھا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی خوش آوازی کی تعریف فرمائی۔ اور فرمایا "لقد اوتیت مزمارا من مزا میر آل داوود" یعنی اللہ تعالی نے تم کو ایسی خوش آوازی دی ہے جیسی حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابو موسی نے عرض کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور سن رہے

ہیں تو ''لحبّرتہ لک تحبیراً'' یعنی میں آپ کے لیے اور زیادہ سنوار کر پڑھتا۔ اس حدیث سے میں نے یہ مسئلہ سمجھا کہ اگر کوئی دین کا کام مخلوق کی رضا کے لیے کیا جائے، تو ایسا کرنا ہر حال میں ریا نہ ہوگا۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس مخلوق کے ساتھ علاقہ کی وجہ کیا ہے، دین یا دنیا؟ اگر علاقہ کا سبب دین ہے تو وہ ریا نہیں۔ اور اگر دنیا ہے تو ریا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ حضور کا خوش کرنا دین تھا، کیونکہ حضور سے جو تعلق تھا وہ دین ہی کی وجہ سے تھا، اس لیے حضور کو خوش کرنے کے لیے سنوار سنوار کر قرآن پڑھنا، ثواب تھا ریا نہ تھا۔

قاریوں کا لوگوں کی خاطر اچھا پڑھنے کی کوشش کرنا:

مجھے اس کے قبل اس معمول کے متعلق بڑا تردد تھا کہ لوگ قاریوں سے رکوع سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ اور وہ خوب سنوار سنوار کر خوش آوازی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ تاکہ سامعین کا دل خوش ہو۔ اس وقت عموماً ثواب کی بھی نیت نہیں ہوتی۔ مجھے اس کے متعلق سخت تردد تھا کہ آیا یہ جائز بھی ہے یا ناجائز؟ اور یہ ریا تو نہیں؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ محض سامعین کی رضا کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ اگر اس سے مقصود مال اور جاہ ہوں، کہ خوش ہو کر سننے والا روپیہ دے دے گا، یا معتقد ہو جائے گا، تب تو یہ ریا ہے اور ناجائز ہے۔ اور اگر یہ نیت ہو کہ یہ خوش ہوگا تو یہ ریا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا دل خوش کرنا بھی دین کی خدمت ہے۔ اور اس کے خوش کرنے سے مقصود خدا کا خوش کرنا ہے۔ غرض اس حدیث سے پوری تائید مل گئی اس معمول کی۔ اور اس روز سے پھر مجھے اس کے ناجائز ہونے کا شبہہ نہیں ہوا۔ (جلد۱۰۔ص:۴۰۔۴۱)

بزرگوں کو مستجاب الدعوات سمجھنے میں غلو کی مذمت:

بعض صاحبوں کو جو محض دعا کے لیے بہت لمبا سفر کر کے حاضر خدمت ہوئے تھے، تنبیہ فرمائی کہ یہ کام تو ایک جوابی کارڈ سے بھی ہو سکتا تھا۔ یہ بھی فرمایا کہ آج کل اپنے معتقد فیہ [بزرگ جس سے عقیدت ہو] کو مستجاب الدعوات سمجھنے میں بہت غلو ہو گیا ہے۔ اس عقیدہ کی اصلاح کرنی چاہیے۔ (جلد۱۰۔ص:۴۲)

شرائع میں صوفیہ کا نہیں، علماء کا قول معتبر ہے:

فرمایا کہ شرائع میں صوفیوں کے قول سے استدلال تھوڑا ہی کر سکتے ہیں۔ وہ حضرات تو بس محبت میں مسلَّم ہیں۔ باقی قرآن وحدیث کی شرح صوفیہ کے اقوال سے کرنا پھاٹک ہے گمراہی کا۔ میں نے جب کبھی وعظوں میں تصوف کے مضامین کو بیان کیا ہے، تو علم کے تحت میں کبھی نہیں بیان کیا۔ بلکہ صاف کہہ دیا کہ یہ محض لطیفہ ہے اور نکتہ ہے۔ حجت نہیں ہے اور علم نہیں ہے۔ اور محبت تو صوفیہ سے مجھے اتنی ہے کہ کسی سے بھی نہیں۔ مگر اس کے یہ معنی تھوڑا ہی ہیں کہ قرآن حدیث کے جو خاص مدلولات انہوں نے غلبۂ محبت میں بیان کئے ہیں، ان کو بھی حجت قرار دیدوں۔ اس میں تو علماءِ محققین ہی کے اقوال حجت ہوں گے۔ (جلد ۱۰۔ص:۵۷)

مصلحین کی تقریرات سے متعلق ایک اہم اصول:

فرمایا کہ معالجۂ نفس [یعنی نفس کی اصلاح] کبھی خلافِ تحقیق تقریر سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ نافع ہونا دلیل ہو اس تقریر کے صحیح ہونے کی۔ [مصلحین کبھی ایسی بات بھی کہتے ہیں جو تحقیقی طور پر صحیح نہیں ہوتیں، ان کی تاویل کرنی پڑتی ہے، لیکن مخاطب کا ان سے علاج ہو جاتا ہے]۔ اس مسئلہ سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ یہ اس موقع پر فرمایا جب ایک صاحب علم کو ایک صاحب کی غیر محقَّق تقریر سے بہت نفعِ باطنی محسوس ہوا، جس کی، بعد کو، حضرت اقدس نے محققانہ تقریر بجواب عریضہ بھیجی، تا کہ علمی غلطی رفع ہو جائے۔ اور اس کی مثال کے لیے ایک حکایت بیان فرمائی۔ وہ حکایت یہ ہے کہ کسی مریض کو مالیخولیا کے غلبہ سے یہ وہم ہو گیا کہ میرا بدن آبگینہ کا ہے۔ کوئی تدبیر موثر نہیں ہوئی۔ ایک طبیب نے نوکروں کو حکم دیا کہ جب اس کو لایا جاوے، اس پر کمبل ڈال کر گرا دیا جاوے۔ اور کمبل پر بوتلیں توڑ دی جاویں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد کمبل اتار کر وہ شیشے کے ٹکڑے اس کو دکھلا کر کہا گیا کہ یہ شیشے کا خول تمہارے بدن پر چڑھ گیا تھا، وہ اتر گیا۔ اب اصل بدن رہ گیا۔ چنانچہ وہ اپنے بدن کو دیکھ کر کہنے لگا کہ واقعی اب اصلی بدن رہ گیا۔ دیکھیے یہ بیان طبیب کا بالکل خلاف واقع تھا، مگر نافع ہوا۔ اسی طرح تدبیر اور چیز ہے اور تحقیق اور چیز۔ (جلد ۱۰۔ص:۵۷۔۵۸)

حضرت تھانویؒ کی غایت احتیاط:

ایک صاحب نے کوئی عمل پوچھا تو حسب معمول تحریر فرمادیا کہ میں عامل نہیں ہوں۔ ایک عامل کا پتہ لکھتا ہوں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کچھ خرچ بھی کراتے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ میں نے یہ فقرہ احتیاطا بڑھادیا ہے۔ کیونکہ ایک بی بی راوی ہیں کہ کسی رئیس کے لیے ان عامل صاحب نے تعویذ لکھا۔ اور لکھنے کے بعد کہا کہ اس کے ایک سوا ایک روپیہ ہوئے۔ گو میں نے اس روایت کو باوجود راوی کے معتبر ہونے کے یقین نہیں کیا، لیکن پھر بھی ان کو فقرہ مذکورہ لکھ بھیجا۔ کیونکہ اس میں بہرحال احتیاط ہے۔ میں کسی کے خسارہ کا سبب نہیں بننا چاہتا۔ (جلد۱۰۔ص:۵۸۔۵۹)

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کا فقر وقناعت:

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ نقل کرتے بھی صدمہ ہوتا ہے، کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ایسے تو بے نظیر بزرگ، اور پھر بھی ان کی تنخواہ کیا تھی؟ صرف چالیس روپیہ ماہوار۔ جو آج ایک نو آموز طالب علم بھی مشکل سے قبول کرتا ہے۔ اور اگر تنخواہ کی کمی بھی منظور کرتا ہے تو اس طرح سے کہ اثر[اور شان] میں کمی نہ ہو چنانچہ ایک مدرسہ میں قلتِ آمدنی کی وجہ سے مدرسین سے کہا گیا کہ اپنی تنخواہوں میں تخفیف منظور کرلیں۔ صدر مدرس صاحب نے کہا کہ اس طرح تو تخفیف نہیں کروں گا۔ میں تنخواہ تو پوری لوں گا لیکن جتنی تخفیف ضروری سمجھی جائے، اتنی رقم اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کردیا کروں گا۔ تاکہ نام تو رہے کہ تنخواہ اتنی ہے۔ تو یہاں تک باتیں نظر میں آنے لگیں کہ چاہے تنخواہ کم ہوجائے لیکن شان ویسی ہی رہے۔ اب تو اتنی تنخواہ کو کوئی خاطر میں بھی نہیں لاتا۔ اور وہاں اس کی بھی بڑی قدر تھی۔ وجہ کیا؟ کہ وہ حضرات اپنے کو صاحب کمال ہی نہیں سمجھتے تھے۔ اس واسطے صاحب مال ہونا نہیں چاہتے تھے۔ غرض چونکہ مولانا کا کنبہ بہت بڑا تھا، اس لیے خرچ میں بہت تنگی ہوتی تھی۔ اور چونکہ وہاں صفائی اور سادگی بہت زیادہ تھی، گھر والوں کی یہ شکایت بھی سب کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ کنبہ والے زیادہ طلبی کرتے ہیں، میری چالیس روپیہ تو تنخواہ ہے اور ہر شخص یہی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ چالیس روپیہ مجھے دے دو۔ تو میں چالیس کی صرف ایک رقم کو

چالیس چالیس کی اتنی ساری رقمیں کیسے بنا سکتا ہوں؟ پھر بطور تحدیث بالنعمۃ کے فرمایا کہ اللہ اکبر! ہمارے بزرگوں نے تو اس طرح بسر کیا ہے۔ اور یہاں تو اللہ تعالی نے نوابی کیا، بادشاہی دے رکھی ہے۔ اور تنگی خدا کے فضل سے کہیں ارد گرد بھی نہیں۔ حالانکہ نہ کوئی لیاقت ہے نہ کمال۔ اور جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا تھا کہ الحمد للہ بندہ کسی کا مقروض نہیں ہوتا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ نے مجھ کو بھی یہ دولت عطا فرما رکھی ہے۔ الحمد للہ میں بھی کسی کا مقروض نہیں ہوتا۔

یہ بھی فرمایا کہ جب میں دیوبند پڑھتا تھا تو، اللہ تعالی جزائے خیر دے والد صاحب کو، وہ مجھے فراغت کا خرچ بھیجتے تھے۔ گو تکلف اور تنعم تو نہیں تھا۔ لیکن آرام اور فراخی کے ساتھ رہتا تھا۔ چنانچہ کھانا پکانے کے لیے ایک مدت تک باورچی بھی تھا۔ ایک بار مولانا نے مجھ سے پوچھا کہ کچھ خرچ میں گنجائش بھی ہے۔ یہ ایسے آہستہ لہجہ میں فرمایا کہ میں بجائے خرچ کے خط سمجھا۔ اور سمجھا کہ والد صاحب کو جو میں خطوط لکھا کرتا ہوں اس میں بھی گنجائش ہے۔ میں نے اسی بناء پر عرض کیا کہ جی حضرت بہت گنجائش ہے۔ اس پر فرمایا کہ دس روپیہ دے دو۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ خرچ کی گنجائش کو دریافت فرما رہے تھے۔ چونکہ الحمد للہ میرے پاس خرچ کی بھی فراغت تھی، اس لیے میں نے فوراً دس روپیہ حاضر کر دیے، جو مولانا نے تنخواہ ملتے ہی ادا فرما دیے۔ پھر تو اکثر مہینوں میں ایسا ہی ہوا کرتا۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۶۳۔۶۴)

بزرگان سلف کے کچھ عجیب واقعات:

اپنے خاص حضراتِ اکابر کے متعلق فرمایا کہ جو بات ان حضرات میں دیکھی، کسی میں نہ دیکھی۔ یہ میں نہیں کہتا کہ وہ حضرات علم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ یا ان کے عمل میں کوئی کمی نہ تھی۔ لیکن جو سب سے بڑی بات ان حضرات میں تھی وہ یہ تھی کہ جو کام بھی کرتے، بس محض اللہ کے واسطے کرتے تھے۔ ان کے ہر کام میں للّٰہیت ہوتی تھی۔ اور یہی تو اصل چیز ہے۔ ورنہ اگر علم میں بلعم باعور ہو اور عمل میں ابلیس ہو تو علم و عمل ہیچ ہے۔

...اور اپنے بزرگوں کی اس صفت [للّٰہیت] پر نظر کرنے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق دی۔ بس یہ ہے چیز۔ اور سب چیزوں کی کمی تو معاف بھی ہوسکتی ہے لیکن للّٰہیت کی کمی معاف

نہیں ہوتی۔اس سے درگذر نہیں کیا جاتا۔یعنی کمال میں اس کا شرط ہونا نظرانداز نہیں ہوتا۔اگر کسی میں یہ چیز کم ہے تو یوں کہئے کہ اس میں بہت کمی ہے۔وہاں تو نہ تقریر کو کوئی پوچھتا ہے، نہ تحریر کو کوئی پوچھتا ہے۔نہ اورادا کو کوئی پوچھتا ہے۔بس اصل چیز یہ ہے۔اسی کا جب غلبہ ہوتا ہے، تو اس کا نام فنا ہے۔صوفیوں نے تو اس کا نام فناء رکھا۔اور اہل ظاہر کی اصطلاح میں اس کو للّٰہیت اور اخلاص کہتے ہیں۔اب صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا چیز زیادہ تھی؟ یہی للّٰہیت اور خلوص۔ورنہ کیا وہ سارے حضرات اصطلاحی عالم تھے؟ یا ان حضرات سے عمل میں کوئی کوتاہی کبھی ہوتی ہی نہ تھی؟ مگر اسی للّٰہیت اور اخلاص کی وجہ سے حضور سرور عالم ﷺ یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر نصف مد میرا صحابی اللہ کی راہ میں دے، تو وہ غیر صحابی کے احد پہاڑ کے برابر خرچ کرنے سے بھی افضل ہے۔ (ص:۸۴۔۸۹)

بوجہِ ضعف مصافحہ سے معذرت:

کیا کہوں؟ جب قوت تھی، تو چار چار ہزار مجمع سے میں نے مصافحہ کیا ہے۔اور نیت یہ ہوتی تھی کہ ممکن ہے اس مجمع میں کوئی مقبول بندہ ہو اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے شاید میری نجات ہو جائے۔اب آپ ہی انصاف کیجیے، کہ جس کا یہ اعتقاد ہو کیا وہ مصافحہ سے گھبرائے گا؟ مگر یہ جب ہے کہ جب تحمل ہو۔پہلے تحمل تھا، اب تحمل نہیں۔میں نے تو بہت بڑے بڑے مجمع سے مصافحہ کیا ہے۔اور یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ کتنا ہی بڑا مجمع ہوا، میری آواز اتنی ہی دور پہنچ گئی۔اب بحالت ضعف بلاضرورت مصافحہ کرنے کا تحمل نہیں۔ (جلد۱۰۔ص:۹۲)

علماء کے وقار کا قائم رہنا حفاظتِ دین کے لیے ضروری ہے:

جب میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں تھا، تو اس زمانہ میں ایک متمول رئیس کانپور آئے۔وہاں کے جتنے مدرسے تھے، ان سب کے مہتمم اور مدرسین اپنے اپنے طلبہ کو لے کر چندہ کی غرض سے ان رئیس کے استقبال کیلئے اسٹیشن پہنچے۔مجھ سے بھی کہا گیا۔لیکن میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں تو اپنے مدرسہ سے ایک چڑیا کے بچہ کو بھی نہ جانے دوں گا۔میرے نزدیک مال سے زیادہ عزت ہے۔اور اس صورت میں عزت تو یقیناً برباد ہوگی۔اور مال کا ملنا محض محتمل ہے۔ممکن ہے کہ ملے

جائے اور ممکن ہے کہ نہ ملے۔ اور دوسری صورت میں عزت تو یقیناً محفوظ ہے۔ چاہے مال ملے چاہے نہ ملے۔ غرض میں نے تو اپنے مدرسہ میں سے کسی کو جانے نہیں دیا۔ دوسرے مدرسے والے گئے۔ اور اپنی اپنی ضرورتیں ظاہر کیں۔ لیکن انہوں نے سب کی درخواستیں سن کر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک مدرسہ جامع العلوم بھی ہے اور اس کا کوئی ذمہ دار نہیں۔ اس کے لیے میں دو سو روپیہ سال مقرر کرتا ہوں۔ لیجئے اور سب کو تو جواب دے دیا اور ہمارے مدرسہ کے لیے دو سو روپیہ سال مقرر کر دیے۔ پھر دو سو روپیہ سال برابر آتے رہے۔ جب ان رئیس کا انتقال ہو گیا، تو میں نے ان کے ورثہ کو اس چندہ کے قائم رکھنے کے لیے نہیں لکھا۔ اہل مدرسہ نے کہا بھی کہ لکھ دینا چاہیے۔ لیکن میں نے کہا کہ یہ بے عزتی کی بات ہے۔ چنانچہ نہ یہاں سے لکھا گیا، نہ وہاں سے پھر کچھ آیا۔ (جلد ١٠۔ص:١٠٢۔١٠٤)

حضرات اکابر کا تواضع اور خلوص:

اپنے حضرات اکابر کے خلوص، تواضع اور بے ساختگی کے واقعات بیان کر کے فرمایا کہ ان واقعات کے کوئی نظائر پیش نہیں کر سکتا۔ گو اور حضرات وسعت علم اور مجاہدۂ عمل میں ان سے بڑھے ہوئے ہوں۔ چنانچہ خود ان کے زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ لیکن جو للّٰہیت اور خلوص ان حضرات میں دیکھا، کسی اور میں نہ دیکھا۔

...لوگ کرامتوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کے واقعات کو دیکھیں، کہ ان کا ہر ہر واقعہ ایک مستقل کرامت ہے۔ اور پھر بڑا کمال یہ تھا کہ اپنے کمالات کو ہمیشہ چھپایا ظاہر نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ ایک بار حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ مسجد کے حجرہ میں اپنے ایک شاگرد کے پاس تشریف لائے۔ جن کے پاس چارپائی نہ تھی۔ مولانا ان کے لیے خود بہ نفس نفیس گھر سے چارپائی اٹھا کر لائے۔ ابھی لا ہی رہے تھے کہ اتفاق سے ان شاگرد نے دیکھ لیا، وہ دوڑ کر چارپائی اٹھانے لگے۔ مولانا نے فوراً چارپائی چھوڑ دی اور فرمایا کہ میں کوئی رعیت کا...... [غلام] نہیں جو اس کو پہنچاؤں، تم خود لے جاؤ۔ دیکھئے! یہاں اپنے کمال تواضع کو کس لطافت [وظرافت] کے ساتھ

چھپالیا۔ پھر فرمایا: میں طالب علمی کے ختم تک اس خیال میں رہا کہ دنیا بھر کے علماء اسی شان کے ہوتے ہوں گے۔لیکن جب باہر نکلا تو دیکھا کہ اور کسی جگہ یہ رنگ ہی نہیں۔اس وقت اپنے حضرات اساتذہ کی قدر ہوئی کہ اللہ اکبر! یہ حضرات اپنا کہیں نظیر نہیں رکھتے (جلد ۱۰۔ص: ۱۰۵۔۱۰۶)

حوادث الفتاوی:

میں نے یہ چاہا تھا کہ جو نئی صورتیں معاملات بیع وشراء و دیگر ذرائع معاش کی اس زمانہ میں پیدا ہوگئی ہیں، ان کے جواز وعدم جواز کے متعلق شرعی احکام مدوّن کر دیے جائیں۔اور اس مجموعہ کا نام بھی میں نے حوادث الفتاوی تجویز کر دیا تھا۔ان فتاوی کی تدوین کے لیے میں نے یہ صورت تجویز کی تھی کہ ہر قسم کے اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کی صورتیں، مثلاً تاجر تجارت کی صورتیں، اہل زراعت زراعت کی صورتیں، ملازم ملازمت کی صورتیں لکھ لکھ کر میرے پاس بھیجیں۔ چنانچہ میں نے اپنے عام بیانات میں بھی، خاص گفتگو کے موقعوں پر بھی اس کی ضرورت کو ظاہر کیا۔اور وعدے بھی لے لیے۔لیکن افسوس کسی نے میری مدد ہی نہ کی۔ پھر بھی کچھ نئی صورتوں کے احکام میں نے بطور خود ہی، نیز سوالات موصول ہونے پر، لکھے۔ جو حوادث الفتاوی کے نام سے شائع بھی ہو چکے ہیں۔لیکن وہ بہت چھوٹا سا مجموعہ ہے۔ جو زیادہ صورتوں کو حاوی نہیں۔اور ضروریات کے لیے کافی نہیں۔مگر اس کے مطالعہ سے کم از کم یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ معاملات کی جتنی نئی صورتیں ہیں ان سب کے احکام فقہاء کے کلام میں موجود ہیں۔ کیونکہ وہ حضرات کلیات ایسے مقرر فرما گئے ہیں کہ انہیں سے ساری نئی صورتوں کے احکام بسہولت نکل سکتے ہیں۔ یہ ان حضرات کی عجیب کرامت ہے۔اور اس سے ان کے کلام کا جامع ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ (جلد ۱۰۔ص: ۱۴۱)

علم کلام جدید کی ضرورت:

اسی طرح متکلمین نے جو علم کلام مدون کیا ہے، اس میں بھی سب کچھ موجود ہے۔ کیونکہ انہیں کے مقرر کردہ اصولوں پر سارے شبہاتِ جدیدہ کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔اور اسی ذخیرہ سے کلامِ جدید کی بھی بآسانی تدوین ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی تدوین کا بھی قصد کیا تھا۔اور علی گڑھ

کالج میں جب میرا بیان ہوا تھا، تو میں نے وہاں کے طلبہ سے خاص طور پر یہ کہا تھا کہ آپ صاحبوں کو جو جو شبہات ہوں، ان کو لکھ کر میرے پاس بھیج دیں۔ اور اس کی یہ سہل صورت بھی میں نے تجویز کر دی تھی کہ مسجد میں ایک رجسٹر رکھ لیا جائے اور ہر اتوار کو جہاں بہت سے اور کام کرتے ہیں، ایک یا دو سوال اس رجسٹر میں بھی لکھ دیا کریں۔ پھر جب ایک معتد بہ تعداد ہو جایا کرے، ان سوالات کی نقل یا اس رجسٹر ہی کو میرے پاس بھیج دیا کریں۔ میں ان سوالات کا جواب لکھوں گا۔ لیکن باوجود اتنے بڑے مدّعی ہونے کے ایک بھی تو خط نہیں آیا۔ بس اہل الرّائی باتیں ہی بگھارتے ہیں۔ اور عمل کے نام صفر ہے۔ کوئی خود کچھ نہیں کرتا۔ اور علماء پر الزام کہ یہ کچھ نہیں کرتے۔ علماء کو یوں چاہیے، علماء کو یوں چاہیے۔ ارے بھائی! تمہیں بھی تو کچھ کرنا چاہیے؟ یا سب علماء کو کرنا چاہیے؟

ایک ریاست کے مدار المہام تھے۔ وہ بھی بہت جنٹلمین تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ کلام جدید کے مدوّن ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ میں نے اس ضرورت کو تسلیم کر کے اس کی مفصل عملی صورت پیش کی۔ اور جو کام ان کے کرنے کے تھے، مثلاً علماء کو تنخواہیں دے دے کر ان کو اس کام کے لیے ملازم رکھنا اور ضروری کتابوں کا خرید کر فراہم کرنا، اور مدون شدہ کا شائع کرنا، ان کا انتظام ان کے سپرد کیا۔ تو بس پھر سکوت اختیار کیا۔ اور پھر کبھی ایسی فرمائش نہیں کی۔ میں تو ایسے معترضین اور مجوّزین کو اسی طرح خاموش کرتا ہوں، کہ ان کے کرنے کا جو کام ہوتا ہے، وہ ان کے سر ڈال دیتا ہوں۔ بس پھر منہ نہ اعتراضات کرنے کا رہتا ہے، نہ تجویزات پیش کرنے کا۔ غرض ان جنٹل مینوں سے تو مجھے کوئی مدد ملی نہیں۔ لیکن میں نے بطور خود ہی ان کے بعض ایسے شبہات کے جن کا مجھ کو علم تھا، جوابات لکھ کر **الانتباهات المفيده عن الاشتباهات الجديده** کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ اور اس میں میں نے ایسے اصول موضوعہ قائم کر دئے ہیں، جن سے میرے نزدیک اس قسم کے جتنے شبہات پیدا ہوں، بسہولت رفع کئے جا سکتے ہیں۔

حوادث الفتاویٰ اور کلام جدید کی مفصل اور مکمل تدوین کی طرف دوبارہ توجہ کی استدعاء پر فرمایا کہ اب مجھ میں قوت کہاں؟......

پھر فرمایا کہ کام کے لوگ موجود ہیں۔ مگر کام نہ کریں تو اس کا کیا علاج؟ آرام طلبی سے تو کام

ہوتا نہیں۔ کام تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ گو میرا دماغ بے کار تھا، لیکن چونکہ کام کرنے کا تقاضا میرے قلب میں تھا، اس لیے کچھ نہ کچھ کر ہی لیا۔ اور میں نے آرام بھی اوروں سے زیادہ کیا ہے اور مشقت بھی اوروں سے زیادہ اٹھائی ہے۔ لیکن آرام کا استعمال تو بیشک میں نے کیا ہے لیکن اہتمام اس کا زیادہ نہیں کیا۔ باقی اب تو قوت ہی نہیں رہی۔ لیکن الحمدللہ امنگ اور تقاضا قلب میں اب بھی ویسا ہی ہے بلکہ زیادہ ہی ہے۔

خود قوی ترمی شود خمر کہن ☆ خاصہ آن خمرے کہ باشد من لدن

اگر کوئی کام اب بھی ایسا آجاتا ہے، جس کا کرنا میرے نزدیک ضروری ہوتا ہے، تو اس کو کسی طرح لگ لپٹ کر بہت جلد پورا کر لیتا ہوں۔ اور جب تک پورا نہیں کر لیتا چین نہیں آتا۔ برابر اس کا خیال لگا رہتا ہے۔ گو بعد کو بہت تکان محسوس ہوتا ہے۔ غرض میں تو جیسا مجھ سے بھلا برا ہو سکا دین کی ضروری خدمت کر چکا۔ جو جی میں آیا اللہ نے پورا کر دیا۔ لیکن اب جو اور کام باقی ہے، اس کو اور لوگ کریں۔ کیا وہ کر نہیں سکتے؟ ضرور کر سکتے ہیں۔ اور مجھ سے اچھا کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر خواہ مخواہ واجد علی شاہ کے احدی [یعنی سست و کاہل] ہی بن جائیں تو اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔

اب تو اگر کسی کام میں ذرا بھی سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو اس سے بھی تکان ہو جاتا ہے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ سچ جانیے! اس کا تو مجھے وسوسہ بھی نہیں کہ یہ جو کچھ میں نے کام کئے ہیں، وہ اعمالِ صالحہ ہیں، بلکہ یہ ڈر ہے کہ کہیں ان پر مؤاخذہ نہ ہو۔ اس پر عرض کیا گیا کہ حضرت کی تصانیف سے تو بہت ہی نفع پہنچا ہے۔ فرمایا کہ اندھا مشعلچی بھی تو نفع پہنچاتا ہے۔ اسی واسطے الحمدللہ مجھے کبھی ناز نہیں ہوا۔...... بلکہ ہمیشہ کی فکر رہی کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔ چنانچہ میں نے اپنے اہل علم احباب کی ایک کمیٹی بنائی تھی، اور ان کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میری ساری تصانیف کو دیکھ کر جو ان میں غلطیاں ہوں، ان کو جمع کر لیا جائے۔ اور بعد مشورہ ان کی تصحیح شائع کر دی جائے۔ اور جو میں فتوی لکھوں اس کو بھی دیکھ لیا جائے۔ اس کمیٹی کے لیے میں نے ایک مہر بھی بنوائی تھی۔ جواب تک موجود ہے۔ یہ انتظام میں نے اپنے اطمینان کے لیے کیا تھا۔ کیونکہ اپنی لیاقت تو مجھے معلوم ہے۔

...میں نے تو ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لیے جاری کر رکھا ہے کہ جس کو جو غلطی میری تصانیف

میں ملے، اس سے مجھے مطلع کرے۔ تا کہ اگر مجھے اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے۔ تو اس سے بالاعلان رجوع کرلوں۔ چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی ہے، اس کا دل کھول کر بہت فراخ دلی سے اقرار کیا ہے۔ اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا، وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے۔ تا کہ جو قول جس کے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کرے۔ میں نے ہمیشہ یہی کیا کہ خواہ مخواہ اپنی بات کو نباہا نہیں۔ یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ ویسے تو یہ خصلت اپنے سب ہی اکابر میں تھی۔ لیکن جیسا رنگ مولانا میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں ویسا نہ تھا۔ دوران درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا، جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لیے ہوئے جا پہنچے۔ اور بے تکلف کہا کہ مولانا یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ذرا اس کی تقریر تو کر دیجیے۔ چنانچہ بعد تقریر کے واپس آ کر طلبہ کے سامنے اس کو دہرا دیتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے۔ (جلد ۱۰ ص:۱۱۴-۱۱۸)

اپنی چیز کو تبرک کا دینا حرام ہے:

ایک رئیس زادہ کا دیا ہوا ایک اونی کرتہ، ان کی رضامندی سے، بعد استعمال واپس فرمایا، تو اس خیال سے کہ ان صاحب کی دل شکنی نہ ہو، یہ تحریر فرمایا کہ اس کو بطور یادگارِ محبت اپنے پاس رکھیے۔ پھر فرمایا کہ میں نے یہ الفاظ ان کی خاطر سے لکھ دیے تا کہ ان کو واپس لینے میں عار نہ ہو۔ اس پر عرض کیا گیا کہ وہ تو اس کو تبرّک سمجھیں گے۔ فرمایا کہ وہ جو کچھ چاہیں سمجھیں، باقی میں نے اسی لیے یادگارِ محبت کا لفظ لکھا ہے کہ اپنی چیز کو تبرّک کا دینا حرام ہے۔ یہ میں نے فتوے کی شکل میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی سے سنا ہے۔ جس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ اس نے اپنے کو بزرگ سمجھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فلا تزکوا أنفسکم** "اپنی چیز کو تبرک کا دینا کبر ہے اور دعویٰ ہے بزرگی کا، جو حرام ہے۔ (جلد ۱۰ ص:۱۲۲-۱۲۳)

اہل حق کے مختلف فیہ مسائل میں محقق کا رویہ:

اہل تحقیق میں غلو تو ہوتا نہیں۔ اس لیے وہ ہر شے کو اس کے درجہ پر رکھتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ

یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف فیہ مسائل میں نہ موافقت میں ضرورت سے زائد شدید ہوتے ہیں، نہ مخالفت میں۔ محض کسی کے راضی کرنے کے لیے حدود کو بھلا کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ (جلد۔۱۰ص:۱۲۳)

گفتگو میں ضرورت اعتدال:

فرمایا کہ جتنے آدمی زیادہ بولتے ہیں، ان کا دماغ کچھ معتدل نہیں ہوتا۔ مگر اتنا بھی کم نہ بولنا چاہیے کہ دوسرا آدمی منتظر ہی رہے کہ نواب صاحب کچھ بولتے ہی نہیں۔ ہر چیز میں اعتدال ہی مناسب ہے۔ ایک بار زیادہ بولنے کی خرابی اس مثال سے واضح فرمائی تھی کہ جو ہانڈی ہمیشہ ابلتی ہی رہے گی اس کا سارا مسالہ نکل جائے گا۔ اور بالکل پھیکی بے لطف رہ جائے گی۔ (جلد۔۱۰ص:۱۳۰)

سالک کو تشویش سے بچنا چاہیے:

طریق کے مسائل میں سے ہے کہ سالک کو تشویش سے بچنا چاہیے۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اس کا بڑا اہتمام دیکھا۔ حتی کہ اگر کسی کا یہ مذاق دیکھا کہ اس کے قلب کو زیادہ مال کے مالک ہونے سے بھی تشویش ہوتی ہے، تو اس کو یہ رائے دی کہ اپنے پاس مال کم رکھو۔ اور اگر کسی کو کم سرمایہ ہونے کی حالت میں تشویش ہوتی تو اس کو یہ مشورہ دیتے کہ زیادہ سرمایہ اپنے پاس رکھا جائے۔ ایک دفعہ مجھے خیال ہوا کہ گو قواعد سے اور تجربہ سے تو جمعیتِ قلب کا نافع ہونا اور تشویش کا مضر ہونا ظاہر اور مسلم ہے لیکن اس کا ماخذ بھی کہیں قران وحدیث میں ہے؟ چنانچہ ایک دفعہ یہ حدیث ذہن میں آئی کہ گر عِشاء (بکسر عین) اور عَشاء (بفتح عین) دونوں حاضر ہوں، تو پہلے عَشاء سے فارغ ہو لینا چاہیے۔ اس ماخذ کے ذہن میں آجانے سے میرا جی بہت خوش ہو۔ا دیکھیے یہاں بھی علت یہی ہے کہ پہلے کھانے سے فارغ ہو لے تا کہ نماز میں تشویش نہ رہے۔ (جلد۱۰۔ص:۱۳۳۔۱۳۴)

اصطلاحاتِ تصوف اِحداث فی الدین نہیں:

اصل تصوف کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ وہی چیز ہے، جو قرآن وحدیث میں ہے۔ البتہ کچھ اصطلاحات اور کچھ حالات نئے معلوم ہوتے ہیں۔ سو اصطلاحات تو خود علماءِ محدثین وفقہاء کی بھی اپنی خاص ہیں۔ جو بضرورتِ تسہیل مقرر کر لی ہیں۔ جن کو بدعت ممنوعہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ

اِحداث فی الدین نہیں ہے، جو منع ہے۔ اِحداث للدّین ہے جو منع نہیں۔ یہ تفصیل ہمارے اکابر نے کی ہے۔ جو نہایت لطیف ہے اور بالکل صحیح ہے۔ اور اصطلاحوں کی ضرورت جو تسہیل کے لیے ہے، اختلاف استعداد کی وجہ سے پڑی۔ چنانچہ جو رنگ علماء مصنفین کی تقریر کا ہے، وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہیں تھا۔ لیکن اس سے مقاصد نہیں بدلے۔ یہی حال تصوف کا بھی ہے کہ صرف بعض اصطلاحیں مختلف ہیں۔ باقی مقاصد وہی ہیں جو قرآن وحدیث میں ہیں۔

اب رہ گئی دوسری چیز، یعنی احوال و مواجیدِ خاصہ۔ سوان کا مسائلِ فن سے یا بعنوان دیگر مقاصد سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ وہ تو احوال ہیں، جو ہر شخص پر اس کی استعداد کے موافق طاری ہوتے ہیں، جو ثمرۂ غیر لازمہ ہے ذکر و شغل کا۔ ان کو بعض نے اس مصلحت سے مدوّن کر لیا کہ اگر کسی کے اوپر اسی قسم کے حالات طاری ہوں تو وہ اپنے حالات کو اِن احوال پر منطبق کر سکے۔ اور وہ بھی شیوخ کی رائے سے۔ باقی طالبین کے لیے خود ان کا مطالعہ سخت مضر اور ممنوع ہے۔

(جلد ۱۰۔ص: ۱۳۸۔۱۳۶)

حضرت حاجی صاحبؒ کا رات کا معمول:

یہاں جب حضرت حاجی صاحب تشریف رکھتے تھے، تو حافظ عبد القادر جو حضرت کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی، رات کو یہیں سردی میں حضرت کے چارپائی کے نیچے لیٹتے تھے۔ حضرت کی چارپائی بہت مکلّف تھی۔ نواڑ سے بنی ہوئی، رنگین پائے، سیج بند کسے ہوئے۔ لوگ یوں سمجھتے تھے کہ نوابوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن حال یہ تھا کہ مجھ سے خود حافظ عبد القادر کہتے تھے کہ عشاء کے بعد حضرت اول میں چارپائی پر آکر لیٹ جاتے۔ بس اس وقت تو سب نے دیکھ لیا کہ حضرت عشاء کے بعد سو رہے ہیں۔ لیکن جب سب نمازی چلے جاتے، تو مؤذن سے دروازہ بند کرا لیتے۔ اور مسجد میں مصلّیٰ بچھا کر ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ رات بھر میں شاید تھوڑی ہی دیر آرام فرماتے ہوں، کیونکہ جب آنکھ کھلی حضرت کو مسجد میں بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہی دیکھا۔ اور کوئی دن ناغہ نہ جاتا تھا کہ روتے نہ ہوں اور بڑے درد سے بار بار یہ شعر نہ پڑھتے ہوں۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن ☆ گر بدم من سرّ من پیدا مکن

[یعنی اے خدا! اس بندہ کو بے آبرو و رسوا نہ فرمائیے گا۔ ہوں تو میں برا، مگر میرے راز نہ کھولیے گا۔]

حضرت! جس کو منزل پر پہنچنا ہو گا وہ رات ہو یا دن، جب وقت ملے گا چل پڑے گا۔ ہم غافل ہیں۔ بس جہاں ہیں، وہیں دھرے ہوئے ہیں۔ اب لوگ بجائے اپنی فکرِ دین کے رات دن اسی مشغلہ میں رہتے ہیں کہ فلانہ ہمارا معتقد ہو جائے۔ ارے کیا رکھا ہے کسی کے معتقد ہو جانے میں؟ اگر معتقد ہو ہی گیا تو کے ٹکے مل گئے؟

اخلاق کا تقاضہ ہے کہ کسی پر دباؤ نہ ڈالا جائے:

...میری چھوٹی ہمشیرہ کا جب انتقال ہوا، تو میں اس زمانہ میں جامع العلوم کانپور میں مدرس تھا۔ جس وقت اس خبر کی اطلاع کا خط آیا، میں درس دے رہا تھا۔ گو میں نے درس موقوف نہیں کیا، نہ طلبہ کو اس کی خبر ہونے دی۔ لیکن پھر بھی آخر بہن تھیں۔ چہرے سے غم کے آثار سب پر ظاہر ہو گئے۔ یہاں تک کہ طلبہ نے پوچھا کہ کیا خط میں کوئی رنج کی بات لکھی ہے؟ اس وقت میں نے ظاہر کر دیا کہ ہاں میری بہن کا انتقال ہو گیا۔ اس پر سب نے کہا کہ ہم آج سبق نہیں پڑھیں گے۔ میں نے کہا کہ میاں پڑھو بھی، اس کو ثواب ہو گا، فائدہ ہو گا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں آج تو جی نہیں چاہتا۔ پھر میں نے اصرار نہیں کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب ہم اجازت چاہتے ہیں کہ ہم سب قرآن شریف پڑھ کر مرحومہ کو ایصال ثواب کریں۔ میں نے کہا کہ بھائی! تمہاری خوشی ہے۔ میں تو اپنے دوستوں کو اس کی بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ یوں بطور خود اپنی محبت سے ایصال ثواب کریں تو اختیار ہے۔ ایصال ثواب کی فضیلت بھی بہت ہے۔ اس لیے میری طرف سے اجازت ہے۔ مگر ایک طریق سے، وہ یہ کہ جمع ہو کے نہیں، بلکہ اپنے اپنے حجروں میں بیٹھ کر، تاکہ جس کا جتنا جی چاہے پڑھے، جس کا جی چاہے نہ پڑھے۔ پھر میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے اطلاع نہ کرنا، کہ کس نے کتنا بخشا۔ ورنہ اطلاع کی ضرورت سے ہر شخص یہ چاہے گا کہ کم از کم پانچ پارے تو پڑھوں۔ حالانکہ اگر میری اطلاع کے لیے پانچ پارے پڑھے تو ان کا ایک حرف بھی مقبول نہیں۔ خلاف اس کے اگر کسی نے خلوص سے صرف ایک بار قل ھو اللہ پڑھ کر بخشا تو یہ قل ھو اللہ مقبول ہے۔ اور مرحومہ کے حق میں نافع۔ اور وہ پانچ پارے

مقبول اور نافع نہیں۔ چنانچہ جس کو جتنی توفیق ہوئی اس نے بطور خود بلا مجھے اطلاع کیے ہوئے، آزادی اور خوشدلی کے ساتھ پڑھ کر بخش دیا۔ تو کسی کے مرنے پر کرنے کے کام تو یہ ہیں۔ اب میں جلسہ کرتا مرحومہ کی تعریفیں کرتا۔ اظہار غم کا رزولیشن پاس کرتا۔ اخباروں میں شائع کرادیتا۔ مدرسہ میں تعطیل کردیتا تو اس سے اس مرحومہ کو کیا فائدہ ہوتا؟ (جلد۱۰۔ص:۱۳۹۔۱۴۱)

مثنوی مولانا روم کو سمجھنے کا اصول:

مثنوی شریف بڑی جامع کتاب ہے۔ اس میں طریق کے بہت مسائل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ مسائل کو اس سے اخذ نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ جو مسائل پہلے سے دلائل مستقلّہ سے ثابت اور محقق ہوں، ان پر مثنوی کو منطبق کر لینا چاہیے۔ بس بڑی مثنوی دانی یہی ہے۔ اور اس میں مثنوی کی کوئی تخصیص نہیں۔ مطلقاً اشعار میں مسائل کی توضیح پوری طرح ہو بھی نہیں سکتی۔

(جلد۱۰۔ص:۱۴۲)

شیخ کو بھی ذکر و شغل کی ضرورت ہے:

حضرت حاجی صاحب سے میں نے سنا ہے کہ جو شیخ خود کچھ نہ کرے، اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ گو خود اس کو حاجت نہ رہے۔ لیکن اس غرض سے اس کو ذکر شغل کرتے رہنا چاہیے کہ خود تلقی کر کے آگے القاء کرے۔ ورنہ اگر خود کچھ نہ کرے گا، تو دوسروں کو کیا القاء کرے گا؟

متقی کے وعظ کا اثر:

......پھر اثر کے متعلق بیان فرمایا کہ اگر خود عمل نہ کرے تو کہنے میں قوت نہیں ہوتی۔ اس لیے اثر کم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص خود تقوی اختیار کرتا ہے، اس کے کہنے کا زیادہ اثر ہوتا ہے، بہ نسبت اس کے جو غیر متقی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ کے دو جملوں میں جو اثر ہوتا تھا، وہ دوسرے واعظوں کی لمبی لمبی تقریروں میں بھی نہ ہوتا تھا۔ جو اثر ان کے اس جملے میں ہوتا تھا کہ خدا سے ڈرو، وہ دوسروں کے سالہا سال کے وعظ و پند میں نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک بار جامع مسجد کی سیڑھیوں پر وعظ فرما رہے تھے۔ اتفاق سے وعظ میں ایک زنانہ بھی

آ گیا۔ مولانا نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ وضع اور یہ کام شریعت کے خلاف ہے، خدا سے ڈرو۔ بس یہ سننا تھا کہ اس نے فوراً انگوٹھی چھلے سب اتار کر پھینک دیے اور کسی سے چادر و لنگی لیکر زنانہ لباس بھی اتار دیا۔ پھر مہندی جو لگی ہوئی تھی اس کے چھڑانے کے لیے سیڑھیوں کے پتھر پر ہاتھ رگڑنا شروع کیے۔ یہاں تک کے کھال چھل گئی اور ہاتھ لہولہان ہو گئے۔ مولانا نے منع بھی فرمایا کہ شریعت کا یہ حکم نہیں ہے، لیکن اس کے تو دل میں آگ لگ گئی تھی۔ اس کو بلا مہندی چھڑائے چین ہی نہ آیا۔ تو دیکھیے یہ کیا جادو بھرا فقرہ تھا کہ ''خدا سے ڈرو'' جس نے اس زنانہ کی یہ حالت کر دی۔ وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالی نے خود ان کو تقوی عطا فرمایا تھا۔ اس لیے ان کے کہنے میں یہ اثر تھا۔

''لم تقولون ما لا تفعلون'' کا صحیح مفہوم:

لیکن ہر حال میں اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ اگر خود عمل کی توفیق نہ ہو، تو دوسرے کو بھی تعلیم و تبلیغ نہ کرے۔ جیسا اکثر لوگ عموماً ایسے موقعوں پر آیت ''**لم تقولون ما لا تفعلون**'' [یعنی تم وہ کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے؟] سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ جو بڑی غلطی ہے۔ میں نے اس استدلال کے غلط ہونے کی ایک خاص عنوان سے تقریر کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت دعوے کے باب میں ہے دعوت کے باب میں نہیں۔ یعنی جو چیز تمہارے اندر نہ ہو اس کا دعوی نہ کرو۔ یہ نہیں کہ اس کی طرف دعوت بھی نہ دو۔ جیسا کہ سبب نزول بھی اس کا شاہد ہے۔ یہ دو لفظ [دعویٰ اور دعوت] اللہ تعالی نے ایسے مناسب ذہن میں ڈال دیے کہ گویا دریا کوزہ میں بھر گیا۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۱۴۴)

حضرت گنگوہی کو مسلک حنفی پر بہت شرح صدر تھا:

مولانا گنگوہیؒ درس حدیث کے وقت حدیثوں کی اس طور پر تقریر کرتے کہ ساتھ کے ساتھ مسائل حنفیہ کی بھی تائید نہایت واضح طور پر کرتے چلے جاتے۔ مولانا کو اس میں بہت ہی شرح صدر تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار فرمایا کہ مجھ کو تو حدیثوں میں مذہب حنفی ایسا صاف نظر آتا ہے جیسے نصف النہار کے وقت آفتاب۔ ایک مولوی صاحب نے مولانا کی ایک تقریر سن کر جوش میں آ کر کہا

کہ آپ کے پاس آکر تو حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرما دیتے ہیں۔ اگر حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ یہ کیا کہا؟ اگر حضرت امامؒ زندہ ہوتے تو کیا میں ان کے سامنے بولتا بھی؟ اور بولتا تو کیا؟ میں تو ان کی تقلید کرتا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تقلید کو چھوڑ دیتا۔ کیونکہ مجتہدِ حیّ کے ہوتے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حیّ کی تقلید کی جائے۔ نیز یہ بھی میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ علمائے حجاز دوران درس میں جب دوسرے اماموں کے اقوال نقل فرماتے ہیں تو اگر وہ مثلاً شافعی ہیں، تو کہتے ہیں **قالت ساداتنا الحنفية** ۔ اور اگر حنفی ہیں، تو کہتے ہیں **قالت ساداتنا الشافعية** ۔ خود حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، جب آپ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے، تو فجر کی نماز میں دعائے قنوت ترک فرما دی۔ کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ اتنے بڑے امام جلیل کے سامنے ان کی تحقیق کے خلاف عمل کرتے شرم آئی۔ کیا ٹھکانا ہے ادب ولحاظ کا۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۱۴۷۔ ۱۴۸)

سلام کے وقت جھکنا ناجائز ہے:

ایک صاحب نے ادبِ مفرط [یعنی حد سے زیادہ ادب] کی بناء پر جُھک کر بات کرنی چاہی تھی۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ اسی طرح تو شرک و بدعت تک نوبت پہونچ گئی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ حضورؐ نے سلام کے وقت بھی تو انحناء یعنی جھکنے کو ناجائز فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ دین اپنی اصلی حالت پر آ جائے۔ مگر اکیلے میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ جو لوگ متبع سنت ہیں اور اپنی ہی جماعت کے ہیں، ان کے یہاں بھی بس یہی دو چار چیزیں تو بدعت ہیں، جیسے مولد کا قیام، عرس، تیجا، دسواں۔ اس کے علاوہ جو اور چیزیں بدعت کی ہیں انہیں وہ بھی بدعت نہیں سمجھتے۔ چاہے وہ بدعت ہونے میں ان سے بھی اشد ہوں۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۱۶۵)

علماء اپنی عزت کا خیال رکھیں:

ڈاک ختم ہونے کے بعد حضرت اقدس مدظلہم العالی سب سے اول ایک نوجوان عالم کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو پہلے ایک اور مدرسہ میں مدرس تھے۔ اور اب فتح پور کے ایک مدرسۂ دینیہ

میں مدرس ہیں۔ ان کے والد ماجد بھی موجود تھے۔ جن کو حضرت اقدس کے ساتھ عرصہ دراز سے خاص عقیدت ہے۔ اور اسی بنا پر ان کے صاحبزادہ کے ساتھ بھی حضرت اقدس کو خصوصی تعلق ہے۔ اور تعلق تعلیم و تربیت مزید برآں ہے۔ بہت محبت اور شفقت کے لہجہ میں فرمایا کہ میاں فتح پور میں فتح بھی ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی حضرت! ابھی تک تو کوئی خلاف بات پیش آئی نہیں۔ فرمایا دونوں جگہ میں کیا فرق محسوس ہوا؟ عرض کیا فتح پور کے طلبہ میں دین داری زیادہ دیکھنے میں آئی۔ اس پر حضرت اقدس نے بے ساختہ فرمایا: الحمدللہ۔

پھر انہوں نے عرض کیا کہ وہاں کے ذمہ دار حضرات قواعد وضوابط کی پابندی زیادہ کرتے ہیں۔ پھر حضرت اقدس نے ان سے اُس نزاع کے متعلق پوچھا جو گیارہ دن کی تنخواہ کے بارے میں اُس مدرسہ کے اراکین سے ہو رہی ہے جس میں وہ اِس سے پہلے ملازم تھے۔ اول حضرت اقدس نے اس نزاع کی تفصیل دریافت فرمائی۔ معلوم ہوا کہ اس مدرسہ کے قواعد کی بنا پر اراکین کے نزدیک رقم متنازع فیہا کا استحقاق ان مولوی صاحب کو نہیں ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اول تو اس مدرسہ کے قواعد کے خلاف یہ رقم معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے قطعِ نظر استحقاق وعدم استحقاق کے اہل علم کو کب زیبا ہے کہ وہ ایسے رکیک امور میں نزاع کریں۔ یہ کیسی ہلکی بات ہے کہ چند پیسوں یا روپیوں کے لیے اتنی نزاع اور اتنا اصرار کیا جائے۔ اگر وہ لوگ ظلماً بھی آپ کا حق نہ دے رہے ہوں، تب بھی میری یہی رائے ہے اور یہی مشورہ ہے کہ نزاع نہ کیا جاوے۔ لیکن میں یہ مشورہ دے کر آپ کا حق تلف نہیں کرتا۔ بلکہ آپ ان گیارہ دنوں کی تنخواہ مجھ سے لے لیں۔ میں نہایت خوشی سے دے دوں گا۔ کیونکہ اس میں دین کی اور علمائے دین کی عزت ہے۔ اور آپ کی مصلحت یہ ہوگی کہ ان لوگوں کی نظر میں آپ کی سُبکی نہ ہوگی، کہ اہل علم ہو کر ایسی چھوٹی چھوٹی رقوم کے لیے اتنی نزاع کرتے ہیں۔ بس آج ہی کارڈ لکھ دیجیے۔ کہ جو قانون کی رو سے میرا ہو مجھے بتا دیجیے۔ اس سے زیادہ مجھے نہیں چاہیے۔

پھر فرمایا کہ یہ تو گیارہ دن ہی کی تنخواہ کا معاملہ ہے۔ اگر ایک لاکھ روپیہ بھی ہوتا، تو اس کو بھی لات مارنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں اپنی آبرو اور وضع کی حفاظت زیادہ ضروری ہے۔ مجھ

سے مشورہ تو کر لیتے۔آپ نے یہ ایسی بات کی ہے جس سے ان لوگوں کی نظر میں صاف آپ کا مقصود روپیہ کمانا معلوم ہوا ہوگا۔آپ ساری دنیا میں تقوی بگھارتے پھرتے ہیں، مگراس کا خیال آپ کو کچھ نہ ہوا کہ یہ دنیا طلبی ہے؟ جو اہل علم کی شان کے بالکل منافی ہے۔آپ اس سے دونی تنخواہ مجھ سے لے لیجیے۔لیکن اس قصہ کو ختم کیجیے۔ مجھے آپ کی اس بات سے بہت رنج ہوا۔ایسی حالت میں آپ سے کیا امید ہے کہ آپ علم کی وضع کو محفوظ رکھیں گے؟ جب حب دنیا کا مادہ اور منشا آپ میں موجود ہے تو ہر جگہ اس کا ظہور ہوگا۔

اللہ کے بندوں نے تو دین کی حفاظت کے لیے اور دین کی عزت کے لیے سلطنتیں چھوڑ دی ہیں اور آپ سے گیارہ دن کی تنخواہ بھی نہیں چھوڑی گئی؟ یہ دین کی عزت کے مقابلہ میں چیز ہی کیا ہے؟ اجی! ہم نے مانا کہ ان کے ہاں کا قانون ظلم ہے۔ بلکہ یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ لوگ اظلم الظالمین ہیں۔تو یہ ان کے ذمہ ہے۔آپ کو ان سے ایسی رکیک چیز کے لیے نزاع کرنا شان علم کے خلاف ہے۔.......اگر آپ کی یہ حرکت فتح پور والوں کو معلوم ہوگئی، تو فتح پور کی ساری فتح ہزیمت سے بدل جائے گی۔اب آپ فوراً سابق مدرسہ کے اراکین کو لکھ بھیجئے کہ میرا اب کچھ مطالبہ نہیں۔اور یہ ظاہر نہ کیجیے کہ اشرف علی کے کہنے سے میں نے ایسا کیا۔میری طرف منسوب نہ کیجیے گا۔ورنہ اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ آپ مجبور ہو کر دست بردار ہوئے۔اور جو اثر ہونے والا ہے وہ نہ ہوگا۔یہ باتیں تو ایسی ہیں کہ اہل علم میں طبعی ہونی چاہئیں۔وہ پیسے کتنے دن رہیں گے اور یہ بات ہمیشہ رہے گی کہ دیکھیے آج کل کے علماء ایسے رہ گئے ہیں۔اور اگر کسی لیڈر کو خبر ہوگئی تو وہ اس بات کو اچھالیں گے۔کیونکہ وہ پہلے ہی سے علماء سے بدگمان ہیں۔آپ اس بدگمانی کا منشا ان کے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔اور لیڈروں کی بھی تو حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔آخر وہ بھی تو امت محمدیہ میں داخل ہیں۔ (جلد۹۔ص:۱۷۴تا۱۷۵)

بزرگوں کے ادب کی برکت:

...ان علوم وحقائق کے انکشاف پر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کہ یہ خدائے تعالیٰ کی نعمت اور اس کی دَین ہے کہ ایسے مفید علوم قلب پر وارد ہو جاتے ہیں۔جس کا ظاہری سبب (جو مجھ کو اب معلوم ہوتا ہے اور جو چیز مجھ کو اب محسوس ہوتی ہے) یہ ہے کہ میں نے بزرگوں کا ادب اور ان کی اطاعت ہمیشہ

کی۔ اوران کے زلّات [یعنی لغزشوں] پر کبھی نظر نہیں کی۔ اگر کسی بزرگ سے کبھی کوئی لغزش بھی ہوئی تب بھی ان کے ساتھ ادب ہی سے پیش آیا۔ وعظ میں تو سب کی غلطیوں کا رد بلا اظہارِ نام کر دیتا تھا۔ لیکن ان کی خاص مجلس میں جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا ہمیشہ ادب سے گردن جھکا کر ہی بیٹھتا۔ اور دل سے سمجھتا کہ یہ میرے بزرگ ہیں۔ اور خواہ کوئی کسی مشرب کا ہو، مثلاً گانا بجانا سنتا ہو، لیکن ہو درویش، یعنی اللہ اللہ کرنے والا ہو، دو کا ندار نہ ہو، اس کی بھی میں نے دعا لی۔ غرض اللہ اللہ کرنے والوں کا میں نے ہمیشہ ادب ہی کیا۔ کبھی ان کا دل نہیں دکھایا۔ بلکہ ہمیشہ دعائیں ہی لیں۔ یہاں تک کہ اپنے ماموں صاحب سے بھی جن سے بوجہ اختلافِ مشرب قطعِ تعلق تک کرنا پڑا، کبھی بے ادبی کا برتاؤ نہیں کیا۔ مگر وعظوں میں اس مشرب کا ہمیشہ رد کرتا رہا۔ اور ان کی طرف سے بھی ایسی رعایت کی جاتی تھی، کہ باوجود کہ بہت ہی آزاد تھے اور بعد کو مجھ سے خفا بھی ہو گئے تھے، کیونکہ میں نے ان کو باادب لکھ بھیجا تھا کہ آپ کا طریق سنت کے خلاف ہے، جس کا میں متحمل نہیں۔ لیکن پھر بھی میرا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ ان کے ایک مرید نے ان کا خط دکھلایا تھا جس میں میری نسبت لکھا تھا کہ اس کا مسلک اور ہے ہمارا مسلک اور۔ اس لیے اس سے ملنا جلنا تو مناسب نہیں۔ لیکن بے ادبی کبھی نہ کرنا۔ وہ عالم ہے۔ اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہے۔ غرض میں نے ہمیشہ بزرگوں کا ادب کیا۔ اور ان کی دعائیں لیں۔ ان دعاؤں ہی کی برکت سے جو آج یہ مفید مفید باتیں ذہن میں آجاتی ہیں۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۱۸۵۔۱۸۶)

حضرتؒ کی خشیت وتواضع:

اور واللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی حالت جو میں دیکھتا ہوں تو کوئی چیز اپنے اندر نجات کی نہیں پاتا سوائے ایمان ضعیف کے۔ اور میں راضی ہوں کہ پٹ پٹا کر ہی جنت میں جگہ مل جائے۔ نماز تک تو ٹھیک ہے ہی نہیں۔ دوسرے اعمال کا تو کیا ذکر؟ پھر بھی جو یہ علوم وحقائق اور مفید باتیں قلب پر وارد ہو جاتی ہیں، تو یہ بزرگوں کی دعاؤں کی اور ان کا ادب کرنے کی برکت نہیں تو کیا ہے؟ اور واقعی بزرگوں کا ادب ہے بھی بہت ضروری عمل۔ مگر اللہ اللہ کرنے والے ہوں، چاہے وہ کسی مشرب کے ہوں۔ حتی کہ اگر کسی غلطی میں بھی مبتلا ہوں، اس حالت میں ان کا اتباع تو نہ کرے، لیکن ان کی شان میں کوئی گستاخی بھی نہ کرے۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۱۷۳۔۱۸۶)

حضرت والاؒ کے عالی اخلاق کا ایک معمول:

ایک اہل علم نے اندر آنے کی اور مجلس میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ دروازہ پر جو خادم تھے وہ کنڈی لگا کر حضرت اقدس کی خدمت میں بغرض اطلاع آنے لگے۔ تو فرمایا کہ کنڈی لگا دینے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سخت تہذیب کے خلاف حرکت ہے۔ کیا وہ ڈاکہ ڈالنے آئے ہیں کہ کواڑ بند کر کے کنڈی لگا دی گئی؟ پھر فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں، کیونکہ جتلانا تھوڑا ہی ہے، لیکن جب موقع پر یاد آ گئی تو نہ کہنا بھی تکلف ہے۔ میرا یہ بالالتزام معمول ہے کبھی اس کے خلاف نہیں کرتا کہ جب کوئی شخص رخصت ہوتا ہے اور میں دروازہ تک آتا ہوں، تو جب تک وہ نظر سے غائب نہیں ہو جاتا، میں کنڈی نہیں لگاتا۔ یہ تو گویا اس کو عملاً روکنا ہے کہ بس اب نہ آنا، اگرچہ اس کو کچھ کہنا ہی ہو۔ میں ایسے وقت کنڈی لگاتا ہوں، جب وہ نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح کہ اس کو کنڈی لگانے کا علم نہ ہو۔...... یہ تعظیم نہیں، تعظیم بیشک فقط بزرگوں کی ہوتی ہے، مگر اکرام چھوٹوں کا بھی چاہیے۔ اکرام کا حاصل ہے خاطر داری۔ (جلد ۱۰۔ص:۱۹۱۔۱۹۲)

شیخ کے بارے میں معمولی شبہہ بھی مانع ہے:

شیخ کے متعلق ذرا سا شبہ بھی بڑا مانع ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ تمام دروازے فیوض وبرکات کے فوراً بند ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس کی علت کیا ہے؟ تو [اشیاء کے] خواص میں علت نہیں ڈھونڈھی جاتی۔ جیسے اگر کوئی کہے کہ مقناطیس میں جو خاصیت کشش کی ہے، اس کی علت کیا ہے؟ تو یہی کہا جاوے گا کہ اس کی علت کچھ بھی ہو، مگر دلیل مشاہدہ ہے۔ اسی طرح اس کا بھی مشاہدہ ہے۔ ہاں کسی کو برکات ہی حاصل نہ ہوئے ہوں، تو دروازے کھلے ہی کب تھے جو بند ہوتے۔ اگر برکات شروع ہو جاتیں، پھر یہ حرکت ہوتی تب احساس ہوتا کہ بند ہو گئیں۔ اور اگر بند بھی نہ ہوں، تو اس شبہہ سے طمانینت اور راحت ضرور برباد ہو جاتی ہے، جو سرمایہ ہے اس طریق کا۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جمعیت کو بڑا سرمایہ فرماتے تھے۔ (جلد ۱۰۔ص:۱۹۲)

معاصی کی نحوست:

حضرت عمرو بن العاص جو کہ امیر لشکر تھے اور مصر کا محاصرہ کئے ہوئے ان کو صرف ایک مہینہ

گذر گیا تھا، جو سلطنت کے مقابلہ میں کچھ زیادہ مدت نہ تھی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے ان کو یہ لکھ کر بھیجا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اتنے دن محاصرہ کو ہو گئے اور اب تک کامیابی نہیں ہوئی؟ معلوم ہوتا ہے کہ لشکریوں میں تفویض اور تقوے کی کمی پیدا ہو گئی ہے۔ آپ اس کا عام اعلان کریں کہ سب اپنے معاصی سے توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں۔ دیکھیے! حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس زمانہ میں بے سروسامان تھے اور ابھی صرف ایک مہینہ ہی محاصرہ کو گذرا تھا لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر تعجب ہوا کہ فتح میں اتنی دیر کیوں ہوئی۔ اور بجائے بے سروسامانی پر اس کو محمول کرنے کے، اس پر محمول کیا کہ معلوم ہوتا ہے تم لوگ دین میں سست ہو گئے ہو۔ اور اسی کی طرف آپ نے توجہ دلائی۔ چنانچہ سب نے مل کر توبہ کی۔ اس کے بعد پھر جو حملہ کیا ہے تو ایک دن ہی میں شہر فتح ہو گیا۔ (جلد ۱۰۔ص: ۲۰۱)

ایک جلسہ میں کئی لوگوں کی تقریر بالکل پسندیدہ نہیں:

یہ طریقہ کئی کئی شخصوں کے بیان کرنے کا مجھے بالکل پسند نہیں۔ بلکہ میں تو کئی شخصوں کے بیان کرنے کو اس لیے بھی خلاف مصلحت سمجھتا ہوں کہ پھر لوگوں کو مختلف واعظوں میں موازنہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ جیسے گھوڑ دوڑ میں دوڑیں تو گھوڑے، اور شرط لگاویں دیکھنے والے اور تماشائی۔ اور بعد کو آپ میں یہ کہیں کہ دیکھو ہمارا گھوڑا جیتا ہے، تمہارا گھوڑا ہارا۔ وہی معاملہ مولوی صاحبان کے ساتھ ایسے موقعوں پر کیا جاتا ہے اور رائے زنی کی جاتی ہے کہ فلاں مولوی صاحب کا وعظ اچھا رہا، فلاں کا اچھا نہیں رہا۔ (جلد ۱۰۔ص: ۲۰۴)

سچے مشائخ کی شان:

جو سچے مشائخ ہیں اگر ان کے معتقدین کم ہو جائیں تو وہ تو اور خوش ہوں کہ اچھا ہے ذمہ داری کم ہوئی۔ (جلد ۱۰۔ص: ۲۰۷)

دوسروں کے عیوب کی فکر بڑی حماقت ہے:

اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو اور اس نے مراحمِ خسروانہ کے تحت میں اپیل کی ہو اور سزا معاف ہو جانے کی صرف ایک موہوم سی امید ہو، تو کیا وہ اُس شخص کی فکر میں پڑے گا جس پر کوئی ایسا

جرم قائم ہو گیا ہو، جس میں صرف پانچ روپیہ جرمانہ کا شبہہ ہو۔ اگر کوئی بیوقوف اور بے حس ایسا کرے بھی، تو یہ کتنی بے جوڑ بات ہے۔ وہ تو دراصل اُس دوسرے کے مقدمہ کا تذکرہ بھی پسند نہ کرے گا۔...... بلکہ وہ تو یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لے گا کہ اجی ہم اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہیں، جو تمہاری مصیبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اب ہر شخص اپنے جرم کو دیکھ لے کہ اس کا حق تعالیٰ کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ اور کتنے حقوق ادا ہو رہے ہیں؟ نماز تک تو ٹھیک ہے نہیں۔ پھر کیا منھ لے کر کسی کو برا کہیں اور برا سمجھیں۔ بلکہ اگر غلطی سے کسی برے کو بھلا سمجھ لیا، تو یہ اتنا برا نہیں ہے جتنا یہ کہ کسی بھلے کو برا سمجھ بیٹھے۔ یہ بہت ہی خطرناک اور نازک معاملہ ہے۔ (جلد ۱۰ ۔ص: ۲۳۰)

بکاءِ قلب مقصود ہے:

فرمایا کہ ایک دوست نے مجھے دہلی سے خط لکھا کہ اس کا مجھے بڑا رنج ہے کہ مجھ کو رونا نہیں آتا۔ میں نے انہیں لکھا کہ یہ جو نہ رونے پر رنج ہے، یہ بکاءِ قلب ہے۔ اور بکاءِ قلب ہی مقصود ہے۔ بکاءِ عین مقصود نہیں۔ اور وہ آپ کو حاصل ہے جس پر خدا کا شکر کیجیے۔ اس سے ان کی بالکل تسلی ہوگئی۔

[اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ آنکھوں کا رونا دراصل دل کے نادم و شرمندہ ہونے اور دل کے رونے کی دلیل اور علامت ہے، اور اسی لیے آں حضرت ﷺ نے اس کی دعا مانگی ہے۔ لیکن اگر کسی کو باوجود رونے کے شوق کے اور دل سے اپنے گناہ و تقصیر پر شرمندہ ہونے کے آنسو نہ آئیں، تو کوئی حرج نہیں۔ اس کو مقصود حاصل ہے۔] اگر یہ نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے: **فان لم تبکوا فتباکوا** [اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنالو] بلکہ بجائے تباکوا کے بکاء کی تدبیر ارشاد فرماتے۔

ان ہی وساوس میں یہ شکایت بھی داخل ہے، کہ عبادت میں لذت نہیں آتی، رونا نہیں آتا۔ اس لیے ان سب کو قطع کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ان سے مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ اور مایوسی اس طریق میں سب سے بڑھ کر مانع ہے۔...... بعض طالبین جو ناواقف یا خود رائے ہیں وہ وساوس کے متعلق مطمئن کر دیے جانے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتے، بلکہ قیل و قال کرتے ہیں۔ سو یہ بالکل

خلاف طریق ہے۔ ان کو شیخ کامل کا بے چوں و چرا اتباع کرنا چاہیے۔...... اور شیطان لاکھ وسوسے ڈالے مطلق التفات نہ کرو۔ شیطان تو مایوس بناتا ہے۔ شیخ مانوس بناتا ہے۔ سوتم مبتلائے وساوس ہو کر اس کے پاس نہ پھٹکو بلکہ وساوس سے اعراض کر کے یکسوئی کی ساتھ انس مع اللہ پیدا کرو جو اصل مقصود ہے۔ (جلد ۱۰۔ص: ۲۵۳۔۲۵۴)

صدقہ میں جان کا بدلہ جان کہیں ثابت نہیں:

ایک اہل علم نے اپنے عریضہ میں یہ دعاء طلب کی کہ آخرت میں حضرت اقدس کی معیت نصیب ہو۔ اس پر فرمایا کہ یہ سخت غلطی ہے، جس میں اہل علم بھی مبتلا ہیں۔ اور میں بہت لوگوں کو اس پر متنبہ کر چکا ہوں۔ کیونکہ ابھی یہ کیا خبر کہ آخرت میں کس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ کون جنت میں جائے گا اور کون دوزخ میں؟ لہذا آخرت میں کسی خاص شخص کی معیت نہ مانگے۔ بلکہ مطلق صالحین کی معیت طلب کر لے۔ اس غلطی میں بڑے بڑے مبتلا ہیں۔ اسی طرح بعض دوسری غلطیاں ہیں جن میں بڑے بڑے لوگ مبتلا ہیں۔ مثلاً یہ ایک عام رسم ہے کہ بیماری میں اکثر بکرا ذبح کرتے ہیں۔ حالانکہ جان کا بدلہ جان، یعنی فدیہ میں ذبح کرنا، بجز عقیقہ کے کہیں ثابت نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ جان کا بدلہ جان سمجھ کر ذبح نہیں کرتے، بلکہ مقصود صدقہ کرنا ہے، جس کو ردِّ بلا کے لیے حدیث میں معین بتلایا گیا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہی خیال ہے، تو صرف بکرے کی قیمت صدقہ کر دینے کو یا اتنے کا گوشت بازار سے خرید کر صدقہ کر دینے کو دل کیوں گوارا نہیں کرتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ضرور دل میں چور ہے۔ اور ذبح ہی کو دفع بیماری میں زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے۔ اور یہی فاسد عقیدہ دل میں جما ہوا ہے، کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے گا۔...... انہیں باتوں سے تو لوگ مجھے متشدد کہتے ہیں۔ لیکن میں یہ باتیں اپنی طرف سے تو نہیں کہتا۔ قرآن و حدیث اور قواعد و اصول فقہ ہی کی بناء پر تو میں کہتا ہوں۔ پھر تشدد کا الزام کیسا؟ (جلد ۱۰۔ص: ۲۶۸۔۲۶۹)

قیمتی بات:

ایک بات بہت کام کی ہے۔ طبقات کبریٰ میں لکھا ہے کہ اپنے مریدوں کے سامنے اہل بدعت کی حکایات و اقوال بیان مت کرو۔ جو خالی الذہن ہوں گے ان کے ذہنوں میں وہ واقعات

پہنچیں گے۔اس سے ان کے ذہنوں پر برا اثر ہوگا۔لہذا وہ واقعات ہی مت بیان کرو۔اسی طرح کی ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔اوراس وقت مجھ کواسی کا سنانا مقصود ہے۔وہ یہ کہ بعض لوگ مذمت کے عنوان سے فاحشہ عورتوں کے واقعات بیان کیا کرتے ہیں۔سو یہ بھی نہ چاہیے۔ کیونکہ وہ تو سمجھتے ہیں کہ ہم ان واقعات کی برائی بیان کررہے ہیں۔مگران کے نفس کوان واقعات میں لذت آتی ہے۔اس لیے ایسے واقعات کا تذکرہ ہی نہ چاہیے۔ (جلد ۱۰۔ص:۲۶۹)

بعد شہادت بیدار بخت مرحوم کا عجیب واقعہ، صحیح سند سے:

مولانا اسماعیل شہیدؒ کے قافلہ میں ایک شخص شہید ہو گئے تھے، جن کا نام بیدار بخت تھا۔ وہ دیوبند کے رہنے والے تھے۔ان کی شہادت کی خبر آچکی تھی۔ان بیدار بخت کے والد حسب معمول دیوبند میں اپنے گھر میں ایک رات کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھے،تو گھر کے باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی۔اور پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔دروازہ کھولا، دیکھا تو ان کے لڑکے بیدار بخت ہیں۔دیکھ کر حیران ہوئے کہ ان کے متعلق معلوم ہو چکا تھا کہ شہید ہو چکے ہیں۔یہ کیسے آ گئے؟ بیدار بخت نے کہا کہ جلدی کوئی فرش وغیرہ بچھائیے۔مولانا اسماعیل صاحب اور سید صاحب یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ان کے والد نے فوراً ایک بڑی چٹائی، جو نئی خریدی تھی، بچھا دی۔ایک مجمع اس فرش پر بیٹھا۔بیدار بخت سے ان کے والد نے کہا تمہارے کہاں تلوار لگی تھی۔انہوں نے اپنا ڈھاٹا کھولا اور اپنا نصف چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے باپ کو دکھلایا کہ یہاں تلوار لگی تھی۔ان کے باپ نے کہا، کہ باندھ لو مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔تھوڑی دیر بعد یہ سب حضرات واپس تشریف لے گئے۔صبح کو بیدار بخت کے والد کو شبہہ ہوا کہ یہ کہیں خواب تو نہ تھا۔مگر چٹائی پر دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے۔یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے ان کے والد نے دیکھے تھے۔ان قطروں کے دیکھنے سے وہ سمجھے کہ یہ بیداری کا واقعہ ہے۔

اس قصہ کی خبر جب مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے والد مولانا مملوک العلیؒ صاحب نے سنی،تو وہ اس قصہ کی تحقیق کے لیے نانوتہ سے دیوبند تشریف لائے۔اور بیدار بخت کے والد صاحب سے اس قصہ کو سنا۔مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے والد نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے کہا۔اور مولانا

محمد یعقوب صاحب نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اور بیدار بخت کے والد بھی بزرگ اور تہجد گزار تھے۔ اس حکایت کے سب راوی عالم اور بزرگ ہیں، بجز میرے۔ (جلد ۱۰۔ص:۲۷۳۔۲۷۴)

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بیان کردہ ایک اہم علمی اصول:

مولانا محمد یعقوب صاحب نے بڑی پاکیزہ بات فرمائی کہ انبیاء علیہم السلام مثل حکماء کے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام نے جو اعمال کی خاصیتیں بیان کی ہیں یہ ایسی ہیں کہ جیسے اطباء نے ادویہ کے خواص بیان کیے ہیں۔ کہ مثلاً گل بنفشہ میں یہ خاصیت ہے اور فلاں دوا کا یہ اثر ہے۔ سو ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اگر اس کے ساتھ کوئی مضاد [مخالف اثر والی] چیز بھی استعمال کی جاوے تب بھی وہی اثر ظاہر ہوگا۔ بلکہ [دوا کی] اس خاصیت کا ظہور مقید ہوتا ہے بعض شروط کی ساتھ۔ اگر وہ شروط پائی جاتی ہیں تو وہ خاصیت ظاہر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام نے جو اعمال کی خاصیتیں بیان فرمائی ہیں، جیسے ارشاد فرمایا ہے کہ **من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ** [جس نے **لا الہ الا اللہ** کہا جنت میں چلا جائے گا] تو ہر مقام پر گو ان خواص کے ظاہر ہونے کو کسی شرط کے ساتھ مقید نہ فرمایا ہو، مگر کلیات سے درحقیقت وہاں کچھ شرائط ملحوظ ہوتے ہیں کہ ان خواص کا ظہور ان شرائط پر موقوف ہوتا ہے۔ پس اگر حدیث میں دخول اولیٰ بھی مراد ہے، تب بھی مراد حدیث کی یہ ہوگی کہ اس قول میں یہ خاصیت ہے، بشرطیکہ اس کے ضد کی مقتضی نہ پائی جائے۔ (جلد ۱۰۔ص:۲۷۴۔۲۷۵)

مدرّس کو کتاب کی ہر بات کو صحیح ثابت کرنے کا تکلف نہ کرنا چاہیے:

کتاب میں مصنف سے کہیں کہیں غلطیاں بھی ہوئی ہیں، تو وہاں پر غلطیوں کی توجیہ اور تاویل نہیں کرنی چاہیے۔ جیسا کہ عام مدرسین کی عادت ہے۔ بلکہ ظاہر کر دینا چاہیے کہ یہاں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ ان غلطیوں کی تاویل اور توجیہ کرنے سے شاگرد میں بھی یہی مضر عادت تاویل کی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے؟ مدرس مصنف کا ذمہ دار تو نہیں، کہ جو اس نے کہہ دیا جس طرح بن پڑے اس کو ضرور بنا دے۔ مدرسین کا منصب تو صرف ناقل کا ہے۔ اس کے ذمہ صرف تصحیحِ نقل ہے، کہ یہ بتلا دے کہ کتاب کی عبارت کا مطلب یہ ہے۔ اور کتاب کا حل کر دے۔

خواہ کتاب غلط ہو یا صحیح ہو۔ البتہ اگر کوئی مضمون غلط ہو، اس کا غلط ہونا ظاہر کر دے۔ بس کافی ہے۔ اسی سے طالب علم کو استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح خارجِ کتاب مضامین بیان نہ کرے۔ کیونکہ یہ ادھر ادھر کی باتیں یاد تھوڑا ہی رہتی ہیں۔ جب وہ باتیں طالب علم کو یاد ہی نہیں رہ سکتیں، تو پھر ان کے بیان کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا؟ (جلد۱۰۔ص:۲۸۳۔۲۸۴)

ہر پریشانی کا علاج:

ایک صاحب کچھ پریشان تھے۔ حضرت والا نے ان کو درود شریف کی تعلیم فرمائی۔ اور فرمایا کہ درود سے رحمت ہوتی ہے۔ اس لیے اس سے پریشانی بھی رفع ہوگی۔ (جلد۱۰۔ص:۲۸۵)

حافظے کے لیے عمل:

فرمایا: پانچوں نمازوں کے بعد سر کے اوپر ہاتھ رکھ کر گیارہ بار یا قوی پڑھنا حافظہ کے لیے نافع ہے۔ (جلد۱۰۔ص:۲۸۶)

مصلح کے لیے اجازت یافتہ ہونا شرط ہے:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کا ادراک باطنی صحیح ہو، اور کسی بزرگ سے اس کی تربیت ہوئی ہو اس کو اس بات کا شرح صدر ہو جائے کہ مجھ کو افادہ کی صلاحیت حاصل ہوگئی، تو گو ان بزرگ نے اس کو اجازتِ تعلیم و تربیتِ باطنی کی نہ دی ہو، مگر اس شخص کے لیے اس میں مضائقہ نہیں کہ وہ لوگوں کو افادہ کرے۔ لیکن اس زمانہ میں کہ سلامت فہم کم ہے۔ ایسی گنجائش مناسب نہیں۔ بلکہ کسی بزرگ کی اجازت کو شرط کہنا چاہیے۔ (جلد۱۰۔ص:۲۹۸)

کسی بھی گنہ گار کو حقیر سمجھنا جہالت ہے:

معاندانہ طرز اختیار کرنا اور دوسرں کو حقیر سمجھنا ایسے ہی شخص کا کام ہے جو اپنے عیوب سے غافل ہو۔ ورنہ اگر دو شخصوں کو پھانسی کا حکم ہو گیا اور آخر کار ان میں سے ایک کو رہائی ہو جاوے تو کیا وہ دوسرے مبتلا پر غصہ کرے گا کہ تو نے ایسا جرم کیوں کیا تھا کہ جس کے سبب سے تجھ کو پھانسی کا حکم ہوا؟ کیونکہ وہ خود ہی بال بال بچا ہے۔ اور آئندہ کا حال معلوم نہیں۔......تو یہاں اپنی ہی حالت کی

کیا خبر ہے کہ کل ہماری کیا حالت ہوگی جو دوسروں کو حقیر سمجھے۔ اور تقویٰ طہارت تو الگ چیز ہے، خود نفس ایمان بھی اپنے مستقل اختیار میں نہیں۔ بس حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو یہ دولت عطا فرما رکھی ہے۔ لیکن وہ جب چاہیں سلب کر سکتے ہیں۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۳۱۲)

قلب جاری ہونے کی حقیقت:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے غالباً اپنی کتاب انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبد الرحیم صاحبؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا۔ اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب جاری ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مبارک ہو۔ جب وہ چلا گیا تو شاہ صاحب نے...اپنے مریدوں سے فرمایا کہ اس کی کو خبط ہو گیا ہے۔ اس کو خفقان اور اختلاج ہونے لگا ہے اس کو یہ قلب کا جاری ہونا سمجھ رہا ہے۔ پھر شاہ صاحب نے قلب کے جاری ہونے کی حقیقت بیان فرمائی کہ اس کی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور بس۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۳۱۵)

دعا اگر کثرت سے مانگی جائے، جی لگنے لگتا ہے:

فرمایا: بعض لوگ شکایت کیا کرتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہے کہ دعا مانگنا ضروری ہے۔ مگر جب ہم دعا مانگتے ہیں، تو ہمارا دعاء میں جی نہیں لگتا۔ اس لیے یہ لوگ دعا نہیں مانگتے۔ سو وجہ اس شکایت کی یہ ہے کہ لوگوں کو دعاء کی خاصیت معلوم نہیں۔ دعا کی خاصیت یہ ہے کہ اگر کثرت سے مانگی جاوے، تو اس میں جی لگنے لگتا ہے۔ اور یہی حکمت ہے اس میں کہ دعاؤں کو تین تین بار کہنے کو سنت فرمایا گیا ہے۔ اور اس سے زیادہ ہو تو زیادہ نافع ہے۔ (جلد ۱۰۔ ص: ۳۲۳)

محبتِ حق تعالیٰ شانہ کی علت تامہ اعمال صالحہ ہیں:

فرمایا: محض ذکر و شغل سے اصلی محبت پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی علت تامہ اعمال صالحہ ہیں، بشرطیکہ وہ اعمال خلوص کے ساتھ کیے جاویں۔ باقی نرے ذکر و شغل سے صرف ایک خیالی عارضی شورش پیدا ہوتی ہے۔ جو تھوڑے دنوں بعد رفع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی ہی کیفیت کے زوال کا احساس کر کے ایک مولوی صاحب نے مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے ذکر میں پہلی سی لذت

محسوس نہ ہونے کی شکایت کی۔ تو مولانا نے فرمایا کہ مولوی صاحب تم نے سنا نہیں کہ پرانی جورو امّاں ہو جاتی ہے۔ ہم نے خود دیکھا ہے کہ ذاکر و شاغل ہیں، مگر باوجود اس کے ان کی حالت تباہ ہے۔ کیونکہ اس سے اصلاحِ کامل اور رسوخ پیدا نہ ہوا تھا۔

اور نرے ذکر و شغل سے اصلاح ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ اس لیے کہ ہر رذیلہ کا علاج جدا گانہ ہے۔ اگر ایک رذیلہ بھی باقی رہے گا، تو راستہ اس وقت تک بند ہے۔ بلکہ ذکر سے بعض مرتبہ فاسد الاستعداد کا مرض بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ پہلے تو وہ اپنے آپ کو جاہل سمجھتا تھا، پھر علم پڑھ کر اپنے کو عالم سمجھنے لگا۔ مگر خیر، اب تک اپنے کو طریقت سے ناواقف سمجھتا تھا۔ مگر جب ذکر و شغل کیا تو اپنے آپ کو بزرگ بھی سمجھنے لگا۔ تو اس طرح ذکر سے بعض مرتبہ عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا علاج ذکر و شغل کے علاوہ دوسرے مجاہدہ سے کیا جاتا ہے۔ (جلد۱۰۔ص:۳۳۶۔۳۳۷)

اہلِ دین کی وقعت نہ رکھنے والے سے عرفی خوش اخلاقی جائز نہیں:

فرمایا: جس شخص کے دل میں باوجود دعوائے دین کے، دین اور اہلِ دین کی وقعت نہ ہو، اس کے ساتھ عرفی خوش اخلاقی برتنے کو میں ناجائز سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے اس کا دین اور بگڑتا ہے۔ (جلد۱۰۔ص:۳۳۹)

بچوں کی تربیت کے سلسلے میں حکمت کی بات:

فرمایا: ایک صاحب نے بڑی حکمت کی بات کہی، آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ اگر بچہ کسی چیز کو مانگے، تو یا تو اس کی درخواست اول ہی وہلہ میں پوری کر دے۔ اور یا اگر پہلی بار میں انکار کر دیا، تو پھر خواہ بچہ کتنا ہی اصرار کرے، ہرگز اس کی ضد پوری نہ کرے۔ ورنہ آئندہ اس کو یہی عادت پڑ جائے گی۔ (جلد۱۰۔ص:۳۴۳)

العبرۃ بعموم الالفاظ میں ایک ضروری شرط:

مولانا سہول صاحب نے کچھ علمی سوالات فرمائے۔ حضرت والا نے اس سلسلے میں فرمایا کہ اصول فقہ کا جو یہ مسئلہ ہے کہ **العبرة بعموم الالفاظ لالخصوص المورد**۔ اس میں میرے

نزدیک اتنی قید اور ضروری ہے کہ وہ یہ کہ عموم، مرادِ متکلم سے متجاوز نہ ہو۔ دلیل اس کی وہ واقعہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سفر میں ہے اور بے ہوش پڑا ہے۔ معلوم ہوا کہ روزہ رکھے ہوئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لیس من البر الصیام فی السفر** تو یہاں پر اس حدیث کے الفاظ تو عام ہیں ہر مسافر کے لیے۔...... لیکن قرائن سے کوئی مجتہد ذوقاً یہ حکم کر سکتا ہے کہ حضور کو یہ عموم مقصود نہیں۔ بلکہ اس قید کے ساتھ عموم مقصود ہے کہ جس کی ایسی حالت ہو جاوے۔ اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس اصولی مسئلہ میں عموم کے اندر عدمِ تجاوز از مرادِ متکلم کی قید معتبر ہے، گو مصنفین نے تصریحاً اس کا ذکر نہیں کیا۔

(جلد ۱۰۔ص: ۳۴۴)

مکاشفات کی طرف توجہ نہ کرو:

بس آخری بات ایسے تمام امور میں وہی ہے، جو ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کی تعلیم ہے کہ ان امور کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے تھوڑا ہی ہیں۔ پھر غیر مقصود کی طرف توجہ کر کے خواہ مخواہ خطرہ میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پھر خطرہ سے بچنے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کے اوّل چھریاں بھونکی جاویں، پھر زخموں پر مرہم لگایا جاوے۔ سو چھریاں بھونکنے ہی کی ضرورت کیا ہے؟ اس لیے بھی مناسب ہے کہ ایسی چیزوں کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ اگر بعض حقائق منکشف بھی ہوں، تو ان کے علم کو مفوض بحق [اللہ کے حوالہ] کرے۔ اس تحقیق سے حضرت حاجی صاحب کی شان مجددیت اور اجتہاد بھی معلوم ہو گئی۔

(جلد ۱۰۔ص: ۳۴۷۔۳۴۸)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد یازدہم

جدید ملفوظات

جامع: مولانا محمد نبیہ احمد ٹانڈوی

[اس جلد میں تین حصے ہیں، پہلے میں ارواح ثلاثہ کے طرز پر اپنے قریبی زمانے کے علماء ومشائخ کے کچھ حالات وواقعات ہیں۔ دوسری میں عام تعلیم واصلاح کے سلسلے کے ملفوظات ہیں۔ اور تیسرا حصہ کچھ دلچسپ باتوں اور قصوں کا مجموعہ ہے۔ ہم نے ان کو الگ الگ کرنا ضروری نہیں سمجھا ہے]۔

تشدد سے اصلاح نہیں ہوتی:

حضرت گنگوہیؒ ایک واعظ دہلوی کی نسبت فرماتے تھے کہ متشدد بہت تھے۔ اس قدر تشدد سے اصلاح نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو تشریف لے گئے تو حضرت نے راستہ میں ایک طبیب رئیس کی دعوت قبول کر لی۔ تو اس پر واعظ مذکور کا اعتراض تھا کہ فاسقوں کی دعوت قبول کر لی۔ حالانکہ سب سے زیادہ حضرت مولانا کے معتقد تھے۔ (جلد۱۱۔ص:۲۲)

ایک متشدد واعظ کا غلط اعتراض:

ایک خوش عقیدہ مگر سخت دہلوی واعظ نے حضرت مولا محمود حسن صاحب دیو بندیؒ پر بھی اعتراض کیا تھا کہ یہ بدعتیوں کی عیادت کے لیے جاتے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ حضرت مولانا دیو بندی

رحمۃ اللہ علیہ مولوی محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی کی جو نظام الدین کے قریب ایک مسجد میں رہتے تھے، عیادت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہ کوئی بدعتی نہ تھے۔ البتہ بعض مجاورین ان کے پاس آ بیٹھتے تھے۔ ان مجاوروں کی مولوی صاحب کی صحبت سے کچھ اصلاح بھی ہوگئی تھی۔ صرف اختلاط کی وجہ سے ان واعظ صاحب نے ان کو بدعتی کہہ دیا۔ ہمارے مولانا دیوبندیؒ بہت نرم تھے۔ اس وجہ سے بعض لوگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کو ترجیح دیتے تھے کہ یہ سنت پر زیادہ عامل ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت چاہی، تو آپ نے فرمایا: **بئس اخو العشیرة** [یعنی وہ اپنے خاندان کا برا آدمی ہے] جب وہ آیا تو آپ نے اس سے نرمی سے کلام کرنا شروع کیا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ نے تو فرمایا تھا **بئس اخوالعشیرة** تو آپ نے فرمایا سب سے براوہ شخص ہے جس کی بدمزاجی کے سبب لوگ اس کو چھوڑ دیں۔ میں نے ایسا ہونا نہیں چاہا۔ (جلد ۱۱۔ص: ۲۳)

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا طریق تبلیغ شاہی محلات میں:

حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بادشاہ کی ایک عزیزہ تھی، جس کا نام بی چھکو تھا۔ بڑی تیز مزاج تھی۔ ان سے کسی نے یہ کہا کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بلاؤ، مولانا اسماعیل شہیدؒ کو وعظ کے حیلہ سے بلایا گیا۔ مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی۔ اور بالکل خالی الذہن تھے۔ آنے کے بعد معلوم ہوا کہ بی چھکو سے کسی نے اس طرح لگایا ہے۔ مولانا نے بی چھکو کو اس طرح سے سلام کیا کہ اماں سلام۔ انہوں نے کہا کہ اسماعیل میں نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ فرمایا: اسماعیل کی کیا مجال ہے جو بی بی کی صحنک کو منع کرے؟ بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں۔ کہا یہ کیسے؟ آپ نے **کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار** حدیث پڑھ کر اس پر ایک مبسوط بحث کی۔ جس سے وہ تائب ہوگئی۔ اور کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں۔ ہم تو ان کی رضامندی ہی کے لیے کرتے تھے۔ جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔ (جلد ۱۱۔ص: ۲۷)

مولانا شاہ عبدالقادرؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی گفتگو:

بی بی کی صحنک شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بھی ہوتی تھی، اس کے خاص آداب ہیں۔ یہ کہ کھانے والی کوئی دوخصمی نہ ہو۔ اس کو کوئی مرد نہ دیکھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایک مرتبہ جب شاہ عبدالقادرؒ کے یہاں بی بی کی صحنک ہورہی تھی، تو مولانا اسماعیل شہیدؒ پہنچ گئے۔ مولانا نے منع فرمایا۔ شاہ صاحب نے مولانا سے فرمایا کہ اسماعیل! یہ تو ایصال ثواب ہے، اس میں کیا حرج ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ حضرت پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں"**وقالوا هذه انعام وحرث حجر لا يطعمها الا من نشاء بزعمهم**" ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ واقعی درست ہے۔ ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔ اور گھر میں عورتوں کو منع کر دیا کہ خبردار آئندہ اس کو ہرگز نہ کرنا۔ (جلد۱۱۔ص:۲۸)

عملیات کس طرح شروع ہوئے:

مولانا شیخ محمد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میرے گھر میں چیونٹے بہت کثرت سے پھیل گئے۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو ایک سوراخ میں سے آرہے ہیں۔ میں نے اس سوراخ پر یہ آیت لکھ کر رکھ دی **يا أيها النمل ادخلوا مساكنكم لا يحطمنكم سليمان وجنوده وهم لا يشعرون** بس سب وہیں سوراخ میں سمٹ کر رہ گئے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بس عملیات اسی طرح شروع ہوئے کہ جو آیت جس موقعہ کے مناسب ہوئی وہ ہی لکھ کر دی بس اس سے اثر ہونا شروع ہو گیا۔ (جلد۱۱۔ص:۳۳)

تجسّس سے احتیاط:

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جس وقت نابینا ہو گئے، تو میں کبھی ویسے ہی چپکے سے جا کے نہیں بیٹھا۔ بلکہ جب گیا، یہ کہہ دیا کہ اشرف علی آیا ہے۔ اور جب چلنے لگا تو کہہ دیا کہ اشرف علی رخصت چاہتا ہے۔ ویسے ہی چپکے جا کر بیٹھنے میں تجسس کے مشابہ ہے۔ تشبہ بالمتجسس بھی تجسس ہے۔ آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور حضرت فرمانے لگیں۔ (جلد۱۱۔ص:۳۴)

حضرت شیخ الہندؒ کا قصہ:

مولوی محمود صاحب رامپوری کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے۔ میں حضرت مولانا دیوبندیؒ کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھا پی کر میرے پاس آ گیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا۔ اس کو ایک چار پائی دے دی گئی۔ جب سب سو گئے، رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے۔ میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد دے دوں گا۔ ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے۔ اور اس کی چار پائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانا شروع کیے۔ وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولوی محمود صاحب اٹھے۔ اور یہ کہا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں، میں دبا دوں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ تم تو جا کر سوؤ۔ یہ میرا مہمان ہے، میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا۔ مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولاناؒ اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ مولانا میں تواضع و مہمان نوازی کی خاص شان تھی۔ (جلد ۱۱۔ص:۳۷)

حضرت مولانا دیوبندیؒ کی تواضع و مہمان نوازی:

دیوبند کے بڑے جلسہ کے زمانہ میں ایک شخص نے مدرسہ میں گھوڑا دیا تھا۔ مولانا نے اس کو ایک مقام پر بھیج دیا تھا کہ اس کو فروخت کر دیں۔ اس مقام سے ایک شخص اس گھوڑے کے متعلق ایک خط لایا تھا۔ اس زمانہ میں جلسہ کا اہتمام ہو رہا تھا مہتمم صاحب نے خط کا جواب دے کر اس کو رخصت کر دیا۔ مولانا دیوبندیؒ نے مہتمم صاحب نے پوچھا کہ اس خط کے لانے والے کو کھانا بھی کھلایا تھا؟ مہتمم صاحب نے کہا کہ حضرت کھانا تو ہجومِ اشغال میں نہیں کھلایا، پیسے دے دیے ہیں کہ کچھ لے کر کھا لے گا۔ فرمایا کافی نہیں غریب آدمی پیسے خرچ نہیں کرتا، گھر کو باندھ کر لے جاتا ہے۔ اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ شخص کس راستہ سے گیا ہے۔ پتہ لگا کہ فلاں سڑک کو گیا ہے۔ مولانا ادھر ہی تشریف لے گئے اور اس کو واپس کر کے کھانا کھلا کر پھر رخصت کیا۔

(جلد ۱۱۔ص:۳۷)

حضرت شیخ الہندؒ کا طریقۂ اکرام:

میں جب دیو بند جایا کرتا تھا، مجھے یہ یاد نہیں کہ مولانا سے ملنے کی ابتداء میں نے کبھی کی ہو۔ جب ارادہ کرتا کہ ذرا سانس لے کر حاضر ہوں گا۔ بس جھٹ مولانا تشریف لے آتے۔ (ص:۳۸)

طالب علم کا اکرام:

فرمایا کہ حاجی محمد عابدؒ ہمارے بزرگوں کے رفقاء میں سے ہیں۔ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ طالب علمی کے زمانہ میں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیونکہ وہ اس وقت مدرسہ کے مہتمم تھے۔ اسی وقت ایک ڈپٹی بھی حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس آئے۔ اس وقت حاجی صاحب اپنی جگہ سے اٹھ چکے تھے، اس لیے ان سے کھڑے ہی کھڑے کچھ معمولی گفتگو کر کے ان کو رخصت کر دیا۔ پھر میں گیا، تو لوٹ کر اپنی جگہ بیٹھنے لگے۔ میں نے عرض کیا اس کی حاجت نہیں۔ میں ویسے ہی عرض کروں گا۔ فرمایا تم اپنے آپ کو ڈپٹی صاحب پر قیاس کرتے ہو گے؟ کہاں وہ دنیا دار کہاں تم نائب رسول؟ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص تھے جو اپنے مجمع میں سب سے اخیر درجہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ (جلد ۱۱۔ص:۳۹)

مہتمم مدرسہ دیو بند کی ایک طالب علم سے معافی:

حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ اہتمام میں ایک طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہو گیا۔ اور مقابلہ میں برا بھلا کہا۔ حضرت حاجی صاحبؒ خاموش ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا، خود تشریف لے گئے۔ اور ان طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے۔ اور فرمایا کہ مولانا معاف کر دیجیے۔ آپ نائب رسول ہیں۔ آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنی طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال! اب تو امید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے۔ (جلد ۱۱۔ص:۳۹۔۴۰)

حضرت حکیم الامت کا ایک فی البدیہ شعر:

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ملفوظات و حالات بیان کر رہا تھا۔ اس جلسہ

میں حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے معتقد ایک وکیل بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جو بہت مزے لے رہے تھے اور ایک حالت طاری تھی۔ انہوں نے اسی حالت میں مجھے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا:

تو منور از جمال کیستی ☆ تو مکمل از کمال کیستی

میں نے فی البدیہ یہ جواب دیا:

من منور از جمال حاجیم ☆ من مکمل از کمال حاجیم

(جلد ۱۱۔ص: ۴۱۔۴۲)

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کا غلبۂ استغراق:

فرمایا کہ ایک مولوی صاحب حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ اور حسین عرب صاحب کے شاگرد تھے۔ حافظہ بہت اچھا تھا مگر داڑھی منڈاتے تھے۔ بلکہ داڑھی والوں کی مذمت بیان کیا کرتے تھے۔ یہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے یہاں حدیث کی سند لینے آئے۔ مولانا نے فرمایا تھا کہ آپ کو حدیث کی سند دینا جائز نہیں ہے۔ پس فوراً چلے گئے اور مولانا فضل رحمٰن صاحب سے جا کر سند لے لی۔ اور حضرت گنگوہیؒ کو لکھا کہ دیکھو تم نے سند نہ دی تو کیا ہم کو ملی نہیں؟

ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ کے یہاں غلبۂ استغراق کی وجہ سے ان چیزوں کی طرف التفات نہ تھا۔ کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہو گئی۔ ورنہ فرائض وواجبات پر بھی نکیر نہ فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھ دیا۔ بس اسے بیل اور یہ اور وہ کہنا شروع کر دیا۔ مولانا سے بڑے بڑے عہدہ دار داڑھی منڈے مرید تھے۔ اور اس پر التفات نہ تھا۔ مولانا مجذوب تھے۔ (جلد ۱۱۔ص: ۴۲۔۴۳)

سید احمد شہیدؒ کا اپنے مشائخ سے اختلاف اور اطاعت:

فرمایا کہ سید احمد صاحبؒ جس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں تھے، شاہ صاحبؒ نے ان کو شغل رابطہ [تصور شیخ] بتلایا، تو سید صاحبؒ نے اس شغل سے عذر فرما دیا۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ:

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ☆ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

تو سید صاحبؒ نے جواب دیا کہ آپ کسی معصیت کا حکم دیجیے کرلوں گا۔ یہ تو معصیت نہیں، شرک ہے، یہ تو گوارا نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ سن کر ان کو سینے سے لگا لیا، کہ اچھا ہم تم کو طریق نبوت سے لے چلیں گے تم کو طریقِ ولایت سے مناسبت نہیں۔

دوسرا واقعہ سید صاحبؒ کے انقیاد کا امیر شاہ خان صاحبؒ نے امیر الروایات میں لکھایا ہے کہ جب شاہ عبد القادرؒ شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے مانگ کر ان کو اپنے پاس لے گئے، تو آپ نے مسجد میں ایک جگہ بتلا دی تھی، کہ اس جگہ بیٹھ کر ذکر و شغل کیا کرو۔ رفتہ رفتہ برسات کا زمانہ آ گیا۔ ایک روز شاہ صاحبؒ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور یہ اسی جگہ بیٹھے [ذکر کر رہے] ہیں۔ سید صاحبؒ سے پوچھا کہ تم بارش میں کیوں بیٹھے ہو؟ تو فرمایا کہ آپ ہی نے تو یہ موقع بتلایا تھا۔ ہمارے حضرتؒ نے فرمایا یہ ہے اطاعت۔ شاہ صاحبؒ کو وہم بھی نہ تھا کہ میرے بتلانے کو ایسا عام سمجھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تمام برسات اور جاڑا بھی گذر جاتے، جب بھی سید صاحبؒ اس جگہ سے نہ اٹھتے۔ مدعی اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ شیخ کی موافقت کیسی ہوتی ہے؟ اور شروع کے واقعہ میں اختلاف کو دیکھیے کیسا ہوتا ہے؟ اللہ اکبر اتفاق ہو تو ایسا اور اختلاف ہو تو ایسا۔ اور پیر بھی کیسے؟ کہ کچھ نہ فرمایا۔ حقیقت کو سمجھ کر خوش ہوئے۔

یہ جو فرمایا کہ اگر کہیے معصیت کرلوں۔ اس سے معصیت میں اطاعت مقصود نہیں بلکہ اس کا اَھون [یعنی ہلکا] ہونا شرک سے مقصود ہے۔ بزرگوں کے کلام کا محمل سمجھنا بڑا کام ہے۔ (ص:۴۵)

اللہ والوں کے وقت میں برکت کا راز:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو عالم روحانیت سے مناسبت ہو جاتی ہے تو اس کے وقت میں برکت ہو جاتی ہے۔ (جلد ۱۱۔ص:۴۹)

حضرت حکیم الامتؒ کے دو سچے خواب:

فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا۔ اب تو بالکل نظر نہیں آتے اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے لیا کرتا تھا۔ مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ

تجھے خواب سے مناسبت ہے۔ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولانا دیوبندیؒ کے مردانہ مکان میں دروازہ کے سامنے جو چبوترہ ہے، اس کے کنارہ ایک چارپائی بچھی ہے، اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں، جو بہت نازک پتلے دبلے۔ قد بھی اچھا، کپڑے نہایت نفیس، بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا، جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ ہم نے تم کو عزت دی۔ اور اس کاغذ پر بہت سی مہریں تھیں۔ جو نہایت صاف تھیں۔ اور مہر میں صاف لکھا ہوا تھا (محمّد) صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کو حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضروری نہیں۔ اسی خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیلدار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا، اس کے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے۔ لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں کہ مکان میں کیوں کر پہنچا) اس نے مجھے ایک پرچہ دیا۔ اس میں بھی یہ ہی عبارت تھی کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اس میں بھی مہریں بہت تھیں مگر صاف نہ تھیں۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے عرض کیا۔ تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہوں گی۔ (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جس کو ایک عالم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اللھم زد فزد۔ (جلد ۱۱۔ ص: ۵۲)

حضرت حکیم الامتؒ کا سب سے پہلا خواب:

فرمایا کہ ایک خواب میں نے بالکل بچپن میں میرٹھ میں دیکھا تھا۔ (جو سب سے اول خواب ہے اس سے پہلے میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا) جس مکان میں ہم رہتے تھے، اس کی دہلیز میں میں موجود ہوں، شام کا وقت ہے۔ اور وہاں ایک پنجرہ رکھا ہوا ہے۔ اور اس میں دو کبوتر ہیں۔ وہ دونوں صاف زبان میں مجھ سے بولے کہ پنجرہ میں روشنی کر دو۔ میں نے کہا کہ تم خود ہی کر لو۔ یہ سن کر انہوں نے چونچ کو رگڑا، تو ایک دم روشنی ہو گئی۔ میں اپنے ایک ماموں صاب سے جو میرے فارسی میں استاد بھی تھے، یہ خواب عرض کیا۔ تو فرمایا کہ وہ روح اور نفس تھے۔ ان کی خواہش تھی، تم مجاہدہ کرو۔ تم نے انکار کر دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ تم کو بلا مجاہدہ ہی عطا فرمائیں گے۔ اور نور باطن حاصل ہوگا۔ [یحییٰ عرض کرتا ہے: تعبیر بالکل سچ ثابت ہوئی] اس کے بعد ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میں نے تو کچھ کیا نہیں صرف بڑے میاں کی ہی صحبت کو کچھ سمجھ لو باقی نور باطن کا اب تک انتظار ہے نہ معلوم کب

حاصل ہوگا؟ جامع کہتا ہے: سبحان اللہ کیا ٹھکانا ہے اس عجز وانکسار کا؟ (جلد ۱۱۔ص: ۵۲۔۵۳)

حکیم الامتؒ کی ذکر سے فطری مناسبت:

فرمایا کہ رات کو کبھی تو آنکھ کھلتی ہے۔ کبھی نہیں کھلتی۔ جب آنکھ کھل جاتی ہے تو تھوڑا سا ذکر خفی کر کے سو جاتا ہوں۔ ذکر سے مجھ کو ایسا سکون ہو جاتا ہے فوراً نیند آ جاتی ہے۔ (جامع کہتا ہے یہ مناسبت بالذکر اور ''الا بذکر اللہ تطمئن القلوب'' کی شان ہے، جو حضرت والا کے اندر کمال درجہ میں پائی جاتی ہے)۔ ہنس کر فرمایا: لوگ ذکر غفلت دور کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ مجھے اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ [حضرتؒ کا مستقل معمول طالب علمی کے دور سے ہی آخر شب میں قیام اللیل کا تھا۔ یہ درمیان میں آنکھ کھلنے کا ذکر ہے۔] (جلد ۱۱۔ص: ۵۳)

ذکر کے وقت نیند کا علاج سوائے سونے کے کچھ نہیں:

ایک مرتبہ کسی ذاکر نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ ذکر کے وقت نیند آتی ہے۔ فرمایا تکیہ رکھ کر سو جایا کرو۔ ذکر پھر کر لیا کرو۔ نیند کا علاج سوائے سونے کے کچھ نہیں۔ (جلد ۱۱۔ص: ۵۳)

حضرت گنگوہیؒ کی اصول پسندی:

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادہ مولوی علاء الدین صاحبؒ میرے ساتھ پڑھے ہیں۔ اور میرے ساتھ ہی دستار بندی ہوئی ہے۔ اگر زندہ ہوتے تو مولانا کے جانشین ہوتے۔ امتحان میں ان کے نمبر مجھ سے کم تھے۔ لوگ یہ چاہتے تھے کہ چونکہ یہ مولانا کے صاحبزادہ ہیں، اس لیے دستار بندی میں مجھ سے ان کی (یعنی مولوی علاء الدینؒ) کی تقدیم ہو جائے، اس پر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ جس کا استحقاق ہے وہ ہی مقدم ہوگا۔ (جلد ۱۱۔ص: ۵۶)

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کے صاحب زادے کے انتقال کا واقعہ:

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادہ مولوی علاء الدین کا انتقال خاص بقرعید کے روز ہوا ہے۔ نماز سے پہلے ان کی بہت غیر حالت تھی۔ جب نماز کا وقت آیا تو مولانا یہ کہہ کر کہ اللہ کے سپرد، اللہ خاتمہ بخیر کرے۔ نماز میں پہنچ گئے۔ نماز میں دیر نہ کی۔ حالانکہ مولانا کی وجاہت ایسی تھی کہ اگر کتنی

ہی دیر فرماتے تب بھی لوگوں کو گراں نہ ہوتا۔ مگر ایسا نہیں کیا، وقت پر پہنچے۔ (جلد۱۱۔ص:۵۶)

مولانا محمد یعقوبؒ کی سچی پیش گوئی:

جس زمانہ میں دیوبند میں ہیضہ پھیلا ہے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک پیشین گوئی کی تھی۔ اور لوگوں سے یہ فرمایا تھا کہ یہاں ایک وبا آنے والی ہے۔ اگر ہر چیز میں صدقات کیے جاویں تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ بلاٹل جائے۔ بعض اہل دیوبند نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ضرورت ہوگئی ہے۔ اس کی خبر کسی نے مولانا کو کردی، تو مولانا کو اس پر بہت غیظ آیا۔ اور فرمایا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند۔ اس جملہ کا چند بار تکرار فرمایا۔ اس وقت حاجی محمد عابد صاحبؒ حجرہ کے اندر بیٹھے ہوئے اس کلمہ کو سن رہے تھے۔ وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کہنے لگے کہ حضرت کیا فرمارہے ہیں؟ مولانا نے دریافت فرمایا کہ [میں نے] کیا کہا ہے؟ حاجی محمد عابد صاحبؒ نے وہی جملہ سنا دیا کہ یوں فرمارہے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب تو یوں ہی ہوگا۔ اس کے بعد اس کثرت سے وبا پھیلی کہ بیس بیس پچیس پچیس جنازوں کی ایک دفعہ نماز ہوتی تھی۔ بس دیوبند خالی ہی ہوگیا۔ جب یہ وبا ختم ہوگئی تو آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا میرا ابھی وقت آ گیا۔ کیا ابھی دیر ہے؟ بس اس کے بعد اپنے وطن نانوتہ پہنچے۔ اور وہیں جا کر مبتلائے مرض ہو کر واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (جلد۱۱۔ص:۵۷)

حضرت نانوتویؒ کے حفظ قرآن کی کرامت:

حضرت نانوتویؒ [سفر حج کو جاتے ہوئے، بحری] جہاز میں روز ایک پارہ حفظ کر کے شام کو تراویح میں سنا دیا کرتے تھے۔ اور آہستہ آہستہ یاد فرماتے تھے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلا۔ یہ حضرت مولانا کی کرامت ہے۔ (جلد۱۱۔ص:۶۰)

حضرت گنگوہیؒ نے سرکاری خطاب ناپسند فرمایا:

فرمایا کہ ایک ڈپٹی صاحب مولانا گنگوہیؒ کے پاس حاضر ہوئے۔ مولانا معمولی گفتگو کر کے درس میں مشغول ہوگئے۔ ان کو اس پر رنج ہوا اور دوسروں سے شکایت کی کہ بڑے بڑے اخلاق ہیں......۔

سنا ہے کہ سال کے ختم یا شروع پر گورنمنٹ کی طرف سے کچھ خطابات تقسیم ہوتے ہیں تو مولانا کے لیے کبھی شمس العلماء کا خطاب تجویز ہوا تھا اس میں ان ڈپٹی صاحب سے بھی پوچھا گیا چونکہ یہ حاکم پرگنہ تھے تو انہوں نے مخالفت کی کہ مناسب نہیں ہے اس پر ڈپٹی صاحب نے خوش ہو کر مولانا کے آدمیوں سے فرمایا کہ ہم سے مولانا اچھی طرح نہ ملے ہم نے بھی خطاب نہ ملنے دیا۔ مولانا نے سنا تو فرمایا کہ بھائی میں تو ان کا بڑا ممنون ہوں کہ مجھے اس بلا سے نجات دی میں تو دعا کرتا ہوں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جب سنا ہوگا تو بڑا اکتا ہوگا کہ یہ کام کیا تو تھا رنج کے لیے مگر ہوگئی خوشی۔ (جلد۱۱۔ص:۶۵)

ہمارے اکابر خلوت عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے:

ہمارے حضرات خلوت عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے، اس سے شہرت ہوتی ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے بھی کبھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔ البتہ [مولانا شاہ عبدالرحیم] رائپوری پر بہ نسبت دوسرے حضرات کے قدرے اس کا غلبہ تھا۔ (اور یہ اثر ان کے پہلے پیر کا تھا) باقی بقدر ضرورت خلوت یہ سب حضرات کا معمول تھا۔ چنانچہ مولانا گنگوہیؒ بھی تھوڑی سی دیر حجرہ بند کر کے اس میں بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے مولانا گنگوہیؒ کو لکھا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ سب سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں۔ مولانا نے تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا نہیں اس سے شہرت ہوتی ہے۔ (جلد۱۱۔ص:۷۱)

ایک ضروری وضاحت:

[زمانے کے فساد اور حکومت اسلامیہ کے زوال کے بعد ہر اس شخص کو جس میں صلاحیت وقدرت ہو، دین کی نصرت، دعوت واصلاح اور تعلیم وغیرہ کا کام کرنا چاہیے۔ اسی میں اللہ کی رضا ہے۔ اسلامی حکومتوں کے دور میں دین طاقتور تھا، اس لیے صوفیہ نے خلوت کی گنجائش سمجھی، مگر اب غالبا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں! جس کے اندر دینی خدمت کے میدانوں میں کام کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو یا کسی اور وجہ سے اس کے لیے ایسا کرنا ناممکن ہو، اس کے لیے اجازت ہوگی کہ وہ (جمعہ و جماعت کے اہتمام کے ساتھ) عبادت وخلوت مع الحق کے لیے انقطاع عن الخلق اختیار

کر لے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ صحیح دین پر عمل صرف کتابوں کے پڑھنے سے ممکن نہیں۔ یحیٰ]

حضرتؒ پر ایک دفعہ خوف کا بیحد غلبہ ہوا:

فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھ پر طالب علمی کے زمانہ میں خوف کا بے حد غلبہ ہوا۔ میں حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی بات بتلا دیجیے، جس سے اطمینان ہوجائے۔ فرمایا: ہائیں، کفر کی درخواست کرتے ہو؟ کیونکہ بالکل مامون [اور اللہ کے عذاب سے مطمئن] ہوجانا کفر ہے۔ (جلد ۱۱۔ص:۷۱)

ہدیہ دینے والوں کی تالیف قلب:

فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ کے پاس کسی شخص نے دریدہ [پھٹا ہوا] عبا بھیجا۔ آپ نہ ہنسے نہ تحقیر کی، بلکہ اس کو رفو کرا کر نماز جمعہ اسی سے پڑھی۔ ایسے ہی مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پاس ایک شخص نے ایک ٹوپی چھینٹ کی جس پر مثالباف کی گوٹ اور گوٹہ لگا ہوا تھا بھیجی، آپ نے اس لانے والے کے سامنے فوراً اوڑھ لی کہ ہدیہ دینے والا سن کر خوش ہوگا۔ (جلد ۱۱۔ص:۷۲)

عاشق احسانی اور عاشق ذات وصفات میں کا فرق:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی ہم لوگ عاشق احسانی ہیں۔ عاشق ذات وصفات نہیں۔ جب تک احسان رہے، محبت ہے۔ اور جہاں ذرا توقُّف ہوا، بس شکایت ہونے لگی۔ اسی پر یہ تفریع فرمائی کہ اگر کسی کے پاس کچھ روپیہ پیسہ حلال کا ہو، اس کو احتیاط سے صرف کرے۔ تاکہ ناداری سے پریشانی نہ ہو۔ اسی طرح جس کے پاس حج کے لیے کافی خرچ نہ ہو اور سفر کی مشقتوں پر صبر نہ کرسکے، اس کو حج کے لیے سفر کرنا مناسب نہیں۔ (جلد ۱۱۔ص:۷۳)

[اس سے معلوم ہوا کہ جن اہل اللہ کو "عاشق ذات وصفات" ہونے کا مقام حاصل ہوتا ہے، صرف ان ہی کے لیے راہ توکل ہے۔ یعنی بغیر مال واسباب اور بغیر کسب کی کوشش کے محض اللہ کے بھروسے و اعتماد پر رہ سکتے ہیں۔ خود حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کا یہی حال تھا، یہ بہت اونچا مقام ہے۔ ہر ایک کو اس کی ہوڑ نہیں کرنی چاہیے، بلکہ کمانے اور دیگر اسباب کے حصول کی کوشش کرنا چاہیے۔ یحیٰ]

حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کی بیعت کا واقعہ:

فرمایا کہ حافظ محمد ضامنؒ کی درخواست پر حضرت میاں جیؒ نے بیعت سے اول انکار کر دیا تھا۔ مگر یہ برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ اصرار مطلق نہیں کیا۔ جب تقریبا دو تین مہینہ آتے جاتے گزر گئے، تو ایک دن حضرت میاں جیؒ نے حافظ صاحبؒ سے پوچھا کہ کیا اب بھی وہ ہی خیال ہے؟ حافظ صاحبؒ نے عرض کیا کہ میں تو اسی خیال سے حاضر ہوتا ہوں، مگر خلاف ادب ہونے کے سبب اصرار بھی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ اچھا وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ آؤ۔ پھر حضرت نے سلسلہ میں داخل فرما لیا۔ (جلد ۱۱۔ص:۷۵)

جو بات حاجی صاحبؒ میں تھی وہ کسی میں نہ تھی:

فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ حضرت حافظ محمد ضامنؒ کی بہت تعریف فرما رہے تھے۔ بعد میں فرمایا: مگر جو بات اُس شخص میں (یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ) میں تھی، وہ کسی میں نہ تھی۔ حالانکہ گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت حافظؒ کو ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ مقولہ خود میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے سنا ہے۔ (۱۱۔ص:۷۶)

حضرت حاجی صاحب کی انابت وتضرع:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ بعض اوقات تمام تمام رات اس ایک شعر کو پڑھ پڑھ کر روتے روتے گزار دیتے تھے:

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن　　　گر بدم ہم سرِّ من پیدا مکن

[یعنی اے اللہ اس بندہ کو رسوا نہ فرمانا۔ میں اگرچہ برا ہوں مگر میری برائیاں عیاں مت کرنا] یہ [حضرت حاجی صاحب کے خادم] حافظ عبدالقادر سے سنا ہے۔ (جلد ۱۱۔ص:۷۶)

حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں زیادہ اہتمام اصلاح قلب کا تھا:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر ایک لطیفہ بھی منور ہو جائے تو اس کے ذریعہ سے سب منور ہو جاتے ہیں۔ حضرت کے یہاں زیادہ اہتمام قلب کا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے

ان فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله الا و هی القلب. (جلد ۱۱۔ص:۷۷)

حضرت گنگوہیؒ انتہائی ذکی الحس تھے:

فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ اس قدر ذکی الحس تھے کہ ایک مرتبہ جب آپ مسجد میں عشاء کی نماز کو تشریف لائے تو فرمایا کہ آج کسی نے مسجد میں دیا سلائی جلائی ہے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے مغرب کے بعد جلائی تھی، جس کا اثر مولانا کو عشاء کے وقت محسوس ہوا۔ اور آپ کے یہاں عشاء کی نماز قریب ثلثِ شب کے وقت ہوتی تھی۔ (جلد ۱۱۔ص:۷۹)

حضرت نانوتویؒ نے نواب رامپور سے ملاقات سے انکار کر دیا:

فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسمؒ ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ نواب کلب علی خان مرحوم نے مولانا کو اپنے پاس بلانا چاہا، تو مولانا نے یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں، آداب شاہی سے واقف نہیں۔ اس پر نواب صاحب کا جواب آیا کہ آپ کو آداب سب معاف ہیں۔ آپ ضرور کرم فرمایئے۔ ہم لوگوں کو سخت اشتیاق ہے۔ اس پر مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے کہ اشتیاق تو آپ کو ہو اور ملنے میں آؤں؟ غرضیکہ تشریف نہیں لے گئے۔ (جلد ۱۱۔ص:۷۹)

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی تواضع:

فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی۔ سب طلباء کتابیں لے لے کر اندر کو بھاگے۔ مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔ (جلد ۱۱۔ص:۷۹)

نفس سے جس قدر دوری ہے اسی قدر قرب حق حاصل ہے:

مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاد مولانا شاہ عبد الغنیؒ فرماتے تھے کہ جس قدر نفس سے دوری ہے اسی قدر قرب حق تعالیٰ حاصل ہے۔

(جلد ۱۱۔ص:۸۴۔۸۵)

حضرت گنگوہیؒ کا غیر معمولی اتباع سنت:

مولانا گنگوہیؒ چونکہ بہت متبع سنت تھے، ایک مرتبہ لوگوں نے کہا مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے۔ دیکھیں حضرت ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں۔ لوگوں نے اس کا اندازہ کیا۔ جب مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر کھڑاؤں پر رکھا۔ جب سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاؤں کی کھنٹی انگوٹھے میں ڈالی اس کے بعد بائیں پاؤں میں کھڑاؤں پہنی۔ سبحان اللہ کیسا دونوں سنتوں کو یکجا جمع فرمایا ہے۔ (جلد۱۱۔ص:۸۵)

علماء دین کی توہین کرنے سے قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے:

مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ جو لوگ علماء دین کی توہین اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے۔ اور یوں بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (جلد۱۱۔ص:۸۶)

حضرت گنگوہیؒ نے مولانا یعقوبؒ کے پاؤں کی گرد اپنے رومال سے جھاڑی:

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ گنگوہ تشریف لائے۔ مغرب کی جماعت کھڑی ہوگئی تھی۔ اور غالباً مولانا گنگوہیؒ امامت کے لیے مصلے پر پہنچ گئے تھے۔ مولانا محمد یعقوبؒ کو دیکھ کر مولانا پیچھے تشریف لے آئے۔ اور ان کو امام بنایا۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ چونکہ سفر سے آرہے تھے پاؤں پر کچھ گرد تھی۔ مولانا گنگوہیؒ نے رومال لے کر آپ کے پاؤں جھاڑنا شروع کیے۔ اور آپ تسبیح پڑھتے رہے۔ ذرا جنبش نہ فرمائی۔ (جلد۱۱۔ص:۸۶۔۸۷)

ہمارے بزرگ نک چڑھے نہ تھے:

فرمایا: ہمارے بزرگ جتنے تھے وہ نک چڑھے نہ تھے۔ ظاہر میں سب سے ہنستے بولتے تھے۔ ظرافت بھی کرتے تھے۔ مگر دل میں آتش عشق کا ایک شعلہ بھڑکا ہوا تھا۔ (جلد۱۱۔ص:۹۷)

ہمارے اکابر سامنے تعریف نہیں کرتے:

فرمایا کہ ہمارے اکابر کا معمول کسی کی تعریف سامنے کرنے کا نہیں ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے جو کچھ بھی کلمات تحسین میری نسبت فرمائے ہیں، اکثر غیب ہی میں فرمائے ہیں۔ بعض

احباب کے ذریعہ سے پتہ چل گیا۔ سامنے فرمانا کچھ یاد نہیں آتا۔ (جلد ۱۱۔ص:۹۷)

صحت عجیب نعمت ہے:

فرمایا کہ صحت عجیب نعمت ہے۔ لکھنؤ میں ایک نواب تھے، ان کو ضعف معدہ کی شکایت تھی۔ بس دو تولہ گوشت کا قیمہ پوٹلی میں باندھ کر چوستے تھے۔ ایک دفعہ گومتی کے کنارے اپنے مصاحبین کے پاس بیٹھے تھے۔ وہاں دیکھا کہ ایک لکڑ ہارا لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھے لا رہا ہے۔ اس نے وہ گٹھا ایک درخت کے نیچے لا کر دھب سے پٹکا۔ اور گومتی میں ہاتھ منہ دھویا اور درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنا روٹ نکالا اور پیاز کے ساتھ کھانا شروع کیا۔ کھا کر اور پانی پی کر سو گیا اور خراٹے لینے شروع کیے۔ نواب صاحب نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اپنے مصاحبین سے کہا کہ میں اس تبادلہ پر راضی ہوں کہ میرا تمول اور بیماری اسے مل جائے۔ اور اس کا افلاس اور تندرستی مجھے مل جائے۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۰۱۔۱۰۲)

حب جاہ و مال بری چیز ہے:

فرمایا کہ حب جاہ و مال ایسی بری چیز ہے کہ یہ انسان کو کسی حال چین سے نہیں رہنے دیتی۔ ایک ڈپٹی صاحب تھے۔ وہ بیچارے رات بھر تسبیح لیے کوٹھے پر ٹہلتے تھے۔ اور مال کی فکر میں سوتے نہ تھے۔ بس ساری خرابی بڑائی کی ہے۔ اس کے لیے ہی مال ڈھونڈتا ہے۔ اگر آدمی چھوٹا بن کر رہے اور تھوڑے پر قناعت کرے پھر کچھ بھی فکر نہیں۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۰۲)

ذلت عرض احتیاج کو کہتے ہیں:

فرمایا کہ ذلت کہتے ہیں عرض احتیاج کو۔ اگر آدمی کچھ سوال نہ کرے، تو کچھ ذلت نہیں۔ چاہے لنگوٹہ باندھے پھرے۔ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ، بدون عرض احتیاج کے، کوئی شخص دین کی خدمت کرے اور پھر مارا مارا پھرے۔ انگریز بڑے بڑے امراء کی عزت نہیں کرتے اور ادنی ادنی مولویوں کی عزت کرتے ہیں۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۰۲)

قبول ہدیہ کا معیار:

ایک شخص نے کچھ ہدیہ بھیجا اور رقعہ میں یہ تحریر کیا کہ حسب معمول قدیم روانہ کرتا ہوں۔ اس پر حضرت والا نے واپس فرما دیا۔ اور یہ فرمایا کہ یہ لزوم کیسا؟۔... بھائی اکبر علی نے چاہا تھا کہ کچھ

مقدارِ معیّن سے میری خدمت کیا کریں۔ میں نے انکار کر دیا اس لیے کہ خواہ مخواہ یہ فکر رہے گی کہ کب پہلی تاریخ ہوگی کب منی آرڈر آئے گا۔ دیر ہوگی تو کہوں گا کہ شاید کوئی وجہ ہوگئی ہوگی۔ ایسے ہدیے سے راحت نہیں ہوتی۔ بلکہ اذیتِ انتظار ہوتی ہے۔ اللہ ایسی ایسی جگہ سے دیتا ہے، جہاں گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس میں ہے پوری راحت، بھائی نے کہا کہ آخر اوروں سے بھی تو لیتے ہو۔ میں نے کہا کہ وہ لوگ مقرر تھوڑا ہی کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے بھی کبھی بیس بیس کبھی پچیس پچیس روپے دیے، میں نے لے لیے۔ اس انتظار کی کلفت پر متفرع کر کے میں کہتا ہوں، کہ جب پیروں کے یہاں جاؤ تو ہدیہ میں [ہر بار] لزوم کا معاملہ کر کے نہ جاؤ۔ اس سے ان کی نیت بگڑتی ہے۔ وہ تو تم کو سنواریں اور تم ان کو بگاڑو؟ (جلد ۱۱۔ص: ۱۰۳۔۱۰۴)

لوگوں کے ساتھ حسن ظن اور مریدوں کے ساتھ حسن تربیت کا معاملہ:

فرمایا کہ عام لوگوں میں سے تو اگر کسی کے اندر ننانوے عیب ہوں اور ایک بھلائی ہو، تو میری نظر اس بھلائی پر جاتی ہے اور ان ننانوے عیبوں پر نہیں جاتی۔ اور جس نے اپنے کو تربیت کے واسطے میرے سپرد کیا ہو، تو اس میں اگر ننانوے بھلائیاں ہوں اور ایک عیب ہو، تو میری نظر اس عیب پر جاتی ہے، ان ننانوے بھلائیوں پر نہیں جاتی۔

...ایک مرتبہ احقر [حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ] حاضر خدمت تھا۔ کہ حضرت کو ایک کارڈ کی ضرورت ہوئی، مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ ڈاک خانہ سے میں لا دوں؟ حضرت والا نے فرمایا: نہیں بھائی! سخت گرمی ہے (گرمی کا زمانہ تھا) تکلیف ہوگی۔ لوگ تو مجھے سنگ دل کہتے ہیں، مگر مجھ سے کسی کی تکلیف بھی نہیں دیکھی جاتی۔ تحدیث بالنعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اگر کسی مجمع میں سو آدمی (جامع کہتا ہے: لاکھ) جمع کیے جائیں اور اس میں میں بھی موجود ہوں، تو ان شاء اللہ مجھ سے زیادہ نرم و رحم دل کوئی بھی نہ نکلے گا۔ (جلد ۱۱۔ص: ۱۰۷۔۱۰۹)

بزرگوں کا محض قرب اصلاح کے لیے کافی نہیں:

بزرگوں کے قرب سے اگر اصلاح کا اہتمام نہ کیا جائے، بعض وقت اخلاق کا فساد بڑھ جاتا ہے، اصلاح نہیں ہوتی۔ ایک مولوی صاحب جو ایک بزرگ کے یہاں بڑے مقرب گویا ان کے میر منشی

تھے، انہوں نے مجھے ایک شخص کی سفارش لکھی کہ یہ بڑے شخص ہیں، ان کی اس قدر تجارت ہے، تو ان کی طرف توجہ ہو جانا چاہیے۔ میں نے اس پر ان کو سخت تنبیہ کی کہ مجھ پر ان کی تجارت و وجاہت کا اثر ڈالتے ہو اور لالچ دیتے ہو؟ اس تنبیہ پر انہوں نے کوئی معذرت نہ کی۔ میں سمجھا کہ شاید یہاں آ کر کچھ کہیں سنیں۔ مگر جب یہاں آئے تب بھی انہوں نے اس پہلے لکھے ہوئے کی کوئی معذرت نہ کی۔ جب چلنے لگے تو میں نے کہا کہ آپ نے یوں یوں لکھا ہے۔ کہا: جی ہاں، غلطی ہو گئی تھی، معافی چاہتا ہوں۔ فرمایا اب بھی میرے یاد دلانے سے اور کہنے سے عذر کیا؟ کہا کہ یہ خیال تھا کہ چلتے وقت عرض کروں گا۔ میں نے کہا کہ چلنے تو لگے تھے؟ میں نے ہی تو روک کر کہا۔ (جلد۱۱۔ص:۱۱۰)

[یہ بہت قابل غور و فکر نقطہ ہے۔ حضرت کے الفاظ پر غور کیجیے ''بزرگوں کے قرب سے اگر اصلاح کا اہتمام نہ کیا جائے، بعض وقت اخلاق کا فساد بڑھ جاتا ہے، اصلاح نہیں ہوتی''۔ بعض بزرگوں کے یہاں دیکھا، ان میں تو بڑی خوبیاں تھیں، مگر اپنے چھوٹوں کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام نہیں تھا، بعض مصاحبین سالہا سال صحبت میں رہے، مگر اخلاق نہایت فاسد اور اعمال بھی خراب۔ طالبین کو بزرگوں کی صحبت میں اپنی اصلاح کی طرف خوب فکر و توجہ ہونی چاہیے۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ منصب اصلاح و تعلیم دے، ان کو بھی صرف نظری تعلیم پر اکتفا کے بجائے اعمال و اخلاق کی اصلاح اور روک ٹوک کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔ ورنہ بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ یحییٰ]

نصیحت کا حکیمانہ طرز:

ایک مرتبہ ہم ریل میں ایک جگہ سفر کر رہے تھے۔ ہمارے پاس ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب بھی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ نماز کا وقت ہوا، تو ہم نے نماز پڑھی۔ خواجہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ تمہارے معتقد ہیں تم ان کو نماز کی نصیحت کرو۔ میں نے کہا کہ نماز کی حقیقت سے تو یہ واقف ہی ہیں کہ پڑھنے اور نہ پڑھنے پر عذاب و ثواب ہوگا۔ یہاں تبلیغ فرض تو ہے نہیں، مستحب ہے۔ میں ایک مصلحت دینیہ کو اس مستحب پر ترجیح دیتا ہوں۔ مگر اس کہنے سے ان کا جی نہیں بھرا، خیر جب ہم نماز پڑھ چکے اور ان کے پاس آ کر بیٹھے، میں نے پھر اسی طرح جس طرح کہ پہلے ان سے انشراح کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا، باتیں کرنا شروع کر دیں۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ جس وقت حضرت والا نے

آ کر مجھ سے باتیں کرنا شروع کی ہیں تو میں ذبح ہی تو ہو گیا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ نماز پڑھنے کے بعد مجھ سے بات بھی نہ کریں گے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا پھر وہ پکے نمازی ہو گئے۔ پھر ان کی کوئی نماز قضا نہ ہوئی۔ اہل طریق سمجھتے ہیں کہ کس وقت نصیحت کا کیا طرز اختیار کرنا چاہیے۔ ان کے ذوق صحیح ہوتے ہیں۔ علماء ظاہر اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے:

گرچہ تفسیر زباں روشن گرست   لیک عشق بے زباں روشن ترست

ایسے ہی بنی ثقیف کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بیعت کے وقت زکوٰۃ و جہاد کے التزام سے عذر کیا تھا۔ اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ پھر [بنو ثقیف زکوٰۃ و جہاد] سب ہی کچھ کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جذبات کے روکنے سے طبیعت منقبض ہو جاتی ہے۔ اور اجازت سے کشادہ ہو جاتی ہے۔ اس کو حکیم ہی سمجھتا ہے۔ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۱۲۔ ۱۱۳)

دین کے پردے میں دنیا حاصل کرنا سخت مضر ہے:

دنیا کے لباس میں دنیا حاصل کرنا اتنا مضر نہیں جتنا کہ دین کے پردہ میں دنیا حاصل کرنا مضر ہے۔ [یہ عاجز عرض کرتا ہے: دین دار سمجھے جانے والوں کو اس پر بہت غور کرنا چاہیے۔ یحییٰ]

(جلد ۱۱۔ ص: ۱۱۷)

انسان اپنی فکر میں پڑے دوسروں کی فکر میں نہ پڑے:

فرمایا کہ میرا ایک خاص مذاق ہے۔ وہ یہ کہ اپنی فکر میں پڑے دوسروں کی فکر میں نہ پڑے۔ (جامع کہتا ہے کسی بزرگ کا قول ہے کہ انہوں نے اپنے مرید سے فرمایا تھا کہ بیٹا دوسروں کے جوتوں کی فکر میں اپنی گٹھری نہ کھو بیٹھنا)۔ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۱۸)

کبر و تواضع سے متعلق ایک تحقیق:

ایک مرتبہ متعدد علماء کا مجمع تھا اور کبر و تواضع کے متعلق اس پر بحث تھی کہ ایک عالم اپنے کو جاہل سے کمتر کیونکر سمجھ لے۔ یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے۔ کیونکہ جب علم وفضل پڑھا ہے تو یہ کیسے سمجھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں؟ ایک حافظ اپنے کو غیر حافظ کیسے سمجھ سکتا ہے؟ (ہمارے حضرت نے

نہایت جامع اور مختصر جواب فرمایا) کہ کسی کمال کے سبب اکمل سمجھنا تو جائز ہے، مگر افضل بمعنی مقبول سمجھنا جائز نہیں۔ پس یہ سمجھنا کہ میں عالم ہوں کوئی حرج نہیں۔ مگر اس پر اپنے کو مقبول عنداللہ سمجھنا یہ بڑا خطرناک ہے۔ بس یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ باوجود اس کے جاہل ہونے کے اس میں کوئی ایسی خوبی ہو، جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے اور ہم گو بڑے عالم ہوں مگر ہم میں کوئی ایسی برائی ہو جس سے ہم ان کو پسند نہ آئیں پھر ہم کس کام کے؟ (جلد ۱۱۔ص:۱۲۰)

مشائخ کی صحبت سے علوم درسیہ میں بھی اضافہ ہوتا ہے:

فرمایا کہ جب مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی یہاں آنے لگے، تو ایک صاحب نے ان سے کہا کہ درسیات چھوڑ کر کہاں وقت ضائع کرنے جاتے ہو۔ میں نے سن کر ان سے پوچھا کہ بھائی سچ کہنا کہ یہاں آکر تمہارے علوم درسیہ میں بھی کچھ اضافہ ہوا یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ بہت کچھ ہوا۔ میں نے کہا کہ بس اس معترض کا یہی جواب ہے۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۲۲)

اکثر مالداروں میں تہذیب حقیقی نہیں ہوتی:

فرمایا کہ ایک شخص نے سوا پندرہ روپے بھیجے ہیں اور خط میں لکھا ہے کہ ۱۲ روپے تو مدرسہ کو اور سوا تین روپے آپ کو۔ اور اگر آپ نہ لیں تو یہ بھی مدرسہ میں داخل کر دیں۔ میں نے بارہ روپے مدرسہ میں داخل کر دیے۔ اور جن میں تشقیق تھی [یعنی سوا تین] وہ واپس کر دیے۔ اور لکھا کہ مدرسہ ایسی چیز نہیں ہے کہ جو چیز ایک جگہ سے مردود [واپس] ہو، وہ مدرسہ میں دی جائے۔ اب ان کی آنکھیں کھلی ہوں گی۔ (ہمارے حضرت نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اکثر مالداروں میں تہذیبِ حقیقی نہیں ہوتی۔ محض عرفی ہوتی ہے۔ کیا کہا جائے؟ دین کا کام کرنے والوں کو لوگ ذلیل سمجھتے ہیں۔ بھلا کلکٹر کو بھی کوئی ایسا لکھ سکتے تھے؟ بس فرق یہ ہے کہ حکام کی تو عظمت ہے اور علماء کی عظمت نہیں۔ اس کے سوا اور کوئی فرق بیان ہی نہیں کر سکتا۔

لوگ حکام کے سامنے تہذیب سے پیش آتے ہیں اور یہاں پر بدتہذیبی سے۔ ورنہ یہ لوگ کم سمجھ نہیں۔ باقی اس کا سبب ایک اور بھی ہے کہ ہم نے ہی مالداروں کے ساتھ رعایت کا معاملہ کر کے

بگاڑا ہے۔ وہ یوں سمجھ گئے کہ جس طرح ان لوگوں کو دیں گے لیں گے۔ اہل حاجت ہیں۔ اور اگر کسی کے مزاج میں غیرت اور احساس ہو، تو اس کا نام نازک مزاج رکھا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک شخص ایک گاؤں سے دو بھیلی لایا۔ میں نے قبول کر لی۔ اور گھر کو بھیجنے لگا۔ جب کچھ دور لے کر آدمی نکل گیا۔ تو اس نے کہا کہ ایک مدرسہ کے لیے لایا ہوں اور ایک آپ کے لیے۔ مجھے اس پر بڑی غیرت معلوم ہوئی۔ اور اس آدمی کو بلا کر دونوں بھیلی اس کے سپرد کر دیں۔ اور کہا کہ تمیز سیکھ کر آؤ۔ رہا مدرسہ میں نہ لینا، چونکہ اس نے طریقہ ذلت کا اختیار کیا تھا، اس لیے نہیں لی۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۲۳۔۱۲۴)

غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے:

ایک صاحب اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئے۔ اور ایک معلم صاحب کے زیادہ مارنے کی شکایت کی۔ اس پر ان کو بلایا گیا، تنبیہ شرعی کے بعد حضرت نے ان سے فرمایا کہ جب تم کو مارنے کو منع کر دیا ہے (اس کے قبل بہت سختی کے ساتھ ممانعت کر دی گئی تھی) پھر تم نے خلاف کیوں کیا؟ اس پر انہوں نے کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ حضرت نے ان کو اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ اور فرمایا تمہارا فیصلہ مہتمم صاحب کے آنے پر ہوگا۔ (مہتمم صاحب باہر گئے ہوئے تھے۔ طلباء سے مارنے کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ اس نے یہ کہہ دیا تھا کہ چھٹی کا وقت آ گیا۔ اس پر اس کو بیحد مارا اور گلا دبا لیا تھا۔ جس سے گلے پر نشان پڑ گئے تھے) یہ سن کر فرمایا یہ تو جنون ہے۔ کہ ذرا سی بات پر اس قدر سزا۔ اسی واسطے حدیثوں میں آتا ہے کہ آدمی کو بلا نکاح نہیں رہنا چاہیے۔ (یہ معلم مجرد تھے) ایسے آدمی کا غصہ سب دماغ ہی میں بھرا رہتا ہے۔

ہنس کر فرمایا: کیا کیا جائے؟ اس زمانہ میں بیوی بھی تو دقت سے ملتی ہے۔ (یہ معلم سن رسیدہ تھے) ایک بڈھے سے کسی نے پوچھا تھا کہ بڑے میاں بیوی کیوں نہیں کرتے؟ کہا کہ جوان مجھے پسند نہیں کرتی اور بوڑھی کو میں پسند نہیں کرتا۔ اب نکاح کس سے کروں؟ وہ معلم صاحب ابھی مجلس ہی میں تھے کہ حضرت نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا تم کو یہاں رہنے کی تو اجازت ہے، لیکن جب تک یہاں رہو میرے سامنے نہ پڑھاؤ۔ اور طلباء کو فرمایا کہ تم ان کے پاس نہ پڑھو۔ مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس وقت مختتم [آخری] فیصلہ نہ کرنے کا راز یہ ہے کہ حدیثوں میں غصہ کے

وقت فیصلہ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس لیے میں ایسے امور میں غصہ کے وقت کبھی فیصلہ نہیں کرتا۔ بعد رفع غیظ جب تک تین تین چار چار مرتبہ غور نہیں کر لیتا کہ واقعی بھی یہ اس سزا کا مستحق ہے، جب تک سزا نہیں دیتا۔ (پھر ان کو اپنے پاس سے اٹھا کر ایک دوسرے معلم کو جو کہ نو عمر تھے بلایا۔ جب وہ آ گئے تو ان سے فرمایا) کہ معلوم ہوا تم بھی بچوں کو مارتے ہو؟ اس کا صحیح اور معقول جواب دو۔ تاویلات کو ہرگز نہ مانوں گا۔ یہ بتلاؤ کہ جب میں نے منع کر دیا ہے تو پھر کیوں مارتے ہو۔ یہ شرارت نفس کی ہے یا نہیں؟ انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں بے شک شرارت نفس کی ہے۔ تو فرمایا کہ اچھا طلباء کے سامنے حوض پر کان پکڑ کر چلو۔ کیونکہ میں نے تم کو خلوت میں عزت سے سمجھایا تھا۔ اس کو تم غنیمت ہی نہیں سمجھے۔ واقعی دنی الطبع بلا سختی کہ نہیں مانتا۔ (وہ صاحب حوض پر کان پکڑ کر چلے) مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس سے طلباء پر مدرس کی بے رعبی ضرور ہو گی۔ مگر میں کیا کروں؟ میں نے ہر چند چاہا کہ یہ میرا کہنا مان جائیں، مجبوراً یہ عمل اختیار کیا ہے۔

مدارس میں اخلاص نہیں رہا:

... مہتممین اور منتظمین کی ظاہری حالت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بس مدرسہ سے عزت و جاہ مقصود ہے۔ کیونکہ مدرسہ نہ رہا تو اہتمام اور حکومت جاتی رہے گی۔ جب مدرسہ کا اجراء اشاعت دین و رضائے خدا اور رسول کے لیے ہے تو اس سے آگے قدم نہ بڑھانا چاہیے۔... حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قلمی گرامی نامہ مکاتیب رشیدیہ کے آخر میں تحریر ہے، جس کو مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہما کے نام، جبکہ وہ مخالفین کی وجہ سے کچھ پریشان تھے، تحریر فرمایا تھا۔ اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ میرے عزیزو! تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ مدرسہ مقصود نہیں، رضا مندیِ حق جلَّ وعلا مقصود ہے۔ اور اس کے بہت طرق ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مدرسہ بھی ہے۔ اگر مدرسہ رہے تو کام کیے جاؤ۔ اور اگر نہ رہے کسی اور جگہ بیٹھ کر کام کر لینا۔ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۲۷۔ ۱۳۱)

ہمارے بزرگوں میں عمق نظر اور للّٰہیت بہت تھی:

فرمایا کہ بعض علماء تبحر [وسعت علم] میں ہمارے بزرگوں سے بہت زیادہ تھے۔ مگر مجھے اپنے حضرات سے جو عقیدت ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کے اندر عمقِ نظر [گہرائی] اور

للّٰہیت بہت تھی۔ (جلد۱۱۔ص:۱۳۳)

نرے مولویوں کا دل بھی نہیں روتا:

مولوی سلیمان صاحب واعظ ایک مرتبہ وعظ کہہ رہے تھے۔ مثنوی اچھی پڑھتے ہیں۔ بڑے دل لگی باز تھے۔ ایک بار کہتے تھے کہ میں کچھ بدعتی ہوں اور کچھ غیر مقلد۔ آواز اچھی تھی۔ علماء کی ایک مجلس میں اثنائے تذکرہ، علماء کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگ اتنی دیر سے بیٹھے ہو تمہارا کوئی آنسو بھی ٹپکا ہے؟ اگر یہاں صوفیہ کا مجمع ہوتا تو اب تک کتنی دفعہ روتے۔ ایک تم ہو کہ جوں بھی نہیں رینگتی۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ واقعی نرے مولویوں کا تو دل بھی نہیں روتا۔ [یہ حضرت والا نے اس لیے فرمایا کہ اصل رونا تو قلب کا ہے، بعض حضرات کا قلب تو بہت نادم وحسرت کدہ اور دردمند ہوتا ہے، مگر آنکھیں نہیں روتیں، ان کی کوئی مذمت نہیں۔ یہ فائدہ ونکتہ حضرت حکیم الامتؒ ہی کے کسی ملفوظ میں گزر چکا ہے۔ یحییٰ]

...ایک دفعہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے درس حدیث میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا قصہ آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ سورہ لم یکن تمہیں سناؤں۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ فرمایا ہاں تمہارا نام لیا ہے۔ تو اس پر آپ رونے لگے۔ ایک طالب علم نے حضرت مولانا سے کہا کہ یہ تو خوشی کی بات تھی رونے کی کیا بات ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ جا احمق، تو کیا جانے؟ کیسی خوشی کیسا رنج ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ.....نے اس کی شرح فرمائی ہے۔ فرمایا کہ رونا کبھی خوشی سے ہوتا ہے کبھی رنج سے۔ اور کبھی گرم بازاری عشق سے ہوتا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے رونے کی حقیقت حضرت کے ارشاد سے بخوبی واضح ہوگئی میں اور آسان کر کے کہتا ہوں کہ محبت کے جوش میں بھی رونا آتا ہے۔ یہ ذوقیات ہیں ان کو غیر ذوق والا نہیں سمجھ سکتا۔ (جلد۱۱۔ص:۱۴۱۔۱۴۲)

ریاء کی حقیقت:

فرمایا کہ ایک شخص کا خط آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ اس طرح عبادت کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ

لوگ دیکھیں۔ نماز بھی چھپ کے پڑھتا ہوں۔ تسبیح پڑھنے میں اگر کوئی آجاتا ہے تو اس کو کپڑے میں چھپالیتا ہوں، تاکہ ریاء نہ ہو۔ میں نے لکھا ہے کہ کبھی اسلام چھپانے کو بھی جی چاہا؟ کیونکہ دولت اسلام تو بڑی چیز ہے، اس میں بھی تو ریاء ہے۔ (پھر مجمع کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا) محققین کا قول ہے کہ عام آدمی تو اظہارِ عبادت کو ریاء سمجھتے ہیں اور خواص اخفاءِ عبادت کو ریاء سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اخفاء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس کی نظر مخلوق پر ہے۔ اور اصل طریق یہ ہے کہ اپنی طرف سے نہ اظہار کا قصد کرے نہ اخفاء کا۔ اپنے کام سے کام رکھے۔

فقط اظہارِ عبادت سے ریاء تھوڑا ہی ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت کو اس نیت سے ظاہر کرنا کہ لوگ میری بزرگی کے معتقد ہو جائیں۔ باقی رہا نفسِ اظہار، سو وہ کوئی ریاء نہیں۔ اور اگر کسی کے اعتقاد کا بلا اختیار خیال آئے تو وہ وسوسۂ ریاء ہے، ریاء نہیں۔ بس اپنی طرف سے قصداً اظہار نہ کرے۔ نہ یہ کہ کونوں میں چھپتا پھرے۔ دیکھا اس طریق میں کیسے کیسے دھوکے ہیں؟ بلا رہبر اس طریق میں چلنا بہت مشکل ہے۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۴۴۔۱۴۵)

ننانوے قتل کرنے والے کی توبہ کے بارے میں چند سوالات:

ایک عالم نے سوال کیا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے ننانوے (۹۹) خون کر کے توبہ کی۔ اور ایک عالم کے پاس گیا کہ میں نے ننانوے خون کیے ہیں۔ میری توبہ مقبول ہے یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ تو اس نے اس کو بھی قتل کر دیا، کہ اب پورے سو (۱۰۰) سہی۔ پھر ایک شخص نے دوسری بستی کے ایک عالم کے پاس جانے کا پتہ بتلایا وہ اس بستی کی طرف چلا۔ اور راستہ میں مر گیا۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب وہ توبہ کر چکا تھا تو پوچھتا کیا پھرتا تھا؟

ارشاد فرمایا کہ توبہ تو کر چکا تھا، مگر [توبہ کا] مقبول ہونا معلوم نہ تھا۔ اس لیے پوچھتا پھرتا تھا۔

سوال: جب توبہ کر چکا تھا تو ملائکہ رحمت و عذاب میں اس کے متعلق منازعت کیوں ہوئی؟

ارشاد: غلبۂ اثرِ معصیت یا توبہ میں اختلاف تھا۔ [یعنی رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں اس میں اختلاف تھا کہ توبہ کا اثر غالب ہے؟ یا معصیت کا؟]۔ اس لیے ملائکہ نے اجتہاد کیا، جو فیصلہ کے وقت ایک غلط بھی ثابت ہوا۔ اور اجتہاد غلط بھی ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی

معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی اجتہاد کرتے ہیں۔...

سوال: کیا ملائکہ کا اجتہاد بھی غلط ہوتا ہے؟

ارشاد: کیوں نہیں ہوسکتا؟ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملائکہ کو بعض اوقات قواعد کلیہ بتا دیے جاتے ہیں، کہ جو ایسا ایسا کیا کرے وہ ایسا ہے۔ جب ہی تو ان کو اجتہاد کی نوبت آئی۔

سوال: باوجود حقوق العباد مغفرت کیسے ہوئی؟

ارشاد: اللہ کو یہ بھی تو اختیار ہے کہ خصم [مقابل] کو راضی کرادیں، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ اہل حقوق کو میدان قیامت میں محلات دکھلائے جائیں گے۔ وہ دیکھ کر کہیں گے یہ کسی کے لیے ہیں؟ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوگا، جو اپنے حقوق ہمارے بندوں سے معاف کرے۔

سوال: اس سے یہ بھی استدلال ہوسکتا ہے کہ حقوق العباد معاف ہوجائیں گے؟

ارشاد: اس سے استدلال کی کیا ضرورت ہے جبکہ اس کی خود حدیث میں تصریح موجود ہے جیسے ابھی گزرا۔ (جلد ۱۱۔ص: ۱۴۷۔۱۴۹)

غیبت کی تعریف:

ایک صاحب کسی کا تذکرہ کررہے تھے۔ پھر سوال کیا کہ یہ غیبت تو نہیں ہے؟ فرمایا کہ کہنے والے کو اگر یہ یقین ہوجائے کہ یہی تذکرہ اگر بعینہ اسے پہنچادیا جائے تو وہ ناراض نہ ہوگا، تو یہ غیبت نہیں۔ یا اس تذکرہ سے اصلاح کا تعلق ہو، یا بطور حزن کے تذکرہ کیا جائے۔ یہ غیبت نہیں ہے۔ (جلد ۱۱۔ص: ۱۴۹)

عارفین کو قیل وقال سے انقباض ہوتا ہے:

فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ جب کسی مضمون پر تقریر فرماتے اور کوئی شبہہ پیش کرتا تو فرماتے کہ یہ مدرسہ نہیں۔ یہ کام کرنے کے ہیں، کر کے دیکھو۔ ہمارے حضرت نے فرمایا: مدرسین کو قیل وقال کی عادت ہوتی ہے۔ اور عارفین کو اس سے انقباض ہوتا ہے۔ جو کام میں [یعنی سلوک کے اعمال میں] مشغول ہوتا ہے، اس کو حقیقت منکشف ہوجاتی ہے۔ عوام کی طرح ان کی حالت نہیں ہوتی۔ ان کو اطمینان ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت کے یہاں حقائق میں تردد نہ تھا۔ اس لیے سوال

وجواب سے تنگ ہوتے تھے۔ جیسے اگر کوئی کسی سے کہے کہ آفتاب نکل آیا۔ اب بجائے اس کے کہ وہ اس کا ممنون ہو، اس سے مباحثہ شروع کر دے تو اس کو کس قدر ناگوار ہوگا؟ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۵۱)

سلوک شروع کرنے سے پہلے شیخ کی خدمت میں رہنا مناسب ہے:

فرمایا کہ سلوک شروع کرنے سے پہلے ضرورت اس کی ہے کہ چند یوم شیخ کی خدمت میں رہے۔ تاکہ اس کے عادات حالات سے پوری پوری آگاہی حاصل ہو جائے۔ (ص: ۱۵۱)

حضرت والا کے استغناء کا واقعہ:

فرمایا کہ خدا کے سوا کسی پر نظر کیوں رکھے؟ اسی کے واسطے تو بتلایا گیا ہے: ولله خزائن السموٰات والأرض". جس زمانہ میں [تحریکِ] خلافت کا بہت زور شور تھا [اور حضرت اس کے مخالف تھے] اور مجھ سے خانقاہ غصب کرنے کی ترغیب ہو رہی تھی، تو اس وقت راندیر میں ایک شخص نے مرنے کے وقت چار ہزار اٹھائیس روپے کی یہاں کے مدرسہ کے واسطے وصیت کی تھی۔ ان وارثوں نے مجھے لکھا کہ چونکہ اس وصیت میں حساب وغیرہ گورنمنٹ کے متعلق کیا گیا ہے، اس لیے آپ عدالت میں سب رجسٹرار کے سامنے وصول رقم کا اقرار کر لیں۔ میں نے لکھا کہ سب رجسٹرار کے سامنے گو ہم اپنی ضرورتوں سے جاتے ہیں، مگر اس معاملہ میں ہم جانا پسند نہیں کرتے۔ پھر لکھا کہ اچھا تم اپنے یہاں کے کسی مجسٹریٹ کے سامنے تصدیق کر دو۔ میں نے اس سے بھی عذر لکھا۔ پھر لکھا اچھا ہم کیا کریں؟ میں نے لکھا کہ تم پریشان کیوں ہوتے ہو، علماء سے استفتاء کر لو۔ اور پورا واقعہ لکھ دو۔ جو وہ کہیں اس پر عمل کرو۔ پھر انہوں نے لکھا کہ اچھا اپنے یہاں کے دو طالب علموں ہی کی تصدیق کرا دو۔ میں نے اس کو منظور کر لیا۔ انہوں نے رقم بھیج دی۔ اتفاق سے اس وقت خواجہ صاحب اور ایک سندھ کے رہنے والے جج میرے یہاں مہمان تھے۔ میں نے ان کی تصدیق کرا دی۔ تو میں تو مدرسہ کے لیے بھی ایسی ذلت برداشت نہیں کرتا۔ بحمد اللہ یہاں کام بہت ہے، مگر خاموشی کے ساتھ ہے۔ پڑھائی تو ایسی نہیں ہے۔ مگر تصانیف کا کام بہت بڑا ہے۔ ضرورت تو روپے کی رہتی ہے، مگر ذلت کے ساتھ لینا گوارا نہیں ہے۔ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۵۳)

تجارت میں فروغ بھی صدق سے ہی ہوتا ہے:

حدیثوں میں آیا ہے کہ صادق تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اٹھیں گے۔ (اور یہ بھی آیا ہے کہ دغا باز فریبی تاجر کا حشر فجار کے ساتھ ہوگا۔ جامع) اور یہ واقعہ ہے کہ تجارت میں دنیوی فروغ بھی صدق ہی سے ہوتا ہے۔ گو شروع شروع میں کچھ تکلیف اٹھانا پڑے۔ مگر بعد میں بہت برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ کانپور میں ایک بانس والے تھے ان کے پاس جو شخص بانس لینے آتا، تو وہ یہ کہہ دیتا کہ یہ بانس اتنے دن رہے گا۔ یہ سن کر سب چھوڑ کر چلے جاتے۔ دوسری جگہ جب پہنچتے تو وہ دکاندار بڑی تعریف کرتے۔ لوگ ان کی ہی دکانوں سے خریدتے۔ لوگوں نے ان سے کہا بھی کہ بھائی یہ کام ایسے نہیں چلتا۔ اس نے جواب دیا کہ فروخت ہوں یا نہ ہوں، میں تو سچ ہی بولوں گا۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب دوسروں کے بانس جلدی جلدی خراب ہونے لگے۔ اب رجوعات ان کی طرف ہوئی۔ کیونکہ یہ جو کہہ دیتے بانس ویسا ہی نکلتا۔ سب کی دکانداری پھیکی پڑ گئی۔ بس شروع میں تھوڑی سی دقت پڑتی ہے۔ جب لوگوں کو اطمینان کامل ہو جاتا ہے تو پھر یہ دقت بھی رفع ہو جاتی ہے۔ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۵۷)

جس سے اصلاح کا تعلق ہو، اس سے قیل وقال یا فقہی بحث نہیں کرنا چاہیے:

فرمایا کہ جس شخص سے تعلیم ذکر و شغل کا تعلق ہو، اس سے ایسے مسائل فقہیّہ نہ دریافت کرے، جس میں قیل وقال ہو۔ اس طریق میں یہ قیل وقال بہت مضر ہے۔ اغبیاء کو کون سمجھائے۔ یہ ذوقی امر ہے۔ میں تو ایسی باتیں انہیں کی مصلحت سے کہتا ہوں۔

...ایک بزرگ سندھی مجھ سے اکثر مسائل فقہیہ پوچھا کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہا کرتے کہ مجھے ذکر و شغل سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ تم مجھ سے مسائل فقہیہ نہ پوچھا کرو۔ اور میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ مولانا خلیل احمد صاحب کو اس فن میں زیادہ مہارت ہے۔ تم ان سے پوچھا کرو۔ چنانچہ جس دن سے انہوں نے ایسے سوالات بند کیے، اسی دن سے فائدہ ہونا شروع ہوگیا۔

میرا تو مشاہدہ ہے۔ مگر اب بتلایئے کہ دوسروں کو کس طرح سمجھاؤں؟ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۶۱)

حسن معاشرت سے محرومی کا ایک واقعہ:

فرمایا کہ ہم لوگوں کو حسن معاشرت اور انتظام سے آج کل اس قدر اجنبیت ہوگئی ہے کہ ایک انگریز جو مسلمان ہوا تھا نماز کے لیے مسجد میں آیا۔ وہاں حوض کی نالی میں رینٹ [یعنی ناک کی ریزش] پڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ صاحبو: ذرا اسے صاف تو کر دیا کرو۔ بعض لوگوں نے جواب دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تیرے اندر عیسائیت باقی ہے۔ جب ہی تو صفائی صفائی کر رہا ہے۔ اور یہ کہہ کر اسے مسجد سے باہر نکال دیا۔ بعض سمجھدار لوگوں کو معلوم ہوا جو اہل تہذیب تھے، انہوں نے اس کی دلجوئی کی کہ یہ جاہل لوگ ہیں، آپ خیال نہ کریں۔ اس نے بڑا اچھا جواب دیا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان کے برتاؤ سے اسلام سے متوحش ہو کر عیسائی ہو جاؤں گا؟ میں ان بدتمیزوں پر تھوڑا ہی مسلمان ہوا ہوں۔ بلکہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں۔ ان کے اخلاق ایسے تھوڑا ہی تھے۔ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۶۲۔۱۶۳)

بعض چھوٹی برائیوں کا منشأ سخت قبیح ہوتا ہے:

فرمایا کہ لوگوں کی بیہودہ حرکتیں فی نفسہ اس قدر گراں نہیں ہوتیں، لیکن چونکہ ان کا منشأ میری نظر میں آجاتا ہے اور وہ سخت قبیح ہوتا ہے، کہیں کبر، کہیں بےفکری، کہیں اہل دین کی بےعظمتی، اس لیے وہ خفیف امر مجھ کو زیادہ برا معلوم ہوتا ہے۔ جس پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ یہ تو اتنی غصہ کی بات نہ تھی۔ لوگ صرف ناشی کو دیکھتے ہیں میں منشأ کو دیکھتا ہوں۔ (جلد ۱۱۔ ص: ۱۶۴)

عام عربوں کی ایک حکایت:

فرمایا کہ عوام عرب میں شرک بہت ہے۔ ہم نے خوب دیکھا ہے۔ (اسی لیے تو وہاں قدرت سے نجدیوں کا تسلط ہوا۔ جامع) وہاں کے علماء بھی اس کی تاویل کر لیتے ہیں۔ وہاں نجدیوں کی تو یہ زیادتی ہے کہ توسل کو بھی شرک کہتے ہیں۔ [اور حجازی] علماء کی یہ زیادتی ہے کہ شرک کو توسّل کہتے ہیں۔

[یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ یہ حضرت کے دور میں حجاز کی حالت تھی، اب ہمارے یہاں یہی بے اعتدالی سلفیوں اور بریلوی مکتب فکر کے حضرات کے یہاں پائی جاتی ہے۔ ایک توسُّل کو شرک کہتا ہے اور

دوسرا صریح شرک واستعانت بغیر اللہ کو توسّل کے نام سے جائز رکھتا ہے۔ یحییٰ]　　(جلد ۱۱۔ص: ۱۶۴)

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگنا چاہئے:

فرمایا کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگنا چاہیے۔ حتی کہ دفن کے وقت بھی۔ انتظام شریعت اسی میں ملحوظ ہے۔ تا کہ کسی کو یہ شبہہ نہ ہو جائے کہ مردہ سے حاجت مانگی جاتی ہے۔　　(ص: ۱۶۴)

وہم کا علاج:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک شخص اس قدر وہمی ہے کہ ظہر کا وضو بارہ بجے سے شروع کرتا ہے اور سارے مسجد کے لوٹوں سے کرتا ہے۔ اور غسل صبح سے ظہر تک کرتا ہے۔ اور جسم کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھتا ہے کہ کوئی بال خشک تو نہیں رہ گیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ یہ دماغ کی خشکی ہے۔ قوت متخیلہ میں فساد [یعنی ذہنی مرض] ہو جاتا ہے۔ تدبیر اس کی یہی ہے کہ اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرے۔

[طب جدید نے نفسیاتی امراض کے علاج میں بہت ترقی کر لی ہے۔ اس لیے بلا دریغ جلد ہی کسی نفسیاتی امراض کے ڈاکٹر Psychiatrist سے رجوع کر لینا چاہیے۔ یحییٰ]　(جلد ۱۱،ص: ۱۷۰)

پڑوسیوں کی رعایت:

فرمایا کہ پڑوسی کے حدیثوں میں بڑے حقوق آئے ہیں اگر پڑوسی تمہاری دیوار میں میخ گاڑنے لگے تو منع نہ کرو۔ کیونکہ اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ گو بوجہ ملکیت تمہیں منع کرنے کا حق ہے۔ مگر پڑوسی کا بھی تو کچھ حق ہے۔ میں نے ایک مکان بنایا ہے۔ میرے ہمسایہ کی کچھ دیوار ٹوٹی پڑی تھی اور مجھے مکان میں روشندان نکالنے تھے۔ (گو میں ان سے یہ کہہ سکتا تھا کہ تم اپنی دیوار اونچی کرلو تا کہ بے پردگی نہ ہو) مگر میں نے ان سے کچھ نہ کہا۔ اور اپنے روشندان خوب اونچے رکھوا دیے جس سے ان کی بے پردگی نہ ہو۔ اگرچہ اونچے رکھے جانے سے روشنی اور ہوا بہت کم ہوگئی۔　　(جلد ۱۱۔ص: ۱۷۱)

انسانی علم کی بے حیثیتی:

فرمایا کہ خواص اشیاء کا علم اس قدر وسیع ہے کہ سوائے خدا کے احاطہ کے ساتھ کوئی نہیں جانتا۔ میں نے متعدد نئی روشنی والوں سے کہا کہ تم جو دعوی کرتے ہو حقائق اشیاء کے ادراک کا، تم خاک بھی

نہیں سمجھتے۔ دیکھو گدگدی ایک فعل ہے۔ اگر اس کو اپنے ہاتھ سے کیا جائے تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور جو دوسرے کے ہاتھ سے کیا جائے تو معلوم ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ (ص:۱۷۲)

موجودہ طریق امتحان طلبہ کی لیے گراں ہے:

فرمایا آج کل جو تحریری امتحان رائج ہے۔ میں تو اس کا مخالف ہوں۔ اس میں طلبہ پر بڑی مشقت و گرانی پڑتی ہے۔ امتحان سے مقصود تو استعداد کا دیکھنا ہے۔ سو طالب علمی کے زمانے میں اس قدر استعداد کا دیکھنا کافی ہے، کہ اس کتاب کو یہ اچھی طرح سمجھ بھی گیا یا نہیں۔ سو یہ بات کتاب دیکھ کر امتحان دینے سے بھی معلوم ہوسکتی ہے۔ باقی رہا حفظ ہونا، یہ بھی پڑھنے پڑھانے سے خود ہو جاتا ہے۔ بلکہ طالب علمی کے زمانہ کا حفظ یاد بھی نہیں رہتا۔ اور دماغ مفت میں خراب ہو جاتا ہے۔ میرے یہاں کانپور میں ہمیشہ تقریری امتحان ہوتا تھا۔ اور شروح وحواشی دیکھ کر بھی جواب دینے کی اجازت تھی۔ جس سے سب طلباء دعا دیتے تھے۔ بس اس قدر دیکھ لے کہ اس مقام کو یہ طالب علم مطالعہ سے یا حواشی و شرح کی اعانت سے حل بھی کرسکتا ہے یا نہیں، اس سے زیادہ بکھیڑا ہے۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۷۴۔۱۷۵)

نظر بد فعل اختیاری ہے، اس سے بچنا بھی اختیاری ہے:

فرمایا کہ ایک صاحب نے لکھا کہ مجھے تربیت السالک میں اپنے بھائیوں کی حالت دیکھ کر بہت غبطہ اور اپنی حالت پر بہت رنج وافسردگی ہوتی ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ کیا یہ "**لا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض**" میں داخل نہیں؟ کیا احوال وکیفیات کوئی اختیاری ہیں؟ پھر آگے لکھتے ہیں کہ ممنوعات شرع تو چھوڑ دیے ہیں، مگر کبھی کبھی نظرِ بد میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ کیا وہ اختیاری نہیں؟

افسوس یہ حالت اور پھر احوال وکیفیات کی ہوس!! **لاحول ولا قوة الا بالله**۔

فرمایا اس بیہودہ مضمون سے اس قدر تکدر رہا کہ بعینہ خط کا جواب لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ پھر مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: نظر بد، فعل اختیاری ہے۔ اس لیے اس سے بچنا بھی اختیاری ہے۔ گو اس میں تکلیف ہو۔ لوگوں سے تکلیف نہیں اٹھائی جاتی۔ مگر دوزخ کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ میں نے ایک مبتلائے نظرِ بد سے پوچھا اگر تمہارے دیکھنے کو اس کا خاوند بھی دیکھ رہا ہو، کیا تب

بھی دیکھ سکتے ہو؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ خدا کی عظمت تمہارے قلب میں اس کے خاوند کے برابر بھی نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی ہر وقت ہماری حالت دیکھتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کے ساتھ محض اعتقاد تو ہے کہ ہر وقت ہماری اچھی بری حالت کو دیکھ رہے ہیں۔ مگر اس کا خیال نہیں۔ اگر خیال ہو جائے تو ایسی جرات نہ ہو۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۷۶)

اولیاء اللہ کے تذکرہ کا اثر:

فرمایا کہ جب اولیاء اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو میرے ہوش بجا نہیں رہتے۔ ایک قسم کا وجد ہوتا ہے۔ اور علماء قشر کے ذکر سے ایسا نہیں ہوتا۔ (جلد ۱۱۔ص:۱۹۳)

حضرت والا کی سادگی:

علی گڑھ سے ایک دوست نے بہت سا گاجر کا حلوا بنا کر بھیجا، جو گھر میں کام نہ آسکا۔ پندرہ روپے کا فروخت کر دیا۔ اور یہ معلوم نہیں ان کے کتنے روپیے لگے ہوں گے۔ اگر روپیے بھیج دیتے تو کتنی دفعہ تو حلوا کھاتے اور کتنے کام نکلتے۔ ایسے ہی جب مکان بنایا ہے اور خرچ کی ضرورت ہوئی تو میں نے ضروری چیزیں فروخت کر دیں مجھے اس سے کبھی عار نہیں آتی۔ میں تو طالب علم آدمی ہوں بے تکلف لے لی بے تکلف بیچ دی۔ (جلد ۱۱۔ص:۲۰۹۔۲۱۰)

حق تلفی پر نابالغ سے معافی مانگنے کا طریقہ:

ایک صاحب نے لکھا کہ میرا میز پر سے روپیہ گم ہو گیا تھا۔ اور محض شبہہ میں ایک بچہ کو مارا۔ بعد میں دوسرے کے پاس وہ چوری نکلی۔ مجھے سخت ندامت ہوئی کیا کروں؟ تحریر فرمایا کہ اگر بالغ ہے، تو اس سے معافی مانگو۔ اور اگر نابالغ ہے تو اس کے سامنے اعتراف غلطی کا کرو۔ ایک مدت تک اس کی دلجوئی کرو۔ اور اس سے پوچھ پوچھ کر اس کی فرمائشیں پوری کرو۔ (جلد ۱۱۔ص:۲۱۷)

جو کسی خاص خیال پر جم چکا ہو، اس کی اصلاح نہیں ہوتی:

خیالات میں اصلاح متردد کی ہوتی ہے اور جو کسی خاص خیال پر جزم کیے ہو، اس کی نہیں ہوتی ہے۔ ہم کسی کے پیچھے کیوں پڑیں؟، جب حق واضح ہو گیا، کتابیں چھپ گئیں، اب کچھ بھی ہو۔ (ص:۲۲۸)

مولانا عبدالباری ندویؒ کی حضرت والاؒ سے ایک اصلاحی مکاتبت

اپنے ارادے ٹوٹنے سے بھی کئی فائدے ہوتے ہیں:

عرض کیا کہ حضرت دنیاوی ارادے بھی اکثر ٹوٹتے رہتے ہیں، اور دینی تو مشکل ہی سے کوئی پورا ہوتا ہے۔ پانچ وقت کی الٹی سیدھی نماز کے علاوہ جماعت وتہجد تک کا التزام نہیں قائم رہتا۔ برسوں سے یہی حال ہے۔ اب ہمت بالکل ٹوٹتی جاتی ہے۔ اور یاس کا ہجوم رہنے لگا ہے۔ دو اڑھائی سال سے یہاں حاضری اور کم از کم دو مہینے قیام کا ارادہ کر رہا اور توڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اب اس کے اظہار سے بھی شرم آتی تھی۔ اس مرتبہ عزم کیا کہ گھر نہ جاؤں گا اور حیدر آباد سے سیدھا حاضر خدمت ہوں گا۔ ایک عریضہ میں اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ لیکن گھر سے ہمشیرہ کی علالت کی اطلاع پہنچی، پہلے وہاں جانا پڑا۔ دو مہینے کے ارادہ کو چالیس یوم سے بدلا۔ یہاں حاضر ہوتے اتنی تاخیر ہوئی کہ چالیس یوم کی جگہ مہینہ پر رکھا۔ اور اب اس مہینے بھر کے پورے ہونے میں بھی رخنے پڑ رہے ہیں۔ یہ صرف ایک مثال ہے۔ اکثر امور میں یہی پیش آتا رہتا ہے۔ خارجی اسباب و موانع بھی اس کا باعث ہوتے ہیں، مگر زیادہ تر خود اپنی صحت کی خرابی جس کا سلسلہ اب کم وبیش سال بھر سے جاری رہتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حکیم ورحیم ہیں۔ بندوں کی مصلحت کو ان سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ زیادہ عمل کی توفیق سے دیگر غوائل کا اندیشہ ہوسکتا تھا۔ مثلاً عجب کا۔ (واقعاً اس ارشاد کے بعد اپنی حالت وطبیعت کا اندازہ کرتا ہوں تو عجب کا اندیشہ قوی معلوم ہوتا ہے) پھر اسی میں اللہ تعالیٰ کے تصرف وقدرت اور اپنے عجز وعبدیت کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اذکار واشغال کی کثرت اور تمام فضائل عمل کی بڑی غایت مشاہدہ حق واستحضار ہے۔ الحمدللہ کہ وہ اس طرح بھی حاصل ہے۔ کوتاہی کا احساس رہے تو بُعد ورواندگی نہیں، راندگی کی علامت تو غفلت ہے۔

عرض: خصوصیت کے ساتھ دینی امور میں ارادوں کے اس ٹوٹتے رہنے سے کبھی کبھی اپنی راندگی کا خیال آتا ہے۔

ارشاد: یہ خیال صحیح نہیں۔ بعد اور راندگی کی تو علامت غفلت و بے پروائی ہے۔ جیسا کہ اس قسم کے لوگوں میں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ نہ کہ کوتاہیوں کا احساس اور صدمہ وقلق۔

ارادے ٹوٹنے پر بھی ارادہ کرتا رہے:

عرض: ارادوں کی اس بے بسی سے بعض اوقات جی چاہتا ہے کہ بس ارادہ کیا ہی نہ کروں۔ لیکن اس پر بھی قدرت نہیں۔

ارشاد: ارادہ ونیت کا اجر تو بہر حال حاصل ہوتا ہے۔ اس کو مفت کیوں ضائع کیا جائے۔ البتہ عمل کی کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ لیکن استغفار کے بعد پھر کام میں لگ جانا چاہیے۔ ہر وقت کوتاہیوں کا مراقبہ مضر ہے۔ مایوسی و پست ہمتی پیدا ہوتی ہے۔ عام طور سے کہنے کی بات نہیں۔ حضرت شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ توبہ واستغفار کے بعد معاصی کا ذہول، قبول توبہ کی علامت ہے۔ (یہ عوام کے سمجھنے کی بات نہیں)۔ خاص کر اس زمانے میں رجاء کا غلبہ بھی مفید ہے۔ میں تو لوگوں کو احیاء العلوم میں کتاب الخوف کا جو حصہ ہے اس کے مطالعہ سے منع کرتا ہوں۔

عرض: نماز وغیرہ کی جو کچھ توفیق میسر ہوتی ہے۔ اس میں بھی نہ جی لگتا ہے، نہ خشوع ہوتا ہے۔ بار بار اس کی نیت وکوشش کرتا ہوں اور نا کام رہتا ہوں۔

ارشاد: جی لگنا نہیں، بلکہ لگانا مطلوب ہے۔ اس پر بھی نہ لگنا مجاہدہ ومشقت کے اجر کو زائد کرنا ہے۔ خشوع کو مثال سے یوں سمجھنا چاہیے کہ ایک شخص کو نہایت عمدہ کلام مجید یاد ہے۔ اور دوسرے کو خام۔ اس دوسرے کو نسبتاً سوچ سوچ کر اور ذرا توجہ سے پڑھنا پڑتا ہے۔ بس خشوعِ مطلوب اس درجہ کی توجہ ہے۔ باقی وساوس اور خطرات کا سرے سے نہ آنا، یہ صرف استغراق میں ہوتا ہے۔ جو حال ہے نہ کہ کمال۔

(جلد ۱۱۔ ص: ۲۳۵)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ۱۲

مقالات حکمت ومجادلات معدلت

اپنے پیر سے مرید ہونے کی ترغیب دینا مناسب نہیں:

ارشاد ہوا کہ مرید کو یہ نہ چاہیے کہ اپنے شیخ سے لوگوں کو مرید ہونے کی ترغیب دے۔اس سے عوام کو شیخ کے حق میں بدگمانی پیدا ہو جائے گی۔وہ یہ سمجھیں گے کہ اس نے اپنے چیلے چھوڑ رکھے ہیں، کہ لوگوں کو گھیر گھار کر لائیں۔اور اولیاء اللہ سے بدگمانی سخت ہلاکت کا موجب ہے۔البتہ لوگوں سے شیخ کے کمالات بیان کرنے میں مضایقہ نہیں۔ (جلد۱۲۔ص:۱۷)

کسی غرض کے لیے ہدیہ دینا رشوت ہے:

ارشاد ہوا کہ بعض لوگ ہدیہ پیش کرتے ہیں اور ان کا مقصود کوئی دنیوی غرض کی تحصیل ہوتی ہے۔سو یہ ہدیہ نہیں رشوت ہے۔اور بعض کی غرض جواب استفتاء وغیرہ ہوتی ہے۔سو یہ اجرت ہے۔[اور مسئلہ بتانے کے لیے اجرت جائز نہیں]اور بعض کی غرض ثواب آخرت ہوتی ہے۔یہ صدقہ اور خیرات ہے۔ہدیہ صرف وہ ہے کہ جو بلاغرض دنیوی واخروی صرف تطییب خاطر مسلم[یعنی دل خوش کرنے]کے لیے محبت سے ہو۔[اگرچہ اجر اس میں بھی ملتا ہے] (جلد۱۲۔ص:۱۸)

ذکر وشغل میں صوفیہ کی اتباع کرنی چاہیے:

ارشاد ہوا کہ جواز عدم جواز میں تقلید اپنے امام مجتہد کی واجب ہے۔مگر فضائل اعمال، ذکر

واشغال میں اتباع طریقہ صوفیہ کا، کہ امام اس فن کے یہی ہیں۔ یہ مناسب ہے۔(جلد۱۲۔ص:۱۹)

ضرب سے جذب وذوق پیدا ہوتا ہے:

ارشاد فرمایا کہ ایک دوست نے لکھا ہے کہ تہجد کے وقت آنکھ کھل جاتی ہے۔ مگر کاہلی کے مارے اٹھا نہیں جاتا۔ اور دوسرا امر یہ کہ ذکر و وظیفہ سب کچھ کرتا ہوں مگر جذب پیدا نہیں ہوتا ہے۔ امر اول کے جواب میں میں نے یہ لکھ دیا کہ اس وقت حبس دم کیا کرو کاہلی جاتی رہے گی۔ اور امر ثانی کے بارے میں یہ لکھا کہ کثرت ذکر شدت ضرب کے ساتھ مفید ہوگی۔ مگر اس کا خیال رہے کہ شدت اتنی ہو جتنا تحمل ہو سکے۔ یہ دونوں چیزیں کام کی ہیں اور مجرب ہیں۔ (جلد۱۲۔ص:۲۲)

خوشی بطور شکر نعمت ہو تو محمود ہے:

ایک مولوی صاحب نے استفسار کیا کہ بعض دفعہ صاف یا جدید کپڑا پہننے سے خوشی معلوم ہوتی ہے۔ سو یہ عجب تو نہیں۔ فرمایا خوشی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک فرحِ بطر، جس کی نسبت ارشاد ہے: "لا تفرح" اور ایک فرح شکر، جس کی نسبت ارشاد ہے "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا" سو اگر یہ خوشی بطور اظہار و شکر نعمت کے ہے تو محمود ہے۔ (جلد۱۲۔ص:۲۹۔۳۰)

سورۂ واقعہ کا پڑھنا فراخی رزق کا سبب ہے:

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے ہاں عمل حزب البحر کا معمول تھا۔ حالانکہ حضرت عملیات وغیرہ سے بہت مجتنب تھے۔ اس کی وجہ خود فرماتے تھے کہ اس عمل میں فراخی رزق اور دفعِ شرِ اعداء کی خاصیت ہے۔ اور یہی دو چیزیں، تنگیِ رزق اور غلبۂ اعداء قلب کو مشوش کر کے دل کو توجہ الی اللہ سے باز رکھتی ہیں۔ سو اس نیت سے اس کا عمل دین سے ہے۔ اور اسی طرح سورۂ واقعہ کا پڑھنا جو حدیث میں فراخی رزق کے لیے آیا ہے، وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ (جلد۱۲۔ص:۳۰)

نعم الامیر علیٰ باب الفقیر:

ہمارے مرشد قبلہ حاجی صاحبؒ کا یہ دستور تھا کہ اگر کوئی امیر حاضر خدمت ہوتا، آپ اس کی تعظیم فرماتے اور فرماتے تھے کہ جب امیر فقیر کے دروازے پر آیا وہ امیر کب رہا فقیر ہو گیا اور فقیر کی

تعظیم میں کیا حرج؟ چنانچہ بزرگوں کا قول ہے **نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الامیر.** پس یہ تعظیم اس کی امارت کی نہیں اس کے نعم ہونے کی ہے۔ (جلد۱۲۔ص:۴۴)

ہر جمائی شیطان کی طرف سے نہیں:

ایک شخص نے عرض کیا کہ نماز میں جمائی آتی ہے۔ فرمایا حدیث شریف میں **التثاوب من الشیطان** آیا ہے۔ لیکن اگر نماز میں ذوق شوق ہو اور اس حالت میں جمائی آئی تو شیطان کی طرف سے نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ وہ اسباب طبعیہ سے ہے...اور[آپؐ نے] **کل تثاوب من الشیطان**[یعنی ہر جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے]نہیں فرمایا۔ (جلد۱۲۔ص:۴۵)

تاویل کرنے والا کافر نہیں ہوتا:

فرمایا کہ مبتدعین کافر نہیں ہیں۔ قرآن و حدیث میں تاویل کرتے ہیں۔ تکذیب نہیں کرتے۔ تکذیب سے کفر لازم آتا ہے۔ تاویل سے نہیں لازم آتا۔ مگر اس میں اتنی اور شرط ہے کہ وہ تاویل ضروریات دین میں نہ ہو۔ (جلد۱۲۔ص:۶۲)

غنا کے لیے حزب البحر اور یا مغنی کا ورد مجرب ہے:

حزب البحر اطمینان رزق اور مقہوری اعداء کے لیے مجرب ہے۔ اور یا مُغنی کا ورد گیارہ سو مرتبہ بعد نماز عشاء اول آخر درود شریف گیارہ بار وسعت رزق کے لیے بہت مفید ہے۔ (جلد۱۲۔ص:۶۲)

حضرت حاجی صاحبؒ کثرت عبادت میں ممتاز تھے:

فرمایا ہمارے مرشد حاجی صاحب قبلہ کی یہ حالت تھی کہ بسا اوقات تمام شب گزر جاتی اور سوتے نہ تھے۔ ذکر اللہ میں مشغول ہوتے۔ بعد نماز عشاء خادم سے دریافت فرماتے کہ لوگ مسجد سے چلے گئے۔ خادم جواب دیتا جی ہاں۔ آپ بستر سے اٹھتے اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے۔ اور یہ حالت گریہ وزاری کی ہوتی تھی کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ اور آپ اکثر یہ پڑھا کرتے تھے:

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن ☆ گر بدم من، سر من پیدا مکن

(جلد۱۲۔ص:۶۴)

چاروں سلسلوں کا مقصود نسبت مع اللہ کا حصول ہے:

فرمایا ذکر دائم مقصود ہے، جس کو جو کچھ ملا ذکر اللہ و اتباع سنت سے ملا۔ طرق ذکر کی تحقیقات وتقییدات ضروری نہیں۔ شیخ کی رائے سے اس میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ نسبت مع اللہ ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہی مقصود ہے۔ یہ طرق ومجاہداتِ خاصہ معالجاتِ نفس کے درجے میں ہیں۔ پس چاروں خاندانوں کا حاصل ایک ہی ہوا۔ اور ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ چاروں خاندانوں میں اس وجہ سے بیعت فرمالیتے تھے کہ پھر کسی خاندان پر اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ اور حضرت میں ایک جامعیت کی شان تھی۔ (جلد۱۲۔ص:٦٦)

اولیاءاللہ کو دور سے پکارنا جائز نہیں:

دور سے پکارنا اولیاءاللہ کو جائز نہیں۔ البتہ صاحب کشف ارواح کو اگر کسی ولی کی روح کا قرب مکشوف ہوجاوے [یعنی [روح مل جائے] اور اس حالت میں وہ اس سے استمداد چاہے اور حق تعالی اس روح کو خبر کردیں تو ممکن ہے۔ مگر یہ امر دائمی نہیں۔ [بعض بندگان خدا کو] کبھی کبھی ایسا واقعہ ہوا ہے۔ [اور حق بات یہ ہے کہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا یہ مشاہدہ صحیح بھی تھا یا محض خیال، بہر حال جس کو ایسا کشف ہو وہ اگر اس نے روحوں سے استمداد کرلی تو کوئی فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا، اس لیے کہ یہ استمداد ظاہری بالحاضر ہے۔] اب لوگ دائمی سمجھیں گے، یہ غلط ہے۔ بعض تو شیوخ کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہیں مسجدوں میں بیٹھ کر۔ اس قدر غلو ہورہا ہے خدا کی پناہ! (جلد۱۲۔ص:٦٩)

حضرت تھانویؒ کی بیعت کا قصہ:

اولاً میں نے زمانہ طالب علمی میں حضرت مولا رشید احمد صاحب قدس اللہ سرہ ہی سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ اس وقت آپ دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے۔ تو میری درخواست پر فرمایا۔ ...... بعد تحصیلِ علم بیعت کرنا مناسب ہے۔ اور حضرت مولانا قدس اللہ سرہ کا گزر مدرسہ عالیہ دیوبند میں ایسی جانب سے ہوا تھا کہ وہاں اینٹیں تھیں۔ میں جو مصافحہ کے لیے چلا تو پھسل گیا۔ حضرت مولانا قدس اللہ سرہ نے میرا ہاتھ پکڑلیا۔ واقعی دستگیری کی فال نیک تھی۔ بعض طلباء کو جو مجھ سے تحصیل علم میں کم تھے، کسی

مصلحت سے بیعت فرمالیا۔ مجھ کو اس کا بڑا خیال ہوا کہ مجھے کیوں محروم رکھا؟ اس زمانے میں مولانا حج کے لیے تشریف لیے جاتے تھے۔ میں نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں لکھا کہ مولانا سے آپ فرما دیجیے کہ مجھے بیعت کرلیں۔ وہ عریضہ بھی مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ سرہ ہی کو دیا۔ سادگی مزاج میں ایسی تھی کہ مولانا ہی کی تو شکایت، اور مولانا ہی کو عریضہ دیا۔ جب مولانا قدس اللہ سرہ واپس تشریف لائے سفر حج سے، تو اسی عریضہ کے جواب میں اعلی حضرت حاجی صاحبؒ کا والا نامہ لائے۔ خدا جانے کیا کیا باتیں آپس میں ہوئی ہوں گی۔ اور کیا عجب مولانا نے ہی پڑھ کر سنایا ہو۔ اور شکایت کا مضمون دیکھا ہو۔ خیر اعلی حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے جواب میں تحریر فرمایا تھا اور وہ خط مولانا ہی کے قلم کا لکھا ہوا تھا، کہ میں نے تم کو خود بیعت کرلیا۔ یہ بھی حق تعالی کا فضل ہے کہ درخواست مولانا سے کی تھی اور حضرت حاجی صاحبؒ نے بلا درخواست توجہ فرما کر داخلِ سلسلہ فرمایا۔ یہ کس قدر خوشی اور مسرت کی بات ہے۔ حق تعالی کا فضل و کرم ہے۔ یہ قصہ ہوا میری بیعت کا۔ اور میں گو مولانا قدس اللہ سرہ سے بیعت نہیں ہوا، مگر ہمیشہ اپنا شیخ ہی سمجھتا رہا۔

...... ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ میں نے جال صرف دو ہما کے واسطے پھیلایا تھا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ سرہ اور مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ۔ ان کے ساتھ اور بھی بہت سے طیور آ پھنسے۔ (جلد۱۲۔ص:۹۸۔۹۹)

تدریجی اصلاح میں نفع زیادہ ہے:

توجہ دو طرح پر ہے۔ ایک تو انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تھا کہ نصیحت اور دعا اور شفقت علی الخلق سے بتدریج اصلاح فرماتے تھے۔ اس طریقہ کا نفع دیرپا ہوتا ہے۔ دوسرا طریقہ مشق سے قوتِ تصرف پیدا کرنا، پھر اس قوت سے توجہ کرنا قلبِ مرید پر۔ اس کا اثر فوری ہے مگر دیرپا نہیں جلد زائل ہو جاتا ہے۔ (جلد۱۲۔ص:۱۰۰)

سلسلۂ امدادیہ کے لوگوں کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے:

الحمدللہ ہمارے حضرت مرشدؒ کے متعلق کا، خواہ بواسطہ ہوں یا بلا واسطہ، خاتمہ بالخیر ہوتا ہے، یہ امر تجربہ سے ثابت ہوا ہے بارہا آزمایا گیا ہے۔ برے ہوں یا بھلے، مگر اس تعلق میں یہ اثر ہے کہ حق تعالی

نجات کی صورت پیدا کر دیتے ہیں۔ ہمارے مرشد رحمہ اللہ بڑے مقبول خدا تھے۔ (جلد۱۲۔ص:۱۰۳)

[اے اللہ! تیرے مقبول بندوں کا واسطہ، ہم عاجزان وسیہ کاران کو بھی محروم نہ فرما۔ یحییٰ]

تعلیم کا فائدہ زندہ بزرگوں سے ہوتا ہے:

فرمایا: قبور اولیاء اللہ سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً کچھ پڑھ کر بخشے۔ اور جو (تعلق مع اللہ کی جو کیفیت، مثلاً خوف، انس، محبت، سکینت وغیرہ] نسبت حاصل کرنا ہو اس کے قصد سے صاحب قبر کی طرف اس طرح متوجہ ہو کر قبر کے پاس بیٹھ جاوے کہ اپنے قلب کو صاحب مزار کے قلب سے متصل خیال کرے اور تصور کرے کہ ایک نلکی وہاں سے لگی ہوئی ہے، فیوض اُدھر سے اِدھر آرہے ہیں۔ اس وقت قلب کو جملہ خیالات سے خالی کر کے متوجہ ہونا چاہیے۔ ان شاء اللہ تعالی وہ نسبت فائض ہوگی۔ اور اس حالت میں جو کیفیت اپنے اندر پائے یہ اُس طرف کا فیض ہے۔

[یہ سب تجربہ کی باتیں ہیں، باقی شریعت سے ان کا ثبوت نہیں۔ ہاں مشائخ اور سالکین کا تجربہ ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ اور مشائخ کا تجربہ اہمیت رکھتا ہے]۔ اور فیض قبر سے صرف اتنا ہوتا ہے کہ نسبت میں قوت ہو جاتی ہے۔ باقی تعلیم کا فائدہ نہیں ہوتا۔ تعلیم کا فائدہ صرف زندہ بزرگوں سے ہوتا ہے۔ مگر یہ طریقہ حصول فیض کا عوام کے لیے نہیں ہے نہ عوام کو اجازت دینا چاہیے۔ (جلد۱۲۔ص:۱۰۴)

وظائف سے زیادہ تصحیح اخلاق ضروری ہے:

فرمایا کہ میں اپنے متعلقین یعنی جو لوگ میرے ذریعے سے داخلِ سلسلہ ہیں ان کے لیے اوراد و وظائف واذکار و اشغال کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کرتا، جتنا اخلاق کی درستی کا اہتمام کرتا ہوں۔ اخلاق کا سنوارنا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے اس کی زیادہ تاکید کی جاتی ہے۔ [اس لیے کہ برے اخلاق اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب ہیں۔ اور اخلاق کی اصلاح واجب ہے جب کہ وظائف کا وہ درجہ نہیں]۔ اس زمانے میں اکثر لوگ اخلاق درست نہیں کرتے ہیں، وظائف کے پابند ہو جاتے ہیں۔ (جلد۱۲۔ص:۱۰۶)

تاویل سے تکبر زائل نہیں ہوتا:

اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اُن میں تکبر ہوتا ہے، مگر ان کا نفس ان کو پتہ نہیں چلنے دیتا۔ [اکثر

نفسانی بیماریوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ نفس ان کو ڈھانپے رہتا ہے]۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ان کی مرضی کے موافق تعظیم نہ کرے اور اس پر ان کو غصہ آوے تو نفس اس غصے کی یہ تاویل کرتا ہے، کہ چونکہ اس شخص پر میرا حق ہے اور اس حق کو اس نے ادا نہیں کیا، اس لیے مجھے حق واجب ادا نہ کرنے پر غصہ آیا ہے۔ اپنے نفس کے لیے غصہ نہیں آیا۔ حالانکہ یہ نفس کا مکر ہے۔ اگر یہ غصہ حق واجب ادا نہ کرنے پر ہے اور نفس کے لیے نہیں، تو چاہیے تھا کہ کبھی اپنے نفس پر بھی اس کو غصہ آتا کیونکہ اس نے بھی سینکڑوں حقوق واجبہ کو ترک کر رکھا ہے۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ یہ غصہ نفس کے لیے ہے۔ نیز اگر دوسرے شخص کے حق واجب فوت ہونے پر اتنا غصہ نہ آوے تب بھی یہ علامت ہے مکرِ نفس کی۔ (جلد ۱۲۔ص: ۱۱۲۔۱۱۳)

فقراء بھی ہمارے محسن ہیں:

کسی کے ساتھ احسان کر کے اس پر احسان رکھنا برا اور مذموم ہے۔ لیکن احسان رکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اپنے محسن ہونے کا وسوسہ بھی دل میں نہ آئے اور محسن الیہ [یعنی جس پر احسان کیا، اس] کی مخالفت اور عناد پر طبعاً رنج بھی نہ ہو۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کی مخالفت کے وقت اس کی ایذا رسانی کا عزم محض اس بناء پر نہ کرے کہ ہم نے اس کے ساتھ احسان کیا تھا، اور اس کے احسان ماننے کی امید نہ رکھی جائے اور طبعاً رنج ہونا یا اپنے محسن ہونے کا وسوسہ پیدا ہونا ایک طبعی اور لازمی امر ہے، جس سے چارہ نہیں۔ لیکن بصورت مخالفت محسَن الیہ [یعنی جس پر احسان کیا، اس] کی ایذا رسانی کے درپے ہو جانا اور اسی طرح اس سے شکریہ کی امید رکھنا، اور شکریہ پر اس کو لساناً یا حالاً مجبور کرنا، اپنے اختیار میں ہے اور اس پر مواخذہ ہے۔...... اس خیال کو اس طرح مٹا دے کہ واقع میں اس شخص کا احسان مجھ پر ہے کہ اس نے میرے ہدیہ وغیرہ کو قبول کر لیا۔ جس سے میرا یہ ذخیرہ آخرت میں پہنچ گیا۔ ورنہ اگر فقراء متفق ہو کر سب کے عطایا رد کر دیا کریں، تو آخرت میں جمع کرنے کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ (جلد ۱۲۔ص: ۱۱۷)

ہنسی ٹھٹھے میں لگا رہنا دل کی حالت کے لیے نقصان دہ ہے:

فرمایا کہ ہزل میں مشغول ہونا مضر قلب ہے۔ (جلد ۱۲۔ص: ۱۲۰)

طلب مقصود ہے نہ کہ وصول:

فرمایا کہ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ طلب مقصود ہے نہ کہ وصول۔ کیونکہ مطلوب وہ چیز ہوسکتی ہے جو اس کے اختیار میں ہے اور طلب اختیار عبد میں ہے اور وصول اس کے اختیار سے خارج ہے۔ البتہ اس معنی میں مطلوب ہے کہ وہ طلب صادق پر لزوماً مطلوب [کذا] ہے [یعنی طلب صادق کے بعد وصول لازماً ہوتا ہی ہے]۔ مقصود استاد علیہ الرحمتہ کا یہ ہے کہ ثمرات پر ہر وقت نظر رکھنا مشوش وقت ہے، [اس لیے اپنا کام، یعنی دوام طاعت اور کثرت ذکر اور معمولات وہدایات کی پابندی کی فکر کرے، اور بس]۔ (جلد۱۲۔ص:۱۲۳۔۱۲۴)

سیر فی اللہ کی کوئی انتہاء نہیں:

فرمایا کہ ایک سیر الی اللہ ہے اور ایک سیر فی اللہ ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ اخلاق کی تہذیب اور رسوخ فی الذکر پیدا کیا جاوے۔ اور یہی مرتبہ ہے جس کے انتہاء پر سلوک متعارف ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سیر فی اللہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صفات وافعال الٰہیہ ومعاملات فیما بین العبد والرب کی خصوصیات کے انکشاف میں روز بروز ترقی ہو اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد، نہ سعدی راسخن پایاں ☆ بمیرد تشنہ مستسقی ودریا ہمچناں باقی!

[نہ اس کے حسن کی کوئی انتہا ہے، نہ سعدی کو تاب بیاں ہے۔ اور نہ اس دریا سے پینے والے کی آج تک پیاس ختم ہوئی ہے، آخر کار وہ "ھل من مزید" کی صدا لگاتا، دنیا سے چلا جاتا ہے]۔

مشغول شخص کے سامنے بیٹھ کر اس کا انتظار نہ کرنا چاہیے:

فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کام میں مشغول ہو اور تم کو اس کا انتظار کرنا ہو تو اس کے سامنے بیٹھ کر انتظار نہ کرو کیونکہ ممکن ہے اس سے اس کی طبیعت میں انتشار پیدا ہو جائے۔ اور اپنے کام کو اچھی طرح نہ کر سکے۔ بلکہ دور ایسی جگہ بیٹھ کر انتظار کرنا چاہیے کہ جہاں سے وہ تم کو نہ دیکھ سکے۔ پھر جب

وہ فارغ ہوتو اس کے پاس جا بیٹھو اور جو کہنا ہو کہو۔ (جلد۱۲۔ص:۱۳۱)

ہر حیلہ ناپسندیدہ نہیں:

فرمایا کہ بعض لوگ مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دوسروں کو تو ہر بات سے منع کرتے ہیں اور خود مسائل میں حیلے نکال کر ان پر عمل کر لیتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حیلے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ اغراض [ومقاصدِ] شریعت کے مبطل [یعنی شریعت کے مقصد کے خلاف] ہوں، جیسے حیلہ ادائے زکوۃ میں، کہ جس کا مقصود اعانت مساکین اور ازالۂ رزیلۂ نفس ہے، اس میں کوئی حیلہ کرنا اور ادا نہ کرنا [مثلاً سال ختم ہونے سے پہلے سارا مال بیوی کو ہبہ کر دیا۔ اور اس پر سال ختم ہونے سے پہلے بیوی نے شوہر کو ہبہ کر دیا، اس طرح کبھی زکات فرض ہی نہیں ہوگی، یہ] غرضِ شرعی کا مبطل ہے۔ تو اس قسم کے حیلے ناجائز ہوں گے۔

دوسرے وہ حیلے ہیں، جو کسی غرض شرعی [اور دینی مقصد کو پورا کرنے والے اور اس] کے محصِّل ومعین ہوں۔ ایسے حیلے جائز ہوں گے۔ جیسے حدیث میں ہے: **بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم۔** (جلد۱۲۔ص:۱۴۸)

[علماء سمجھ سکتے ہیں، اس حدیث میں خود حضور ﷺ نے ایک شرعی حیلہ بیان فرمایا ہے۔ جس سے ایک چیز جو شرعی قانون کے اعتبار سے ناجائز تھی، آپ ﷺ نے اس کا ایسا طریقہ اور حیلہ بتلایا جس سے وہ کام بھی ہو جائے اور جواز کا قانونی راستہ بھی پیدا ہو جائے۔ لیکن کسی شرعی مقصد کو نقصان نہ پہنچے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب من اراد بیع تمر بتمر خیر منه۔ یحییٰ]۔

حضرتؒ کی رائے روافض کی تکفیر کی ہے؟

ایک شخص نے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ علماء نصرانیہ سے نکاح کرنے کو تو جائز کہتے ہیں اور رافضیہ سے نکاح کو بعضے حرام فرماتے ہیں؟

فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصرانیہ اگرچہ مسلمان نہیں۔ لیکن وہ کسی نبی کی متبع اور اہل کتاب تو ہے۔ برخلاف رافضیہ کے کہ یہ اسلام کی حقانیت کا التزام کر کے بعض ضروریات دین کے انکار سے مرتد ہوئی ہے۔ اس لیے اس کا حکم مرتدہ کا سا ہے۔ (جلد۱۲۔ص:۱۵۰۔۱۵۱)

دولت سے راحت حاصل نہیں ہوتی:

برسبیل وعظ بیان فرمایا کہ عیش روپے پیسے کا نام نہیں ہے۔ البتہ دولت ذریعہ عیش کا ہو جاتا ہے۔ دیکھیے ایک شخص امیر کبیر پر جس کے دروازے پر ہاتھی جھوم رہے ہوں، کوئی مقدمہ فوجداری کا پڑ جائے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ کسی چیز میں اس کو حظ نہیں ہوتا۔ کوئی کہتا ہے کہ مال و دولت سب کچھ موجود ہے، پھر کیوں پریشان ہو؟ تو جواب دیتا ہے کہ میں اس مال و دولت کو لے کر کیا چولھے میں ڈالوں گا۔ میری تو آبرو یا جان پر بن رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ عیش دولت کا نام نہیں بلکہ وہ قلب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا قلب مطمئن نہیں وہ عیش سے محروم ہے۔ ایک شخص کو سو روپے ماہوار ملتے ہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ زیادہ کی ہوس میں رہتا ہے اور اپنے کو اس سے بھی زیادہ کا مستحق سمجھتا ہے۔ اس کی ہوس کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ دوسرا ہے کہ صرف پانچ روپے ماہوار ملتے ہیں، لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں تو ایک پیسہ کا بھی مستحق نہ تھا۔ آخر ایسے آدمی بھی تو موجود ہیں جو بھوکوں مرتے ہیں۔ ان میں اور مجھ میں کیا فرق؟ اللہ تعالیٰ نے تو مجھ کو پانچ روپے ماہوار عنایت فرمائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص پانچ روپیہ پا کر اس قدر خوش ہوگا اور اس عطیہ کی ایسی قدر کرے گا کہ دوسرا شخص ایک سو روپے میں بھی ویسا خوش نہ ہوگا۔ اب عیش اصلی، یعنی غنائے قلبی، اس پانچ روپے والے کو حاصل ہے اور سو روپے والے کو نہیں۔ (جلد ۱۲۔ ص: ۱۶۵)

اللہ کے نام کی تاثیر ہر حال میں ظاہر ہوتی ہے:

برسبیل وعظ بیان فرمایا کہ تھوڑی سی دیر صرف پندرہ منٹ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر لیا جائے۔ دیکھیے تو سہی، کیا کیفیت ہوتی ہے؟ کھٹائی کا نام لینے سے منہ میں پانی بھر آئے اور اللہ کا نام لینے سے قلب میں اثر پیدا نہ ہو ممکن نہیں۔ (جلد ۱۲۔ ص: ۱۷۵)

سلسلہ میں داخل ہونے کی برکت ضرور ظاہر ہوتی ہے:

فرمایا کہ مثل صحتِ نسب کے صحتِ سلسلہ میں ضرور برکت اور اثر ہوتا ہے۔ ایسے سلسلے میں کوئی شخص بیعت ہو تو اگر اس کا پیر کامل نہ ہو تو اس پیر کا پیر کامل ہوگا۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو اس کا پیر۔ غرض اسی طرح کہیں نہ کہیں سے ضرور اس شخص کا کام بن جائے گا۔ (جلد ۱۲۔ ص: ۱۷۷)

صالح کی مجلس اثر سے خالی نہیں:

برسبیل وعظ بیان فرمایا کہ ممکن نہیں کہ بزرگ کی خدمت میں بیٹھے اور اثر نہ ہو۔ جیسا ممکن نہیں کہ تنور کے پاس بیٹھے اور آنچ محسوس نہ ہو۔ (جلد۱۲۔ص:۱۷۵)

شیخ محض واسطۂ فیض ہے:

عرض کیا گیا کہ شیخ کا فیض ہزارہا مریدوں کو مختلف مقامات پر ایک ہی وقت میں محسوس ہوتا ہے۔ یہ کس طرح ہوتا ہوگا؟ فرمایا کہ اصل فیض پہنچانے والا تو فیاض حقیقی ہے۔ شیخ محض واسطۂ فیض ہوتا ہے۔ جس طرح ابر سے پانی چھت پر برستا ہے اور وہاں سے چاروں طرف پرنالوں میں سے ہوکر بہہ جاتا ہے۔ شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی اور اس کے متفرق مریدوں کو اس کا فیض پہنچتا رہتا ہے۔
(جلد۱۲۔ص:۱۷۷)

ہندوستان میں حق ہمارے حضرات میں منحصر سا معلوم ہوتا ہے:

ایک موقع پر فرمایا کہ میں تو حضرت حاجی صاحبؒ کو اس فن خاص یعنی تصوف کا مجدد کہتا ہوں۔ حضرت نے فن کو بہت ہی سہل کر دیا ہے۔ برسوں کی راہ کو ہفتوں کی راہ بنا دیا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ میں تو حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلے کو بے نظیر سمجھتا ہوں۔ دو مشہور بزرگوں کا کچھ حال بیان فرما کر کہا کہ ہندوستان میں حق ہمارے حضرات ہی میں منحصر سا معلوم ہوتا ہے۔ (جلد۱۲۔ص:۱۷۹۔۱۸۰)

بدعتی کی مدارات جائز ہے:

ایک صاحب علم نے سوال کیا کہ حدیث میں "**من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام**" آیا ہے۔ اور اکثر [باحیثیت] مبتدعین اہل جاہ کی توقیر کرنی پڑتی ہے؟ جواب دیا کہ یہ توقیر نہیں ہے، بلکہ مدارات ہے جس میں دینی مصلحت ہے یا دنیوی مفسدہ کا دفع ہے۔ حدیث میں حضور ﷺ کا ایک شخص کی نسبت '**بئس اخو العشیرة**' [یعنی یہ اپنے خاندان کا برا شخص ہے] فرمانا اور پھر حاضری کے وقت **الان لہ القول** [نرم گفتگو کرنے] کی حکایت اور حضرت عائشہ کے سوال کے جواب میں **ان من اشر الناس من ترکه الناس اتقاء فحشه**" [یعنی سب سے برا آدمی وہ

ہے جس کو لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے چھوڑ دیں] فرمانا اس کی دلیل ہے۔ (جلد ۱۲۔ص:۲۱۰)

مصیبت معاصی کی نحوست سے آتی ہے:

ایک بار عرض کیا گیا کہ لوگ جو بعض گھوڑوں وغیرہ کو منحوس سمجھتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل ہے؟ فرمایا کہ جی کچھ نہیں، سب واہیات ہے۔ اس پر تو میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی حبشی کو راہ میں ایک آئینہ پڑا ہوا ملا۔ اٹھا کر دیکھا تو اپنی ہی صورت نظر آئی۔ فوراً پٹک دیا کہ لاحول ولا قوۃ کیسی بھدی سی شکل ہے۔ اسی لیے تو کوئی اس کو یہاں پٹک گیا ہے۔ آئینہ تو صاف شفاف تھا۔ اس کے اندر اس حبشی کو اپنی ہی بری صورت نظر پڑی اور اس آئینہ کا قصور سمجھا۔

اسی طرح ہم لوگوں کو اپنے عیوب دوسروں میں نظر آتے ہیں۔ مصیبت تو آتی ہے اپنے معاصی کی نحوست سے۔ اور اس کو منسوب کر دیتے ہیں بے گناہ جانوروں کی طرف کہ فلاں گھوڑا ایسا منحوس آیا، فلاں جانور فلاں وقت بول دیا، اس لیے کام نہ ہوا۔ اس پر عرض کیا گیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شگونِ بد دل میں کھٹکے تو فلاں دعا پڑھے۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید اس میں کچھ اثر ہو اور اس کے ازالہ کے لیے یہ دعا بتلائی گئی ہو۔ فرمایا کہ یہ محض رفعِ تردد اور حصولِ اطمینان کے لیے ہے۔ اور اس سے کسی اثر کا اثبات لازم نہیں آتا۔ فالِ نیک لینے کی جو اجازت ہے، تو اس کی بابت استفسار کیا گیا۔ فرمایا کہ وہ بھی مؤثر نہیں، بلکہ فال نیک کا حاصل صرف یہ ہے کہ کوئی اچھی بات پیش آئی اس کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان نیک رکھا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میرا کام ہو جائے گا۔ اور فالِ بد کو اگر اسی درجے میں کوئی سمجھے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ پر بدگمانی رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ پر گمان نیک رکھنا بہت اچھا ہے۔ اور بدگمانی ناجائز۔ اس لیے فال نیک کی اجازت ہوئی اور فال بد کی ممانعت۔ (جلد ۱۲۔ص:۲۱۴)

یا شیخ عبد القادر شیئاً لِلّٰہ کا وظیفہ کھلا شرک ہے:

فرمایا کہ لوگوں نے یا شیخ عبدالقادر شیئاً للّٰہ وغیرہ کو تصوف قرار دے رکھا ہے۔ کھلا ہوا شرک ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ مشرک تو نہ ہو۔ (جلد ۱۲۔ص:۲۲۱)

توجہ متعارف بین الصوفیۃ قابل ترک ہے:

پوچھا گیا کہ صوفیاء کرام پہلے زمانے میں مریدین کو توجہ دیا کرتے تھے۔ اب یہ طریقہ کم دیکھا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ اکثر محققین صوفیاء نے مریدین پر متعارف توجہ دینے کے طریق کو بالکل ترک فرما دیا۔ وجہ یہ ہے کہ اِس طریقِ توجہ میں مریدین کے اندر کسی کیفیت کے القاء کے لیے اس قدر استغراق کرنا شرطِ تصرف ہے، کہ بجز اِس القاء کے کسی طرف التفات نہ ہو۔ اور تمام تر خیالات سے بالکل خالی ہو جائے، حتیٰ کہ واقعی اُس وقت حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ کم ہو جاتی ہے۔ سو اس قدر توجہِ مستغرق خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ [اس لیے محققین] کو غیرت آتی ہے اور ان پر سخت گراں گزرتا ہے کہ خدا سے اس قدر غائب ہو جائے۔ اور فرمایا کہ ایک ضرر شیخ کو توجہِ متعارف میں یہ ہوتا ہے کہ اپنے تصرفات دیکھ کر چند روز میں عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس متعارف طریق توجہ سے شہرت ہو جاتی ہے۔ اور جس شہرت کے اسباب مقدور الترک ہوں، وہ اکثر مضر ہوتی ہے۔ تیسرا یہ ضرر ہوتا ہے کہ شیخ اگر ضعیف القویٰ ہے تو بیمار پڑ جاتا ہے۔ یہ تین ضرر تو شیخ کو ہوتے ہیں۔ اور مرید کو یہ ضرر ہوتا ہے کہ وہ شیخ پر اتکال [اور بھروسہ] کر لیتا ہے اور خود کچھ مجاہدہ وغیرہ نہیں کرتا۔ اس لیے اس کی نسبت محض انعکاسی ہوتی ہے، جس کو بقاء نہیں ہوتا۔ جب شیخ نے توجہ موقوف کر دی، نسبت جاتی رہی۔ (ص:۲۲۲۔۲۲۳)

زندہ کو بھی ایصال ثواب جائز ہے:

ایک سائل نے پوچھا جیسے مردے کو کسی چیز کا ثواب پہنچانے سے پہنچتا ہے، آیا زندہ کو بھی پہنچتا ہے یا نہیں؟ فرمایا پہنچتا ہے۔ مثلاً کسی نے کلام پڑھ کر ثواب پہنچایا۔ سائل نے پوچھا دلیل اس کی کیا ہے؟ فرمایا وہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ [بصرہ میں] ایک مسجد عشار مشہور تھی، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا تھا کہ کوئی ایسا ہے کہ جا کر اس میں دو رکعت پڑھے۔ اور کہہ دے کہ **ھذہ لابی ھریرۃ** [اس کا ثواب ابو ہریرہ کو پہنچے۔ سنن ابو داوود۔] (جلد ۱۲۔ص:۲۲۶)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد۱۳

مجادلات حکمت و مجادلات معدلت

مسئلہ اس سے دریافت کرے جس پر اعتماد ہو:

ایک صاحب نے ایک مسئلہ مولانا سے دریافت کیا۔ اور اس کے ذیل میں یہ بھی کہنے لگے کہ فلاں مولوی صاحب نے اس مسئلے کو اس طرح بیان کیا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ جب تم نے ایک جگہ اس مسئلے کو دریافت کرلیا ہے، تو پھر دوبارہ کیوں دریافت کرتے ہو؟ اور اگر تم کو ان مولوی صاحب پر اعتقاد نہیں، تو پھر میرے سامنے ان کا نام لینے سے کیا فائدہ؟ یہ حرکت سخت بیہودگی ہے۔ (جلد۱۳۔ص:۲۸)

بزرگ اپنا تبرّک محض دلجوئی کے لیے دیتے ہیں:

اکثر بزرگ جو طلب کرنے پر، یا بلا طلب، اپنا تبرک عطا فرماتے ہیں، تو محض یہ نیت ہوتی ہے کہ ایک محبّ کا دل خوش ہوگا اور محبت بڑھے گی۔ نہ اس لیے کہ وہ حضرات اپنے کو صاحب برکت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ خود بینی ہے۔ اور وہ حضرات اپنے کو ارذل المخلوقات سمجھتے ہیں۔ (ص:۲۹)

حضور ﷺ کی امت پر شفقت کی کوئی حد ہی نہ تھی:

جناب سرور عالم ﷺ کو اپنی امت سے اس قدر محبت تھی کہ بعض مرتبہ ساری ساری رات دعائے مغفرت امت کے لیے کی ہے۔ اور ہم نالائق امتی ہیں کہ اپنی حالت کیسی ابتر کرلی ہے؟ اور

حضور علیہ ﷺ کا کوئی حق ادا نہیں کیا۔ کبھی نہ سنا ہوگا کہ کسی نے تمام رات درود پڑھنے میں گزار دی ہو، الا ما شاء اللہ۔ (جلد ۱۳۔ص:۴۲)

طالبین کی استعدادیں یکساں نہیں ہوتیں:

فرمایا کہ ایک صاحب...... کو تصوف سے اس لیے بداعتقادی ہو چلی تھی کہ وہ جس سے رجوع کرتے تھے، وہ بدون اس کے کہ ان کی مناسبت واستعداد پر نظر کریں، ان کو اشغال یا رسوم کی تعلیم کرتے تھے۔ اور چونکہ یہ صاحب ان امور سے مناسبت نہ رکھتے تھے، پس خلجان میں پڑتے تھے۔ آخر مجھ سے انہوں نے اس بارے میں دریافت کیا۔ میں نے ان کے روبرو ایک تقریر کی، جس سے تصوف کی حقیقت بھی واضح ہوگئی اور ان کے تمام شبہات بھی جاتے رہے۔ اور کہنے لگے کہ قریب تھا کہ میں تصوف کا انکار کردیتا۔ الحمدللہ اس وقت بالکل تشفی ہوگئی۔ میں نے بجائے اشغال متعارفہ کے ان سے کہا کہ آپ قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کیا کیجیے۔ بہت شگفتہ ہوئے۔ کہنے لگے کہ میں تو قرآن کا عاشق ہوں۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ میں نے بعض کو کثرت نوافل بتلائی ان کو نوافل سے فائدہ ہوا۔ بعض کو ذکر و شغل بتلایا ان کو اس سے نفع ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ طالبین کی استعداد یکساں نہیں ہوتی۔ (جلد ۱۳۔ص:۵۴)

تین باتوں کا التزام کرنے والا محروم نہ ہوگا:

فرمایا کہ اگر کوئی شخص تین باتوں کا التزام کرلے تو ان شاء اللہ محروم نہ رہے گا۔ گو جنید بغدادیؒ نہ بن سکے۔ ایک تو یہ کہ معاصی کو بالکل ترک کردے۔ کیونکہ اس سے قلب میں ایک قسم کی ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ عاصی اگر عبادت بھی کرتا ہے تو اس کے نور کی مثال مثل نور فانوس مشبّک [یعنی جالی دار فانوس] کے ہوتی ہے کہ اس کا نور مخلوط بالظلمۃ [یعنی اس کے نور میں اندھیرا ملا] ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ خلق خدا پر بدگمان نہ ہو کہ یہ کبر سے پیدا ہوتا ہے۔ [یہ نہایت اہم نکتہ ہے۔ عموماً بدگمانی کی بنیاد تکبر اور اپنے کو دوسرے سے اچھا سمجھنا ہوتا ہے۔ نیز اس کا ایک خاص اثر یہ ہوتا ہے کہ بدگمان آدمی اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتا]۔

تیسرے یہ کہ جب فرصت ہوتو کچھ ذکر و شغل، جس قدر ممکن ہو، کرلیا کرے۔ اور حضرات صوفیاء کرام سے ملتا جلتا رہے۔ (جلد ۱۳۔ ص: ۵۴)

تمام اذکار واشغال سے مقصود شریعت کی پابندی ہے:

فرمایا کہ تمام اذکار واشغال سے مقصود یہ ہے کہ پابندی شرع نصیب ہو۔ اور ان اذکار سے قلب میں گداختگی [نرمی] پیدا ہو کر استقامت کے حصول میں مدد ملے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چند روز تک لا إلٰہ الا اللہ کر لینے سے سارے مراحل طے ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ معاملات و اخلاق کی درستی کو کوئی چیز ہی نہیں سمجھتے۔ (جلد ۱۳۔ ص: ۵۸)

اغراض دنیا کے لیے مرید ہونا مذموم ہے:

ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ مجھے ایک تعویذ دے دیجیے۔ جو کہ آسیب کے لیے مفید ہو۔ (غالبًا یہ شخص حضرت مولانا مدظلہ کے متوسلین میں سے تھا) مولانا نے حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کا نام بتلا دیا اور فرمایا کہ وہ بہت بڑے عامل ہیں۔ نماز مغرب کے بعد شاید اس شخص نے پھر اصرار کیا اور کوئی کلمہ غیر مشروع جو کہ بزرگوں کے تصرف اختیاری کو موہم تھا اس نے کہہ دیا۔ مولانا نہایت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ افسوس ہے کہ لوگ پیروں کو خدا تعالیٰ کا شریک بلکہ خدا تعالیٰ پر غالب سمجھتے ہیں۔ اور اکثر اسی غرض سے مرید ہوتے ہیں کہ اپنی حاجت براری کرائیں گے۔ اور سمجھتے ہیں کہ پیر ہر بات پر قادر ہیں، حتی کہ بعضوں کا تو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ یہ خدا سے بھی جو کام چاہیں لے سکتے ہیں۔ اس اعتقاد کے شرک ہونے میں کیا شبہہ ہے؟ قیامت کے روز جب اس اعتقاد کا انکشاف ہوگا اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ شرک ہے یا نہیں۔ اور فرمایا کہ مجھے ایسے شخص کی طلب دنیا سے سخت ایذاء ہوتی ہے جو مجھ سے تعلقِ دین رکھتا ہو۔ ہاں اگر دس باتیں دین کی دریافت کرے اور ایک بات دنیا کی بھی پوچھ لے تو خیر، مضایقہ نہیں۔ (جلد ۱۳۔ ص: ۵۸۔ ۵۹)

مقربین آداب کو بھی ترک نہیں کرتے:

فرمایا کہ مقربین کو حضور ﷺ کی سنن عادیہ [اور آداب] کے ترک پر بھی تنبیہ کی جاتی ہے اور

توبیخ ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص عرفاء میں سے خلوت [مع اللہ] میں بیٹھے تھے۔ اس حالت میں پیر پھیلا دیے۔ فوراً عتاب ہوا کہ دربار سلاطین میں بھی پیر پھیلا کر بیٹھتے ہو۔ پھر انہوں نے تمام عمر پیر نہیں پھیلائے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ نے کبھی پیر پھیلا کر آرام نہیں فرمایا۔ اور ایک مرتبہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ محبوب کے سامنے پیر پھیلانا گستاخی ہے۔ مولاناؒ نے [اس پر] فرمایا کہ ذاکر شاغل لوگ کشف و تجلی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ لیکن ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ استتار [یعنی کشف و تجلی نہ ہونا] موجب آسانی ہے ورنہ ایسی ذمہ داریاں اس پر عائد ہوں کہ زندگی وبال ہوجائے۔ (جلد ۱۳۔ ص: ۸۴)

اللہ والوں کے ہاں تعریف اور مذمت برابر ہوتے ہیں:

فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی جب کوئی تعریف کرتا، تو مولانا کچھ نہیں فرماتے تھے، بلکہ خاموش رہتے تھے۔ اور یوں فرمایا کرتے کہ اگر منع کیا جائے تو اور زیادہ تعریف کی جاتی ہے۔ اور اگر خاموش رہیں، تو تعریف کرنے والا سمجھتا ہے کہ ہماری تعریف کی کچھ قدر نہیں ہوئی۔ اس واسطے پھر وہ سلسلہ قطع ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی برا کہتا تب بھی نہ زبان سے کچھ کہتے اور نہ دل میں ناخوش ہوتے۔ اور فرماتے جس کا جو جی چاہے کہے میرا کیا نقصان ہے۔ (جلد ۱۳۔ ص: ۹۰۔ ۹۱)

کثرت کلام مضر ہے:

تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ سکوت سے قلب میں جو بات پیدا ہوتی ہے وہ گفتگو کے بعد باقی نہیں رہتی، اگرچہ وہ گفتگو محمود ہی کیوں نہ ہو، لیکن حد ضرورت سے زائد ہو۔ شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دل زپر گفتن بمیرد در بدن ☆ گرچہ گفتارش بود در عدن

[یعنی چاہے گفتگو جنت ہی کی کیوں نہ ہو، دل زیادہ بولنے سے مردہ ہوجاتا ہے۔] (جلد ۱۳۔ ص: ۹۷)

بے دین امراء کی صحبت سے احتراز بہتر ہے:

فرمایا کہ [بے دین] امراء کی صحبت سے میری طبعیت نہایت ہی منقبض ہوتی ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امراء کی صحبت میں بیٹھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ پنجرے

میں بند کر دیا گیا۔ [یہاں وہی امراء مراد ہیں جو دین کے ناقدرے ہوں، رہے وہ امراء جو دین کی طلب میں آئیں تو ہمارے مشائخ ان سے محبت سے پیش آتے تھے]۔ (جلد ۱۳۔ص: ۱۰۳)

اچھے کپڑے پہننے کی چار نیتیں:

مولوی عبدالعلیم صاحب نے پوچھا کہ جمعہ کے روز غسل کر کے عمدہ کپڑے پہننا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ جمال ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ **إن اللہ جمیل یحب الجمال**۔ اور فرمایا کہ عمدہ لباس اور اسی طرح ہر لباس کے پہننے میں چار نیتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے دوسروں کی تحقیر مقصود ہو۔ دوسرے یہ کہ فقط اپنے نفس کو خوش کرنا ہو۔ تیسرے یہ کہ اپنے کو ذلت اور خواری سے بچانا ہو۔ چوتھے یہ کہ اس سے کسی دوسرے کی تعظیم کرنا ہو۔ مثلاً کسی حاکم کے پاس جاتا ہے یا کسی بزرگ کے پاس جاتا ہے اور اس کے اکرام کے لیے کپڑے بدلتا ہے۔ پہلی صورت حرام ہے۔ کیونکہ وہ بطر میں داخل ہے۔ اس کی بابت حدیث میں ہے: **من جر ازارہ خیلاء**۔ اور دوسری صورت داخل جمال ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ تیسری صورت دفع مضرت کے اندر داخل ہے **حسّن ثیابک فان بھا یعز الناس**۔ چوتھی صورت بھی مسنون ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ حضرت حمزہؓ کے پاس تشریف لے گئے، تو آپ نے چادر منگا کر اوڑھ لی۔ اور مقصود اس سے حضرت حمزہؓ کی تعظیم تھی، چونکہ وہ آپ سے رشتہ اور عمر میں بڑے تھے۔

(جلد ۱۳۔ص: ۱۰۶)

حالات وواردات مقصود بالذات نہیں:

ابتداء میں ہر شخص کو حالات اور واردات کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص میرے پاس آئے اور ذکر و شغل شروع کیا۔ اتفاقاً وہ ایک پیر صاحب کے پاس گئے (میں اس واقعے سے قبل ان شیخ کو محقق اور کامل سمجھا کرتا تھا) انہوں نے پوچھا کہ کچھ کرتے بھی ہو؟ اس شخص نے میرے بتلائے ہوئے اذکار کی اطلاع کی۔ کہنے لگے کہ ہاں خیر ثواب لیتے رہو۔ فرمایا کہ جب سے میں نے یہ قول سنا ہے میرا اعتقاد ان سے بالکل جاتا رہا کہ انہوں نے ثواب کی تحقیر کی۔ حالانکہ تمام اذکار و اشغال سے مقصود

حصول ثواب ہی تو ہے۔لیکن اب اکثر حالات اور وجد کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں۔آخران پیر صاحب نے اس بے چارے کو توجہ دینی شروع کی جس سے قلب میں ایک قسم کی حرکت بھی محسوس ہونے لگی اور چند روز کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ قلب بالکل سیاہ ہے۔ پھر وہ چمکتا معلوم ہونے لگا۔ پھر کچھ جبال و صحاریٰ نظر آنے لگے۔ پھر یہ سب آہستہ آہستہ غائب ہوگئے۔آخر پریشان ہوکر مجھ کو اطلاع کی۔ میں نے جواب دیا کہ اپنا معمول قدیم کرو اور سب چھوڑ دو۔ جب ان بے چارے نے ان کی توجہ وغیرہ کو چھوڑا اور اپنے اذکار واشغال میں مشغول ہوئے۔ چند روز ہوئے کہ ان کا خط آیا ہے کہ اب بحمداللہ ذوق وشوق، خشوع وخضوع اور عبدیت میسر ہوئی ہے۔فرمایا کہ جس کو اس دولت سے کچھ حصہ میسر ہوجاتا ہے وہ حالات اور واردات سب پر لات مار دیتا ہے۔ (جلد ۱۳۔ص:۱۱۱۔۱۱۲)

فضائل کے بیان میں کسی نبی کی سوءادبی نہ کرے:

فرمایا کہ بعض لوگ اس کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ جو فضیلت کسی نبی کے لیے ثابت ہو، اس کو جناب رسول کریم ﷺ کے لیے بھی اس سے زیادہ مرتبے میں ثابت کریں۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ حضور ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلتِ کلّی ثابت ہے۔اور دوسرے انبیاء کے لیے فضائل جزئیہ ثابت ہو جانا اس میں قادح [اور اس کو کم کرنے والے] نہیں۔......اسی طرح بعضے لوگ ”ان اللہ معنا“ اور ”ان معيَ ربی“ سے حضور ﷺ کی فضیلت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ثابت کیا کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر دونوں حضرات تشریف فرما ہوتے، پھر بھی کسی کی یہ مجال ہوتی؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ امر دونوں حضرات کے خلاف مزاج ہوتا۔ (جلد ۱۳۔ص:۱۲۰)

بزرگوں کے سامنے اپنی بات پر زیادہ اصرار نہ کرنا چاہیے:

فرمایا کہ بزرگوں پر زیادہ اصرار کسی امر میں کرنا مناسب نہیں۔ (جلد ۱۳۔ص:۱۴۰)

نسبت مع اللہ کا القاء ایک دم نہیں ہوتا:

فرمایا کہ نسبت مع اللہ کا القاء ایک دم سے نہیں ہوتا، بلکہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے۔ کہ دیکھنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کی کیا حالت ہوگئی۔مگر چند روز کے بعد خود بھی معلوم ہونے لگتا ہے کہ میں کیا

سے کیا ہو گیا۔ جیسے بچہ روزانہ بڑھتا ہے لیکن دیکھنے والوں کو اس کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ مگر جو دس برس پہلے اس کو دیکھ چکا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس میں کتنا فرق ہو گیا ہے۔ (جلد ۱۳ص:۱۴۹)

وہ اعمال نفس پر بار ہوتے ہیں جن کا دنیا میں کوئی اثر نظر نہیں آتا:

انسان کے جملہ اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کا کچھ دنیا میں بھی مشاہدہ ہوتا ہے جیسے تصنیف کتب وغیرہ۔ بعض وہ ہیں جن کا ثمرہ دنیا میں کچھ مشاہد [محسوس] نہیں ہوتا، جیسے ذکر اللہ و نماز وغیرہ۔ پہلی قسم کے اعمال نفس پر بہت آسان ہو جاتے ہیں۔ لیکن دوسری قسم کے عمل بے حد کٹھن ہیں۔ اور ان کے کرنے میں نفس پر سخت بار ہوتا ہے۔ اس کے آسان کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ خاص ثمرات پر نظر ہی نہ کرے۔ بلکہ اس نیت سے ذکر کرے کہ وعدۂ خداوندی ہے **"فاذکرونی اذکرکم"** [تم مجھ کو یاد کرو، میں تم کو یاد رکھوں گا] جب اُس کو یاد کریں گے تو وہ ہم کو ضرور یاد کرے گا۔ اور اس کا یاد کرنا مطلوب ہے۔ پھر جب مطلوب حاصل ہے تو اس سے لذت وغیرہ اگر نہ بھی حاصل ہوئی تو کیا مضایقہ ہے۔ اور یہی علاج ہے قبض کا، کہ جب ایسی حالت پیش آئے، تو سمجھے کہ ہم کو نہ قبض مطلوب ہے نہ بسط۔ اور نہ یہ [بسط] ثمرۂ ذکر ہے۔ جو حالت ہو ہم اس پر راضی ہیں اور وہی خدا کا فضل ہے۔ (ص:۱۶۲)

بزرگوں کے پاس حاضری سے عقل ملتی ہے:

جو لوگ بزرگوں کے پاس آتے جاتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو عقل بھی دے دیتے ہیں۔ اور ان میں سے یہ عرفی رسمی پابندیاں [یعنی لوگوں نے مختلف قسم کی جن رسموں اور ان کے تکلفات کو لازم ٹھہرا رکھا ہے ان کی پابندیاں] جاتی رہتی ہیں۔ (جلد ۱۳۔ص:۱۷۶)

ذکر میں دل لگنا مقصود نہیں:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ذکر میں میرا جی نہیں لگتا۔ فرمایا کہ دل لگنا خود مقصود ہی نہیں ہے۔ بلکہ ذکر مقصود ہے۔ اس کو کیے جاؤ۔ (جلد ۱۳۔ص:۱۷۷)

مرید اور مراد کا فرق:

سالک کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ اول وہ مرید ہوتا ہے، یعنی اگر خود کوشش اور سعی کرتا ہے تو اُدھر سے

بھی مدد و اعانت ہوتی ہے۔ خود چھوڑ بیٹھتا ہے، تو اُدھر بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اِس سے گزر کر مرتبۂ مرادیت میں پہنچتا ہے۔[اب] اگر خود[طاعات اور قرب کے اعمال] چھوڑنا بھی چاہے تو اُدھر سے ایسا جذبِ کامل ہوتا ہے کہ یہ مجبور ہو جاتا ہے۔[یعنی ایک مدت تک طاعت اور ذکر کے نتیجہ میں وہ اللہ کا ایسا محبوب بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی طاقت ور کشش اور جذب ہوتا ہے کہ وہ طاعات وقربات کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ ہر وقت اس کو بس مولیٰ کی ہی دُھن لگی رہتی ہے] (جلد۱۳۔ص:۱۹۳)

کیا گریہ نہ ہونا قساوت قلب کی علامت ہے؟

ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھ میں قساوت قلبی پیدا ہو گئی ہے اور اس کی وجہ سے رونا نہیں آتا۔ مولانا نے فرمایا کہ قساوت یہ ہے کہ گناہ سے نفرت نہ ہو، دین سے محبت نہ ہو، معاصی پر ندامت نہ ہو۔ پھر ان ہی صاحب نے کہا کہ میرا جی قرآن شریف کے پڑھنے میں بہت لگتا ہے۔ پہلے ربع پارہ دقّت سے پڑھا جاتا تھا اور اب جی چاہتا ہے کہ قرآن شریف ہی پڑھے جاؤں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ تو بہت ہی قوی دلیل ہے قساوت نہ ہونے کی۔ کیونکہ قساوت ہوتی تو قرآن شریف کی تلاوت میں کیوں جی لگتا۔ (جلد۱۳۔ص:۱۹۹۔۲۰۰)

اہل اللہ کی صحبت کے بغیر اخلاق درست نہیں ہوتے:

بغیر اہل اللہ کی صحبت کے اخلاق درست نہیں ہوتے۔ اگرچہ عقائد درست ہو جائیں۔ کبر، ترفع، حب جاہ وغیرہ اخلاق ذمیمہ باقی ہی رہ جاتے ہیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۰۲)

ہدیہ چھپا کر دینے کی رسم قابل ترک ہے:

ایک صاحب نے آکر مصافحہ کے ساتھ ہی کچھ دینا چاہا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ طریقہ پیرزادوں نے اخفاء کے خیال سے جاری کیا ہے۔ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ کہیں ثابت نہیں کہ حضور ﷺ کو مصافحہ میں لوگ دیا کرتے ہوں۔ یہ رسم قابل ترک ہے۔ اس میں اپنا نفس بھی خراب ہوتا ہے۔ ہر مصافحہ میں انتظار رہے گا کہ شاید کچھ وصول ہو جائے۔ مصافحہ دین کا کام ہے اس کے ساتھ دنیا شامل کرنا ٹھیک نہیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۰۲۔۲۰۳)

تصور شیخ اور مراقبۂ توحید سے عوام کو ضرر کا اندیشہ ہے:

فرمایا: ہمارے یہاں تصور شیخ معمول نہیں، کیونکہ اس میں بعضے مفسدے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ صورت خیالی متمثل ہو کر نظر آنے لگتی ہے اور کلام بھی کرتی ہے۔ حالانکہ شیخ کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس سے غلط اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ شیخ ہی حاضر ناظر ہے۔ اور جو اس توجہ سے اصل مقصود تھا کہ طالب میں استعداد عمل وذکر کی پیدا کی جائے۔ یہ اور طریق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے یہاں تصور شیخ کی طرح حبسِ دم [سانس روک کر ذکر کرنا جو پہلے صوفیہ کے یہاں ایک شغل تھا] اور مراقبۂ وحدت الوجود بھی متروک ہیں۔ جبس سے یبس بہت بڑھ جاتا ہے [یعنی دماغی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں]۔ اور مراقبۂ توحید [یعنی وحدت الوجود] میں ایک ضرر عوام کو ہوتا ہے کہ وہ تمام اشیاء کی باری تعالیٰ کے ساتھ عینیت کے قائل ہو جاتے ہیں اور کم علمی کی وجہ سے عقیدہ خراب ہو جاتا ہے۔ ......اس لیے متاخرین نے اس مراقبۂ توحید سے منع کر دیا۔ چنانچہ [سید الطائفۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی کتاب] ضیاء القلوب میں یہ مراقبہ بھی ہے اور منع کا یہ قول بھی۔ (جلد ۱۳۔ص: ۲۰۵۔۲۰۶)

دفع حرج کے لیے دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے:

ارشاد فرمایا کہ میں دیانات میں تو نہیں، لیکن معاملات میں، جس میں ابتلائے عام ہوتا ہے، دوسرے امام کے قول پر بھی اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے، تو اس پر فتویٰ، دفع حرج کے لیے، دے دیتا ہوں۔ اگر چہ حنفیہ کے قول کے خلاف ہو۔ اور اگر چہ مجھے اس گنجائش پر پہلے سے اطمینان تھا، لیکن میں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اس کے متعلق اجازت لے لی۔ (جلد ۱۳۔ص: ۲۰۸۔۲۰۹)

رسم ''بسم اللہ'' کا حد سے زیادہ اہتمام کرنا منع ہے:

ایک صاحب نے پوچھا کہ بسم اللہ کی تقریب میں لوگوں کو جمع کرنا، شیریں وغیرہ تقسیم کرنا اور ایسی مجلس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ فرحت کی حد تک رہے تو جائز ہے۔ بلکہ نعمت دینیہ پر فرحت کا حکم ہے ''قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا''۔ البتہ جو تفاخر اور ریاء میں داخل ہو وہ ناجائز ہے۔ پس مختصر سی شیرینی وغیرہ تقسیم کر دینا احباب کو جمع کر لینا ممنوع نہیں۔

ہاں حد سے زیادہ اہتمام کرنا ریاء وتفاخر کے کام کرنا البتہ منع ہے۔ (جلد ۱۳۔ص:۲۱۱)

حرام اشیاء میں عموم بلویٰ سے رخصت نہیں ملتی:

عموم بلویٰ کی وجہ سے صرف اختلافیات میں ضعیف قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔جو چیزیں بالاتفاق حرام ہیں ان میں عموم بلویٰ کو کوئی اثر نہیں۔ (جلد ۱۳۔ص:۲۱۲)

اجابۃ الداعی میں خط کا جواب دینا بھی داخل ہے:

حدیث میں جو[مسلمان کا حق دعوت پر جواب دینا] اجابت الداعی آیا ہے، میں خطوں کے جواب دینے کو بھی اس کے عموم میں داخل سمجھ کر جواب دینے کو حتی المقدور ضروری سمجھتا ہوں اور جلد دیتا ہوں۔ لوگوں کو اس کا بہت کم خیال ہے۔[فون کی کال وغیرہ کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے]۔ (جلد ۱۳۔ص:۲۱۴)

رسومات پر خرچ طیب خاطر سے نہیں ہوتا:

شادی وغیرہ کے موقع پر جو دولہا کی جانب سے خرچ دیا جاتا ہے اس کے متعلق ایک بڑے عالم نے اعتراض کیا کہ اگر طیب خاطر سے دیا جائے تو جائز ہے۔اس میں کیا خرابی ہے جو لوگوں کو عام طور پر منع کیا جاتا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ اسی میں تو کلام ہے کہ طیب خاطر ہوتا ہے یا نہیں؟ بدنامی کے خیال سے دباؤ میں آ کر دیتے ہیں۔اندر سے جی پر بار ہوتا ہے، پھر بھلا طیب خاطر کہاں رہا؟ (جلد ۱۳۔ص:۲۱۵)

اپنی اصلاح کا خود بھی قصد وشوق ہو تو فائدہ ہوتا ہے:

مچھلی شہر سے ایک صاحب نے لکھا کہ بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ حال جناب نے تحریر فرمایا تھا کہ ’’جو لوگ انگریزی کی تعلیم میں مصروف ہیں وہ اپنی بڑی تعطیلات کا کُل نہ ہو تو کچھ حصہ ہی، بجائے کھیل کود میں گزارنے کے کسی بزرگ کی صحبت میں صرف کریں‘‘۔خاکسار کا ایک لڑکا اور ایک بھانجا مدرسۂ انگریزی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اس وقت گرمیوں کی چھٹی میں گھر پر آئے ہیں۔الحمدللہ دونوں لڑکے حافظِ قرآن ہیں۔عربی شروع کرائی تھی لیکن تعلیم کا سلسلہ کچھ ایسا بے ترتیب رہا کہ وقت زیادہ گزر گیا۔اور مجبوراً انگریزی مدرسہ میں داخل کیے گئے۔حضور اگر اجازت

عطا فرمادیں تو دونوں لڑکے خدمت بابرکت میں روانہ کیے جائیں کہ زمانۂ تعطیل حضور کی خدمت میں گزاریں اور فیض صحبت سے سعادت ابدی حاصل کریں؟ اس پر یہ جواب تحریر فرمایا:

(جواب) عزمِ مبارک متعلق بصاحبزادگان بے حد مسرت ہوئی۔ سر آنکھوں سے ان کی خدمت کے لیے حاضر ہوں، لیکن مشورۃً اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ، اگر وہ اپنے حسن فہم کے اعتبار سے ذی رائے بھی ہیں، تو جو مصلحت ان کے یہاں بھیجنے کی ہے اس کا حاصل ہونا اِس پر موقوف ہے کہ ان کو از خود بھی رغبت اور شوق ہو۔ یہی نہیں کہ صرف بزرگوں کے فرمانے سے راضی ہو جائیں۔ ورنہ مصلحت نہ ہوگی۔ (جلد۱۳۔ص:۲۱۶۔۲۱۷)

اکابرِ سلسلہ کا اثر مرید تک ضرور پہنچتا ہے:

اگر کوئی شخص کسی سلسلۂ مقبولہ میں کسی سے بیعت ہو تو پیر سے اگر چہ کسی عمل میں خفیف سی کوتاہی بھی ہوتی ہو، تب بھی سلسلہ کی ضرور برکت ہوتی ہے، بشرطیکہ پیر بدعقیدہ نہ ہو، اکابرِ سلسلہ کا اثر مرید تک ضرور پہنچتا ہے۔ (جلد۱۳۔ص:۲۲۰)

اگر اصلاح نہ ہو تو ذکر و شغل بے کار ہیں:

کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اس وقت تک اس کی قدر نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اعمال [اور اخلاق] درست نہ ہوں۔ ذکر و شغل میں تو مزہ ہے، اگر نہ کرے تو مر جائے۔ عمل تو وہ ہے جس میں کوفت ہو اور پھر بھی رضا حاصل کرنے کے لیے اسے کرے۔ اسی طرح چاہے کہ خود تنگی اٹھائے اور دوسروں کے حقوق ادا کرے۔ ایک شاغل کے ذمے قرض نکلا تھا اور انہوں نے اس کے ادا کرنے میں بہت بے پروائی کی تھی۔ ایسے موقع پر یہ کلمات فرمائے اور نکال دیا اور فرمایا قرض ادا کرنے کے بعد یہاں آسکتے ہو۔ جب تک قرض ادا نہ کرو یہاں مت رہو۔......فرمایا کہ اگر اصلاح نہ ہو تو ذکر و شغل بے کار ہیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۲۰)

صحبت شیخ نوافل سے افضل ہے:

جس کو صحبت شیخ کی ضرورت ہو اس کے لیے نفلوں وغیرہ سے صحبت میں حاضر رہنا افضل

ہے۔خواہ کچھ پڑھتا رہے، یا خاموش بیٹھا رہے۔ہاں جب وہ کچھ بیان کرے تو متوجہ ہو کر سنے۔
(جلد ۱۳۔ص:۲۲۴)

ہدیہ کے ساتھ فرمائش نامناسب ہے:

بعض لوگ آکر پہلے ہدیہ پیش کرتے ہیں پھر اپنا کام بتلاتے ہیں۔یہ نہایت ناگوار معلوم ہوتا ہے۔جب کوئی کام لینا ہے مثلاً وعظ یا تبلیغ وغیرہ بے تکلف لو،اس کے ساتھ کچھ دینے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے کوئی دکان خرید وفروخت کی تھوڑا ہی کھول رکھی ہے۔جب کوئی ہدیہ دے کر کام کرانا چاہتا ہے تو میں کام تو کر دیتا ہوں، لیکن ہدیہ واپس کر دیتا ہوں۔اگر کوئی محض محبت سے ہدیہ دے تو اس کے قبول کرنے میں کیا مضایقہ ہے۔یہ مبادلہ کی صورت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ (جلد ۱۳۔ص:۲۲۵)

تین دن کے بعد تعزیت جائز نہیں:

فقہاء نے لکھا ہے کہ تین دن کے بعد ذکر بھی تعزیت کے طور پر نہ کرنا چاہیے۔اس سے کیا فائدہ؟ گیا گزرا غم پھر تازہ ہوتا ہے۔شریعت کے تو خلاف ہے ہی،عقل کے بھی خلاف ہے۔ (جلد ۱۳۔ص:۲۳۰)

مشغولی سے پریشانی بٹ جاتی ہے:

مولانا سعید احمد صاحب مرحوم (حضرت مولانا کے ہمشیرزادے) کے انتقال کی بابت فرمایا کہ جیسا یہ حادثہ ہے الحمدللہ مجھ پر اتنا اثر نہیں۔شروع ہی سے اپنے آپ کو میں نے بہت زیادہ مشغول رکھا۔یہاں تک کہ نزع کے عالم میں بھی ڈاک کا کام کرتا رہا۔لوگوں کے خطوط کے جواب لکھتا رہا۔مشغولی ایسی مصیبت کا علاج ہے۔ (جلد ۱۳۔ص:۲۳۱)

بعض غیر مقلدین کے عقائد ایسے ہیں کہ خارج از اہل سنت ہیں:

غیر مقلدین کے اہل سنت میں داخل ہونے کے متعلق سوال تھا۔جواب تحریر فرمایا کہ بعض کے عقائد ایسے ہیں کہ وہ خارج از اہل سنت ہیں۔پھر فرمایا مثلاً جو غیر مقلد قائل ہیں کہ چار نکاح سے زائد جائز ہیں یا اگر کوئی فرض نماز قصداً ترک کرے تو اس کے لیے استغفار کافی سمجھتے ہیں،اور کہتے ہیں کہ قضا واجب نہیں۔ایسے ہی بعض صحابہ کو برا سمجھتے ہیں۔[یہ خیالات اہل سنت کے نہیں]۔

ہاں! نفس تقلید شخصی کے وجوب سے انکار سے اہل سنت سے خارج نہیں ہوتے۔ کیونکہ ہمیشہ سے مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے۔ چنانچہ خود بعض محدثین بھی اس کے عدم وجوب کے قائل ہیں۔

(جلد۱۳۔ص:۲۳۵)

عالم آخرت کو دنیا پر قیاس نہیں کر سکتے:

واقعات آخرت کے استبعاد کے متعلق فرمایا: ہر عالم کی جداگانہ حالت ہوتی ہے اور اس کا الگ ایک خاصہ ہوتا ہے۔ اسی زمین کو لیجیے اس کے ہر قطعہ کی حالت و عادت جدا جدا ہے۔ اسی زمین میں قطبین پر ایک شب و روز سال بھر کا ہوتا ہے۔ اور دوسرے مقامات پر ۲۴ گھنٹے کا۔ تو "ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون" [تمہارے خدا کے یہاں ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے] میں کیا استبعاد ہے؟ اسی طرح پل صراط پر چلنا، اگر ایک باریک چیز پر چل سکنا خلاف عادت ہے تو اِس عالم کی عادت کے خلاف ہے۔ وہاں ممکن ہے کہ یہی عادت ہو اور اس پر چلنا آسان ہو۔ بلکہ آخر یہاں بھی تو رسی پر لوگ چلتے ہیں جو عام عادت کے خلاف ہے۔ جمادات اس عالم میں عموماً نہیں بولا کرتے۔ اگرچہ فونوگراف باوجود جماد ہونے کے آدمیوں کی طرح حروف والفاظ کی بجنسہ آواز نکالتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس عالم کی یہی عادت ہو کہ جماد بھی بولا کرتے ہوں۔ غرضیکہ اس عالم کی حالت کو اِس دنیاوی حالت پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۴۸)

مقبولان خدا کی محبت پہلے خواص میں ہوتی ہے:

فرمایا کہ مقبولان خدا سے پہلے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔ بعدہ ملائکہ مقربین، بعدازاں عام ملائکہ، اسی طرح دنیا میں بھی اول جو لوگ مقبول ہیں وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد عوام لوگ محبت کرتے ہیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۵۸)

منتہی کو بھی میلان الی المعصیۃ ہوتا ہے:

کبھی منتہی کو بھی میلان الی المعصیۃ ہوتا ہے۔ اور یہ نقص نہیں ہے مگر اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا چاہیے۔

گناہ جاہی پر ندامت نہیں ہوتی:

ارشاد فرمایا: حضرت حاجی صاحب مرحوم ومغفور نے کہ غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے۔ اور گناہ جاہی پر ندامت نہیں ہوتی۔ (جلد۱۳۔ص:۲۵۹)

ہماری عبادات بے ڈھنگے کی خدمت کی طرح ہیں:

ہماری عبادت تو ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی شیخ یا رئیس کی خدمت کرے اور وہ شخص خدمت کا طریقہ نہ جانتا ہو۔ اور شیخ اس کی خدمت کو ناپسند بھی کرتا ہو۔ مگر صرف اس کی دل شکنی کی وجہ سے منع نہیں کرتا۔ اگرچہ ان کو تکلیف بھی ہو رہی ہے۔ مگر یہ سمجھتا ہے کہ ان کو راحت ہو رہی ہے۔ اسی طرح ہماری عبادت بھی ہے کہ اللہ میاں کو پسند تو نہیں ہے، مگر صرف اپنی عنایت کی وجہ سے کچھ کہتے بھی نہیں۔ پس ہم کو چاہیے کہ اس پر مغرور نہ ہوں اور اس پر نظر نہ کریں۔ اور نجات کی امید اس کی رحمت سے رکھیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۶۱)

نسبت سینہ بسینہ ہونے کا مطلب:

نسبت باطنیہ کے سینہ بسینہ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔ کیونکہ جملہ صنائع میں مناسبت صحبت سے حاصل ہوتی ہے کتابوں سے نہیں حاصل ہوتی، سینہ بسینہ کے یہی معنی ہیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۶۵)

اصل چیز رضائے حق ہے:

اثناء ذکر احوال و معارف میں ارشاد فرمایا کہ احوال تو کافروں کو بھی ہوتے ہیں۔ بڑی چیز معصیت سے نفرت اور اطاعت کی رغبت اور خشیت اور رضاء حق تعالیٰ کی ہے، اگر میسر ہو جاوے۔
(جلد۱۳۔ص:۲۶۶)

حضرت حاجی صاحبؒ کی اہلیہ انتہائی صالحہ تھیں:

حضرت حاجی صاحبؒ کی بی بی بہت صالحہ تھیں۔ جن عورتوں نے بی بی صاحبہ کو دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ حاجی صاحبؒ میں اور ان میں فرق صرف عورت و مرد کا تھا ورنہ سب باتوں میں جیسے

حاجی صاحب تھے ویسے ہی وہ تھیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۶۶)

حاجی صاحبؒ کی نسبت صحابہؓ جیسی تھی:

حاجی صاحبؒ کی نسبت صحابہ کی سی سادہ اور لطیف ہے۔ ذکر اور اطاعت کے سوا کچھ وہاں نہیں رہتا۔ (جلد۱۳۔ص:۲۶۷)

تعلق مع اللہ کے تین درجے ہیں:

تعلق مع اللہ کے تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ اور یہ ادنیٰ درجہ کا تعلق ہے۔ اور دوسرا درجہ یہ کہ جو کام کرے محض خدا کی رضاء کے لیے کرے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو خیر اتنا کرے کہ کوئی کام کہ اس کی مرضی کے خلاف نہ کرے۔ اس کا کرنا واجب ہے۔ اور یہ اوسط درجہ ہے۔ اس کو سب کر سکتے ہیں۔ اور تیسرا یہ کہ ہمہ وقت ذکر اور طاعت میں مصروف رہے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ ہے اور مندوب ہے۔ لیکن یہ مندوب اس شخص کے لیے ہے کہ جس سے اس مشغولی میں [کوئی] واجب حق ترک نہ ہو۔ ورنہ ایسی مشغولی اس کے حق میں ناجائز ہے۔ (جلد۱۳۔ص:۲۷۰)

نورانی حجابات ظلمانی سے اشد ہیں:

جناب حاجی صاحبؒ اس فن سلوک میں اپنے زمانے کے مجتہد تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حجب نورانی [یعنی سالک کو نظر آنے والے انوار وغیرہ] حجب ظلمانیہ [یعنی یادِ خدا سے مانع مادی مشغولیتوں] سے اشد ہیں۔ [اس لیے کہ نادان مادی مشغولیتوں کو تو غیر سمجھ کر ان سے اعراض کرتا ہے، لیکن انوار وغیرہ کو مقصود سمجھ کر ان میں ہی لگ جاتا ہے۔ اگرچہ وہ بھی مخلوق ہیں، مشغولی اور یاد کے لائق تو محض اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لہٰذا] اگر انوار ملکوتیہ کسی کو کچھ نظر بھی آجاویں تو اس کی جانب سے توجہ ہٹا لے وے۔ کیونکہ وہ بھی غیر حق ہے۔ (جلد۱۳۔ص:۲۷۱)

مشاہدۂ حق اور بعض دیگر اصطلاحات:

تجلی صفاتی صوفیہ کی اصطلاح میں [بندے کی] توجہ الی الصفات کو کہتے ہیں۔ اور تجلی ذاتی توجہ الی الذات بلا توجہ الی الصفات سے عبارت ہے۔ اور اس شہود کو صوفیہ تجلی ذاتی اور صفاتی سے تعبیر

کرتے ہیں۔ اور اگر صور مثالیہ میں کسی لون اور صورت کے ساتھ حق تعالیٰ کی تجلی حالتِ خواب یا مراقبہ یا مکاشفہ میں پیش آوے، تو یہ تجلی ذات حق تعالیٰ کی نہیں ہے۔ مخلوق ہے۔ اور اس کو صوفیہ تجلی مثالی سے تعبیر کرتے ہیں۔ (ص:۲۷۲)

تعویذ کی نسبت دعا پسندیدہ ہے:

ہمارے بزرگوار تعویذ سے زیادہ دعا کرنا پسند فرماتے تھے۔ لیکن تعویذ سے بھی منع نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مجھ کو فرمایا تھا کہ اگر کوئی تعویذ مانگے تو دے دینا، انکار مت کرنا۔ (جلد ۱۳۔ص:۲۷۲)

حب شیخ بہت بڑی چیز ہے:

حب شیخ بہت اچھی چیز ہے۔ بڑے بڑے مجاہدوں کا کام حبِّ شیخ سے نکلتا ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ جس کو دو باتیں میسر ہوں اس کی ظلمات بھی انوار ہیں۔ اور ایک میں بھی کمی ہو تو انوار بھی ظلمات ہیں۔ اول اتباع سنت، دوسرے حبِّ شیخ۔ ریاضت و مجاہدہ سے مقصود اتباعِ احکام میں استقامت ہے اور حبِّ شیخ سے یہ امر بہت آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب شیخ سے محبت ہوگئی، اس کا اتباع بہت آسانی و رغبت سے کرے گا۔ (جلد ۱۳۔ص:۲۷۶)

بدعت کفر سے بچانے کا ذریعہ بن گئی:

فرمایا ایک دفعہ میں گجنیر ضلع کانپور گیا۔ وہاں میں نے لوگوں کو سنا کہ آریہ ہونے والے ہیں۔ اور وہاں نام بھی مسلمانوں کے ہندوؤں کی طرح ہیں نتھوسنگھ، اوہارسنگھ وغیرہ۔ غرض میں نے آدمیوں کو بلایا، ایک شخص آیا اس سے پوچھا: کیا کہ تم آریہ ہوگئے؟ اس نے کہا نہیں، ہم کیوں آریہ ہوتے؟ ہم تو تعزیہ بناتے ہیں۔ میں نے کہا تم ضرور تعزیہ بناؤ۔

پھر مجھے بہت ہنسی آئی کہ کتنا تو بدعت کی ممانعت کرتا ہوں۔ اور یہاں خود اس کا حکم دیتا ہوں۔ اور ساتھیوں سے میں نے کہا: یہاں اس لیے مصلحت ہے کہ یہ بدعت سپر ہے کفر سے۔

(جلد ۱۳۔ص:۲۷۶)

ہر کام میں اعتدال رکھے:

ایک شخص بہت پکے حنفی تھے اور حنفیت میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ غیر مقلدوں کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ اور یہ غلو ہی غضب ہے۔ چنانچہ وہ غیر مقلد ہو گئے۔ جو شخص اتنی سختی کرے اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ مخالفت میں بھی وہ ایسا ہی سخت ہو گا۔ پس ہر کام میں اعتدال رکھنا چاہیے۔
(جلد۱۳۔ص:۲۸۳)

اپنے شیخ کی تعریف میں غلو نہ کرے:

فرمایا: آج کل لوگ سوانح عمری لکھنے میں بے حد مبالغہ کرتے ہیں اور انہیں محبت کے جوش میں یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ہم سے مبالغہ ہو رہا ہے اور ہم جھوٹ لکھ رہے ہیں۔ اور بعض اوقات اپنے نفس کی آمیزش ہوتی ہے کہ ہم ایسے شخص کے مرید ہیں یا شاگرد ہیں یا کوئی اور تعلق دار ہیں۔ گویا اپنی تعریف آپ کر رہے ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے میں نے تنبیہات وصیت میں اپنی سوانح عمری لکھنے کے واسطے ممانعت کی ہے۔ مگر چند شرطوں کے ساتھ اجازت ہے۔ (جلد۱۳۔ص:۲۸۴۔۲۸۵)

عارف کا ہر کام رضائے حق کے لیے ہوتا ہے:

حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں عطر لگاتا ہوں تو حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے۔ اور ٹھنڈا پانی پیتا ہوں تو اس لیے کہ اس سے اچھی طرح سے ہر رگ و ریشے سے حق تعالیٰ کا شکر ادا ہو جاتا ہے۔ (جلد۱۳۔ص:۲۹۱)

فاتحہ خلف الامام کو وجہ نزاع بنانا درست نہیں:

فرمایا کہ مجھ سے ایک عامی نے فاتحہ خلف الامام کی دلیل دریافت کی۔ میں نے اس سے کہا کہ...... میاں! یہ سب فضول جھگڑا ہے۔ اگر کوئی امام اعظمؒ کا مقلد ہے تو وہ نہ پڑھے اور اگر کوئی امام شافعی کا مقلد ہے تو وہ پڑھ لیا کرے۔ اس میں کوئی جھگڑے کی ضرورت نہیں۔ (جلد۱۳۔ص:۲۹۳)

ذکر آہستہ آہستہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، بشرطے کہ:

[حضرت کے ملفوظات و تحریرات میں بکثرت ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اکیلا ذکر و شغل اصلاح

کے لیے کافی نہیں، اس کے لیے اصلاحی تدابیر ضروری ہیں۔ جب کہ ہمارے دوسرے مشائخ کے طرز تربیت میں کہا جاتا ہے کہ ذکر خود ہی تمام برائیوں کو چھڑا دیتا ہے۔ آیت قرآنی "ان الصلاۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر، ولذکر اللہ اکبر" سے بھی اس کا خیال ہوتا ہے۔ حضرت والا کے اس ملفوظ سے دونوں باتوں کے درمیان تطبیق اور دونوں کا صحیح محمل معلوم ہوتا ہے۔]

اخلاق ذمیمہ کے علاج میں صرف ذکر و شغل کافی ہونے [کی جو بات بعض صوفیہ کہتے ہیں اس] کے لیے میرے دل میں ایک نئی بات آئی ہے۔ جو اس سے پہلے ذہن میں نہیں تھی۔ وہ یہ کہ چوں کہ ذکر اللہ سے قلب میں ایک قسم کا نور و انشراح و انبساط پیدا ہوتا ہے۔ اور معصیت سے ظلمت و کدورت و انقباض۔ اس لیے جب ذاکر سے کوئی معصیت سرزد ہوتی ہے، تو وہ نور جو ذکر سے حاصل ہوا تھا مبدّل بہ ظلمت و کدورت ہو جاتا ہے۔ اور جو حظ [روحانی لذت و سرور] اس کو پہلے حاصل تھا وہ زائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کو فوراً اس معصیت پر تنبّہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس سے متنفّر ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ تمام معاصی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح صرف ذکر و شغل ہی اخلاق ذمیمہ کے علاج کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ تنبُّہ کی طرف بھی توجّہ ہو۔ اور تنبہ کے بعد اصلاح کی طرف بھی۔ (جلد ۱۳۔ ص: ۲۹۸)

[حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی سالک معاصی پر غمگین اور اپنی اصلاح کا فکر مند ہو، پھر ذکر و شغل کرے تو اس کو ذکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ سے ایک تعلق پیدا ہوگا۔ اور خود بخود ظاہر و باطن کے گناہوں کو چھوڑنے کی ہمت و عزم اس میں پیدا ہو جائیں گے۔ پھر کچھ مدت کے بعد اس کو استقامت اور رسوخ و تمکین کی دولت بھی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اپنے گناہوں کی طرف توجہ اور ان کا فکر و غم ہو۔ اور وہ ان سے بچنے کی کوشش بھی کرے۔]

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ۱۴

فیوض الخالق وکلمۃ الحق

شیخ کے قلب کی طرف توجہ کی صورت:

شیخ کے قلب کی طرف توجہ کی صورت یہ ہے کہ مرید یہ تصور کر لے کہ شیخ کے قلب سے میرے قلب میں کیفیات آ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بموجب اقتضاء ''انا عند ظن عبدی بی'' کے یہ کیفیات مرید کو عطا فرما دیتے ہیں۔ (جلد ۱۴۔ص:۳۶)

وحدت مطلب کا مفہوم اور اس کی ضرورت:

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ [صوفیہ کے اصول] وحدت مطلب کی حقیقت صرف اتنی ہے، کہ یوں سمجھے کہ زندہ بزرگوں میں مجھے زیادہ نفع پہنچانے والا، میری تلاش سے، میرے شیخ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں مل سکتا۔ بس اپنے شیخ کے متعلق صرف اتنا عقیدہ [وخیال] کافی ہے۔ اور جب تک یہ عقیدہ [وخیال] نہ ہو جمعیت خاطر نہیں ہوتی اور جب تک جمعیت یا یکسوئی نہ ہو تب تک فائدہ نہیں ہوتا۔ (ص:۳۷)

ضرورت شیخ نص کی روشنی میں:

لوگ شیخ طریقت کی ضرورت میں یہ آیت پیش کیا کرتے ہیں ''وابتغوا الیہ الوسیلۃ'' حالانکہ اس میں شیخ مراد نہیں، بلکہ اعمال صالحہ مراد ہیں۔ البتہ ضرورت شیخ دوسری آیت سے ثابت ہو سکتی ہے۔ ''واتبع سبیل من أناب إليّ'' الآیة. (جلد ۱۴۔ص:۳۷)

کمال سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر ان کے جملہ کمالات سے قطع نظر کر کے صرف اسی ایک واقعہ کو دیکھا جاوے تو معتقد ہونے کے لیے کافی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ ایک غیر مقلد نے حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت کی اور شرط کی کہ میں غیر مقلد ہی رہوں گا۔ حضرت نے فرمایا: بے شک رہو، مگر جو کچھ ہم بتلاویں اس کو پڑھتے رہنا۔ چنانچہ اس کو بیعت فرمایا اور کچھ ذکر بتلا دیا۔ چند ہی روز کے بعد اس نے آمین بالجہر، رفع یدین وغیرہ چھوڑ دیا۔ [حالانکہ حضرت حاجی صاحبؒ غیر مقلد بیعت ہونے والوں سے کہہ دیتے تھے کہ میری وجہ سے ان اعمال کو مت چھوڑنا، کیوں کہ تم سنت سمجھ کر کرتے ہو۔ ہاں! اگر تحقیق بدل جائے تو الگ بات ہے] (جلد ۱۴۔ ص: ۴۲۔۴۳)

صحبت اہل اللہ کی برکت:

اہل اللہ کی صحبت سے قلوب پر کیفیت سکینہ نازل ہوتی ہے۔ (جلد ۱۴۔ ص: ۴۳)

ایک اہم تحقیق، ذکرِ قلبی کا مفہوم:

[اکثر لوگوں کے یہاں قلب کے ذاکر ہو جانے سے متعلق غلط خیالات پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ ملفوظ بہت گہری تحقیق پر مشتمل ہے]۔ فرمایا: قلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف باختیار توجہ کرنا ذکرِ قلبی ہے۔ دل کی حرکت کو ذکر نہیں کہتے۔ اور قلب کا یہ اختیاری ذکر عادۃً دائم نہیں ہوتا۔ اور جو بے اختیاری ہو، گو دائم ہو وہ حال ہے، عمل نہیں۔ اور اس سے ترقی لازم نہیں۔ (جلد ۱۴۔ ص: ۴۴)

کرامات ذریعۂ قرب نہیں:

فرمایا کرامات کا درجہ ذکر لسانی سے مؤخر ہے۔ کیونکہ ذکر لسانی قرب پیدا کرتا ہے۔ کرامات ذریعۂ قرب نہیں ہیں۔ (جلد ۱۴۔ ص: ۴۴)

کمال اعمال کو کمال ایمان میں دخل ہے:

فرمایا: کمال اعمال کو کمال ایمان میں دخل ہے۔ اور کمال ایمان کو کمال اعمال میں دخل ہے۔ پھر اس کمال اعمال سے کمال ایمان [پیدا] ہوتا ہے۔ پھر اس کمال ایمان سے کمال اعمال [پیدا] ہوتا

ہے۔اسی طرح سلسلہ چلا جاتا ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۴۴)

تصوف کی اہم اصطلاح ''نسبت'' کا مفہوم:

کثرت ذکر اور دوام طاعت سے جو تعلق خاص ہو جاتا ہے۔اس کا نام نسبت ہے۔اور یہ نسبتِ خاص صدور معاصی سے زائل ہو جاتی ہے۔ہاں اگر توبہ نصوح کرے گا پھر عود کر آئے گی۔

اہل وعیال کی خبر نہ رکھنا معصیت ہے:

ذکر میں اس طرح مشغولی اختیار کرنا کہ اہل وعیال کی بھی خبر نہ رہے، یہ معصیت ہے۔کیونکہ مشغولی کا کمال وہی ہے، جس کو شریعت نے تجویز فرمایا ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۴۸)

وصول حق کی استعداد کے لیے اصلاح اخلاق ضروری:

حضرت حاجی صاحبؒ نے ضیاء القلوب میں لکھا ہے۔جب تک اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی اس وقت تک انسان میں وصول حق کی استعداد نہیں پیدا ہوتی۔ (جلد۱۴۔ص:۵۰)

اہل اللہ سے ادب کی برکات:

فرمایا: ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ اہل اللہ کا ادب کرنے سے علوم باطنہ بڑھتے ہیں۔کیونکہ ان کا ادب درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کا ہی ادب ہے۔اور علوم باطنہ کے بڑھنے سے علم ظاہری بھی بڑھ جاتا ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۵۱)

اپنے اندر دو چیزیں پیدا کرنے کی ضرورت:

فرمایا: ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اندر دو چیزیں کسی بزرگ کی خدمت میں رہ کر پیدا کرلے۔اس کے بعد جو بھی خدمتِ اسلام کرے گا وہ مکمل ہوگی۔(۱) محبت اللہ تعالیٰ کی (۲) خوف وخشیت اللہ تعالیٰ کی۔بس دونوں کے مجموعے سے عمل مکمل ہو جائے گا۔ (جلد۱۴۔ص:۵۲۔۵۳)

علماء کی اتباع نہ کرنے کا سبب:

اکثر لوگوں میں اہل علم کا انقیاد نہ ہونا، حسد یا کبر کی بنا پر ہوتا ہے۔ورنہ اگر اہل علم کی

بدعملی سے نفرت ہوتی ہے، تو اطباء کی بد پرہیزی سے ان سے علاج کرانا کیوں نہیں چھوڑتے؟

(جلد۱۴۔ص:۵۳۔۵۴)

مہمان اور مسافر میں فرق:

فرمایا ضیف وہ ہے جو خاص ملاقات ہی کے لیے آوے۔ ورنہ ابن السبیل (مسافر) ہے۔ [شریعت نے مہمان کے اکرام وضیافت کا حکم فرمایا ہے۔ جب کہ ابن السبیل کی محض مدد کا حکم ہے۔ یہ قاعدہ دونوں میں فرق کی بنیاد ہے]۔ (جلد۱۴۔ص:۵۴)

سامعین کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے:

اگر سامع صاحب انوار ہے، تو متکلم کے قلب پر اس کے انوار منعکس ہوکر اس کا کلام منور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سامعین کو حقیر نہ سمجھے۔ کیونکہ مجلس میں اگر طالب حق موجود ہو، تو متکلم پر بسط ہوتا ہے اور اگر مجلس میں منکِر موجود ہو تو اس سے قبض ہوتا ہے۔ جیسے بچہ طالبِ شیر ہے تو ماں کا یہ احسان بیشک ہے کہ بچے کو دودھ دیتی ہے۔ مگر دودھ بھی تو بچے ہی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۵۵)

ایک شعبۂ تکبر:

تکبر کے عدم کا اگر خیال آوے کہ میں تکبر نہیں کرتا تو وہ بھی شعبۂ تکبر ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۶۰)

سلوک اور رہبانیت کا فرق:

مجاہدہ معالجہ ہے وہ مقصود بالذات نہیں۔ اس کو مقصود سمجھنا یہ رہبانیت ہے۔ پس راہب وہ ہے جو ان معالجات کو قربات سمجھے۔ باقی جو معالجہ کو معالجہ سمجھے وہ راہب نہیں زاہد [وسالک] ہے۔ (ص:۶۱)

آج کل قلوب خوف کے متحمل نہیں:

فرمایا: اس زمانہ میں قلوب خوف کے متحمل نہیں ہیں، [جلد مایوس ہونے لگتے ہیں]۔ اس لیے میری کوشش یہی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا ہو جاوے۔ (جلد۱۴۔ص:۶۲)

بیمار اور تندرست کے لیے وصول وقرب کا الگ الگ طریقہ:

فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک شخص نے اپنی بیماری کی شکایت کی اور کہا مجھے اس کا افسوس اور قلق ہے کہ میں بیماری کی وجہ سے حرم شریف میں نماز پڑھنے سے محروم رہا۔ اس پر حضرت نے حاضرین سے فرمایا اگر یہ عارف ہوتا تو اتنا قلق نہ کرتا۔ کیونکہ جیسے حرم میں نماز پڑھنا ایک طریق ہے قرب کا، اسی طرح بیمار ہو جانا اور اس پر صبر کی توفیق ہونا یہ بھی ایک طریق ہے قرب کا۔ چنانچہ تندرست کے لیے قرب ووصول کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حرم شریف میں جا کر نماز پڑھے۔ اور اسے ایک لاکھ رکعت کا ثواب ہو۔ اور بیمار کے لیے یہ طریقہ ہے کہ وہ بستر مرگ پر وہیں نماز پڑھتا رہے اور حسرت وقلق کے ساتھ اس پر صبر کر کے ثواب حاصل کرتا رہے۔ پس بندہ کو کوئی حق نہیں کہ خود کوئی معیّن راستہ تجویز کرے، کہ میں تو اللہ تعالیٰ تک اسی فلاں خاص راستے سے وصول کو اختیار کروں گا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا وصول، صبر وحسرت وقلق کے طریقے سے منظور ہو۔ (جلد ۱۴۔ص: ۶۵۔۶۶)

سائلین سے گھبرانا نہیں چاہیے:

فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ سائلین سے گھبرانا نہ چاہیے۔ یہ آخرت تک ہمارا بوجھ اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ چنانچہ فرض کیا جائے کہ اگر جملہ مساکین اتفاق کر کے صدقات نہ لیویں، تو ہمارے صدقات آخرت تک کون لے جاوے؟ (جلد ۱۴۔ص: ۶۷)

دولت تعلق مع اللہ:

اگر تعلق مع اللہ کسی کو حاصل ہو تو آفتاب کی طرح خود بخود اس سے [نور پھیلتا اور] ضیاء پاشی ہوتی ہے۔ قصد کرے یا نہ کرے۔ چنانچہ جلسوں اور انجمنوں سے وہ خدمت اسلام کی نہ ہوئی جو ہمارے حضرات سے ہوئی۔ (جلد ۱۴۔ص: ۷۴)

اخلاق ذمیمہ کا علاج:

فرمایا: اخلاق ذمیمہ، حسد، حقد، غصہ وغیرہ [کا قلب میں] داعیہ [پیدا ہونا] مذموم نہیں، بلکہ ان کا مقتضیٰ مذموم ہے [یعنی اس داعیہ کا نتیجہ یعنی واقعی حسد، حقد اور غصہ کا وقوع مذموم اور گناہ

ہے]۔اوراس داعیہ کی بیخ کنی تو مدتوں کے مجاہدوں سے ہوتی ہے۔اس لیے اصولاً یہ طریق کہ اس کے مقتضی پر عمل نہ کیا جاوے بالکل کافی ہے۔اور کلی طور پر بہت سہل ہے۔مگر اس کی جزئیات پر عمل کرنا بدون شیخ کی تعلیمی امداد کے نہیں ہوسکتا۔ (جلد ۱۴۔ص:۷۷)

میلان کے اسباب بعیدہ سے احتیاط کی ضرورت:

فرمایا: بعض دفعہ ابتداء نظر میں شہوت نہیں ہوتی۔ جب نظر ممتد ہو جاتی ہے، تو وہ حالت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح لمس وغیرہ میں، بعض اوقات کسی لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھنے کے وقت شہوت نہ تھی، پھر شہوت ہو جاتی ہے۔......اس لیے میلان کے اسباب بعیدہ سے بھی پرہیز [کرنا] چاہیے۔ خصوصاً ذاکر شاغل آدمی کی لطافتِ ادراک زیادہ ہوتی ہے۔ وہ بہت جلدی متاثر ہوتا ہے۔ (جلد ۱۴۔ص:۷۹)

ذکر میں ضرب و جہر صرف وسیلے ہیں مقصود نہیں:

فرمایا کہ میں نے ضیاء القلوب حضرت حاجی صاحبؒ سے سبقاً سبقاً پڑھی اس میں ضرب و جہر وغیرہ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ سب قیود غیر ضروری ہیں۔ اصل مقصود ذکر ہے۔اس کے کرتے رہنے سے استعداد بڑھتی ہے۔ چاہے بے انتظامی سے ہی ہو۔ (جلد ۱۴۔ص:۸۲۔۸۳)

بیعت کے وقت غیر مقلدین سے شرط:

بیعت کے وقت میں غیر مقلدوں سے یہ شرط کر لیتا ہوں کہ بدگمانی اور بدزبانی نہ کریں۔ اور تقلید کو حرام خیال نہ کریں۔ اور یہ کہ ہماری مجلس میں کبھی غیر مقلدین کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ تم اپنے اوپر محمول مت کرنا، [اس سے مراد غالی اور اختلاف پیدا کرنے والے ہوتے ہیں، تم جیسے نہیں]۔ (جلد ۱۴۔ص:۹۶)

ساری عمر جس کو تہذیب سمجھا، وہ سراسر بے تہذیبی نکلی:

فرمایا: جونپور میں حفیظ نامی ایک شاعر تھے۔ وہ یہاں آئے تھے، رندانہ صورت تھے۔ بیعت کی خواہش کی، میں نے منظور کر کے جمعہ کا دن معین کر دیا۔ تو جو دن بیعت ہونے کا تھا اس دن بھی خوب داڑھی صاف کر کے آئے۔ میں نے دل میں کہا: بھلے آدمی! یہ کیا کیا؟ اگر بڑھاتے نہیں تو گھٹاتے

بھی نہیں۔انہوں نے از خود کہا: حضرت! آپ کو میری اس نالائق حرکت سے تعجب ہوگا، مگر اس کا داعی یہ ہوا کہ میں مریض ہوں۔اس لیے میں نے اپنے آپ کو مرض کی اصلی صورت میں ظاہر کیا ہے کہ میں یہ ہوں۔اب آپ مجھ میں جو تصرف کریں گے قبول کروں گا۔غرض وہ بیعت ہو گئے۔ پھر انہوں نے اپنے ان حالات کی ایک کتاب لکھی۔جس کا نام رکھا ''الآن''۔اس میں یہ بھی لکھا کہ ساری عمر ہم جس کو تہذیب سمجھتے رہے، تھانہ بھون جا کر معلوم ہوا کہ وہ سراسر بے تہذیبی ہے۔ حقیقی تہذیب وہاں ہے۔اس کے بعد ایک دفع جونپور میں ملاقات ہوئی، تو نہایت مقطع صورت، عمدہ داڑھی، میں نے پہچانا نہیں۔لوگوں نے بتلایا کہ یہ حفیظ جونپوری ہیں۔ (جلد۱۴۔ص:۱۰۵۔۱۰۶)

حضرتؒ پر والد محترم کا احسان عظیم:

والد صاحب نے ہماری تربیت مشائخ کی طرح کی ہے۔گو فارسی کے سوا زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ چنانچہ بچپن سے مجھ کو عربی میں لگایا اور چھوٹے بھائی (اکبر علی صاحب) کو انگریزی میں۔ ایک مرتبہ تائی صاحبہ نے والد صاحب سے کہا کہ چھوٹا تو انگریزی سے کما کھالے گا، مگر یہ کہاں سے کھائے گا؟ والد صاحب گو ان کا ادب بہت کرتے تھے، مگر اس وقت غصہ ہو کر فرمایا یہ تو مجھ کو معلوم نہیں کہ کہاں سے کھائے گا، مگر اتنا کہتا ہوں کہ انگریزی پڑھے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔اور یہ کسی کو منہ بھی نہ لگائے گا۔بچپن میں ہم کو کبھی دعوت میں نہیں لے گئے۔کہ دعوت کا انتظار نفس میں پیدا نہ ہو جائے۔ہم دونوں بھائی اگر کوئی شوخی کرتے، تو مجھ کو کچھ نہ کہتے بھائی کو ڈانٹ دیتے۔اور اس کی وجہ یہ فرماتے یہی چھوٹا سکھلاتا ہے۔اور جب میں بڑی بڑی کتابیں پڑھنے لگا تو مجھ کو خط میں مولوی صاحب کر کے لکھا کرتے تھے۔جس سے میں بے حد شرماتا۔والد صاحب اس زمانہ میں زمین رہن بھی رکھتے تھے۔میں نے ایک مرتبہ لکھا کہ رہن کا نفع جائز نہیں ہے۔اسی طرح دوسرے جائز ناجائز امور کے متعلق عرض کرتا رہا۔آپ چھوڑ دیں۔ایک مرتبہ والد صاحب نے ایک ہندو سے (جس سے مراسم تھے) فرمایا ہمارا ایک لڑکا ہے، وہ ہم کو روک ٹوک کرتا ہے۔وہ تھا سمجھدار، اس نے کہا حضرت اگر آپ اس کو نجوم پڑھاتے تو اس پر حق تھا کہ وہ آپ کو مہورت وغیرہ بتلاتا۔طب پڑھاتے تو طب کی باتیں بتلاتا۔قانون پڑھاتے تو قانون بتلاتا۔آپ نے اس کو دین

پڑھایا تو وہ دین کی باتیں بتلاتا ہے۔شکر کیجئے، کہ وہ بڑا لائق اور آپ کا محبّ ہے۔غرض والد صاحب کا بڑا احسان ہے جو مجھ کو دین میں لگایا۔ (جلد۱۴۔ص:۱۳۶۔۱۳۷)

برکت علم کی شرائط:

فرمایا: مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علم کے حصول میں اس کو بھی بہت دخل ہے کہ استاد کا ادب کرے نیز تقوی اختیار کرے بدون اس کے برکت نہیں ہوتی۔

(جلد۱۴۔ص:۱۳۸۔۱۳۹)

حضرت حاجی صاحبؒ کی نظر میں حضرت گنگوہیؒ کا مقام:

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے ایک عمامہ بھیجا جو میری موجودگی میں پیش کیا گیا۔حضرت نے پہلے سر پر رکھا، پھر منہ پر رکھا، پھر آنکھوں سے لگایا۔حضرت اہل علم کا اس قسم کا ادب کرتے تھے کہ کوئی دیکھتا تو کہتا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے پیر نے بھیجا ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۱۴۷)

واقعہ ادائیگی امانت حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ:

مولوی محمد منیر صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم بھی رہے ہیں۔ایک مرتبہ مدرسہ کی روداد چھپانے کے لیے دہلی گئے۔ راستے میں ڈیڑھ سو روپیہ کے نوٹ گم ہو گئے۔تو مدرسہ کے سب اراکین نے کہا کہ چونکہ امانت تھی، اس لیے مدرسہ تاوان نہیں لے سکتا۔[اور فقہی مسئلہ یوں ہی ہے] مولوی صاحب نے کہا میں دوں گا۔اس میں مولوی صاحب اور اراکین میں اختلاف ہوا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا جاوے، جو وہ فیصلہ کریں اس پر عمل کیا جاوے۔ چنانچہ لکھا گیا۔مولانا نے جواب تحریر فرمایا کہ مولوی صاحب پر ضمان [ادائیگی] نہیں ہے۔مولوی محمد منیر صاحب اس پر بہت متغیر ہوئے اور کہا کہ مولانا رشید احمد صاحب نے یہ ساری فقہ میرے ہی واسطے پڑھی تھی۔میں تو تب جانوں کہ اگر یہ روپیہ ان سے ضائع ہو جاتا،تو اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر دیکھ لیں کہ وہ کیا کرتے؟ مدرسہ میں داخل کرتے یا نہ کرتے؟ یقیناً کرتے۔ پھر مجھ کو

کیوں روکتے ہیں؟ سبحان اللہ، یہ کیسے مخلص حضرات تھے۔ (جلد۱۴۔ص:۱۴۹)

عوام کے لیے سہولت کا فتوی:

فرمایا: میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام ہیں اگر وہ صورتیں [ائمہ کے] کسی مذہب میں بھی جائز ہوں، تو اس کی اجازت دے دوں۔ تا کہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے تو صحیح ہو سکے۔ میں نے احتیاطاً اس کے بارے میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی دریافت کیا، کہ ایسے مسائل میں دوسرے مذہب پر فتوی دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے بھی اجازت دے دی۔ مولانا بہت پختہ حنفی تھے۔ مگر عوام پر شفقت بھی بہت تھی۔ پھر میں ایسا رسالہ تو نہیں لکھ سکا۔ کیوں کہ میں نے اہل معاملہ سے سوالات جمع کرنے کی درخواست کی تھی، کسی نے توجہ نہ کی۔ مگر تاہم ایسے بعض بعض مسائل حوادث الفتاوی میں آ گئے ہیں۔ اور یہ توسّع معاملات میں کیا گیا۔ دیانات میں نہیں، اس میں کچھ اضطرار نہیں۔ (جلد۱۴۔ص:۱۵۲)

داڑھی منڈانے کی وعید میں وعظ:

فرمایا: ایک دفعہ وعظ کہنے کا ارادہ کیا۔ خطبہ پڑھا۔ مگر کوئی مضمون ذہن میں نہ آیا۔ لوگوں کی طرف جو دیکھا تو ایک داڑھی منڈا نظر آیا۔ بس مضمون ذہن میں آ گیا۔ میں نے کہا ماشاء اللہ آپ لوگوں کی شکل دیکھ کر مضامین یاد آتے ہیں۔ پھر وعظ میں اسی کے متعلق زیادہ مضمون بیان کیا۔

اسی طرح ڈھاکہ میں شہر سے دور نواب صاحب کے باغ میں وعظ کہا تو وہاں زیادہ تر نواب صاحب کے خاندان کے داڑھی منڈے تھے۔ میں نے کہا صاحبو! یہ تو مجھے امید نہیں کہ تم میرے کہنے سے داڑھی منڈوانا چھوڑ دو گے مگر اتنا تو کر لیا کرو کہ ہر روز سوتے وقت یہ خیال کر لیا کرو بلکہ یہ کلمات زبان سے بھی چپکے چپکے حق تعالیٰ سے عرض کر دیا کرو کہ اے اللہ یہ کام بہت برا ہے، اے اللہ ہم بڑے نالائق ہیں۔ اے اللہ ہم بڑے خبیث ہیں۔ غرض اپنے آپ کو خوب ملامت کیا کرو۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا اور بہت جلد خود داڑھی رکھوا لو گے۔

(جلد۱۴۔ص:۱۵۷)

بیعت کی حقیت:

فرمایا: سلف کے زمانہ میں بیعت کے وقت مصافحہ تھا۔ بعد میں بعض خلفاء کے زمانہ سے مشائخ نے بیعت کے وقت مصافحہ ترک کر دیا تھا۔ کیوں کہ خلفاء بھی مصافحہ سے بیعت لیتے تھے۔ اس لیے اس میں بغاوت کا شبہہ ہوتا تھا۔ اسی واسطے اس زمانہ میں بیعت کا ذکر کتابوں میں اس طرح آتا ہے ''صحب فلان فلانا'' اور ''بایع فلان فلانا'' نہیں آتا۔ بیعت کی حقیقت مرید کی طرف سے التزام طاعت اور شیخ کی طرف سے التزام تعلیم ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھنے میں کیا رکھا ہے؟ اگر کسی کو ایسا ہی شوق ہو تو یوں کرے کہ اعمال میں اطاعت کرنا شروع کر دے اور جو بات دریافت طلب ہو وہ دریافت کرتا رہے۔ اور پھر کبھی ملاقات کا اتفاق ہو تو مصافحہ کر لے۔ بس سب باتیں جمع ہو گئیں۔ یعنی مصافحہ اور تعلیم اور رسمی بیعت۔ (جلد۱۴۔ص:۱۶۶)

عید کا مصافحہ:

فرمایا: عید کا مصافحہ میں ابتداءً تو نہیں کرتا۔ لیکن دوسرے کی درخواست پر کر بھی لیتا ہوں۔ مگر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ بدعت ہے، میں مغلوب ہو جاتا ہوں۔

(جلد۱۴۔ص:۱۶۶)

کلامی بحثوں کی صحیح حیثیت:

محققین نے فرمایا ہے کہ متکلمین کے مباحث عقلیہ بدعت ہیں۔ اور یہ واقعی صحیح ہے۔ کیونکہ سلف میں یہ مباحث نہ تھے۔ مگر اس عارض کے سبب، کہ فرق باطلہ کو ان ہی کے اصولِ مسلمہ پر جواب دینا پڑا، اس لیے یہ مباحث اختیار کیے گئے۔ تو اگر کوئی خود بدرجۂ بالذات ان کو مقصود سمجھے تو بدعت ہے۔ اور اگر اس عارض کے سبب ان مباحث میں مشغول ہو تو جائز ہے۔ [یہ اہم اصول ہے کہ جب تک عوام کی حفاظت کی ضرورت نہ ہو اس وقت تک کلامی تاویلات ومباحث کا ذکر کرنا خطرناک ہے۔ کتاب وسنت کے نصوص اور ان میں بیان کیے گئے حقائق کو ایسے ہی سادہ انداز میں بیان کرتے رہنا چاہیے]۔ اس سے امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب بھی معلوم

ہو گیا، کہ متکلم کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔یعنی ایسا متکلم جو مباحث کو مقصود بالذات سمجھے، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، کیونکہ وہ بدعتی ہے۔اور دوسری جہت سے [یعنی اگر دین پر اور قرآن و حدیث پر اعتراضات کو دفع کرنے یا عوام کے اطمینان کے لیے ان مباحث کو اختیار کرے تو] بدعتی نہیں۔

(جلد۱۴۔ص:۱۷۴۔۱۷۵)

عوام کی ضرورت کے وقت رعایت:

فرمایا کہ عوام کی رعایت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔چنانچہ حطیم کو کعبہ کے اندر داخل نہ فرمانے کی حکمت حدیث میں ارشاد ہے۔ **لولا قومک حدیث عهد بالجاهلية** ...... [کہ لوگ ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، کعبہ کے تعمیری نقشہ میں تبدیلی کہیں ان کے متنفر ہونے کا سبب نہ بن جائے]۔تو دیکھیے! آپ نے عام لوگوں کو تشویش میں پڑنے سے بچایا۔مگر جہاں اصل پر عمل کرنے کی ضرورت یا مصلحت قوی ہوتی ہے، وہاں عوام کی رعایت نہیں بھی کی جاتی، جیسے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تشویش سے بچانے سکے لیے پرہیز فرمایا تھا۔مگر حق تعالیٰ نے اس کی رعایت نہ فرمائی۔تو یہ سمجھنا بہت مشکل ہے، کہ کس جگہ عوام کی رعایت کرنا چاہیے اور کس جگہ نہ کرنا چاہیے۔یہ سمجھنا بڑے حکیم کا کام ہے۔

میری رائے میں تو جہاں رعایت کرنے میں دین کا کچھ نقصان ہو، وہاں عوام کی رعایت نہ ہونا چاہیے۔اور جہاں رعایت کرنے میں دین کا نقصان نہ ہو اور رعایت نہ کرنے میں تشویش ہو جائے، وہاں عوام کی رعایت کرے۔تو حطیم کے واقعہ میں کوئی دین کا نقصان نہ تھا۔اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں تبلیغ میں کوتاہی ہوتی تھی، کیونکہ وہ تبلیغ عملی تھی اور ضروری تھی۔البتہ اس کا تبلیغ ہونا قدرے خفی تھا۔اس لیے اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہن مبارک اس طرف نہیں گیا۔اس لیے آپ نے عوام کی رعایت کا خیال فرمایا۔اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے اس کا تبلیغ ہونا معلوم ہو گیا۔پھر آپ نے عوام کی پروا بھی نہیں کی۔

(جلد۱۴۔ص:۱۹۸۔۱۹۹)

حضرتؒ کی اپنے شیخ سے وفاداری:

فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات کے بعد میں نے حضرت پیرانی صاحبہ کی خدمت میں لکھا، کہ اپنے قیام کے متعلق جو رائے ہو اس سے مطلع فرمائیں، ہندوستان آنا چاہیں یا وہاں ہی رہنا چاہیں، تو اطلاع دے دیں، ویسا ہی انتظام کر دیا جاوے۔ خط کا یہ جواب آیا کہ عدت میں ایسی گفتگو مناسب نہیں۔ میں نے بعد عدت پھر عرض کیا تو اس دوسرے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں عورت ناقص العقل ہوں میری رائے کیا؟ مولانا رشید احمد صاحب اور تم جو رائے تجویز کرو، عمل کروں گی۔ میں نے مولانا سے رائے لی، تو فرمایا کہ کیوں بڈھی ہڈیوں کو پریشان کیا؟ وہیں رہنے دو۔ میں خرچ کے انتظام میں تھا کہ ایک رئیس نے تیس روپے ماہوار مقرر کر دیے۔ (جلد۱۴۔ص:۲۰۰۔۲۰۱)

واپسی ہدیہ کے وقت دو باتوں سے خوف:

فرمایا: میں جب کوئی ہدیہ واپس کرتا ہوں تو اس وقت دو باتوں سے بہت ڈر لگتا ہے، ایک ناشکری دوسرے کبر۔ نیز دل شکنی سے بھی بہت بچتا ہوں۔ مگر بعض عذر ہی ایسا قوی ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۲۰۱)

پردہ کے چند ضروری احکام:

وجہ و کفین جہاں ضرورت ہو، اور فتنے کا خوف نہ ہو، عورت کو کھولنا فی نفسہ جائز ہے۔ مگر زینت کے ساتھ یا خوف فتنہ کے وقت کشف درست نہیں۔ اسی طرح بجنے والے زیور میں تفصیل ہے۔ جس کے اندر باجا نہ ہو صرف لگ کر بجتا ہو، اس کا پہننا فی نفسہ درست ہے۔ لیکن زور سے پاؤں رکھنا درست نہیں۔ پس یہ ممنوع لغیرہ [یعنی جان کر ایسے چلنا کہ آواز ہونے لگے، منع] ہے۔ اور جس کے اندر خود باجا ہو وہ بالکل درست نہیں [جیسے گھنگرو]۔ آیت ”ولا یضربن بارجلهن“ (اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں) اور حدیث مذمت جرس دونوں کو ملانے سے یہ مجموع مطلب نکلتا ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۲۰۷)

سر سید قوم پر فدا تھے مگر عقائد خراب تھے:

سر سید مخلص تھے، چنانچہ غدر کے بعد کے واقعات ان کے خلوص کے شاہد ہی ہیں۔ ایک پادری نے وہابی کی اخبار میں وہ علامات لکھی تھیں جو سنن نبویہ ہیں۔ اور گورنمنٹ کو ان سے احتیاط کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ سر سید نے بڑے بڑے لوگوں کے جن کی وفاداری پر گورنمنٹ کو اطمینان تھا، دستخط سے ایک محضر نامہ لکھوایا کہ ہم سب وہابی ہیں۔ گورنمنٹ ہماری نگرانی کرے۔ حقیقت میں وہ قوم پر فدا تھے۔ اور اس باب میں مخلص تھے اور اخلاق میں یکتا۔ مگر عقائد خراب تھے۔ اخلاق اور چیز ہے اور عقائد اور چیز۔ عقائد مثل سر کے ہیں اور اخلاق مثل جوارح کے۔ عقائد پر نجات موقوف ہے اخلاق پر نہیں۔ (جلد ۱۴۔ص:۲۱۱)

شیخ کی مجلس کے آداب:

فرمایا: شیخ کی مجلس میں بیٹھ کر ذکر کرنا جائز ہے۔ مگر جب شیخ کلام کرے تو اس وقت ذکر کو مؤخر و ملتوی کر دینا اور کلام کو سننا چاہیے۔ خاموش ہو کر ادھر متوجہ رہے۔ (جلد ۱۴۔ص:۲۱۶)

مقابر پر دعا مانگنے کا طریق:

ایک سوال کے جواب میں فرمایا: بعد از ان ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا ضروری نہیں ہے، اختیاری ہے۔ اور مقابر میں بھی یہی حکم ہے، بشرطیکہ داعی کی ہیئت سے عوام کو شبہہ نہ ہو کہ یہ مردے سے کچھ مانگتے ہیں۔ میں نے تو اپنے دوستوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ دعا کے وقت قبر کی جانب پشت کر لیا کریں، تب ہاتھ اٹھا کر دعا کریں۔ یہ مسئلہ عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ کے باب سادس عشر کے شروع میں خزانۃ الفتاوی سے منقول ہے۔ (جلد ۱۴۔ص:۲۱۶)

دنداں شکن جواب:

فرمایا: عبدالرحیم نامی ایک شخص مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ہم سبق تھا۔ مگر دہری خیال کا تھا۔ ایک دن مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ داڑھی تو ایک مد زائد ہے فطری نہیں ہے۔ کیونکہ جب

بچہ پیدا ہوتا ہے تو داڑھی نہیں ہوتی۔ مولانا نے جواب دیا کہ دانت بھی تو فطری نہیں ہیں، کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو دانت نہیں ہوتے۔ ان کو بھی توڑ دینا چاہیے۔ یہ سن کر مولانا عبدالحی صاحبؒ نے فرمایا کہ واہ مولانا! کیا خوب "دنداں شکن" جواب دیا ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۲۱۷)

پوری تراویح کے بعد دعاء مانگنا ضروری نہیں:

فرمایا: ہر چار رکعت تراویح کے بعد یا پوری تراویح کے بعد دعا مانگنا ضروری نہیں۔ اگر ترک پر ملامت ہونے لگے تو بدعت سمجھی جاوے گی۔ ورنہ جس نماز کے بعد چاہے دعا مانگے اجازت ہے۔ (جلد۱۴۔ص:۲۱۷)

کثرت ذکر سے نسبت قوی ہو جاتی ہے:

ذکر سے نسبت کو ایسا رسوخ ہوتا ہے کہ کسی شے سے اتنا رسوخ نہیں ہوتا۔ اس لیے توجہ متعارف سے زیادہ نافع یہ ہے کہ ذکر کی کثرت کرے، کثرت ذکر سے نسبت قوی ہوتی ہے۔

(جلد۱۴۔ص:۲۱۸)

اصل مقصود جمعیت خاطر ہے:

بڑا مقصود جمعیت خاطر ہے۔ اگر اس میں فرق نہ آوے تو سفر بھی اچھا ہے۔ اس سے مفید تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سفر بہت کیا ہے اور بعض نبیوں نے کم کیا ہے۔ بعد نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حج اور غزوات کا سفر فرمایا ہے۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کہیں نہیں جاتے تھے۔ اگر کبھی گئے ہیں تو دیوبند یا رامپور یا گڈھی وغیرہ تک۔ میں نے بہت سفر کیا ہے، کلکتہ، رنگون، کراچی، لاہور، راندھیر، حیدرآباد وغیرہ۔ سفر سے مجھے کو یہ فائدہ ہوا کہ تجربہ بڑھا اور لوگوں کے کان میں کام کی باتیں پڑ گئیں۔ مگر اب خود خدائے تعالیٰ نے ایسا سامان [یعنی ضعف و پیری] مہیا کر دیا کہ سفر بند ہو گیا، خیر پاپ کٹا۔ مجھ کو سفر سے تشویش بھی بہت ہوتی تھی۔ اور مقصود ہے جمعیت خاطر، وہ تشویش سے فوت ہوتا تھا۔ (جلد۱۴۔ص:۲۲۸)

ضرورت شیخ کامل:

فرمایا: مرید کو چاہیے کہ پیر سے سب حال تفصیل سے بتلا دے۔ ورنہ اگر اصلاح میں کمی رہی جیسا کہ مفصل نہ بتلانے میں ممکن ہے تو پیر کا کیا نقصان ہوگا؟ طبیب کے پاس جاتے ہیں بعض اوقات زیادہ اظہار حال سے وہ روکتا بھی ہے، مگر تب بھی نہیں بند ہوتے، کہتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہاں پوچھے سے بھی نہیں بتلاتے۔ جہاں تک ہو بے تکلفی پیدا کرنا چاہیے۔ اور عادتاً محبت سے بے تکلفی پیدا ہو جاتی ہے۔ پیر اور مرید کے درمیان پردہ نہ چاہیے۔ اس سے دل رکتا ہے۔ اور دل کا رکنا فیوض کے پہنچنے میں سم قاتل ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے اپنے کل عیوب ظاہر کیے ہیں، تا کہ وہ علاج کر دیں۔ اپنی عقل پر اصلاح کا معاملہ نہیں چھوڑا۔ اگر عقل سے کام چلے تو پھر پیر ہی کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ تصوف کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ پڑھ کر خود اصلاح کر لیا کریں۔ مگر جیسے مطالعۂ کتب سے علاج جسمانی نہیں کر سکتے، اسی طرح روحانی بھی نہیں کر سکتے۔ (جلد ۱۴۔ص:۲۵۳)

رفع پریشانی کی تدبیر:

فرمایا: ایک صاحب نے تحریر کیا ہے کہ میرا لڑکا آوارہ ہو گیا ہے۔ مجھ کو اس کی بہت پریشانی ہے۔ کیا تدبیر کروں؟ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ تدبیر تو کرو۔ مگر اس پر نتیجہ مرتب ہونے کا انتظار نہ کرو۔ رفع پریشانی کی تدبیر بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے۔ کہ تدبیر تو کرتا رہے مگر نتیجے کی فکر چھوڑ دے۔ یہ جواب نصوص کے موافق ہے۔ کوئی مجیب آزاد مشرب ہوتا تو لکھتا کہ تدبیر ہی چھوڑ دو۔ مگر یہ حق شفقت کے خلاف ہے۔ باقی فکرِ ثمرہ سو بات یہ ہے کہ اگر محبوب [یعنی اللہ تعالیٰ] سے دل لگ جاوے تو ایسی سب فکریں آپ سے آپ چھوٹ جاویں۔ (جلد ۱۴۔ص:۲۶۵)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ۱۵

مزید المجید، خیر الافادات، فیوض الرحمٰن، ملفوظات اطہر

کسی بزرگ کے ادب سے صف اول سے پیچھے ہٹ جانا کیسا ہے؟

ارشاد فرمایا: علماء ظاہر نے کہا ہے کہ اگر کوئی صف اول میں کھڑا ہو تو ایسے نہ کرے کہ خود پیچھے آجائے اور اپنے شیخ [یا کسی دینی طور پر محترم شخصیت] کو آگے کر دے۔ کیونکہ اس میں اعراض عن الحسنہ [یعنی نیکی سے روگردانی] معلوم ہوتا ہے۔ اور جو جامع بین الظاہر والباطن ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیچھے ہٹ آنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ مقصود تو ہے قرب خدا، وہ دونوں صورت میں حاصل ہے۔ صف اول میں رہنا بھی قرب ہے، اور بزرگوں کا ادب بھی قرب ہے۔ اس نے ایک قرب پر دوسرے قرب کو اختیار کیا۔ اعراض کہاں ہوا؟ (جلد ۱۵۔ص:۲۷)

قبولیت کے وقت صحبتِ نیک کی دعا کروں گا:

ہم جب تک صلحاء کے مجمع میں ہیں ہم بھی صالح ہیں۔ اور جہاں اس دائرہ سے نکلے سب غائب۔ پھر تو بسا اوقات ایمان بچانا بھی مشکل ہوتا ہے۔ مولانا مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مجمع میں ایک دن ساعتِ جمعہ کا [جس کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے] تذکرہ تھا۔ آپس میں کہہ رہے تھے اگر وہ ساعت مقبولہ مل جاوے تو کیا کریں گے؟ کا ہے کی دعا

کریں گے؟ کسی نے کہا ہم سلامتی ایمان کی دعا کریں گے۔ اسی طرح کوئی کچھ کہہ رہا تھا۔ مرزا صاحب نے فرمایا: اگر وہ ساعت مجھے مل جائے تو صحبتِ نیک کی دعا کروں گا۔ واقعی بڑی بات ہے۔ سلامتیِ ایمان اور علم دین، عمل صالح وغیرہ سب چیز اسی صحبت ہی کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ یہ واقعی بڑی چیز ہے کہ اگر خدا کسی کو نصیب کرے۔ (جلد ۱۵۔ص:۳۰)

شیخ کے تکدر کا انجام:

شیخ کے تکدر سے فیوض بالکل منقطع ہو جاتے ہیں خواہ شیخ کسی کام کا نہ ہو۔ (جلد ۱۵۔ص:۳۱)

کسی کافر سے اپنے کو مآلاً اچھا نہ سمجھے:

فرمایا: کافر سے اپنے کو حالاً تو اچھا سمجھے، مگر مآلاً یہ خیال رکھے کہ ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ اچھا اور میرا برا ہو۔ یہی کافی ہے کبر کے علاج کے لیے۔ (جلد ۱۵۔ص:۳۳)

عالم کے لیے اپنے کو جاہل سے چھوٹا سمجھنے کا طریقہ:

فرمایا: عالم فاضل کے لیے اپنے کو جاہل سے چھوٹا سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ خیال کرے کہ شاید اس کا کوئی عمل خلوص کی وجہ سے ایسا ہو کہ ہمارے علم وعمل سب سے بڑھا ہوا ہو۔ اور میرا مؤاخذہ ہو جائے۔ یہ تو نہ سمجھے کہ وہ عالم ہے اور میں جاہل ہوں۔ عالم تو نہیں ہے، مگر یہ معلوم نہیں کہ عنداللہ کون مقبول ہے کون نہیں۔ (جلد ۱۵۔ص:۳۳)

ہر دل عزیز ہونے کی فکر مخلوق پرستی ہے:

ہر دل عزیز کو بڑی پریشانی ہوتی ہوگی، کیونکہ طبائع مختلف ہیں مذاق جدا ہے، سب کو کیسے راضی کریں؟ مگر بعض لوگ بڑے پالیسی کے ہوتے ہیں۔ وہ سب کو راضی کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ ہر وقت اِسی دُھن میں رہتے ہوں گے کہ کیسے سب راضی رہیں۔ بڑی پریشانی ہوگی۔ مگر میرے نزدیک تو یہ شرک ہے، مخلوق پرستی ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۳۶)

بالغ آدمی کے ختنہ کا حکم:

ارشاد فرمایا: ختنۂ بالغ کے متعلق حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ کی رائے کرنے کی ہے۔

انہوں نے قیاس کیا تداوی [علاج] پر، کہ وہاں کشف عورت جائز ہے۔ حالانکہ تداوی مباح ہے۔ اور ختنہ سنت ہے، تو وہاں بھی جائز ہے۔ مگر مجھے اس میں ایک شبہہ ہے۔ وہ یہ کہ گو فی نفسہ مباح ہے مگر جو کرتا ہے وہ ضروری سمجھ کر علاج کرتا ہے۔ [عاجز یحییٰ نعمانی عرض کرتا ہے کہ علماء کے لیے بہت قابل غور مسئلہ ہے۔] (جلد ۱۵۔ص:۴۴)

حکیم الامتؒ کی حضرت گنگوہیؒ سے عشق کے درجے کی محبت:

حضرت مولانا گنگوہیؒ سے اتنی محبت تھی جس کو عشق کا درجہ کہا جائے۔ اور چند مسئلے میں اختلاف رہا۔ بعض مسائل تو ایسے ہیں خواہ کسی جانب اختیار کرے خروج عن المذہب نہیں ہوتا۔ اور بعض مسائل ایسے ہیں جس سے خروج لازم آتا ہے، اس میں بھی اختلاف رہا۔ میں چند روز فاتحہ خلف الامام پڑھتا تھا، اور مولانا کو اطلاع کر دی تھی۔ میں اپنے بزرگوں کو دھوکہ نہیں دیتا تھا۔ تلبیس بری چیز ہے۔ میں نے حضرت مولاناؒ کو اس کی اطلاع بھی کر دی۔ پھر حدیثوں میں غور کرنے سے رائے بدل گئی۔ [اور فاتحہ خلف الامام ترک کر دی] اس کی بھی اطلاع کر دی۔ اس پر بھی کوئی سرور ظاہر نہیں فرمایا۔ (جلد ۱۵۔ص:۵۱۔۵۲)

طریق سے مناسبت:

فرمایا: فہیم آدمی کے لیے چار پانچ ماہ یا حسب استعداد کم وبیش سے طریق سے مناسبت ہو جاتی ہے۔ اور کم فہیم کو سالہا سال میں مناسبت نہیں ہوتی ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۵۸)

”ہم نے کیا گناہ کیا“ ایسا نہ کہنا چاہیے:

فرمایا: بعض بعض محاورہ ہے جیسے نہ معلوم ہم نے کیا گناہ کیا [کہ اس مصیبت میں گرفتار ہو گئے]؟ یہ میرے اوپر بندوق جیسا لگتا ہے۔ تعجب تو اس کا ہونا چاہیے کہ بچ کیسے گئے؟ ہر وقت گناہ ہوتا ہے۔ مؤاخذہ ہر وقت ہونا چاہیے، گناہ ہر وقت ہوتا ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۶۵)

مولوی رحمت اللہ صاحب کا حضرت حاجی صاحبؒ کا انکار کرنا:

مولوی رحمت اللہ صاحب بہت خشک تھے۔ حاجی صاحب امام العارفین کے بھی منکر تھے۔

پہلے منکرانہ گفتگو ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کہا تم تو اپنے کو جنید بغدادی سمجھتے ہو۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تم اپنے کو بوعلی سینا سمجھتے ہو۔ اور اس کی نہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے نہ میرے پاس۔ اور ایک دفع کہا تسبیح سے کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: سارے مساجد گرا کر مدارس بنادو۔ اور جوش میں فرمایا: تسبیح کا یہ اثر ہے کہ تم جیسے سیکڑوں میرے قدموں پر گرے۔ اور مجھ جیسا کوئی بھی تمہارے پاس گیا؟

پھر حاجی صاحبؒ کو ندامت ہوئی کہ ایک عالم کا مقابلہ کیا۔ [اُدھر] حاجی صاحبؒ کی ندامت کے اثر سے، مولوی رحمت اللہ صاحب ساری رات بے چین رہے۔ نیند نہ آئی۔ صبح کو آ کر معافی مانگی۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا چونکہ عالم تھے اس لیے بدایت [یعنی پہلے معذرت کرنے] کی فضیلت انہی کو نصیب ہوئی۔ دیکھیے! اس بات کو کس طرح نبھایا؟ اور کوئی ہوتا کہتا: دیکھا ہماری بزرگی؟ (جلد ۱۵۔ص:۷۲)

ولایت خاصہ کے لیے کثرت ذکر اور دوام طاعت لازم ہیں:

ارشاد فرمایا: ولایت خاصہ کے لیے دو چیزیں لازم ہیں۔ کثرت ذکر اور دوام طاعت۔ ...... جب معصیت ہوگی اس وقت ولایت خاصہ نہ رہے گی۔ مگر بعد توبہ پھر لوٹ آئے گی۔ اور کبھی بعد التوبہ کی حالت قبل المعصیت کی حالت سے بڑھ جاتی ہے۔ سوال پر فرمایا: صغیرہ سے بھی نسبت زائل ہو سکتی ہے۔ ہو جاتی ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۸۱)

نوکری کے لیے وظیفہ:

ارشاد فرمایا: نوکری کے لیے ''یا لطیف'' بعد عشاء گیارہ سو مرتبہ اول آخر درود شریف، یہ بزرگوں سے پہنچا ہے۔ باقی عامل تو ہوں نہیں، [پوچھنے والے کی] دلجوئی کے لیے کہہ دیا۔

(جلد ۱۵۔ص:۸۳)

توجہ کا مدار طلب پر ہے:

فرمایا: (شیخ) کی توجہ تو ہوتی ہے طلب سے، کمالات سے توجہ نہیں ہوتی ہے۔ طلب اگر ہو اور کمال ایک بھی نہ ہو، زیادہ توجہ ہوتی ہے اس سے کہ کمالات تو ہوں، مگر طلب نہ ہو۔ (جلد ۱۵۔ص:۸۴)

حضرت گنگوہیؒ کے مجازین کی شان:

حضرت گنگوہیؒ کے متعلقین میں عجیب شان ہے، گویا اول ہی ملاقات میں کامل کردیتے ہیں۔ بڑے اصحاب خلوص اور فہیم ہوتے ہیں۔[یہ حضرت تھانویؒ کے خلوص وصدق اور محبت کی کیسی بلند نشانی ہے!] (جلد۱۵۔ص:۸۴)

مردہ سے دعا کی بار بار درخواست؟

اگر بار بار مردہ بزرگ سے کہا جائے کہ دعا کیجیے؟ اولاً تو یہ ثابت نہیں کہ اس کی فرمائش کی دعا، وہ بزرگ کبھی کرتے ہیں۔ فضول اضاعت وقت ہے۔ اور دوسری خرابی یہ ہے کہ ایسے بار بار کرنے سے فساد عقیدہ کی نوبت آجاتی ہے۔ جو عقیدہ عوام کا ہے وہی ہوجاتا ہے۔ (جلد۱۵۔ص:۸۵)

اہل باطل کے ساتھ کلام کرنے سے حال بدل جاتا ہے:

اہل باطل کے ساتھ کلام کرنے سے کیفیت اور حال بدل جاتا ہے۔ پہلے جیسا رسوخ نہیں رہتا۔[یعنی کسی سالک کو دل کی صفائی وطمأنینت، جمعیت خاطر اور توجہ الی اللہ کی جو کیفیت نصیب ہوتی ہے اہل باطل سے مناظرہ ومباحثہ میں وہ جاتی رہتی ہے، ہاں نصیحت یا توضیح حق سے یہ بات نہیں ہوتی]۔ لہٰذا مناظرہ سے بہت بچنا چاہیے۔[یہی وجہ ہے کہ] حدیث میں ہے دجال سے الگ رہنا چاہیے۔ (جلد۱۵۔ص:۸۵)

احیاء العلوم کے مطالعہ سے منع کرنے کی وجہ:

ارشاد فرمایا: امام غزالیؒ پر ہیبت عمر بھر غالب رہی، اس لیے احیاء العلوم سے منع کرتا ہوں۔ خاص کر ''کتاب الخوف''۔ مومن ہونے میں شبہہ ہوتا ہے۔ (جلد۱۵۔ص:۹۲)

اہل اللہ کے ساتھ گستاخی پر پکڑ ہو ہی جاتی ہے:

ارشاد فرمایا: عادت اللہ کی یوں ہی ہے۔ اپنے ساتھ گستاخی کو تو درگزر فرماتے ہیں۔ مگر اپنے مقبول بندوں کے ساتھ گستاخی کرنے سے درگزر نہیں کرتے ہیں۔ (جلد۱۵۔ص:۹۳)

رخصت کے وقت بھی مصافحہ درست ہے:

فرمایا: مصافحہ متمّمِ تحیّات [سلام کی تکمیل] ہے۔ "ان من تمام تحیاتکم **المصافحة**" اور جاتے وقت بھی تحیّات [یعنی سلام مشروع] ہے۔ تو متمّم [یعنی مصافحہ] بھی ہے۔ اور ہمارے بزرگوں کا عمل رہا ہے۔ (جلد ۱۵۔ ص: ۹۳)

تذکیر الاخوان:

تذکیر الاخوان مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تصنیف نہیں ہے۔ وہ کسی غیر مقلد کا ہے۔ (ص: ۱۰۲)

نور تدین کی مثال:

واللہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر خدا کی محبت کا ایک قطرہ نصیب ہو جائے تو ساری دنیا تلخ اور زہر معلوم ہونے لگے۔ اور یہی اصل ہے تدین کی۔ (جلد ۱۵۔ ص: ۱۰۸)

عشق مجازی میں مبتلا شخص کا علاج:

ایک شخص جو عشق مجازی میں مبتلا تھے، حضرت والا کے پاس ان کا خط آیا کہ ایک بیوہ عورت سے میرا دل مل گیا ہے۔ بہت کوشش کرتا ہوں کہ اس کے جھانکنے تاکنے سے باز آؤں۔ مگر ہمت نہیں ہوتی کہ اس سے نجات پاؤں۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ اس خط کو لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ وہ صاحب ۱۲/ رجب کو عصر کے بعد حاضر ہوئے۔ حضرت والا نے خط دیکھ کر فرمایا کہ اگر اس عورت کا خاوند ہوتا اور وہ آپ کو دیکھتا، تو تب بھی آپ کی نظر رکتی یا نہیں؟ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ جی رک جاتی۔ فرمایا: افسوس! حق تعالیٰ کی آپ کی نظر میں اتنی عظمت بھی نہیں جتنی اس کے خاوند کی ہوتی۔ ڈوب مرنے کی بات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہاں جوتے کا ڈر تھا۔ کیا دوزخ کا عذاب جوتے سے بھی کم ہے؟ اور دوزخ کی مصیبت سے کیا [نہ دیکھنے کی] ہمت کی مشقت زیادہ ہے؟ اگر ہمت نہیں ہوتی تو میرے سامنے سے جاؤ، ڈوب مرو۔ مجھ سے کچھ مطلب نہیں۔ اس خیال سے آئے ہوں گے، کہ کوئی وظیفہ بتلا دے گا۔ وظیفوں سے کہیں امراض جایا کرتے ہیں؟ جاہل پیروں نے لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔

ہر کام کے واسطے ان کے ہاں وظیفہ ہی وظیفہ ہے۔ وظیفہ تو منزلہ معجون مقوّی کے ہوتا ہے، وہ تو قوت پیدا کرنے کی چیز ہے۔ اس سے مرض تھوڑا ہی جاتا ہے۔ بلکہ مرض کی حالت میں کھالی جاوے، تو بعض اوقات [مرض میں] اور ترقی ہو جاتی ہے۔ مرض تو کڑوی کڑوی دوائیں اور مسہل پینے ہی سے جاتا ہے ہم تو جب جانیں کہ مسہل اور دواؤں سے ہمت ہار کر بیٹھ جاویں۔ (جلد ۱۵۔ص: ۱۱۳)

خلوت مع اللہ کی ضرورت:

ایسا وقت ہر شخص کے لیے چاہے تھوڑا ہو، ضروری ہے، کسی وقت خلوت میں رہے [یعنی یکسو ہو کر اللہ کی طرف متوجہ اور دعا و مناجات اور ذکر و استغفار میں مشغول ہو]۔ حتیٰ کہ سرور عالم ﷺ خود پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ابتداءً غار میں جا کر رہا کرتے تھے، [پھر حکم ہوا کہ رات میں تہجد میں طویل اشتغال رکھیں، اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ ہر وقت ذکر کرتے تھے]۔ پھر بھی حق تعالیٰ حکم فرماتے ہیں "فإذا فرغت فانصب والی ربک فارغب" [جب تم کو فراغت ملے تو (عبادت میں) اپنے کو تھکاؤ]۔ (جلد ۱۵۔ص: ۱۳۱)

امر بالمعروف کی ایک ضروری شرط:

یہاں پر ایک شخص نے دوسرے شخص کو امر بالمعروف کیا۔ اور مجھے شبہ ہوا۔ ان سے دریافت کیا کہ آپ نے فلاں شخص کو امر بالمعروف کیا ہے۔ ان صاحب نے کہا کہ جی ہاں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ مسجد میں کھڑے ہیں، اللہ کا نام لیتے ہیں، اگر جھوٹ کہو گے تو دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائیں گے۔ اب بتلائیے کہ جس وقت آپ نے امر بالمعروف کیا تھا آپ اُن سے اپنے کو اچھا سمجھتے تھے یا نہیں؟ انہوں نے اقرار کیا کہ بے شک یہ بات تو تھی میرے اندر۔ فرمایا: یہ تو ہدایت نہیں ہے۔ یہ تو گمراہی ہے۔ اور گمراہی بھی کیسی؟ بلکہ شرک ہے [کہ اپنے کو استقلالاً آمر ونا ہی سمجھا]۔ پھر اب کیا ہونا چاہیے۔ کہا: جو آپ فرما دیں۔ میں نے کہا کہ تمام نمازیوں کے جوتے سیدھے کیا کیجیے۔ اور سب کو لوٹا بھر بھر کر دیا کیجیے۔ اور چونکہ یہ مرض پیدا ہوا ہے ذکر و شغل سے، بالکل ذکر و شغل چھوڑ دیجیے۔

مگر مجھے پھر اللہ کے نام کا ادب غالب ہوا۔ میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ، اُس صورت سے جیسے ذاکر کیا کرتے ہیں، نہ کیا کیجیے۔ بلکہ یونہی چلتے پھرتے کرلیا کیجیے۔ چاہے اس سے زیادہ کرلیا کیجیے۔ اِس عمل کے کرنے سے ان کو اِس قدر فائدہ ہوا کہ وہ خود اقرار کرتے تھے کہ مجھے دس سال میں بھی اتنا نفع نہ ہوتا۔ (جلد۱۵۔ص:۱۳۴۔۱۳۵)

میں خود بھی اپنے علم کا قائل نہیں:

میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں خود بھی اپنے علم کا قائل نہیں۔ یہاں تک کہ جب کوئی طالب علم آجاتا ہے تو واللہ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میری قلعی نہ کھل جائے۔ ایک شخص نے کہا کہ وہ تو خود اس سے خوش ہوتے ہیں کہ کوئی ان کو مولوی نہ کہے۔ اور وہ ایسا [حاسد و معاند] شخص ہے کہ جب اس کو معلوم ہو جائے کہ ایک مرید کم ہو گیا تو خوش ہوتا ہے۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ دو کم ہو گئے تو زیادہ۔ اور فرمایا کہ میرا یہ کبھی قصد نہیں ہوتا کہ اپنے مقابل کو گفتگو میں مغلوب کردوں، یا وہ میری موافقت کرے۔ بلکہ یہ قصد ہوتا ہے کہ خدا کرے یہ بھی سمجھیں، اور میں بھی سمجھوں اور حق بات معلوم ہو جائے۔ (جلد۱۵۔ص:۱۴۴)

متقی صاحب عقل ہوتا ہے:

فرمایا کہ آپ اب اس کا تجربہ کرلیں۔ دو عالموں کے پاس جائیے ایک ان میں متدین اور متقی ہے اور ایک فقط عالم ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ متقی کو عاقل اور فہیم پائیں گے۔ اور غیر متقی کو نہایت خشک اور کورا۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک شخص ان پڑھ اور متقی ہو اور دوسرا فقط عالم۔ آپ اس ان پڑھ میں جو فہم دیکھیں گے وہ اس عالم میں ہرگز نہ ہوگی۔ (جلد۱۵۔ص:۱۶۱)

ہماری عبادات کا حال:

فرمایا: ایک شخص مجھے پنکھا جھل رہا تھا اور کبھی میرے سر میں مار دیتا تھا اور کبھی منھ پر۔ میں نے دل شکنی کی وجہ سے کچھ نہیں کہا۔ وہ تو اپنے دل میں خوش ہوتے ہوں گے کہ ہم نے خوب خدمت کی۔ مگر کوئی میرے دل سے پوچھے کہ ایک گھنٹہ مجھ پر کیا مصیبت گذری۔ الحمد اللہ کہ میرے قلب

میں گزرا کہ یہی حالت ہے ہماری عبادتوں کی، کہ ہم تو خوش ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں۔ مگر واقع میں ایسی عبادات سزا کے لائق ہیں اور منھ پر مار دینے کے قابل ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو ضعیف سمجھ کر قبول فرما لیتے ہیں۔ (جلد ۱۵۔ص:۱۶۴۔۱۶۵)

بے ادبی کرنے والے کا ضرر:

فرمایا: ایک مولوی صاحب کا خط آیا ہے۔ انہوں نے ٹانڈہ بلانے کی درخواست کی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ میرے پاس بھی ان کا خط آیا ہے۔ لکھا ہے کہ اگر کوئی بے ادبی ہوگئی ہو اور اس کی وجہ سے مولانا ناراض ہو جائیں تو راضی کر دینا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں تو ادب اور بے ادبی کا سلسلہ ہی نہیں۔ ہاں! یہاں تو وہ بے ادبی سمجھی جاتی ہے جس میں بے ادبی کرنے والے کا ضرر ہوتا ہے۔ اور جس میں اس کا ضرر نہیں ہوتا، میں اس کی کبھی پرواہ بھی نہیں کرتا۔ (جلد ۱۵۔ص:۱۶۷)

اوراد سے زیادہ امراض سے نفع:

ایک صاحب کا خط آیا ہے، وہ بے چارے بیمار ہیں۔ لکھا ہے کہ بیماری کی وجہ سے وظائف و اوراد بالکل نہیں ہوتے، بہت قلق ہے۔ فرمایا میں نے جواب لکھا ہے کہ بعض مرتبہ امراض سے وہ نفع ہوتا ہے جو اوراد سے نہیں ہوتا۔ اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس طریق کا اصول یہ ہے کہ پریشان کی تسلی کی جائے۔ اور جو شخص بے فکر ہو اس میں فکر پیدا کی جائے۔ آج کل چونکہ لوگ فن سے واقف نہیں ہیں، اس لیے ان باتوں کی قدر نہیں کرتے۔ اور مجھے تو پریشان کی حالت پر اس قدر رحم آتا ہے کہ خود پریشان ہو جاتا ہوں۔ اور جیسے اپنی پریشانی بری معلوم ہوتی ہے ایسے ہی دوسروں کی پریشانی بری معلوم ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو کبھی پریشانی نہیں ہوئی وہ دوسروں کی پریشانی کی کیا قدر کریں گے۔ (جلد ۱۵۔ص:۱۶۸)

اپنے معتقَد کی توجہ سے نفع ہوتا ہے:

نماز جمعہ کے بعد حضرت والا نے فرمایا: گو میں بیکار ہوں، یعنی کچھ بھی نہیں ہوں۔ لیکن جس سے اعتقاد ہو جائے، عادۃ اللہ اس طرح ہے کہ اس کی توجہ سے فائدہ و نفع ہوتا ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۱۹۱)

شہرت کی طلب خطرناک ہے:

جہاں تک ہوسکے شہرت سے بچو۔لیکن یہ اس شہرت کے لیے ہے جو اپنے اختیار اور قصد سے ہو۔باقی غیر اختیاری شہرت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔اور یہ مضر بھی نہیں۔اس لیے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔[ثم یوضع لہ القبول فی الأرض] اس میں خاص حکمتیں ہوتی ہیں۔گمنامی بڑی عافیت کی چیز ہے۔سو جہاں تک ہوسکے شہرت سے بچنے کی تدابیر کرتا رہے۔

(جلد۱۵۔ص:۱۹۴)

واصل الی المقصود بننے کا طریق:

فرمایا: گو مجھ سے کوئی بیعت نہ ہو لیکن عقیدت کے ساتھ میری کتابیں لے کر کونے میں بیٹھ جائے، ان شاءاللہ واصل الی المقصود ہو جائے گا۔ (جلد۱۵۔ص:۱۹۹)

نماز کے اندر غیر عربی میں دعاء کا حکم:

فرمایا: نماز کے اندر اگر غیر عربی میں دعا مانگی جائے، تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔مکروہ ضرور ہے۔ اگر غلبۂ حال سے [نکل گئی] ہو تو مکروہ بھی نہیں۔ (جلد۱۵۔ص:۲۱۲)

امام رازیؒ اور متکلمین کا ایک غیر مسلمہ اصول:

فرمایا کہ امام رازیؒ اس بات کو جو عقل کے خلاف ہو بالکل نفی کر دیتے ہیں، اور ایسی روایت کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔دیکھیں کہ فلاں حدیث بخاری میں موجود ہے، لیکن امام رازیؒ نے اس کا بالکل انکار کر دیا۔اگر چہ رازی بھی ہمارے قبلہ وکعبہ اور بزرگ ہیں، لیکن امام بخاری کے سامنے رازی کو احادیث میں فوقیت حاصل نہیں ہے۔ہم دونوں کا احترام کرتے ہیں۔جو بات رازی کی سمجھ میں نہ آئے اور روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہو، رازی وہاں راویوں کی تکذیب [یعنی تغلیط] کر دیتے ہیں۔ان کا یہ اصول مسلم نہیں۔

(جلد۱۵۔ص:۲۱۴۔۲۱۵)

چندہ سے متعلق حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد:

فرمایا کہ مولوی مبارک علی صاحب نے اپنے مدرسہ اور مسجد کے چندہ کے سلسلہ میں مولانا مولوی محمود الحسن صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ چندہ کے بغیر کام چلتا نہیں۔ اور چندہ مانگنے سے ذلیل سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا دیوبندیؒ نے ارشاد فرمایا کہ امیروں سے مت مانگو، غریبوں سے مانگو۔ حضرت مولانا دیوبندیؒ کا یہ جواب مجھ کو بہت پسند آیا۔ اتنی بات ہے کہ امراء کے عطیہ کی تحقیر کبھی نہیں کرنا چاہیے۔ شاید کہ خلوص سے دیتے ہوں۔ بعض قصداً امیروں کی تحقیر کرتے ہیں۔ یہ ان کا تکبر ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۱۹)

فرمایا: اپنے بزرگوں کا یہ طرز دیکھا کہ امراء سے نا اعراض ہو اور نہ لپٹنا ہو، کیوں کہ اعراض میں تکبر پایا جاتا ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۲۳)

قضا نمازوں کی ادائیگی میں جلدی کرے:

اگر کئی مہینے یا کئی برس کی نمازیں قضا ہوں تو ان کی قضا میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرے۔ ایک ایک وقت میں دو دو چار نمازیں پڑھ لیا کرے۔ قضاء پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ جس وقت فرصت ہو، وضو کر کے پڑھ لے۔ البتہ مکروہ وقت نہ ہو۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۳۲)

شیخ سے مستغنی نہ ہونے کا مطلب:

شیخ سے [کبھی] مستغنی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ تعلیم کی احتیاج رہتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تعلق کی احتیاج رہتی ہے۔ یعنی اس سے اعراض اور مماثلت یا افضلیت کا دعویٰ قاطع طریق ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۳۴)

مروت میں اپنا دینی ضرر نہ کیا جائے:

مہمانوں اور ملنے والوں کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر اگر دیکھا جائے کہ اب غیر ضروری باتیں ہونے لگی ہیں، خواہ بدون حیلہ کے، خواہ کسی حیلہ سے اٹھ جانا چاہئے۔ پھر اگر وہ مقیم رہیں، تو کسی دوسرے جلسہ میں ایسا ہی کرنا چاہئے۔ مروت میں اپنا دینی ضرر گوارا نہ کرنا چاہیے۔ بس شدہ شدہ

اسی طرح عادت ہو جائے گی۔ آپ کے نفس کو بھی اور اضیاف کو بھی۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۳۵)

جمعیت قلب کے اہتمام کی ضرورت:

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی زبان پر یہ لفظ بہت آیا کرتا تھا کہ جمعیت قلب کا اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت کو ہر بات میں اس کا بہت اہتمام رہتا تھا کہ قلب کی جمعیت فوت نہ ہو۔ اسی لیے حضرت کو تعلقات سے بہت نفرت تھی۔ اور صوفیہ کے اقوال واحوال میں بھی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ پیدا ہونے کے لیے جمعیت قلب بہت ہی ضروری ہے۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۳۵)

حصول محبت الٰہی کا طریقہ:

فرمایا: اس نیت سے عمل کرو کہ اے اللہ! آپ کی محبت پیدا ہو جائے۔ پھر دیکھو ان شاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اللہ کا نام لو، جی لگا کر۔ یعنی تھوڑا تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو۔ تیسری بات یہ ہے اور یہ بہت ہی ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۳۷)

علماء کو نصیحت:

فرمایا: علماء میں دو چیزیں بالکل نہ ہوں۔ ایک کبر اور ایک طمع۔ اس کی وجہ سے بڑی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۳۸)

طریق کا حاصل:

فرمایا: اس طریق کا حاصل نفس کا تزکیہ ہے۔ اور جس چیز سے تزکیہ کیا جاتا ہے وہ دو چیزیں ہیں۔ شہوت اور کبر۔ اور ان کا علاج کامل کی صحبت ہے کیونکہ وہ اس راہ سے گزر چکا ہے۔

(جلد ۱۵۔ص:۲۳۸)

رضا وعبدیت کے قصد کی ضرورت:

افضل طریقہ یہ ہے کہ تم عبدیت اختیار کرو۔ اور تقدم وفضیلت کا وسوسہ بھی دل میں نہ لاؤ۔ بلکہ اپنے کو سب سے کمتر وبدتر سمجھو۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ طلب جاہ عند الخلق تو مذموم ہے ہی۔ طلب جاہ عند الخالق بھی مذموم ہے۔ یعنی اس کی بھی طلب نہ کرو کہ تم خدا کے نزدیک

سب سے افضل بن جاؤ۔ بلکہ محض رضاو عبدیت کا قصد کرو۔ [یعنی یہ نیت ہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ بننا اور اس کے سامنے سر افگندگی آ جائے۔ اللہ میاں راضی ہو جائیں، اور جنت میں اچھا مقام عطا فرمائیں۔ لیکن اللہ کی نگاہ میں بھی دوسروں سے افضل بننے کی نیت مذموم ہے۔ یہ بھی کبر کی شاخ ہے۔ یہ نکتہ حضرت حاجی صاحب کے اعلیٰ معارف میں سے ہے۔] (جلد ۱۵۔ص: ۲۴۰۔۲۴۱)

ادب ظاہری و باطنی:

طالب طریق تصوف کو چاہیے کہ ادب ظاہری و باطنی کو نگاہ میں رکھے۔ ادب ظاہر یہ ہے کہ خلق کے ساتھ بحسن ادب و کمال تواضع و اخلاق پیش آئے۔ اور ادب باطنی یہ ہے کہ تمام اوقات واحوال و مقامات میں با حق سبحانہ رہے۔ [یعنی یہ استحضار رہے کہ میں اللہ تعالیٰ شانہ کے سامنے ہوں، اور خشوع کا حال دل میں رہے] ۔ حسن ادبِ ظاہر ادب باطن کا سرنامہ ہے۔ اور حسن ادب ترجمان عقل ہے۔...... دیکھو حق تعالیٰ اہل ادب کی بزرگی کی مدح فرماتے ہیں۔ "ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ أولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرة واجر عظیم" (بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لیے خاص کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے) جو کوئی کہ ادب سے محروم ہے، وہ تمام خیرات و مبرات سے محروم ہے۔ اور جو کہ محروم از ادب ہے وہ قرب حق سے بھی محروم ہے۔ (جلد ۱۵۔ص: ۲۴۱۔۲۴۲)

دو چیزیں طالب کے لیے راہزن ہیں:

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں، سب سن لیں۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس طریق میں دو چیزیں طالب کے لیے راہزن اور سم قاتل ہیں۔ ایک تاویل اپنی غلطی کی۔ اور دوسرے اپنے معلم پر اعتراض۔ (جلد ۱۵۔ص: ۲۴۲)

گستاخی بڑی خطرناک چیز ہے:

فرمایا کہ شیخ کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے والا برکات باطنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے

عرض کیا کہ شیخ کے ساتھ جو نسبت ہے کیا وہ بھی قطع ہو جاتی ہے؟ فرمایا: ہاں شیخ کے ساتھ جو نسبت ہے وہ بھی قطع ہو جاتی ہے۔ گستاخی بڑی خطرناک چیز ہے۔ گو معصیت نہیں ہے۔ مگر خاص اثر اس کا معصیت سے بھی زیادہ ہے۔ اس طریق میں سب کوتاہیوں کا تحمل ہو جاتا ہے۔ مگر اعتراض و گستاخی کا نہیں ہوتا......

ادب وہ چیز ہے کہ ایک شخص حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے زمانہ میں تھا وہ انتقال کر گیا۔ کسی نے اس کو خواب میں دیکھا۔ تو پوچھا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت صرف ایک ایسے عمل پر فرمادی جس کو میں بہت ہی معمولی سمجھتا تھا۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ میں نہر پر وضو کر رہا تھا۔ کہ حضرت احمد بن حنبلؒ آئے اور میری پائیں میں وضو کرنے بیٹھ گئے۔ اس طرح کہ میرے سامنے کا پانی ان کی طرف سے گزرتا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ میرا مستعمل پانی ان کے استعمال میں نہ آنا چاہیے۔ یہ بے ادبی ہے۔ لہٰذا میں وہاں سے اٹھ کر ان کے پائیں میں جا بیٹھا۔ بس اسی عمل پر میری مغفرت ہوگئی۔ کہ ہمارے مقبول بندہ کا ادب کیا۔ تو دیکھئے اتنی قدر ہے وہاں ادب کی۔ یہ بھی کوئی بڑا بھاری کام تھا۔ لیکن چونکہ اس میں ادب تھا اس لیے اس قدر مقبول ہوا۔ (جلد ۱۵۔ ص: ۲۴۲۔۲۴۳)

اعتقاد میں سب کے ساتھ نیک گمان رکھے:

فرمایا کہ اعتقاد تو سب کے ساتھ نیک رکھے۔ لیکن معاملہ سب کے ساتھ احتیاط کا رکھے۔ اعتقاد [وخیال] میں بدگمان نہ ہو، معاملہ میں بدگمان ہو۔ مثلاً بلا اطمینانِ کامل کے قرض نہ دے۔ محرم راز نہ بنائے۔ کوئی خدمت سپرد نہ کرے۔ معاملہ تو ایسا کرے۔ باقی اعتقاد یہی رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ اور یہ جو قول مشہور ہے۔ **الحزم سوء الظن** وہ بھی معاملہ کے متعلق ہے۔ کہ احتیاط اسی میں ہے کہ معاملہ ایسا کرے جیسے کوئی بدگمان معاملہ کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعتقاد میں بھی بدگمانی ہو۔ اعتقاد کے درجہ میں تو نیک گمان رکھے۔ لیکن معاملہ احتیاط ہی کا کرے۔ (جلد ۱۵۔ ص: ۲۴۷)

توبہ کے وقت استحضار ذنوب کی کوشش نہ کریں:

فرمایا: توبہ کے وقت استحضار ذنوب قصداً نہ کرنا چاہیے، ہاں جس وقت خود بخود حضور ذنوب ہو جائے تو تجدید توبہ کرلے، احضار [یعنی گناہوں کو یاد کرنے] کی کوشش نہ کرے۔ (جلد ۱۵۔ ص: ۲۵۳)

جلد وصول الی اللہ اتباع سنت کی برکت ہے:

منجملہ اور طرق جذب کے ایک طریق اتباع سنت بھی ہے۔حضرات دیوبند میں جذب، اتباع سنت کی وجہ سے ہے، نہ پورے سلوک کی وجہ۔اسی واسطے جلدی وصول ہوجاتا ہے۔

(جلد۱۵۔ص:۲۵۴)

حضرت گنگوہیؒ کا بہت ادب کرتا تھا:

فرمایا: حضرت گنگوہیؒ کو بہت دب کر خط لکھا کرتا تھا، کثرت ادب کی وجہ سے۔ (ص:۲۵۵)

سلسلہ کی دو برکات:

فرمایا: ہمارے بزرگوں کے سلسلے میں داخل ہونے سے دو چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ایک فہم، دوسرا زہد۔ (جلد۱۵۔ص:۲۵۵)

قبض کی حالت میں معمول ذرا قلت توجہ سے کرے:

قبض کی حالت میں معمولِ [ذکر] تو سابق ہی رہنے دے۔مگر ذرا قلت توجہ سے ادا کرے۔

(جلد۱۵۔ص:۲۵۹)

شیخ کو بھی خلوت کی ضرورت:

فرمایا: شیخ کو تقوی کے ساتھ خلوت کی بھی ضرورت ہے۔"و تبتل إليه تبتيل" (اور سب سے قطع کر کے اس کی طرف متوجہ رہو) (جلد ۱۵۔ص:۲۷۰)

حضرت حکیم محمد مصطفیٰ صاحبؒ کی فراست:

فرمایا: حکیم محمد مصطفیٰ صاحب میرٹھی کہتے ہیں کہ میں قارورہ کے دیکھنے سے مومن و کافر اور فاسق و متقی میں امتیاز کر لیا کرتا ہوں۔نیز نبض سے بے نمازی ہونے کا ادراک (پہچان) ہوجاتا ہے۔نیز خط کے الفاظ سے کاتب کی حالت کا ادراک ہوجاتا ہے کہ کس حالت میں اس نے یہ خط لکھا ہے۔[اللہ تعالیٰ ستاری کا معاملہ فرمائے۔] (جلد۱۵۔ص:۲۷۶)

حق تعالیٰ کے یہاں شکور و حلیم کی قدردانی ہے:

فرمایا: ملا محمود صاحب دیوبندیؒ کو میں نے خواب میں دیکھا پوچھا: کیا حال رہا؟ فرمایا: صرف اس پر نجات ہوگئی کہ ایک روز کھچڑی میں نمک زیادہ تھا، بغیر طعن [یعنی عیب نکالنے] کے کھالیا تھا۔ (سبحان اللہ! شکور و حلیم کی قدردانی کا کیا ٹھکانا ہے)۔ (جلد ۱۵۔ص:۲۸۰)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ۱۶

سلسلۂ حسن العزیز

مقبولیت عنداللہ کے لیے عالی نسبی کی بالکل ضرورت نہیں:

مقبولیت عنداللہ کے لیے شرافت نسبی اور عالی خاندانی کی مطلق ضرورت نہیں، کیونکہ ''ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم''۔ لیکن جن سے حق تعالیٰ عام خدمت دین لینا چاہتے ہیں، ان کو [عموماً] عالی خاندان میں پیدا فرماتے ہیں۔ تاکہ ان کے اتباع میں امراء و شرفاء کو بھی کسی قسم کا عار نہ آوے۔ اسی مصلحت سے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ عالی خاندان میں پیدا ہوئے۔ کوئی نبی گھٹیا [سمجھے جانے والے] خاندان کا نہیں ہوا۔ ایسے لوگوں سے عام نفع بہت ہوتا ہے۔ (جلد۱۶۔ص:۳۱)

ہر حدیث میں تصوف ہے:

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ حدیثوں میں تصوف نہیں اور میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث ہی نہیں جس میں تصوف نہیں۔ یعنی ہر حدیث میں تصوف ہے مگر لوگ تصوف کی حقیقت نہیں جانتے۔ (جلد۱۶۔ص:۳۴)

صحبت نیک کے متعلق پسندیدہ قطعہ:

فرمایا کہ صحبت نیک کے متعلق یہ قطعہ مجھے بہت پسند ہے، اس کو اکثر پڑھا کرتا ہوں

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم

ایک دن خوشبودار مٹی حمام میں مجھے ایک دوست کے ہاتھوں سے ملی۔

بد و گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم

میں نے اس مٹی سے کہا کہ تو مشک ہے، یا عنبر ہے کہ تیری دلآویز خوشبو نے مجھے مست کر دیا ہے۔

بگفتا من گل ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم

یہ سن کر مٹی نے جواب دیا کہ میں تو وہی ناچیز مٹی ہوں لیکن مدتوں تک پھولوں کی صحبت میں رہی ہوں۔

جمال ہم نشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ہمنشیں کے جمال نے مجھ پر بھی اثر کیا (مجھے معطر کر دیا) ورنہ میں تو وہی ناچیز مٹی ہوں جو پہلے تھی۔

(جلد ۱۶۔ص:۳۵۔۳۶)

غیر جامعِ شرائط شیخ کی صحبت کا اثر:

فرمایا کہ شیخ جامعِ شرائط گو خود نہ ہو، لیکن بشرط صحّتِ سلسلہ دوسرے کا تو کام بنا ہی دیتا ہے۔ ......لہٰذا شیخ کی بڑی قدر کرنی چاہیے۔ [یہ بات ایک ایسے صاحب کو سنانے کے لیے کہی تھی] جو ہمیشہ حضرت سے دنیا کی سفارشیں کرایا کرتے تھے۔ اور ان ہی صاحب کے خطاب کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ لوگوں نے اس قدر اس تعلق کی ناقدری کی ہے، کہ اب میرا دل پھٹ گیا ہے۔ ورنہ پیشتر مجھے بے حد تعلق شفقت کا تھا۔ کیونکہ جو لوگ یہاں رہ کر ذکر و شغل کرتے تھے وہ ایسے ہوتے تھے، کہ برسوں انہیں وطن کی یاد کا وسوسہ بھی نہیں آتا تھا۔ بس ان کا ایسا حال ہو جاتا تھا جیسے مکھی شہد میں پھنس جاتی ہے۔ اس لیے مجھ کو بھی بہت توجہ ہوتی تھی، لیکن اس طریق کی ناقدری کر کر کے لوگوں نے مجھ کو اس قدر دل برداشتہ کر دیا ہے کہ اب مجھ کو خود توجہ نہیں ہوتی۔ ہاں طالب خود ہی اپنی طرف سے توجہ کرے اور کام میں مشغول رہے، تو پھر میں کون ہوتا ہوں توجہ نہ کرنے والا؟ حق تعالیٰ خود زبردستی مجھ کو متوجہ کریں گے۔ پھر فرمایا کہ اب تو لوگ میری کتابوں سے نفع اٹھاویں۔ بحالت بے توجہی یہاں آنے میں نفع نہیں۔ یہ سب باتیں انہیں صاحب مذکور بالا کے سنانے کے لیے فرمائی تھیں۔

(جلد ۱۶۔ص:۳۶۔۳۷)

عشق مجازی سخت ابتلاء ہے:

عشق مجازی کے تذکرہ میں فرمایا کہ یہ سخت ابتلاء کی چیز ہے۔اس سے بہت بچنا چاہیئے۔میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں خود مجھ کو اپنا اعتبار نہیں اور چونکہ میں خود کوئی چیز نہیں اس لیے میری حیثیت سے یہ بے اعتباری کوئی ایسی اہم نہیں ہے۔لیکن جو شخص مجھے کو بڑا سمجھتا ہے اور مجھ سے عقیدت رکھتا ہو اس کے لیے یہ بہت بڑی عبرت کی بات ہے کہ جس کو ہم بڑا سمجھتے ہیں جب اس کی یہ حالت ہے تو ہمیں تو بہت ہی احتیاط رکھنی چاہیئے۔ (جلد ۱۶۔ص:۳۸)

بیعت کا اثر:

ایک صاحب کا تذکرہ تھا فرمایا کہ ان کو ابھی کچھ ذکر و شغل بھی نہیں بتلایا، صرف بیعت کیا ہے۔اس پر ان کا یہ حال ہے۔پھر فرمایا کہ یہ تو بجلی کا تار ہے کہ ہاتھ لگا نہیں کہ لپٹا نہیں۔

(جلد ۱۶۔ص:۳۹)

اہل حق کی کتابوں میں اثر:

فرمایا کہ اہل حق کی کتابوں میں اثر ہوتا ہے، مکرر سکرر سنا تا رہے۔گو شروع میں اثر نہ ہو، لیکن بالآخر اثر ہو کر رہے گا۔ (جلد ۱۶۔ص:۳۹)

وعظ سے اپنی اصلاح مقصود:

ایک بار فرمایا کہ جب مجھے اپنے کسی عیب کی اصلاح کرنی منظور ہوتی ہے، تو ایسا کرتا ہوں کہ اس کے متعلق وعظ کہہ دیتا ہوں۔اس تدبیر سے بفضلہٖ تعالیٰ وہ عیب اس وقت تو جاتا رہتا ہے کیونکہ وعظ کہتے وقت جوش ہوتا ہے۔اس کا اثر خود اپنے قلب پر بھی پڑتا ہے۔دوسرے یہ ہے کہ غیرت بھی آتی ہے کہ دوسروں کو تو نصیحت کی جاوے اور خود عمل نہ ہو۔اس سے بھی عمل کی توفیق ہو جاتی ہے۔چنانچہ غصہ کا میں نے اسی طرح علاج کیا کہ ایک وعظ غصہ ہی کے متعلق کہہ دیا۔اس کا نام ''الغضب'' ہے۔اس کے بعد سے غصہ میں بہت اعتدال ہو گیا ہے۔پھر فرمایا کہ بحمداللہ میرے یہاں تو ایسے ہی چٹکلوں میں علاج ہوتے ہیں۔احقر[خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ] نے اپنے غصے کی شکایت

کی۔تو فرمایا کہ الغضب دیکھ لیجیے، گاان شاءاللہ تعالیٰ جاتا رہے گا۔ (جلد۱۶۔ص:۴۱)

جو عقیدت اعمال دیکھ کر پیدا ہو وہ معتبر ہے:

میرے وعظ سن کر جو معتقد ہوتے ہیں، ان کے اعتقاد کا مجھے اعتبار نہیں۔ کیونکہ آخر وعظ میں میں گالیاں تو بکوں گا نہیں، اچھی ہی باتیں کہوں گا۔ ہاں جو یہاں آکر اور میرا طرز عمل دیکھ کر پھر بھی معتقد رہے، اس کا اعتقاد البتہ پختہ ہے۔ ایک بار فرمایا کہ جس کو میری باتیں سن کر اعتقاد پیدا ہو وہ معتبر نہیں۔ کیونکہ تصوف کے نکات لطافت میں شاعری کے نکات سے ملتے جلتے ہیں۔ اس لیے یہ بناءِ اعتقاد قابل اعتبار نہیں۔ صحیح بناء اعتقاد کی کسی کے اقوال نہیں ہوتے، بلکہ اس کے اعمال اور افعال ہوتے ہیں۔...... دیکھو افعال و اعمال نشست و برخاست سب باتیں کیسی سنت کے موافق ہیں؟

(جلد۱۶۔ص:۴۱)

ذکر کا اثر رفتہ رفتہ ہوتا ہے:

فرمایا کہ ذکر میں چاہے دل لگے یا نہ لگے لیکن برابر کئے جاوے۔ رفتہ رفتہ اس کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ پھر بلا اس کے چین ہی نہیں پڑتا۔ جیسے شروع شروع میں حقہ پینے سے گھمیر [چکراہٹ] بھی آتی ہے، متلی بھی ہوتی ہے، قے بھی ہوتی ہے، لیکن پیتے پیتے پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ چاہے کھانا نہ ملے لیکن حقہ کے دو کش مل جاویں۔

ایک بار فرمایا: نفع تو شروع ہی سے ہونے لگتا ہے۔ لیکن محسوس نہیں ہوتا۔ جیسے بچہ روز کچھ نہ کچھ ضرور بڑھتا ہے، لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج اتنا بڑھا، کل اتنا بڑھا، البتہ ایک معتد بہ مدت گزر جانے کے بعد اس کی پچھلی حالت کو خیال میں لا کر موازنہ کیا جائے، تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو۔ یہی حال ذکر کا ہے کہ شروع میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ بھی نفع نہیں ہو رہا۔ حالانکہ دراصل نفع برابر ہو رہا ہے۔

ایک معتد بہ مدت گزرنے کے بعد اپنی پچھلی حالت کو ذہن میں مستحضر کر کے اس سے حالت موجودہ کا موازنہ کرے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ ایک صاحب نے لکھا تھا کہ کچھ نفع نہیں

معلوم ہوتا۔ فرمایا کہ اس وقت کے ذکر کو بے کار نہ سمجھا جاوے، یہ سب جمع ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ عنقریب سب کھل پڑے گا۔ ایک بار فرمایا کہ پتھر پر پہلے اول قطرہ گرتا ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، یہاں تک کہ پانی گرتے گرتے اس میں گڑھا پیدا ہو جاتا ہے۔ تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اخیر قطرہ نے وہ گڑھا کر دیا؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ گڑھا نتیجہ ہے قطروں کی مجموعی تعداد کا۔ گڑھا کرنے میں اول قطرہ کو بھی ویسا ہی دخل ہے، جیسا کہ اخیر قطرہ کو۔ اول قطرہ کو بے اثر ہرگز نہ سمجھنا چاہئے۔ گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اول روز کا ذکر جس کو بے ثمرہ سمجھا جاتا ہے، ہرگز بے ثمرہ نہیں۔ اخیر میں جو حالت خاص پیدا ہوگی، اس میں اول روز کے ذکر کو بھی اتنا ہی دخل ہوگا، جتنا کہ اخیر روز کے ذکر کو۔ یہ نہیں ہے کہ صرف اخیر روز کا ذکر اس حالت کو پیدا کر دیتا ہے۔ بلکہ ایک مجموعی تعداد مقرر تھی کہ اتنے دن بعد یہ کیفیت پیدا ہوگی۔ جب وہ تعداد پوری ہوگئی وہ کیفیت ظہور پذیر ہوگئی۔ ہر ہر دن کے ذکر کو اس کے پیدا کرنے میں یکساں دخل ہے، یا جیسے کہ ایک شخص کوئی مقوی یا ماء اللحم کھاتا ہے، یہاں تک کہ ایک معتد بہ مدت کے استعمال کے بعد وہ سرخ و سپید ہو جاتا ہے۔ تو کیا صرف اخیر خوراک نے اس کو سرخ سفید بنا دیا؟ ہرگز نہیں، بلکہ اتنے دنوں کی خوراکوں کی مجموعی تعداد نے اس کی یہ حالت کر دی ہے۔ یہ نادانی ہے کہ اول خوراک کو بے اثر سمجھا جاوے۔ (جلد ۱۶۔ ص: ۴۴۔۴۵)

ہمارے یہاں مناسبت دیکھ کر چاروں سلسلوں میں سے تعلیم ہوتی ہے:

ایک بار ایک دوسرے سلسلہ کے ایک صاحب رخصت ہو کر تشریف لے گئے۔ فرمایا کہ نیک بخت اور خوش عقیدہ شخص ہیں۔ ایک بزرگ سے بیعت تھے، ان کا انتقال ہو گیا۔ مجھ سے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ میں نے کہا کہ میں خاص سلسلہ کی تعلیم کا پابند نہ ہوں گا۔ بلکہ میرا جس طرح جی چاہے گا اور جو چیز میں مناسب سمجھوں گا اسی سے شروع کراؤں گا۔ اور آپ ابھی تک دوسرے سلسلہ کی تعلیم کے پابند رہے ہیں۔ اس کو چھوڑنا آپ کو شاق ہوگا۔ لہذا مناسب ہے کہ کسی اسی سلسلہ کے بزرگ سے بیعت ہو جایئے۔ انہوں نے کہا کہ آخر چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے کی اجازت تو آپ کو ہے۔ میں نے کہا کہ میرے یہاں مخلوط طور پر تعلیم ہوتی ہے۔ کسی

خاص طریقہ کی پابندی نہیں ہے جو جس کے مناسب ہوا وہی اس کو بتلایا جاتا ہے۔انہوں نے پھر مجھ سے اصرار کیا کہ اچھا مجھے یہ بھی منظور ہے۔ میں نے کہا کہ جلدی نہ کیجیے۔ مجھے قوی شبہ ہے کہ آپ کو سابقہ تعلیم کا ترک کرنا بہت شاق ہوگا۔شب کو یہ گفتگو ہوئی، آج ظہر کے بعد مجھ سے کہا کہ واقعی آپ کا خیال سچ نکلا۔میرا دل پچھلی تعلیم کے چھوڑنے کو گوارا ہی نہیں کرتا۔ میں نے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا نام بتلایا ہے،اب وہاں گئے ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے کہ میرے شیخ کے صاحبزادے موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی اور بزرگ سے رجوع کرتے ہوئے شرم سی آتی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ بھی ان کی نادانی کی بات ہے۔ کیونکہ مقصود پیر نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ ہیں، جہاں سے ملیں وہیں سے لینا چاہیے۔

...ایک صاحب کو جن کو کچھ میلان غیر مقلدی کی طرف تھا اور تصوف کے متعلق ان کو شبہات تھے۔ بعد رفع شبہات درخواست تعلیم پر میں نے صرف قرآن شریف کی تلاوت بتلائی۔نہایت شگفتہ ہوئے اور کہا کہ یہ تو آپ نے بالکل میرے مذاق کی چیز بتلائی، مجھے تلاوت سے بے حد دلچسپی ہے۔ حق تعالیٰ نے میرے قلب میں ڈال دیا کہ ان کو تلاوت سے نفع ہوگا۔ایک صاحب کو میں نے صرف نوافل کی کثرت بتلائی اور کوئی ذکر شغل نہیں بتلایا۔ان کو اسی سے بہت نفع ہوا۔تو ہمارے یہاں مناسبت دیکھ کر تعلیم کرتے ہیں۔جس ذکر سے مناسبت طبعی ہوتی ہے اس سے بے حد نفع ہوتا ہے۔

(جلد ۱۶۔ص:۴۶۔۴۸)

صرف تصوف ایک ایسا فن ہے جس میں عمل پہلے ہوتا ہے اور علم بعد میں:

فرمایا کہ اور فنون میں تو علم پہلے ہوتا ہے عمل بعد کو اور صرف تصوف ایک ایسا فن ہے جس میں عمل پہلے ہوتا ہے اور علم بعد کو اور مراد علم شریعت کا نہیں وہ تو پہلے ہی ہونا چاہیے۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے جب کوئی مسئلہ تصوف میں الجھتا تو فرمادیتے کہ میاں یہ کرنے کی چیز ہے قال وقیل سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ (جلد ۱۶۔ص:۴۸)

بیعت اور ذکر و شغل کا اثر:

بعضے لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ خوب جوش وخروش و مستی رہا کرے اور بالکل استغراق کی حالت رہے۔ سو نہ یہ کیفیات مقصود ہیں نہ یہ اختیاری ہیں۔ بعضے چاہتے ہیں کہ معاصی سے ایسی نفرت ہوجاوے کہ طبیعت کا میلان بھی باقی نہ رہے۔ سو یہ بھلا کہاں ممکن ہے؟ معاصی کا میلان کمال کے [درجہ تک پہنچنے] بعد بھی رہتا ہے۔ لیکن اتنا فرق ہوجاتا ہے کہ پہلے نفس کے تقاضے کے روکنے میں سخت کلفت ہوتی تھی اور اس پر غالب آنا نہایت دشوار ہوتا تھا (گو بچنا اختیار میں اس وقت بھی ہوتا ہے، یہ نہیں ہے کہ اختیار ہی میں نہ ہو) بعد ذکر شغل کے اول تو تقاضا اس شدت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اور دوسرے تھوڑی سی توجہ سے اور مخالفت سے وہ دب جاتا ہے۔ باقی یہ نہیں ہوجاتا کہ تقاضا ہی نہ ہو اور کمال تو اسی میں ہے کہ، باوجود تقاضے کے، ضبط کرے۔ ورنہ وہ تو دیوار ہوجاتا ہے۔

اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے شائستہ گھوڑا۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ کبھی کوئی شرارت ہی نہ کرے۔ بعد شائستگی کے بھی وہ کبھی کبھی دولتی پھینکنے لگتا ہے۔ کبھی کھڑا ہوجاتا ہے۔ لیکن تھوڑے سے اشارہ سے اور ایک دو بار ایڑ مارنے سے بہت جلد رام ہوجاتا ہے۔ اور جو گھوڑا شائستہ نہ ہو وہ ایک تو بہت زیادہ شرارتیں کیا کرتا ہے۔ اور جب شرارت کرتا ہے تو پھر اس کا سنبھالنا مشکل پڑجاتا ہے۔ یہی نفس کا حال ہے، بعد شائستگی کے بھی وہ کبھی کبھی شرارت کرنے لگتا ہے لیکن ادنی توجہ میں دب جاتا ہے۔ [یہ ہے بیعت و سلوک کا فائدہ، اور واقعی بڑا عظیم فائدہ ہے]۔

......بعضے لوگ کشف و کرامات اور خرق عادات کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہ بھی کوئی چیز نہیں۔ اصل مقصود رضائے حق ہے۔ اور اس کا ذریعہ دوام طاعت اور کثرت ذکر ہے۔ رضا کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ البتہ یہاں دنیا میں اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کثرت ذکر سے حق تعالیٰ کے ساتھ قلب کو ایک خاص تعلق اور لگاؤ پیدا ہوجاتا ہے، جس سے [ایک خاص طرح کی لذت و] حظ اور تسلی رہتی ہے۔......کثرت ذکر سے حق تعالیٰ کے ساتھ ایک [مستقل تعلق اور] نسبت راسخہ پیدا ہوجاتی ہے۔ جس کا لازمی اثر سہولتِ طاعت اور دوامِ ذکر ہے۔ [یعنی اعمال صالحہ جو پہلے بہت مشکل اور نفس پر جبر کرکے انجام پاتے تھے، وہ اب آسانی اور شوق سے ہونے لگتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی یاد نصیب ہوجاتی ہے]۔ یہ باتیں

میری کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہیں، لیکن زبانی گفتگو سے جیسی سمجھ میں آتی ہیں ویسی محض مطالعہ سے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ انہی مصلحتوں سے [شیخ کے پاس بیٹھنے کے لیے] سفر مناسب ہوتا ہے۔ خط و کتابت ان باتوں کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ آپ یہاں سے واپس ہو کر خود مشاہدہ کریں گے کہ یہ سفر کرنا آپ کے لیے کس قدر نافع ہوا۔ اگر سفر نہ کرتے تو یہ بات پیدا نہ ہوتی۔ (جلد۱۶۔ص:۵۱۔۵۲)

ہر مسلمان کی خدمت ذمہ داری سمجھتا ہوں:

میں ہر مسلمان کی دل سے خدمت کرنا اپنے ذمہ ہر مسلمان کی دینی خدمت کو ضروری سمجھ رکھا ہے، اس لیے مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ کون تو میرا مرید ہے اور کون نہیں۔ میرے یہاں کوئی رجسٹر نہیں، کچھ نہیں، نہ مجھے اس کے یاد رکھنے کی ضرورت۔ ہاں کوئی بار بار مجھے اپنا مرید ہونا جتلاتا رہے تو دوسری بات ہے کہ یاد رہ جاوے ورنہ جو لوگ صرف میرے پاس آتے جاتے ہیں یا خط و کتابت کرتے ہیں مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کون مرید ہے اور کون نہیں۔ (جلد۱۶۔ص:۵۳)

عقائد میں شک اور وسوسے کا فرق:

ایک صاحب نے عرض کیا کہ مجھے عقائد میں شکوک ہیں۔ فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو اس کا جلد تصفیہ ہو جانا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ کوئی عمل مفید نہیں ہوسکتا۔ سب اعمال بے کار جائیں گے۔ لیکن پہلے اس کی تحقیق ہو جانی چاہیے، کہ آیا جس کو آپ شک سمجھ رہے ہیں وہ دراصل بھی شک ہے یا محض وسوسہ ہے۔ کیونکہ شک اور چیز ہے، وسوسہ اور چیز ہے۔ اور دونوں کا جدا حکم ہے۔ عقائد ضروریہ میں شک کرنا موجب نقصانِ ایمان ہے۔ اور وسوسہ معصیت کے درجہ میں بھی نہیں۔ کیونکہ اس پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں۔

پھر دریافت فرمایا کہ آیا آپ کو ان خیالات سے ایذاء ہوتی ہے یا نہیں؟ اور قلب کو پریشانی اور خلجان اور دفعیہ کا اہتمام ہوتا ہے یا نہیں؟ ان صاحب نے جواب دیا کہ سخت پریشانی اور خلجان ہوتا ہے۔ فرمایا کہ بس، معلوم ہوا کہ محض وسوسہ ہے، شک نہیں۔ شک اس کو نہیں کہتے۔ وسوسہ اور شک کی پہچان یہی ہے کہ وسوسہ میں خلجان اور پریشانی ہوتی ہے اور قلب کو اس سے اذیت ہوتی

ہے۔اوراس کے دفعیہ کے اہتمام کے درپے ہوتا ہےاوراس کوسخت ناگواراور براسمجھتا ہے۔اور شک میں مطلق ایذاءنہیں ہوتی۔قلب کو بالکل سکون ہو جاتا ہے۔کیا کسی کافر کو کفر سے متأذّی و متألّم [تکلیف میں اور غمگین یا بے چین] دیکھا ہے؟ تأذّی اور عدم تأذّی [تکلیف محسوس کرنا اور نہ کرنا] ہی دونوں کی علامات وشناخت ہیں۔بس یہ فرق ہے شک اور وسوسہ میں،آپ کو شک نہیں وسوسہ ہے۔جس کی طرف سے شریعت مقدسہ نے ہم کو بالکل مطمئن کر دیا ہے،ہرگز پریشان نہ ہونا چاہیے۔......بلکہ اپنی طرف سے یہاں تک آمادہ رہنا چاہیے کہ اگر عمر بھر بھی اس سے چھٹکارا نہ ہو تو بلا سے نہ ہو۔کیونکہ یہ کوئی نقصان کی بات تو ہے نہیں۔میں ساری زندگی اسی وسوسہ اور خلجان میں گزارنے کے لیے تیار ہوں۔البتہ اذیت ہے،سو اگر کوئی مرض عمر بھر کے لیے لگ جاتا ہے تو کیا اسی میں زندگی نہیں گزارنی پڑتی۔ (جلد ۱۶۔ص:۶۰۔۶۱)

اطلاع واتباع:

۲۷/ربیع الثانی ۳۳ھ کو فرمایا کہ طالب کو اپنے شیخ کے سامنے اپنی رائے کو بالکل فنا کر دینا چاہیے۔دو چیزیں لازمۂ طریق ہیں،اتباع سنت اور اتباع شیخ۔...اپنی رائے اور تجویز کو کوئی شخص فنا کر کے تو دیکھے۔میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ دعوی کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو ایسے انعامات عطا ہوں گے جو اس کی [اپنی] تجویزوں سے کہیں بڑھ کر ہوں گے۔اور جو اس کے ذہن میں کبھی آئے بھی نہ ہوں گے۔...اکثر فرمایا کہ ان دو ہم قافیہ لفظوں کو ہمیشہ یاد رکھے،اتباع اور اطلاع۔یعنی جو کچھ شیخ تعلیم کر دے اس کو ہمیشہ نباہ کرتا رہے۔اور برابر اپنے حالات سے اطلاع دیتا رہے۔خواہ کوئی نیا حال ہو یا نہ ہو،کیونکہ کوئی حال نہ ہونا یہ بھی ایک حال ہے۔ایک بار فرمایا کہ ہر شخص کو اپنا ایک معتقد فیہ ضرور رکھنا چاہیے۔جس کی اگر صحبت میسر نہ ہو سکے تو کم از کم اس کے پاس ہر ہفتہ ایک جوابی کارڈ جس میں چاہے محض خیریت ہی درج ہو ضرور بھیجتا رہے۔اس کی برکت سے وہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی بہبودی خود مشاہدہ کرے گا۔ایک بار استفسار پر فرمایا کہ محض خط وکتابت سے بھی نفع پہنچ سکتا ہے۔کیونکہ بار بار جب خط آئیں گے تو اس کے ساتھ محبت ہو جائے

گی۔اور جب محبت ہو جائے گی تو اس کے لیے دل سے دعا نکلا کرے گی۔ پھر حق تعالیٰ کبھی دعا کو قبول بھی فرمالیں گے۔اوراس کی اصلاح کردیں گے۔

یہ بھی فرمایا کہ خط وکتابت کی برکت سے عقائد اوراعمال کی خرابی سے بھی محفوظ رہے گا اور دنیوی پریشانیوں سے بھی حفاظت رہے گی۔احقر عرض کرتا ہے کہ واقعی ذاکر شاغل کے لیے جلد جلد اطلاع حالات کرتے رہنا مفتاحِ کامیابی ہے۔احقر نے اوراحقر کے احباب نے ہمیشہ تجربہ کیا کہ جب کبھی حضرت کو عریضہ لکھا فوراً فائدہ محسوس ہوا۔ (جلد۱۶۔ص:۷۵)

مدرسہ کی چیز کے استعمال میں احتیاط:

نیا مکان حضرت کا بن رہا ہے۔حافظ صاحب نے جو کہ حضرت کے مکان کو بنوار ہے ہیں آکر دریافت کیا کہ سیڑھی کی ضرورت ہے مدرسہ کی سیڑھی لے لی جاوے۔فرمایا کہ مکان سے کرایہ لے لیا جاوے۔مدرسہ کی چیز وقف ہے۔حافظ صاحب نے عرض کیا کہ مدرسہ کے کام کے لیے بھی تو اور جگہ سے چیزیں عاریۃً لے لی جاتی ہیں۔فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا تبرع ہے ان کو اختیار ہے کہ وہ نہ دیا کریں۔لیکن مدرسہ کی چیزیں وقف ہیں میں ان کا اس طرح استعمال ناجائز سمجھتا ہوں۔حضرت کے یہاں ایسی باتوں کا نہایت درجہ اہتمام ہے۔ (جلد۱۶۔ص:۸۸)

ظرافت اور کمال وقار:

حضرت مولانا گنگوہیؒ بڑے ظریف تھے۔ایسی بات چپکے سے فرمادیتے تھے کہ سننے والوں کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ جاتے تھے۔لیکن خود بالکل نہیں ہنستے تھے۔اور لوگ تو ہنس رہے ہیں اور آپ تسبیح لیے اللہ اللہ کررہے ہیں۔اللہ اکبر بڑا وقار تھا،اور بہت کم گو تھے۔گو عام طور سے جو لوگ کم گو ہوتے ہیں ان کا کلام بہت مختصر اور مبہم ہوتا ہے۔لیکن مولانا باوجود اس قدر کم گو ہونے کے جس وقت گفتگو فرماتے تھے،تو نہایت صاف اور بلند آواز سے اور نہایت کافی شافی تقریر ہوتی تھی۔ حضرت مولانا کو حق تعالیٰ نے ہر پہلو سے کامل پیدا فرمایا تھا۔ میں نے کوئی شخص ایسے عادات وصفات کا نہیں دیکھا۔ (جلد۱۶۔ص:۹۷)

ہمارا ہر قول، فعل، حال، سب ہی پر از خطر ہے:

فرمایا کہ جب میں کسی کے ہدیہ کو رد کرتا ہوں تو گو وجہ کے ساتھ ہو، لیکن بہت ڈرتا ہوں، کیونکہ غور کرنے سے کسی قدر شک کبر کا ہوتا ہے۔ جس سے نہایت خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ استغناء اور کبر میں فرق نہایت دشوار ہے۔ دونوں بہت متشابہ ہیں۔ کبھی اس میں دھوکہ ہو جاتا ہے کہ جس کو ہم استغناء سمجھ رہے ہیں وہ دراصل ہوتا ہے کبر۔ خدا ہی محفوظ رکھے تو انسان محفوظ رہ سکتا ہے۔ ورنہ ہمارا ہر قول، فعل، حال، قال سب ہی پر از خطر ہے۔ (جلد۱۶۔ص:۹۷)

حضرت حاجی صاحبؒ کی شان عبدیت:

فرمایا کہ حضرتؒ میں شان عبدیت بے حد غالب تھی۔ اپنے آپ کو فاسق فاجر سے بھی زیادہ برا سمجھتے تھے۔ نزولِ کامل حاصل تھا۔ ایسے شخص سے فیض ارشاد بہت زیادہ جاری ہوتا ہے۔ (ص:۱۰۸)

آداب مہمانی و میزبانی:

ایک بار احقر کے یہاں حضرت کی دعوت تھی۔ حضرت کے ایک عزیز نے نوکر سے پانی اس طرح مانگا کہ پانی لاؤ۔ حضرت نے فوراً تنبیہ فرمائی کہ میزبان کے نوکروں سے اِس تحکم کے لہجہ میں پانی نہیں مانگنا چاہیے۔ بلکہ اخلاق کے ساتھ کہنا چاہیے کہ ذرا پانی دیجئے گا، تھوڑا پانی عنایت فرمائیے گا۔ (جلد۱۶۔ص:۱۴۴)

قابل وظیفہ اشعار:

دوران درس مثنوی شریف میں فرمایا کہ یہ اشعار قابل وظیفہ بنانے کے ہیں ؎

یا غیاثی عند کل کربة   یا معاذی عند کل شدة

اے ہر تکلیف میں میرے مددگار!   اے ہر مصیبت میں میری جائے پناہ!

یا مجیبی عند کل دعوة   یا ملاذی عند کل محنة

اے ہر دعا کو قبول فرمانے والے!   اے ہر آزمائش میں میرے سہارے!

(جلد۱۶۔ص:۱۴۷)

نسبت مع اللہ کی علت:

نسبت مع اللہ کی علت کسب نہیں ہوتی محض فضل ہے۔لیکن [نسبت حاصل کرنے کے لیے کوشش اور] کسب شرط ہے، جیسے وضوء کی شرط نماز ہے۔مگر اس کی علت نہیں۔ (جلد۱۶۔ص:۱۴۷)

سلسلہ امدادیہ والوں کا خاتمہ عجیب وغریب ہوتا ہے:

ایک بار حضرتؒ کو مرزا علی نظیر بیگ صاحب کی اہلیہ نے اخیر وقت میں یاد کیا۔حضرت نے اطلاع ہوتے ہی باوجود نہایت درجہ قلتِ فرصت کے سفر کا تہیہ فرمایا۔پہنچتے ہی حضرت گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ان خوش نصیب بی بی نے حضرت سے حسن خاتمہ کی دعا کی درخواست کی۔اور سورۂ یٰسین شریف پڑھوا کر سنی۔دوسرے دن نہایت شوق سے احوال آخرت سنے۔اور شب کو حضرت کے قیام ہی کے زمانہ میں انتقال فرما گئیں۔

یہ بی بی حضرت ہی سے بیعت بھی تھیں۔حضرت اطلاع حال سے ایک ہفتہ بعد تشریف لے گئے تھے۔اس میں حکمت حق سے یہ مصلحت نکلی کہ مریضہ کا انتقال حضرت ہی کے سامنے ہو گیا۔جو کہ مرحومہ کی عین تمنا تھی۔انھوں نے حضرت کے پہنچنے سے دو چار دن پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک وسیع محل ہشت پہلو موتیوں کا ہے۔جس میں بہت سے لوگ جمع ہیں۔اسی میں ایک مینار تھا جس میں چراغ جل رہا تھا۔(غالبًا) اس مینار پر وہ چڑھ گئیں پھر آنکھ کھل گئی۔حضرت نے ان بی بی صاحبہ کے انتقال کے واقعات سے احقر کو اطلاع دے کر تحریر فرمایا کہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ برکت ہے سلسلہ امدادیہ کی۔اکثر یہی دیکھا ہے کہ اس سلسلہ والوں کا خاتمہ عجیب وغریب ہوتا ہے۔

(جلد۱۶۔ص:۱۵۴)

تواضع کی انتہاء:

الحمد للہ یہ مقبولیت عند اللہ کی علامات ہیں، ان سے امید ہوتی ہے کہ ان شاء اللہ میں مردود نہیں ہوں۔ایک صاحب کو حضرت سے اعتقاد ہوا اور گو ابھی بیعت بھی نہیں ہوئے لیکن حالت درست ہونے لگی۔احقر کے عرض کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ یہ مقبولیتِ سلسلہ کی دلیل ہے۔اور جو سلسلہ

مقبول ہوتا ہے، اس سے جس قدر تعلق بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر اعمال صالحہ کی توفیق ہوتی جاتی ہے۔

(جلد ۱۶۔ص: ۱۵۵)

طالب کو مطلوب نہیں بنانا چاہیے:

حضرت اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ طالب کو مطلوب نہیں بنانا چاہیے اس سے بجائے نفع کے نقصان ہے۔ دین کے معاملے میں ایک درجہ تک استغناء چاہیے۔

(جلد ۱۶۔ص: ۱۶۳۔)

حضرت گنگوہی کی ذکی الحسی:

نابینائی کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک بچہ دبے پاؤں آکر چپکے سے بیٹھ گیا۔ فرمانے لگے بچہ کا سانس اس جلسہ میں معلوم ہوتا ہے۔ ایک بار شیخ فضل حق کے لڑکے چپکے سے آبیٹھے۔ فرمایا کہ فضل حق کی بو آتی ہے۔ ایسا ہی حضرت حاجی صاحبؒ کا قصہ ہے کہ آپ کی خدمت میں مولوی معین الدین صاحب نے تھانہ بھون میں ایک ہرن شکار کر کے اس کی کھال بھیجی۔ جن کے ہاتھ بھیجی تھی ان کے حوالے سے مولوی صاحب نقل کرتے تھے کہ جب وہ کھال آپ کے روبرو رکھی گئی، تو یوں فرمایا کہ اس میں سے تو بوئے وطن آتی ہے۔ سو واقعی وہ تھانہ بھون کا ہرن تھا۔

حاجی اللہ رکھا خود بیان کرتے تھے اور وہ ہر کسی بزرگ کے معتقد نہ تھے اس لیے ان کی روایت بہت معتبر ہے، وہ کہتے تھے کہ جب میں مکہ معظّمہ گیا، تو حاضر خدمت ہوا۔ مجمع میں پاس جا کر ملنا خلاف ادب تھا۔ اس لیے چپکے سے جا کر الگ ایک کنارہ بیٹھ گیا، کہ مجمع متفرق ہونے کے بعد مل لوں گا۔ فوراً فرمایا کہ اس وقت بوئے وطن آتی ہے۔ کوئی تھانہ بھون کا تو اس مجلس میں نہیں ہے۔ اس وقت میں نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ حضرت نے ان کو کہیں بچپن میں دیکھا ہو، باقی اس عمر میں تو بالکل نہیں پہچان سکتے تھے۔ حضرت نے ان کو سینے سے لگا لیا اور پوچھا کہ کس کے لڑکے ہو؟ میاں کہیں اس طرح بے ملے بیٹھ جایا کرتے ہیں؟ اطلاع تو کر دیتے۔ یہ قصہ وہ خود مجھ سے بیان کرتے تھے۔ (جلد ۱۶۔ص: ۱۷۱۔۱۷۲)

ایک نیک طالب علم کا نماز میں استغراق:

میرے سامنے عشاء کی نماز میں ان کی ران میں سوا چبھ گیا۔لیکن کچھ خبر نہیں ہوئی۔نماز کے بعد احساس ہوا۔کہنے لگے کہ نہ جانے میرے کیا چبھ رہا ہے۔روشنی سے دیکھا گیا تو تمام پاجامہ خون سے تر تھا۔نماز میں اس قدر استغراق ہوتا تھا۔حالانکہ اس وقت بالکل بچے تھے،سترہ اٹھارہ برس کی عمر تھی۔ان سے اسی وقت میں خوارق و مکاشفات بہت کثرت سے ظاہر ہوتے تھے۔وہ اب بھی موجود ہیں بہت نیک متقی شخص ہیں۔ (جلد ۱۶۔ص:۱۷۴)

ان پڑھ ہو کر بھی طبیعت کی تیزی:

فرمایا کہ صوفی محمد علی ہیں تو ان پڑھ لیکن بڑے تیز آدمی ہیں۔وعظ میں میں نے یہ قصہ بیان کیا تھا کہ شاہ ابوالمعالی صاحب کے ایک خادم روضۂ نبوی پر حاضر ہوئے،تو [مکاشفہ میں] حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے پیر سے ہمارا اسلام کہہ دینا۔اس کو دعوات عبدیت میں دیکھ کر فلاں مولوی مدعیِ اجتہاد نے اعتراض کیا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔اگر ایسا ممکن ہوتا تو سارے شیعہ سنی وغیرہ کے قصے اسی طرح مزار شریف سے طے ہو جاتے۔صوفی صاحب نے ان کو یہ لکھ کر بھیجا ہے کہ پہلے آپ مجھے اس کا جواب دیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا ساحرین کے اژدہوں کو نگل گیا۔اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بالکل غلط ہے،کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اژدہا فرعون ہی کو نہ نگل جاتا کہ سارا قصہ ہی پاک ہو جاتا۔اس کا آپ کیا جواب دیں گے؟ اور میں نے کہا کہ میرا کوئی مقصود [جس کا وعظ میں بیان کیا،اس کی صحت تو] اس قصہ پر موقوف نہیں۔وہ [قصہ] غلط ہی سہی۔ (جلد ۱۶۔ص:۱۷۵)

کم سمجھ لوگوں کو تحقیقی دلائل سمجھ میں نہیں آتے ، نکتے اچھے لگتے ہیں:

فرمایا کہ کج طبیعت کج فہم ہمیشہ کج بات کو پسند کرتا ہے راست بات کو پسند نہیں کرتا۔میں نے ایک نئے تعلیم یافتہ کو کتے کے پالنے کی ممانعت کا یہ جواب دیا تھا کہ سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ خدا

اور رسول نے منع کیا ہے۔ لیکن یہ جواب تو ان کو پسند نہیں آیا۔ دوسرا جواب میں نے یہ دیا کہ کتے میں ایک عیب ایسا سخت ہے کہ جس نے اس کے سارے اوصاف کمال کو مٹا دیا، کہ وہ یہ کہ اس میں ''قومی ہمدردی'' نہیں ہوتی۔ اپنے ہم جنس کو دیکھ کر کس قدر برافروختہ ہو جاتا ہے؟ اس جواب پر وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ محض ایک لطیفہ تھا۔ دیکھئے تحقیقی جواب ان کو پسند نہ آیا۔ لطیفہ کو اس قدر پسند کیا۔

اسی موقعہ پر یا کسی اور موقعہ پر فرمایا کہ تحقیقی باتوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان میں ظاہری آب و تاب نہیں ہوتی۔ حکیم محمود خاں اور حکیم عبدالمجید خاں کے نسخوں پر آج تک کسی کو وجد نہیں آیا۔ اور غالب اور مومن کے شعر سن کر کیسی واہ واہ ہوتی ہے۔ پھر دیکھ لیجئے ان دونوں میں کون سی چیز زیادہ قابل قدر ہے۔ (جلد ۱۶۔ ص: ۱۷۵)

ایک ان پڑھ لیکن بابرکت عارف:

فرمایا کہ ایک ان پڑھ آدمی تھے، لیکن ایسی ایسی لطیف باتیں کیا کرتے تھے کہ سبحان اللہ! حاجی عبداللہ ان کا نام تھا۔ شین قاف بھی درست نہیں تھا۔ لیکن ایسی سمجھ کی باتیں کیا کرتے تھے کہ کیا کہوں؟ بہت ہی نیک آدمی تھے۔ انھوں نے مجھے ایک چوغہ بھیجا تھا۔ بھائی! جب میں اسے پہن لیتا ہوں تو جب تک اسے پہنے رہتا ہوں گناہ کا وسوسہ تک بھی نہیں ہوتا۔ بارہا آزمایا۔ مجھ سے انھوں نے مرید ہونے کو کہا، تو میں نے تو چپکے سے مرید کر لیا کہ جو پیر بنانے کے قابل ہو ایسا مرید کہاں ملے گا۔ ایسے دو چار بھی ہو گئے، تو قیامت میں ان شاء اللہ امید نجات کی ہوگی۔ مجھ سے ہزار لاکھ درجے اچھے ہیں۔

تواضع وفنا کی انتہا:

پھر فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ میں کیا چیز ہوں؟ یہ کہنا بھی بے ہودگی ہے کہ مجھ سے اچھے ہیں۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ گویا میں بھی کچھ اچھا ہوں۔ پھر فرمایا کہ ہمارے ملنے والوں میں ایک بزرگ اور اسی طرح کے ہیں، ملا شمس الدین۔ بالکل ان پڑھ مگر بزرگوں کی برکت سے ان میں خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ مولوی اسی ناز میں ہیں کہ ہم قال وقیل خوب جانتے ہیں۔ اس

سے کیا ہوتا ہے مقصود اور ہی چیز ہے۔ (جلد ۱۶۔ص:۱۷۸)

امراء سے از خود تعلق نہیں چاہیے:

فرمایا کہ میں امراء سے از خود تعلق نہیں پیدا کرتا۔ اگر وہ خود تعلق پیدا کریں تو اعراض بھی نہیں کرتا۔ امراء کو، اگر ان سے تعلق کی ابتداء کی جاوے، یوں خیال ہوتا ہے کہ کسی غرض سے ہم سے تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ غریبوں سے اکثر شیریں کلام سے بولیے تو نثار ہونے لگتے ہیں۔

(جلد۱۶۔ص:۱۸۳)

آسان اصلاح:

میں کوئی مجاہدہ نہیں کراتا رات کو جگاتا نہیں کھانا پینا کم نہیں کراتا۔ بس تھوڑا سا ذکر بتلا دیتا ہوں اس کو دوام کے ساتھ کرے۔ اور معاصی کو بالکل چھوڑ دے۔ اور عادات کی اصلاح کرے۔ اور عادات کا بس خلاصہ یہ ہے کہ اس کا خیال رکھے کہ کسی کو اس کے کسی قول یا فعل سے کوئی تکلیف یا الجھن نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر میں کہتا ہوں، کہ جو شخص اتنا کر لے گا وہ ہرگز محروم نہیں رہ سکتا۔ (جلد۱۶۔ص:۱۹۰)

حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی بدولت حق واضح ہوا۔ حضرت حاجی صاحبؒ ہی کی بدولت یہ علم ہوا کہ شریعت ہی کی حقیقت کا نام درویشی ہے۔ جیسے کوئی حسین محبوب گھونگھٹ نکالے بیٹھی ہو، اگر کوئی اس کے گھونگھٹ کو اٹھا دے تب اس کے حسن و جمال کی کیفیت یہ ہو کہ جو دیکھ لے وہی اس پر نثار ہونے لگے۔ [یہ کیفیت ہو جاتی ہے سلوک و تصوف کی حقیقت جان کر]۔

(جلد۱۶۔ص:۱۹۸)

حلاوت ذکر اللہ:

فرمایا کہ توکل شاہ صاحب مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیو بند سے فرماتے تھے کہ مولوی جی! جب ذکر اللہ کرتا ہوں تو اللہ کی قسم منہ میٹھا ہو جاوے ہے۔ سچ مچ میٹھا ہو جاوے ہے۔

جیسے مٹھائی کھا کر۔ پھر [حضرتؒ نے] فرمایا ؎

اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

ہمارے حضرتؒ کے خادموں میں سے بھی ایک صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ ذکر کے وقت میرا منہ میٹھا ہو جاتا ہے، حضرت نے تحریر فرمایا کہ حلاوت معنویہ کا حلاوت حسیہ ہو جانا علامت ہے سرایت الذکر فی البدن کی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے **اللھم اجعل فی قلبی نوراوفی لسانی نورا وفی لحمی نورا وفی دمی نورا الخ۔** (جلد ۱۶۔ص:۲۰۸)

تعویذ لکھنے میں دشواری:

استفسار پر فرمایا کہ ذاکر شاغل کو تعویذوں کا استعمال جائز تو ہے، لیکن توکل کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے **لا یسترقون وعلی ربھم یتو کلون** اس میں اثر کدورت کا زیادہ ہے۔ دوا کے اندر نہیں۔ بات یہ ہے کہ دوا کو دنیا سمجھتے ہیں۔ تعویذ کو دین۔ پھر دوا سے زیادہ تعویذ پر اتکال [بھروسہ] ہوتا ہے۔ لوگ تعویذ لکھواتے ہیں، لکھ دیتا ہوں مگر میرا جی نہیں چاہتا۔ اور یوں لکھنے کو لکھ دیتا ہوں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے بہت ہی تکلیف پہنچائی۔ لکھنے میں ہاتھ تو آگے کو چلتا ہے قلب پیچھے کو ہٹتا ہے۔ بڑی کشاکشی سے تعویذ لکھتا ہوں، دلجوئی کے لیے لکھ دیتا ہوں۔

(جلد ۱۶۔ص:۲۱۵)

درویشی یا تصوف کی اصل حقیقت:

درویشی کی حقیقت فقط سہولتِ طاعت و دوام ذکر ہے۔ نہ بے خودی ہے۔ ایک سلسلۂ کلام میں ارشاد فرمایا:] درویشی کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ دل کو ایک لگاؤ پیدا ہو جاوے۔ اور اس کی ایسی لولگ جائے، جس سے طاعت میں سہولت ہو اور ہر دم اس کی یاد رہنے لگے۔ جیسے محبوب کے ہر حکم کی تعمیل آسان ہو جاتی ہے۔ اور اس کی یاد ہر وقت دل میں بسی رہتی ہے۔

(جلد ۱۶۔ص:۲۲۱۔۲۲۶)

قبر پر پڑھنے کی چند سورتیں:

استفسار پر فرمایا کہ کسی قبر پر فاتحہ پڑھنے میں چند سورتیں جن کی خاص فضیلتیں آئی ہیں، ان کو پڑھتا ہوں مثلاً الحمد شریف۔قل ہو اللہ (اکثر ۱۲ مرتبہ کیونکہ ایک روایت میں بارہ مرتبہ پڑھنے کی خاص فضیلت آئی ہے) الھٰکم التکاثر، اذا زلزلت، سورۃ الملک، سورہ یٰسین، قل یا أیھا الکفرون، قل اعوذ برب الفلق،قل اعوذ برب الناس. فرمایا کہ قبلہ کی طرف پشت کر کے فاتحہ پڑھنا چاہیے تا کہ مردہ کا مواجہہ ہو۔ (جلد ۱۶۔ص:۲۳۱)

عمارت بنانے کی مشکلات:

عمارت میں مشغولی بھی بہت ہوتی ہے۔ روپیہ بھی بہت صرف ہوتا ہے اور بہت دن تک سلسلہ جاری رہتا ہے، دماغ بھی صرف ہوتا ہے۔[یعنی بس ضرورت ہی کی عمارت بنوانی چاہیے]۔ (جلد ۱۶۔ص:۲۳۲)

صالحین کے جوار میں دفن ہونے کا نفع:

اچھے پڑوس سے بھی مردہ کو نفع ہوتا ہے۔صالحین کے جوار میں دفن ہونے سے نفع ہوتا ہے۔

(جلد ۱۶۔ص:۲۳۲)

حضرت حاجیؒ کے یہاں تسلی بہت تھی:

جھنجھانہ میں [حضرت حکیم الامتؒ کا] جو وعظ شب کو ہوا تھا، اس میں تصوف کو نہایت ہی سہل کر کے دکھلایا تھا۔عرض کیا گیا کہ اب اس سے بھی زیادہ کوئی سہل کر سکتا ہے۔حضور نے ثابت کر دیا کہ کسی قسم کی تکلیف ہی نہیں۔اور جو چند روز کی تکلیف ہے، وہ دراصل تکلیف نہیں محض صورت تکلیف ہے۔اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ سچی بات ہے۔فرمایا کہ جی واقعی شاعری نہیں ہے، بلکہ سچی بات ہے۔ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کا طفیل ہے۔پیر ہی ایسے ملے تھے، انھوں نے کبھی محنت وغیرہ کرائی ہی نہیں۔اور جتنی بڑی بھی کوئی شکایت پیش کی، یہی فرمایا کہ اجی یہ بھی نہیں۔حضرت

کے یہاں بہت ہی تسلی تھی۔ (جلد۱۶۔ص:۲۳۹)

دعا ضرور قبول ہوتی ہے:

میں تو سچ کہتا ہوں، جو دعا دل سے کی، کبھی نہیں یاد کہ وہ قبول نہ ہوئی۔ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی، تو اس میں اپنی کوتاہی ہوتی ہے۔ میں نے تو ہمیشہ تجربہ کیا ہے۔

(جلد۱۶۔ص:۲۴۴)

آپ کپڑے میلے کر ڈالتے ہیں، دھوبی انہیں دھو دیتا ہے:

ایک بار احقر نے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ باطنی صفائی حضور کی صحبت سے لے کر جاتا ہوں مکروہاتِ دنیا میں پہنچ کر پھر سب غتربود ہو جاتی ہے، فوراً فرمایا کہ جی! کیا مضایقہ ہے؟ آپ اپنے کپڑے میلے کر ڈالتے ہیں، دھوبی انہیں دھو دیتا ہے۔ آپ پھر میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی انہیں پھر دھو دیتا ہے۔ (جلد۱۶۔ص:۲۵۰)

ناجائز نوکری میں مبتلا شخص کیا کرے:

...اکثر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناجائز نوکری میں مبتلا ہو، تو اس کو یک لخت ملازمت ترک نہ کر دینا چاہیے۔ بلکہ کسی اور ذریعہ معاش کے فکر میں رہے۔ اور جب کوئی حلال ذریعہ میسر آجائے فوراً چھوڑ دے۔ اس سے پہلے ایسا ہرگز نہ کرے۔ کیونکہ اب تو ایک ہی بلا میں مبتلا ہے، جب کوئی ذریعۂ معاش نہ رہے گا، تو سینکڑوں بلاؤں میں مبتلا ہو جائے گا۔ (جلد۱۶۔ص:۲۵۳)

قہر خداوندی کی علامت:

فرمایا کہ جب خدا کا قہر ہوتا ہے معصیت پر افسوس بھی نہیں ہوتا۔ یہ بھی قہر کی علامت ہے۔ چنانچہ ابلیس کو افسوس بھی اپنی مردودیت پر نہیں ہوا۔ احقر نے عرض کیا تھا کہ اس کو اپنی مردودیت کا افسوس تو ہوتا ہوگا۔ ہنس کر فرمایا کیا خبر؟ کبھی ہمارے سامنے ذکر نہیں آیا۔ پھر فرمایا اجی بڑا بدمعاش ہے۔ اس کو افسوس بھی نہیں ہوتا۔ (جلد۱۶۔ص:۲۵۵)

ملکیت میں زیادہ چیزوں کا ہونا گراں ہوتا ہے:

فرمایا کہ کیا کہوں مجھے اموال کی بابت دعا کی توفیق بہت کم ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک کمی کی بات ہے۔ ایک مرتبہ اعظم گڑھ کا سفر ہوا تھا۔ اس میں فتوحات [یعنی ہدایا] سے ایک ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ میرے اوپر اتنے روپیہ کا رکھنا بار ہو گیا۔ کیا کہوں؟ ضعفِ قلب ہے۔ زیادہ چیزوں کا مِلک میں ہونا بھی گراں ہوتا ہے۔ میں نے پانچ سو کی سونے کی چوڑیاں گھر کے لوگوں کو بنوا دیں۔ اور پانچ سو ان کو نقد دیا۔ اس میں ایک مصلحت تھی وہ یہ کہ میں نے اپنا مکان گھر کے لوگوں کو مہر میں دے دیا ہے۔ ان سے تو ظاہر نہیں کیا، لیکن بجائے کرایہ کے میں نے وہ چوڑیاں بنوا دیں۔ کیونکہ میں ان کے مکان میں رہتا ہوں۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان'' اس خدا کی بندی نے وہ بھی [راہ خیر میں] صرف کر ڈالے۔ (جلد۱۶۔ص:۲۶۲)

بے ضرورت مخلوق سے اختلاط خرابیوں کی جڑ ہے:

[کسی سفر سے] تشریف لائے تو ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور کے تشریف لے جانے کے بعد یہاں رونق ہی نہیں رہتی۔ بالکل سونا سونا معلوم ہونے لگتا ہے۔ فرمایا کہ جی میں خود کہیں جانے سے گھبراتا ہوں۔ اور اگر کہیں جانا پڑتا ہے، تو جہاں تک ہوسکتا ہے جلد واپس آ جاتا ہوں۔ میرا جی نہیں لگتا ہے۔ حضرت بارہا فرما چکے ہیں کہ میں نے بہت سفر کئے ہیں۔ سبھی جگہ گیا ہوں۔ لیکن جو سکون اور جمعیت اس مقام پر دیکھی کہیں نہیں پائی۔ اس مسجد میں بہت عرصہ سے بزرگ رہتے چلے آئے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ دکانِ معرفت مشہور تھی۔ اخیر زمانہ میں سب سے زیادہ برکت ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے قیام کی وجہ سے ہوگئی۔ رات دن ذکر اللہ ہوتا تھا۔ یہاں کی اینٹ اینٹ ذکر سے آشنا ہوگئی ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ رات رات بھر روتے ہوئے اور اس شعر کو پڑھتے ہوئے گذار دیتے تھے:

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن ☆ گر بدم ہم سر من پیدا مکن

(جلد۱۶۔ص:۲۶۶)

انتخابات ملفوظات حکیم الامت

جلد۔ ۱۷

سلسلۂ حسن العزیز (جلد اول حصۂ دوم)

لطائف پر محنت کا طریقہ:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک لطیفہ بھی منور ہو جائے تو اس کے ذریعہ سے سب لطائف منور ہو جاتے ہیں۔ پھر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ مشائخ سب لطائف کا تصفیہ کرتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کے یہاں جیسا کہ حدیث میں ہے **ان فی الجسد مضغة اذا اصلحت صلح الجسد کله الا وھی القلب** ۔ زیادہ اہتمام قلب کا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر کے وقت قلب پر توجہ رکھنی چاہیے۔ جب قلب پر نورانیت ہوگی سب لطائف منور ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ کام کر رہے ہیں ان کو تو اس کا مشاہدہ ہے جس سے حضرت کی تحقیق کی قدر ہوتی ہے کہ کیسے محقق تھے۔ لطائف کے بعض ذاکرین کو ایسا منتشر دیکھا ہے کہ ایک لطیفہ سے فارغ ہو کر دوسرے میں لگے اول میں ضعف آ گیا اس کی خبر لی تو دوسرا ضعیف ہو گیا۔ (جلد ۱۷ ص: ۲۳)

مشورہ شدہ بات میں ترمیم کا طریقہ:

جو بات مشورہ سے طے کرتا ہوں، اس میں ترمیم بھی بلا اطلاع مشورہ والوں کے نہیں کرتا۔

اصلاح و ترقی کی دُھن کی تاثیر:

میں نے کبھی مجاہدے نہیں کیے کبھی یاد نہیں کہ سال بھر بھی میں نے پوری بارہ تسبیح کبھی پڑھی ہو۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی توجہ اور نیز قلب میں اس دُھن کے ہر وقت بسے رہنے سے حاصل ہوا جو کچھ ہوا۔ پھر فرمایا کہ خیر حاصل تو کیا ہوا؟ لیکن ان شاء اللہ امید ہے کہ مردود یت تو نہ ہوگی۔ (جلد ۷ اص:۳۶)

الوانِ نسبت:

فرمایا: نسبت کے بہت الوان ہیں، مثلاً نسبت خشیت، نسبتِ ہیبت، نسبتِ شوق، نسبتِ محبوبیت وغیرہ۔ [توضیح: نسبت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق کو۔ کسی پر اس تعلق میں شوق کا رنگ غالب ہوتا ہے، کسی پر محبت کا، کسی پر ہیبت کا، کسی پر خشیت کا، یہ الگ الگ رنگ ہیں]۔ (جلد ۷ اص:۳۹)

بزرگوں میں دیکھنے کی بات:

اصل چیز یہ ہے کہ حضورﷺ سے کس درجہ مناسبت ہے؟ اور مناسبت بھی بے ساختگی اور پختگی کے ساتھ۔ یوں دو چار دن کو تو سب بن سکتے ہیں۔ بس بڑی بات یہ ہے۔ (جلد ۷ اص:۴۲)

اولیاء اللہ کی حفاظت:

فرمایا کہ اولیاء اللہ معصوم تو نہیں ہوتے۔ محفوظ ہوتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں سے ان کی حفاظت فرماتا رہتا ہے۔ (جلد ۷ اص:۴۲)

میرے یہاں امید کے مضامین بہت ہیں:

فرمایا کہ میرے مواعظ میں امید کے مضامین بہت ہوتے ہیں۔ ترہیب بہت کم ہوتی ہے۔ میری زیادہ غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کا لگاؤ اور محبت حق تعالیٰ سے پیدا ہو جائے۔ گو خیال ہوتا ہے کہ معصیت پر جرأت نہ ہو جائے۔ لیکن لگاؤ اور محبت اگر پیدا ہو جائے تو معصیت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ حضرت حاجی صاحبؒ کا طریق ہے۔ وہاں بس تسلی ہی تسلی تھی۔ کسی حال میں مایوس نہ ہونے دیتے تھے۔ یوں فرماتے تھے کہ ہم لوگ عبد احسانی ہیں۔ احسان اور لطف کے بندے ہیں۔ جب تک آرام اور آسائش میں ہیں، تب تو عقائد بھی درست ہیں۔ اور تھوڑا بہت نماز روزہ بھی ہے۔ اور جہاں کوئی مصیبت پڑی، بس سب رخصت! اس لیے ہمیشہ حتی الامکان اپنے آپ کو مباح آرام میں رکھنا چاہیے۔ پانی جب پیے نہایت ٹھنڈا، تاکہ ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے۔ ورنہ گرم پانی پی کر

زبان تو الحمد للہ کہے گی لیکن دل شریک نہ ہوگا۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ایسا شخص میرے دیکھنے میں نہیں آیا نہ آئندہ امید ہے۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب جن کا تقوی مشہور ومعروف ہے، ان کا مقولہ قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی سے میں نے سنا ہے یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ سلف صالحین میں سے ہیں۔ یہ حق تعالٰی کی رحمت ہے کہ اس زمانے میں پیدا ہوئے۔ یہ بہت بڑی شہادت حضرت حاجی صاحبؒ کے کمال کی ہے کہ ایسے اکابر کی نظر میں حضرت کی اس قدر وقعت تھی۔ (جلد ۷ اص: ۴۴)

قلبی سکون بڑی قیمتی چیز ہے:

حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے جمعیت [سکون] کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ یہاں تک کہ چار پیسے اگر کسی کے پاس ہوں تو ان کو جمع رکھے۔ برباد نہ کرے تاکہ قلب کو جمعیت رہے۔ بے احتیاطیوں سے مرضوں کا ہجوم نہ ہونے دو۔ ایسی دلیری اور حق گوئی بھی نہ کرو کہ لوگ دشمن ہو جائیں اور قلب کو مشوّش کریں۔ غرض حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں اس کا بہت ہی اہتمام تھا کہ جمعیت ہو۔ اس لفظ کو بہت فرمایا کرتے تھے کہ جمعیت بڑی چیز ہے۔ (جلد ۷ اص: ۵۵)

اگر طلب صادق ہو تو بیعت کرنے میں کوئی تکلف نہیں:

حضرت! کہنے کی تو بات نہیں، لیکن میرے یہاں کون سی بات چھپی ہوئی ہے۔ بعضے شخص ایسا آتا ہے کہ اس کو دیکھتے ہی خود جی چاہتا ہے کہ اس سے کہیں تم ہم سے بیعت کرلو۔ جب اس سے باتیں ہوتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود سر سے پیر تک طلب میں غرق ہے۔ دیکھیے! جان نہ پہچان ایک بالکل اجنبی شخص، پہلی ملاقات، لیکن خود جی چاہتا ہے کہ یہ ہم سے بیعت کی درخواست کرے۔ ویسے خود کہنے میں کہ تم ہم سے مرید ہو جاؤ شرم آتی ہے کیونکہ عرف کے خلاف ہے اور طریق کی بدنامی بھی ہے۔...... پھر فرمایا کہ اگر طلب صادق دیکھ کر کہہ ہی دے کہ تم ہم سے مرید ہو جاؤ، تو کیا حرج ہے؟ لیکن پھر بھی یہ اس لیے مناسب نہیں کہ شاید اپنا یہ خیال کہ یہ طلب صادق ہے غلط ہو۔ تو جناب طلب وہ چیز ہے کہ خود اس کی طرف کشش ہوتی ہے۔

ایک بار اسی قسم کی گفتگو تھی، فرمایا کہ جس کسی کی بابت مجھے یہ تمنا ہوئی کہ یہ درخواست بیعت کی کرے، اس نے ضرور مجھ سے بیعت کی درخواست کی۔ جس کا خیال ایک سیکنڈ کے لیے بھی قلب میں آ گیا، خواہ بالکل سرسری اور گزرتا ہوا ہی ہو، لیکن تھوڑے دن بعد کیا دیکھتا ہوں کہ چلے آ رہے ہیں۔ کبھی اس کے خلاف نہیں ہوا۔ ایسا شخص جب بیعت کے لیے کہتا ہے فوراً کر لیتا ہوں کہ خدا نے منھ مانگا بھیجا ہے۔ اس سے نخرے نہیں کرنا چاہیے۔ (جلد ۷ اص:۶۲)

گھر کے انتظام کے بارے میں قیمتی مشورہ:

فرمایا کہ فتوی تو نہیں دیتا لیکن مشورہ ضرور دوں گا کہ گھر کا انتظام بیوی کے ہاتھ میں رکھنا چاہیے، یا خود اپنے ہاتھ میں۔ اوروں کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے وہ بھائی ہو یا بہن ہو، یا ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے بیوی کی بڑی دل شکنی ہوتی ہے۔ یا تو خاوند اپنے ہاتھ میں خرچ رکھے۔ ورنہ اور رشتہ داروں میں سب سے زیادہ مستحق بیوی ہے۔ بیوی کا صرف یہی حق نہیں کہ اس کو کھانا کپڑا دے دیا۔ بلکہ اس کی دلجوئی بھی ضروری ہے۔ (جلد ۷ اص:۶۶)

اللہ تعالیٰ توکل کیسے پیدا فرماتے ہیں؟

دورانِ درس مثنوی میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے، خود اس پر ایسے واقعات ڈالتے ہیں، جن سے اسباب کی تاثیر کی نفی ہوتی ہے۔ (جلد ۷ اص:۸۶)

مناظرے کے بارے میں حضرت کا ذوق:

آریوں کو جو قوت ہوئی اکثر کی رائے ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء ان کے جوابات دینے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے مقابلے کے لیے تو عوام ہی مناسب تھے۔ کیونکہ عالم کو تو یہ بھی لحاظ رہتا ہے کہ کوئی ایسی ویسی کچی بات منھ سے نہ نکلے۔

ایک مولوی صاحب سے کسی نے کہا کہ داڑھی رکھنے کا حکم قرآن مجید میں دکھلا دو انہوں نے یہ آیت پڑھی ﴿لاتاخذ بلحیتی﴾ اور کہا کہ دیکھو اگر ہارون علیہ السلام کے داڑھی نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام پکڑتے کہاں سے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کے داڑھی تھی۔ میں نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا اگر وہ یہ کہتا کہ اس سے داڑھی کا صرف وجود ثابت ہوا، وجود کا کون انکار کرتا

ہے وجوب تو ثابت نہ ہوا۔ وجوب ثابت کرو، تو آپ کے پاس کیا جواب تھا؟ مولوی صاحب بولے اجی اس میں اتنی سمجھ کہاں تھی وہ یہ سوال کرتا۔ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہمیں تو خدا جانے کچی بات کہتے شرم آتی ہے۔ ایسا شخص جو کچی بات کہنے سے شرمائے جاہلوں سے یا ہٹ دھرموں سے مقابلہ کب کرسکتا ہے۔ ایسوں کے مقابلہ کے لیے ایسا ہی [منہ زور، دبنگ] شخص چاہیے۔

ایک گنوار نے کسی عیسائی سے پوچھا کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے؟ اس نے کہا ہاں، اس نے پوچھا اور بھی کوئی بیٹا ہے؟ کہا: نہیں۔ اس نے کہا تیرے خدا سے تو (نعوذ باللہ) میں ہی اچھا ہوں۔ دیکھ میری تھوڑی سی عمر میں بیس لڑکے ہو چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تیرا خدا کچھ بھی نہیں، بہت ہی کمزور ہے۔ سب لوگ کہنے لگے: واہ بھائی! خوب کہی، پادری کو ہرا دیا۔ ایسے جاہلوں کی قدر ہوتی ہے مناظروں میں۔

...بس یہ چاہیے کہ جب اہل باطل بکیں، تو اپنی [حق بات اور اپنی دعوت] الگ کہنے لگیں۔ زیادہ اچھا طریقہ یہی ہے۔ انبیاء کا یہی طریقہ ہے۔ کفار کے جواب میں اتنی مشغولی نہیں کرتے تھے۔ حق کا تو اعادہ بار بار کرتے تھے، جواب کے زیادہ درپے نہیں ہوتے تھے۔ اس سے زیادہ نفع ہوا۔ مجھے طالب علمی ہی کے زمانہ میں یہ تجربہ ہو گیا تھا۔ اور بجائے مناظرہ کے میں یہ کرتا تھا کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں اپنا وعظ دوسری طرف کھڑے ہو کر کہنے لگتا تھا۔ اس سے بہت نفع ہوتا تھا۔ مناظرہ سے مجھے کو سخت نفرت ہے۔ [مگر کبھی بدرجۂ مجبوری اہل حق کو کرنا پڑا بھی ہے، لیکن وہ بس مجبوری کی حد تک ہی رہنا چاہیے]۔

مراد آباد میں کسی صاحب سے مناظرہ کرنے کے لیے ٹھہرالیا۔ میرے پاس خط آیا۔ میں نے انکار لکھ بھیجا۔ لیکن ایک بار مراد آباد ایسے ہی قصہ میں جانا پڑا۔ مگر اللہ جانے اس قدر نفرت [یعنی طبیعت کو ابا اور بیزاری] ہوئی کہ مجھے منہ دکھلاتے ہوئے شرم آتی تھی، کہ اگر کوئی پوچھے کہ کیوں آئے ہو تو کیا کہوں؟ یوں کہوں کہ مناظرہ کے لیے آیا ہوں، تو لاحول ولا قوۃ بڑی نامعقول حرکت ہے۔ مگر خیر مناظرہ نہیں ہوا۔ پھر وعظ وغیرہ ہوا۔ اس سے نفع ہوا۔ جس روز تاریخ مناظرہ کی تھی اِس قدر چرچا تھا کہ ہندو بھی آپس میں کہتے تھے کہ وہاں شاہی مسجد میں چلو، مولویوں کی لڑائی ہو رہی ہے۔

ایسی شرم آئی کہ لا الہ الا اللہ۔ ایسی ذلت مناظروں میں ہے۔ صاحب! مجھے تو بہت ہی ناپسند ہیں۔

[اہل دل علماء کو مناظروں سے صاف روحانی نقصان اور اپنی نسبت مع اللہ میں حجاب محسوس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا منظور نعمانیؒ جوانی میں زبردست مناظر تھے، مگر بس چند سالوں ہی میں اس مشغلہ کو ترک کر دیا۔ ان چند سالوں کے تجربہ نے اس حقیقت کا بھی خوب احساس کرا دیا کہ عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا صحیح اور نتیجہ خیز راستہ باطل پرستوں سے مناظرہ نہیں بلکہ ان کی دردمندانہ اور لگاتار تعلیم و تربیت ہے۔ پھر مناظروں سے طبیعت ایسی بیزار ہوئی کہ اس سلسلے کی اپنی تصنیفات تک سے اعتنا باقی نہیں رہا۔ چنانچہ بیشتر رسائل ضائع ہو گئے۔ (اگرچہ بعد میں فرماتے تھے کہ وہ چیزیں محفوظ رہتیں تو ایک علمی سرمایہ کے طور پر لوگوں کے کام آتیں)۔ یہاں تک کہ اس دور میں جب ابھی بس مناظروں کے ترک کا بس فیصلہ کیا تھا اور اس کا عمومی اعلان بھی نہیں ہوا تھا، دو بڑے عالی نسبت بزرگوں کی دعوت بھی بڑی مشکل سے قبول کی۔ یہ بزرگ تھے حضرت مولانا حسین علی نقشبندیؒ (واں بھچراں ضلع میاں والی) جو متحدہ پنجاب کے زبردست داعی توحید ہوئے ہیں، حضرت گنگوہی کے سلسلۂ اصلاح عقائد و رد بدعت کے اس علاقہ کے امام تھے، ان کی یہ دعوت اپنی سفارشی تحریر کے ساتھ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے بھیجی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کے عالی مقام کے احترام میں یہ آخری مناظرہ تھا۔ جو ۱۹۳۶ء میں ہوا تھا۔ حضرت نعمانی بھی مناظروں سے اسی قلبی کبیدگی و افسردگی اور توجہ الی اللہ میں نقصان کا تذکرہ فرماتے تھے جس کا حضرت حکیم الامتؒ نے بیان فرمایا ہے۔ ہمارے جدید فضلاء مدارس میں مناظروں سے جو غیر ضروری شغف پیدا ہو گیا ہے، اور جس میں (بڑے ادب اور افسوس کے ساتھ عرض ہے کہ) ہمارے ان بڑوں کے توجہ نہ دلانے کا بھی دخل ہے، جن کی نگاہ کسی وجہ سے اس کے دینی نقصان، اخلاقی مفاسد اور اجتماعی انتشار کی طرف مبذول نہیں ہو رہی ہے۔ اس عاجز مرتب نے اسی صورت حال کی وجہ سے حکیم الامتؒ کے اس ملفوظ کو بطولہ نقل بھی کیا اور درمیان میں یہ سطریں بطور توضیح تحریر بھی کیں۔ یحییٰ]

مولانا محمد قاسم صاحبؒ بھی بہت نفور تھے۔ مسلمانوں سے بالکل مناظرہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں! کفار سے کرتے تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک شخص نے ایک سوال لکھ کر

بھیجا۔ مولانا نے مجھ سے جواب لکھوا دیا۔ اس نے جواب پر پھر اعتراض لکھا۔ میں نے اس کا جواب لکھنا چاہا۔ مولانا نے فرمایا کہ جواب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لکھ دو کہ ہم مرغان جنگی نہیں ہیں۔ ہمیں لڑنے کی فرصت نہیں۔ کسی اور جگہ سے جواب منگا لو۔ میں نے عرض بھی کیا کہ حضرت کچھ تو جواب لکھ دوں۔ فرمایا: نہیں جی، واہیات بات ہے۔ کیوں وقت ضائع کیا جائے؟ پھر ہمارے حضرت [تھانویؒ] نے فرمایا کہ اُس وقت تو سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اب قدر معلوم ہوتی ہے کہ کیا بات تھی! واقعی وقت بہت خراب ہوتا ہے۔ اور دل بھی خراب ہوتا ہے۔

...البتہ جہاں متردّدین کے شبہات کے ارتفاع کی بجز اس کے کوئی صورت ہی نہ ہو، وہاں مضایقہ ہی نہیں۔ (جلد ۷ اص: ۸۹۔۹۱)

غرباء کے پیسے میں برکت اور رونق:

فرمایا کہ میں تو امراء کو مشورہ دیا کرتا ہوں کہ اگر تم کسی نیک کام میں روپیہ لگاؤ تو اگر برکت چاہتے ہو تو، غرباء کے بھی دو چار پیسے شامل کر لیا کرو۔ اگر ویسے نہ ہو تو مانگ ہی کر شامل کر لیا کرو۔ میں اس کی نظیر بتلایا کرتا ہوں کہ دیکھ لو۔ جہاں خالص امراء کے مدرسے ہیں، وہاں دیکھ لو کہ کیا نور برس رہا ہے کہ وہاں سے ایک عالم بھی نہیں نکلا۔ اور ایک سہارنپور کا مدرسہ ہے اور دیوبند کا مدرسہ ہے۔ جہاں دیکھ لو کیسی رونق ہے۔ اگر امراء یہ کہیں کہ وہاں بھی ہمارے ہی پیسہ سے رونق ہے تو اچھا جہاں تمہارا خالص پیسہ ہے وہاں رونق کیوں نہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ سب غرباء کے پیسہ کی برکت ہے۔

میں نے یہ مضمون ایک خاص موقعہ کے وعظ میں کہا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ میں ایک مسجد ایک ریاست کی جاگیردار رئیسہ نے بنوائی ہے۔ اس کے افتتاح کا جلسہ رئیسہ نے کرایا تھا۔ اور خود بھی تشریف لائی تھیں۔ انہیں نے مہتمم صاحب کو لکھا تھا کہ آپ اپنے مدرسہ کے سرپرستوں کو جمع کر لیجیے گا۔ مہتمم صاحب نے مجھے لکھا۔ مجھے نہایت ناگوار ہوا۔ میں نے لکھا کہ میں ہرگز نہیں آؤں گا۔ اگر ہم اس ریاست میں کسی کو لکھ بھیجیں کہ ہم فلاں تاریخ وہاں آئیں گے، فلاں رئیسہ کو کہہ دینا کہ ہم سے فلاں جگہ ملیں، تو کیا پسند کریں گی؟ پھر ان میں کیا چیز زیادہ ہے؟ مہتمم صاحب نے لکھا کہ یہ تو ان کے کارندہ کی بے تمیزی ہے، کہ ایسا مضمون لکھ دیا۔ میں نے لکھ دیا کہ ایسا کارندہ رکھنا

بھی محلِّ شکایت ہے۔ میں نے لکھ دیا کہ بات یہ ہے کہ میں ان کے بلانے سے اس ذلت کے ساتھ نہیں آؤں گا۔ اگر بلاتی ہیں تو استقبال کا سامان کریں، اول منظوری لیں۔

لیکن ہاں آپ کے بلانے سے آؤں گا۔ اور جوتیاں چٹخاتے ہوئے آؤں گا۔ ننگے پاؤں آؤں گا۔ لیکن ان سے نہ ملوں گا۔ پھر میں مدرسہ کی طرف سے بلانے پر پہنچ گیا۔ اور اسٹیشن سے پیدل ہی مدرسہ پہنچا۔ وہ اینٹھ مروڑ تو امیروں کے مقابلہ میں تھی۔ میں نے وہاں وعظ کہا۔ اور اس میں بجائے شکریہ وغیرہ کے یہی کہا کہ امراء کے پیسے میں جو برکت ہے تو غرباء ہی کے پیسے شامل ہونے سے ہے، امراء کو احسان مند ہونا چاہیے غرباء کا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ بعد وعظ کہیں حضرات مدرسہ اصرار نہ کریں ان رئیسہ سے ملنے کا۔ اس لیے میں وعظ کہہ کر سیدھا اسٹیشن پہنچ گیا۔ ان رئیسہ نے مٹھائی بھی تقسیم کی تھی۔ مجھے مٹھائی اسٹیشن پر بھیجی۔ اور کہلا بھیجا کہ اس میں شبہہ نہ کیجیے، یہ میرا حصہ ہے۔ میں نے دعا کی۔ بیچاری بہت دیندار اور نیک بخت ہیں۔ مگر حضرات امراء کے ساتھ یوں ہی کرنا چاہیے۔ (جلد ۷ اص: ۹۱۔۹۲)

غریب کی خاطر داری:

بارہا فرمایا ہے کہ خوشامد کرانے کی غرض سے انکار تو نہیں کیا کرتا۔ بلکہ خواہ کوئی کیسے ہی معمولی طور سے کہے، میں جلدی انکار نہیں کرتا۔ بلکہ اچھی طرح سوچنے کے بعد جب فرصت نہیں دیکھتا، تب انکار کرتا ہوں۔ نہ میرے اوپر اس کا کچھ اثر ہوتا ہے کہ خاص طور سے بلانے کے لیے کوئی آدمی بھیجا جائے۔

...ایک غریب سے جو لینے کی غرض سے آئے تھے، مفصل طور پر اپنے عذرات بیان کر کے فرمایا کہ میں نے اس لیے مفصل گفتگو کی ہے، کہ تمھیں یہ خیال نہ ہو کہ ہم غریب تھے، اس لیے انکار کر دیا۔ اگر کوئی امیر ہوتا تو اتنا بھی نہ کہتا، سیدھی بات کہہ دیتا کہ فرصت نہیں۔ (جلد ۷ اص: ۱۱۵۔۱۱۶)

مقدمہ کے لیے وظیفہ:

حضرت نے مقدمہ کے لیے فرمایا کہ یا حفیظ ہر نماز کے بعد سو مرتبہ پڑھا کرو، اول آخر درود شریف اور ویسے بھی ہر وقت یا حفیظ کی کثرت رکھا کرو۔ پھر گھر جانے کے لیے اٹھے، تو چلتے میں پوچھا کہ کیا مقدمہ ہے؟ اس نے کہا کہ خود میں نے دائر کیا ہے۔ فرمایا کہ بھلے مانس یہ پہلے ہی کیوں

نہ کہا۔ میں سمجھا کوئی فوجداری کا مقدمہ تمہارے اوپر ہے۔ پھر فرمایا کہ اس صورت میں یا حفیظ کی بجائے یا لطیف پڑھنا چاہیے۔ (جلد۷اص:۱۱۶)

صحبت شیخ کب اور کتنی ضروری ہے:

...جب تک طریق کی حقیقت نہ معلوم ہو جائے تب تک تو [طویل] صحبت ضروری ہے جب اس کی حقیقت معلوم ہوگئی اور طریق سے مناسبت پیدا ہوگئی پھر [طویل] صحبت ضروری نہیں۔ صحبت کے ضروری ہونے کی حد یہی ہے۔ [البتہ گاہے بگاہے شیخ کی خدمت میں حاضری ہونی چاہیے، فیض کو ترقی ہوتی ہے]۔ (جلد۷اص:۱۱۸)

ایک صاحب کو بے جا بحث اور بے ادبی پر تنبیہ:

مولانا آپ مجتہد ہیں۔ جب تک اجتہاد کا مادہ نہ نکلے گا، کسی بندۂ خدا سے آپ کو نفع نہیں پہنچ سکتا۔ آپ بہت بڑا اپنے کو سمجھتے ہیں۔ اگر اتباع سے عار آتا ہے، تو کتابیں دیکھ دیکھ کر خود ہی ذکر شغل کرتے رہیے۔ خودرو درخت کی طرح ہو جائے گی۔ کوئی شاخ ادھر جا رہی ہے کوئی ادھر جا رہی ہے۔ جیسے بے ڈھنگا درخت ہوتا ہے۔ آپ پیر بھی ہو جائیں گے۔ خصوص پنجاب میں، جہاں پیر بن جانا کچھ مشکل ہی نہیں۔ کیا طلب کی یہی شان ہوتی ہے کہ تعلیم کی یوں بے قدری کی جائے؟ یہ مولویوں میں اور مرض ہے مقتداء بننے کا۔ جہاں چار جاہلوں نے مولوی صاحب! مولوی صاحب! کہا، بس اپنے آپ کو مقتدیٰ سمجھنے لگے۔ آپ مقتدا عوام میں ہوں گے، اس فن میں آپ مقتدا نہیں۔ یہاں اطاعت ہی سے کام چل سکتا ہے اور اطاعت کا مادہ آپ میں ہے نہیں۔ ہر بات کو نہایت وحشت اور حیرت سے سنتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قلب بالکل قبول نہیں کرتا۔ کسی نے اشتہار دے کر تو آپ کو بلایا نہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی مرضی کے موافق تعلیم تلقین کی جائے۔ اگر طبیب نسخہ کی تجویز میں مریض کی خواہش کا اتباع کرے تو وہ طبیب نہیں ہے، ڈاکو ہے، چوٹا ہے۔ کوئی ایسا پیر ڈھونڈ یے جو آپ کی رائے کے مطابق تعلیم کرے۔ ہم تو جو کہیں گے تجربہ سے کہیں گے اس پر وثوق ہو عمل کیجئے ورنہ جائیے۔...... اگر تم کو اعتقاد ہو تو علاج کراؤ ورنہ جاؤ۔ البتہ اگر کوئی خلاف شرع کام میں بتلاؤں تو بے شک مت عمل کرو۔ پھر فرمایا کہ یہ رہ گئی ہے طلب! اناللہ وانا الیہ راجعون۔

...پھر قبل مغرب مکان پر بلوا کر ان کو بیعت کر لیا۔ اور فرمایا کہ مولوی صاحب میرے قلب میں واقعی آپ کی محبت ہے، بلکہ عقیدت ہے۔ میرا کہا سنا معاف کیجیے گا۔ میں جو کچھ سختی کرتا ہوں اپنے نفس کے لیے نہیں کرتا۔ بات یہ ہے کہ جس سے تعلق ہوتا ہے اس کے لیے یہ جی چاہتا ہے کہ اس میں کسی طرح کی کمی یا نقص نہ رہ جائے۔ اسی لیے بات بات پر ٹوکتا ہوں اور اس کی اصلاح کرتا ہوں۔

(جلد ۷ اص: ۱۲۰۔۱۲۱)

دعوت و ہدیہ میں احتیاط کا پہلو:

فرمایا کہ میں دعوت اور ہدیہ میں حلال اور حرام کو تو زیادہ نہیں دیکھتا۔ کیونکہ میں متقی نہیں۔ بس جو فتوائے فقہی کی رو سے جائز ہو، اسے جائز سمجھتا ہوں۔ تقوی کا اہتمام نہیں۔ لیکن اس کا بہت خیال رکھتا ہوں کہ دین کی عزت میں کمی نہ ہو۔ دھوکہ نہ ہو۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ [دینے والے پر] بوجھ نہ ہو۔ یعنی گنجائش سے زیادہ نہ ہو۔ (جلد ۷ اص: ۱۲۴)

بلاضرورت اہل بدعت کے تذکرہ سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے:

[ایک بدعتی صاحب اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتے تھے، جس سے کافی دیر تک اہل بدعت سے متعلق گفتگو کی اس کے بعد] خدام میں سے ایک صاحب اہل بدعت کے تذکرے کرنے لگے۔ حضرت نے روک دیا۔ فرمایا کہ خیر! ان تذکروں سے کدورت ہوتی ہے، انہیں چھوڑیئے۔ مجھے تو معاملہ کی وجہ سے [ان صاحب سے] یہ تذکرہ کرنا پڑا۔ بجز ذکر محبوب کے کسی کا ذکر ہی نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ دنیا کی باتیں کر لینا اس سے اچھا ہے۔ ان قصوں سے بہت ہی کدورت اور ظلمت قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ میں تو بلاضرورت کبھی ذکر نہیں کرتا۔ کیا کروں اس وقت ضرورت ہوگئی۔

مبدأ فیض اللہ کی ذات ہے:

فرمایا: بندہ جب کام میں لگتا ہے خدا خود مدد فرماتا ہے۔ تعلیم کنندہ [یعنی شیخ] تو محض بہانہ ہے۔ اصل میں مبدأ فیاض ہی سے فیوض و برکات نازل ہوتے ہیں۔ شیخ برائے نام واسطہ ہوتا ہے،

لیکن طالب کو چاہیے کہ واسطہ کی قدر کرے۔ کیونکہ خدا کی عادت ہے کہ بدوں واسطہ کے وہ فیوض و برکات نازل نہیں فرماتے۔ (جلد ۱۷ص:۱۳۵۔۱۵۸)

شیخ متوجہ نہ ہو سکے، پھر بھی حاضری بہت نافع ہے:

...ایک ذاکر صاحب عرض حال کے لیے بعد مغرب حاضر ہوئے۔ از خود حضرت نے فرمانا شروع کیا کہ میں شرمندہ ہوں کہ آپ ہمیشہ محبت سے آئے، مگر مجھے آپ کی طرف خاص طور پر متوجہ ہونے اور بات چیت کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ کیونکہ کاموں کی کثرت کی وجہ سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ بدوں اس کے کہ میں متوجہ ہوں، یاد کر کے آجاتے ہیں۔ اس سے مجھے آپ کے ساتھ انس اور الفت بڑھتی جاتی ہے۔ بے غرض محبت جو طالب کی شان ہے، وہ حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ ان شاء اللہ اس کی برکتیں آپ کو عطا ہوں گی۔ جو محبت محض حق تعالیٰ کے لیے ہو، کوئی دنیوی غرض یا نفس کا حظ نہ ہو، آپ کی محبت کی یہ شان اللہ نے کی ہے۔ ان صاحب نے عجز کی کلمات کہہ کر عرض کیا کہ اطلاع کے قابل کوئی حال نہیں۔

فرمایا کہ خواہ کوئی حال ہو یا نہ ہو، اطلاع ہونی چاہیے۔ کوئی حال نہیں، یہ بھی ایک حال ہے۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ کبھی استغراق ہے کبھی غفلت کبھی ذکر زبان اور قلب دونوں کے ساتھ جاری رہتا ہے کبھی محض قلب سے اور کبھی محض زبان سے غرض کبھی کوئی حالت ہے کبھی کوئی۔ کوئی مستقل حالت نہیں پیدا ہوتی۔ فرمایا کہ سب علامتیں ہیں کہ رستہ طے ہو رہا ہے۔ ان کا پیش آنا علامت اس کی ہے کہ رستہ طے ہو رہا ہے۔ اور روز بروز مقصود سے قرب ہوتا جاتا ہے۔ ابتداء میں بلکہ توسط تک کی حالت میں تلوین ہی رہتی ہے۔ استقلال تو مدتوں کے بعد ہوتا ہے۔ کمالِ رسوخِ نسبت کے بعد البتہ حالت کا ثبات ہوتا ہے۔ نہ اس حالت کا انتظار رکھے، نہ اس تلوین سے دل گیر ہو جائے۔

......اگر کوئی کیفیت نہ ہو کچھ پرواہ نہ کرے۔ یہ خالی رہ جانا قبض کہلاتا ہے۔ قبض بسط سے بھی ارفع ہے۔ اس واسطے کہ اپنی حقیقت قبض ہی میں معلوم ہوتی ہے۔ اگر بسط دائم رہے، تو بہت سے اخلاق رذیلہ پیدا ہو جائیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے رزق ظاہری کی بابت فرمایا ہے کہ ”**ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض**“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ رزق کو فراخ فرمادیتے اپنے بندوں کے لیے تو وہ

شرارت کرتے۔سو احوال کے رزقِ باطنی میں بھی یہی ہوتا ہے۔اگر احوال دائم رہیں۔تو بہت سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جائیں۔یعنی طغیان، بڑائی، عجب وغیرہ۔پس قبض میں بھی صدہا مصلحتیں ہیں۔

بہر حال مربی کا شکر کرنا چاہیے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم خالی ہیں۔کام میں لگا رہے اور حالت سے اطلاع دیتا رہے۔ان شاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔اس راہ میں ہرگز ہرگز حرمان نہیں ہوتا۔

(جلد ۱۷ص:۱۵۹۔۱۶۱)

کلام سے صاحب کلام کے حال کا اندازہ:

مثنوی شریف میں حقیقت دنیا سے متعلق ایک مضمون کے بارے میں یہ فرمایا کہ اور شاعروں نے اس سے بھی زیادہ باتیں کہی ہیں۔لیکن ان میں کیوں اثر نہیں؟ مولانا کے بیان کے بعد تو دنیا کی حقیقت کچھ نہیں معلوم ہوتی۔[وجہ یہ ہے کہ] حضرت مولانا پر تو حال طاری ہے۔اور شاعروں کے کلام میں یہ اثر کہاں؟ اسی طرح حضرت عارف[حافظ] شیرازی کو لوگ کہتے ہیں کہ شرابی کبابی تھے۔میں کہتا ہوں کہ ان کے بزرگ ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اور شاعروں کے کلام میں یہ اثر کیوں نہیں، جو ان کے کلام میں ہے؟ ان کے اشعار دل کیوں لے لیتے ہیں؟ ان کے پڑھنے سے دنیا سے دل سرد کیوں ہو جاتا ہے؟ یوں شرابی تو بہت سے گذرے ہیں ان کے کلام میں کیوں اثر نہیں؟ (جلد ۱۷ص:۱۶۳۔۱۶۴)

خود پر اعتراض سنتے ہوئے کی کیفیت:

فرمایا کہ جب کوئی مجھ پر اعتراض کرتا ہے، تو اول جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہی ہوتی ہے، کہ مجھ سے ضرور غلطی ہوئی ہوگی۔الحمدللہ! یہ کبھی ذہن میں نہیں آتا کہ بات بنائیں۔ایک بار فرمایا کہ میں نے اپنے نفس کے علاج کے لیے ایک سالانہ رسالہ ترجیح الراجح کے نام سے نکالا ہے۔جس میں وہ غلطیاں درج ہوتی رہیں گی، جن کا سال بھر کے اندر مجھ سے صادر ہونا معلوم ہوتا رہے گا۔ چنانچہ اب ہر سال اس رسالہ کی تکمیل کی غرض سے مشتاق اور متلاشی رہا کرتا ہوں کہ کوئی میری غلطیاں نکال نکال کر مجھے مطلع کرے تاکہ وہ رسالہ تو پورا ہو۔ (جلد ۱۷ص:۱۶۵)

نفس کا کید بہت مخفی ہوتا ہے:

ایک حکیم صاحب نے جو اپنے ہی سلسلہ کے ہیں، اپنے احوال باطنی ایک پرچہ میں لکھ کر پیش کیے۔ جس میں پینسل سے اخیر میں یہ بھی لکھا کہ آپ کو اور دیگر حضرات کو لوگ برا بھلا کہتے ہیں۔ اس سے بہت صدمہ ہوتا ہے۔ اس کی بابت غالبًا...... کچھ مشورہ دیا تھا کہ اگر فلاں کام نہ کیا جاتا تو اچھا ہوتا، (اور وہ دینی کام تھا)۔ حضرت نے اور باتوں کا زبانی جواب دے کر فرمایا کہ جو اخیر میں پینسل سے لکھا ہے، وہ تو محض فضول ہی ہے۔ پھر بہت دیر تک بلکہ قریب قریب مغرب تک اس کے متعلق تنبیہ فرماتے رہے۔ مختصراً نقل کرتا ہوں۔

فرمایا کہ میں پیشتر بھی آپ کو اس کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ لیکن آپ پر مطلق اثر نہیں ہوا۔ پیشتر تو آپ کا سوال کرنا ناگوار نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج مجھ کو ناگوار ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کے برا بھلا کہنے سے ہمارے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔...فرمایا: سینکڑوں لوگ خدا کو برا بھلا کہتے ہیں، رسول کو برا بھلا کہتے ہیں، مجتہدین کو برا بھلا کہتے ہیں، آپ نے کچھ اس کا انسداد کیا؟ اگر نہیں کیا تو بس ایک نالائق اشرف علی ہی کے برا بھلا کہنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے، جو اس کے انسداد کی فکر ہوئی۔ کچھ بھی نہیں ہوئی۔ [حقیقت یہ ہے کہ] آپ میں مادہ کبر کا ہے، آپ کو اس لیے ناگوار ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر کو برا بھلا کہنے میں ہماری ذلت اور خواری ہے۔ یہ ہے کید نفس کا۔

......میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی معتقدین میں سے میری تعریفیں کرتا ہے، تو مجھے فوراً اپنے ''کارنامے'' اور نفس کی شرارتیں سب یاد آجاتی ہیں۔ اور سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ دھوکہ میں ہیں۔ اور جو برائیاں کرتے ہیں ان کو سمجھتا ہوں کہ ٹھیک تو کہتے ہیں۔ گو جن بہتانوں کی بناء پر وہ برائیاں کرتے ہیں، وہ غلط ہیں۔ لیکن میں شکر کرتا ہوں کہ خدا نے میرے اصلی عیوب ان سے پوشیدہ کر رکھے ہیں۔ لیکن بہر حال بناء استحقاق تو ان برائیوں کی میرے اندر موجود ہے۔ اسی لیے طرف داروں پر مجھے برہمی ہوتی ہے کہ [مجھ] ایسے شخص کی کیوں طرف داری کرتے ہیں۔ دین کو چھوڑ کر غیر دین میں کیوں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر برائی نہیں سنی جاتی، صبر کرو اٹھ کر چلے جاؤ۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جنگ وجدال اور فوجداری ہی کی جائے۔ نہیں صبر ہوتا چلے جاؤ۔

......پھر فرمایا کہ خدا جانے توجہ الی اللہ کیوں نہیں ہے جو توجہ الی الخلق ہوتی ہے۔قلب ہے یا سرائے ہے کہ جس میں خدا بھی بستا ہے بدعتی بھی بستے ہیں، اہل مراد آباد بھی بستے ہیں، بچھراؤں والے بھی بستے ہیں۔قلب کیا ہے سرائے ہے، کوئی کسی کوٹھری میں کوئی کسی کوٹھری میں۔نور حق ہوتا تو یہ خرافات کہیں قلوب میں رہ سکتی تھی؟ (جلد ۱۷ص:۱۷۳۔۱۷۹)

دل کے چور:

...ایک صاحب کا خط آیا ہے انہوں نے ایک مدرسہ توکل پر کھول رکھا ہے لیکن انہیں طریق ہی نہیں معلوم، توکل کی حقیقت ہی سے بے خبر ہیں۔لکھا ہے کہ بوجہ روپیہ نہ ہونے کے ایک مدرس نے استعفاء دے دیا۔جس سے دل کو بہت ہراس ہے۔ایک مدرس کی کمی سے حسرت ہے۔ان سے کوئی پوچھے کہ ہراس اور حسرت کیوں ہے؟ میری نگاہ بہت دور پہنچی ہوئی ہے اس میں۔سو بات یہ ہے کہ چور ہے قلب کے اندر۔وہ یہ کہ اپنی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں ایک خاص کام کو، کہ ہم سے ایسا بڑا کام ہوا۔اس لیے اس کے اسباب کم ہونے سے ہراس ہوتا ہے۔

مگر کوئی خاص درجہ کا کام ہی کیوں اپنے ذہن میں متعین کرے؟ جتنی خدمت اپنے اختیار میں ہو وہ کرتا رہے۔پس اگر بالکل روپیہ نہ رہے اور سب مدرسین چھوڑ کر چلے جائیں، تو خود اکیلا ہی اپنے گھر پر طالب علموں کو لے کر بیٹھ جائے۔کیونکہ اس سے زیادہ پر اس کو اب قدرت ہی نہیں رہی۔کام کے خاص درجہ کو کیوں مقصود سمجھے؟ کام سے بھی تو مقصود رضا ہی ہے۔

...ان صاحب کو یہی حسرت ہے کہ مدرسہ کا کام گھٹ گیا۔ارے ہم کہتے ہیں کہ کام سے مقصود کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رضا، وہ تو نہیں گھٹی۔جب سو طالب علموں کی خدمت اختیار میں تھی سو کی خدمت کرتے تھے۔اب پانچ کی اختیار میں ہے پانچ کی کریں۔کام ہلکا اور ثواب وہی۔پھر غم کاہے کا؟

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ بیمار پڑتا ہے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ میرا بندہ معذور ہو گیا ہے۔جو نیک عمل یہ حالت صحت میں کرتا تھا وہی اب بھی تم روز بروز لکھتے رہو۔دیکھئے ثواب وہی لکھا جاتا ہے۔حالانکہ عمل نہیں۔اگر ہم پانچ ہی کی خدمت کی قدرت رکھتے ہیں، لیکن نیت یہ ہے کہ اگر قدرت ہوتی تو سو کی خدمت کرتے، تو ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ سو کی خدمت

کرنے میں ملتا۔ بلکہ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ دماغ رہا ہلکا اور ثواب ملا پورا۔

...بس بات یہ ہے کہ مدرسہ چھوٹا رہ جائے گا تو بانی صاحب کی ذلت ہوگی، کہ بڑا آپ نے مدرسہ کھولا تھا۔ اب رہ گئی ''مَدرَسی''۔ پھر فرمایا کہ یہ مصیبت ہوگئی۔ لوگ دور پڑے ہوئے ہیں طریق سے۔ (جلد ۷ اص: ۱۷۹۔۱۸۲)

حیا اور غیرت کی برکت:

فرمایا کہ رائے پور کے سفر میں بہٹ کے قریب سے پیدل گیا۔ گو شاہ زاہد حسین نہایت محبت سے پیش آئے۔ اور نہایت خوشی سے سواری کا انتظام کر دیتے، لیکن مجھے شرم آئی۔ حافظ فصیح الدین صاحب بہٹ میں اتر پڑے کیونکہ وہ پیدل نہ چل سکتے تھے۔ ان کے ساتھ میں نے شیخ رشید احمد صاحب کو بھیجا کہ بلا اطلاع کیے دروازہ تک پہنچا کر چلے آؤ۔ کیونکہ وہ بڑے آدمی ہیں۔ تنہا جانے میں ان کی سبکی بھی ہے۔ اور خوف بھی ہے کہ کہیں کوئی کتا وغیرہ پریشان نہ کرے۔ میں امراء کی خوشامد تو نہیں کرتا لیکن اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی بات ان کی شان کے خلاف نہ ہو۔

حافظ صاحب سے میں نے کہہ دیا کہ ایک گھنٹہ کے بعد آپ میری اطلاع کرنا تا کہ میں دور پہنچ جاؤں۔ [بیل] گاڑی شیخ صاحب کے انتظار میں وہیں کھڑی رہی۔ لیکن میں اتر کر پیدل چلنے لگا تا کہ بہٹ سے جتنا بڑھ جاؤں اچھا ہے۔

غرض اس کا بڑا اہتمام کیا کہ شاہ صاحب کو اطلاع نہ ہونے پائے۔ گو وہ بہت مخلص اور بڑے رئیس ہیں۔ ان کے نزدیک ایک چھکڑا کر دینا کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن مجھے خود اس کا سبب بننا، ہرگز گوارا نہ ہوا۔ شرم آئی کہ ان سے ملنا تو گویا خود سواری مانگنا ہے۔ ہاں لوٹتے وقت ملنے کا ارادہ تھا۔ پھر اگلے روز وہ خود رائے پور آ گئے۔ اور واپسی میں انہوں نے خود اپنی ٹمٹم میں بٹھلایا۔ اس میں میں نے ذرا عذر نہیں کیا، کیونکہ خود مانگنا تو تذلل تھا۔ اور کہنے پر نہ جانا تکبر ہے۔ یہ دونوں برے۔

بعد کو ایک موقعہ پر فرمایا کہ الحمد للہ مجھ میں غیرت کا مادہ بہت ہے۔ یہاں تک کہ اس پر بھی غیرت آئی کہ شاہ صاحب کو میری غیرت کا بھی حال معلوم ہو۔ اور اس غیرت کو بھی میں نے ان سے چھپایا۔ تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ بلکہ ان سے اور کچھ عذر کر دیا تھا۔ (جلد ۷ اص: ۱۹۶۔۱۹۷)

عسرت سنت انبیاء ہے:

عسرت کی شکایت پر فرمایا کہ یہ انبیاء کی سنت ہے۔ رزق جتنا مقدر ہوتا ہے اتنا ہی ملتا ہے اس کا کوئی خاص وظیفہ نہیں۔ ہاں دعا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالی سکون دے دیں گے۔ جب اللہ تعالی سے تعلق بڑھ جاتا ہے، پھر پریشانی نہیں ہوتی۔ اور تعلق پیدا کرنے کی سب سے بڑی ترکیب یہ ہے کہ خوب مانگا کرے۔ (جلد۷اص:۱۹۸)

حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کا ایک خواب:

حضرتؒ نے خواب دیکھا تھا کہ حضورﷺ تشریف لائے ہیں۔ حضرت کی ایک بھاوج تھیں، وہ کھانے پکانے کا انتظام کیا کرتی تھیں۔ حضورﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم ہٹو۔ ان کے مہمان علماء ہیں۔ اور ان کی میزبانی ہمارے ذمہ ہے۔ ہم انتظام کریں گے۔ حضرت حاجی صاحب اس کے قبل علماء کو بیعت نہ کرتے تھے، انکار فرمادیتے تھے۔ خواب کے بعد پھر انکار نہیں کیا۔ سمجھ گئے کہ حکم ہے۔ پھر کیسے کیسے علماء بیعت ہوئے جو کہ اپنے وقت کے امام ہیں۔ (جلد۷اص:۲۱۰۔۲۱۱)

کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کی رحمت کا؟

فرمایا کہ یقین تو یہ ہے کہ بہت ہی کم مسلمان ایسے ہوں گے جن کو عذاب ہوگا۔ ورنہ قریب قریب سب ہی بغیر عذاب بخش دیے جائیں گے۔ کوئی بہت ہی ماردمتمرد [سرکش وباغی] ہوگا، اسی کو تھوڑا بہت عذاب دیا جائے گا کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کی رحمت کا۔ (جلد:۷اص:۲۱۶)

ایک طبیب کا خواب جو توبہ کا ذریعہ بنا:

کاندھلہ کے ایک طبیب صاحب نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ شب کو یکا یک سوتے سوتے خود بخود نہ معلوم کس طرح میں مصلے پر پہنچا اور ہوش آیا، تو اپنے آپ کو میں نے مصلے پر پایا۔ وہاں میں لیٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ تو جو بزرگوں کی طرف سے فاسد خیالات رکھتا ہے ان سے جلد توبہ کرو۔ ورنہ (نتیجہ یاد سے اتر گیا)۔

میں واقعی بزرگوں کی طرف سے بہت فاسد خیالات رکھتا تھا اور برا بھلا کہا کرتا تھا۔...... میں نے صبح اپنی نبض دیکھی طبیعت کا اندازہ کیا کہ خراب تو نہیں۔ مگر کوئی بیماری کا اثر محسوس نہ ہوا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ خواب کسی بیماری کی وجہ سے تو نہیں دکھلائی دیا؟ لیکن میں اپنے اندر کسی قسم کی بیماری کا اثر نہ پاتا تھا۔ میرے اوپر اس خواب کا اثر یہاں تک غالب رہا کہ میں دوپہر کو مولوی حکیم صدیق احمد صاحب [خلیفہ حضرت گنگوہیؒ] کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے میں نے معافی مانگی کہ جو کچھ میں نے آپ کی شان میں برا بھلا کہا ہو وہ معاف فرما دیجیے۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ محض خدا تعالیٰ سے توبہ اس کے لیے کافی نہیں۔ بلکہ صاحب حق سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ تو باؤلا ہو گیا ہے۔

ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس میں باؤلے پن کی کیا بات ہے؟ آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ اہل حقوق سے معافی کرانا بھی ضروری ہے۔ محض توبہ کافی نہیں۔ یہ سن کر ان صاحب نے ہاتھ جوڑ کر حضرت سے عرض کی کہ میں جناب سے معافی چاہتا ہوں۔ (جلد ۷ اص:۲۲۳-۲۲۴)

حضرتؒ کی تواضع:

حضرت نے فوراً ہاتھ پکڑ کر علیحدہ کر دیے۔ اور فرمایا کہ اجی حضرت! یہ آپ کیا کرتے ہیں مجھ سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے آپ اس خواب میں کیوں داخل کرتے ہیں؟ اس میں تو بزرگوں کا ذکر تھا۔ بزرگوں سے ضرور معافی چاہیے۔ میں تو بقسم کہتا ہوں کہ میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا۔ نہ علمی نہ عملی نہ حالی نہ قالی۔ بلکہ مجھ میں تو سراسر عیوب ہی عیوب بھرے پڑے ہیں۔ میری اگر کوئی برائی کرتا ہے، تو یقین جانیے مجھے کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا کہ میں برائی کا مستحق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی تعریف کرتا ہے تو واللہ تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں بھلا کون سی تعریف کے قابل بات ہے جو اس کا یہ خیال ہے۔ اس کو دھوکہ ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ میرے عیوب کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔ اس لیے مجھے کسی کا برا بھلا کہنا مطلق ناگوار نہیں ہوتا۔

اور اگر کوئی میری تعریف ایک کرتا ہے تو اسی وقت اپنے دس عیب مجھے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ نے جو کچھ میرے بارے میں برا بھلا کہا ہوگا، تو عدم واقفیت کی وجہ سے کہا ہوگا۔

اس لیے آپ معذور ہیں۔ تیسرے یہ کہ میں مدت سے یہ دعا مانگ رہا ہوں اور اب بھی تازہ کرلیا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میری وجہ سے اپنی کسی مخلوق پر مواخذہ نہ کرنا۔ جو کچھ کسی نے میرے ساتھ برائی کی ہو یا آئندہ کرے، وہ سب میں نے دل سے معاف کی۔ اس لیے مخلوق خدا میری طرف سے بالکل بے فکر رہے۔ میں پیشتر ہی سب کو دل سے معاف کرچکا ہوں۔ آپ بھی اس عموم میں آ گئے۔ بلکہ اگر کبھی ضرورت ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے کہ جو کچھ آپ چاہیں مجھے کہہ سن سکتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اگر میں نہ معاف کردیا کروں اور دوسرے کو عذاب بھی ہوا تو مجھے کیا نفع حاصل ہوا۔ احقر نے عرض کیا کہ اس کی نیکیاں جو ملیں گی۔ فرمایا کہ ایسی قانونی نیکیاں لے کر میرا کیا بھلا ہو سکتا ہے۔ اگر یہ فعل میرا مقبول ہوگیا، تو اس کی بدولت ان شاء اللہ مجھے نیکے (یعنی نیکی کا مذکر) ملیں گے۔ میں قانون کی نیکیاں لے کر کیا کروں گا۔ اللہ میاں کے ساتھ قانونی نیکیاں لے کر کیا کروں گا۔ اللہ میاں کے ساتھ قانونی حساب کتاب کرنے سے کہیں کام چل سکتا ہے۔ کیا اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ایک شخص کو بلا کسی استحقاق کے نیکیاں دے دے، کیا اس کے یہاں نیکیوں کی کمی ہے یہی خیال کیوں نہ رکھے۔ (جلد ۱۷ص: ۲۲۴۔۲۲۵)

نفس کے علاج کی ضرورت:

پھر انہیں طبیب صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ایک بات میں آپ سے خیر خواہانہ کہتا ہوں۔ کہ یہ آپ نے بزرگوں سے معافی چاہنے کا ارادہ کیا ہے یہ بہت اچھی بات ہے۔ لیکن فقط یہ تدبیر کافی نہیں۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ مرض کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ اس مرض کا منشا [اور جڑ] کیا ہے؟ اس منشا اور مبنیٰ کا انسداد کرنا چاہیے۔...... اگر آپ نے اس وقت بزرگوں سے اپنا کہہ سنا معاف بھی کرالیا، تو کیا ہوتا ہے اگر اس کا منشاء موجود رہا، [یعنی مرض کی جڑ موجود رہی] تو پھر آپ سے یہی فعل صادر ہوگا۔ لہٰذا اس کے منشا و مبنی کو تلاش کرکے اس کا انسداد کرنا چاہیے۔

خواب کا تو خیر کیا اعتبار ہے؟ یہ کوئی چیز قابل اعتبار نہیں۔ اصل معیار تو شریعت ہے۔ اگر آپ

خوابوں ہی کے بھروسہ رہے تو جس جس گناہ کی بابت آپ خواب میں دیکھیں گے۔اسی سے توبہ کریں گے۔اوراگر نیک کام کے اوپر خواب میں لتاڑ پڑ گئی تو اس کو چھوڑ دیں گے۔بڑی چیز تو یہ ہے کہ شریعت پر منطبق کر لیجئے کہ کون سا فعل میرا شریعت کے موافق ہے اور کون سا خلاف؟ اور کسی کے ساتھ اعتقاد رکھنا تو ضروری نہیں، ہاں بدگمانی اور بدزبانی بلاضرورت کسی کے ساتھ جائز نہیں۔اس واسطے کسی پر بدگمانی نہ کرے۔اگر بدگمانی نہ کی تو کیا نقصان ہوا؟ پھر فرمایا کہ اس کا منشأ بہت سی چیزیں ہیں۔اوران سب کا منشأ کبر ہے۔اگر سب سے کمتر آپ کو سمجھے گا تو جس وقت بدگمانی ہونے لگے گی،فوراً اپنا عیب پیش نظر ہو جائے گا۔اور سوچے گا کہ ہم تو اس سے بھی زیادہ نالائق ہیں۔پھر کبھی اس کی نوبت نہ آئے گی۔لہٰذا کبر کا علاج کسی کامل شخص کے پاس رہ کر کرانا ضروری ہے۔ (جلد۷ا ص:۲۲۵۔۲۲۶)

خانۂ کعبہ کی ہیبت:

فرمایا کہ صاحب! خانہ کعبہ میں پہنچ کر اس قدر ہیبت ہوتی ہے جیسے کوئی چیز نظر آتی ہو۔اور آدمی اس سے مغلوب ہو جاتا ہے۔بالکل ایسا وجدان معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ ایک تخت کے مثل ہے اور اس پر کوئی سلطان جلوہ افروز ہے۔ہم اس کے گرد گھوم رہے ہیں اور نثار ہو رہے ہیں۔

(جلد:۷ا ص:۲۳۹)

قیامت کی آیت پڑھی اور انتقال ہو گیا:

غالباً حضرت زرارہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ اس آیت پر ﴿ **فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکافرین غیر یسیر** ﴾ چیخ مار کر مصلی ہی پر گر پڑے اور انتقال ہو گیا۔[تراجم کی کتابوں میں یہ واقعہ قاضی بصرہ زرارۃ بن اوفی عامریؒ کا لکھا ہے۔یہ مشہور تابعی عالم ہیں۔سیر اعلام النبلاء:۵۱۶/۴]

حضرت اصمعیؒ کا واقعہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ایک سفر میں انہوں نے یہ آیت ایک بدوی کے سامنے پڑھی ''**وفی السماء رزقکم وما توعدون**'' [آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ بھی جس کا وعدہ ہے] بدوی نے کہا کہ پھر تو پڑھو۔انہوں نے پھر پڑھ دیا۔وہ بولا کہ اللہ تعالیٰ تو

فرماتا ہے کہ رزق آسمان میں ہے۔ اور ہم لوگ رزق کو زمین میں ڈھونڈتے ہیں؟ اس کے پاس یہی ایک اونٹ تھا جس سے گزر اوقات کرتا تھا۔ اسی وقت اس کو خیرات کر دیا اور جنگل کی طرف نکل گیا۔ کئی برس بعد اس شخص کو اصمعیؒ نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ اس شخص نے خود ان کو سلام کیا انہوں نے پہچانا نہیں۔ پوچھا تو اس نے کہا میں وہی شخص ہوں جس کو تم نے یہ آیت سنائی تھی۔ اللہ تعالی تمہارا بھلا کرے مجھے تمام بکھیڑوں سے نجات دے دی۔ میں جب سے بڑے اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس آیت کے بعد کچھ اور بھی ہے؟ انہوں نے اس کے بعد کی آیت پڑھ دی "**فورب السماء والأرض انه لحق مثل ما انكم تنطقون**" [آسمان اور زمین کے رب کی قسم یہ وعدہ (جنت جہنم کا) ایسا ہی سچا ہے جیسا یہ بات کہ تم بولتے ہو]۔ بس یہ سن کر ایک چیخ ماری۔ اور کہا کہ اللہ اکبر۔ یہ میرے خدا کو کس نے جھٹلایا تھا کہ اس کو قسم کھا کر جتلانا پڑا کہ میری بات سچی ہے۔ ایسا کون ظالم ہوگا کم بخت جو خدا کو سچا نہ سمجھتا ہوگا۔ خدا نے جو قسم کھائی تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کے کہنے کو بھی بلا قسم کے سچا نہیں سمجھتا۔ بس یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور چیخ کے ساتھ ہی وہیں جان نکل گئی۔

پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بہت لوگوں نے جانیں دی ہیں۔ اللہ تعالی کی محبت میں، شوق میں، خوف میں۔ چنانچہ اس اخیر وقت میں درویشوں کی بات رکھ لی مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے، انہوں نے اجمیر میں جان دے دی۔ صوفی لوگ اس پر بڑا ناز کرتے ہیں کہ مولویوں میں بھی کسی نے اللہ کی محبت میں کبھی اس طرح جان دی ہے؟ مولویوں کو بس اعتراض ہی اعتراض آتے ہیں۔

پھر فرمایا: لیکن ایک مولوی بھی اس زمانہ میں ایسے ہو گئے ہیں مگر وہ چونکہ مشہور نہیں تھے۔ اس لیے ان کا قصہ بھی مشہور نہیں ہوا۔ مشہور شخص کا مشہور ہو گیا۔ دوسرے یہ ہے کہ وہاں تو اجمیر میں مجمع کثیر کے سامنے یہ قصہ ہوا۔ اور دوسرا قصہ گھر میں ہوا۔ ان کا نام بھی مولوی محمد حسین تھا۔ عظیم آباد پٹنہ کے تھے۔ نوعمر آدمی تھے کانپور میں پڑھا تھا۔ مجھ سے بھی کتابیں پڑھی تھیں۔ پھر لکھنؤ میں شادی ہوئی۔ وہاں ندوہ میں نوکر ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ لکھنؤ میں مسجد میں بیٹھے تھے۔ کچھ لوگ جمع تھے۔

آپس میں یہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ مولانا محمد حسین صاحب کا اس طرح سماع میں انتقال ہو گیا۔ دو جماعتیں تھیں۔ ایک جماعت کے لوگ تو یوں کہتے تھے کہ خاتمہ اعلیٰ درجہ کا ہوا۔ خدا کی محبت میں جان نکلی۔ ایک کہتے تھے کہ خلاف سنت عمل پر خاتمہ ہوا۔ یہ مولوی محمد حسین خاموش بیٹھے تھے۔ یہ حضرت حاجی صاحب سے بذریعہ خط کے بیعت تھے۔ چونکہ صاحب دل تھے اس لیے خاموش بیٹھے تھے۔ ورنہ وہ بھی فتویٰ لگاتے۔ دونوں جماعتوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہیے! آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے، خاتمہ کیسا ہوا؟ انہوں نے بہت ہی معقول جواب دیا کہ بھائی بڑوں کی بات میں بولنا بے ادبی ہے۔ ہمارا کیا منہ ہے کہ اتنی بڑی بات کا فیصلہ کریں۔ لیکن ہاں اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ اگر ایسے فعل پر خاتمہ ہوتا جو صریحاً سنت کے موافق ہوتا تو وہ زیادہ اکمل حالت تھی۔ بہت ہی سنبھال کر جواب دیا۔ لیکن اس پر بھی بعضے چڑ گئے۔ اور کہا کہ اعتراض کرنا تو ان مولویوں کو آسان ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے جان دے کر نہ دکھلائی۔

انہوں نے کہا کہ بھائی یہ تو اعتراض لغو ہے۔ کیونکہ اول تو کسی خاص حالت میں مرنا کسی کے اختیار میں تھوڑا ہی ہے۔ ان کا بھی مرنا اختیاری نہ تھا۔ لیکن اللہ کے بندے جان بھی دے کر دکھلا دیتے ہیں۔ وہ جوش میں آ کر یہ کہہ گئے۔ آٹھ دس دن بعد عجیب قصہ ہوا۔ ان کا لڑکا حفظ کرتا تھا۔ گھر میں وہ اس کا قرآن سننے بیٹھ گئے۔ لکھنؤ اور اس کے اطراف میں عام طور سے غریبوں کے یہاں بھی گھروں میں تکلف کا سامان ہوتا ہے۔ مثلاً چاندنی، دری وغیرہ۔ چنانچہ ان کے یہاں بھی چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ وہ بہت لطیف المزاج تھے۔ وہیں بیٹھ گئے اور قرآن سننے لگے۔ اتنے میں ان کی بیوی آ گئی۔ اس کے کپڑے میلے تھے۔ کہا کہ بڑی بدسلیقہ ہو کپڑوں میں سے بدبو آ رہی ہے جاؤ نہا کر کپڑے بدل کر آؤ۔ وہ چلی گئیں۔ اتنے میں آیت آئی سجدہ کی۔ پاک فرش تھا سجدہ میں گئے۔ بس وہیں سجدہ ہی میں روح قبض ہو گئی۔ عجیب بات ہے۔ خدا جانے کیا حالت تھی ان کی۔ کون سا مضمون قلب پر غالب تھا۔ اور دیکھیے! گرے نہیں، بلکہ جان نکلنے کے بعد بھی اسی ہیئت سے سجدہ میں پڑے رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی بچہ گھبرایا۔ ماں کے پاس دوڑا گیا اور کہا: ابا کو جانے کیا ہو گیا؟ اٹھتے ہی نہیں۔ انہوں نے جا کر دیکھا تو کچھ بھی نہیں۔ وہاں تو روح پرواز کر چکی تھی۔

تمام محلّہ جمع ہو گیا۔ طبیب ڈاکٹر بلوائے گئے۔ لیکن روح تو نکل ہی چکی تھی۔ تاہم احتیاطاً رات بھر رکھا۔ صبح کو جب تجہیز وتکفین کیا اس وقت یاد آیا لوگوں کو کہ ان کی تو کرامت تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اللہ کے بندے جان دے کر بھی دکھلا دیتے ہیں۔ سو دیکھ لو جان دے کر دکھلا دی۔ میں نے کہا عجیب قصہ ہے وہ بھی محمد حسین یہ بھی محمد حسین۔ (جلد:۱۷ص:۲۶۰۔۲۶۲)

حضرتؒ بچوں کو چھیڑتے تھے:

اور میں جو بچوں کو زیادہ چھیڑتا ہوں تو اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کی ادائیں غصہ کی، اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ توبہ بھی کر لی تھی کہ اب نہ چھیڑا کروں گا۔ کیونکہ ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن پھر توبہ ٹوٹ گئی۔ اگر بچہ نچلا بیٹھا رہے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ (جلد:۱۷ص:۲۷۲)

نیک لوگوں کا ہدیہ اچھی علامت ہے:

صلحاء کی طرف سے ہدیہ آنا علامت ہے مہدیٰ اِلیہ شخص کے مردود نہ ہونے کی۔ بڑی بات تو یہ ہے۔ ایک بزرگ جو ذرا آزاد تھے، انہوں نے مجھ سے یہ لفظ کہے تھے کہ ہدایا ہر شخص کے پاس نہیں آتے، بلکہ سرکاری آدمی ہی کے پاس آتے ہیں۔ ہدیہ آنا اس کی علامت ہے کہ وہ شخص سرکاری آدمی ہے۔ (جلد:۱۷ص:۲۷۶)

ذکر میں کتنا جہر ہونا چاہیے:

نماز فجر کا سلام پھیر کے سب ذاکرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سب صاحب سن لیں۔ چشتیہ میں جو جہر ہے، وہ محض اس مصلحت سے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے تا کہ خطرات نہ آئیں۔ یہ غرض خفیف جہر سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا بقاعدہ **الضروری تتقدّر بقدر الضرورۃ** بہت چلا چلا کر ذکر کرنا عبث فعل ہوا۔ اور عبث فعل پسندیدہ نہیں۔ اور اگر سبب اضرار ہو [یعنی دوسرے کو تکلیف پہنچے] تو جائز بھی نہیں۔ سب صاحب اس کا خیال رکھیں۔ (جلد۱۷ص:۲۹۶)

حب جاہ بہت پوشیدہ مرض ہے:

حب جاہ ایسا مرض ہے کہ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے۔ جب کوئی واقعہ پیش آئے اور گرانی ہو،

تب پتہ چلتا ہے کہ: اوّہ، ہم میں مرض حب جاہ کا ہے۔ (جلد ۱۷ص:۳۰۲)

قرآن مجید یاد رکھنے کے لیے عمل:

ایک پختہ عمر کے دیہاتی طالب علم نے...... نے شکایت کی کہ میں کلام مجید بھول بھول جاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ یاعلیم (۱۵۰/بار) بعد نماز فجر پڑھ کر قلب پر دم کرلیا کرو۔

(جلد: ۱۷ص:۳۱۲)

☆☆☆

انتخابات ملفوظات حکیم الامت

جلد ۱۸

سلسلۂ حسن العزیز جلد دوم

میرے کسی عزیز کو میری وجہ سے کچھ نفع نہ پہنچایا جائے:

گڑھی کے ایک صاحب نے (جہاں حضرت والا کے بھانجے مولوی ظفر احمد صاحب مدرسہ عربی میں اس وقت مدرس ہیں) کہا کہ ہم لوگ مولوی ظفر احمد صاحب کو حضرت کا نمونہ سمجھ کر ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرتے ہیں، جو کہ حضرت والا کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور ان کی خدمت کو اپنی ہدایت کا سبب جانتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میری وجہ اور میرے تعلق سے آپ لوگ ان کی خدمت ہرگز نہ کریں۔ جو کوئی میرے عزیز و اقارب کو میری وجہ سے کوئی نفع پہنچاتا ہے، تو مجھ کو بہت گراں اور ناگوار ہوتا ہے۔

پھر ان صاحب نے کہا کہ ویسے بھی تو ہمارے ہمسایہ ہیں۔ اس پر حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہاں اس کا مضایقہ نہیں۔ مگر اس کا معیار یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ اتنا ہی کریں جتنا کہ ان کی بجائے اگر کوئی اور ہوتا تو اس کے ساتھ کرتے۔ پھر فرمایا کہ مجھے اس میں یہاں تک احتیاط ہے کہ اب جو گھر میں سے گڑھی گئی تھیں تو میں نے کہہ دیا تھا کہ سوائے بڑے خاں صاحب مرحوم کے گھر میں کے (کہ وہ مثل والدہ کے ہیں) اگر اور کوئی ہدیہ دے تو نہ لینا۔ جو کوئی دے گا وہ میری وجہ سے دے گا اور مجھے یہ گوارا نہیں۔ جب خود بیوی کے معاملہ میں مجھے اتنی احتیاط ہے تو اور عزیز تو بیوی کے برابر نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی فرمایا کہ مولوی ظفر احمد کو اس قدر زیادہ نہ بڑھایا جائے۔ کیونکہ اس سے ان کے اخلاق پر برا اثر پڑے گا۔ پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے مولوی ظفر احمد، مولوی سعید احمد مرحوم اور مولوی شبیر علی کے لیے میرے پاس تین عمامے بھیجے کہ تینوں کو دے دیجیے۔ میں نے قبول نہیں کیا۔ اگر ان صاحب کو بجز میرے تعلق کے تینوں سے کوئی اور خصوصیت تھی تو ان کو براہ راست بھیجنے چاہیے تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگوں پر اس قدر بار پڑے کہ میرے اور میرے متعلقین سب کے حقوق ادا کریں۔ ہاں ایک بات کو تو دل چاہتا ہے وہ یہ کہ اگر میرے متعلقین کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اسے دفع کر دیا جائے۔ اور خیر یہ بات چاہیے تو ویسے بھی لیکن اگر کوئی میری ہی وجہ سے ضرر سے بچا لے تو مضایقہ نہیں۔ مثلاً اگر کوئی کنوئیں میں ڈوبتا ہے اور اس کو اس وجہ سے بچالیا کہ یہ فلاں کا عزیز ہے تو بھی کچھ حرج نہیں مضرت سے بچانا ضروری ہے نفع پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ [یہ عاجز تکیجی عرض کرتا ہے کہ اس میں مشائخ اور ان علماء کے لیے جن کا لوگ دین کی وجہ سے احترام کرتے ہیں، بڑا سبق اور تعلیم ہے] (جلد:۱۸اص:۲۵۔۲۶)

مشائخ کو اجازت دینے میں احتیاط کرنی چاہیے:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں سب قسم کے لوگ شامل تھے۔ اور اجازت بھی دو قسم کی تھی۔ ایک تو وہ کہ حضرت حاجی صاحبؒ خود اپنی رائے سے اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ دوسری وہ کہ بعض لوگ خود حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کرتے کہ حضرت میں لوگوں کو اللہ کا نام بتلا دیا کروں حضرت فرماتے کہ اچھا بھائی بتلا دیا کرو۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میں کس طرح کہہ دوں کہ تم اللہ کا نام نہ بتلایا کرو۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے اخلاق نہایت وسیع تھے۔ اور حسن ظن غالب تھا۔ اس وجہ سے اس قسم کے اجازت یافتہ بھی لوگ ہیں۔

(فائدہ، از حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ خلیفہ خاص حضرت حکیم الامتؒ: حضرت حاجی صاحبؒ سے بوجہ غلبہ ادب کے ایسی اجازت کا صدور ہوتا تھا۔ باقی بہتر اور افضل یہی ہے کہ ایسے اشخاص کو اجازت طلب کرنے پر منع کر دیا جائے اور روک دیا جائے۔ کیونکہ اس اجازت کے وہ اہل نہیں ہیں۔ تو ان سے مخلوق کو ضرر پہنچے گا۔ اور طالب ایسے اشخاص کے پھندے میں پھنس کر اپنے مقصود

سے محروم رہیں گے اور مخلوق خدا دھوکہ میں مبتلا ہوگی۔ جامع عفی عنہ) (جلد:۱۸ص:۴۵-۴۶)

اچھا لباس پہننے کی نیت:

فرمایا کہ اپنی عزت کی غرض سے اچھا لباس پہننا کہ ہماری عزت ہو ٹھیک نہیں۔ [بلکہ اگر یہ نیت ہو کہ اللہ کی نعمت ہے، اور اس کے شکر کا حق ہے کہ اچھا لباس پہنا جائے، یا یہ نیت ہو کہ لوگ معمولی لباس میں دیکھ کر توہین وتذلیل نہ کریں، تو ان کے شر سے بچنے کی نیت سے اچھا لباس پہننے میں حرج نہیں]۔ (جلد:۱۸ص:۵۰)

حضرت حاجی صاحبؒ کی قلمبند کرامتوں کا مسودہ ضائع ہوگیا:

فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی کچھ کرامتیں لکھنے کو میرا دل چاہتا ہے۔ اگر کچھ واقعات بتلا دیجیے تو بہتر ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی ہم نے تو حضرت حاجی صاحبؒ کو کبھی اس نظر سے دیکھا نہیں۔ اگر تمہارا دل چاہتا ہے تو خیر اگر کوئی بات یاد آجائے گی تو کہہ دوں گا۔ پھر ایک مرتبہ مجھے آواز دی اور فرمایا کہ بھائی اس وقت ایک بات یاد آئی ہے، لکھ لو۔ چنانچہ میں نے اس کو لکھ لیا۔ پھر فرمایا کہ ایک اور یاد آئی ہے، اس کو بھی لکھ لیا گیا۔ چند روز کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ بھائی اب کتنی ہوگئیں میں نے عرض کیا کہ حضرت تیئیس ۲۳ ہوگئی ہیں۔

فرمایا کہ اگر تیس ہو جائیں تو اچھا ہے۔ جب تیس پوری ہوگئیں تو فرمایا کہ بس بھائی بہت کافی ہے۔ پھر حضرت والا تھانویؒ نے فرمایا کہ مجھ سے وہ پرچے جس پر وہ کرامتیں تحریر تھیں، مولوی محمد یحییٰ [کاندھلوی] لے گئے تھے۔ انہوں نے وہ کاغذ ضائع کر دیے۔ مجھے بہت ہی افسوس ہوا کہ ایسے ثقہ راوی کہاں ملیں گے۔ (جلد:۱۸ص:۵۸)

کبر کا جواب:

ایک صاحب نے خط میں لکھا تھا کہ میں [سلام کے] منتظر کو سلام نہیں کرتا۔ یہ کبر ہے؟ فرمایا کہ یہ تو کبر کا جواب ہے، کبر نہیں۔ (جلد:۱۸ص:۶۸)

اعمال قرآنی کی وجہ تصنیف:

فرمایا کہ میں نے اعمال قرآنی کو اس وجہ سے لکھ دیا ہے کہ لوگ کافروں جوگیوں وغیرہ کے پھندے میں نہ پھنسیں۔ اور حدیث و قرآن ہی میں مصروف رہیں ورنہ مجھے تعویذ گنڈوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ اور نہ میں اس فن کا آدمی ہوں۔ (جلد:۱۸ص:۷۰)

نیکوں کی صحبت بہت غنیمت ہے:

صحبت صالحہ، چاہے اپنے سے چھوٹوں ہی کی ہو بہت غنیمت ہے۔ (جلد:۱۸ص:۷۷)

کسی کی کسی چیز میں عیب نکالنا مذموم ہے:

فرمایا کہ ہر شخص اپنی متعلقہ شے کی عیب گوئی کو اپنی طرف منسوب سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ کسی شخص کے گھوڑے یا گاڑی یا مکان وغیرہ میں عیب نکالنا یہ بھی اس شخص کی غیبت ہے۔ (جلد:۱۸ص:۷۷)

ایک اہم اخلاقی تعلیم:

مدرسہ کے ایک طالب علم کا خط حضرت والا کی ڈاک کے ساتھ ڈاکخانہ سے آ گیا۔ وہ طالب علم اس وقت موجود نہ تھے۔ اس لیے حضرت نے مولوی صاحب کے پاس جو کہ طلبہ کو پڑھاتے ہیں، وہ خط بھیجا اور یہ فرما دیا کہ گراں نہ ہو تو مولوی صاحب اس خط کو اپنے پاس رکھ لیں۔ اور ان طالب علم کے آنے پر انہیں دے دیں۔ اور اگر گراں ہو تو میں رکھ لوں، میں دے دوں گا۔ (جلد:۱۸ص:۷۸)

حضرت مہتمم صاحب دیوبند سے گفتگو:

مہتمم صاحب دیوبند [حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ] تھانہ بھون تشریف لائے تھے۔ روانگی کے وقت جو سواری اسٹیشن تک جانے کے لیے کرایہ کی گئی، اس کے کرایہ کی نسبت میاں نیاز سے حضرت قبلہ نے فرمایا کہ یکہ والے سے کہہ دینا کہ کرایہ یہاں آ کر مجھ سے لے لے۔ اس پر مہتمم صاحب نے فرمایا کہ حضرت وہ پیسہ مجھے دے دیجیے، تاکہ تبرکاً میں انہیں اپنے پاس رکھ لوں۔ چنانچہ حضرت والا نے پیسے منگا کر فرمایا کہ [اگر یہ کہوں کہ] کرایہ پیش ہے تو بے ادبی، پھر تبسم سے فرمایا کہ

ٹم ٹم والے کو دے دیجیے۔ مگر مہتمم صاحب نے تبرکاً وہ پیسے اپنے ہی پاس رکھے۔ اور کرایہ اپنے پاس کے اور پیسوں سے دیا۔ اس موقعہ پر حضرت والا اس طرح جھکے جھکے اور دبے دبے عاجزی و ادب کے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے کہ جیسے کوئی اپنے بزرگوں سے نہایت ادب و خجلت کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ [حالاں کہ مہتمم صاحب خود حضرت کے نہایت عقیدت مند تھے] (جلد:۱۸ص:۷۹)

اللہ کی طرف جی لگانے سے لگتا ہے:

ایک گاؤں کے صاحب حضرت والا سے کچھ وظیفہ بعد ظہر پوچھ رہے تھے۔ کچھ پڑھنے کے واسطے بتلایا گیا۔ انہوں نے کچھ عذر جی نہ لگنے کا کیا۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ بھائی اللہ کی طرف جی لگانے سے لگتا ہے۔ اس دل کو جس طرف لگاؤ گے ادھر لگ جائے گا۔ (جلد:۱۸ص:۹۱)

بوئے دعویٰ:

کسی صاحب نے عربی عبارت میں حضرت والا کی خدمت میں خط لکھ کر بھیجا۔ اس میں بعض غلطیاں بھی تھیں۔ فرمایا کہ عربی میں خط لکھنے کی ایسی ضرورت ہی کیا تھی؟ پھر فرمایا کہ ایک جملہ تو اچھا لکھا ہے۔ مگر بغیر مصلحت عبارت عربی لکھنا کیا ضروری تھا۔ اس سے بوئے دعویٰ آتی ہے۔ (ص:۱۰۲)

مولانا فتح محمد صاحب کا فیض:

فرمایا کہ مولانا فتح محمد صاحب کی صحبت میں دین کی محبت ہو جاتی تھی۔ (جلد:۱۸ص:۱۱۰)

وعظ میں مخاطب کی بے توجہی کا اثر:

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مخاطب کو افسردہ پاتے تو تقریر بالکل بند کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ مدار المہام صاحب نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی، مولانا نے بیان فرمائی وہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اور کچھ جواب نہیں دیا، کہ آیا سمجھ گئے یا کچھ شبہ ہے۔ مولانا بہت ناخوش ہوئے۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے بھی جب مخاطب سے بات کا جواب نہیں ملتا تو سخت خلجان ہوتا ہے۔ اسی طرح وعظ میں اگر میرے سامنے کوئی ایسا شخص بیٹھا ہو جو کہ مضامین کو سمجھتا نہ ہو، یا اس کے طرز سے بے توجہ ہونا پایا جاتا ہے۔ تو مجھ سے اس وقت تک بیان نہیں ہوتا جب تک کہ وہ سامنے

سے اٹھ کر نہ چلا جائے۔ (جلد:۱۸اص:۱۱۲)

محض زیادتی تنخواہ کے لیے ترک ملازمت ناشکری ہے:

فرمایا کہ ایک جگہ کی تھوڑی تنخواہ کی ملازمت [یعنی دینی سلسلے کی ملازمت] کو محض دوسری جگہ کی زیادت کی وجہ سے چھوڑنا، جبکہ اس قلیل تنخواہ میں گزر بھی ہو جاتا ہو۔ خدا تعالی کی ناشکری ہے۔ جب میں کانپور میں تھا تو ایک جگہ سو روپیہ کی تنخواہ پر مجھے بلایا گیا۔ اس وقت مجھے کانپور میں چالیس روپے ملتے تھے۔ میں نے جواب لکھ دیا کہ جو شخص ایک جگہ کام کر رہا ہے اس کا وہاں سے ہٹانا مناسب نہیں ہے۔ جو شخص بے کار ہو اس کو بلا کر آپ رکھیں تا کہ اس کی حاجت رفع ہو۔ اور اگر میں آپ کے یہاں آ بھی جاؤں، تو آپ کو میرے اوپر اعتماد نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو شخص زیادتی کی وجہ سے آپ کے یہاں آیا ہے، اگر اس کو اس سے کہیں زیادہ ملیں گے تو وہ وہاں چلا جائے گا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جو صاحب مدرسہ امداد العلوم سے تعلق چھوڑ کر دوسری جگہ زیادتی تنخواہ دیکھ کر گئے، ان کو جمعیت [سکون و بے فکری] تو نصیب ہوئی نہیں۔ حالانکہ جمعیت بڑی چیز ہے۔ سلطنت کی بھی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں ہے کہ قلب مطمئن ہو۔ (جلد:۱۸اص:۱۱۳)

شیطان کے شر سے حفاظت:

فرمایا کہ اگرچہ شیطان جن ہے اور انسان کو بہت کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہے، اس لیے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے حفاظت کے لیے مقرر فرما دیے ہیں۔ ورنہ اگر حفاظت نہ ہوتی، تو شیطان ایک پتھر اٹھا کر مارتا اور کام تمام ہو جاتا۔ (جلد:۱۸اص:۱۲۶)

بیعت کی حقیقت اور برکت کب نظر آتی ہے:

ایک سلسلۂ گفتگو میں ارشاد فرمایا: تعلیم و تلقین اور [پھر] اتباع کے بعد معلوم ہوگا کہ بیعت کیا چیز ہے؟ پھر بیعت کی برکت نظر آئے گی۔ (جلد:۱۸اص:۱۲۸)

باتیں حضرت گنج مراد آبادی کی:

فرمایا کہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب بہت بھولے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ جب ہم

جنت میں جاویں گے اور حوریں ہمارے پاس آئیں گی، تو ہم صاف کہہ دیں گے کہ بی بی اگر قرآن پڑھو تو بیٹھ جاؤ۔ ورنہ جاؤ۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جو نماز میں مزہ ہے وہ نہ کوثر میں ہے، نہ اور کسی چیز میں ہے۔ جب نماز میں سجدہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے پیار کرلیا۔

پھر فرمایا کہ جب شاہ صاحب شیر خوار تھے تو اپنی والدہ کو ایسی جگہ جہاں ڈھولک وغیرہ بجتی ہو نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ اور خوب رونا پیٹنا مچاتے تھے اور ان کو اٹھا کر چھوڑتے تھے۔ ایک مرتبہ حیدر آباد کے وزیر حاضر خدمت ہوئے، فرمایا کہ اس کو نکالو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وزیر ہیں ۔فرمایا کہ ارے میں کیا کروں؟ وزیر ہیں تو کیا میری تنخواہ مقرر ہے ان کے یہاں سے؟ پھر دو بجے رات تک ٹھہرنے کی اجازت دی۔ وزیر نے برا نہیں مانا۔ بلکہ لوگوں نے کہا کہ صاحب ٹھہر جایئے، جواب دیا کہ بزرگوں کی حکم عدولی کرنی مناسب نہیں اور چلے گئے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ حضرت آنے والوں کے ساتھ ذرا تو اخلاق سے پیش آیا کیجئے۔ فرمایا کہ ایک ایک آدمی کے ساتھ سو سو شیطان ہوتے ہیں۔ میں اس وجہ سے ان کو نکالتا ہوں۔ پھر حضرت والا تھانویؒ نے فرمایا کہ مولانا کا کشف بڑھا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ کا ترجمہ ہندی میں بتاؤ۔ خود ہی فرمایا کہ اللہ کا ہندی ترجمہ ''من موہن'' ہے۔ یہ کہہ کر چیخ ماری۔ (جلد:۱۸ص:۱۳۶)

بیعت کا تعلق خالص للّٰہی ہونا چاہیے:

اگر مجھے خدانخواستہ حضرت حاجی صاحبؒ سے سوءِ اعتقاد ہو جائے، تو میں علی الاعلان بیعت توڑ دوں۔ خدا کے لیے تعلق ہے، نہ کہ دنیا کے لیے۔ وہ شخص بڑا مکار ہے اور دغا باز ہے، جو دنیا کے لیے تعلق رکھے۔ اگر کوئی مجھ سے تعلق چھوڑ دے، تو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اور جگہ تو یہ بناء ہے رنج کی اور میرے نزدیک یہ خوشی کی بناء ہے۔ (جلد:۱۸ص:۱۳۸)

ہم شکل کی وجہ سے پیار:

فرمایا کہ ایک وکیل کہتے تھے کہ مجھ کو ایک بڑھیا اپنے گھر لے گئی اور وہاں مجھ کو خوب حلوا کھلایا۔ انہوں نے اس کا سبب دریافت کیا۔ کہنے لگی کہ میرا ایک لڑکا پردیس میں گیا ہے۔ اس کی بھی ایسی ہی شکل

ہے۔ چونکہ تم میرے بیٹے کی ہم شکل ہو اس لیے میرا دل چاہا۔ اسی طرح جو شخص رسول اللہ ﷺ کی ہم شکل اتباع سنت کر کے بن جائے گا، اللہ تعالیٰ اسی طرح اس سے محبت کریں گے۔ (جلد:۱۸ص:۱۴۳)

دل چاہتا ہے کہ طالب علم بادشاہ بن کر رہیں:

فرمایا کہ بڑے آدمیوں کے نماز پڑھنے میں یہ فائدہ ہے کہ جامع مسجد کے فرش کے ٹاٹ کے لیے ایک ہی صاحب نے دام دے دیے۔ انہیں صاحب نے یہ بھی کہا کہ جو کوئی کام ہوا کرے، مسجد کا یا طالب علموں کے متعلق تو مجھے اطلاع دے دی جایا کرے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ طالب علموں کے کام تو خدا کے فضل و کرم سے چل ہی جاتے ہیں۔ پھر دوسرے موقع پر فرمایا کہ خدا نہ کرے جو طالب علموں کی حاجت ان کے سامنے پیش کی جائے۔ شرم آتی ہے طالب علموں کی بابت کسی سے کہتے ہوئے۔ یوں دل چاہتا ہے کہ طالب علم بادشاہ بن کر رہیں۔ تا کہ ان میں استغناء کی شان پیدا ہو۔ اور دوسرے لوگ بھی اس استغناء کو دیکھ کر سبق حاصل کریں۔ (جلد:۱۸ص:۱۶۵۔۱۶۶)

دعوے کی فوری نحوست:

فرمایا کہ سعید بن المسیبؒ تابعی ایک روز کہہ رہے تھے کہ میری تکبیر تحریمہ اتنے برس سے قضا نہیں ہوئی۔ یہ کہہ کر اٹھے تھے کہ مسجد میں جا کر دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ کر نکل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی دعوی کا جواب دیا۔ (جلد:۱۸ص:۱۶۷)

مسلمان کسی کے لیے بددعا نہیں کرتا:

ایک مرتبہ مولانا رشید احمد صاحبؒ کو ایک صاحب سے ایذا پہنچی۔ مولانا خلیل احمد صاحب نے اس احتمال سے کہ کہیں مولانا بددعا نہ کر دیں۔ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت بددعا نہ کیجیے۔ مولانا بہت گھبرائے۔ اور فرمایا کہ توبہ، مسلمان کہیں بددعا بھی کیا کرتے ہیں استغفر اللہ!۔ (جلد:۱۸ص:۱۷۹)

نفس کی باگ چھوڑنا غضب ہے:

[غصہ وغیرہ میں] نفس کی باگ چھوڑنا غضب ہے۔ جب چھوڑ دی پھر نہیں رکتی۔ بالکل کچھ نہ کہنا تو آسان ہے۔ مگر کہنا اور [صحیح] موقعہ پر رک جانا سخت مشکل ہے۔ یہ صدیقین ہی کا کام ہے۔ یعنی اس

[صحیح موقعہ] کا اندازہ کرنا۔اس لیے بس اسلم یہی ہے کہ اس نفس کو روکے ہی رکھے۔ (ص:۱۷۹)

معیت حق کا رعب:

فرمایا کہ نرم مزاج اہل اللہ میں بھی رعب ہوتا ہے۔چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نہایت نرم مزاج تھے۔مگر جب تک وہ نہ بولیں کسی کو ان کے سامنے بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔اور جب وہ گفتگو شروع کر دیتے تھے تو پھر لوگ مزاح تک کرتے تھے۔یہ رعب معیت حق کا ہوتا ہے۔حدیث ہے انا جلیس من ذکرنی۔[میں اپنا ذکر کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہوں] (جلد:۱۸اص:۱۸۷)

نماز کا حق کس سے ادا ہو سکتا ہے؟

ایک صاحب نے کہا کہ مجھ سے نماز کا حق ادا نہیں ہوتا۔فرمایا کہ بھائی نماز کا حق کس سے ادا ہو سکتا ہے؟ تم تو یہ بھی سمجھتے ہو کہ ہم سے حق ادا نہیں ہوتا۔اور ہم تو اس جہل میں مبتلا ہیں کہ ہم بہت اچھی نماز پڑھتے ہیں۔اور حالانکہ خاک بھی نہیں پڑھتے۔بس بھائی اللہ میاں کو سجدہ کر لیتے ہیں۔وہ رحیم ہیں،قبول فرمالیں گے۔ان سے امید قبولیت کی البتہ ہے۔گو ہماری نماز اس قابل نہیں ہے۔
(جلد:۱۸اص:۱۸۹)

عرس اجمیر میں مکار اندھا:

فرمایا کہ ایک ڈپٹی کلکٹر مجھ سے بیان کرتے تھے کہ وہ اجمیر میں متعین تھے عرس کا انتظام ان کے سپرد ہوا،دوران ایام عرس میں کئی بار انہوں نے اس قسم کا شور وغل سنا کہ اے خواجہ صاحب میں اندھا ہوں یا فلانا مریض ہوں۔پھر یہ سنا کہ کوئی کہتا ہوا بھاگا کہ اچھا ہو گیا۔یہ سن کر ان ڈپٹی صاحب نے دل میں سوچا کہ یہ کیا بات ہے بھاگتے کیوں ہیں۔اگر خواجہ صاحب کی کرامت ہے تو اس کا اظہار اچھی طرح کرنا چاہیے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے۔اس کے بعد انہوں نے مزار کے چاروں طرف پہرہ بٹھا دیا پھر ایک آواز سنائی دی کہ میں اندھا ہوں اور ساتھ ہی وہ بھی بھاگا سپاہی ہوشیار ہو گئے اور اس کو پکڑ لیا۔دیکھا تو ایک مجاور صاحب مزار میں سے نکل کر بھاگے وہ اچھے خاصے تھے سب ان کو پہچانتے تھے نہ اندھے تھے ویسے ہی مکاری تھی۔ (جلد:۱۸اص:۲۱۲۔۲۱۳)

بعض اشعار محقق کے منہ سے اچھے اور بدعتی کے منہ سے برے لگتے ہیں:

مثنوی کے مناجاتی اشعار کی نسبت فرمایا کہ بہت سے اشعار ایسے ہیں کہ انہوں نے مرشد کے لیے لکھے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ سے مناجات کی ہے۔ اگر کوئی او پر نہ دیکھے تو پتہ نہ چلے۔ ان کی زبان سے تو وہ برے نہیں معلوم ہوتے، کیونکہ وہ محقق ہیں۔ اگر کوئی بدعتی انہیں کو کہنے لگے تو برا معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ فساد عقیدہ سے کہتا ہے۔ اور وہاں [یعنی مولانا روم کے یہاں] فساد عقیدہ مفقود ہے۔ (جلد: ۱۸ص:۲۱۹)

اساتذہ کے لیے ایک معتدل نصیحت:

فرمایا کہ بڑی تنخواہوں نے بھی مولویوں، قاریوں، حافظوں کو مار لیا۔ پھر فرمایا کہ جتنے لوگ یہاں سے محض ترقی کی وجہ سے ملازمت چھوڑ کر گئے، انہیں اطمینان تو نصیب ہوا نہیں۔ جبکہ انسان کا گزر کافی طور پر ہورہا ہو، تو ایک جگہ سے محض زیادتی کی وجہ سے تعلق چھوڑ دینا، یہ ناشکری ہے۔

البتہ اگر گذر کے لائق بھی نہ ہو، تو وہ اور بات ہے۔ اس وقت مضایقہ نہیں۔ (جلد:۱۸ص:۲۱۹)

نحوست بھی عقلمند ہے۔ کم قیمت چیزوں میں ہی گھستی ہے:

فرمایا کہ بعض لوگ مُردوں کی چیزوں کا استعمال کرنا نحوست سمجھتے ہیں۔ مگر مردے کی جائیداد کسی کو نہیں دے دیتے۔ اس میں نحوست نہیں آتی۔ کپڑے اگر نئے بھی رکھے ہوں تو انہیں بھی دے ڈالتے ہیں۔ نحوست بھی عقلمند ہے کہ کم قیمت کی چیزوں میں گھستی ہے۔ (جلد:۱۸ص:۲۲۱)

پیر کے تصور سے پیر کا نظر آنا:

سید صاحبؒ کے ایک مرید نے کہا کہ میں نے فلاں جگہ دیکھا کہ آپ نے مجھے رستہ دکھایا۔ بس حضرت [سید صاحبؒ] نے پکار کر سب سے کہا کہ دیکھو بھائی یہ شخص یہ حکایت بیان کرتا ہے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ مجھ کو اس واقعہ کی اطلاع بھی نہیں۔ میں وہاں ہر گز نہ تھا۔ پھر ہمارے حضرت والا نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے کوئی لطیفۂ غیبیہ متمثل کر کے بھیج دیا ہوگا۔ اس سے اس شخص کو

ہدایت ہوگئی ہوگی۔ بعض اوقات پیر کا تصور کرتے کرتے بھی پیر نظر آنے لگتا ہے اور عقیدہ خراب ہو جاتا ہے۔ (جلد:۱۸ص:۲۳۰)

الفاظ میں مخالفت کی بو:

فرمایا کہ بعضے لوگ بعض مرتبہ گو مہذب گفتگو کرتے ہیں۔ مگر چونکہ ان کو اعتقاد نہیں ہوتا اس لیے الفاظ میں صاف مخالفت کی بو آتی ہے۔ (جلد:۱۸ص:۲۳۲)

رعب شفقت سے زیادہ ہوتا ہے:

رعب جتنا شفقت سے ہوتا ہے اس قدر تخویف سے نہیں ہوتا۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بڑا رعب تھا۔ لوگوں کی جان نکلتی تھی۔ حالانکہ ہر وقت ہنستے رہتے تھے۔ (جلد:۱۸ص:۲۳۸)

بڑے بڑے علماء کو اخلاق کی ماہیت معلوم نہیں:

فرمایا کہ ایک بزرگ نے ایک مدرسہ میں درس میں سلوک کی کتب داخل کی تھیں، مگر چلی نہیں۔ کم از کم غزالیؒ کی ہی کوئی کتاب داخل ہو جائے، تو بہتر ہے۔ بہت سے اہل علم کو بھی اپنے اخلاق کا خیال نہیں۔ جو حدیث ختم کر چکا ہو اس سے پوچھیے کہ کبر و عجب کی کیا تعریف ہے؟ اور دونوں میں کیا فرق ہے؟ ان اخلاق کی ماہیت اس قدر دقیق ہے، کہ بکثرت دھوکہ ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ بعض میں کبر بصورت تواضع ہوتا ہے۔ (جلد:۱۸ص:۲۳۹۔۲۴۰)

ما انت بمسمع من فی القبور کے بارے میں حضرت شاہ عبدالقادر کی تقریر:

فرمایا کہ نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے سو وہ ظاہر ہے یعنی مردے سننے پر عمل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا مقام دار العمل نہیں ہے اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ کفار کے عدم سماع کا بیان کرنا مقصود ہے اور ان کے عدم سماع کو عدم سماع موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ کفار سنتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ (جلد:۱۸ص:۲۴۲)

ہر شخص کیلیے مکہ معظّمہ کا قیام مناسب نہیں:

حضرت حاجی صاحبؒ مکہ معظّمہ کے قیام کو ہر شخص کے لیے پسند نہیں فرماتے تھے۔ بعض لوگوں کو یہاں جیسی جمعیت اسباب وآرام میسر ہے وہاں نہیں۔ (جلد:۱۸ص:۲۴۶)

بددین کی ہر بات میں اس کے مزاج کا اثر:

فرمایا کہ عجیب بات تجربہ کی ہے کہ بددین آدمی اگر کسی اور بات کی نقل بھی کرے، مثلاً بددین نحو کی کوئی کتاب لکھے گو اس میں کوئی مسئلہ بددینی کا نہیں ہے، مگر اس کے دیکھنے سے بھی بددینی کا اثر دل میں پیدا ہوگا۔ (جلد: ۱۸ ص:۲۴۷)

فہم ہو تو الفاظ قرآن میں غور کافی ہے:

فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں ہی غور کرنا چاہیے، تو مطلب صاف ہے۔ مگر مولانا کا سا فہم بھی تو ہو، قرآن مجید کے الفاظ کافی ہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ (جلد: ۱۸ ص:۲۵۱)

اشتہار وامتیاز سے کلفت:

تحزب اور مجمع بنانے سے مجھے سخت نفرت ہے۔ چاہتا ہوں کہ ایسی گمنامی کے ساتھ زندگی ہو کہ کام تو سب ہوں، مگر کسی کو خبر نہ ہو۔ ایک صاحب جو اس وقت حاضر تھے انہوں نے عرض کیا کہ یہ حضرت کا اخلاص ہے۔ فرمایا کہ حضرت! اخلاص کیا ایک طبعی امر ہے؟ میں اشتہار وامتیاز کی کلفتوں اور تعب کو دیکھتا ہوں۔ مقتداء بننے میں بار بہت پڑتا ہے۔ بس بار کا تحمل نہیں۔ اور یوں عنوان جو چاہے بنالیا جاوے۔ (جلد:۱۸ص:۲۵۸)

پنشن کی حقیقت احسان ہے:

ایک پنشن دار کا خط آیا تھا۔ ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ پنشن کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا کہ پنشن کی حقیقت احسان ہے، کہ یہ اب معذور ہوگیا۔ اب کہاں جائے بس یہ ہبہ ہے۔ (ص:۲۶۷)

عجب کی برائی:

جس وقت آدمی اپنے کو اچھا لگتا ہے، اس وقت خدا کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے۔ اب ہر شخص سوچ لے کہ دن میں کتنی مرتبہ اس کی ایسی حالت ہوتی ہے۔ (جلد:۱۸ص:۲۶۸)

ثمرات کی نیت سے ذکر کرنے کا نقصان:

فرمایا کہ جو شخص ثمرات کی نیت سے ذکر کرتا ہے اسے یکسوئی نہیں ہوتی۔ کام کرنے کے وقت ثمرات کی طرف مصروف نہ ہو۔ جیسے اگر کوئی ملازم کام کرنے کے وقت یہ سوچتا رہے کہ جب تنخواہ ملے گی تو لکڑی لاؤں گا کپڑا لاؤں گا، تو ضرور منصبی کام میں خلل واقع ہوگا۔ کام کے وقت کام ہی کو مقصود سمجھنا چاہیے۔ اور دوسرے مقصود کو عدم سمجھنا چاہیے۔ (جلد:۱۸ص:۲۷۴)

طالبِ لذت پر افسوس:

فرمایا کہ افسوس ہے جس شخص کو دوام فی الذکر، اتباع شریعت، اتباع سنت نصیب ہو پھر وہ اور لذتوں کا طالب ہو۔ (جلد:۱۸ص:۲۷۷)

جنت کی رغبت کرنا واجب ہے:

فرمایا کہ واجب ہے رغبت کرنا جنت کی طرف۔ وہ کون ہے جو حاجت مند نہیں ہے؟ البتہ [جو بعض صوفیہ سے منسوب ہے کہ وہ صرف محبت الٰہی کے طالب ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم جنت کا بھی سوال نہیں کرتے، سو یہ غلط ہے، لیکن] اگر مغلوب الحال کی زبان سے ایسا نکلے تو اس کی تاویل کی جاوے گی [اور وہ معذور ہوگا]۔ (جلد:۱۸ص:۲۷۷۔۲۷۸)

سب سے زیادہ شغل دعاء سے ہونا چاہیے:

فرمایا کہ اللہ میاں سے مانگو تو وہ خوش ہوں، خواہ دین مانگو یا دنیا۔ اور دوسرے سے لوگ خفا ہوتے ہیں۔ جہاں مانگنے سے عزت ہوتی ہے، وہاں تو مانگتے نہیں۔ اور جہاں ذلت ہوتی ہے، وہاں مانگتے ہیں۔ انسان کا سب سے زیادہ شغل اللہ میاں سے مانگنا ہونا چاہیے۔

(جلد:۱۸ص:۲۸۰)

غیبت کا زنا سے اشد ہونے کی وجہ:

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے **الغيبة أشد من الزنا** کی وجہ میں فرمایا کہ زنا گناہِ باہی [یعنی شہوت کا گناہ] ہے اور غیبت گناہ جاہی [یعنی کبر سے متعلق] ہے۔ اور کبر شہوت سے اشد ہے۔
(جلد:۱۸ص:۲۸۱)

کبرِ تواضع نما:

لوگوں نے دنیا کو مال ہی میں منحصر سمجھ رکھا ہے۔ بعض مرتبہ طاعات دنیا ہو جاتے ہیں۔ ذوق سلیم سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے۔ پھر فرمایا: کبھی تکبر بصورت تواضع بھی ہوتا ہے۔ اور علامت اس کی یہ ہے کہ جو تواضع بقصد تکبر ہوتی ہے، اس کے بعد فخر ہوتا ہے۔ اور اس تواضع کے بعد اگر کوئی تعظیم نہ کرے برا مانتا ہے۔ اور جو تواضع بقصد تواضع ہو، اس میں خوف ہوتا ہے۔ اور کسی کی تعظیم نہ کرنے سے اپنے کو اس عدم تعظیم ہی کا مستحق سمجھتا ہے۔

ایک حکیم صاحب ہمارے دوست ہیں۔ ان کی کسی شخص نے دعوت کی۔ انہوں نے عذر کر دیا۔ پھر سوچا کہ اگر بجائے اس کے فلاں دولتمند دعوت کرتا، تو آیا اس وقت بھی یہی عذر کیا جاتا۔ معلوم ہوا کہ نہ کیا جاتا۔ بس تنبّہ ہوا۔ ان صاحب نے طالب علموں کی بھی دعوت کی تھی۔ حکیم صاحب نے اس کا یہ تدارک کیا کہ طالب علموں کے ساتھ خود چل دیئے۔ پھر خیال ہوا کہ نہ معلوم اس طرح بغیر بلائے جانا جائز بھی ہے یا نہیں؟ اس کے بعد خود یہ خیال ہوا کہ اگر میں جاؤں گا تو وہ خوش ہوگا اور ناراض نہ ہوگا۔ یہ خیال کر کے چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ "**والذين جاهدوا فينا لنهدينهم**" اگر آدمی خیال رکھے تو اللہ پاک مدد فرماتے ہیں۔ بزرگوں نے بعض ہدیوں کو واپس کر کے پھر خود مانگا ہے۔ (جلد :۱۸ ص:۲۸۲)

فانی فی الحق کی آخر میں حالت:

فرمایا کہ جو عشاق اور فانی فی الحق ہوتے ہیں، ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ آخر میں دواعی میں حرکت بھی نہیں رہتی، وسوسے بھی نہیں رہتے۔ (جلد:۱۸ص:۲۸۳)

دین خالص تعلق مع اللہ کا نام ہے:

فرمایا کہ محبت مع اللہ، خدا کا خوف، خدا کا شوق، دنیا سے بے رغبتی یہ اصل دین ہے۔ ......دین خالص تو نام ہے تعلق مع اللہ کا۔ البتہ اگر دین کے موافق بال بچوں کی خدمت کرے تو ثواب ملتا ہے۔ (جلد:۱۸ص:۲۸۸۔۲۸۹)

عوام کے لیے صوفیہ کی کتابیں نہیں ہیں:

عام لوگ کتابیں دیکھنے لگتے ہیں۔ صوفیوں کی نازک کتابیں دیکھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ کتابیں دیکھنے کے لیے جامع شخص ہونا چاہیے۔ بس اپنا ایمان خراب کر لیتے ہیں۔ [ہاں وہ علماء صوفیہ جو جادۂ شریعت اور عوام کے حالات پر نظر رکھتے ہیں، ان کی کتابیں محفوظ ہیں]۔ (جلد:۱۸ص:۲۸۹)

مقام معیت اہل اللہ:

اہل اللہ کی معیت رسول اللہ ﷺ کی معیت ہے۔ (جلد:۱۸ص:۲۹۱)

تفسیر بالرائے کی حقیقت:

فرمایا کہ تفسیر بالرائے وہ ہے جو قواعد شرعیہ یا عربیہ کے خلاف ہو۔ [صرف منقول نہ ہونا کسی تفسیر کے تفسیر بالرائی ہونے کا سبب نہیں]۔ (جلد:۱۸ص:۲۹۶)

اللہ میاں کی عظمت سے اکثر دل خالی ہیں:

جناب رسول اللہ ﷺ کی عظمت تو کچھ ہے بھی قلوب میں۔ مگر اللہ میاں کی عظمت سے اکثر قلوب خالی ہیں۔ (جلد:۱۸ص:۲۹۷)

زیادہ محبت عذاب ہے:

ایک مولوی صاحب کی بھتیجی کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کا خط آیا تھا جس میں کچھ غلو کے ساتھ رنج کا اظہار تھا۔ فرمایا کہ اتنا تعلق بڑھانا بھی نہ چاہیے۔ عذاب ہے زیادہ محبت۔ (جلد:۱۸ص:۳۰۱)

اہل سائنس نے عادت کا نام عقل رکھا ہے:

اہل سائنس نے عادت کا نام عقل رکھا ہے۔ جو چیز عادت کے خلاف ہوتی ہے اسے عقل کے

خلاف کہتے ہیں۔ [چنانچہ لوگ معجزے کا انکار یہی کہہ کے کرتے ہیں کہ یہ عقل کے خلاف ہے، حالانکہ وہ صرف عادت کے خلاف ہوتا ہے]۔اور اگر خلاف عقل کے یہ معنی ہیں کہ عقل اس کی کُنہ [یعنی حقیقت] نہ سمجھ سکے تو پھر بہت سے امور موافقۂ عادت بھی عقل کے خلاف ہیں۔ ان کا انکار کیوں نہیں کرتے۔ چنانچہ بچہ کا پیدا ہونا ماں کے پیٹ سے عقل اسے کیا سمجھ سکتی ہے؟ اگر کسی شخص کے کان میں یہ بات نہ پڑنے پاوے کہ ماں کے پیٹ سے بچہ اس طرح پیدا ہوتا ہے، اور پھر اس سے کہا جاوے کہ تم اس طرح پیدا ہوئے تو اس کی سمجھ میں ہرگز بھی نہ آوے۔ (جلد:۱۸ص:۳۰۹)

انتخابات ملفوظات حکیم الامت

جلد۔۱۷

سلسلۂ حسن العزیز (جلد سوم)

وقت پر کام کرنے کی برکت:

حضرت جب ڈاک کے کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا: وقت پر کام کرنے سے ذرا اہتمام تو کرنا پڑتا ہے مگر کام کر کے بے فکری ہو جاتی ہے۔ اگر تساہل سے کام لیا جائے تو بعد میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ میں نے یہ اس لیے کہا کہ اور لوگ بھی پابندی کریں۔ (جلد:۱۹ص:۲۲)

ہر حال میں نیازمندی کی ضرورت:

بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو ذکر و شغل تعلیم کیا جاتا ہے جہاں ان کو تھوڑی سی مدت گذری تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ اتنے دن ہو گئے، کچھ نہیں ہوا۔ کیا خدا تعالیٰ کے ذمہ قرض ہے؟ اور کیا تمہارا استحقاق ہے کہ ان کے ذمہ پورا کرنا واجب ہے؟...... اور ایسا خیال کرنا حقیقت میں کبر ہے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ ہمیں اپنی حقیقت کی خبر نہیں۔ اگر خبر ہو تو پانچ وقت کی نماز کی توفیق ہونے پر بھی ہمیں تعجب ہو۔ اور معلوم ہوا کہ ہم تو اس قابل بھی نہ تھے۔ یہ محض ان کا فضل ہے کہ ہمیں اس کی بھی توفیق ہوئی۔ نہ کہ جنید بغدادی ہونے کے مدعی ہوں۔...... اگر کوئی شخص کسی امیر کے یہاں سڑا ہوا خربوزہ لے جائے اور انعام کے استحقاق کا دعویٰ کرنے لگے، تو اس کی کیا گت بنے گی۔ ظاہر ہے کہ دربار سے ذلت کے ساتھ نکالا جائے گا۔ حق تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ ہم

کوسڑے ہوئے پر بھی انعام دیتے ہیں۔ اور اپنے دربار سے نہیں نکالتے اس کو ہم غنیمت نہیں سمجھتے۔

......یہاں تو کام نیاز مندی سے چلتا ہے چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں۔......البتہ دعا کرتا رہے، شاید عنایت ہو جائے۔ میں ایسی باتیں دل میں اتارنا چاہتا ہوں مگر الفاظ نہیں کہ ادا کر سکوں۔ یہ امور وجدانی ہیں۔ الفاظ ان کے لیے کافی نہیں وجدان ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ گو دل میں اتار نہیں سکتا مگر بیان سے اتنا اثر تو ہو گا کہ رغبت تو پیدا ہو گی اگرچہ پوری طرح سمجھ میں نہ آئے فقط۔ (جلد:۱۹ص:۳۳۔۳۷)

اختلاف سے بہت پریشان ہوتا ہوں:

میں اختلاف سے بہت پریشان ہوتا ہوں۔ چاند میں کیسا اختلاف ہوتا ہے۔ اسی لیے میں چاند کی منادی کبھی نہیں کراتا۔......میں تو لوگوں سے یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ مقتدی بن کر عیدگاہ چلا جاؤں گا، امام بن کر نہیں۔ جب سب لوگ جائیں گے میں بھی ساتھ ہو لوں گا۔ جنہیں اس کی عادت ہے ان کو مزہ آتا ہے جب میں کہہ چکا کہ میری بات مت مانو پھر کیوں سر ہوتے ہیں۔ سودا کھرا معلوم ہو لو، ورنہ دوسری دکان سے خریدو۔ جو متبوع بننا چاہتے ہیں، ان کو اس کا شوق ہو گا۔ مجھ کو متبوع بننے کا شوق نہیں۔ (جلد:۱۹ص:۳۰)

افکار و ہموم سے نجات کا نسخہ:

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک بار فرمایا کہ کسی سے کسی قسم کی توقع مت رکھو۔ چنانچہ مجھ سے بھی مت رکھو۔ یہ بات دین و دنیا دونوں کا گُر ہے۔ جس شخص کی یہ حالت ہو گی وہ افکار و ہموم سے بھی نجات پا جائے گا۔ (جلد:۱۹ص:۳۷)

اتباعِ سنت میں کشش اور اثر ہے:

یہ خبر سنی گئی تھی کہ ایک عامل خورجہ ضلع بلند شہر میں آئے ہوئے ہیں۔ اور وہ آگ میں چلے جاتے ہیں اور جلتے نہیں۔ بلکہ جو لوگ ان کے ہمراہ جاتے ہیں ان پر بھی آگ کا اثر نہیں ہوتا۔ اور یہ واقعہ درجۂ ثبوت کو پہنچ گیا۔ بلکہ منشی یوسف صاحب ساکن خورجہ، خود حضرت والا سے بیان کرتے تھے کہ میں اس جلسہ میں شریک تھا۔

حضرت نے ایک اور صاحب سے دریافت فرمایا کہ اس واقعے کو دیکھ کر کوئی اسلام بھی لایا؟ انہوں نے کہا کہ ایسا تو نہیں ہوا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ عملیات سے جو ہوتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی، قلوب پر اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اثر صاحب حق کا ہوتا ہے۔ اس کی صورت دیکھ کر کشش ہوتی ہے [اور دل کھنچتا ہے]۔ جو بلا کرامت ہو تو زیادہ اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ کرامت میں تو سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کچھ اور بات نہ ہو۔ یہ عجیب اثر حق میں ہے۔ اور ایسے امور میں حیرت سی تو ہو جاتی ہے، مگر کشش نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر تشریف لے گئے، تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ اور چہرۂ مبارک پر نظر پڑتے ہی سمجھ لیا [کہ یہ صورت کسی کذاب کی نہیں ہوسکتی]۔ انہ لیس بوجه كذاب۔ اور کوئی معجزہ طلب نہیں کیا۔... طالبین کی نظر اخلاق کی طرف ہوتی ہے۔ طالبین نے کبھی معجزہ طلب نہیں کیا۔ خود صحبت سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اب زمانہ نبوت کا تو رہا نہیں۔ اب کشش اتباع سنت میں ہے۔ اور اتباع سنت میں دھوکہ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ آدمی اپنے کو کہاں تک بناوے گا۔ راز ایک نہ ایک روز کھل ہی جاتا ہے۔ (جلد:۱۹ص:۳۷۔۳۸)

صدیقیت شہادت سے زیادہ مشکل:

شہادت کا ملنا تو ہے آسان۔ بس ایک تلوار لگی سر الگ ہو گیا شہید ہو گئے۔ اس لیے کثیر التعداد ہیں۔ اور صدیقیت ہے مشکل۔ صدیقیت میں لاکھوں تلواریں ہر وقت چلتی ہیں۔ ہر وقت آرہ چلتا رہتا ہے۔ یہاں تو یہ کیفیت ہے:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

شہادت صدیقیت کی فرع اور تابع ہے۔ لوگ شہداء کے بدن کا نہ گلنا خیال کرتے ہیں۔ تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ صدیقین کا بدن بھی نہیں گلتا ہے۔ (جلد:۱۹ص:۴۱)

اہل اللہ کی شان میں گستاخی کا انجام:

ایک شخص جو حضرت سے اعتقاد رکھتا تھا وہ آیا۔ اور ایک دوسرے شخص اسی روز آئے۔ اور انہوں نے کچھ کپڑا ہدیۃً پیش کیا۔ حضرت نے قبول فرمالیا۔ اور انہوں نے حضرت ہی کے یہاں کھانا بھی

کھایا۔ پہلے شخص نے مکان پہنچ کر کچھ گستاخانہ کلمات حضرت کو لکھے جن میں سے دو باتیں یہ تھیں:

ا۔ جس شخص نے آپ کو کپڑا دیا اس کو تو روٹی کھلائی۔ اور میں نے کچھ نہ دیا تھا مجھے روٹی کھلانے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ میں نے خط بھیجا تھا اس میں جواب کے لیے ٹکٹ نہ تھا تو آپ نے جواب بھی نہ دیا۔ دو پیسہ بھی خرچ نہ کیے گئے۔ غرض بڑی گستاخی کا برتاؤ حضرت سے کیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد وہ شخص آیا اور معذرت کا رقعہ پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے یہاں تمہارا کچھ کام نہیں۔ مجھ سے فیض تم کو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مجھ میں اور تم میں مناسبت نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور کی طرف رجوع کرو۔ اور میں تمہارے ہی فائدے کے لیے کہتا ہوں۔ میں کچھ تم سے ناراض نہیں۔

وہ شخص چلا گیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد، تقریبا دو ماہ کے بعد، آیا۔ اس کی حالت جنون والوں کی سی تھی۔ اور اس کے باپ کا خط حضرت کے پاس آیا کہ اس کو جنون ہو گیا ہے۔ وہ شخص ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت نے اپنے ملازم نیاز سے فرمایا کہ اس سے پوچھو کیسے آئے ہو؟ نیاز نے پوچھا تو وہ شخص اٹھ کر بھاگ گیا۔ اور مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیوانہ ہے۔ پھر نیاز سے فرمایا کہ اس کے پاس جا کر کہو کہاں رہتے ہو؟ وہ گیا اور پوچھا تو کہنے لگا کہ خدا کو خبر ہے۔ اس کے بعد حضرت نے اس کو نکلوا دیا۔ ساری حرکتیں اس کی دیوانوں کی سی تھیں مجنون ہی ہو گیا تھا۔

......[حضرت والا نے فرمایا]. ایک شخص حضرت مولانا گنگوہیؒ کی طبیعت کے خلاف کیا کرتے تھے ان کو یہی جنون ہو گیا تھا۔ ناحق ظلم کرنا بہت برا ہے۔ خاص کر جس کے ساتھ یہ اعتقاد ہو کہ یہ شخص نائب رسول ہے۔ یہ ہلکی بات نہیں۔

....ایک بات یہ سمجھ لینے کے قابل ہے کہ احکام شریعت کے خلاف کرنے سے تو آخرت میں عذاب ہو گا۔ اور آداب طریقت کے خلاف کرنے سے معصیت نہیں ہوتی۔ مگر دنیوی ضرر ضرور لاحق ہو جاتا ہے۔ آخرت کا ضرر نہ ہو گا۔ مگر گو کبھی بواسطہ آخرت سے بھی محرومی ہو جائے۔ کیونکہ اس مخالفت کا اول اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا نام لینے کی حلاوت جاتی رہتی ہے۔ پھر تعطل ہو جاتا ہے۔ پھر ترک مستحب، پھر ترک سنت، پھر ترک واجبات، یہاں تک کہ سلب ایمان کی نوبت آ جاتی ہے۔

لیکن اگر اس حالت میں بھی ہمت سے شریعت کا کام کرتا رہے، تو آخرت کا نقصان نہیں۔ مگر انشراح وراحت واطمینان نصیب نہ ہوگا۔ یہ غلط ہے کہ پیر کے ناراض ہو جانے سے اللہ میاں ناراض ہو جائیں گے۔ اور آداب طریقت سے کوئی ادب غامض نہیں۔ پیر کو مکر نہ کیا جائے۔ طعن واعتراض اس پر نہ ہو۔ پیر کو غلطی ہو جانے پر نصیحت بھی کرے، مگر ہو ادب سے۔ (جلد:۱۹ص:۴۲۔۴۵)

عزت حاصل کرنے کے لیے وعظ:

بعض لوگوں کی غرض وعظ کہنے سے طلب عزت ہوتی ہے، کہ لوگوں کی نظر میں ہم بڑے شمار ہوں۔ اور یہ رہزنِ طریق ہے۔... بعض لوگ صالح عنداللہ ہوتے ہیں۔ اور صالح بھی ایسے کہ قرب عند اللہ کے اعتبار سے مصلح سے بھی بڑھے ہوئے ہیں، مگر مصلح نہیں ہوتے اصلاح تو ایک فن ہے۔ جو اس سے واقف ہے وہ ہی اصلاح کرسکتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ مصلح تو ہیں، یعنی فن سے واقف ہیں۔ اور فن کے سبب دوسرے کو مشورہ دے سکتے ہیں۔ خود متقی وصالح نہیں۔ ایسے لوگوں کے رستہ بتلانے میں برکت نہیں ہوتی۔ عادۃ اللہ ہے کہ جو ایسوں سے رجوع کرتے ہیں ان کو طریق پر آمادگی نہیں ہوتی۔ شیخ کو چاہئے کہ اپنے لیے خلوت کا بھی کچھ نہ کچھ وقت تجویز کرے۔ اس سے بھی برکت ہوتی ہے۔ میں مبتدیوں کو وعظ کی اجازت نہیں دیتا۔ اور منتہی میں سے بھی سب کو نہیں۔ بلکہ ان کے اخلاق دیکھتا ہوں کہ ان پر وعظ کہنے کا کیا اثر پڑے گا۔ مناسب حال کام کرتا ہوں۔ (جلد:۱۹ص:۴۷)

بڑا بننے کا شوق خطرناک ہے:

بڑے بننے میں لوگوں کو حظ ہوتا ہے۔ حالانکہ چھوٹے ہونے میں حظ ہے۔ کیونکہ بڑے بننے میں سارے بار اس پر آجاتے ہیں۔ ہاں اگر منجانب اللہ کوئی خدمت اس کے سپرد ہو جائے، تو اس کی اعانت ہوتی ہے۔ اور خود بڑا بننے میں اعانت نہیں ہوتی۔

...اور جبکہ وہ بڑائی بھی جو کہ بلا قصد خود ملے وہ بھی محل خطر ہے، تو خود بڑا بننے کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ اور ایسے لوگ کم ہیں کہ سامان بڑائی کا ہو اور گمان بڑائی کا نہ آئے، یہ صدیقین کا کام ہے۔ اور یہ امتحان کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں حب جاہ ہے یا نہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ لوگ اس

کو حضور کہتے ہوں تو وہ دیکھے کہ ''تم'' کہنے کا اثر اس پر کیا ہوتا ہے؟ امتحان کے وقت معلوم ہوگا کہ ہم میں حب جاہ کتنی ہے؟ کہ ہم زوال جاہ کے اسباب سے متاثر ہوئے یا نہیں؟ اور کون ٹٹولتا ہے دلوں کو؟ پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ ہم لوگ بری زندگی بسر کر رہے ہیں۔...... واقعے میں اہل اللہ بڑے عاقل ہوتے ہیں اور صرف علوم و اخلاق ہی میں نہیں تمام امور میں۔ (جلد:۱۹ص:۵۳۔۵۴)

حضرت ابوذرؓ پر مجذوبیت کا اثر:

پرچہ القاسم نمبر ا / جلد ۹ / ماہ شعبان ۱۳۳۶ھ کا آیا ہے۔ اس میں حضرت ابوذر غفاریؓ کے حالات لکھے ہیں۔ اور مسند سے ان کے قصے نقل کیے ہیں، جن سے ان کے مجذوب ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ان کو مجذوب کیوں نہ کہا جائے؟ ایک حال یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کھڑے ہوتے تھے اور سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ نہ رکوع نہ کچھ۔ بس سجدہ کیا۔ اور پھر کھڑے ہو گئے۔ ایک شخص نے ان سے کہا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اور وہ شخص واقف نہ تھا کہ ابوذر غفاریؓ ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے۔ ہم کو رسول ﷺ نے سجدہ کی فضیلت بتلائی۔ اس لیے ہم کر رہے ہیں۔ اور فرائض میں ایسا نہ تھا۔ نوافل میں ایسا کرتے تھے۔

اس پرچہ میں مسند احمد سے اور روایات بھی لکھی ہیں کہ جن کو دیکھ کر کہنا پڑے گا کہ بعض صحابہ بھی مجذوب تھے۔ پھر صوفیہ نے کیا غلط کہا ہے؟ مجھ کو یہ روایتیں تکشف لکھنے کے وقت نہ ملیں، ورنہ ان روایات کو لکھتا۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ مجذوب اور مجنون میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ مجذوب کی بات میں انجذ اب الی اللہ کا اثر ہوتا ہے اور مجنون کی بات میں نہیں۔ امت ایک باغ ہے اس میں سب طرح کے درخت ہیں نارنگی بھی ہیں اور آم کے بھی۔ اور سب طرح کی نیرنگیاں ہیں۔ (جلد:۱۹ص:۶۲)

کبر سے اپنی حفاظت کرنی ضروری ہے:

ایک بات یہ کہ جس شخص کے ساتھ ہر وقت پیچھے پیچھے لوگ رہیں وہ تو تھوڑے دنوں میں فرعون بن جائے گا۔ اپنے کو کچھ سمجھنے لگے گا۔ پورب میں لوگ میرے سامنے سے لوگوں کو ہٹا رہے تھے کہ ہٹو بچو۔ میں نے کہا کہ راستہ میں ہمارا کیا حق ہے؟ راستہ تو سب کا ہے۔ اور میں نے کہا کہ چند روز تم میں کوئی رہے تو فرعون بن جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو سب کام خود کر کے دکھا دیے۔

حضورﷺ نے صحابہؓ سے فرمادیا تھا کہ جب ہم آیا کریں اٹھا مت کرو۔ایک شخص میرے پاس پچھلے پیروں اٹھ کر چلے (یعنی پیٹھ میری طرف نہیں کی) میں نے کہا کہ میں کعبہ نہیں ہوں کہ پشت کرنا خلاف ادب ہے۔بعض لوگ آتے ہیں اور کھڑے رہتے ہیں، بیٹھتے نہیں۔ایک صاحب آئے اور کھڑے ہوگئے۔میں نے کہا کہ آپ بیٹھتے کیوں نہیں؟ کہنے لگے کہ بلا اجازت کیسے بیٹھوں؟ میں نے کہا کہ دس برس تک اجازت نہیں بس فوراً بیٹھ گئے۔ (جلد:۱۹ص:۶۵)

عبادت مالی کا ایصال ثواب افضل ہے:

عبادت مالی کا ثواب پہنچنا اہل حق کے نزدیک متفق علیہ ہے اس لیے افضل ہے۔دوسرے اس میں نفع متعدی ہے۔تیسرے عبادت مالی میں نفس پر گرانی زیادہ ہوتی ہے اور عبادت بدنی کا ثواب دوسرے کو پہنچنے کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ (جلد:۱۹ص:۸۰)

وقار وتکبر میں کیا فرق ہے؟

ایک شخص نے دریافت کیا کہ وقار وتکبر میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہاں تکبر کہاں وقار،؟ تکبر کہتے ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا۔وقار کے معنی ہیں کہ ایسی حرکتیں نہ کرنا جو واقع میں خفیف ہوں۔اور وقار میں یہ نہیں کہ اوروں کو کمتر سمجھے۔بلکہ وقار تواضع کا شعبہ ہے۔جس قدر انکسار بڑھتا جائے گا۔سکون وسکوت کی شان بڑھتی جائے گی۔تواضع کے لیے وقار لازم ہے۔اور تواضع تکبر کی ضد ہے۔

(جلد:۱۹ص:۹۲)

اہل حق کی شان:

جو شخص حق پر ہو تو اس میں بھی لوگوں کی دو حالتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس کو نعمت سمجھ کر اس پر شکر کرے یہ تو مطلوب ہے۔اور ایک یہ کہ اس پر ناز ہو یہ جہل ہے...اگر کسی نعمت پر بندہ میں خوف کی کیفیت ہے کہ کہیں مالک اس نعمت کو سلب نہ کرلے۔تو یہ شکر ہے کہ یوں سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ورنہ کبر ہے۔پھر [یہ] امور سوچنے کے متعلق ہیں اول وہلہ میں سمجھ نہیں آتے۔عارفین کی حالت ایسے مواقع میں دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ (جلد۱۹۔ص:۱۳۹)

آدمی اپنی حقیقت میں غور کیا کرے:

آدمی اپنی حقیقت میں غور کیا کرے اور سوچا کرے کہ جو برائیاں لوگ کرتے ہیں۔ میں تو اس سے بھی زیادہ برا ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اصل عیوب کو چھپا لیا۔ میرے عیوب تو اس سے بھی زیادہ تھے۔ پھر برا کیوں مانے۔ جیسے کوئی اندھے کو کانا کہہ دے تو اس کو شکر گزار ہونا چاہیے۔ اگر خوش بھی نہ ہو تو اس اہتمام میں تو نہ پڑے کہ مجھے کیوں برا کہا؟ اور کون کون اس میں شامل تھا؟ اور کیا مبنیٰ ہوا برا کہنے کا؟ اور اس کا دفعیہ کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ (جلد:۱۹ص:۹۴)

کام میں برکت کا راز:

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب انسان کو عالم ارواح سے مناسبت ہو جاتی ہے، تو وہ زمان و مکان کے ساتھ زیادہ مقید نہیں رہتا۔ اس کے کام میں برکت ہونے لگتی ہے۔ یہ حضرات متقدمین ایسے ہی تھے۔ اور اس برکت میں زیادہ دخل تقوی کو ہے۔ (جلد:۱۹ص:۱۳۴)

غیبت کے احکام:

غیبت اصل میں جہاں مصلحت شرعی نہ ہو، ناجائز اور جہاں مصلحت شرعی ہو جائز ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص کسی کو نوکر رکھنا چاہتا ہے اور ہے وہ چور اور آقا کو خبر نہیں۔ اور ایک شخص کو اس کا حال معلوم ہے۔ تو اس کو مطلع کر دینا ایسے عیوب پر جائز ہے۔ البتہ غیبت کر کے اپنے غصہ کا فرو کرنا، یہ برا۔ اور بعض اوقات مقصود تو ہوتا ہے شفائے غیظ مگر تاویل سے کوئی دوسری بناء غیبت کرنے کے لیے نکالی جاتی ہے۔ اور یہ قسم غیبت کی فقہاء اور علماء میں بہت ہے۔ یہ اور بھی برا ہے۔ اس سے تو فساق ہی کی غیبت اچھی۔ کیونکہ یہ اس کو غیبت ہی نہیں سمجھتے اور فساق برا جانتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے غیبت کی پوری تفصیل کی ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ کسی کے مکان، کپڑے وغیرہ کو برا کہنا بھی غیبت میں داخل ہے۔ اور کافر کی برائی جو کفر کے متعلق ہو وہ تو جائز..... اس کے علاوہ جائز نہیں۔ اور اپنے اس بیان پر ان کے پاس دلائل ہیں۔

(جلد:۱۹ص:۱۳۹)

چند مختصر نصائح:

۱۔ میں اپنی کھلی ہوئی حالت رکھتا ہوں تا کہ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔ دھوکہ بازی سے مجھ کو سخت نفرت ہے حتیٰ کہ گناہوں کی نفرت سے بھی بڑھ کر پس ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیے۔

۲۔ جو شخص اپنی اصلاح کی طرف خود توجہ نہ کرے، ان کی اصلاح بزرگ سے تو کیا نبی سے بھی نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے ابو طالب باوجودیکہ مخالف بھی نہ تھے، مگر پھر بھی بے توجہی سے ہدایت نہ ہوئی۔ اور اگر توجہ اور خواستگاری ہو تو بزرگ تو بڑی چیز ہے جانوروں سے بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ فرمایا میں بہت دنوں سے تجربہ کر رہا ہوں۔ مجھے تو ایسا ہی ثابت ہوا ہے۔ (جلد:۱۹ص:۱۴۳)

۳۔ اکل حلال کا بہت خیال رکھے کہ یہ طاعت کرنے کا آلہ ہے۔ اور گناہوں سے بچنے کا اوزار ہے۔ لوگ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین اسی کی زیادہ تاکید کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر اچھا لقمہ کھائے تو اچھے کام اعضاء سے ظاہر ہوں گے۔ اور خراب لقمہ کھائے گا خراب کام اعضاء سے ظاہر ہوں گے۔

۴۔ اور کچھ دن صحبت شیخ میں ضرور رہے۔ اس سے بہت فائدے ہوں گے۔ شیخ کے طرز و انداز سے واقفیت ہوگی، مناسبت ہوگی، حجاب و تکلف جو درمیان میں ہے وہ دور ہو جائیں گے۔ اور یہی ذریعہ حصول مقصود کا ہے۔ کچھ دن قیام کے بعد اگر شیخ سے غائب رہ کر بھی کام کرے گا۔ تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کام ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تانبے سے کندن جب ہی ہوگا جب صحبت میں رہے گا۔

۵۔ عملِ آخرت میں مشغول رہے۔ دنیا کے فضول جھگڑوں کو دور کرے۔

۶۔ دنیا کو سرائے اور مسافر خانہ سمجھے۔ اور آخرت کو اپنا گھر سمجھے۔ اگر ان دونوں باتوں کو خوب ذہن نشین کرے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ساری مصیبتیں حل ہو جائیں۔ جس طرح دنیا کے سفر کی مصیبتیں وطن کا آرام خیال کر کے ہوا ہو جاتی ہیں، اسی طرح آخرت کے آرام کا خیال کر کے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت ان شاء اللہ تعالیٰ آسان ہو جائے گی۔ ساری خرابیاں آخرت کے بھلانے سے اور دنیا کے پیش نظر رکھنے سے ہوتی ہیں۔ دنیا پر دین کو مقدم رکھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تقدیم آخرت

کی برکت سے دنیا بھی ٹھیک ہو جائے گی۔اور حدیث شریف میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ **من جعل الهموم هما واحد هم الآخرة كفاه الله هم دنياه** [جو سارے غموں کی جگہ ایک آخرت کا غم پال لے گا اللہ تعالیٰ اس کی دنیا کی فکر کی طرف سے کافی ہو جائے گا]۔اور اگر دنیا کو دین پر مقدم کرے گا۔تو دنیا تو تقدیر سے زیادہ نہ ملے گی مگر آخرت تو بالکل برباد ہو جائے گی۔اَعوذ باللہ من ذلک۔ (جلد:۱۹ص:۱۴۵)

۷۔ہم نے دیکھا ہے بعضے بزرگوں کا ایسا رعب پڑتا ہے کہ بڑے بڑے دنیادار عظمت والے ان کے سامنے بول تک نہیں سکتے۔ (جلد:۱۹ص:۱۴۶)

۸۔دو چیز اہل علم کے واسطے بہت ہی بری معلوم ہوتی ہیں،حرص اور کبر، یہ ان میں نہیں ہونا چاہیے۔

۹۔گناہوں کے علاج میں بے پروائی نہ کرے جہاں تک ہو،جلدی توبہ کرے۔ورنہ سخت مشکل پیش آئے گی۔

۱۰۔علماء کا ہمیشہ غریب ہی رہنا اچھا ہے،جس قوم اور جس مذہب کے علماء امیر ہوئے،وہ برباد ہو گئے۔ (جلد:۱۹ص:۱۴۳۔۱۴۷)

فسق باطنی:

اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا بھی گناہ ہے اور فسق باطنی ہے۔ (جلد:۱۹ص:۱۷۶)

خلاصۂ آداب معاشرت:

خلاصہ آداب معاشرت کا یہ ہے کہ کسی کو تکلیف کسی کی ذات سے نہ پہنچے۔ (جلد:۱۹ص:۱۹۵)

بیوی کے ذمہ کھانا پکانا ہے کہ نہیں:

ایک صاحب نے سوال کیا کہ کھانا پکانا زوجہ کے ذمہ ہے یا نہیں؟ فرمایا: دیانۃً ہے قضاءً نہیں ہے۔اگر زوج فرمائش کرے تو دیانۃً اس کے ذمہ ہے۔[یعنی عدالت تو اس کو کھانا پکانے کا پابند نہیں کرے گی،لیکن دینی طور پر اس پر واجب ہے،] اور یہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔چنانچہ

حدیث میں ہے کہ اگر شوہر اس کو حکم دے کہ سیاہ پہاڑ کے پتھر سفید پہاڑ پر لے جا۔ اور سفید پہاڑ کے سیاہ پر تو اس کو کرنا چاہیے۔ اطاعت کی اس قدر تاکید ہے۔ کھانا پکانا تو اس سے کم ہی درجہ میں ہے۔
(جلد:۱۹اص:۱۹۸)

تصوف کی محض علمی تحقیق بے فائدہ عمل ہے:

[ایک صاحب نے تصوف کے مسائل کی علمی تحقیق چاہی تو ارشاد فرمایا:] حضرت! ان تحقیقات سے کام تھوڑا ہی چلتا ہے۔ کچھ بھی نفع نہیں، سوائے اس کے کہ میرا وقت ضائع ہو۔ اور آپ کو نفع نہ ہو۔ جیسے کوئی طبیب سے نسخہ تو لکھا لے اور اس کا استعمال نہ کرے۔ اگر شوق ہو تو طبیب کا بتلایا ہوا نسخہ استعمال کریں۔

جو امور کرنے کے ہیں ان کا [محض زبانی] تذکرہ بھی ناگوار ہوتا ہے۔ مثلاً خوشنویس کے پاس جا کر یہ تذکرہ کرنا کہ یہ حروف اس طرح کیوں بنتا ہے؟ اور اس کی شکل ایسی کیوں ہے؟ اس کی نشست ایسی کس لیے ہے؟ صرف اس تذکرہ سے کیا فائدہ؟ یوں چاہیے کہ اس کے پاس جا کر قلم درست کرے۔ اس سے سیکھے۔ کام ہی کے درمیان میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ان امور کی تحقیق بھی ہو جاتی ہے۔ آپ کے سارے شبہات کسی کے پاس رہنے سے رفع ہوں گے۔ کسی جگہ آپ کو رہنا چاہیے۔ اور سارے شبہارت دفعۃً پیش کر کے، دو مہینہ تک زبان بند رکھیں۔ یہ طریقہ ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص مل گیا، اس کے سامنے شبہات پیش کر دیے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدہ ہو کر پھر شبہات تازہ ہو جاتے ہیں۔ میں نے یہ اس وجہ سے عرض کیا کہ وقت کام میں صرف ہو تو اچھا ہے۔ کیونکہ جب نتیجہ نہیں ہوتا کسی فعل کا، تو قلب کو بشاشت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ثمرہ ہو تو خوشی ہوتی ہے۔ میں اپنا وقت صرف کر رہا ہوں مگر کوئی ثمرہ نہیں۔ موٹی مثال عرض کرتا ہوں جب آدمی علاج کراتا ہے طبیب سے یوں تو نہیں کہتا کہ اگر نسخہ سے حرارت بڑھی تو کیا ہو گا اور برودت ہوئی تو کیا ہو گا؟ خدا کے نام پر علاج شروع کر دیتا ہے تحقیقات نہیں کرتا۔ اور جب کوئی حالت پیش آتی ہے اس وقت اس کے متعلق تحقیق کرتا ہے۔

بس یہاں بھی یہی کرنا چاہیے۔ اسی طرح شبہ بھی وہی معتد بہ [معتبر] ہوتا ہے جو کام کرنے

کے بعد ہو۔اس پہلے ہوائی شبہات ہوتے ہیں۔جن کو کام کرنے کے بعد انسان خود سمجھتا ہے کہ میرے یہ سارے شبہات مہمل تھے۔

وہ صاحب چلے گئے،اس کے بعد حضرت نے حاضرین سے فرمایا۔نرے لفظوں سے کام نہیں چلتا اس فن (تصوف) کی باتیں بہت لذیذ ہیں۔مگر کرنے کا کام سخت ہے۔مگر یہ مطلب نہیں کہ دشوار ہے،ہاں نفس کے خلاف ہے۔ (جلد:۱۹ص:۲۰۷۔۲۰۸)

تعلق مع اللہ کے لیے دو چیزیں لازم:

تعلق مع اللہ کے لیے دو چیزیں لازم ہیں:سہولت طاعت،دوام ذکر۔[سہولت طاعت کا مطلب یہ ہے کہ (اصلاح ومجاہدہ اور ذکر کے ذریعہ) حالت ایسی ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر سہولت سے عمل ہونے لگے،نفس زیادہ ممانعت اور انکار نہ کرے]۔جس کسی سے محبت ہو جائے،تو اس کے ساتھ ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ اکثر اوقات اس کی یاد رہتی ہے۔میں تو اس کو یوں تعبیر کرتا ہوں کہ دوامِ طاعت اور کثرت ذکر۔کیونکہ ذکر میں تو کسی وقت غفلت بھی ہو ہی جاتی ہے۔اس لیے یہاں بجائے لفظ دوام کے لفظ کثرت لایا گیا۔ (جلد:۱۹ص:۲۱۰)

ساری محبتیں موذی ہیں،بجز محبت الٰہی کے:

جتنی محبتیں ہیں سب موذی ہیں،بجز اللہ تعالیٰ کی محبت کے۔حق تعالیٰ کی محبت ایک ایسی محبت ہے،جو ہر طرح راحت رساں ہے۔تھانہ بھون کے پاس ایک گاؤں میں ایک ڈپٹی تھے۔ان کے پاس مال بہت تھا۔رات بھر پہرہ دیتے تھے۔پہرہ داروں کو پکارتے رہتے تھے،چوکیداروں کو پکارتے رہتے تھے۔خود بھی جاگتے رہتے تھے۔ (جلد:۱۹ص:۲۱۲)

اتفاق واتحاد کی اصل بنیاد:

لوگ تو کوشش کرتے ہیں کہ اتفاق ہو۔اور میں تواضع کی تعلیم کرتا ہوں۔اس سے خود اتفاق ہو جائے گا۔تکبر جڑ ہے نااتفاقی کی۔اس کو مٹایا جائے اور پستی اختیار کی جائے۔بس اتفاق ہو جائے گا۔ورنہ جو اتفاق کے اسباب ہیں،جب تک وہ نہ ہوں تو کیسے اتفاق ہو سکتا ہے؟ یہ بات حضرت حاجی صاحبؒ

کی بتلائی ہوئی ہے۔فرماتے تھے کہ آج کل عقلاء اتفاق کی تو کوشش کررہے ہیں۔مگراس کے اصول ان کے ذہن میں نہیں آئے۔اسی لیے جولوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں خودان میں تواضع نہیں تکبر ہے۔ پھر کیسے اتفاق ہو؟ واقعی لیڈر یہ لوگ ہیں (یعنی اہل اللہ) کیا اچھا سمجھے ہیں۔ (جلد:۱۹اص:۲۳۷)

ایک اہم تذکیر:

کیا خبر ہے؟ بعض داڑھی منڈے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا قلب داڑھی والوں سے بہت اچھا ہے۔ (جلد:۱۹اص:۲۶۶)

کیا فائدہ وظائف سے جب سنت کی قدر نہیں:

بار ہا حضرت والا نے جماعت میں صف سیدھی کرنے کو فرمایا۔مگر کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ایک روز یوں فرمایا کہ کیا فائدہ ہے وظائف گھوٹنے اورضربیں لگانے سے۔جب سنت کی وقعت نہیں۔ (جلد:۱۹اص:۲۶۶)

داڑھی منڈانے والوں کی شہادت چاند میں معتبر ہے یا نہیں ہے؟

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کچھ لوگ داڑھی منڈاتے ہوں اور وہ چاند کی شہادت دیں تو ان کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ فرمایا: یہ مفتی کی رائے پر ہے۔اگراس کو قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے ،تو معتبر ہے۔ان کی خبر فی نفسہ معتبر نہیں۔اگر تحری منضم ہو جائے تو معتبر ہے۔اسی درمیان میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا داڑھی منڈانا گناہ کبیرہ ہے؟ اس پر فرمایا: نہیں۔ہاں اگر دوام ہو گیا، تو گناہ میں شدت بڑھ جائے گی۔ (جلد:۱۹اص:۲۹۰)

تشبّہ بالکفار کا معیار:

اس کا معیار یہ ہے کہ جہاں کوئی بات کسی کی وضع ہو، اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ بات کفار میں ہے اور کفار کی خصوصیت کی طرف ذہن جاتا ہو تو تشبہ بالکفار ہوگا ورنہ نہیں۔

ہمارے یہاں عموماً لوگ اس کو (یعنی [دھوتی کی] طرح لنگی باندھنے کو) ہندوؤں کا لباس سمجھتے ہیں اس لیے تشبہ بالکفار ہوگا۔ اسی درمیان میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ جو شخص لندن میں مسلمان ہوا۔ اور وہ کوٹ پتلون پہنے تو تشبہ ہوگا یا نہیں۔ اس پر فرمایا تشبہ وہاں نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں یہ نہیں سمجھا جاتا ہے کہ یہ غیر قوم کا لباس ہے۔ وہاں تو سب کا لباس یہی ہے۔ کوئی امتیاز نہیں۔ اگر یہاں پر بھی کوٹ پتلون عام ہو جائے کہ ذہن میں خصوصیت جاتی رہے، تو ممنوع نہ ہوگا۔ (جلد:۱۹اص:۲۹۰)

ایک نہایت چشم کشا تقریر جس میں مشائخ کی صحبت کا ایک اہم ادب بیان کیا گیا اور شہوت کی مخفی کارستانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

حضرت والا نے ایک خط کھول کر [لکھنے والے کا نام ظاہر کیے بغیر] حاضرین کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ اور [اپنا تحریر فرمودہ] جواب بھی اس کا سب کے سامنے پڑھا۔ [جس میں ان میں شہوت کے مرض کی تشخیص کرنے کے بعد لکھا تھا کہ تمہارا یہ حال] مجھ کو تو سخت ہی ناگوار ہوا۔ اس کا جو ضرر دین پر پہنچنے والا ہے ذرا اس سے بچو۔ اور فکر کرو۔ لا الہ الا اللہ۔ کیا واہیات ہے۔ نفس میں ضرور چور چھپا ہے۔ نکالو، جلد نکالو۔ ورنہ یہ رنگ لاوے گا۔ گو دوسرے ہی موقعہ پر سہی۔ افسوس یہ ثقاہت اور یہ خیانت! فقط۔

جب حضرت والا اس خط کو سنا چکے، تو ایک صاحب نے ذاکرین میں سے [خط والے صاحب کے عمل کی کچھ صفائی دی اور ایسی تاویل کی جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ان صاحب کے اس عمل کا سبب شہوت نہیں کچھ اور ہے۔]۔ حضرت والا کو ان کے اس کہنے پر غصہ آیا۔ اور بات بھی غصہ کی تھی۔ کیونکہ حضرت نے تو کاتب میں ایک مرضِ قلبی تشخیص کیا۔ اور یہ اس میں احتمالات

نکالتے ہیں کہ شاید [ان کا وہ عمل] اس وجہ سے...... ہو۔ اور وہ بات نہ ہو جو حضرت نے تجویز کی۔ حضرت کی تشخیص میں تو مبنیٰ ......[اس] کا نفس کی شرارت اور نفس کا حظ تھا۔ اور یہ اس میں احتمال نکالتے تھے کہ شاید [اس] کا مبنیٰ کچھ اور ہو۔ اور وہ نہ ہو۔ یہ تو اچھی خاصی حضرت کے صحیح جواب کی تردید تھی۔ اس لیے ردّ حق پر غصہ کیا۔ اور ملفوظ ذیل فرمایا۔ (یہ صاحب فارغ التحصیل مدرس ہیں۔ اور اسی قسم کے احتمالات نکالنے کے بہت عادی ہیں۔ جامع)

فرمایا: میرے جواب کی قدر نہیں۔ اس لیے اس پر یہ شبہہ نکالا۔ معلوم ہوا تمہارے اندر بھی شرارت ہے۔...... آپ خوب احتمال نکالتے ہیں۔ طالب علمی چھوڑ دو حقیقت طلب کرو۔ معلوم ہوتا ہے تمہارا دل مسخ ہو رہا ہے۔ اس لیے بیہودہ و ناپاک شبہات اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ تمہارا دین بھی برباد ہونے والا ہے۔ دیکھو اپنے احتمالات اور شبہات کو کیسے ہیں؟

خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر دل کو ٹٹولو۔ کہ آیا یہی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو، یا نفس کو ایسے تعلق سے حظ ہے؟ اور اس سے دل میں یہ خباثت ہے۔ اور جب تمہارے دل میں خباثت ہے تو کیا تمہارا دل لگے گا میرے مضمون پر؟ یہ محض بوجھ ڈالنا ہے مخاطب پر۔ یہ طالب علمی کا رنگ ہے۔ اگر ایسے ہی احتمالات معتبر ہوں تو کسی کی دنیا میں تربیت ہی نہ ہو۔

......یاد رکھو کہ یہ مجلس اصلاح کی ہے۔ احتمالات کی نہیں۔ اگر احتمالات نکالنے ہوں تو مدرسوں میں جاؤ۔ یہ خانقاہ ہے ایک فقیر کی، جس کا نام امداد اللہ تھا۔ جس کو اس سے مناسبت ہو وہ یہاں بیٹھے۔ اور جس کو مناسبت نہ ہو چاہے وہ جنید و شبلی ہو، مگر اس میں اس کا رنگ نہ ہو وہ نہ بیٹھے۔ تم مہمل احتمالات نکال کر اللہ کے راستہ سے دوسروں کو بھی روکتے ہو۔ اور "**یصدون عن سبیل اللہ**" کا مصداق بنتے ہو۔ تمہارے احتمالات نکالنے سے اوروں کو بھی شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ دوسروں کا مذاق بھی خراب ہوتا ہے۔

اسی مجلس میں ایک اور صاحب تھے عالم مدرس جو کئی دن سے حضرت کی بعض بعض علمی باتوں میں احتمالات نکالتے تھے۔ ان کی طرف بھی حضرت والا مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ میں ان کو بھی کئی دن سے دیکھ رہا ہوں کہ طالب علمی احتمالات نکالتے ہیں ہر بات میں۔ پھر دونوں کو مخاطب بنا کر

فرمایا: تم میں شہوت کا چور ہے (ایک کی طرف اشارہ کیا)۔ اور تم میں جاہ کا چور ہے (دوسرے کی طرف اشارہ کیا)۔ خلوت میں جا کر اپنے دل سے پوچھ لو کہ یہ میری تشخیص صحیح ہے یا نہیں؟ عجیب حال ہے! ہر بات میں شبہات نکالنا۔ یہ تحقیقِ علمی کی مجلس نہیں۔ اصلاح حال کی مجلس ہے۔ میں تو اصلاح کے متعلق امور بتلاتا ہوں، جس کا دل قبول نہ کرے مت عمل کرو۔ اگر علمی شبہات پیش کرنا ہوں تو، میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ مگر اس کے لیے دوسری مجلس ہونی چاہیے۔ میں خلط نہیں کرنا چاہتا ہوں اس مجلس میں اور اس مجلس میں......۔

آپ لوگ گندہ کرتے ہیں مجلس کو۔ معلوم ہوا مس نہیں ہوا اس مجلس کے آداب سے۔ اور ذکر کا اثر نہیں ہوا۔ خدائے تعالیٰ کی قسم اگر ذکر کا اثر ہو جائے تو رنگ ہی دوسرا ہو جائے۔ جب اثر ہو جاتا ہے تو ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کوئی کام کی بات مل جائے۔

......میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ جو میری زبان سے نکلتا ہے وہ وحی ہوتا ہے اس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں ہوتا غلطی بھی ہوتی ہو مگر اس میں کام کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ میں صاف کہتا ہوں کہ جو کام کی بات ہو وہ لے لو باقی چھوڑ دو۔ آپ نے اس مجلس کو طالب علموں کی مجلس بنایا ہے۔ اگر مجھ کو طالب علموں کی مجلس سے دلچسپی ہوتی تو میں کانپور کیوں چھوڑتا؟ ایک صاحب کو تو اظہار علم مقصود ہے۔ مدرس بن کر دماغ سڑ گیا ہے۔ لونڈوں پر عملداری کرو۔ دوسرے صاحب کے اندر چور ہے شہوت کا۔ چور کی داڑھی میں تنکا ہوتا ہے۔ چونکہ چور موجود ہے اس لیے ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں......۔

شہوت و جاہ میں خوب ڈوبے ہیں۔ اس کا پتہ لگانے سے لگتا ہے۔ ذرا اپنے دل کو ٹٹول کر تو دیکھیے۔ ہاں جسے پرواہ نہ ہو تو اس کے خندق بھی سامنے آئے تو کچھ نہیں۔ طالب علموں میں یہ دونوں مرض ہیں: جاہ اور شہوت۔ اس سے بہت کم خالی ہیں۔ اور یہ ہی دونوں چیزیں دین کی برباد کرنے والی ہیں۔

......(اس کے بعد حضرت نے فرمایا) میری غرض اس وقت خط سنانے سے یہ تھی کہ یہ امور پیش آتے ہیں۔ اس لیے خط سنا دیا تا کہ یاد رہے کہ ایسا بھی ہوا کرتا ہے۔ مگر ایسے مہمل لوگوں کو کیا کروں جو سننا نہیں چاہتے۔ احتمالات نکالنے کو تیار ہیں۔ [ہوسکتا ہے اس معین شخص کے حال کی] میں نے تشخیص

غلط کی ہو۔ مگر سنانے سے غرض یہ ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ تربیت تو طب ہے ایک قسم کی۔...... میں تو یہ کہتا ہوں کہ جن کا یہ واقعہ ہے ان کے پاس بے تکلف اور بے ساختہ جائیے۔ اور ان سے پوچھئے کہ بھائی آیا یہ تشخیص [کہ تم میں شہوت کا مرض ہے] صحیح ہے یا نہیں؟۔ اس وقت حال معلوم ہو۔ خدائے تعالیٰ کو جس سے جو کام لینا ہوتا ہے، اس میں اکثر اس کی تشخیص صحیح ہوتی ہے۔...... نفس کی بدمعاشی بڑے بڑوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جس کی سمجھ میں آجائے تو خدائے تعالیٰ کا فضل سمجھنا چاہیے۔

[پھر ان صاحب کا تذکرہ کر کے جن میں شہوت کا مرض تشخیص فرمایا تھا، ارشاد فرمایا:]

حضرت! میرے پاس مرد وعورت دونوں کا خط آتا ہے۔ تو میں اپنے نفس کے اندر دونوں میں تفاوت پاتا ہوں۔ ...... بڑی بڑی شرارتیں ہیں نفس کی۔ میں چونکہ خود مبتلا ہوں اس لیے مجھے دوسروں کی حالت کا احساس ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ خود گنجا ہونے کی وجہ سے دوسروں کو بھی گنجا سمجھوں۔ ہاں مجھ میں اوروں میں یہ فرق ضرور ہے کہ میں تاویل نہیں کرتا۔ استغفار کرتا ہوں۔ یہ تو انسان کا طبعی میلان ہے۔ اگر اتنا میلان نہ ہوتا تو شریعت اس قدر انتظام کیوں کرتی۔

حضرت! ہر وقت نفس کی فکر میں رہنا چاہیے۔ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو یوں تو کہتے رہو کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارے اندر یہ مرض ہے۔ آپ اس کی اصلاح کر دیجیے، رحمت فرمائیے، اس کا ازالہ کیجیے۔

ایک یہ ہونا چاہیے کہ جب ایسا خیال ہو تو اس کا دفع کرے دوسری طرف مشغول ہونے سے دفع ہو جاتا ہے۔ یہ تو میلان کا علاج ہے۔ اور ایک ہے قصداً ابقاء [یعنی دل میں ناجائز شہوت کے خیال کو باقی رکھنا] اس کی تدبیر یہ ہے کہ جب ایسا [غلط کام] ہو تو، ایک وقت فاقہ کرے۔ اور نفس سے کہہ دے کہ جب تم ایسا کرو گے، تو ہم ایسا کریں گے۔ مگر یہ ایسی باتیں ہیں کہ ساری عمر ہونی چاہئیں۔ اس سے فارغ نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ اصل میں طبعی امور ہیں۔ اگر مجاہدہ وریاضت سے چلے بھی جاتے ہیں، تو پھر لوٹتے ہیں۔ مبتدی اور منتہی دونوں کو پیش آتے ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ منتہی مزاحمت کو جلد دفع کر سکتا ہے۔ اور مبتدی کو سخت دقت اٹھانی پڑتی ہے۔...... اور یہ بات تو بڑھاپے تک بھی نہیں جاتی۔ (جلد:۱۹ص:۲۹۱۔۲۹۷)

فہم قرآن میں سیاق وسباق کی اہمیت:

تجربہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مطالعہ میں صرف ایک آیت کا دیکھنا اور تدبر کرنا کافی نہیں۔ جب تک سیاق سباق کو نہ دیکھے۔ سیاق وسباق کے دیکھنے سے مدلول قرآن متعین ہوتا ہے۔ بدون اس کے کلام اللہ حل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک موقع پر ہے" **ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا**" کہ اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی غلبہ نہیں دیں گے۔ صرف اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ تو اگر کوئی شخص صرف اسی کو دیکھے گا اس کو شبہہ واقع ہوگا۔ مگر یہ شبہہ سیاق میں دیکھنے سے حل ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ہے:

إِنَّ اللّـهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعاً. الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ، فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّهِ قَالُواْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ، وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُواْ أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَاللّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَن يَجْعَلَ اللّهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً. (النساء:141)

اس میں منافقین اور کفار کا ذکر ہے اس کے بعد ہے "**فاللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ**" کہ اللہ قیامت کو تمہارے درمیان حکم کرے گا اس کے بعد ہے۔" **ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا**" اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ قیامت کے متعلق ہے، دنیا کے متعلق نہیں۔ اب مطلب ظاہر ہے۔ کوئی اشکال بھی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت میں جو اللہ فیصلہ کریگا اس میں کفار کی ڈگری نہ ہوگی۔ مسلمان ہی غالب رہیں گے۔ انہیں کی ڈگری ہوگی۔ اور کفار ہاریں گے۔ واقعی قیامت کو ایسا ہی ہوگا کہ کفار کو کسی صورت سے مسلمانوں پر غلبہ نہ ہوگا۔

اسی طرح قرآن میں سینکڑوں مقامات ہیں کہ بدون سیاق وسباق کے مطلب معین نہیں ہوتا۔ آیات کلام اللہ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے قطع بند اشعار ہوتے ہیں۔ صرف ایک شعر کے دیکھنے سے مطلب سمجھ میں نہیں آتا، تاوقتیکہ دونوں شعروں کو ملا کر نہ دیکھا جائے۔ فقط۔ (جلد:۱۹ص:۳۰۲)

ہماری غرض اخلاق کی درستی سے دوسری اور تجدد پسندوں کی دوسری ہے:

اخلاق کی درستی بہت ضروری چیز ہے۔ اخلاق پر نیچری بھی زور دیتے ہیں۔ اور علماء بھی زور دیتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ وہ اس حیثیت سے زور دیتے ہیں کہ اخلاق کا اثر قومیت پر پڑے۔ اور علماء اس وجہ سے کہ خدائے تعالیٰ راضی ہوں۔ بڑا فرق ہے دونوں میں۔ (جلد:۱۹ص:۳۰۲)

حضرت حاجی صاحب کی ایک کرامت:

ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں مہمان آئے۔ کھانا کم تھا۔ وہاں اخلاق تھے وسیع۔ حضرت کو فکر ہوئی۔ آپ نے اپنا رومال گھر میں بھیج دیا۔ آپ کے بھاوج تھیں، ان کا اہتمام تھا۔ ان سے کہلا دیا کہ جس وقت کھانا اتارو تو کھانے پر اس کو ڈھک دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سب نے کھانا کھا بھی لیا اور بچ بھی گیا۔ (جلد:۱۹ص:۳۰۷)

گھر کے لوگوں پر سختی سے کام نہ چلے تو کیا مطلق العنان چھوڑ دے؟

نصیحت کرتا رہے۔ جب سختی سے نفع نہ ہو تو سختی نہ کرے۔ اصل میں سختی بالذات مقصود نہیں، مقصود اصلاح ہے۔ جب معلوم ہو جائے کہ سختی سے نفع نہیں ہوتا، تو نرمی سے ہی اصلاح کرتا رہے۔ مگر اس میں ضبط کی ضرورت ہے، جو مشکل ہے۔ کیونکہ یہ تو آسان ہے کہ بالکل نہ بولے۔ اور یہ مشکل ہے کہ ناگواری میں نرمی سے بولے۔ خاص کر جب دوسرا ٹیڑھا ہوتا چلا جائے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ گھر والوں کا حال خود ہی ہر شخص خوب جانتا ہے کہ نرمی سے اصلاح ہوگی یا سختی سے۔ (جلد:۱۹ص:۳۰۹)

اللہ تعالیٰ کی لطیف عنایات:

ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں بذریعہ پارسل ریلوے کچھ کابلی چنے اور ایک جوڑا جوتا اور ایک کمر کھجلانے کا پنجہ بھیجا۔ اس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا: جب کمر میں خارش اٹھتی تھی، تو

عرصہ سے یوں جی چاہتا تھا کہ کسی بڑھئی سے لکڑی کا پنجہ بنوالیا جائے کہ اس سے کمر کھجالیا کروں۔ ہاتھ تو پہنچتا نہیں۔ عرصہ سے یہ خیال تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وہاں سے (جہاں سے آیا ہے) پہنچا دیا۔ حالانکہ ان کو میرے خیال کی اطلاع بھی نہیں تھی۔ (پھر فرمایا) اوف فوہ (کلمہ تعجب ہے) کیا ٹھکانا ہے ان کی رحمت کا! کہ کمر کے کھجلانے تک کی رعایت کرتے ہیں۔ (بطور انکساری کے ساتھ فرمایا) مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ گدھوں کو حلوہ دیتے ہیں۔ یہ ایسا ہی تو ہے، نہ مجھ میں کوئی کمال اور نہ لیاقت۔ مگر وہ ناز اٹھاتے ہیں۔ (جلد:۱۹ص:۳۰۹)

اصل دین داری گناہ سے بچنا ہے:

لوگوں سے رات کو جاگنا اور کم کھانا اور نوافل پڑھنا وغیرہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ باقی گناہ سے اپنے کو بچانا، یہ نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ یہ اس سے سہل ہے۔ بات یہ ہے کہ قصد ہی نہیں گناہ کے چھوڑنے کا۔ (اس کے بعد نگاہ کرنے کے متعلق فرمایا) کہ اگر آدمی نیچی نگاہ کر لے، تو کیا کوئی زبردستی اونچی کر دے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نفس میں تقاضہ ہوتا ہے کہ نگاہ اٹھائیں۔ مگر یہ تو کر سکتا ہے کہ اس پر عمل نہ کرے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی کہے کہ نگاہ کا بچانا قدرت میں نہیں، تو بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی حاکم یا پیر ہو جسے یہ بڑا سمجھتا ہو، اور وہ سامنے ہو، تو کیا ممکن ہے کہ اس کے دیکھتے ہوئے اس شخص کی نگاہ اوپر کو اٹھ سکے؟...... پھر حضرت نے افسوس سے فرمایا۔ بس جی لوگ یوں چاہتے ہیں کہ مزہ میں بھی خلل نہ ہو اور کام بھی بن جائے۔ (اس کے بعد فرمایا) مجاہدہ خلاف نفس کرنے کو کہتے ہیں اور یہ (نگاہ نہ کرنا، خیال نہ لانا) ہر وقت کا مجاہدہ ہے۔ اس لیے اس سے دم نکلتا ہے۔ (جلد:۱۹ص:۳۱۰۔۳۱۱)

اچھے اخلاق کی ایک مثال:

مجھے نہایت پسند آیا ایک دنیا دار کا فعل۔ اور ایسی بات آج کل مشائخ میں بھی نہیں۔ وہ یہ کہ میں جب کانپور میں تھا، ایک نائب تحصیلدار تھے، ہمیر پور کے۔ وہ میرے پاس آئے، ان کو اپنے لڑکے کے لیے ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ میرے یہاں ایک طالب علم

تھے۔ اوران کو ملازمت کی ضرورت بھی تھی۔ اس وقت وہ مجھ سے پڑھ رہے تھے۔ میں ان سے رائے پوچھنے کے لیے عربی میں کلام کرنے لگا۔ اس خیال سے کہ یہ تو عربی زبان سمجھتے نہ ہوں گے۔ اور وہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے نہایت ادب سے کہا کہ میں عربی سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی بات علیحدہ کہنے کی ہو تو میں علیحدہ ہو جاؤں۔ بس میں ان کے اخلاق پر عاشق ہو گیا۔ اوران سے کہا کہ تھی تو مخفی بات، مگر آپ جیسے شخص سے اب مخفی کرنا نہیں چاہتا۔ پھر میں نے ان کے سامنے ہی اردو میں گفتگو شروع کردی۔ (جلد:۱۹ص:۳۱۲۔۳۱۳)

مخلوق کا تعلق بھی ذکر وفکر سے بڑھتا جاتا ہے:

ایک شخص کے شیر خوار بچے کا انتقال ہو گیا۔ اس کے دادا کا خط حضرت کی خدمت میں آیا تھا، کہ لڑکے کی دادی نہایت بے چین ہے۔ اس کو یاد کر کے روتی ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا: جیسے خدائے تعالیٰ کا تعلق ذکر وفکر سے بڑھتا ہے، ایسے ہی مخلوق کا تعلق بھی ذکر وفکر سے بڑھتا جاتا ہے۔ مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ یاد کر کے اور خیال جما جما کر روتے ہیں۔ تو اپنے ہاتھوں بلا خریدتے ہیں۔ بعض اولیاء اللہ تو ایسے گزرے ہیں جو اولاد کے مرنے پر ہنستے ہیں۔ گو محققین کا یہ حال نہیں۔ اور یہ حالت کمال کی نہیں ہے۔ کمال کی وہ حالت ہے کہ رونا ہو مگر ایک حد پر ختم ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔ تو آپ کے مشابہ جو حالت ہو وہی مطلوب ہوگی۔ اب لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں کہ قصداً خیال لا لا کر روتے ہیں یہ حد سے بڑھی ہوئی بات ہے۔ (جلد:۱۹ص:۳۱۵)

دینی کاموں کے لیے امداد کی اپیل بھی استغناء کے ساتھ ہونی چاہیے:

دین کو بالکل مستغنیانہ شکل سے رکھنا چاہیے۔ ایک دفعہ ریاست رامپور میں ایک مدرسہ کے لیے چندہ کی تحریک ہوئی۔ ایک بزرگ تحریک کرنے کھڑے ہوئے۔ ایک سبک طریقہ سے حاجت بیان کی۔ وہ اس طرح کہ اسلام کی مثال اس وقت میں ایک بیوہ عورت کی سی ہے۔ جس کے والی وارث نہ ہوں۔ اور وہ چاروں طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتی ہے کہ کون اس کی دستگیری کرنے والا ہے؟ جو

ذرا مدد کرے وہ اس کو غنیمت سمجھتی ہے۔ پٹھانوں پر اس مضمون کا اثر کچھ بھی نہ ہوا۔اس کے بعد میں کھڑا ہوا۔ اور میں نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ اسلام بیوہ ہو۔ اسلام اسی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے جیسے تھا۔ ہزار دفعہ غرض پڑے دو، ورنہ اپنے گھر میں رکھو۔ اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم اعراض کرو گے تو خدائے تعالیٰ دوسری قوم کو پیدا کرے گا کہ وہ اس کی خدمت کرے گی۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے﴿ **وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم** ﴾ میں نے کہہ دیا کہ ناک رگڑ کر دو گے، تو لیا جائے گا ورنہ نہیں۔ اس پر پٹھانوں نے کہا جی ہاں! جی ہاں! اسلام کوئی محتاج ہے، اور خوب دیا۔

پھر حاضرین سے حضرت نے فرمایا: بس آن بان کے ساتھ رہنا چاہیے۔ پھر حاضرین سے فرمایا: میں سہارنپور کے جلسے میں جب اول بار گیا ہوں، وہاں چندہ کی تحریک اس طرح کی، کہ میں نے کہا: یہ ظاہر ہے کہ دین کی اشاعت ہونی چاہیے، باقی طریقہ کیا ہے؟ سو اہل الرائے نے اس کا طریقہ یہ تجویز کیا ہے کہ ایک مجمع ہو طلباء کا۔ اور مدرس ہوں۔ اور ایک درس گاہ ہو۔ اور اس میں یہ یہ باتیں ہوں۔ یہ ایک آسان صورت تجربہ سے ثابت ہوئی ہے۔ اگر یہ صورت آسان ہے اور قابل اختیار کرنے کے ہے تو اس کو رکھو۔ اور اگر کوئی دوسری صورت ہے تمہارے نزدیک، تمہیں اختیار ہے۔ اس کے بعد کوئی صاحب اس کے منتظر نہ رہیں کہ ان سے چندہ مانگا جائے گا۔ اور اگر یہی آسان صورت ہے جس کو اختیار کر رکھا ہے اور یہ ٹوٹ گئی، تو مدرسہ ٹوٹنے کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

یہ تو آخرت کا ضرر۔ اور دنیا کا ضرر یہ کہ اگر یہ صورت نہ رہی تو علماء فارغ نہ رہیں گے، وہ کوئی اور شغل کر لیں گے۔ تعلیم دین کی نہ کر سکیں گے۔ جس کا انجام تمہاری نسلوں کے لیے یہ ہوگا کہ وہ یہودی ہو جائیں گے، یا نصرانی ہو جائیں گے۔ بس اپنی نسلوں کا نقصان دیکھ لو کہ کیا کچھ ہوگا۔ اس کو دیکھ کر ہمیں تحریک کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کام تو تمہارا اور بھیک مانگیں ہم؟ ہمیں کیا غرض پڑی ہے؟ میں نے جو یہ کہا تو اس جلسہ میں ایک شخص نے جو منکر اور مخالف تھے علماء کے اور علماء کی طرف سے بدظن تھے، وہ دس روپے مدرسہ میں دینے کو لائے تھے۔ یہ سن کر انہوں نے چالیس روپے کسی سے قرض لے کر کل پچاس روپیے دیے۔ اور اس کے بعد باہر آ کر کہا کہ واللہ آج میرا وسوسہ دور

ہوا۔ میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ یہ سب باتیں علماء نے اپنے کھانے کمانے کو کر رکھی ہیں۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ کام کر رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا: چاپلوسی نے ناس کر دیا ہے دین کا۔ بس یوں جی چاہتا ہے کہ دین کی عزت میں فرق نہ ہو۔ میں ڈھاکہ گیا تھا۔ اپنے خاص مدارس کے مہتمم صاحبوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہاں چندہ کی تحریک کرنا۔ میں نے دل میں کہا کہ میں ڈھاکہ جا کر کیا ڈھاک کے پتے مانگوں گا؟ (یہ فقرہ مناسب حال بطور ظرافت فرمایا)۔ میں نے جا کر نواب صاحب سے اس بارے میں خود کچھ نہ کہا۔ انہوں نے ایک دفعہ خود ہی پوچھا کہ ہمارے یہاں مدرسۂ دیوبند اور مدرسۂ سہارنپور سے سالانہ روئیداد آتی ہے۔ یہ مدرسے کیسے ہیں؟ میں نے ان سے کہا: میں اور زیادہ نہیں کہنا چاہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ یہ مدرسے ایسے ہیں جیسا کہ مدارسِ دینیہ کو ہونا چاہیے۔ بس اس کہنے کا اثر ہو گیا۔ انہوں نے دوامی چندہ بھی دیا۔ اور اس وقت بھی دیا۔

حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا: خدائے تعالیٰ حامی اور مددگار ہے۔ کسی کی کیا پروا کرنا چاہیے؟ اس کے بعد فرمایا کہ نواب صاحب مدرسۂ سہارنپور و دیوبند کے لیے مجھ کو دینے لگے۔ مجھ کو ہاتھ میں لیتے ہوئے بھی عار آئی۔ مگر ان کے سمجھانے کو میں نے کہا کہ بڑی دور کا سفر ہے، کبھی راستے میں ضائع ہو جائے، اس لیے میں لینا نہیں چاہتا۔ میں نے اتنا بھی گوارا نہیں کیا کہ خود لے جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے میرے سامنے بیمہ بنوایا اور بھیج دیا۔ دوامی چندہ اب تک ہے۔

میں تو کہتا ہوں کہ جیسے امراء سے کہنے کے لیے موقع کے منتظر رہتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ میاں کا مزاج اس وقت کیسا ہے؟ آیا کہنے کا موقعہ یا نہیں؟ ان کا انتظار کیوں کرے؟ اپنے محبوب حقیقی سے کیوں نہ کہے۔ کسی رئیس کا منہ کیوں دیکھے؟ محبوب حقیقی کا منہ کیوں نہ دیکھے؟ غیرت بھی کوئی چیز ہے۔ اگر کوئی ہماری تحریک سے اور دباؤ ڈالنے سے امداد کرے تو گویا اس سے مقصود ہم ہوئے۔ پھر خلوص کہاں رہا؟

البتہ بعض لوگ ایسے مذاق کے بھی ہیں کہ اگر ان سے کہہ بھی دیں، تو بھی حرج نہیں۔

(جلد:۱۹ص:۳۲۱-۳۲۳)

آج کل حرام وحلال کی تمیز نہیں رہی:

اکثر جگہ اب تو ہم لوگوں کو حرام وحلال کی بھی تمیز نہیں رہی۔ مسلمان ذلت اپنے ہاتھوں خریدتے ہیں۔ یہ حالت ہے کہ جہاں روپیہ ان کو دکھایا جو چاہے کام لے لو۔ اکثر مسلمان کا یہ حال ہے کہ خوف کا مقابلہ تو کر لیتے ہیں، مگر طمع کے مقابلہ میں ذرا نہیں ٹھہرتے۔ اور عوام تو عوام، جو علماء کہلاتے وہ پھسل پڑتے ہیں۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو عوام الناس کو کیا کہا جائے؟ جب کہ نام کے علماء ہزار تاویلیں کر کے حرام کو حلال کر لیتے ہیں۔

میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں۔ ضلع سہارنپور میں آبہ ایک گاؤں ہے، وہاں ایک پٹھان مر گئے تھے۔ ان کی بی بی تھیں اور نابالغ بچیاں تھیں۔ ان کا ترکہ تھا۔ بی بی نے اس میں سے کپڑے نکال کر یہاں مدرسہ میں بھیجے۔ میں نے واپس کر دیے اور لکھ دیا کہ ترکہ میں حصہ لڑکیوں کا بھی ہے۔ اس لیے قبل تقسیم ہم نہیں لیتے۔ البتہ جتنا حصہ ان لڑکیوں کا ان کپڑوں میں ہو، اس کے بدلہ میں اگر ان کو دوسری چیزیں دے دو، تا کہ کپڑے تمہاری ملک ہو جائیں، پھر تم مدرسہ میں دینا چاہو تو دے سکتی ہو۔ انہوں نے اس کو بکھیڑا سمجھ کر رکھ لیا۔ وہاں ایک مولانا آئے، متبع سنت۔ ان کے وہاں مرید بھی تھے۔ ان کے سامنے وہ چیزیں پیش کر دیں اور یہ قصہ بھی ان سے بیان کر دیا۔ مگر انہوں نے بے تکلف لے لیے۔ اور یہ تاویل کی کہ آخر اتنا تو یہ بیوہ لڑکیوں کی شادی میں ان کو دے ہی دے گی۔

(جلد:۱۹ص:۳۲۵۔۳۶۲)

زیادہ اہتمام سے کام نہیں ہو پاتا:

بعض لوگوں میں یہ مرض ہوتا ہے کہ کام ہو تو اعلیٰ درجہ کا ورنہ بالکل نہ ہو۔ یہ خیال ہرگز نہ چاہیے۔ جتنا ہو جائے غنیمت سمجھے۔...... گو اعلیٰ درجہ پر نہ ہو۔ ہر کام میں اعتدال اچھی چیز ہے۔ مبالغہ والے رہ جاتے ہیں۔ جو چلتا ہوا کام رکھتے ہیں ان کا کام اکثر ہو جاتا ہے۔ اور جو اس خیال میں رہتے ہیں کہ کام ہو تو اعلیٰ درجہ کا ہو ورنہ نہ ہو تو ان کا کام اکثر رہ جاتا ہے۔

(جلد:۱۹ص:۳۲۸)

حضرتؒ کے دور میں دیوبند کے طلبہ بہت مہذب تھے:

دیوبند کے مدرسہ کا ذکر تھا اس پر فرمایا: تہذیب وہاں کے رہنے والے طلبہ کا حصہ ہے۔ میں نے کہیں کے طلبہ ایسے مؤدب نہیں دیکھے۔ گو اس کی وہاں عملی تعلیم نہیں ہوتی۔ مگر وہاں کا یہ اثر ہے جو وہاں کے بزرگوں کا طرز ہے، وہ موروث سا ہو گیا ہے۔ برکت چلی آتی ہے۔ وہاں کے تعلیم یافتوں کے انداز سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وہاں کے تعلیم یافتہ ہیں۔

(جلد:۱۹اص:۳۴۴)

خدا دے تو اچھا کھاؤ پیو، مگر:

ہمارا مسلک یہ ہے کہ انڈا کھاؤ مرغی کھاؤ مرغن کھانے کھاؤ اور کام کرو۔ شرارت کے قصد سے مت کھاؤ۔ خدا کی نعمت کو برتو۔ اگر سامان دے استعمال کرو۔ خدائے تعالیٰ کی نعمت برتنے سے منعم کی محبت بڑھتی ہے۔ ہمیں راحت پہنچتی ہے تو محبت ہوتی ہے۔ اگر راحت برت کر محبت ہو۔ اور اس کے بعد کلفت بھی ہو، تو اس میں بھی راحت ہوتی ہے۔ خوب کھاؤ پیو جتنا خدائے تعالیٰ دے۔ مگر کھانے پینے کے بندے نہ بنو۔ اس فکر میں مت رہو کہ پشاور سے چاول آنے چاہئیں۔ فلاں جگہ سے یہ چیز آنی چاہئے۔ لیکن اگر خدائے تعالیٰ دے تو کیوں نہ استعمال کرے؟ کیوں احتراز کرے؟

حضرتؒ کی تواضع:

اللہ تعالیٰ کا یہ مجھ پر انعام ہے، جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ نعمت یہ ہے کہ میرے سب احباب [یعنی متوسلین و مستفیدین] مجھ سے افضل ہیں۔ ورنہ مستفیدین کم درجہ میں ہوتے ہیں مستفاد منہ [یعنی شیخ] سے۔ میرے یہاں مستفیدین بڑھے ہوئے ہیں۔ افضل ہو کر، پھر اتباع کرتے ہیں۔ یہ بڑی بات ہے۔ جیسا حضرت مرزا جان جاناںؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر مجھ سے قیامت میں سوال ہوا کہ دنیا سے کیا لائے ہو؟ تو میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کو پیش کر دوں گا۔ میں کہتا ہوں کہ میں اپنے مستفیدین کو پیش کر دوں گا۔ (جلد:۱۹اص:۳۴۴)

ایک لطیفہ:

ایک مولوی صاحب نے ایک شخص سے کہا تھا کہ تمہیں روزہ کی نیت بھی یاد ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یوں کہہ لیا کرو: بصوم غد نویت....'' ۔ اگلے دن دیکھا تو بیٹھا ہوا حقہ پی رہا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ یہ کیا؟ تو کہا کہ ابھی نیت یاد نہیں ہوئی۔ یاد ہونے پر رکھوں گا۔

(جلد:۱۹ص:۳۵۰)

ہم وصول الی اللہ کا آسان راستہ بتاتے ہیں:

یہاں تو نہ تصرف ہے، نہ کرامت، نہ زور ہے، نہ دعویٰ۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا راستہ بتلاتے ہیں۔ ......البتہ راستہ ایسا بتلاتے ہیں جو بالکل سچا، سیدھا، سہل ہے۔ اس راستے پر چلنے والے کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم نہیں دیکھا۔ (جلد۱۹،ص:۳۸۶)

دعوت کی حکمت:

پورب کے بعض دیہات کی نسبت معلوم ہوا کہ وہاں بہت سے مسلمان آریہ ہونے والے ہیں۔ چنانچہ بہت سے علماء وہاں گئے تھے میں بھی گیا تھا وہاں ایک مسلمان شخص تھا ادھار سنگھ میں نے اس سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم آریہ بنو گے تو اپنے شبہات دور کرلو۔ کہنے لگا کہ آریہ کا ہے بنت ہم تو تاجیا (تعزیہ) بناوت ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں خوب بنایا کرو تعزیہ۔ اس کو مت چھوڑنا۔ سو اس میں میں نے اس کو بدعت کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ کفر سے بچانا چاہا۔ اخف المفسدتین کو گوارا کرلیا۔ کیونکہ آریہ بننا تو کفر ہے اور یہ بدعت ہے جو اس سے اخف ہے۔ اب کوئی کوڑھ مغز اس سے یوں سمجھنے لگے کہ لو صاحب تعزیہ بنانے کی اجازت دے دی سو میری یہ غرض نہ تھی۔

(جلد۱۹،ص:۳۹۵)

☆☆☆

انتخابات ملفوظات حکیم الامت

جلد۔۱۹

سلسلۂ حسن العزیز (جلد چہارم)

جوان عورت کو سلام کرنے کو فقہاء نے کیوں منع کیا؟

فقہاء حکماء امت ہیں۔ انہوں نے جوان عورت کو سلام کرنے تک کو منع لکھا ہے۔ کیونکہ جوان عورت جب سلام کرتی ہے، اس سے بھی اس کی طرف میلان ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے بارے میں ارشاد ہے ﴿فیطمع الذی فی قلبہ مرض﴾ حالانکہ اول تو صحابہ خود اعلیٰ درجہ کے متقی، پھر ان کے قلب میں آپؐ کی عظمت اور محبت ایسی جس کی کوئی نظیر نہیں۔ پھر ان بیبیوں سے ہمیشہ کے لیے نکاح بھی حرام۔ باوجود ان سب باتوں کے فرمایا ﴿فیطمع الذی فی قلبہ مرض﴾ اور فرمایا ﴿اذا سئلتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب﴾ تو جب نبی کی بیبیوں کی نسبت یہ قانون جاری کیا اور اس میں یہ حکمت بتلائی کہ دونوں کے دل پاک رہیں ﴿ذالکم اطھر لقلوبکم و قلوبھن﴾ پھر آج کون ہے جو ان سے زیادہ مدعیِ طہارت وتقدیس ہوسکتا ہے۔ یہ تو نصوص ہیں۔...... بہر حال مرد و عورت میں باہم میلان طبعی بات ہے۔ بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۳۲)

شوق لقاء اللہ:

اس وقت تو سب اپنے ہی ہیں، کوئی اجنبی نہیں ہے، اس واسطے ظاہر کرتا ہوں کہ اب کسی ایسے کام کو جی نہیں چاہتا، جس میں کچھ دن بھی زندہ رہنے کی ضرورت ہو۔ اب تو یہ دل چاہتا ہے کہ ایسے

کام میں رہوں، جس میں جس وقت بھی موت آجائے تامل نہ ہو۔ ایسا کام ذکر اللہ ہے۔ اور سب کام پڑھنا، پڑھانا، مطالعہ، وعظ، تصنیف وغیرہ سب کچھ برے بھلے ہوگئے۔ لوگوں کو پہنچا دیا۔ اب بحمد اللہ اور کام تو سب ہو رہے ہیں۔ البتہ مجھ سے ذکر اللہ کی تکمیل نہیں ہوئی۔ یہ بھی خدا کرے ہو جائے۔ دوسرے کاموں میں تو نہایت بھی ہو سکتی ہے۔ مگر یہ علم الیقین ہے، گو اور اشغال اس سے بہتر بھی ہوں، مگر یہ بھی تو ادا ہونا چاہیے۔ اب تو کوئی لکھنے پڑھنے کی بات کرتا ہے، تو اوپری سی معلوم ہوتی ہے۔ خیال تھا کہ اس سفر میں تفریح اور دل بستگی ہوگی۔ مطلق حظ نہیں آیا۔ سب سامان دل بستگی کے موجود ہیں۔ رفقاء میں فراغ ہے۔ کسی کی پابندی نہیں۔ ہر چیز خواہش کے موافق مہیا ہے۔ مگر دل کسی چیز میں نہیں لگتا۔

(محمد مصطفیٰ کہتا ہے کہ یہ تقریر حضرت والا کرتے جاتے تھے۔ اور چہرہ مبارک پر تڑپ کے آثار نمایاں تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کہیں کو اٹھ کر چل دیں گے۔ خدام کے دل پر جو گزرنی تھی گزر گئی۔ ایک سکوت کا عالم تھا۔ اور سب کی آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ حضرت پر شوق لقاء اللہ کی حالت بہت دیر تک ایسی رہی کہ بات کے لہجہ سے نمایاں تھی۔) (جلد۲۰۔ص:۶۴۔۶۵)

عیب جوئی کا الزامی جواب:

غیبت اور عیب جوئی کا ذکر ہوا تو منشی اکبر علی صاحب نے فرمایا: ایک شخص نے میرے سامنے ایک عورت کے متعلق کوئی شبہہ ظاہر کیا۔ میں نے کہا کہ آپ نے اس کو دیکھا نہیں، جس سے اس عیب کا علم یقینی ہوتا۔ اب اگر آپ اس کو روایت کر رہے ہیں تو ایک مشکوک بات کو روایت کرتے ہیں۔ میں آپ کو ایسی بات بتاؤں جو یقینی ہو۔ بجائے اس کے اس کی روایت اچھی ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے بھی کچھ نہ کچھ افعال بد ضرور کیے ہوں گے۔ ان کا علم آپ کو یقینی ہے۔ مہربانی کر کے ان میں سے کچھ اپنے عیوب بیان کیجیے۔ منشی اکبر علی صاحب کے اس ملفوظ کو حضرت والا نے بہت پسند کیا۔ اس واسطے یہاں درج کیا گیا۔ یہ حدیث کے اس لفظ کے موافق بھی ہے۔ **فلیحجزک من الناس ما تعلم من نفسک" رواہ فی المشکوۃ عن شعب الایمان للبیہقی.** (جلد۲۰۔ص:۶۸)

اول استغفار پھر درود شریف چاہیے:

وہ لنگڑا آدمی جو بار بار آتا تھا بڑھل گنج سے پھر آیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کچھ ہم کو بھی بتادیجئے فرمایا کیا چاہتے ہو اپنا مطلب صاف کہو جو میری سمجھ میں آئے گا عرض کروں گا۔ کہا میں بڑا خبیث آدمی ہوں میرے واسطے دعا کردیجئے ۔فرمایا دعا کرتا ہوں حق تعالی آپ کی اصلاح فرمادے۔ عرض کیا کوئی ایسی چیز بتادیجئے جس سے میرا دل درست ہو جائے اور دین کی طرف رجوع ہو۔ فرمایا استغفار کی کثرت رکھو کھڑے بیٹھے چلتے پھرتے استغفر اللہ پڑھا کرو اس وقت یہی مناسب ہے آپ کی حالت کے۔ مجھ سے خط وکتابت رکھنا چند روز کے بعد اور بتاؤں گا۔

[بعد میں فرمایا] استغفار سے قلب کی صفائی ہوگی۔ پھر میں ایسی چیز بتاؤں گا جس سے قلب میں رونق پیدا ہو۔ دیکھو کپڑے کو پہلے دھوتے ہیں اور صاف کرتے ہیں۔ اس کے بعد عطر لگاتے ہیں۔ فرمایا یہ مقولہ حضرت ذوالنون مصریؒ کا ہے۔ کسی نے ان سے عرض کیا تھا کہ استغفار افضل ہے یا درود شریف فرمایا میلے کپڑے کے لیے صابون زیادہ مناسب اور اجلے کپڑے کے لیے عطر۔ (جلد۲۰۔ص:۷۱)

ذکر شغل بلا تربیت کافی نہیں:

فرمایا: ذکر سے قبول حق کی استعداد ہو جاتی ہے۔ اور فعلیت کی [یعنی عملاً اصلاح ہونے کی] شرط ہے تربیت۔ بلا اس کے بصیرت نہیں ہوتی۔ (جلد۲۰۔ص:۷۳)

ریاست کے اموال کا حکم اور بعض ریاستوں کے عطایا کے واقعے:

مفتی صاحب نے پوچھا ریاستوں میں بعض کے وظیفے اور وثیقے مقرر ہیں۔ ان کا لینا کیسا ہے؟ فرمایا: میری طبیعت تو ریاستوں کی عطا کی طرف سے کبھی صاف نہیں ہوئی۔ [پھر] حضرت نے بھاولپور جانے اور خلعت اور انعام واپس کرنے کا قصہ بیان فرمایا۔ (یہ قصہ مجالس الحکمت میں احقر لکھ چکا ہے) اس وقت اتنا اور فرمایا کہ جب خلعت اور عطیہ واپس ہو گیا۔ جس میں مولوی رحیم بخش صاحب کو بہت تکلیف گوارا کرنی پڑی، تو اخیر میں مولوی صاحب نے اور نیز دیگر ارکانِ

ریاست نے جو اس وقت جلسہ میں موجود تھے، کہا: بے تکلفی سے عرض ہے کہ ریاست کے عطیات تو آپ نے واپس کر دیے۔ اگر ہم کچھ نذر کریں گے، تو تب تو آپ لے لیں گے؟ یہ انہوں نے اس کا جبر [یعنی اس کی تلافی] کرنے کی ایک عاقلانہ تدبیر نکالی۔ میں نے کہا: ہاں، میں کچھ اس کو اپنی شان تھوڑا ہی سمجھتا ہوں کہ لوگ دیں اور میں واپس کروں۔ میرا تو گذر اسی پر ہے لیکن آنکھ میچ کر تو نہیں لیا جاتا۔ حلال وحرام تو دیکھ لیا جانا چاہیے۔

یہ عطیہ سر آنکھوں پر۔ لیکن میں بے تکلفی سے عرض کرتا ہوں کہ میں حلف لوں گا کہ اس ہدیہ میں اس کا کچھ اثر نہ ہوگا کہ میں نے یہ رقم ریاست کی واپس کر دی ہے۔ نہ نفس ہدیہ پر، نہ اس کی تعداد پر۔ مولوی صاحب نے کہا: ہاں، حلفاً ہم اتنا ہی نذر کریں گے، جتنا پہلے سے ارادہ تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے کچھ دیا۔ اور وہ اس کے نصف کے برابر بھی نہ تھا جو ریاست سے دیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہاں کے اراکین نے کمیٹی کر کے یہ تدبیر نکالی تھی۔ اس مجمع میں ایک ہندو ممبر بھی تھے۔ انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کچھ نذر میں کروں؟ مولانا لے بھی لیں گے؟ میں نے کہا ہاں، کیا حرج ہے؟ یہ اس واسطے کہ یہ نہ کہا جائے کہ تعصب کی وجہ سے نہیں لیا۔

ریاست خیر پور میں گئے۔ وہاں عطیہ اور خلعت ملا۔ میں نے اس کو خفیہ ایک وہاں کے مدرسہ میں دے دیا۔ تاکہ میرے واپس کرنے سے ایک صاحب مہتمم اور ایک مدرسہ کا نقصان نہ ہو۔ اخباروں میں بھی چھپ گیا کہ مجھے خلعت اور دعوت دی گئی۔ میں نے کہا چھپنے دو، اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے صاف ہونا چاہیے۔ دنیا کچھ سمجھا اور کہا کرے۔ رام پور میں مناظرۂ قادیان کے جلسے میں جانا ہوا۔ تو چلتے وقت میں نواب صاحب کے ایک مصاحب کو ایک رقعہ دے آیا کہ زادِ راہ میرا دینا چاہیے، جو قریب تین روپیہ کے ہے۔ اور اس سے زیادہ لینا اس واسطے جائز نہیں کہ نواب صاحب مالکِ خزائن نہیں ہیں، [صرف امین اور نگراں ہیں]۔ خیر اس طریق سے تبلیغ بھی ہوگئی۔ (جلد ۲۰۔ص:۷۵)

غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق رائے:

غدر ۱۸۵۷ء کا ذکر ہوا۔ فرمایا: اس میں غور سے کام نہیں لیا گیا۔ نرے جوش سے کام لیا گیا۔ وہ لڑائی کوئی امرِ اسلامی نہ تھا۔ ہندوؤں کی شورش تھی۔ مسلمان شریک ہو گئے۔ اور دونوں [موقف، یعنی شرکت

اور عدم شرکت] مجتہد فیہ ہیں۔ اخلاص سے ماجور ہو جانا دوسری بات ہے۔[حضرت والا نور اللہ مرقدہ کی یہ رائے اور اس کا اظہار غیر معمولی اخلاص و بے تعصبی کی دلیل ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے، حضرت کے وہ شیخ و مرشد اور ان کی پوری جماعت اس غدر میں عملاً شریک تھے، جن پر حضرت سو جان نثار اور جن کی محبت و تعلق میں گویا غرق تھے۔ مگر حق اور اخلاص للہ سب پر غالب تھے]۔ (جلد ۲۰۔ص:۸۰)

اکابر بھی محتاجِ اصاغر ہیں، دین میں بھی اور دنیا میں بھی:

میں ایک نازک بات عرض کرتا ہوں کہ اکابرِ دین بھی اصاغر ہی کی وجہ سے اکابر ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی تشہیر سے اکابر بنے ہوئے ہیں۔ یہ کام تو جھوٹے اور متصنع [بناوٹی] اکابر کا ہے۔ بلکہ جو لوگ واقعی اکابرِ دین ہیں، ان پر بھی باطنی برکات اصاغر ہی کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کو اجازت دے دی جاتی ہے۔ اور ان کی حالت بدل جاتی ہے۔ لوگوں کے حسن ظن سے ان کے اوپر برکات نازل ہوتی ہیں اور اصلاح ہو جاتی ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے: ہم بس اپنے مجمع میں بڑے ہیں۔ اور باہر نکل کر کچھ بھی نہیں۔ جیسے روڑکی [انجینیرنگ] کالج کے کاریگر، کہ جب تک کالج کے اندر ہیں سب کام کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہاں مشین موجود ہے۔ اور وہاں سے نکلے تو کچھ بھی نہیں گویا ہاتھ پیر وہیں رکھ آئے ہیں۔

...بعض وقت مضامین کا جوش مجمع میں صرف ایک طالب کی وجہ سے ہوتا ہے ...ایک واعظ کا قصہ ہے کہ وعظ کہہ رہے تھے اور مضامین عالیہ بیان ہو رہے تھے۔ ان کو خیال ہوا کہ مجھے خوب آمد ہوتی ہے۔ بس مجمع میں سے ایک شخص اٹھ گیا اور ان کی آمد بند ہو گئی۔ یہ ان کا فیض نہ تھا، بلکہ اُس کا اثر تھا۔ اور یہ بات بہت ہی ظاہر اور مشاہد ہے۔

...اصل یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے افادہ کے وقت تائید ہوتی ہے۔ پھر اس کو طالب کی برکت کیسے نہ کہا جائے؟ میں نے سہارن پور میں بیان کیا تھا کہ بیان کو واعظ اپنا کمال نہیں کہہ سکتا۔ ......بس حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کو سب کو ایک کو دوسرے کے واسطے ممدّ و معاون بنایا ہے۔ کوئی ایک دوسرے پر فخر نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرات اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے ہیں۔ مولانا گنگوہیؒ کوئی مضمون لکھتے تو اپنے چھوٹوں کو سناتے اور فرماتے بہ نظر تنقید دیکھو اور غلطی ہو تو مطلع کرو۔ اسی طرح

حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے کہ میں ناخواندہ ہوں کہ تم میری غلطی بتلا دینا۔ ورنہ میں قیامت میں کہہ دوں گا کہ میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا، تو انہوں نے تصحیح نہیں کی۔ خلوص یہ ہے۔ یہ صحابہؓ کی صفت تھی۔ کہاں ہیں وہ لوگ؟ ہم لوگ کس منہ سے ان کی ریس کر سکتے ہیں۔ مگر خیر ہم نے بھی ان بزرگوں کی نقل ہی کی ہے۔...... الحمد للہ کہ ایسے لوگوں کے منہ ہم نے دیکھے ہیں، جو بے نفس تھے۔ اسی کی برکت ہے کہ قلب کو کسی کے غلطی بتانے سے ناگواری نہیں ہوتی۔ (جلد۲۰۔ص:۸۲۔۸۳)

معاصرین سے محبت حب دنیا نہ ہونے کی علامت ہے:

فرمایا یہ خواجہ [عزیز الحسن مجذوب] صاحب کی دینداری ہے کہ مولوی عبدالغنی (یہ حضرت کے ایک بڑے خلیفہ ہیں) اور دیگر معاصرین سے ان کو بڑی محبت ہے ورنہ معاصرین سے محبت نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک حب دنیا نہ ہو تو پھر معاصرین سے بھی عداوت و نفرت نہیں ہوتی۔ (جلد۲۰۔ص:۸۷)

حب جاہ حب مال سے بدتر ہے:

حب دنیا کے دو شعبے، حب مال و حب جاہ ہیں دونوں برے مگر حب جاہ بدتر ہے۔ محبّ مال تو کہیں اپنے آپ کے لیے تذلل بھی پسند کرتا ہے۔ اس وقت تکبر سے بچ جاتا ہے اور محبّ جاہ کسی وقت بھی تکبر سے نہیں بچ سکتا۔ (جلد۲۰۔ص:۸۸)

بیویوں میں انصاف:

حضرت والا جب سفر میں گھر کو خط لکھتے تو دو لکھتے۔ ایک اہل خانہ قدیم کو اور ایک جدید کو۔ چنانچہ آج بھی دو خط لکھے۔ اور فرمایا: آج بڑے لمبے لمبے خط لکھنا پڑے۔ اصل میں ایک خط لمبا لکھنا تھا۔ اس میں میں نے سفر کے کل حالات تفصیل کے ساتھ لکھے۔ ہر ہر مقام پر پہنچنے اور روانگی وغیرہ کو مفصل لکھا ہے۔ کیونکہ میں ایک کو بہت غمگین چھوڑ آیا تھا۔ منتظر کی تسلی بلا تفصیل کے نہیں ہوسکتی۔ اور دوسری کو مفصل اس واسطے لکھا کہ عدل قائم رہے۔ پہلے خط کی بجنسہ نقل کر دی۔ چلتے وقت جدیدہ نے لفافے کارڈ مانگے۔ میں نے دیے اور اتنے ہی قدیمہ کو جا کر دیے۔ حالانکہ انہوں نے مانگے نہیں۔ مفتی صاحب نے پوچھا دونوں کو خط یکساں لکھنا بھی عدل میں داخل ہے۔ فرمایا نہیں۔ مگر دل

شکنی کا زیادہ خیال رکھتا ہوں۔ پھر فرمایا میرے جیسے قلب والے کو تعدد ازواج مناسب نہیں۔ احقر نے عرض کیا: یہ الٹی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسرا کوئی [پورا انصاف] نہیں کرسکتا۔ آپ ہی جیسے قلب والا عدل کرسکتا ہے اور تعدد اسی کو جائز ہے جو عدل کرسکے۔ (جلد ۲۰۔ص:۹۰)

دل شکنی سے بہت بچنا چاہیے:

اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ خبر ہو اور موجب دل شکنی ہو مجھے ہمیشہ سے اس میں بہت مبالغہ ہے کسی کی دل شکنی نہ ہو میں محض اجنبی آدمی کے ساتھ بھی اس کا ہر طرح سے خیال رکھتا ہوں قلب کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ کسی کو تکلیف دینا گوارا ہی نہیں ہوتا۔ (جلد ۲۰۔ص:۹۱)

کاملین کی صحبت کے فوائد:

حالات اور صحبت کا ذکر ہوا تو اپنی حکایات بیان فرمائی کہ میں حجرہ میں دیوبند میں رہتا تھا۔ خشیت کا غلبہ ہوا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے جا کر عرض کیا کہ بہت خوف ہے کوئی بات ایسی فرمایئے جس سے اطمینان ہو۔ فرمایا: توبہ کرو، کفر کی درخواست کرتے ہو۔﴿ **فلا یأمن مکر الله الا القوم الخاسرون**﴾ بس آنکھیں کھل گئیں۔ کامل کے پاس ہونے کے یہ فائدے ہیں۔ بعض لوگوں نے اپنے حالات مجھ سے بیان کئے ہیں۔ میں نے کبھی مختصر کلمات ان کی حالت کے مناسب کہہ دیے اس پر انہوں نے کہا عمر بھر کی گمراہی سے آج نکلے بعض مرض بالکل مخفی ہوتے ہیں۔ مریض کو ان کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اس واسطے ان کے علاج کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ جاننے والے کے پاس بیٹھنے سے ان کا علم ہوتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرض تو ہم میں موجود ہے اور مدتیں گذر گئیں اور علاج اس کا بہت ہی سہل تھا مگر توجہ کی ضرورت تھی۔ اس وقت اس کا علاج بھی ہوگیا صحبت ایسی چیز ہے۔ (جلد ۲۰۔ص:۹۳)

شیخ کی ترغیب وترہیب حسب موقع ہوتی ہیں:

حافظ عبد الحی بہت مشوش رہتے تھے۔ مولانا گنگوہیؒ سے بیعت تھے، مجھ سے بھی اپنی تشویشات بیان کیں۔ میں نے تسلی کی تو کہنے لگے بس یہی مولانا کرتے ہیں۔ جب میں کچھ حال

کہتا ہوں، تسلی کر دیتے ہیں۔ میں نے کہا: توبہ کیجیے۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ غلط تسلی کر دیتے ہیں۔ اور واقع میں وہ مضمون تسلی کا صحیح نہیں۔ آپ شیخ کو خائن سمجھتے ہیں؟ اگر شیخ تسلی کرتا ہے تو تم کو پریشانی جائز نہیں۔ (جلد۲۰۔ص:۹۴)

قرآن شریف صندوق میں رکھ کر نیچے رکھنا:

چلتے وقت منشی محمد اختر صاحب نے عرض کیا میرے بیگ میں قرآن شریف ہے اور بیگ گاڑی میں دیگر سامان کے ساتھ ہمارے نیچے رکھا جائے گا۔ فرمایا حضورﷺ ہجرت کے وقت مدینہ طیبہ میں حضرت ابوایوبؓ کے یہاں اترے تو انہوں نے مکان میں نیچے اتارا اور آپ اوپر رہے۔ ایک دن ان کو رات کو خیال آیا یہ ادب کے خلاف ہے تو وحشت ہوئی اور اس وقت محاذات سے میاں بی بی دونوں ہٹ گئے اور صبح کو عرض کیا کہ حضرت مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا اور حضورﷺ کو اوپر منتقل کر دیا اور نیچے خود آ گئے۔ اس سے محترم چیز کے نیچے ہونے کا جواز تو ثابت ہوا خود حضورﷺ نے اس کو جائز رکھا تھا۔ مگر حضرت ابوایوبؓ کے دل نے گوارا نہ کیا اور ادب اس کا مقتضی نہ ہوا۔ (جلد۲۰۔ص:۹۹)

تعظیم میں غلو نہ چاہیے:

دو آدمیوں نے داہنے بائیں حضرت سے ذرا آگے چلنا شروع کیا کہ لوگوں کو ہٹا دیں۔ ایک جگہ بھنگن سڑک پر جھاڑو دے رہی تھی، ان آدمیوں نے اس کو ذرا ڈانٹا، ہٹ جا، راستہ چھوڑ دے۔ تو حضرت ناراض ہوئے اور فرمایا تعظیم میں یہ غلو ہے۔ اس کو دل گوارا نہیں کرتا کہ امتیازی شان ہو۔ (جلد۲۰۔ص:۱۰۰)

راستہ کسی کی ملک نہیں:

اور پکار کر فرمایا سن لو یہ مسئلہ ہے کہ راستہ پر کسی کی حکومت جائز نہیں۔ راستہ کسی کی ملک نہیں۔ یہ تو ظالموں کی شان ہے کہ راستے ان کے لیے بند کئے جائیں کہ جب ہم نکلیں سب معطل ہو جائیں۔ مسلمانوں کا کام یہ نہیں۔ پھر بڑھل گنج کی مسجد میں پہنچ کر فرمایا: بدعات جیسے کہ عقائد میں ہوتی ہیں، اسی طرح اعمال میں بھی ہوتی ہیں۔ راستہ سے لوگوں کو ہٹانا بدعت ہے اس سے بچنا

چاہیے خواص کو بھی اس طرف توجہ نہیں اکرام وہیں تک جائز ہے جب کہ دوسروں کا اضرار نہ ہو۔

ایک بڑھیا حضرت والا کے پاس آئی اور زار زار رونے لگی اور بے حد عقیدت ظاہر کی۔ اور ڈھائی آنے پیسے نذر کئے۔ حضرت نے بہت خوشی سے قبول فرما لیے۔ وہ عورت برابر مسجد تک روتی ہوئی ساتھ رہی۔ بعدازاں جب کھانے سے فراغت پا کر روانہ ہوئے تب بھی وہ روتی ہوئی ساتھ تھی۔ حتی کہ جب قصبہ سے باہر ہو گئے تب وہ بمشکل رخصت ہوئی۔ (جلد۲۰۔ص:۱۰۰)

مراقبہ مفید ہے:

مولوی ابوالحسن صاحب نے پوچھا مراقبہ اور خیال باندھنا مفید ہے یا نہیں؟ فرمایا: ہاں، مگر مقصود نہیں۔ مثلاً مراقبہ ﴿الم یعلم بان اللہ یری﴾ بتایا جاتا ہے۔ اس سے حضوری میں ترقی ہوتی ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۱۱۱)

مناسبت اور عقیدت ہی مدار فیض ہے:

مناسبت اور عقیدت ایک ہی چیز ہے۔ جس سے فیض ہوتا ہے، اگلے لوگ مریدوں کے بڑے بڑے امتحان کرتے تھے۔ (جلد۲۰۔ص:۱۲۶)

اورنگ زیب کے غیر متعصب ہونے کے متعلق ایک کتاب:

نیز منشی اکبر علی صاحب نے بیان فرمایا کہ یہاں مشہور ہے کہ عالمگیر نے راجہ منجھولی کو زبردستی مسلمان کر لیا تھا۔ لیکن راجہ منجھولی کے سمدھی راجہ پنڈورنا نے کتاب لکھی ہے جس میں بہت سے واقعات سے اورنگ زیب کا غیر متعصب ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس کی تغلیط کی ہے کہ راجہ منجھولی کو عالمگیر نے بالجبر مسلمان کیا اور وہ کتاب ان کے کتب خانہ میں مفت ملتی ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۱۲۷)

حکام کی بے ادبی سے دنیا و آخرت دونوں کے نقصان ہیں:

فرمایا: ترک تعظیم حکام میں دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے۔ دنیا کا تو ظاہر ہے اور آخرت کا یہ کہ حکام سے بگاڑ کر آدمی بس صرف اس کام کا رہ جاتا ہے کہ ہر وقت اس سے بچنے کی تدبیر کرتا رہے قانون دیکھا کرے اور تیری میری خوشامدیں کرتا پھرے۔ کیونکہ حاکم سے سر برا ہونا

بڑا مشکل ہے۔ (جلد ۲۰۔ص:۱۶۰)

مناسبت سے اصلاح جلد ہوتی ہے:

اصلاح باطن کا ذکر ہوا تو فرمایا: اس طریقے میں زیادہ نفع مناسبت سے ہوتا ہے۔ طبعی مناسبت ہو۔ یا مناسبت پیدا کرلی جائے تب نفع ہوتا ہے۔ اس واسطے میں طالب علم کو پاس رکھتا ہوں۔ بعض ناسمجھ لوگ اس کو بڑی سخت شرط سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے۔ اور اس سے اتنی جلدی کام ہوتا ہے کہ ویسے نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک مناسبت نہ ہو تو ہزار مجاہدہ وریاضت کر کے نفع نہیں ہوتا۔ (جلد ۲۰۔ص:۱۶۵)

ذاکر کا خاتمہ بہت صاف ستھرا ہوتا ہے:

فرمایا کہ ذکر اللہ میں جی لگے نہ لگے نبھائے جائے۔ ذکر اللہ عجیب چیز ہے اس کی قدر مرتے وقت معلوم ہوگی۔ جن کے قلب میں ذکر رچ جاتا ہے ان کا خاتمہ بہت پاک صاف ستھرا ہوتا ہے۔
(جلد ۲۰۔ص:۱۶۶)

توفیق دوام علامت قبول ہے:

فرمایا: آدمی تھوڑا سا لگاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کرلے پھر دیکھے کیا کیا رحمتیں ہوتی ہیں۔ فرمایا حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔ کسی عمل کی ہمیشہ توفیق ہونا اس کی قبولیت کی علامت ہے اور اس کی مثال ہے کہ آنے والے کو دوبارہ اجازت جب دیتے ہیں جبکہ اس سے ناخوش نہ ہوں۔ بعض وقت اعمال صالحہ میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ آدمی اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ (جلد ۲۰۔ص:۱۶۶)

تبرکات میں اثر ہے، مگر اعتدال ضروری:

کہنے کی بات نہیں مجھے بھی شبہ تھا کہ تبرکات میں کیا اثر ہوگا مگر یہ قصہ پیش آیا کہ کرانہ میں ایک بزرگ تھے قوم کے وہ گوجر تھے۔ انہوں نے مجھ کو ایک چوغہ بنا کر بھیجا۔ میری عادت چوغہ پہننے کی نہیں ہے۔ مگر تبرکارات کو پہن لیتا تھا۔ کئی دن کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تک وہ چوغہ بدن پر رہتا وسوسہ معصیت کا نہ آتا تھا۔ فرمایا: مگر باوجود اس کے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں تبرکات سے۔

حضرت حاجی صاحب کے تبرکات سب میں نے بانٹ دیے۔ میں نے ان کو اس طرح نہ رکھا جیسے لوگ رکھتے ہیں۔ اعمال سے بھی زیادہ ان کی تعظیم میں غلو کرتے ہیں۔ اصل چیز اعمال ہیں ان کا اہتمام چاہیے۔ (جلد۲۰۔ص:۱۶۸)

ایک شخص شاعرانہ مذاق کے تھے۔ مدحیہ قصائد لکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک قصیدہ مدحیہ لے گئے۔ اور حضرت [حاجی صاحبؒ] سے اجازت تک نہ لی اور پڑھنا شروع کردیا۔ حضرت کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ سنت حضرت کی طبیعت میں داخل تھی مدح سے طبعاً نفرت تھی اور یہی مقتضائے سنت ہے اور وہ حضرت ایک طرف کو دھیان کئے ہوئے سناتے ہی رہے اور بعد ختم کے داد کے منتظر رہے۔ داد سنیے کیا ملی۔ حضرت فرماتے ہیں بھائی کیوں جوتیاں مارا کرتے ہو۔ نہ نکالنا نہ چلانا تردد تو جانتے ہی نہ تھے۔ داد دی مگر کیسی سخت داد جس میں تواضع بھی باقی رہی اور وہ شرمندہ ہوگیا۔ (جلد۲۰۔ص:۱۶۹)

مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری بڑے صاحب کشف ہیں:

فرمایا: مولانا عبدالرحیم صاحب بڑے نورانی قلب شخص ہیں میں ان کے پاس بیٹھنے سے بہت ڈرتا ہوں کہ میرے عیوب نہ منکشف ہوجائیں۔ (جلد۲۰۔ص:۱۷۵)

قصہ مولانا مظفر حسین صاحب:

ایک دفعہ ایک بڈھا بوجھ لیے جاتا تھا مولانا کو اس پر رحم آیا اور اس کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیا جب اس کا گاؤں آ گیا بوجھ اس کے حوالہ کرکے رخصت ہونے لگے بڈھا بولا کہ میں نے سنا ہے کہ اس طرف مولوی مظفر حسین آئے ہوئے ہیں تجھ کو کچھ خبر ہے مولانا نے فرمایا: ہاں، وہ بولا کہ اگر کہیں پاس ہوئے تو مجھ کو بھی بتلانا۔ فرمایا اچھا۔ اس کے بعد کہا مظفر حسین میرا ہی نام ہے۔ وہ بہت شرمندہ ہوا۔ اور پیروں میں گر گیا۔ مولانا نے کہا بھائی شرمندگی اور معذرت کی کیا بات ہے۔ ایک مسلمان کا کام میں نے کردیا تو کیا ہوگیا۔ پھر وہ اصرار کرکے اپنے گھر لے گیا۔ (جلد۲۰ص:۱۸۹)

مولانا مظفر حسین صاحب کا ایک اور قصہ:

ایک قصبہ بڈولی ہے ایک دفع مولانا وہاں کی سرائے میں ٹھہرے برابر میں ایک بنیا مع اپنے لڑکے کے ٹھہرا ہوا تھا۔ اور لڑکے کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے۔ مولانا سے اس کی بات چیت

ہوتی رہی جیسا کہ سفر میں عادت ہے کہ مسافر آپس میں بات چیت کیا کرتے ہیں۔ اس نے پوچھا میاں جی کہاں جاؤ گے۔ مولانا نے سب بتا دیا کہ فلاں جگہ اور فلاں راستہ سے جاؤں گا۔ اس کے بعد مولانا تہجد پڑھ کر روانہ ہوگئے۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں سے کسی نے کڑے اتار لیے بنیا اٹھا تو دیکھا کڑے ندارد ہیں بس اس کی تو روح فنا ہوگئی دیکھا کہ وہ میاں جی بھی نہیں ہیں جن سے رات بات چیت ہورہی تھی۔ اس نے کہا ہو نہ ہو وہی لے گئے۔ یہ کوئی ٹھگ تھا وہ سیدھا اسی راستہ پر روانہ ہوا جس پر مولانا نے جانے کا ارادہ بیان کیا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا اس کو مل گئے۔ بس پہنچتے ہی اس نے ایک دھول رسید کی۔ مولانا نے کہا: کیا ہے؟ کیا پوچھتا ہے، کیا ہے؟۔ لا کڑے کہاں ہیں؟

مولانا نے کہا بھائی میں نے تیرے کڑے نہیں لئے۔ کہا ان باتوں سے کیا چھوٹ جائے گا؟ میں تجھے تھانہ لے چلوں گا۔ کہا: کچھ عذر نہیں میں تھانہ بھی چلا چلوں گا۔ غرض وہ مولانا کو پکڑتے ہوئے جھنجانہ کے تھانہ میں پہنچا۔ اتفاقاً تھانیدار مولانا کا بڑا معتقد تھا اس نے دیکھا کہ مولانا آرہے ہیں کھڑا ہوگیا اور دور سے ہی آلیا۔ یہ دیکھ کر بنیے کے ہوش خطا ہوگئے، کہ یہ تو کوئی بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں۔ اور ڈرا کہ اب جوتے پڑیں گے۔ مگر مولانا اس سے کہتے ہیں بھاگ جا بھاگ جا تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا۔ تھانیدار نے مولانا سے پوچھا یہ کون تھا کہا تم اسے کچھ نہ کہو جانے دو اس کی چیز کھوئی گئی۔ اس کی تلاش میں آیا تھا۔

دیکھئے کیا بےنفسی ہے! لطف یہ کہ نرا عفو ہی نہیں، بلکہ مولانا اس کے احسان مند بھی ہوئے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ جب لوگ مصافحہ کرتے ہیں اور میرے ہاتھ پیر چومے جاتے ہیں تو میں نفس سے کہتا ہوں تو وہی تو ہے جس کے ایک بنیے نے دھول لگائی تھی بس اس سے عجب نہیں ہوتا۔ (جلد۲۰۔ص:۱۹۰)

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا قصہ بابت بےنفسی:

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے تمام مجمع میں خوش پوشاک نازک مزاج نازک بدن تھے اور حسین بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا تھا شہزادہ ہیں ان کی حکایت ہے کہ موضع املیا کے ایک شخص نے مولانا کی مع طالب علموں کے آموں کی دعوت کی۔ وہ گاؤں دیوبند سے تین کوس ہے۔ سواری بھی نہیں لایا مولانا مع رفقاء کے پیدل گئے۔ اور وہاں آم کھائے جب چلنے لگے تو اس نے بہت

سے آم گھر لے جانے کے لیے دیئے اور بدتمیزی یہ کی کہ ان کے پہنچانے کے لیے بھی مزدور تک نہ دیا۔ بس سامنے لا کر رکھ دیے کہ ان کو لیتے جائیے۔ مولانا کا حصہ بھی اوروں سے زیادہ ہی دیا گیا۔ سب اپنے اپنے آم کپڑے میں باندھ کر چلے مولانا بھی بغل میں لے کر چلے ایک طرف کی بغل دکھ گئی تو دوسری طرف لے لیا، جگہ تھی دور بار بار کروٹیں بدلتے یہاں تک کہ جب دیوبند پہنچے تو ہاتھ بہت زیادہ تھک گئے مولانا نے اس گٹھری کو سر پر رکھ لیا اور فرماتے ہیں کہ بھائی یہ ترکیب پہلے سے سمجھ میں نہ آئی اس وقت حالت یہ تھی کہ مولانا کو دونوں طرف سے بازار میں سلام ہو رہے تھے اور مولانا جواب دیتے جاتے تھے اور اس حالت میں مولام کو ذرا بھی تغیر نہ تھا سبحان اللہ! کیا تواضع ہے نفس ان حضرات میں تھا ہی نہیں یہ قصہ میں نے مولوی ظفر احمد صاحب مرحوم تھانوی سے جو اس زمانہ میں وہاں طالب علمی کرتے تھے سنا ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۱۹۱)

مولوی محمود حسن صاحب کا ایک اور قصہ بابت تواضع:

ایک حکایت مولانا کی خود میری دیکھی ہوئی ہے وہ یہ کہ مولانا ہمارے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں جلسہ دستار بندی میں تشریف لائے میں نے وعظ کیلئے عرض کیا۔ فرمایا: مجھے وعظ کہنا نہیں آتا۔ میں نے کہا حضرت وعظ تو کہنا ہی پڑے گا۔ فرمایا تمھارے وعظ سے لوگ مانوس ہیں اور پسند کرتے ہیں تمہارا وعظ ہونا مناسب ہے، اور میرے بیان سے لوگ خوش نہ ہوں گے اور اس سے میرا کچھ نہیں جائے گا تمہاری اہانت ہوگی کہ ان کے استاد ایسے بے علم ہیں۔ میں نے عرض کیا نہیں حضرت اس سے ہمارا فخر ہوگا۔ کہ ان کے استاد ایسے ہیں۔

فرمایا: ہاں اس طرح فخر ہوگا کہ لوگ کہیں گے یہ استاد سے بھی بڑھ گئے غرض مولانا نے وعظ کو منظور فرمالیا اور بیان شروع ہوا۔ مولا کا علم سبحان اللہ پھر مجمع طلباء وعلماء کا مولانا کی طبیعت کھلی ہوئی تھی اور مضامین عالیہ بیان ہو رہے تھے اتنے میں مولانا لطف اللہ صاحب علی گڈھی تشریف لے آئے۔ پس ایک دم مولانا بیٹھ گئے اور وعظ قطع کر دیا۔ مولوی فخر الحسن صاحب نے دوسرے وقت دریافت کیا کہ یہ بات کیا تھی؟ فرمایا: اس وقت مجھ کو خیال ہوا کہ اب وقت ہے مضامین کا یہ بھی دیکھیں کہ علم کیا چیز ہے تو اس طرح سے وعظ میں خلوص نہ رہا میں نے قطع کر دیا۔ سبحان اللہ یہ لوگ

کیسے بے نفس ہیں۔ (جلد۲۰۔ص:۱۹۲)

مادۂ اختلاف بدترین عیب ہے:

فرمایا: طبائع میں تفرد کا مادہ بدترین عیوب ہے عوام تو عوام میں تجربہ کی بات کہتا ہوں کہ علیحدہ ہو جانا علماء سے بڑوں کے لیے بھی برا ہے۔ خودرائی سے آدمی ایسی غلطیوں میں پڑتا ہے۔ جو قابل مضحکہ ہوتی ہیں اچھے اچھوں کو دیکھ لیجئے۔ جہاں ان میں خود بینی اور خودرائی آئی اور عقل وصلاح رخصت ہوئی۔ (جلد۲۰۔ص:۱۹۳)

امامت کرے تو تطییب قلوب مومنین کے لئے:

ریل میں بیٹھ چکے تھے امامت کا ذکر ہوا کہ اس سے بچنا بہتر ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ عجب پیدا ہوتا ہے ہی۔ فرمایا: مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو مستحق سمجھ کر امامت نہ کرے بلکہ تطییب قلوب مومنین کے لیے کرے کہ چند آدمی امام بناتے ہیں ان کے کہنے کی تعمیل کرتا ہوں۔

(جلد۲۰۔ص:۱۹۵)

اپنوں سے بھی معاملات کی صفائی:

بھائی اکبر کے یہاں سب کچھ ہے مگر میں نے کبھی ان کے کسی بھی نوکر سے کام نہیں لیا۔ اور کبھی ایک ٹوکرہ بھوسہ تک نہیں مانگا۔ کام کے لیے اپنا نوکر رکھا یا احباب سے کام لے لیتا ہوں۔ کبھی کبھی بھوسے کی ضرورت ہوتی تو مول منگا یا کبھی ان سے نہیں مانگا۔ مظہر کے یہاں بہلی تھی کبھی بے کرایہ اس سے کام نہیں لیا۔ آج محمد اختر سے ایک ٹکٹ لیا تھا تھوڑی دیر میں واپس کر دیا وہ سب میری عادت کو جان گئے ہیں۔ کچھ چون وچرا نہیں کرتے۔

میں معاملہ ہر شخص سے بالکل صاف رکھتا ہوں۔ حتی کہ گھر میں کا ایک پیسہ بھی لیتا ہوں تو ادا کرتا ہوں۔ اور اگر میرا کوئی پیسہ وہ لیتی ہیں تو میں وصول کر لیتا ہوں۔ ہاں کبھی وہ ہدیہ دیتی ہیں۔ مثلاً کوئی کپڑا اچھا ہوا اور انہوں نے مجھے دے دیا تو میں لے لیتا ہوں اور میں کبھی ہدیہ کپڑا یا اور کوئی چیز دے دیتا ہوں۔ مگر حساب کتاب صاف رکھتا ہوں۔ ہمیشہ اپنی آمدنی نصف ان کو دیتا تھا۔ اور اب جب سے میں نے دوسرا عقد کر لیا ہے ثلث دیتا ہوں۔ اسے چاہے وہ جمع کریں۔ اور چاہے

زیور بنوائیں چاہے کسی کو بخش دیں جو چاہے کریں۔ میں کسی کے معاملہ میں گنجلک رکھنا پسند نہیں کرتا اور اپنے دوستوں سے بھی یہی چاہتا ہوں کہ ایسا ہی کریں۔ (جلد۲۰۔ص:۲۰۴)

ایک شخص کا قصہ:

ایک شخص ذکر کیا کرتے تھے مگر ثمرات کچھ ظاہر نہ ہوئے تو بڑے رنجیدہ ہوئے مجھ سے شکایت کی۔ میں نے کہا کام کئے جاؤ ذکر مقصود بالذات ہے نہ بالعرض ایک رئیس صاحب تھے ان سے کچھ پرانے تعلقات تھے کسی گذشتہ کام کی تکمیل یا اس کے کسی جزو کی تحقیق کے لیے وہ رئیس ان صاحب کو بلاتے تھے۔ مجھ سے مشورہ کیا میں نے کہا ضرور جاؤ وہ محسن ہیں یہ تو صرف الفاظ تھے اور نیت میری کچھ اور ہی تھی۔

چنانچہ وہاں گئے ذکر کی مشغولی چھوٹ گئی۔ اب چاہیے تھا کہ جس چیز کو بے کار سمجھتے تھے اس کے چھوٹ جانے سے ان کو چین آتا مگر دو ہفتہ گذرے تھے کہ ایک لمبا خط آیا پریشانی کا کہ میں سخت پریشان ہوں سفر میں سب معمول چھوٹ گیا۔ میں نے جب کہا کہ ذکر بلا ثمرات آپ کے نزدیک کچھ نہ تھا تو اس کے چھوٹ جانے سے پریشانی کیوں ہے؟ بس مطمئن ہو گئے۔ اور مجرد ذکر کی ہی قدر سمجھ گئے۔ ادنی درجہ کا حضور بھی حاصل ہو تو بڑی چیز ہے اور شکایات اور ناشکری کا منشاء کبر ہے کہ دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ میں تو اس سے زیادہ مستحق تھا اتنا مجھے کیوں ملا۔ حالانکہ سمجھنا یہ چاہیے کہ میں اس کا بھی مستحق نہ تھا۔ (جلد۲۰۔ص:۲۰۹۔۲۱۰)

ریل یا جہاز میں نماز کا مسئلہ:

[ریل میں یا جہاز میں کبھی ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ نماز پڑھنا اور رکوع وسجدہ کرنا یا قبلہ رو نماز پڑھنا ناممکن ہوتا ہے] قاعدہ کلیہ مسئلہ مذکور کے متعلق یہ ہے کہ اگر جبس من العباد کی وجہ سے [یعنی بندوں کی وجہ سے] ارکان نماز نہ ہو سکیں تو جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے۔ مگر اس کا اعادہ واجب ہے۔ اور جبس من العباد ارکان میں رکاوٹ نہ ہو تو نماز ہو جائے گی اور اعادہ بھی واجب نہ ہو گا (مثلاً کسی نے ظلماً کسی کو ستون سے باندھ دیا۔ اور نماز کا وقت نکلا جاتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اسی طرح نیت نماز کی

کر کے جو رکن ادا ہو سکے مثلاً قراءت وغیرہ وہ ادا کرے اور بعد میں قضاء واجب ہوگی۔ اور اگر مرض کی وجہ سے وہ ارکان ادا نہیں کر سکتا تو اشارہ سے پڑھ لے اور قضاء واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اول صورت میں مانع از جانب بندہ ہے اور دوسری صورت میں از جانب صاحب حق)۔ (جلد۲۰۔ص:۲۱۱)

حب خلق میں پریشانی اور حب الٰہی میں اطمینان ہے:

حبِّ خلق میں خواہ پاک ہو یا ناپاک، یہ اثر ضرور ہے کہ پریشانی ہوتی ہے اور حق تعالیٰ میں خواہ کسی درجہ کی ہو صوری ہو یا حقیقی یہ اثر ضرور ہے کہ انشراح و اطمینان ہو جاتا ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۲۱۸۔۲۱۹)

حقوق کو فوراً لکھ لینا چاہیے:

ادائے حقوق مہتم بالشان چیز ہے حقوق کو لکھ کر رکھنا چاہیے۔ جس کا ایک پیسہ بھی واجب ہو فوراً لکھ لینا چاہیے میں نے تو اپنے یہاں بہت سی تھیلیاں بنا رکھی ہیں ہر مد کی تھیلی علیحدہ ہے جو کچھ دیا لیا فوراً لکھ لیا۔ (جلد۲۰۔ص:۲۲۴)

بزرگوں میں کوئی کوتاہی دیکھ کر بدعقیدہ نہ ہونا:

یہ تو ایک بہت ہی معمولی بات ہے اگر کوئی چھوٹی موٹی معصیت بھی میں بزرگوں میں دیکھ لوں تب بھی بدظن نہیں ہوتا جبکہ خوبیوں اور حسنات کو غلبہ ہو۔ میں ہمیشہ بزرگوں سے اسی بنا پر عقیدت میں فرق آنے نہیں دیتا کسی نہ کسی بات سے تو کوئی بھی خالی نہیں۔ دیکھو امام مالک صاحبؒ نے ایک بزرگ سے جو اہل روایت کے نزدیک مسلم ہیں۔ روایت نہیں کی اس وجہ سے کہ انہوں نے امام مالک صاحب کے نسب میں طعن کیا تھا تو کیا اس سے ہم امام مالک صاحب سے بدظن ہو جائیں؟ ہم ان دونوں کا باہمی معاملہ ان کے ساتھ چھوڑتے ہیں حق تعالیٰ جانیں وہ جانیں اور امام مالک صاحب کے ہم بہت معتقد ہیں لوگوں میں کچھ اس قسم کی افراط و تفریط ہے کہ ذرا سے عیب سے کسی کو ہمہ عیب کر دیتے ہیں۔ اور کسی کو باوجود بڑے عیبوں کے کچھ بھی نہیں کہتے سبب اس کا جہالت ہے۔ عیب کی صورت کو دیکھتے ہیں بعضے باتیں صورتاً بہت بری معلوم ہوتی ہیں اور حقیقت میں اتنی بری نہیں ہوتیں۔ اور بعضے اسکے برعکس صورتاً بہت ہلکی ہوتی ہیں۔ اور درحقیقت بہت شدید ہوتی ہیں۔ (جلد۲۰۔ص:۲۲۸۔۲۲۹)

رسالہ صراط مستقیم کس کا لکھا ہوا ہے؟

فرمایا: رسالہ صراط مستقیم میں دو طریق مذکور ہیں سلوک کے۔ سلوک نبوت اور سلوک ولایت۔ ''سلوک نبوت'' مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے اور ''سلوک ولایت'' مولانا عبدالحی صاحبؒ کا۔

(جلد۲۰۔ص:۲۳۱)

علماء کا درویشوں پر طعن کرنا:

فرمایا: جو علماء درویشوں پر طعن کرتے ہیں۔ اگر ان کی نیت خالص اور حمایت شریعت کی ہے تب تو مخالفت سے کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ لیکن اکثر یہ ہے کہ نیت سالم نہیں ہوتی اس واسطے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۲۳۲)

اپنی زندگی میں جائیداد کسی کو نہ دے:

تقسیم جائیداد کا ذکر ہوا تو فرمایا: اپنی حیات میں جائیداد اولاد کو دے دینا ٹھیک نہیں۔ اور اگر دے، تو پھر ان سے کچھ توقع نہ رکھے۔ تکلیف توقع رکھنے سے ہوتی ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۲۳۷۔۲۳۸)

کثرت اشغال کو تشویش قلب لازم ہے:

فرمایا: اس قسم کے کاموں میں تشویش قلب لازم ہے خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی۔ گو دینی کاموں کو ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اور وہ منافی بھی نہیں توجہ الی الحق کے لیکن پھر بھی توجہ بلا واسطہ کے برابر نہیں۔ چنانچہ ایسے کام کرنے کے بعد بھی اہل اللہ کے قلب میں ایک طبعی کدورت پیدا ہو جاتی ہے اور استغفار کرتے ہیں۔ یہی معنی ہیں اس حدیث کے **لیغان علی قلبی** یعنی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں کبھی کدورت پیدا ہو جاتی ہے اور میں دن میں ستر (۷۰) مرتبہ استغفار کیا کرتا ہوں۔ (جلد۲۰۔ص:۲۳۸)

مناظرہ سے حضرت حاجی صاحب نے سخت منع فرمایا:

مجھے مناظرہ کا بڑا شوق تھا، کہیں الزاماً اور کہیں تحقیقاً۔ مگر اب اتنی ہی نفرت ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے سخت منع فرمایا۔ (جلد۲۰۔ص:۲۴۵)

دعا سے پریشانی غالب نہیں ہوسکتی:

ہم نے تو سوچ لیا ہے کہ ہم عافیت کی فکر ہی کیوں کریں جو امر منجانب اللہ ہے اسی میں مصلحتیں ہیں اس کا فکر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔عرض کیا گیا ایسے موقعہ پر دعا کرنے میں تو کچھ حرج نہیں؟ فرمایا: ہاں دعا تو کرنا چاہیے حقیقت تو عافیت کی نصیب نہیں ہوسکتی واقعات سے صدمہ ہوتا ہی ہے ہاں دعا سے پریشانی غالب نہیں ہوسکتی۔ (جلد۲۰۔ص:۲۵۲۔۲۵۳)

مباح تعلقات چھوڑنے کا وسوسہ:

خواجہ صاحب نے کہا دل چاہتا ہے کہ سب جھگڑوں کو چھوڑ کر محض متوکل بن جاؤں اور عبادت ہی میں رہا کروں۔فرمایا: حضرت! یہ مباح تعلقات ہی کی برکت ہے کہ عبادت سے دل نہیں گھبراتا۔ورنہ دو چار ہی دن میں عبادت سب جاتی رہے۔یہ مکرِ شیطان ہے کہ ہر شخص کی موجودہ حالت کو خراب بتاتا ہے اور دوسری حالت کو تجویز کرتا ہے۔اور اس مکر میں اچھے اچھے سمجھدار لوگ بھی آجاتے ہیں۔آخری نتیجہ اس کا حیرانی اور ترک عبادت ہوتا ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۲۵۶)

ہماری جماعت میں ہر تقلید جائز نہیں:

جیسے ہمارے مجمع کو بھی بعض لوگ غیر مقلد کہتے ہیں۔اور غیر مقلد ہم کو مشرک کہتے ہیں۔بات یہ ہے کہ ہمارے مجمع میں مقلدین کی طرح ہر تقلید جائز نہیں۔چنانچہ اگر امام کی دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہ ہو اور حدیث معارض موجود ہو تو قول امام کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔جیسے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام میں ہوا ہے، کہ امام صاحب نے قدرِ غیر مسکر کو جائز کہا ہے۔اور حدیث میں اس کے خلاف کی تصریح موجود ہے، یہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔مگر اس کے لیے بڑے تبحُّر کی ضرورت ہے۔کسی مسئلہ کی نسبت یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ اس میں دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہیں ہے۔ (جلد۲۰۔ص:۲۹۸۔۲۹۹)

شرک کے بعض شعبے:

اور شرک کے اور بھی شعبے ہیں، مثلاً بعض لوگ کسی دن کو منحوس سمجھتے ہیں، یا اور کسی چیز کو منحوس

سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ شگون لیتے ہیں۔ اور بعض سمجھتے ہیں کہ شہید لپٹتے پھرتے ہیں۔ کوئی بیمار پڑتا ہے تو کہتے ہیں شہید مرد آ گئے۔ اور انکے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ پھر ان شہید مرد صاحب سے غیب کی باتیں پوچھتے ہیں۔ اول تو یہی غلط ہے کہ شہید لپٹتے پھرتے ہیں۔ شہیدوں کو نعمِ آخرت کے سامنے اس کی کیا ضرورت ہے کہ دنیا میں آئیں؟ اور آئیں بھی کاہے کے لئے؟ لوگوں کو ستانے کے لئے۔ جنہوں نے اللہ اور رسول کے حکم پر گردنیں کٹوا دیں ہیں، وہ اس گناہ کے مرتکب ہوں گے کہ خلق خدا کو ستاتے پھریں؟ یہ تو صریح اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف ہے۔ اور معمولی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ بہت سخت گناہ ہے۔ کیونکہ حق العبد ہے، جو توبہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ ان کی نسبت یہ خیال جنہوں نے اللہ کے لیے گردنیں کٹوائیں ہیں کس قدر لغو خیال ہے۔ اور ان کو عالم الغیب سمجھنا، یہ دوسری غلطی ہے۔ کیا شہید ہو جانے سے غیب کا علم ہو جاتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ شریعت نے ان باتوں کو رد کیا ہے۔ شہیدوں کا لپٹنا جس کو کہتے ہیں، صرف یہ شیطانی اثر ہے۔ وہ کبھی شہید بنتا ہے اور کبھی کوئی مشہور نام لے دیتا ہے کہ میں شیخ سدو ہوں، یا فلانا ہوں۔ مسلمان کو بڑا پکا ہونا چاہیے۔ شیاطین کا کیا ڈر؟ یہ سب شرک کی باتیں ہیں۔ مرد اور عورت سب اس میں مبتلا ہیں۔ (جلد ۲۰۔ ص: ۳۴۵)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات

جلد ۲۳

کمالات اشرفیہ

جامع حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الٰہ آبادیؒ

[اس مجموعہ میں صفحہ نمبر کے بجائے ملفوظ نمبر کا حوالہ دیا گیا ہے]

غصہ کا مجرب علاج:

(۱۱) فرمایا کہ اگر اس کا التزام کر لیں کہ جب کسی پر غصہ آ جاوے تو مغضوب علیہ کو کچھ ہدیہ دیا کریں گو قلیل ہی مقدار ہو تو زیادہ نفع ہو۔

کبر کا علمی علاج:

(۱۳) اگر اپنی خوبی اور دوسرے کی زشتی پر نظر پڑے تو یہ سمجھنا واجب ہے کہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی خوبی ہو اور مجھ میں کوئی ایسی زشتی ہو کہ اس کی وجہ سے یہ شخص مجھ سے عند اللہ اچھا ہو بس کبر سے خارج ہونے کے لیے اتنا کافی ہے۔

گھریلو مسائل سے بچنے کی تدبیر:

(۳۷) فرمایا کہ خانگی مفسدات سے بچنے کی ایک عمدہ تدبیر یہ ہے کہ چند خاندان ایک گھر میں اکٹھے نہ رہا کریں کیوں کہ چند عورتوں کا ایک مکان میں رہنا ہی زیادہ فساد کا سبب ہے۔

حزب البحر کا حکم:

(۶۴) فرمایا کہ عام طور پر قلوب میں اعتقاداً حزب البحر کی ایسی وقعت ہے کہ ادعیہ ماثورہ کی وہ وقعت نہیں اور اس کا غلو ہونا ظاہر ہے پس اس کا ورد قابل ترک و منع ہے۔

محبوبیت الٰہی کا ایک مقام:

(۷۲) فرمایا کہ ایک درجہ محبوبیت کا یہ ہے کہ محبوب کے ایذا دینے والے سے ہر حال میں مؤاخذہ ہوتا ہے۔ محبوب معاف بھی کر دے جب بھی جرم معاف نہیں ہوتا۔

قراءت قرآن کا حکم:

(۱۲۶) فرمایا کہ سنوار کر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے۔ ہم قاری مشہور ہوں گے یہ تو واقعی ریا ہے۔ اور ایک یہ کہ ایک مسلمان کا جی خوش ہوگا اور تطییب قلب مسلم بھی مطلوب ہے یہ یقینی عبادت ہے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سن کر جب حضور ﷺ نے فرمایا: **لقد اوتیت مز مارا من مزامیر داؤد** یعنی خدا تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے تم کو حصہ عطا کیا ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا: **لو علمت بک یا رسول اللہ لحبرته لک تجبیراً** (یعنی یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھے یہ خبر ہو جاتی کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اور زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا)، تو حضور ﷺ نے اس قول پر مطلق نکیر نہیں فرمائی۔

تمام اخلاق کا خلاصہ:

(۱۳۰) فرمایا کہ احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اخلاق کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی کو دوسرے سے تکلیف نہ پہونچے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی اپنے بھائی کی لکڑی نہ اٹھاوے کیوں کہ وہ پریشان ہوگا (**لا لاعباً ولا جداً**) یعنی نہ ہنسی میں اور بقصد۔ ایسی ہنسی سے ممانعت کی علت وہی اذیت ہے۔

مال و دولت جمع ہونے کا نقصان:

(۱۳۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جب اپنے بندے کو چاہتے ہیں تو اس کو دنیا سے ایسا بچاتے ہیں جیسا کہ تم استسقا کے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو، کیوں کہ زیادہ مال و دولت جمع ہونے سے وہ جمعیت باطن فوت ہو جاتی ہے، جس پر راحت کا مدار ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم بھی ہیچ ہے۔

مشاہدہ کی قسمیں:

(۲۹۰) فرمایا کہ مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مشاہدہ تام یعنی رؤیت یہ تو جنت میں ہوگا۔ دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ دوسرا مشاہدہ ناقص یعنی استحضار تام یہ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ گو مشاہدہ تام کے سامنے یہ دوسری قسم استتار ہی میں داخل ہے۔ مگر چوں کہ دنیا میں سالک کو اس سے بہت کچھ تسلی ہو جاتی ہے اس لیے یہاں کے اعتبار سے استحضار تام ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ یہ مشاہدہ خواہ تام ہو یا ناقص اس کا دوام بندہ کی مصلحت کے خلاف ہے نہ اس لیے کہ وہاں سے کچھ کمی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ بندہ کو دوام مشاہدہ کا تحمل نہیں۔ کیوں کہ دنیا میں تجلی دائمی سے بندہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور ہر وقت ایک استغراقی کیفیت طاری رہتی ہے اور مغلوبیت میں اعمال کے اندر کمی آ جاتی ہے جس سے قرب کم ہو جاتا ہے کیوں کہ مدار قرب اعمال ہی پر ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ نے یہ تو نہیں کیا کہ حضور تام کے ہوتے ہوئے یا رؤیت کے ہوتے ہوئے حضور یا رؤیت سے منع کر دیا ہو کیوں کہ یہ صورت سالک کے لیے اشد ہے بلکہ یہ کیا کہ سالک کو مخلوق کی طرف متوجہ کر دیا اور جنت میں بعض اوقات لذائذ نفس کی طرف متوجہ کر دیں گے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک محبوب نے عاشق کو دیکھا کہ یہ بڑے غور سے مجھے تک رہا ہے۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں زیادہ دیکھنے سے مر نہ جاوے تو اب ایک صورت تو یہ تھی کہ عاشق کو اپنے سامنے رکھ کر دیدار سے منع کر دے کہ ہم کو مت دیکھو۔ یہ صورت بہت سخت ہے۔ اس میں عاشق کو سخت بے چینی ہوتی ہے۔ اس لیے محبوب نے یہ تو نہیں کیا۔ بلکہ اس نے تھوڑی دیر کے واسطے عاشق کو بازار بھیج دیا، کہ جاؤ آم لے آؤ۔ اس صورت میں گو

محبوب سے فی الجملہ استتار ہوگیا، مگر اس سے شوق معتدل ہو جاوے گا۔ اور بازار جانے میں عاشق کی لذت بھی کم نہیں ہوتی، کیوں کہ تعمیل حکم محبوب کی بھی ایک خاص لذت ہے۔ جو لذت دیدار ہی کے قریب ہے (عشاق اس کو خوب سمجھتے ہیں)۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی حضور تام تجلی باقی رکھ کر دیدار مشاہدہ سے منع نہیں کیا۔ بلکہ تجلی کو مستتر کر دیا۔ اور عشاق کو دوسری طرف متوجہ کر دیا کہ ہر وقت حضور و مشاہدہ سے عشاق کے دل پھٹ نہ جاویں۔ اور اس کا شوق معتدل رہے۔

حسن ظن اور قوت رجاء کا قبولیت دعا میں اثر:

(۲۹۲) فرمایا کہ دُعا کرتے وقت حسن ظن اور قوت رجا کو اپنا نقدِ وقت رکھو۔ پھر ثمرہ دیکھو کہ کامیابی ہی ہوگی۔

خشیت اور تقویٰ کا فرق:

(۳۰۸) فرمایا کہ تقویٰ کا استعمال زیادہ تر اس خوف کے لیے ہوتا ہے جس میں اجتناب عن المعاصی بھی ہو محض اعتقادی کے لیے کم استعمال ہوتا ہے۔ تو یوں کہیے کہ تقویٰ خوف مقرون بالعمل کو کہتے ہیں اور خشیت خوف اعتقادی کو۔ اور اصلی شرف جس سے انسان خدا تعالیٰ کے یہاں مکرم و معزز ہوتا ہے یہی تقویٰ ہے۔

بدعت باطنی:

(۳۵۰) فرمایا کہ جیسے عقائد و اعمال کی زیادت علی الحدود بدعت ظاہری ہے ایسی ہی احوال کی زیادت بھی بدعت باطنی ہے۔ مثلاً غیر اختیاری امور کے درپے ہونا اور افراط کے ساتھ اس کی تمنا کرنا۔

احکام نذر کی تحقیق:

(۳۵۸) (۱) اگر نذر سے یا بدون نذر کے ذبح بہ نیت تقرب بغیر اللہ کے ہو تو ذبیحہ حرام رہے گا اگرچہ اس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

(۲) صاحب درمختار اپنے زمانہ کے اکثر عوام کی نذر للاموات کو فساد عقیدہ پر مبنی سمجھتے ہیں اور اکثر لوگوں کو اس میں مبتلا فرماتے ہیں اور جہل کا روز افزوں ہونا ظاہر ہے تو ہمارے زمانہ میں تو

بدرجہ اولیٰ اس حالت کا ظن غالب ہے۔

اختلافی مسائل میں کب گفتگو کی جائے:

(۳۹۸) فرمایا کہ جس مسئلہ پر زور دینے میں فتنہ کھڑا ہوتا ہو اس میں گفتگو بند کر دی جاوے کیوں کہ اس خاص مسئلہ دین کی حمایت کرنے سے فتنہ کا دبانا زیادہ ضروری ہے ہاں مقتدائے اسلام کو شریعت کی ہر بات صاف صاف کہنا چاہئے جیسے امام حنبل نے خلق قرآن کے متعلق صاف صاف کہہ دیا تھا۔ اور جو ایسا بڑا مقتدا نہ ہو اس کو بحث کی ضرورت نہیں جہاں مخاطب سمجھدار منصف مزاج ہو وہاں صحیح مسئلہ بیان کر دے جہاں بحث مباحثہ کی صورت ہو خاموش رہے۔

حلال غذا کا نور:

(۴۳۳) فرمایا: حلال غذا...... باطن کو منور کرتی ہے اور جب باطن منور ہو جاتا ہے تو آدمی حق باطل میں تمیز کرنے لگتا ہے۔

خشوع وتواضع کے آثار:

(۴۳۶) فرمایا کہ خشوع وتواضع کے آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے، بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے۔ غصہ اور غضب میں آپے سے باہر نہ ہو۔ بدلا لینے کی فکر میں نہ رہے وغیرہ وغیرہ۔

تقوے کے مقابلے میں کب فتوے پر عمل بہتر ہے:

(۴۴۲) فرمایا کہ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر تقویٰ کے کسی خاص درجہ پر عمل کرنے سے دوسرے کی دل شکنی ہو تو فتویٰ پر عمل کرنا چاہئے۔ ایسے موقع پر تقویٰ کی حفاظت جائز نہیں۔ چنانچہ کسی چیز کے نہ لینے میں اگر اپنی عزت ہو اور اپنے بھائی کی ذلت ہو۔ اور لینے میں اپنی ذلت ہو لیکن بھائی کی عزت ہو تو بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دے یعنی اپنی آبرو وعزت کو لات مارے اور اپنے بھائی کی بات کو اونچا رکھے یہ ایثارِ نفس ہے۔

حسد کا علاج:

(۴۵۱) فرمایا کہ کسی دوست یا دشمن کے زوال نعمت سے اگر اندر سے دل خوش ہوا گر بظاہر اس سے اظہار افسوس بھی کیا جاوے یہ چوں کہ غیر اختیاری ہے اور اس کو مذموم بھی سمجھا جاتا ہے اس لیے معصیت نہیں۔ البتہ نقص ہے اس کا علاج بہ تکلف اس شخص کے لیے دعا کرنا ہے بکثرت ایسا کرنے سے ان شاء اللہ یہ نقص زائل ہو جاوے گا۔

تملیک زکوٰۃ کا شرعی حیلہ:

(۴۶۸) فرمایا کہ تملیک زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب آدمی سے کہو کہ مفت ثواب لینا چاہو تو کسی سے روپے قرض لے کر فلاں نیک کام میں چندہ میں دے دو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے، جب وہ قرض لے کر روپیہ چندہ میں دے دے تو پھر تم اس کو اپنی زکوٰۃ قربانی کی کھال کا روپیہ دے دو کہ لو اس سے قرض ادا کر دو۔

نور فہم کیسے حاصل ہوتا ہے:

(۴۹۶) فرمایا کہ نور فہم کسی باقی باللہ فانی فی اللہ کی صحبت کے بدون حاصل نہیں ہوتا اس کے بدون علم ایسا ہوتا ہے جیسے طوطے کو بعض لوگ قرآن کی سورتیں یا فارسی جملے یاد کرا دیتے ہیں۔

جہاد کیوں مشروع ہوا؟

(۵۰۵) فرمایا: جہاد کس لیے مشروع ہوا؟ تو خوب سمجھ لو کہ جہاد حفاظت اسلام کے لیے مشروع ہوا۔ نہ کہ اشاعت اسلام کے لیے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور ان دونوں کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔...... دشمنان اسلام دو طرح کے ہیں۔ بعض تو وہ جن سے صلح کر لینی مناسب ہوتی ہے۔ وہ صلح کر کے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں ان سے صلح اور مصالحت کر لی جاتی ہے۔ بعض ایسے مفسد اور موذی ہوتے ہیں کہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتے۔ یہ مادہ متعدیہ ہے۔ ان کے واسطے آپریشن کی ضرورت ہے۔ اسی کا نام جہاد ہے۔ پس جہاد سے لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود نہیں، بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے۔

برکت کی حقیقت:

(۵۲۹) فرمایا کہ برکت کی حقیقت یہ ہے کثرت نفع۔ اگر کسی چیز کا کثیر النفع ہونا ثابت ہو جاوے تو اس کو مبارک کہنا صحیح ہوگا۔

بیوی کا ایک حق جیب خرچ بھی ہے:

(۵۵۶) فرمایا کہ بی بی کا یہ بھی حق ہے کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اس کی تعداد اپنی اور بیوی کی حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے مثلاً روپیہ دو روپیہ، دس بیس پچاس روپے جیسی گنجائش ہو۔

حسن معاشرت کا ایک اصول:

(۵۶۸) فرمایا کہ جب ضرورت پیش آتی ہے حکیم صاحب کے پاس خود جاتا ہوں ان کو نہیں بلاتا ایک مرتبہ حکیم صاحب فرمانے لگے کہ مجھ کو شرم معلوم ہوتی ہے۔ میں ہی حاضر ہو جایا کروں گا۔ میں نے کہا نہیں شرم کی کیا بات ہے میرا نہ آنا اور آپ کا بلانا عدل کے خلاف ہے۔ محتاج کو چاہئے کہ وہ محتاج الیہ کے پاس جائے اور الحمدللہ یہ سب باتیں میری امور طبعیہ ہیں۔ مجھ کو کوئی اہتمام یا سوچ بچار کرنا نہیں پڑتا۔

اندھے کو سلام نہ کرنا غلط ہے:

(۵۷۱) فرمایا راستہ میں کبھی کوئی اندھا ملتا ہے تو میں بعض اوقات اس کو سلام نہیں کرتا مزاج پرسی بھی نہیں کرتا مگر بعد میں شرما جاتا ہوں اور اپنے کو بیحد ملامت کرتا ہوں کہ یہ تو خیانت ہے۔

ہندستان کی سیاسی حالت:

(۶۱۴) کسی نے دریافت کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ عموماً دارالحرب کے معنی غلطی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جہاں حرب واجب ہو۔ سو اس معنی کو تو ہندوستان دارالحرب نہیں کیوں کہ بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں، مگر شرعی اصطلاح میں دارالحرب کی تعریف یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو، تعریف تو یہی ہے۔ آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ امارات ہیں اور

ہندوستان میں غیر مسلم کا پورا تسلط ہونا ظاہر ہے مگر چوں کہ دارالحرب کے نام سے پہلے غلط معنی کا شبہ ہوتا ہے اس لیے غیر دارالاسلام کہنا اچھا ہے، پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک دارالامن دوسرے دارالخوف۔ دارالخوف وہ ہے جہاں مسلمان خوف ناک ہوں اور دارالامن وہ جہاں مسلمان خوف ناک نہ ہوں، سو ہندوستان دارالامن ہے کیوں کہ باوجود غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوف ناک نہیں اور حرب بھی درست نہیں کیوں کہ باہم معاہدہ ہے۔

اسم ذات کا ذکر:

(٦٦٢) فرمایا کہ ابتداء میں اسم ذات کی کثرت دوسرے اشغال و اذکار سے زیادہ مناسب ہے۔

معمولات کی پابندی بڑی نعمت ہے:

(٦٦٦) فرمایا کہ معمولات کا جاری رہنا یہ خود ایسا حال رفیع ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی امر جدید کا نہ ہونا مضر نہیں کیوں کہ اس جاری رہنے کو استقامت کہا جاتا ہے جو بتصریح اکابر فوق الکرامۃ ہے۔

عورتوں کی اصلاح کا طریقہ:

(٦٧٠) فرمایا کہ عورتوں کی اصلاح کے لیے بس یہ کافی ہے کہ وہ کتب دینیہ کا مطالعہ کرتی رہیں، باقی آج کل ایسا نمونہ کہ جس کو وہ خود مشاہدہ کر کے اپنے اخلاق درست کریں عورتوں میں ملنا قریب بہ محال ہے اور خاوند کی معتقد نہیں ہوتیں، اس لیے بس کتابیں پڑھا یا سنا کریں، خاوندوں کو ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، آگے چاہے اصلاح ہو یا نہ ہو بس ان کو کتابیں پڑھ کر سناتے رہیں، تو وہ مؤاخذہ سے بری ہو جائیں گے۔

بعض لوگوں کی اصلاح اس پر موقوف ہوتی ہے کہ اجازت دے دی جائے:

(٧٥٥) فرمایا کہ بعض اصلاح منحصر ہوتی ہے اس بات پر کہ اجازت تعلیم یا تلقین کی دی جائے۔

ہدیہ کس کا اچھا لگتا ہے:؟

(۷۸۵) فرمایا کہ مجھے اس شخص سے کوئی چیز لینے میں نہایت ذلت معلوم ہوتی ہے کہ جس کو خود کوئی نفع نہ پہنچا سکے، ہاں جو دینی نفع حاصل کرتا رہے وہ اگر محبت سے کبھی کچھ دے تو کس کو انکار ہے کیوں کہ آخر میری گزر ہی اسی پر ہے لیکن یہ شرط ہے کہ دینے میں بجز محبت کے اور کوئی نیت نہ ہو، یہاں تک کہ ثواب کی بھی نیت نہ ہونی چاہیے گو جب حق تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے دیا تو ثواب اس کو مل ہی گیا۔

زہد کی حقیقت:

(۷۹۶) فرمایا کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذات زہد کے لیے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی کی فکر ہے کہ یہ چیز پکنی چاہیئے وہ چیز منگانا چاہیئے، عرضیکہ نفیس نفیس کھانوں، کپڑوں کی فکر میں رہنا یہ منافی زہد کے ہے۔ ورنہ بلا تکلف کم کھانا بھی زہد نہیں ہے نہ یہ مقصود ہے اس کے کم کھانے سے کوئی خدائے تعالیٰ کے خزانہ میں کمی نہ ہو جائے گی یہ نہ ہوگا کہ بھائی بڑے خیر خواہ سرکار ہیں کہ پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے وہاں ان باتوں کی کیا پرواہ ہے لیکن اتنا بھی نہ کھاوے کہ پیٹ میں درد ہو جاوے، حضرت حاجی صاحب کا مذاق تو یہ تھا کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اس سے کام بھی لے میرا یہ خیال ہے کہ مزدور خوش دل کند کار بیش۔

مجاذیب کا حکم اور مقام:

(۸۰۳) فرمایا کہ مجذوبوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ زیادہ نہیں ہوتا، وہ صرف معذور ہوتے ہیں۔

کاملین پر حال زیادہ غالب نہیں ہوتا:

(۸۰۵) فرمایا کہ کاملین پر حال غالب نہیں ہوتا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا غلبہ نہیں ہوتا کہ استقامت یعنی اعتدال شرعی سے نکل جاوے۔ باقی غلبہ تو ہوتا ہے نفی اس غلبہ کی ہوتی ہے کہ جس

میں حضرت منصور سے انا الحق نکل گیا تھا دیکھیے حضور ﷺ پر وحی کے وقت غشی اور پسینہ کی کثرت ہوتی تھی، البتہ ایسا غلبہ نہیں تھا جو کسی مطلوب شرعی میں خلل واقع کر دے۔ وحی میں مثل نوم مغلوبیت ہوتی تھی لیکن کسی حالت شرعی سے تو خروج نہیں ہوتا تھا۔ باقی حالت محمودہ (مثلاً بکا وغیرہ) کا مطلق غلبہ کیسے منفی ہوسکتا ہے جب کہ نوم کا بھی غلبہ انبیاء واولیاء پر ہوتا ہے۔

گناہ چھڑانے کے مختلف طریقے:

(۸۳۱) فرمایا کہ شیوخ مباحات میں تو قلیل قلیل چھڑاتے ہیں مگر معاصی میں قلیل قلیل کسی نے نہیں چھوڑایا لیکن میں تو وعظ میں یہ کہہ دیتا ہوں (اللہ معاف کرے نیت بری نہیں) کہ ایک گناہ تو وہ ہیں جن کو اگر چھوڑ دیا جائے تو آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، مثلاً ڈاڑھی منڈانا، ٹخنہ ڈھکنا۔ اگر ان کو چھوڑ دے تو کوئی کام تو نہیں اٹکتا، ایسوں کو فوراً چھوڑ دینا چاہیے اور بعضے ایسے ہیں کہ جن کے چھوڑنے کے بعد کچھ کلفت وتنگی ہو مثلاً رشوت لینا کہ صاحب بال بچے بہت ہیں، اتنی تنخواہ میں گزر ہو نہیں سکتی تو ایسے گناہوں کے بارہ میں تو کہہ دیتا ہوں کہ رفتہ رفتہ ہی چھوڑ دو، نیت یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح تو چھوڑ دیں جن سے ایک دم چھوڑانے کی امید نہیں بلکہ اگر ان پر اس کا زور ڈالا جاوے تو وہ تمام عمر بھی نہ چھوڑیں اور ایک طریقہ گناہوں کے چھوڑنے کا یہ بتلایا کرتا ہوں کہ مکان میں کیواڑ بند کر کے سوتے وقت روز حق تعالیٰ سے دعا کیا کرو یا اللہ میں بڑا کمبخت ہوں نالائق اور پاجی ہوں۔ غرض خوب سخت سخت الفاظ اپنے لیے استعمال کر کے کہو یا اللہ میری ہمت تو ان کے ترک کے لیے کافی نہیں آپ ہی مدد فرمائیں یہ ترکیب کر کے دیکھو ان شاء اللہ ایک دو ہفتہ میں سب گناہ ختم مگر کوئی کرتا ہی نہیں جیسے لڑکا سبق یاد نہ کرے اور میاں جی سے کہے کہ تم ہی سبق یاد کر لیا کرو۔

طالب سے انکسار کرنا ناجائز ہے:

(۸۴۶) فرمایا کہ طالب سے انکسار کرنا یہ خداع ہے، ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص سودا خریدنے جاوے اور ہر دوکاندار کہہ دے کہ میرے یہاں نہیں ہے تو وہ بیچارہ یوں ہی رہا۔ ہاں غیر طالب سے قسم کھا کر بھی کہہ دے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ [یہ مشائخ کے لیے نہایت اہم اصول ہے]۔

عورتوں کی دو صفات قابل تعریف ہیں:

(۸۵۴) فرمایا کہ عورتیں قابل تعریف و ترحم ہیں ان میں دو صفات تو ایسی ہیں کہ مردوں سے بھی کہیں بڑھی ہوئی ہیں۔ خدمت گاری اور عفت۔ عفت تو اس درجہ ہے کہ مرد چاہے افعال سے پاک ہوں لیکن وسوسوں سے کوئی ہی شاید خالی ہو۔ اور شریف عورتوں میں سے اگر سو کو لیا جاوے تو شاید سو کی سو ایسی نکلیں گی کہ وسوسہ تک بھی ان کو عمر بھر نہ آیا ہو اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ المحصنات الغافلات.

تسلی دینے سے سلوک جلد طے ہوتا ہے:

(۸۶۱) فرمایا کہ تسلی سے جس قدر سلوک طے ہوتا ہے کسی سے نہیں ہوتا ہے۔ اور اس سے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت پیدا ہوتی ہے الحمدللہ مجھ کو محبت حق پیدا کرنے کا بہت اہتمام رہتا ہے۔

دل سے نکلی دعا ضرور قبول ہوتی ہے:

(۸۶۳) فرمایا کہ سچ کہتا ہوں کہ جو دعا دل سے کی کبھی نہیں یاد کہ قبول نہ ہوئی ہو ضرور قبول ہوتی ہے اگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی ہے تو اس میں اپنی ہی کوتاہی ہوتی ہے۔ میں نے تو ہمیشہ تجربہ کیا ہے۔

وہ کیا اہل حق، جس کی غیر پر نظر!!

(۹۴۲) فرمایا کہ وہ کیا اہل حق ہے جس کی غیر پر نظر ہو! لاحول پڑھیے، خاک ڈالنی چاہیے ایسے خیال پر کہ اپنا مجمع بڑھانے اور قوت پیدا کرنے کے لیے کسی کو مرید کر لیا جاوے۔ جناب حق میں تو وہ قوت ہے کہ اگر عالم بھر میں صرف ایک اہل حق ہو اور باقی سب باطل، تو وہ سمجھتا ہے کہ ان کی حقیقت ہی کیا ہے، میں ان سب غالب پر آ سکتا ہوں۔ اور اگر اتنی قوت نہیں، تو وہ حق ہی نہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب منکرین زکوٰۃ سے قتال کا قصد کیا تو سب صحابہ نے اختلاف کیا کہ مصلحت کے خلاف ہے فتنہ برپا ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس اختلاف میں شریک تھے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

جبار فی الجاهلیة و خوّار فی الاسلام؟؟ یعنی حالت کفر میں تو تم ایسے سخت تھے اسلام میں ایسے بودے ہو گئے؟ جاؤ میں کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ کسی سے میری درخواست ساتھ دینے کی نہیں۔ مجھے کسی کے ساتھ کی حاجت نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان اللّٰـه معنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں ہی تھا۔ لہٰذا نص قطعی سے ثابت ہے کہ میرے ساتھ خدا ہے۔ جب میرے ساتھ خدا ہے، تو مجھے کسی کے ساتھ کی پروا نہیں۔ اکیلا کندھے پر تلوار رکھ کر نکلوں گا اور تمام عالم کے مقابلہ میں تنہا کافی ہوں۔ خدا میرا ساتھ دے گا۔ یہ سن کر سب دم بخود ہو گئے اور موافقت کر لی۔

کبر کی ایک شکل:

(۹۷۷) ایک مرید نے کہا کہ لوگ حضرت کو برا بھلا کہتے ہیں تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے فرمایا کہ سیکڑوں لوگ خدا کو برا بھلا کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتے ہیں مجتہدین کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آپ نے اس کا کچھ انسداد کیا۔ اگر نہیں کیا تو بس ایک نالائق اشرف علی ہی کے برا بھلا کہنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے جو اس کے اانسداد کی فکر ہوئی۔ کچھ بھی نہیں آپ میں مادہ کبر کا ہے۔ آپ کو اس لیے نا گوار ہوگا ہے کہ ہمارے اکابر کو برا بھلا کہنے میں ہماری ذلت و خواری ہے یہ ہے کید نفس کا۔ پھر فرمایا کہ خیر اگر تکبر بھی نہ سہی لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر آپ کو اس کی فکر ہی کیوں ہوئی کہ کوئی برا نہ کہے بھلا نہ کہے اس میں کیا بگڑ گیا آپ کا۔ اگر مقصود پر نظر ہوتی تو ایسے فضول قصوں کے پیچھے پڑنے کی آپ کو فرصت ہی کب ہوتی۔

ہدیہ آنا مقبولیت کی علامت:

(۱۰۰۲) فرمایا کہ صلحاء کی طرف ہدیہ آنا علامت ہے مہدیٰ الیہ [یعنی جن کو ہدیہ دیا جائے، ان کے] کے مردود نہ ہونے کی۔ بڑی بات تو یہ ہے۔ ایک بزرگ جو ذرا آزاد تھے انہوں نے مجھ سے یہ لفظ کہے تھے کہ ہدایا ہر شخص کے پاس نہیں آتے۔ بلکہ سرکاری آدمی ہی کے پاس آتے ہیں۔ ہدیہ آنا اس کی علامت ہے کہ وہ شخص سرکاری آدمی ہے۔

حفظانِ صحت کی اہمیت:

(۱۰۳۰) فرمایا کہ حفظ صحت کی مصلحت کسی مستحب کی تحصیل سے مقدم ہے مثلاً صبح کو ہوا خوری کے لیے جنگل کی طرف جانا مسجد میں اشراق کی نماز کے لیے تا طلوع آفتاب بیٹھے رہنے سے افضل ہے۔

حضرت کی تواضع:

(۱۰۴۴) ایک صاحب نے عاجزی و لجاجت سے معافی چاہی۔ اس پر تحریر فرمایا کہ میں مسلمانوں کا ایک ادنیٰ خادم ہوں، خود ہزاروں تقصیرات میں ملوث ہوں۔ نہ کہ دوسرا میرا قصوروار ہو اور میں معاف کروں۔ اگر بفرضِ محال آپ کے خیال میں کوئی بات ایسی ہو تو میں نے معاف کیا۔ مگر مولانا! موقع پر معاملہ کی بات تو کہی جاتی ہے، خواہ خوشامد سے یا غصہ سے۔

میں بقسم کہتا ہوں کوئی نیک یا بدعمل فوری جزاء سے خالی نہیں ہوتا:

(۱۱۰۹) فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ کوئی طاعت فوراً جزا سے خالی نہیں ہوتی۔ اسی طرح کوئی معصیت فوراً دسزا سے خالی نہیں ہوتی۔ مگر صحتِ ذوق کی ضرورت ہے۔ اہل ذوق کو طاعت سے اس قدر انبساط اور فرح ہوتا ہے، جیسا انبساط قربِ جنت میں ہوگا۔ اور اس وقت دنیا کی سلطنت کی بھی ان کی نظروں میں کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ ...... مگر نہیں یہ انبساط و فرح کیسے ہو ہم کو دنیا کے سانپ نے ڈس لیا ہے جس سے مذاق ہی بگڑ گیا ہے اگر ہم بھی صحیح ذوق پیدا کرلیں تو اس کی لذت محسوس ہو۔ اسی طرح معصیت سے قلب میں اس قدر تنگی اور پریشانی ہوتی ہے کہ سر پر ہزاروں تلواریں پڑیں تب بھی ایسی کلفت نہ ہو۔

مومن و کافر کے عذاب کا فرق:

(۱۱۱۷) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دوزخ میں کافر بھی جائیں گے اور اعمال بد کی وجہ سے مسلمان بھی، تو فرق کیا ہوگا مسلم اور کافر کے عذاب میں؟ فرمایا: کہنے کی تو بات

نہیں، مگر آپ نے سوال کیا اس لیے کہنی پڑی۔

ا۔مومنین کے بارے میں مسلم کی حدیث ہے **اماتھم اللہ اماتۃ** اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہنم میں مسلمانوں کو عذاب احساس نہ ہوگا، لیکن ہاں کفار کے برابر نہ ہوگا۔اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کلوروفارم دے کر آپریشن کی جاتا ہے۔پھر آپریشن کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک سخت اور ایک ہلکا۔بعض دفعہ بہت ہی ہلکا آپریشن ہوتا ہے۔اس لیے ہلکا کلوروفارم کافی ہوتا ہے۔یہی صورت مسلمانوں کے ساتھ دوزخ میں پیش آئے گی ۔خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان صورتا جہنم میں جائیں گے۔حقیقت میں نہ جائیں گے۔

۲۔دوسرا فرق یہ ہے کہ کفار جہنم میں تعذیب کے لیے جائیں گے ان کو عذاب کا احساس شدید ہوگا اور مسلمان محض تہذیب کے لیے جہنم میں جائیں گے ان کو عذاب کا احساس اس قدر نہ ہوگا جہنم مسلمانوں کے لیے مثل حمام کے ہے وہ اس میں پاک صاف کئے جائیں گے گو تکلیف حمام کے تیز پانی سے بھی ہوتی ہے

۳۔تیسرا فرق یہ ہے کہ مسلمانوں سے جو وعدہ انقطاع عذاب کا ہے یہ وعدہ عذاب کا زیادہ احساس نہ ہونے دیگا۔اسکو اس مثال سے سمجھئے جیسے میعادی قیدی کا ایک وقت آرام کا ہوتا ہے اور ایک وقت کام کا۔دونوں حالتیں قید کی ہی میں ہوتی ہے تو ایک وقت ہلکا اور ایک بھاری، اس سے بھی آگے توسیع کرتا ہوں کہ ایک وقت قید ہی کی حالت میں سونے کا ہوتا ہے جس میں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں کہاں ہوں اور کیا مجھ پر عذاب ہے پھر ایک وقت رہائی کا ہوتا ہے کہ وہ قید خانہ کی تکلیف کو کم کر دیتا ہے یہ سب گھڑت نہیں بلکہ نصوص میں ہے اور وہ بھی مسلم میں جو اصح الکتاب ہے۔

☆☆☆

انتخابات ملفوظات حکیم الامت

جلد ۲۴

مجالس حکیم الامت

جامع: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

[ملفوظات کے مجموعہ میں شامل یہ چوبیسویں جلد حضرت حکیم الامتؒ کے بلند مقام خلیفہ ومجاز، عظیم عالم وصاحب دل بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچویؒ کا جمع کردہ وترتیب دادہ ہے۔اس کے شروع میں حضرت مفتی صاحبؒ نے بطور پیش لفظ ملفوظات کا کچھ تعارف اور حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں اپنی ابتدائی حاضری کا حال لکھا ہے۔راقم سطور کا احساس ہے کہ یہ مختصر مقالہ بصیرت کا گونا گوں سامان رکھتا ہے۔اس لیے مکمل نقل کیا جاتا ہے۔یحییٰ]

داستان فصل گل را ازنظیری می شنو
عندلیب آشفتہ تر می گوید ایں افسانہ را

الحمد لله و كفى. وسلام على عباده الذين اصطفى.

یارب کجاست محرم رازے کہ یک زمان
دل شرح آن دہد کہ چہ دید و چہ ھا شنید

اسلام کے قرن اول سے لے کر آج تک ہر زمانے میں خلق اللہ کی تعلیم وتربیت اور اصلاح اعمال واخلاق کے لیے علماء اور اولیاء اللہ کی مجلسیں نسخۂ اکسیر ثابت ہوئی ہیں۔احقر ناکارہ کو حق تعالیٰ

نے ایک ایسے ماحول میں پیدا فرمایا، جہاں شروع ہی سے ان مجالس کے تذکرے سنے۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے مرید خاص، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد اور سبھی اکابر دیوبند کی خدمت سے فیض یافتہ اور ان بزرگوں کا زندہ تذکرہ تھے۔ اس ماحول میں آنکھ کھولی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے تذکرے سنے۔ اور بچپن کے لاشعوری دور کی باتیں بھی یاد ہیں کہ جب گھر میں کوئی فکر و پریشانی کی بات ہوئی تو گنگوہ کو دعاء کے لیے خط لکھا جارہا ہے۔ حضرت کے دعائیہ کلمات جواب میں آئے تو سنائے جارہے ہیں۔ یہ بھی سنتا تھا کہ میرا نام محمد شفیع بھی حضرت ہی کا تجویز فرمایا ہوا نام ہے۔ اور جب قرآن مجید پڑھنے کے لیے مجھے مکتب میں بٹھایا گیا، تو حضرتؒ کو دعاء کے لیے خط لکھا گیا۔ اس وقت حضرت گنگوہی قدس سرہ کی مجالس مرجع خلائق تھیں۔ مگر ان میں حاضری کا کوئی موقع ہی نہیں تھا۔ میری عمر آٹھ نو سال کی ہوگی، جب ۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی وفات ہوگئی۔

بچپن دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں گزرا۔ جہاں ہر چھوٹے بڑے کی زبان سے ''بڑے مولوی صاحب'' کا نام سنا کرتا تھا۔ قصبہ میں بھی اسی نام سے لوگ ایک مکان کا پتہ دیا کرتے تھے، جو سب میں معروف و مشہور تھا۔ والد صاحب سے سنا کہ یہ بڑے مولوی صاحب ان کے استاد بھی ہیں اور بہت بڑے بزرگ ہیں۔ جب تعلیم کچھ آگے بڑھی، لکھنے پڑھنے میں لگا، تو معلوم ہوا کہ یہی بڑے مولوی صاحب اس وقت دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔ حدیث پڑھاتے ہیں اور دارالعلوم کے سب مدرسین اور منتظمین ان کے شاگرد ہیں یا معتقد۔ اس وقت حضرت مولانا کے پر تکلف الفاظ کا کہیں رواج نہ تھا۔ بزرگوں کی عظمت و محبت جاں نثاری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، مگر شیخ الحدیث، شیخ الکل، حضرت شیخ وغیرہ القاب کا زبانی جمع خرچ، جو بزرگوں کی عظمت و محبت کم ہونے کے زمانے میں شروع ہوا، اس وقت اس کا کہیں نام نہ تھا۔ بس ساری عقیدت مندی کے صلہ میں ان کو ''بڑے مولوی صاحب'' کہا جاتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا اسم گرامی حضرت مولانا محمود حسن ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے، کچھ عرصہ کے بعد شیخ الہند کا لقب معروف ہوگیا۔

ایک روز سنا کہ آج بڑے مولوی صاحب کے ہاں بخاری شریف کا درس شروع ہو رہا ہے۔

تبرکاً سب علماء وطلبا اس میں شرکت کے لیے جارہے ہیں۔ ہم بھی ساتھ لگ گئے اور بخاری شریف کا باب بدء الوحی اور پہلی حدیث کا بیان سنا۔ اسی طرح ختم بخاری پر اجتماع ہوا تو آخری حدیث کا بیان سنا۔ اور اب یہ چسکا لگ گیا کہ ہر سال بخاری شریف کے شروع اور ختم پر درس میں حاضری نصیب ہوتی۔ بچپن کا حافظہ تھا، آج تک بعض بعض کلمات یاد ہیں۔ حالانکہ اس وقت حدیث تو کیا کسی بھی فن کا شعور نہیں تھا۔ فارسی اردو حساب ریاضی کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔

رفتہ رفتہ ان بڑے مولوی صاحب کی مجلس میں جو بعد عصر اپنے مکان پر ہوا کرتی تھی، کبھی کبھی حضرت والد صاحب کے ساتھ حاضری ہونے لگی۔ اکابر علماء وصلحاء کا عجیب وغریب مجمع ہوتا تھا۔ ان کی باتیں تو کچھ پلے نہیں پڑتی تھیں، مگر اس مجلس میں بیٹھنے کا ایک شوق بلاکسی سبب کے دل میں پیدا ہوگیا۔ اور اب والد صاحب کی معیت اور بعد عصر کی قید بھی رخصت ہوگئی۔ جب منہ اٹھا وقت بے وقت حاضر ہوگیا۔ اکابر کی شفقت جو بچوں پر ہوا کرتی ہے، مجھے بھی نصیب ہونے لگی۔ اور طالب علمی کے ابتدائی دور میں فارغ اوقات کھیل اور تفریح کے بجائے حضرت کی مجلس میں گزرنے لگے۔ رمضان المبارک میں حضرت کا یہ معمول تھا کہ تمام رات نوافل یا تراویح میں قرآن شریف سنتے تھے۔ دو سال حق تعالیٰ نے اس میں بھی حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ میری عربی تعلیم کا ابتدائی دور جو ۱۳۳۰ھ میں شروع ہوا، اس وقت دارالعلوم کے ناظم تعلیمات بھی حضرت ہی تھے۔ اس لیے تعلیمی معاملات میں بھی آپ سے ہی مراجعت کی نوبت آنے لگی۔ اور حضرتؒ کی شفقت وتوجہ اور بڑھ گئی۔ ۱۳۳۲ھ میں میری تعلیم متوسط درجہ تک پہنچی تھی۔ ہدایہ وغیرہ کے اسباق تھے۔ پورے ملک میں ترکی کی خلافت پر اہل یورپ کی یورش کے قصے ہر وقت زبانوں پر تھے۔ اور روزانہ اخباروں کی طرف توجہ تھی۔ حضرتؒ کی مجلس کا رنگ اب کچھ بدلا ہوا نظر آنے لگا۔ بیشتر تذکرے ان ہی واقعات کے رہنے لگے اور اصلاح حال کی فکروں میں وقت صرف ہونے لگا۔ ملک میں سیاسی تحریکات نے زور پکڑا۔ حضرتؒ کی توجہ دارالعلوم کی تعلیمی خدمات سے زیادہ ہندوستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کرا کر اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے جہاد پر لگ گئی۔ اور پھر جو کچھ ہوا اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر ان تمام حالات میں بھی دارالعلوم میں درس بخاری شریف کا سلسلہ برابر ۱۳۳۳ھ تک

جاری رہا۔ ۱۳۳۳ھ میں میں نے کوشش کر کے مشکوٰۃ وجلالین وغیرہ کے اسباق پورے کر لیے۔ جن کے بعد دورۂ حدیث کا نمبر آتا ہے۔ تمنا یہ تھی اگلے سال حضرت شیخ کی خدمت میں صحیح بخاری پڑھنے کا موقع مل جائے گا۔ مگر اسی سال رمضان سے یہ خبر سنی جانے لگی کہ حضرت کا ارادہ سفر حج کا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی تیاریاں سامنے آگئیں۔ کوئی کہتا تھا کہ ہجرت کر کے جارہے ہیں۔ کسی کا خیال تھا کہ ترکی حکومت کی امداد کے لیے سفر ہے۔ ہم بڑی حسرت کے ساتھ یہ مناظر دیکھتے رہے۔ بالآخر حضرتؒ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اور عالمگیر جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ۱۳۳۴ھ پورا حضرتؒ کا حجاز میں صرف ہوا۔ احقر نے اس سال اپنا دورۂ حدیث اس امید پر ملتوی کیا کہ حضرت واپس آجائیں گے، تو دورۂ حدیث ان کے سامنے ہوگا۔ اس سال میں فنون کی بقیہ کتابیں لے لیں۔ مگر بحکم قضاء وقدر وہ ۱۳۳۵ھ میں اسیر ہو کر مالٹا جیل بھیج دیے گئے۔ اور ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ۱۳۳۵ھ احقر کا دورۂ حدیث حجت الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کے سامنے ہوا۔ ۱۳۳۵ھ میں احقر کا دورۂ حدیث ہو کر تقریباً درس نظامی پورا ہو گیا۔ چند فنون کی کتابیں باقی تھیں جو ۱۳۳۶ھ میں پوری ہوئیں۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تعلیم وتدریس، علمی تحقیقات کا شوق، کتب بینی سے دلچسپی، بحث ومباحثے سب کچھ تھے، مگر نظریں اس مجلس کو ڈھونڈتی تھیں جہاں دل کو سکون واطمینان ملتا ہے۔ جس کا ذوق حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں چند روز حاضری سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت تھانہ بھون میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس مرجع خلائق ہوگئی تھی۔ حضرتؒ کے علمی کمالات تصانیف کے ذریعہ اپنے علمی حوصلے کے مطابق کچھ معلوم تھے۔ ہمارے گھر بہشتی زیور سب لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ خانقاہ تھانہ بھون اور وہاں کی مجالس کا حال والد محترم سے سنا کرتا تھا۔ حضرتؒ کے دیوبند تشریف لانے کے وقت مجالس وعظ میں بھی بڑی رغبت واعتقاد سے شریک ہوتا تھا۔ والد صاحبؒ نے ایک مرتبہ ہمارے گھر میں بھی آپؒ کا وعظ کرایا تھا۔ جس کے بعض کلمات ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ والد صاحبؒ اگرچہ حضرتؒ کے ہم عصر اور ہم سبق تھے، مگر آپؒ کی بزرگی اور تقدس وتقویٰ کے بہت معتقد تھے۔

تھانہ بھون کی سب سے پہلی حاضری:

والد ماجد دارالعلوم میں مدرس تھے۔ شعبان کے آخر میں آٹھ دس دن کی تعطیل ہوتی تھی۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ یہ تعطیل حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں گزارتے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں ان کی وفات کے بعد بھی یہ معمول رہا کہ گنگوہ میں مزار پر حاضری اور پھر زندہ بزرگوں کی زیارت کے لیے رائے پور، تھانہ بھون وغیرہ کا سفر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھے بھی رائے پور اپنے ساتھ لے گئے۔ رائے پور میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کی پہلی زیارت حضرت والد صاحب ہی کی معیت میں ہوئی۔ اس طرح ایک مرتبہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری اسی لاشعوری دور میں والد صاحب کی معیت میں ہوئی۔ اس حاضری میں حضرت کی زیارت اور بچوں پر شفقت کا دھندلا سا نقشہ نظروں میں ہے۔ مگر اس وقت کی کوئی بات یاد ہے نہ سن اور تاریخ۔

دوسری حاضری:

۱۳۳۲ھ جب احقر کی تعلیم میں یونانی فلسفہ کی کتاب میبذی کا نمبر آیا، تو مجھے والد محترم سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی رائے مدارس عربیہ میں یونانی فلسفہ کی تعلیم کے خلاف تھی۔ اور غالباً کسی وقت اس کے درس کو دارالعلوم کے نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ اس وقت مجھے بھی تردد ہوا کہ یہ فن پڑھوں یا نہیں۔

والد محترم حالانکہ حضرت گنگوہیؒ سے والہانہ عقیدت رکھنے والے تھے مگر اس وقت ایک دانشمندانہ فیصلہ یہ فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ تو اس وقت دنیا میں نہیں، ان کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو آپ کا قائم مقام سمجھتا ہوں، اس لیے مناسب یہ ہے کہ تمھارے بارے میں ان کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔ اسی مقصد سے مجھے ساتھ لے کر تھانہ بھون کا سفر کیا۔

میں اس طالب علمی کے دور میں حضرت حکیم الامتؒ سے مکمل اعتقاد کے باوجود، وہاں کی حاضری سے اس لیے ڈرتا تھا کہ دور دور سے یہ سنا کرتا تھا کہ حضرت کے یہاں بڑے قواعد وضوابط ہیں۔ خلاف ورزی پر ناراضی کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ والد صاحب کے حکم کی بناء پر ساتھ جانے کی ہمت

کر لی۔ گاڑی دوپہر کو اسٹیشن پہنچی۔ اس وقت اسٹیشن قصبہ تھانہ بھون میں نہیں تھا۔ قصبہ سے تین میل دور کے اسٹیشن پر اتر کر تھانہ بھون جانا ہوتا تھا۔ پختہ سڑکوں اور موٹروں گاڑیوں کا زمانہ نہ تھا۔ پاپیادہ تین میل طے کر کے تھانہ بھون پہنچے۔ ظہر کی اذان میں کچھ دیر تھی۔ مہمان خانہ میں جا کر لیٹ گئے۔

ظہر کی اذان پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ وضو کے لیے حوض پر تشریف لائے، تو والد صاحب نے وہاں ملاقات کی۔ چونکہ والد صاحب حضرت کے ہم سبق تھے، بے تکلف ملاقات دیکھنے کے قابل تھی۔ والد صاحب نے پہلی ہی ملاقات میں فرما دیا کہ اس وقت میرے آنے کا سبب یہ لڑکا ہے۔ میں آگے بڑھا۔ حضرت نے نہایت شفقت سے مجھے سینے سے لگا کر سر پر ہاتھ رکھا۔ والد صاحب نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ یہاں آتا ہوا اس لیے ڈرتا تھا کہ یہاں بہت قواعد وضوابط ہیں، ان کی پابندی کیسے ہوگی؟

حضرت نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خوامخواہ لوگوں نے بدنام کیا ہے۔ میں از خود کوئی قاعدہ ضابطہ نہیں بناتا۔ لوگوں کی غلط روش نے مجھے مجبور کر دیا کہ آنے والوں کو کسی وقت اور قاعدہ کا پابند کراؤں۔ ورنہ یہ تو مجھے کسی وقت ایک دفعہ اللہ کا نام بھی نہ لینے دیں، دوسرے کام اور آرام کا تو ذکر کیا؟ پھر فرمایا کہ تم تو میری اولاد کی جگہ ہو۔ تمہیں کیا فکر ہے؟ جب چاہو آیا کرو۔ اور میرے یہاں جو قواعد وضوابط ہیں، ان سے مستثنیات اتنے ہیں کہ مستثنیٰ منہ سے بڑھ جاتے ہیں، تم بے فکر رہو۔

حضرت کی اس شفقت اور لطف وکرم نے پہلی مرتبہ میرے دل میں ایسا گھر کر لیا، کہ وہاں سے لوٹنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ اس وقت تو نماز کا وقت تھا۔ اور نماز ظہر کے بعد عام مجلس کا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے شرکت نصیب فرمائی۔ شام کو حضرت والا نے خصوصی ملاقات کا موقع عنایت فرمایا تو والد صاحب نے میرے آنے کی غرض کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا: ہاں مجھے معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی رائے میں اختلاف تھا۔ حضرت نانوتویؒ یونانی فلسفہ پڑھنے پڑھانے کے اس لیے حامی تھے کہ اسلامی عقائد سے دفاع انہی اصول وقواعد کی رو سے کیا جا سکے، جو یہ فلسفہ پیش کرتا ہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ کی نظر اس پر تھی کہ اس فلسفے کے بہت سے نظریات اسلامی عقائد کے خلاف ہیں، ان کو دینی مدارس میں درس کے طور پر پڑھانا، دلوں میں

شکوک وشبہات پیدا کرنے کا سبب ہوسکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ دونوں بزرگ ہمارے مقتداء اور پیشوا ہیں۔ان میں سے جس کی رائے پر بھی کوئی عمل کرے خیر ہی خیر ہے۔لیکن تمھارے متعلق میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ضرور اس فن کو پڑھو اور محنت سے پڑھو تا کہ اس کا بطلان تم پر خود واضح ہو جائے۔ مجھے امید ہے کہ ان شاءاللہ تمہیں وہ ضرر نہ ہوگا، جس کا خطرہ حضرت گنگوہیؒ کے پیش نظر تھا۔ پھر فرمایا کہ ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس وقت تمام مدارس اسلامیہ میں اس فن کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ اگر تم نے یہ فن نہ پڑھا، فلسفہ جاننے والے علماء کے سامنے ایک مرعوبیت کا اثر تم پر رہے گا۔ اور سمجھ کر پڑھ لیا تو یہ مرعوبیت بھی نہ رہے گی۔اور ان شاءاللہ تعالیٰ اس کے غلط نظریات کا بطلان تمھیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا۔عمر کی یہ پہلی تعلیم تھی جو حضرتؒ سے حاصل کی اور واپس آ کر میبذی کا سبق شروع کیا۔ پھر صدرا، شمس بازغہ وغیرہ فلسفہ کی تمام درسی کتابیں پڑھیں۔

پھر قدرت نے یہ موقع بھی نصیب فرمایا کہ ہمارے استاد محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ نے کچھ طلباء کو فلسفہ جدید پڑھانے کا وعدہ کرلیا، تو احقر اس کے درس میں بھی شریک ہوا، اور یہ واقعہ ہے کہ مجھے فلسفے کے کسی مسئلے میں کبھی کوئی اشکال پیش نہیں آیا۔اور حضرتؒ کی پیش گوئی کے مطابق اس کے غلط نظریات کا بطلان روز روشن کی طرح واضح ہوتا چلا گیا۔

۱۳۳۵ھ میں احقر کا دورۂ حدیث ہوا۔کچھ فنون کی کتابیں باقی تھیں جو ۱۳۳۶ھ میں پوری کیں۔ اسی سال حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم نے چند اسباق بڑھانے کے لیے بھی مجھے سپرد فرمادیے۔ حضرت والد ماجدؒ کی رائے اول سے یہ تھی کہ علوم عربیہ کے نصاب سے فراغت کے بعد کسی بزرگ کی خدمت وصحبت میں رہ کر تزکیۂ باطن اور ذکر اللہ کے بغیر علوم ظاہرہ بے روح رہتے ہیں۔یہ ضروری ہے۔ اس وقت حضرت شیخ الہندؒ تو مالٹا جیل میں اسیر تھے۔حضرت مولا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری بھی ہندوستان میں تشریف نہ رکھتے تھے۔دو بزرگوں پر نظر پڑتی تھی۔ایک حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ دوسرے حضرت تھانوی قدس سرہ۔ والد صاحب کی رائے میں ترجیح اس کو ہوئی کہ حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ سابقہ حاضری اور تعلیم سے ایک مناسبت قائم ہوچکی ہے۔

تھانہ بھون کی تیسری حاضری:

غالباً ۱۳۳۷ھ تھا، جس میں حضرت والد صاحب نے مجھے ساتھ لے کر پھر تھانہ بھون کا سفر اس لیے کیا کہ اب مجھے حضرت کے حوالے کریں اور سلوک وطریقت کی تعلیم دلائیں۔ اس تیسری حاضری میں حضرت کی پہلی شفقت وعنایت کی بناء پر کچھ حوصلہ بات کرنے کا بھی ہو گیا۔ جب والد صاحب نے میری حاضری کی غرض بتلائی تو حضرت والا نے مجھ سے کچھ حالات دریافت فرمائے۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ صاف اور سچی بات کو بہت پسند کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالی نے کچھ عرصہ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضری کی توفیق بخشی ہے۔ دل کی خواہش یہ تھی کہ ان سے بیعت ہوں، مگر حضرت اس وقت اسیر ہیں اور معلوم نہیں کب رہائی ہو۔ اب میں حضرت ہی سے مشورہ کا طالب ہوں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس میں اشکال کیا ہے۔ تصوف وسلوک اعمال باطنہ کی اصلاح کا نام ہے، جو ایسا ہی فرض ہے جیسے اعمال ظاہرہ کی اصلاح۔ اس کو مؤخر کرنا تو میرے نزدیک درست نہیں۔ لیکن اس کے لیے بیعت ہونا کوئی شرط نہیں۔ بیعت کے لیے حضرت مولانا کا انتظار کرو۔ اور حضرت کے واپس تشریف لانے تک میں خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ میرے مشورہ کے مطابق اصلاح کا کام شروع کر دو۔ میرے نزدیک یہ بڑا مرحلہ تھا، جو آسانی سے طے ہو گیا۔

اب دوسری بات اسی سادگی سے میں نے یہ عرض کر دی کہ حضرت! میری تمنا تو بہت ہے کہ تصوف وسلوک کے مراحل طے کروں، مگر سنتا ہوں کہ بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں اور محنت اور فرصت کا کام ہے۔ میں خلقۃً ضعیف بھی ہوں، زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ اور فرصت بھی کم ہے۔ اور وقت تمام درس و تدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گزرتا ہے۔ کیا ان حالات میں بھی مجھے کوئی حصہ نصیب ہو سکتا ہے؟ حضرتؒ نے بڑی شفقت سے فرمایا: تم نے کیا کہا؟ کیا اللہ کا راستہ صرف اقویاء کے لیے ہے ضعفاء کے لیے نہیں؟ فارغ البال لوگوں کے لیے ہے، کم فرصت لوگوں کے لیے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کے لیے کھلا ہوا ہے۔ ہاں ہر ایک

کے لیے عمل کا طریقہ مختلف ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے:

طریق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق

یعنی اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ان گنت ہیں جتنے انسان۔

یہاں کوئی عطائی کی دکان نہیں، کہ سب کو ایک ہی گولی دی جائے۔ ہم آپ کو ایسا طریقہ بتائیں گے جس میں نہ وقت کی ضرورت نہ فرصت کی۔

پھر فرمایا کہ فرائض و واجبات اور سنن وغیرہ جو سب مسلمان ادا کرتے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں۔ آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کرلیں، ان شاء اللہ سارا سلوک اسی سے طے ہو جائے گا۔

۱۔ تقوی اختیار کریں۔ اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقویٰ صرف نماز، روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں، باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے، جتنا ظاہری میں ہے۔

۲۔ دوسرے ہر لایعنی (بے فائدہ) کام، کلام، مجلس، ملاقات سے پرہیز کریں۔ اور فرمایا: لایعنی سے میری مراد وہ کام ہے جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو، نہ دنیا کا۔ غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال، اقوال، مجالس میں بہت سا وقت ایسا گذرتا ہے، کہ کام کی بات تھوڑی سی اور بے فائدہ وزائد زیادہ۔ بس ان سے پرہیز کرنا ہے۔

۳۔ تیسرے بقدر ہمت وفرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ اب بتلاؤ، اس نسخہ میں کون سی چیز محنت یا فرصت کے بغیر نہیں ہوسکتی؟ اگر غور کرو گے تو اس میں قوت اور زیادہ محفوظ رہے گی۔ کیونکہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ بہت سے ایسے کاموں سے روکتا ہے جو انسان کی قوت ضائع کرتے ہیں۔ اور جب لایعنی کاموں، ملاقاتوں، جلسوں سے پرہیز کرو گے تو تمہاری فرصت علمی مشاغل کے لیے اور بڑھ جائے گی۔

آخر میں فرمایا کہ نسخہ تو آپ کے لیے اتنا ہی ہے۔ اگر دل چاہے اور فرصت بھی ہو تو صبح شام سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ سو سو مرتبہ اور استغفار و درود شریف سو سو مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ کا التزام کرلو۔

مجلس ختم ہوئی اور والد صاحب کے ساتھ ایک روز مزید قیام کر کے حضرت سے رخصت لی۔

حضرت کی یہ مجلس اور تعلیم تو قلب میں اتر گئی۔ مگر واپس آ کر دارالعلوم کے تعلیمی مشاغل میں لگ گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ زمانہ وہ تھا جس میں ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم نے پورے عالم کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ اہل یورپ کی متحدہ سازشوں اور کوششوں سے آل عثمان کی ترکی خلافت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند اسی سلسلہ کے الزامات کی بناء پر مالٹا جیل میں نظر بندی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اور چونکہ خلافت کو پارہ پارہ کرنے میں انگریزوں کا بڑا ہاتھ تھا، اس لیے ہندوستان کے مسلمانوں میں انگریزی حکومت کے خلاف جذبات بھڑک اٹھے۔ ملک میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔ اور چند ہی روز میں پورے ملک میں پھیل گئی۔ ہندوستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کرانے کی کوششیں تیز ہوگئیں۔ حضرت شیخ الہند کو جیل سے رہا کرانے کی تحریک نے زور پکڑ لیا۔ ہندوستان کے تمام مسلمان اور خصوصاً علماء، صلحاء، مدارس دینیہ سبھی اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ ان دنوں میں مدارس عربیہ میں تعلیم تعلم کا سلسلہ جاری رکھنا بھی آسان نہ رہا۔ پورے ملک میں ہنگامے تھے۔

بالآخر ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ مارچ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹا سے رہا ہو کر پانچ سال کے بعد دیوبند تشریف لائے تو تحریک خلافت اور آزادی ہند کی قوت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ حضرت کی زیارت وملاقات کے لیے اطراف ملک سے انسانوں کا سیلاب امڈ آیا۔ حضرت شیخ الہندؒ اپنے ضعف و علالت کے باوجود انہیں ہنگاموں میں مشغول و مصروف رہے۔ اس جگہ ان کے حالات کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ذکر اتنا کرنا ہے کہ حضرت شیخ الہند ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ کو مالٹا سے واپس تشریف لائے۔ اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو دہلی میں وفات ہوگئی۔ [حضرت شیخ الہند کی وفات کی صحیح تاریخ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء ہے]۔ کل چھ ماہ ملے وہ بھی انتہائی مشغول و مصروف۔ اسی حال میں ایک روز موقع پا کر احقر اور اخی فی اللہ مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور چند حضرات نے حضرت کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی۔ چند تسبیحات کی تلقین حضرتؒ نے فرمائی۔ اس سے زائد اس طریق میں استفادہ کا موقع ہی نہ تھا۔ ہمارے لیے یہ بھی کچھ کم نعمت نہ تھی کہ بیعت کی دیرینہ تمنا پوری ہوگئی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد ملک کے ہنگامے اور روز روز کے نئے انقلابوں اور فتنوں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ دوسری طرف عیال بڑھا، ان کے مشاغل وذواہل نے غفلت کے کچھ ایسے پردے ڈال دیے کہ یہ سبق ہی گویا ذہن سے نکل گیا۔ اس عرصہ میں تعلیم کے ساتھ کچھ تصنیفی مشاغل بھی رہے۔ مگر بزرگوں کی خدمت سے اکتسابِ فیض کا وہ پچھلا داعیہ بہت ہی مضمحل ہوکر رہ گیا۔ ۳۹ھ سے ۴۵ھ تک یہی صورت حال رہی۔ ۱۳۴۵ھ میں کچھ تنبہ ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی بھی وفات ہوچکی تھی۔ اب تھانہ بھون کے سوا اس مقصد کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ مگر اس میں ایک مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت شیخ الہندؒ کی واپسی اور ان سے بیعت کے بعد تمام تر قلبی تعلق اور اقتداء واتباع کا محور حضرتؒ کی ذات گرامی بن گئی تھی۔ انہیں کے ایماء پر یہ ناکارہ بھی اپنی بساط کے مطابق آزادی ہند کی تحریکات میں مشغول رہا۔

حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ اگرچہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور نہایت معتقد اور ان کے مقصدِ جہاد سے بالکل متفق تھے۔ مگر اس وقت کی سیاسی تحریکات نے ہندوؤں کے اشتراک اور شرعی حدود سے ناواقف اور بے پروا لیڈروں کی شمولیت سے کچھ ایسا رنگ اختیار کرلیا تھا کہ جلسوں جلوسوں میں خلاف شرع امور بے پروائی کے ساتھ کیے جاتے تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ اشتراکِ عمل میں اسلامی شعائر اور شرعی حدود کی کوئی پروا نہیں رہی تھی۔ اس لیے ان تحریکات میں آپ نے شرکت نہیں فرمائی۔

حضرت شیخ الہند جو اس وقت تحریک کے امام تھے ان کو بھی اس احساس ہی نے ایک جماعت بنام جمعیت علماء ہند قائم کرنے پر مجبور کیا تھا، کہ اس تحریک کے ساتھ علماء کی رہنمائی کی وجہ سے ان منکرات اور خلاف شرع امور سے نجات ملے، جس کا پہلا جلسہ دہلی میں حضرت ہی کی صدارت میں ہوا اور اس کے خطبۂ صدارت میں اس طرح کے منکرات پر کھل کر نکیر بھی کیا گیا۔

لیکن حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی نظر میں اس وقت تحریک پر قبضہ ایسے لیڈروں کا ہوچکا تھا، جن کی اکثریت سے علماء کے اتباع اور حدود شرعیہ کی رعایت کی امید نہ تھی۔ خصوصاً ہندوؤں کے ساتھ جن بنیادوں پر اشتراک ہو رہا تھا، ان سے کسی حال یہ امید نہ تھی کہ اس کے نتیجہ میں کوئی

اسلامی حکومت بن سکے۔ اس لیے ان تحریکات سے یکسو رہے۔ دونوں بزرگوں کا یہ اختلاف رائے دینی اور شرعی وجوہ ہی کی بناء پر تھا۔ اور اختلاف کے اصلی حدود کے اندر تھا۔ حضرت حکیم الامت تو شاگرد ہونے کی بناء پر حضرت شیخ الہند کا انتہائی ادب واحترام رکھتے ہی تھے، خود حضرت استاد کا بھی یہ حال تھا کہ تھانہ بھون میں جلسۂ خلافت کی صدارت کے لیے قصبہ کے لوگوں نے آپ کو دعوت دی۔ اور اس زمانے میں حضرت اکثر اس طرح کے جلسوں کے لیے سفر کر رہے تھے۔ مگر اہل تھانہ بھون کی درخواست پر فرمایا کہ اور جہاں کہیں آپ جلسہ کروائیں میں شریک ہوں گا، مگر تھانہ بھون جا کر جلسہ کرنا مجھے پسند نہیں۔ کیونکہ مولانا تھانویؒ کو میری رائے سے جو اختلاف ہے، وہ بھی دینی اور شرعی وجوہ پر ہے۔ اگر میں وہاں جلسہ میں گیا تو وہ اپنی فقہی اور شرعی رائے کی بناء پر شرکت نہ کرسکیں گے۔ اور عدم شرکت سے ان کو سخت ضیق اور تنگی پیش آئے گی میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا۔

بہرحال دونوں بزرگوں کی رائیں خالص دینی وجوہ کی بنا پر مختلف تھیں۔ ہم اس وقت تو کیا آج بھی اس حیثیت میں نہیں کہ ان کی رائے میں محاکمہ کریں۔ یہی ہوسکتا تھا کہ جس کی طرف قلب کا میلان زیادہ ہو اس کی اتباع کریں۔ اس کے نتیجہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکات میں حصہ لیا۔ اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بھی اگرچہ الحمدللہ عقیدت میں کوئی فرق نہیں آیا، مگر ان کی رائے کی اتباع نہ کرنے کے سبب ایک قسم کا حجاب درمیان میں آگیا۔ اور تقریباً آٹھ سال تک تھانہ بھون کی حاضری سے محرومی اور سلسلۂ خط وکتابت بند رہنے کی ایک شرمندگی دامنگیر تھی، جو اب تھانہ بھون جانے کی راہ میں حائل بنی ہوئی تھی۔ حضرت والد ماجدؒ نے یہ مشورہ دیا کہ یہ شرمندگی اس راہ میں حائل نہ ہونی چاہیے۔ تم ضرور تھانہ بھون جاؤ اور اپنے سب حالات صاف صاف عرض کرو۔ تم پہلے دیکھ چکے ہو کہ حضرت صاف بات کہنے والوں سے بڑی عنایت وشفقت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

تھانہ بھون کی چوتھی حاضری ۱۳۴۵ھ میں:

حضرت والد صاحب کے اس حکم نے عزم قوی کردیا۔ ۱۳۴۵ھ میں آٹھ سال کے بعد پھر تھانہ بھون حاضر ہوا۔ اس وقت یہ معلوم نہیں کہ اس سفر میں بھی حضرت والد صاحب ساتھ تھے، یا تنہا گیا تھا۔ مگر اتنا یاد ہے کہ جب حاضر ہوا اور اتنے عرصہ تک عدم حاضری اور بے تعلقی کا عذر پیش

کیا، تو حضرت نے اسی شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا جس کا مشاہدہ پہلے ہو چکا تھا۔ اتنے زمانے کی غیر حاضری اور بے تعلقی کا کوئی اثر معاملہ میں نہیں رہا۔

اس کے بعد سے تھانہ بھون کی حاضری مسلسل شروع ہوگئی۔ جو سترہ سال بعد ۱۳۶۲ھ میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ کی وفات پر منتہی ہوئی۔ اور ۱۳۴۶ھ سے پورے رمضان المبارک کی تعطیل تھانہ بھون میں رہنے کا سلسلہ بھی تقریباً ۱۳۶۰ھ تک رہا۔ اور ۱۳۶۲ھ میں جب حضرتؒ ہی کے مشورہ اور اجازت سے دارالعلوم دیوبند کی ملازمت سے ضابطہ کا استعفاء دے کر آزاد ہوا تو حضرتؒ نے احکام القرآن کی تصنیف کے لیے مجھے مستقل طور پر تھانہ بھون بلا لیا تھا۔ مگر افسوس کہ یہ آخری حاضری سے چند ماہ بعد ہی ۱۶ ارجب ۱۳۶۲ھ میں حضرتؒ کی وفات نے ایسا خستہ اور شکستہ خاطر کر دیا کہ اب کسی کام کی ہمت ہی اپنے میں نظر نہ آتی تھی۔

اس آخر دور میں حق تعالیٰ نے حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ کو دینی تربیت اور اصلاح خلق کے لیے چن لیا تھا۔ آپ کی مجالس علم و معرفت کے ساتھ اصلاح ظاہر و باطن میں جو تاثیر رکھتی ہیں، اس کو تو وہی جان سکتے ہیں جن کو اس دربار کی کبھی حاضری نصیب ہوئی ہے اس کو کسی بیان و تعبیر سے نہیں سمجھایا جا سکتا۔

حاضرین مجلس میں بہت سے حضرات ملفوظات لکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ جو حضرت کے ملاحظہ کے بعد شائع بھی ہوتے رہتے تھے۔ اس ناکارہ کو اس کی ہمت بہت کم ہوتی تھی کہ مجلس میں بیٹھ کر لکھنے کی طرف توجہ دے۔ اس لیے اس کا اہتمام تو نہیں تھا۔ مگر خاص خاص اہم باتیں اپنی یادداشت کے لیے لکھ بھی لیتا تھا۔ اس طرح لکھا ہوا بھی ایک اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہوگیا تھا۔

حضرتؒ کی ہدایت یہ تھی کہ آپ کے ملفوظات جمع کرنے والے جب تک لکھ کر، آپ کے ملاحظہ میں لا کر، اجازت حاصل نہ کر لیں، ان کی اشاعت ممنوع تھی۔ اور وصیت نامہ میں ایک وصیت یہ بھی تحریر تھی کہ میرے بعد اگر میرا کوئی وعظ یا ملفوظات کسی کے پاس غیر مطبوعہ ہوں، جو میری نظر سے نہیں گزرے، تو ان کی اشاعت کے لیے اپنے مخصوص خلفاء کے نام درج فرما کہ یہ ہدایت کی تھی کہ ان کا نظر کر کے اجازت دینا کافی ہوگا۔

اس وقت کے مشاغل نے اپنے لکھے ہوئے ملفوظات کو صاف کر کے پیش کرنے کی فرصت نہ دی۔ اور اس کے بعد ان کی اشاعت کا خیال ہی دل سے نکل گیا۔ حال میں خود اپنی خواہش اور بعض احباب کے تقاضا سے جب احقر نے یہ ارادہ کیا کہ دارالعلوم کے ماہنامہ ''البلاغ'' میں ''مجالس حکیم الامت'' کا ایک خاص عنوان پابندی سے رکھا جائے جس میں حضرتؒ کی مخصوص تعلیمات، ملفوظات ہوا کریں تو اسی وقت بعض احباب نے اپنے منضبط کئے ہوئے اور منتخب ملفوظات کی طرف توجہ دلائی لیکن اب:

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

کا معاملہ تھا۔ جن خلفاء کے اسماء گرامی وصیت نامہ میں تجویز فرمائے تھے وہ بھی اکثر رخصت ہو چکے ہیں۔ مگر پھر بھی غنیمت جانا کہ ابھی کچھ حضرات باقی ہیں ان کے ملاحظہ سے گزار دیا جائے، تو حضرت کی شرط کے مطابق قابل اشاعت ہو جائیں گے۔ اور یہ لکھا ہوا ذخیرہ کارآمد ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو کوئی فائدہ پہنچے تو میرے لیے بھی زاد آخرت ہو جائے گا۔

حضرتؒ کی وصیت کو پورا کرنے کے لیے احقر نے مجالس حکیم الامت کا مسودہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ کی خدمت میں پیش کرنے کی درخواست کی تو اولاً مولاناؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

> ''حضرت نے اپنے مواعظ وملفوظات کی اشاعت کے لیے اپنے بعد جن حضرات کے دیکھنے کی شرط بیان فرمائی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ضبط کرنے والا ان حضرات سے علم ومعرفت میں کم ہو جن کا نام شرط میں ہے۔ اگر ضابط ان حضرات سے علم ومعرفت میں زیادہ ہو تو ظاہر ہے وہ اس شرط سے مستثنیٰ ہوگا۔ میں آپ کے ضبط کردہ مجالس حکیم الامت پر کسی کی نظر کی ضرورت نہیں سمجھتا۔
>
> والسلام   دعا کا محتاج۔ ظفر احمد عثمانی۔ ۱۵ محرم ۱۳۹۳ھ''

لیکن مولانا کے اس ارشاد کے باوجود احقر نے یہ ارادہ کیا کہ جب صراحتاً حضرت کے حکم کی تعمیل بذریعہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ ہو سکتی ہے تو اس تاویل پر کیوں عمل کیا جائے؟ اس لیے

پورا مسودہ حضرت مولانا عثمانی کی خدمت میں بھیج دیا۔ جس کے جواب میں حضرت موصوف نے تحریر فرمایا:

مکرمی المحترم مفتی محمد شفیع صاحب۔ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آپ نے مجالس حکیم الامت کا مسودہ بھیج دیا ہے۔ تو میں نے کسی قدر بالاستیعاب اور باقی سرسری نظر سے دیکھ لیا ہے۔ ماشاء اللہ خوب ضبط فرمایا ہے۔ بعض مقامات پر روابط: کا۔ کو، کی، میں سے رہ گیا ہے۔ اس کو درست کر دیا جائے۔ بعض جگہ عبارت مغلق ہے۔ اس کو واضح کر دیا جائے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ ورنہ آپ کے ضبط کردہ ملفوظات کے لیے کسی کے دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

میرے لیے خاص طور سے دعائے عافیت ظاہری و باطنی و حسن خاتمہ فرماتے رہیں۔

والسلام

ظفر احمد عثمانی

۲۲ محرم ۱۳۹۳ھ

☆☆☆

کوئی مجلس ذکرِ الٰہی سے خالی نہ ہو:

فرمایا کہ حدیث میں ہے: **من جلس مجلسا لم یذکر اللہ فیہ کان علیہ ترۃ یوم القیمۃ** یعنی جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور پوری مجلس گزر جائے اس میں ایک مرتبہ بھی اللہ کا ذکر نہ کرے تو قیامت کے دن یہ مجلس اس کے لیے حسرت و افسوس کا سبب ہوگی۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھو۔ اور اپنی کسی مجلس، کسی حرکت و سکون کو اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہنے دو۔ (جلد۲۴۔ص:۳۷)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسمؒ:

حضرت ممدوح کے علمی اور عملی کمالات سے شاید ہی کوئی باخبر مسلمان ناواقف ہو۔ ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ معاشی ضرورت کا احساس ہوا، تو مطبع مجتبائی دہلی میں کتابوں کی تصحیح کے لیے ملازمت اختیار کر لی۔ کل دس روپے ماہوار تنخواہ تھی۔ ایک مرتبہ اس سے بھی جی گھبرایا، تو اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ یہ تنخواہ بھی لینا چھوڑ دیں۔ اور جو کام کریں وہ لوجہ اللہ بلا تنخواہ کریں۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ امام وقت تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ ترک مشاھرہ کے لیے مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔ مشورہ دلیل تردد ہے۔ اور تردد کی حالت میں ترک اسباب موجبِ پریشانی ہوتا ہے۔ ترک اسباب تو اس وقت روا ہوتا ہے جب آدمی مغلوب الحال ہو جائے۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ خود متوکل تھے۔ فقر و فاقہ کے سخت مراحل سے گذرے ہوئے تھے۔ مگر اپنے مریدین کے لیے اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ وہ کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔ (جلد۲۴۔ص:۴۱)

ترک ملازمت مدرسہ کانپور کا قضیہ:

فرمایا کہ جب میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تنخواہ لے کر درس تدریس کی خدمت انجام دیتا تھا، حضرت کی دلی خواہش یہ تھی کہ میں یہ ملازمت چھوڑ دوں۔ مگر میری پریشانی کے خیال سے چھوڑنے کا حکم نہ دیتے تھے۔ صرف یہ فرمایا کہ اگر کسی وقت کانپور کی ملازمت ترک کرو، تو پھر کوئی دوسری ملازمت اختیار نہ کرنا۔ میں اس وقت کہتا تھا کہ یہ ملازمت میں کیوں چھوڑوں گا؟ دین کی

خدمت ہے۔ تنخواہ لینا کوئی ناجائز کام نہیں ہے۔ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ شیخ کی دلی خواہش رنگ لائی۔ اور یکسوئی اور خلوت کا ذوق اس قدر غالب آیا کہ ملازمت کی پابندی کٹھن ہوگئی۔ بالآخر استعفا دینے پر مجبور ہوگیا۔ اہل مدرسہ نے وفود بھیجے۔ خطوط لکھے۔ کہ یہاں کوئی تکلیف ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے۔ ان سے مجبور ہوکر مجھے بات کھولنا پڑی۔ اور ان کے جواب میں یہ شعر لکھ کر بھیج دیا۔

از قیل وقال مدرسہ حالے دلم گرفت
یک چند نیز خدمت معشوق وے کنم

(جلد۲۴۔ص:۴۲)

قرض سے پریشانی اور حضرت گنگوہیؒ کا مشورہ:

ترک ملازمت کانپور کے بعد خانقاہ تھانہ بھون میں متوکلانہ قیام فرمالیا تھا۔ اس وقت ضروریات خانگی کے لیے ڈیڑھ سو روپیہ قرض ہوگیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات ہوچکی تھی۔ ان کے بعد حضرت حکیم الامت قدس سرہ حضرت گنگوہیؒ کو اپنے شیخ کا قائم مقام سمجھ کر مشکلات میں ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ عرضِ حال اور ادائے قرض کی دعاء کے لیے حضرت گنگوہیؒ کو خط لکھا۔ جواب آیا کہ مدرسۂ دیوبند میں ایک جگہ ملازمت کی خالی ہے۔ اگر رائے ہو تو میں ان کو لکھ دوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس جواب سے میں کچھ کشمکش میں پڑ گیا کہ اس ملازمت کو اختیار کرتا ہوں، تو حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد کی مخالفت ہوتی ہے۔ اور نہیں کرتا تو حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد کے باوجود قبول نہ کرنا ایک گونہ بے ادبی ہے۔ مگر اللہ تعالی نے صحیح جواب دل میں ڈال دیا۔ میں نے لکھا کہ حضرت میری غرض تو اس خط سے صرف دعا تھی۔ کسی ملازمت یا ذریعہ معاش کی طلب مقصود نہ تھی۔ کیونکہ حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرہ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ کانپور کی ملازمت چھوڑو تو پھر کوئی دوسری ملازمت اختیار نہ کرنا۔ اب میں حضرت کو بھی حضرت حاجی صاحبؒ کے قائم مقام سمجھتا ہوں۔ اگر اس پر بھی ملازمت اختیار کرنے کا حکم ہو تو میں اس کو بھی حضرت حاجی صاحبؒ ہی کا حکم سمجھوں گا۔ اور پہلے حکم کا ناسخ قرار دے کر ملازمت اختیار کروں گا۔ اس پر حضرت گنگوہیؒ کا جواب آیا کہ اب آپ کوئی ملازمت نہ کرو۔ ان شاءاللہ تعالی پریشانی نہیں ہوگی۔ (جلد۲۴۔ص:۴۲۔۴۳)

تقوی اور تواضع کی خاص شان:

حضرت کے والد ماجد خاندانی رئیس اور صاحب ثروت تھے۔ ذرائع آمدنی بھی کوئی ناجائز نہ تھے۔ مگر حضرت کی نظر میں کچھ مشتبہ تھے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد ترکہ میں اپنے حصہ میراث کا معاملہ سامنے آیا تو لینے میں تردد ہوا۔ از خود کوئی فیصلہ کرنے کی عادت نہ تھی۔ حضرت گنگوہیؒ کو خط لکھ کر سوال کیا کہ حصہ لینے میں مال مشتبہ ہونے کی وجہ سے تردد ہے۔ اور چھوڑنے میں اس لیے تردد ہے کہ کہیں بعد میں پریشانی نہ ہو۔ جواب آیا ''اگر یہ حصہ لے لو تو فتوی ہے۔ نہ لو تو تقوی ہے۔ اور پریشانی ان شاء اللہ عمر بھر نہ ہوگی''۔ حضرتؒ نے تقوی کا پہلو اختیار کیا اور اپنا حصہ میراث کا جو بڑا سرمایہ تھا، بھائیوں کے لیے چھوڑ دیا۔ احقر نے اپنے والد سے سنا کہ حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا اشرف علیؒ کا ادنی تقوی یہ ہے کہ والد کی میراث کا حصہ نہیں لیا۔

یہاں تقوی کے ساتھ صرف اپنی رائے پر اعتماد نہ کرنا، بلکہ بزرگوں کے مشورہ پر عمل کرنا ایک بہت بڑا حکیمانہ اصول ہے۔ جس کی پابندی حضرتؒ خود بھی ہمیشہ کرتے تھے۔ اور سب کو تاکید فرماتے تھے کہ ''انسان کو چاہیے کہ کبھی خود رائی سے کام نہ کرے، جب تک ضابطہ کے بڑے موجود ہیں ان کے مشورہ پر عمل کرے۔ جب ضابطہ کے بڑے نہ رہیں تو اپنے برابروں کے مشورہ کا پابند رہے۔ جب وہ بھی نہ رہیں چھوٹوں کے مشورہ کی پابندی کرے۔ اور فرمایا کہ ضابطہ کے بڑے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اس کا علم تو صرف اللہ تعالی کو ہے۔'' (جلد ۲۴۔ص:۴۳۔۴۴)

اشراف نفس کی تعریف:

اشراف نفس کے معاملہ میں حضرتؒ نے ایک واقعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوری مہاجر مدنی کا نقل فرمایا کہ ریاست بہاولپور کے ایک رئیس دیندار آدمی تھے۔ اکثر کچھ علماء وصلحاء کو دعوت دیتے رہتے تھے۔ اور واپسی کے وقت کچھ ہدیہ بھی پیش کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دیوبند سہارنپور کے بزرگ اور حضرتؒ وہاں مدعو تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ اپنے وقت کے فقیہ اور بڑے بزرگ تھے۔ ان کو خیال آیا کہ اس رئیس کی عادت معلوم ہے کہ کچھ ہدیہ پیش کیا کرتے ہیں۔ اس لیے

یہاں آتے ہی یہ خطرہ ہوتا ہے یہ کچھ دیں گے۔تو یہ اشراف نفس ہوگیا۔اس کے ساتھ قبول ہدیہ مناسب نہیں۔حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ میرے نزدیک اشراف نفس وہ ہے جس کے خلاف ہونے میں کلفت اور شکایت ہو۔اور جب کلفت وشکایت نہ ہو تو وہ محض ایک وسوسہ ہے، اشراف نہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے میرے جواب کو پسند فرمایا اور تصدیق فرمائی۔ (جلد۲۴۔ص:۴۵)

بزرگوں کے تعویذات عام عاملوں کی طرح نہیں ہوتے:

فرمایا کہ عملیات اور تعویذات کے جاننے والے بہت سی قیود وشرائط کے ساتھ تعویذات لکھتے ہیں۔وہ ایک فن ہے۔مگر حضرات اکابر کے نزدیک اصل چیز توجہ الی اللہ اور دعا ہوتی ہے۔اس کو جس عنوان سے چاہیں لکھ بھی دیتے ہیں۔اور لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے۔میں نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے سنا ہے کہ حضرت مولانا سید احمد صاحب بریلویؒ سے لوگ مختلف امراض اور حاجات کے تعویذ مانگا کرتے تھے۔وہ ہر ضرورت وحاجت کے لیے یہ الفاظ لکھ کر دے دیتے اور اللہ کے فضل وکرم سے فائدہ ہوتا تھا۔وہ الفاظ یہ ہیں ''خداوندا! گر منظورداری، حاجتش رابراری''۔

فرمایا کہ اسی طرح حضرت گنگوہیؒ سے کسی نے کسی خاص کام کے لیے تعویذ مانگا۔حضرت نے فرمایا کہ مجھے اس کا تعویذ نہیں آتا۔اس شخص نے اصرار کیا کہ کچھ لکھ دیجیے۔حضرتؒ نے یہ کلمات لکھ دیے: ''یا اللہ میں جانتا نہیں۔یہ مانتا نہیں۔آپ کے قبضہ میں سب کچھ ہے۔اس کی مراد پوری فرمادیجیے''۔اللہ تعالی نے اس کی ضرورت پوری فرمادی۔ (جلد۲۴۔ص:۴۵۔۴۶)

اس طریق کا اصل مقصود اعمال باطنہ کی اصلاح ہے، اذکار واوراد معین ہیں:

فرمایا کہ ہر طبقہ میں رسوم غالب آجاتی ہیں، تو حقائق مستور ہوجاتے ہیں۔سلوک وتصوف کا اصل مقصد اوراد واشغال نہیں۔[یہاں وہ اشغال واوراد مراد ہیں جو سلاسل میں بطور تربیت رائج ہیں، باقی ذکر اللہ وہ تو خاص مقصود ہے۔یحییٰ] یہ چیزیں معینِ مقصود ضرور ہیں۔مگر اصل مقصود اعمال باطنہ کی اصلاح ہے۔جب تک وہ نہ ہو اوراد واشغال کا بھی پورا نفع نہیں ہوتا۔بلکہ بعض اوقات

عجب و کبر میں مبتلا ہو جانے کے سبب مضر بھی ہو جاتے ہیں۔ (جلد ۲۴۔ص:۵۰)

انبیا علیہم السلام سے لغزشوں کا صدور عین رحمت و حکمت ہے:

حق تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو جو مقام بلند اپنے قرب کا عطا فرمایا ہے اور ان کو تمام گناہوں سے معصوم بنایا ہے، جس طرح یہ ان کی رحمت و نعمت ہے، اسی طرح کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام سے بعض معاملات میں زلت (لغزش) ہونے کے جو واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں، وہ بھی عین حکمت و رحمت ہیں۔ ان میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو انبیاء کی خدائی کا وہم و شبہ نہ ہونے لگے۔ زلات کے صدور اور ان پر حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہات یہ واضح کر دیتی ہیں کہ حضرات انبیا علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہی ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہر حال میں ترقی ہی ہوتی رہتی ہے۔ جن چیزوں کو زلات کہا جاتا ہے، انجام کار ان کے حق میں وہ بھی ترقی کا ذریعہ بن جاتی ہیں کہ وہ ان پر متنبہ ہو کر گریہ وزاری اور استغفار کرتے ہیں۔ (جلد ۲۴۔ص:۶۷۔۶۸)

قریبی رشتہ داروں کو بیعت کرنا عام حالات میں خلاف مصلحت ہے:

ارشاد فرمایا کہ میں اپنے خاص اقرباء کو عموماً بیعت نہیں کرتا۔ جس پر مجھے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کے ایک واقعہ سے تنبّہ ہوا۔ منشی امیر احمد نے (جو مولانا کے عزیز تھے) حضرت مولانا سے بیعت کی درخواست کی، تو مولانا نے فرمایا کہ تمھارا مجھ سے بیعت ہونا مناسب نہیں۔ رشتہ داری کے قصوں میں تمہیں تنگی پیش آوے گی۔ اگر میری مخالفت کرو گے تو دینی ضرر میں مبتلا ہو گے۔ اور موافقت کرو گے تو دنیاوی پریشانی لاحق ہوگی۔ (جلد ۲۴۔ص:۷۱)

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ:

حضرتؒ اول عمر سے عفیف اور متقی تھے۔ شہرت اور امتیاز سے سخت نفرت تھی۔ فرمایا کرتے

تھے کہ دو حرف علم کی وجہ سے شہرت کی بلا میں مبتلا ہو گیا۔ ورنہ میں تو کسی اور ہی طرح گمنامی کی زندگی گزارتا۔ (جلد۲۴۔ص:۷۷)

علامہ شبلیؒ کا قول کہ مسلمانوں کی اصلاح صرف مقدس اور بزرگ ہستیوں سے ہوسکتی ہے:

ارشاد فرمایا کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے جب دہلی میں نظارۃ المعارف قائم فرمایا، تو تھانہ بھون آئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں علامہ شبلی نعمانیؒ سے ملا، تو مسلمانوں کی عام بے راہ روی اور پریشانی اور مبتلائے آفات ہونے کا تذکرہ ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی نظر میں قوم کی اصلاح کی تدبیر کیا ہے؟ علامہ شبلی نے کہا قوم کی اصلاح صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کا قوم پر مکمل اثر ہو۔ اور یہ اثر بغیر تقدس کے نہیں ہوسکتا۔ اور تقدس بغیر تقویٰ اور کثرت عبادت و ذکر اللہ کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ (جلد۲۴۔ص:۷۷۔۷۸)

غیر مسلم مہمان کا اکرام اور دینی مضرت سے احتیاط:

ارشاد فرمایا کہ اگر مسٹر گاندھی بھی میرے پاس آئیں تو میں ان کا بھی اکرام کروں گا۔ مگر ایک شرط ضرور لگاؤں گا کہ اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے کا یہاں موقع نہ دیا جائے گا۔ (جلد۲۴۔ص:۷۸)

کسی کو قبلہ وکعبہ کہنا:

حضرت سے سوال کیا گیا کہ لوگ اپنے بڑوں کو قبلہ کعبہ لکھتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ فرمایا کہ مجاز ہے اس لیے کوئی حرج نہیں۔ مگر اس کا ترک اولیٰ [یعنی بہتر] ہے۔ (جلد۲۴۔ص:۱۰۴)

مشائخ اور علماء کی شان میں بے ادبی:

میں بے ادبی کو [دین کو نقصان پہنچانے کے سلسلے میں] معاصی سے زیادہ مضر سمجھتا ہوں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مشائخ اور علماء کی شان میں بے ادبی کرنے سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ اس کے عواقب ونتائج بہت خطرناک ہیں۔ (جلد۲۴۔ص:۱۰۴)

دعا سے غفلت:

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ اپنے مقاصد میں اور دفع امراض ومصائب میں تعویذ گنڈے وغیرہ کی تو بڑی قدر کرتے ہیں۔اس کے لیے کوشش بھی کرتے ہیں۔اور جو اصل تدبیر ہے، یعنی اللہ سے دعاء، اس میں غفلت برتتے ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ کوئی نقش وتعویذ دعاء کے برابر مؤثر نہیں۔ہاں دعاء کو دعاء کی طرح مانگا جائے اور موانعِ قبول سے پرہیز کیا جائے۔

وبائی مرض سے حفاظت کا عمل:

اسی سلسلے میں فرمایا کہ جب میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں مدرس تھا، اتفاقاً کانپور میں طاعون کی وباء پھیلی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرمارہے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں پر تین مرتبہ سورۂ قدر ﴿انا انزلناہ﴾ پوری پڑھ کر دم کر کے کھلایا پلایا جائے۔مریض کو صحت ہو جائے گی اور تندرست محفوظ رہے گا۔اور فرمایا کہ پھر اس کا مشاہدہ تجربہ سے ہو گیا۔ (جلد۲۴۔ص:۱۱۵۔۱۱۶)

اہل بدعت کے معاملہ میں بھی احتیاط:

اکابر دیوبند کی جس طرح مسائل میں حق گوئی اور صاف گوئی معروف ومشہور ہے، جس کو سب جانتے ہیں۔اسی طرح ان کے تقویٰ اور تواضع کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جس کو بہت کم لوگ جانتے۔ وہ یہ کہ مسئلہ میں تو کسی کی رعایت نہیں۔اپنے نزدیک جو حق بات ہے وہ صاف کہہ دیں۔ لیکن اس کے خلاف کرنے والے حضرات کی شخصیات اور ذاتیات پر گفتگو آئے تو اس میں بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ ان کی بدگوئی سے خود بھی احتیاط کرتے ہیں، دوسروں کو بھی احتیاط کی تلقین کرتے ہیں۔جس پر ان کی زندگی کے واقعات بکثرت شاہد ہیں۔

...حضرت مولانا نانوتویؒ کے خاص بے تکلف مرید امیر شاہ خان نے ایک مرتبہ فضل رسول صاحب جو اس زمانے کے اہل بدعت میں سے تھے، ان کا نام بگاڑ کر فضل رسول کے بجائے فصل رسول حرف صاد کے ساتھ کہا۔حضرتؒ نے ناراض ہو کر سختی سے منع فرمایا کہ وہ جیسے بھی کچھ ہوں، تم تو آیت قرآن ﴿و لاتنابزوا بالالقاب﴾ خلاف کر کے گناہ گار ہو ہی گئے۔ایک معروف ومشہور اہل بدعت

عالم جو اکابر دیو بند کی تکفیر کرتے تھے اور ان کے خلاف بہت سے رسائل میں نہایت سخت الفاظ استعمال کرتے تھے، ان کا ذکر آ گیا تو فرمایا: میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے ان کے متعلق معذّب ہونے کا گمان نہیں۔ کیونکہ ان کی نیت ان سب چیزوں سے ممکن ہے کہ تعظیم رسول ہی کی ہو۔ (جلد۲۴۔ص:۱۱۷)

شیخ کی مجلس میں بیٹھنے والوں کو کیا کرنا چاہیے:

ارشاد فرمایا کہ جو طالب اپنے شیخ کی مجلس میں بیٹھے، اس کے لیے ادب یہ ہے کہ جب شیخ کچھ کلام کرے تو پوری توجہ سے اس کو سنے۔ اور جب خاموش رہے تو یہ ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ اگر چہ ذکر قلبی بھی اس وقت کافی ہے، مگر میں ذکر لسانی کو اس لیے ترجیح دیتا ہوں کہ ذکر قلبی میں اکثر غفلت پیش آ جاتی ہے۔ اور یہ آدمی سمجھتا رہتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں۔ اور فرمایا کہ ذکر قلبی کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ متخیَّلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی نام کے الفاظ دھیان میں رہیں۔ دوسرے محض تفکر یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کی رحمت اور اس کی نعمتوں میں غور و فکر۔

(جلد۲۴۔ص:۱۳۱)

اہل طریقت کے لیے ہدایت:

فرمایا کہ ذکر اللہ اور نوافل و عبادت میں ایک خاص لذت ہے جو دنیا کی ساری لذتوں سے فائق ہے۔ مگر مبتدی کو اس لذت وحلاوت کی فکر میں نہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ اعمال دین مبتدی کے لیے دواء کا حکم رکھتے ہیں۔ دواؤں میں مزا اور لذت کہاں؟ البتہ منتہی کے لیے یہی اعمال غذاء لذیذ بن جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ لوگ اس طریق میں مزے کے طالب ہیں۔ حالانکہ یہاں تو لوہے کے چنے چبانے ہیں۔ جب تک اس منزل سے نہ گزر جائے لذت وحلاوت حاصل نہیں ہوتی۔

(جلد۲۴۔ص:۱۳۲)

جذب وسلوک کے معاملے میں رحمت حق کا ایک خاص مظہر:

ارشاد فرمایا کہ مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹویؒ (خلیفہ حضرت گنگوہیؒ) فرمایا کرتے تھے کہ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں جس چیز کو وصول الی اللہ (اللہ تک پہنچنا) کہا جاتا ہے، اس کے لیے

عادۃ اللہ یہ ہے کہ پہلے بندہ کی طرف سے سلوک ہوتا ہے، یعنی اپنی سعی وعمل کے ذریعہ اللہ کا راستہ طے کرنا، جب انسان اپنے حد اختیار تک یہ کام کرلیتا ہے، تو پھر حق تعالیٰ کی طرف سے جذب ہوتا ہے۔ اور اسی جذب سے منزل مقصود تک رسائی ہوتی ہے۔ بغیر جذبِ حق کے سلوکِ محض کافی نہیں ہوتا۔ مگر قدیم زمانے میں اس سلوک کے لیے محنت شاقہ اور بڑے مجاہدات شرط تھے۔ اس کے بعد جذب کی نوبت آتی تھی۔ اس زمانے میں انسانی قویٰ کا انحطاط ہے۔ اس لیے مجاہداتِ شاقہ کے بغیر ہی جذبِ حق نصیب ہو جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اتباع سنت کا پورا اہتمام کرے۔ کیونکہ جذب علامتِ محبوبیت ہے اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله**'' یعنی آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو۔ اس اتباع سنت کا نتیجہ یہ ہوگا تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہو جاؤ گے۔ (جلد۲۴۔ص:۱۳۴)

دلائل الخیرات سے بہتر حدیث کے درود:

ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ جتنی دیر میں آدمی دلائل الخیرات [ایک کتاب جس میں درود وسلام ہیں، مگر وہ حدیث میں وارد نہیں ہیں۔ اس] کی ایک منزل پڑھتا ہے، اتنی دیر تک درود وسلام کے وہ الفاظ پڑھ لیا کرے جو احادیث میں منقول وماثور ہیں۔ (جلد۲۴۔ص:۱۳۷)

علماء کے درمیان اختلافی مسائل میں توسع:

فرمایا کہ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے مزاج میں ایسے اختلافی مسائل کے بارے میں بڑا توسع تھا۔ میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ جس میں مولانا کا فتویٰ حضرت گنگوہیؒ کے فتوے سے مختلف تھا۔ اپنی تحقیق کے مطابق مسئلہ بتلا دیا۔ اور پھر یہ بھی فرمادیا کہ مولانا گنگوہیؒ کا فتویٰ اس معاملے میں اس طرح ہے۔ اب تمھیں اختیار ہے جس کو چاہو اختیار کرلو۔ (جلد۲۴۔ص:۱۳۸)

بڑا کمال جب ہے، کہ عسرت وتنگدستی میں مبتلا ہو پھر غیر اللہ سے مستغنی رہے:

ہمارے سابق بزرگوں نے اپنی عمریں بڑی عسرت اور افلاس میں گزاری ہیں۔ اگرچہ ان کا

یہ فقر و فاقہ اور افلاس سنت نبوی کے مطابق اختیاری تھا۔ وہ اگر چاہتے تو بڑی سے بڑی دولت جمع کر سکتے تھے، مگر کبھی اس کی طرف التفات نہیں ہوا۔ اور جو کچھ اللہ نے دیا اس کو غرباء و فقراء اور دینی کاموں پر خرچ کر دیا۔ پھر خود مفلس کے مفلس رہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ کے پاس کبھی کپڑوں کے دو جوڑے سے زیادہ نہیں رہے۔ ایک بدن پر رہتا تھا دوسرا دھلنے کے لیے دیا جاتا تھا۔ اور آج کل کے مشائخ تو نوابوں کی زندگی گزارتے ہیں، وہ اگر لوگوں سے استغناء بھی برتیں اور برتنا چاہیے مگر یہ استغناء اس درجہ کا کمال نہیں جو پچھلے بزرگوں کا تھا، کہ فقر و افلاس میں رہتے اور پھر استغناء کا معاملہ فرماتے تھے۔ (جلد ۲۴۔ص: ۱۵۳۔۱۵۴)

حضرت کے تعلیم کردہ آداب معاشرت:

میں نے [یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے] خود بارہا دیکھا کہ خانقاہ کی جس سہ دری میں حضرتؒ تشریف فرما ہوتے تھے، اس کے بالکل بالمقابل دوسری طرف کچھ فاصلہ سے مدرسہ تھا۔ اور اسی کے قریب مہتمم خانقاہ آپ کے برادر زادے مولانا شبیر علی صاحبؒ بیٹھتے تھے۔ جب کبھی حضرتؒ کو کسی علمی مسئلے میں کسی مدرس سے بات کرنا ہوتی، یا کسی انتظامی معاملہ میں بھائی شبیر علی صاحبؒ سے کام ہوتا، تو اکثر خود اٹھتے اور ان کی جگہ پر پہنچ کر ان سے بات کرتے، پھر واپس آکر کام میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ان کو بلانا پسند نہ کرتے تھے۔ کہ ممکن ہے کہ اس وقت وہ کسی ایسے کام میں ہوں، جس کا چھوڑنا مشکل ہو، اور ان کو تکلیف پہنچے۔ یہ تھے عادلانہ آداب معاشرت جو حضرتؒ صرف قول سے نہیں، اپنے فعل سے بھی لوگوں کو عمر بھر تلقین کرتے رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ متوسلین میں بھی اس خاص وصف پر بہت کم لوگوں نے دھیان دیا۔

(جلد ۲۴۔ص: ۱۵۵)

عقائد سلف اور علم کلام میں سلامتی کا راستہ:

فرمایا کہ حضرات متکلمین نے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ در حقیقت اہل بدعت والحاد کی مدافعت [اور ان کے جواب میں] ہے اس کو علمی اصطلاح میں صرف منع

(یعنی ابداء احتمال) کے درجے میں رہنا چاہیے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی صورت ہو تو یہ ممکن اور محتمل ہے، محال نہیں۔ یہ نہیں کہ واقع میں عنداللہ ایسا ہی ہے۔ مگر ہو یہ گیا کہ متاخرینِ متکلمین بجائے مانع بننے کے مدعی بن بیٹھے۔ اور اپنے پیدا کئے ہوئے احتمالات کو اسلام کے عقیدہ کا درجہ دے دیا۔

(اس کو ایک مثال سے سمجھئے اور کلام کے ایک مشہور مسئلے کو لے لیجئے، کہ جسم کی ترکیب میں بمقابلہ فلاسفہ متکلمین نے کہا ہے کہ جسم اجزاء لایتجزأ سے مرکب ہے۔ ہیولیٰ اور صورت سے نہیں۔ یہ بات اس لیے اختیار کی گئی کہ فلاسفہ کے قول کے مطابق ہیولیٰ اور صورت سے جسم کو مرکب مانا جائے تو اس کے نتیجہ میں اس کو قدیم ماننا لازم آتا ہے۔ متکلمین نے ایک دوسرا احتمال یہ پیش کیا کہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ اجزاء لایتجزأ سے مرکب ہو۔ اس کو اگر صرف احتمال کے درجے میں رکھا جاتا تو درست تھا۔ مگر متاخرین نے اس کو ایسے انداز میں پیش کیا کہ گویا یہ اسلام کا عقیدہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلامی عقیدہ کے لیے قطعی الثبوت دلائل کی ضرورت ہے۔ وہ اس مسئلے کے لیے موجود نہیں)۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اس لیے میں تو یہ کہتا ہوں کہ علم کلام کو صرف مدافعت اہل بدعت اور منع اصطلاحی یعنی احتمال و امکان کے درجے میں رکھنا چاہیے۔ اور عقائد کو مثل سلف صالحین کے ان مباحث سے سادہ رکھنا چاہیے۔ (جلد ۲۴۔ص:۱۵۹)

لوگوں پر سب وشتم کرنے والا برکات باطنیہ سے محروم رہتا ہے:

ارشاد فرمایا کہ جو شخص سب وشتم اور دوسروں پر لعن طعن میں مشغول ہوگا، اس کو باطنی برکات کبھی حاصل نہ ہوں گی۔ کیونکہ دوسروں کی عیب گوئی یا سب وشتم کا مشغلہ وہی بنا سکتا ہے جو خود اپنے انجام سے بے خبر غافل ہو۔ اور جس شخص کو اپنی فکر ہوتی ہے تو اس کو ہر وقت اپنی ہی کشتی ڈانواں ڈول نظر آتی ہے۔ دوسروں کے معاملات میں مداخلت کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ (جلد ۲۴۔ص:۱۶۱)

علم میں برکت بزرگان سلف کے ادب سے ہوتی ہے:

علمی تحقیقات پر زور دینے سے زیادہ فکر بزرگان سلف کے ادب و احترام کی کرنا چاہیے۔ اس سے اللہ تعالیٰ انسان میں ایک خاص بصیرت اور تحقیق کی شان بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔ (جلد ۲۴۔ص:۱۶۲)

محبت تو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے:

اور فرمایا کہ محبت تو حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔اس لیے محبت تو صرف اسی سے ہونی چاہیے۔ اور خلق اللہ پر شفقت ہونی چاہیے۔اور عارف کو عامۃً خلق پر شفقت سب سے زیادہ اس لیے ہوتی ہے کہ ان کو سرکاری چیزیں سمجھتا ہے۔اور کل مخلوقات کے ساتھ تعلق اس نظر سے رکھتا ہے کہ وہ سب حق تعالیٰ کی چیزیں ہیں۔ (جلد۲۴۔ص:۱۶۴)

حضرت گنگوہیؒ کا ایک کلمۂ حکمت:

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی آدمی رنج وغم سے بچنا چاہے، تو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ کسی سے کسی نفع کی توقع نہ رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری پریشانیوں کی بنیاد خیالی توقعات ہوتی ہیں۔ جب وہ پوری نہیں ہوتیں، تو رنج ہوتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ مقام صرف اللہ والوں ہی کو ہوسکتا ہے۔جن کی امید وبیم کا تعلق صرف ایک ذات حق تعالیٰ سے وابستہ ہوتا ہے۔

(جلد۲۴۔ص:۱۶۷۔۱۶۸)

وعظ وتبلیغ میں حق واضح، لیکن الفاظ ولہجہ نرم ہونا چاہیے:

فرمایا کہ ہمیشہ وعظ تبلیغ میں میری یہ عادت رہی ہے، کہ بات کتنی بڑی اور لوگوں کے مذاق کے خلاف ہو، مگر عنوان [یعنی اسلوب والفاظ] نہایت نرم اور حتی الامکان ایسا رکھتا تھا، کہ دل قبول کر لے۔لوگوں کو وحشت ونفرت نہ ہو۔اور دل آزار الفاظ سے ہمیشہ اجتناب کرتا تھا۔مخالفین کے جواب میں بھی ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔ اور اسی سے نفع ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک قصاب کی درخواست پر میں جونپور گیا۔انہیں کے مکان پر مہمان ہوا۔وہاں میرے پاس ایک خط نظم میں پہنچا جس میں چار چیزیں میرے متعلق لکھی تھیں۔

اول یہ کہ تم جاہل ہو۔دوسرے یہ کہ تم جلاہے ہو۔تیسرے یہ کہ تم کافر ہو۔ چوتھے یہ کہ وعظ کرنے بیٹھو تو پگڑی سنبھال کر بیٹھنا۔

میں نے کسی سے اس خط کا تذکرہ نہ کیا۔اگلے روز جب وعظ کا وقت آیا تو منبر پر بیٹھ کر میں

نے لوگوں سے کہا صاحبو! وعظ سے پہلے مجھے آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجھے یہ خط ملا ہے۔ اس میں چار چیزیں ہیں۔ پہلے جزو کے متعلق تو مجھے اس لیے کچھ کہنا نہیں ہے کہ یہ صاحب مجھے جاہل لکھتے ہیں۔ اور میں خود اپنے اجہل ہونے کا معترف ہوں۔ اسی طرح دوسرے جزو کے متعلق بھی کچھ کہنا نہیں ہے کیونکہ اول تو جلاہا ہونا کوئی عیب نہیں۔ اور اگر کسی درجہ میں ہو، بھی تو وہ غیر اختیاری امر ہے، جیسے کوئی اندھا یا کانا ہو، تو مآل [وانجام] اس کا بھی یہی ہے کہ یہ کوئی قابل بحث بات نہیں۔ دوسرے یہ کہ میں یہاں کوئی شادی کرنے تو نہیں آیا کہ میں نسب کی تحقیق کراؤں۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی کو بلا وجہ میرے نسب ہی کی تحقیق کرنا ہو، تو میں اپنی زبان سے کیا کہوں، میرے وطن کا پتہ اور وہاں کے عمائد کے نام دریافت کر کے ان سے تحقیق کر لیں کہ میں جلاہا ہوں یا کون؟ اسی طرح تیسرے جزء کے متعلق بھی مجھے مشورہ کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ پچھلی حالت کے متعلق مجھے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر تھا یا مسلمان۔ میں اس وقت سب کے سامنے کلمہ پڑھتا ہوں اشھد ان لا الا اللہ محمد رسول اللہ. اب تو مسلمان ہو گیا۔ اور جب تک ایمان کے خلاف کوئی بات مجھ سے ظاہر نہ ہو، اس وقت تک مسلمان ہی کہا جائے گا۔

البتہ چوتھے جزء کے متعلق مجھے آپ حضرات سے مشورہ کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وعظ میں میرا معمول ہمیشہ سے یہ ہے کہ بالقصد اختلافی مسائل بیان نہیں کرتا، بلکہ حتی الامکان ان سے بچتا ہوں۔ لیکن اگر دوران تقریر میں کہیں آ جاتے ہیں، تو پھر رکتا بھی نہیں۔ البتہ عنوان نرم اور ایسے الفاظ کا اہتمام کرتا ہوں کہ دل آزار نہ ہوں۔ اب اگر وعظ کہوں گا تو اسی آزادی کے ساتھ کہوں گا۔ اس کا نتیجہ پھر جو کچھ بھی ہو۔ اس لیے مشورہ طلب یہ امر ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ تو ہے نہیں اور مجھے شوق بھی نہیں، لوگوں کی درخواست پر کہہ دیتا ہوں، اب اگر آپ حضرات درخواست کریں اور مشورہ دیں تو میں کہوں ورنہ چھوڑ دوں۔ پھر فرمایا: آپ کو مشورہ میں مدد دینے کے لیے میں خود اپنی رائے بھی ظاہر کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ وعظ تو ہونے دیا جاوے۔ اور غالباً وہ صاحب بھی اس مجمع میں موجود ہوں گے جن کا یہ خط ہے۔ تو وہ جس جگہ کوئی ناگوار بات محسوس کریں، اسی وقت مجھے روک دیں۔ میں اسی وقت وعظ بند کر دوں گا۔ یا اگر اس میں ان کو کچھ حجاب مانع ہو، تو میں آج بعد ظہر مچھلی

شہر چلا جاؤں گا۔ میرے جانے کے بعد میرے وعظ کی خوب تردید کر دیں۔ یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ اپنی رائے بیان کریں۔ چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ آپ ضرور وعظ کہیں اور آزادی سے کہیں۔

میں نے وعظ کہا اور حسب عادت ترغیب وترہیب اور اصول شرعیہ بیان کیے۔ پھر ضمناً بعض فروع کی بحث آئی تو اتفاقاً اس میں بدعات ورسوم کا بھی ذکر آ گیا۔ تو خوب کھل کر بیان کیا۔ تمام مجمع محو حیرت تھا۔ ختم وعظ کے بعد جونپور کے ایک مشہور مولوی صاحب نے اتنا کہا کہ مولانا ان چیزوں کی تو حاجت نہ تھی۔ میں نے نہایت بے تکلفی کے ساتھ کہا کہ مجھے اس کی خبر نہ تھی، میں نے تو حاجت سمجھ کر بیان کیا۔ اگر آپ مجھے وقت پر متنبہ فرما دیتے تو میں نہ بیان کرتا۔ اب تو بیان ہو چکا۔ اب اس کا کوئی اور تدارک بجز اس کے نہیں کہ آپ دوسرے وقت اس کی تردید فرما دیں۔ اور اسی مجلس میں اعلان فرما دیں کہ فلاں وقت اس وعظ کی تردید کی جاوے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس پر کچھ نہ بولوں گا۔

مولانا عبدالاول صاحب جو جونپور کے فضلاء میں سے تھے، وہ کھڑے ہوئے اور مولوی صاحب کو ملامت کی کہ آپ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ اور پھر اعلان کے ساتھ فرمایا کہ صاحبو! آپ سب جانتے ہیں کہ میں مولودیہ ہوں، قیامیہ ہوں، لیکن حق بات وہی ہے جو مولانا نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے مکان پر لے گئے اور اپنے پاس مہمان رکھا۔ (جلد۲۴۔ص:۱۷۲۔۱۷۴)

شیخ کی ناراضی نقصان دہ ہے:

فرمایا: میرا تجربہ یہ ہے اور اس کے شواہد میرے پاس موجود ہیں، کہ شیخ اگر کسی سے ناراض ہو جاوے تو آخرت میں تو اس کی تباہی لازم نہیں۔ لیکن دنیا میں ضرور کسی عقوبت [سزا] میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (جلد۲۴۔ص:۱۸۱)

ایک بہت اہم افادہ:

ارشاد فرمایا کہ طاعات وعبادات کا بڑا فائدہ تو ثواب آخرت ہے۔ وہ جب کوئی عمل اس کے

شرائط وآداب کے ساتھ ادا کیا جائے اس پر ضرور مرتب ہوگا۔ان کا ایک دوسرا فائدہ خاص خاص اعمال کے آثار وبرکات ہیں، جن کا ظہور دنیا ہی میں ہوتا ہے۔مگران آثار کے مرتب ہونے کی شرط یہ ہے کہ عمل کرنے کے وقت ان آثار کے ترتب کی نیت بھی کرے۔ عام طور پر جن لوگوں کو یہ آثار حاصل نہیں ہوتے، اکثر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی نیت ان آثار کی نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کا یہ اثر قرآن کریم میں منصوص ہے کہ اس سے انسان کو تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوجاتی ہے۔ یہ جبھی حاصل ہوگا جب نماز کو شرائط وآداب کے ساتھ ادا بھی کرے اور یہ نیت بھی رکھے کہ نماز کی وجہ سے مجھے دوسرے گناہوں سے بچنے کی ہمت بھی ضرور ہوجائے گی۔ (جلد۲۴۔ص:۱۸۳)

حضرت حاجی امداد اللہؒ کی ایک اہم وصیت:

فرمایا کہ حاجی صاحبؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ بھائی کسی سے الجھنا نہیں۔ جب کسی کام میں جھگڑا ہوتو اس کو چھوڑ کر الگ ہوجانا۔ پھر فرمایا کہ میرا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔ (جلد۲۴۔ص:۱۸۷)

قطب الارشاد کی علامت:

فرمایا کہ قطب الارشاد کی علامت یہ ہوتی ہے، کہ جو شخص اس کا معتقد نہ ہو بلکہ اعتراض کرتا ہو، وہ خاص فیوض وبرکات سے محروم رہتا ہے۔مگر حرمان ہوتا ہے خسران نہیں۔ یعنی نجات اس پر منحصر نہیں مگر ترقیات باطنی نہیں ہوتیں۔ (جلد۲۴۔ص:۱۹۱)

ایک اہم ہدایت:

فرمایا کہ کام کرنے سے راستہ کھلتا ہے اس انتظار میں نہ رہے کہ پہلے سے راستہ نظر آئے تو آگے قدم رکھے۔ (جلد۲۴۔ص:۱۹۳)

ایک اہم نصیحت:

فرمایا کہ بہت سے لوگوں کو یہ فکر رہتی ہے کہ ہم مرجع خلائق بنیں۔ خوب سمجھ لو کہ مرجع بننا کوئی کمال نہیں۔ اصل کمال راجع بننے میں ہے یعنی اللہ کی طرف رجوع ہونے والا بنے۔ پھر وہ چاہیں کسی کو مرجع بھی بنادیں یا نہ بنادیں۔ دونوں میں خیر ہی خیر ہے۔ جو حالت پیش آجائے اس پر راضی

اور شاکر رہنا چاہیے۔ (جلد ۲۴۔ص:۱۹۴۔۱۹۵)

لوگوں کو تکلیف سے بچانے کا اہتمام:

ارشاد فرمایا کہ میں سفر میں اپنا سامان خود نہ اٹھاتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ساتھیوں کو اس میں تکلیف ہوتی، وہ دوڑتے اور تشویش میں پڑتے۔ میں جب کبھی صبح کو سویرے خانقاہ میں آجاتا ہوں، تو جو شخص رات کو سردی میں حفاظت کے لیے سوتا ہے، اس کو خود نہیں جگاتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنے وقت پر اطمینان کے ساتھ نہ اٹھ جاتا، اس وقت تک باہر مسجد میں بیٹھا رہتا۔ (جلد ۲۴۔ص:۱۹۹)

وعظ میں تاثیر دل سوزی اور خیر خواہی سے ہوتی ہے:

مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کتاب دیکھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ مگر مجمع پر اثر حیرت انگیز ہوتا تھا۔ لوگوں نے اس اثر کی وجہ پوچھی۔ تو فرمایا کہ جب میں کوئی بات کہتا ہوں، تو میری دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے سب اس کے مطابق کام کرنے لگیں۔ یہ بالکل صحیح ہے:

ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد

وعظ و نصیحت کے مؤثر ہونے میں واعظ و ناصح کا خیر خواہ اور دل سے طالب اصلاح ہونا سب سے زیادہ اہم شرط ہے۔ (جلد ۲۴۔ص:۲۰۵)

عوام کا دین و ایمان علماء سے رابطہ اور اعتقاد پر موقوف ہے:

ارشاد فرمایا کہ جب کوئی عامی آدمی علماء پر اعتراض کرتا ہے تو اگر وہ اعتراض صحیح بھی ہو، جب بھی یہ جی چاہتا ہے کہ علماء کی نصرت کروں۔ جو بظاہر عصبیت ہے۔ مگر میری نیت درحقیقت یہ ہوتی ہے، کہ عوام علماء سے غیر معتقد نہ ہوں۔ ورنہ ان کے دین ایمان کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ (جلد ۲۴۔ص:۲۰۸)

علمائے حق کا اپنے مخالفین کے ساتھ معاملہ:

فرمایا کہ جب کوئی شخص میری کسی کتاب کا رد لکھتا ہے، تو جب وہ میرے پاس آتا ہے، تو اول نظر میں میرا خیال یہی ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ اس کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں کہ مجھ

سے کیا غلطی ہوئی، تا کہ اس سے رجوع کر کے تصحیح کروں۔ اس کا جواب دینے کی نیت سے نہیں دیکھتا۔ (جلد۲۴، ص:۲۱۱)

اکابر دیوبند کا مسائل اجتہادیہ میں توسع:

حضرتؒ نے فرمایا کہ جب میں کانپور میں حدیث پڑھاتا تھا، تو میرے دل میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ترجیح قائم ہوگئی۔ چنانچہ اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ مگر اپنے کسی عیب وصواب کو اپنے بزرگوں سے چھپانا مجھے کبھی پسند نہیں تھا۔ اس لیے یہ واقعہ خط میں حضرت گنگوہیؒ کو لکھ کر بھیج دیا۔ اس کے جواب میں حضرتؒ نے مجھے کچھ نہیں فرمایا۔ مگر چند روز ہی گزرے تھے، کہ پھر خود بخود دل میں ترکِ فاتحہ خلف الامام کی ترجیح قائم ہوگئی۔ اور اس کے مطابق عمل کرنے لگا۔ اس کی بھی اطلاع حضرت گنگوہیؒ کو کر دی۔ آپ نے اس پر بھی کچھ نہیں فرمایا۔ (جلد۲۴۔ص:۲۱۳)

اجتماعی کام کی مشکلات:

فرمایا کہ آج کل مسلمانوں کے اجتماعی کام آفتوں اور فتنوں سے خالی نہیں۔ اول تو اجتماع ہی نہیں ہوتا۔ اور ہو بھی تو قلوبهم شتّٰی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس لیے اب میں تنہا کرنے کا جو کام ہے، وہ تو کر لیتا ہوں۔ جو مجمع پر موقوف ہو اس کے درپے نہیں ہوتا۔ (جلد۲۴۔ص:۲۱۳)

اختلاف میں سخت زبانی کا دینی نقصان:

کسی قوم یا کسی مذہب کے لوگوں پر زیادہ تشدد اور تعدی کرنا، سخت الفاظ کہنا، خود کہنے والے کے لیے مضر ہوتا ہے۔ مجھے اس کا بہت تجربہ ہوا ہے۔ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی پہلے پکے حنفی اور حنفیوں کے مفتی اور قاضی تھے۔ اور غیر مقلدوں کو بہت برا کہتے اور سخت سخت الفاظ کہا کرتے تھے۔ پھر خود غیر مقلد ہو گئے تو مقلدوں کو سخت برا کہنے لگے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی شان میں بھی گستاخانہ الفاظ کہتے تھے۔ اسی لیے حضرت گنگوہیؒ ان سے بہت ناراض تھے۔ مگر عدل کی صفت غالب تھی۔ اس لیے جب حضرت گنگوہیؒ کے سامنے کوئی ان کو برا کہتا تو ان کی طرف سے تاویل کرتے تھے۔ (جلد۲۴۔ص:۲۱۴)

نسبت ولایت کی تعریف:

فرمایا کہ اصطلاح صوفیہ میں جس کو نسبت کہا جاتا ہے وہ اُس تعلق مع اللہ کا نام ہے، جس کے لوازم میں سے دو چیزیں ہیں۔ ایک دوام طاعت، دوسرے کثرت ذکر۔ ذکر کے ساتھ دوام اس لیے نہیں کہ وہ انسان کے بس میں نہیں۔ البتہ طاعت یعنی اطاعت احکام اِس پر دوام انسان سے ہوسکتا ہے۔ اور فرمایا کہ ولی سے معصیت کا صدور ہوسکتا ہے، مگر اس صدور معصیت کے ساتھ بھی یہ نسبت خاصہ باقی نہیں رہتی۔ البتہ توبہ کرنے سے پھر عود کر آتی ہے۔ (جلد۲۴۔ص:۲۲۷)

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فیضان:

فرمایا کہ جب میں نے اول اول حدیث پڑھانی شروع کی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں اور حضور ﷺ بالکل متحد ہیں۔ اور اس وقت مجھ پر علوم ومعارف کے عجیب دروازے کھلتے تھے۔ [اس ارشاد کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے شدت محبت اور اتباع کامل کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح مبارکہ سے ایک خاص قسم کی مناسبت پیدا فرمادیتے تھے۔ جس کا فیض یہ ہوتا تھا کہ عجیب علوم ومعارف کھلتے تھے]۔ (جلد۲۴۔ص:۲۴۶)

دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے استعفیٰ:

فرمایا کہ میں مجبور ہوکر استعفاء دیتا ہوں۔ کیونکہ لڑنے جھگڑنے کی عادت نہیں۔ لیکن الحمدللہ ضابطہ کا تعلق قطع کررہا ہوں۔ رابطہ کا تعلق قطع نہیں۔ بلکہ شاید اور بڑھ جائے۔ اور فرمایا کہ فتنہ اور اختلاف امت کے خوف کے وقت اپنے آپ کو معزول کرلینے کی سنت حضرت حسنؓ سے ثابت ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے عمل کی تقریر وتصویب بھی قولاً ثابت ہے۔ بایں ہمہ یہ توقع ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مدرسہ اسی طرح رہے گا۔ بزرگوں کے اخلاص ومحبت کی برکات اس میں موجود ہیں۔ (جلد۲۴۔ص:۲۴۷)

ضیاء القلوب میں ذکر ومراقبہ وغیرہ کی شرائط کا درجہ:

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے ضیاء القلوب حضرت حاجی صاحبؒ سے سبقاً پڑھی ہے۔ اس میں جتنی قیود ذکر کے لیے لکھی ہیں، سب کے متعلق فرمایا کہ غیر ضروری ہیں۔ اور بعض طبائع تو ان

قیود سے مشوش [و پریشان] ہوجاتی ہیں۔ [اصل چیز توجہ الی اللہ ہے، بس وہ جس قدر کم سے کم قیود اور ہیئتوں سے حاصل ہوجائے کافی ہے۔] (جلد۲۴۔ص:۲۵۰)

ساری عمر کا وظیفہ:

ایک مرتبہ بہت سے حقائق و معارف کا بیان کرنے کے بعد فرمایا: اور آخری بات یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو مریض سمجھے۔ اور علاج کرتا رہے۔ اور استغفار کرتا رہے۔ اور اس فکر میں نہ پڑے کہ کتنا اچھا ہوا، کتنا مریض ہوں۔ معالجہ اور استغفار کرتا رہے ساری عمر اسی طرح ختم کردے۔

تواضع نہیں، تو کچھ نہیں:

فرمایا کہ جو اس طریق (تصوف) میں داخل ہوا اور اس کو تواضع نصیب نہ ہوئی تو اس کو اس طریق سے کچھ حصہ نہیں ملا۔ (جلد۲۴۔ص:۲۵۴)

اخلاص کے ہدیہ میں نور ہوتا ہے:

ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جو چیز حبّ فی اللہ کی بناء پر اخلاص کے ساتھ آئے، اس میں نور ہوتا ہے۔ اس کو ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ (جلد۲۴۔ص:۲۵۴)

قلب کی نگرانی ہر وقت رکھنا چاہیے:

ارشاد فرمایا کہ اس طریق تصوف میں قلب کی ایسی حالت ہے جیسے چھوئی موئی۔ ہر وقت نگرانی اور رذائل سے تحفظ کی ضرورت ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو دیکھا گیا کہ پانی کا مشکیزہ کاندھے پر لادے ہوئے جارہے ہیں۔ سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ دوسرے ملکوں کے وفود آئے ہوئے تھے۔ اس وقت دربار کی ایک شان بن گئی۔ خطرہ پیدا ہوا کہ قلب میں عجب و تکبر پیدا نہ ہوجائے۔ اس کا علاج کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ (جلد۲۴۔ص:۲۵۹۔۲۶۰)

حدود کے اندر خوش پوشاکی عیب نہیں:

ایک صاحب یہاں آئے تھے، مجھ میں دو عیب لگائے۔ ان کو میرے حقیقی عیبوں کی تو خبر نہ تھی۔ [ان میں] ایک عیب یہ تھا کہ خوش پوشاک ہیں۔...... میں کہتا ہوں کہ اول تو خوش پوشاک ہونا کوئی

عیب نہیں۔ اگر حق تعالیٰ کسی کو مال دیں اور وہ اچھا کپڑا پہنے تو اس میں حرج کیا ہے؟ دوسرے میں خوش پوشا کی کا اہتمام کبھی نہیں کرتا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی چکن خرید کر پہنی ہو۔ بلکہ جب خود بناتا ہوں تو سادہ ململ لٹھے کا بناتا ہوں۔ اور دل تو یہ چاہتا تھا کہ گاڑھا (کھدر) پہنوں۔ مگر ایک مرتبہ (کھدر) کا کرتہ میں نے پہن لیا، تمام بدن میں مرچیں لگنے لگیں۔ معلوم ہوا کہ میں اس کا متحمل نہیں۔ ہاں، لوگ جو لباس بنا کر بھیجتے ہیں، اس میں یہ معمول ہے کہ اگر بنانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کرتے ہیں، تو تکلف کے کپڑے کو منع کرتا ہوں۔ اور بلا اطلاع بنالائیں تو دیکھتا ہوں اگر میری حیثیت سے بہت زیادہ ہو تو نہیں پہنتا۔ اور کچھ تھوڑا سا زائد ہو تو پہن لیتا ہوں۔ (جلد ۲۴۔ص:۲۶۹)

[غور کرنے کا مقام ہے: اس گفتگو میں چوں کہ اپنی طرف سے ایک عیب کی نفی فرمائی گئی ہے، اس لیے آغاز ہی میں اس سراپا کمال ہستی نے یہ اعتراف کرنا ضروری سمجھا کہ ''اُس عیب چیں کو میرے حقیقی عیبوں کا پتہ نہیں''۔ اللہ اکبر! سچ ہے، عارفین کا طرز فکر و کلام ہی اور ہوتا ہے۔ یحییٰ]

دنیا میں کسی کے تعلق پر بھروسہ نادانی ہے:

فرمایا کہ دنیا میں اس طرح رہنا چاہیے کہ اس کا کوئی نہیں، بالکل اکیلا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حال نصیب تو نہیں، مگر تمنا ضرور ہے۔ احقر جامع [یعنی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ] کہتا ہے کہ اس کے کچھ دن کے بعد حضرت قدس سرہ نے ایک تنہائی کے موقع پر مجھ سے ذکر فرمایا کہ الحمدللہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہوں۔ تعلقات وعلائق سب سے ہیں اور سب کے حقوق ادا بھی کرتا ہوں، مگر پھر اپنے کو تنہا پاتا ہوں۔ (جلد ۲۴۔ص:۲۷۴)

لباس میں تکلف بیکاری اور پست ہمتی کی علامت ہے:

ارشاد فرمایا کہ میں جب کسی کو دیکھتا ہوں کہ لباس پوشاک میں تکلف کا پابند ہے، تو دو چیزوں پر استدلال کرتا ہوں ایک یہ کہ نکما آدمی ہے۔ دوسرے یہ کہ بہت پست حوصلہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ کام کا ہوتا اور کسی بڑے مقصد کی طرف ان کی نظر ہوتی تو اس میں وقت ضائع نہ کرتا۔

(جلد ۲۴۔ص:۳۱۲)

متفرق انتظامی کام کاملین کی جمعیت خاطر کو برباد نہیں کر سکتے:

فرمایا کہ ایک مرتبہ مدرسہ دیوبند میں ایک جلسہ ہونے والا تھا۔ جس کے انتظام میں مدرسہ کا پورا عملہ لگا ہوا تھا۔ مگر میں نے مہتمم مدرسہ مولانا رفیع الدین صاحب کو دیکھا کہ نہایت اطمینان سے اپنے معمولات میں مشغول ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت پر اس وقتی انتظام اور اسکے متفرق معاملات کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا۔ جو عام لوگوں کی عادت کے خلاف ہے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ انتظام ہی کیا ہے، اگر سلطنت کا انتظام ہمارے سپرد کر دیا جائے، تو اس کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اسی شان سے اطمینان کے ساتھ انجام دیں گے۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ...... حقیقت یہی ہے کہ کاملین جن کا تعلق اور رابطہ حق تعالی کے ساتھ مضبوط اور راسخ ہو جاتا ہے، پھر دنیا کے ہزار انتظامات کا تفرّق وتشتت [اور انتشار و پریشانی] بھی ان کے اطمینان اور جمعیتِ خاطر کو برباد نہیں کر سکتے۔ (جلد۲۴۔ص:۳۲۹)

☆☆☆

انتخابات ملفوظات حکیم الامت

جلد ۲۵

جمیل الکلام، اسعد الابرار، آئینۂ تربیت

جامع: حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ حضرت مولانا جمیل احمد تھانویؒ

مولانا عبد الحی صاحب رحمہ اللہ

اپنے بڑے کے سامنے کمال کا اظہار گستاخی ہے:

ایک صاحب نے مجھ کو عربی میں خط لکھا۔ اور اپنی اصلاح کی درخواست کی۔ میں نے لکھ دیا کہ مفید کا مستفید سے اکمل ہونا ضروری ہے۔ میں عربی میں اچھی طرح لکھ نہیں سکتا۔ آپ لکھ سکتے ہیں۔ ایک صاحب نے اس کی توجیہ میں یہ لکھا کہ عربی اہل جنت کی زبان ہے اور محبوب ہے، اس لیے عربی میں لکھا ہے۔ تو میں نے لکھا کہ قسم کھا کر لکھو کہ یہ نیت تھی۔ اور اگر یہی داعی ہے تو جب یہاں آؤ گے تو کیا گفتگو بھی عربی ہی میں کرو گے؟ (جلد ۲۵۔ ص: ۱۸)

نسبتوں کا رواج:

فرمایا: آج کل نسبتوں کا بہت رواج ہو گیا ہے، جیسے فاروقیؔ، چشتیؔ، وغیرہ۔ مجھے تو برا معلوم ہوتا ہے۔ چاہے نیت تفاخر کی نہ ہو، مگر صورت تو ضرور ہے۔ (جلد ۲۵۔ ص: ۲۶)

توسل کی حقیقت اور امام ابن تیمیہؒ کا موقف:

ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ جو کہتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ ہمارا یہ کام فلاں بزرگ کے واسطے سے کر دیجیے۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور واسطہ کے کیا معنی؟ اخیر عمر میں حضرت کی ظاہری بینائی نہیں رہی تھی اور آواز سے پہچانا نہیں اس لیے دریافت فرمایا کہ کون دریافت کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا اشرف علی۔ حضرت کو میرا نام سن کر اپنے حسن ظن کی وجہ سے تعجب ہوا فرمایا تم پوچھتے ہو؟ میں خاموش ہو گیا اور پھر دریافت نہیں کیا کیونکہ میں نے قرائن سے سمجھ لیا کہ حضرت کو اس وقت جواب میں نشاط نہیں۔ لہٰذا دوبارہ سوال کر کے بار ڈالنا ادب کے خلاف ہے۔...... تحصیل درسیات میں بھی میرا یہی معمول رہا ہے کہ استاد کو جب بشاش نہیں دیکھتا تھا تو دریافت نہیں کرتا تھا۔...... [توسل کے سلسلے میں] پھر حضرت گنگوہیؒ سے سوال نہیں کیا۔ چند روز کے بعد ایک روز میں خانقاہ سے مکان جا رہا تھا، اور حوض والی مسجد کے قریب پلکھن کے نیچے پہنچا تھا تو خود بخود حضرت گنگوہیؒ کی برکت اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مطلوب سمجھ میں آ گیا۔ الحمد للہ ایسے مواقع خوب یاد ہیں جہاں پر اس قسم کی علمی نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔

اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب عود فرمایا کہ اول میں ابن تیمیہ کا مذہب بیان کیے دیتا ہوں۔ پھر توسل کی حقیقت عرض کروں گا۔ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ توسل اعمال صالحہ سے تو مطلقاً جائز ہے۔ اور اعیان میں تفصیل ہے، کہ اگر وہ زندہ ہوں تو بایں معنی جائز ہے کہ ان سے دعا کی درخواست کی جاتی ہے۔ اور اموات سے ناجائز۔ کیونکہ وہاں یہ معنیٰ متحقق نہیں۔ اور اس پر احادیث سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ توسل بالاعمال کے جواز پر بخاری کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تین آدمی ایک غار میں بند ہو گئے تھے اور تینوں میں سے ہر ایک نے اپنے ایک ایک عمل سے توسل کیا۔ یعنی اس کا واسطہ دے کر نجات کی دعا کی۔ اور وہ دعا قبول ہو گئی۔ پھر توسل بالاعیان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے استسقاء میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے تو توسل کیا، جس کے وہی معنی ہیں کہ ان سے دعا کی درخواست کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل نہیں کیا۔ اگر غیر احیاء سے توسل جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے توسل کو اختیار فرماتے۔

جمہورِ علماء نے اس اخیر جزو کے متعلق بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباسؓ سے اس لیے توسُّل کیا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جائز ہے ہی، غیر نبی کے ساتھ بھی جائز ہے۔ نہ یہ کہ موتیٰ [یعنی مُردوں] کے ساتھ توسل ناجائز ہے۔ غرض ابن تیمیہؒ موتیٰ کے ساتھ توسل کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں۔

اور جس طرح ابن تیمیہؒ نے اس کی ممانعت میں غلو کیا ہے، اسی طرح بعض جاہل صوفیوں نے جانبِ جواز میں افراط سے کام لیا ہے۔ وہ مردہ کو مخاطب کر کے اس سے حاجتیں مانگتے ہیں۔ اور ایک درجہ بین بین ہے، کہ مردہ سے حاجت تو نہ مانگے۔ مگر اس سے یہ کہے کہ تم ہمارے واسطے دعا کرو، سو اس کا بھی کہیں ثبوت نہیں۔ اور میں اس کو ناجائز تو نہیں کہتا، لیکن چونکہ ثبوت نہیں ہے اس لیے احتیاطاً اس سے احتراز ہی چاہیے۔

ایک مرتبہ اس کے متعلق مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی سے میری تحریری گفتگو ہوئی ہے۔ میں نے ایک مضمون میں یہ لکھا تھا کہ اس قسم کے توسل کا نافع ہونا اس وقت ثابت ہو سکتا ہے، جب یہ ثابت ہو جائے کہ مردے دعا کرتے ہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تلاش کر کے ایسی روایات پیش کیں جن میں اموات کا احیاء کے لیے دعا کرنا منقول ہے۔ مگر میں نے جواب میں لکھا کہ احادیث میں صرف اتنا وارد ہے کہ کسی کے ثواب بخشنے پر موتیٰ اس واہب [ثواب بخشنے والے] کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ تو ان سے ایک خاص موقع پر خاص دعا کا ثبوت ہوا۔ حالانکہ آپ کا دعویٰ عام ہے۔ کہ جس حاجت کے لیے درخواست کی جائے، مردے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ خاص دلیل سے عام دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ یعنی احادیث سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ فلاں عمل کی وجہ سے وہ فلاں دعا کرتے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ جو دعا تم کہو گے وہ کریں گے۔ لہٰذا ادعویٰ بلا ثبوت ہی رہا۔ مولوی صاحب اس کی کچھ توجیہ کرنا چاہتے تھے۔ میں نے لکھ دیا کہ اب میں جواب کی حاجت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ آپ عموم دعا کی دلیل نہیں پیش کر سکے۔ اب آپ کو اختیار ہے خواہ رد کیجیے یا خاموش رہیے۔ دونوں کی تحریریں شائع ہو گئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ کیا عقیدہ رکھا جائے۔

اسی دوران میں میں نے مولوی صاحب کے صاحبزادہ کو لکھ دیا جو مجھ سے دینی تعلق رکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں میرا اور تمہارے والد صاحب کا اختلاف ہے۔ کسی ایک صورت پر اتفاق نہیں ہوا۔ اب تم مختار ہو، چاہے اپنے والد صاحب کا مسلک اختیار کرو۔ چاہے میری تحقیق اور رائے کو مانو۔ انہوں نے نہایت اچھا جواب لکھا کہ والد صاحب کا اور میرا تعلق دنیوی اور حسی ہے۔ اور آپ سے دینی اور معنوی ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی دینی ہے۔ اس لیے میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے گو اس مسئلہ میں اختلاف تھا۔ لیکن ان کو مجھ سے محبت بہت تھی۔ جب میرے بعض متعلقین حج کو جارہے تھے، اور میں بمبئی ان کو رخصت کرنے گیا، تو بمبئی میں ان کے صاحبزادے ملے۔ کہا کہ والد صاحب کا خط آیا ہے اس میں مجھے بتاکید لکھا ہے کہ میں آسائش کا مکان لے کر اس میں حضرت کو ٹھہراؤں اور ہر طرح کی خدمت کا اہتمام رکھوں۔ اگر حضرت نے قیام وطعام منظور نہ فرمایا تو وہ مجھ پر سخت ناراض ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے تین سو روپیہ ماہانہ کے کرایہ کا مکان تجویز کیا۔ اور میں نے اسی میں قیام کیا۔ یہ صاحبزادہ اپنے والد کے بہت فرمانبردار ومطیع تھے۔ اپنی ساری آمدنی ان کے سپرد کردیتے تھے۔ اور خود اگر کسی شے کی ضرورت ہوتی تو ان سے کہہ کر خرچ لے لیتے تھے۔ ان کی سکونت کا ایک مکان بمبئی میں تھا۔ ان کے والد نے پڑوس کی بے پردگی کی وجہ سے مکان کی ایک کھڑکی بند کردی تھی۔ والد صاحب بمبئی سے وطن چلے آئے۔ اور وہ پڑوسی بھی کہیں چلا گیا۔ اس وقت ان سے کہا گیا کہ اب اس کھڑکی کو کھول دو ہوا آئے گی۔ انہوں نے کہا توبہ، توبہ، میری کیا مجال کہ جس کھڑکی کو والد صاحب بند فرما گئے ہوں، اس کو میں کھول دوں۔ دیکھئے باوجودیکہ والد صاحب کے اس قدر اطاعت گزار تھے، لیکن مسئلہ توسل میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔

اس کے بعد پھر اصل مضمون کی جانب عود فرمایا کہ توسل بالاعمال کو تو ابن تیمیہؒ بھی جائز کہتے ہیں۔ اگر میں ان کے زمانہ میں ہوتا، یا وہ میرے زمانہ میں ہوتے، تو میں نہایت ادب سے عرض کرتا کہ حضرت! اس توسل بالاعمال کی حقیقت ہے کیا؟ میری سمجھ میں تو اس کی یہ حقیقت آئی ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اے اللہ فلاں عمل کے طفیل وصدقہ میں یہ کام کردے، تو اس کے یہ معنی

ہوتے ہیں کہ اے اللہ! یہ عمل آپ کے نزدیک محبوب ہے اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے عمل محبوب سے جس کو تلبُّس ہو [یعنی جو محبوب عمل کرتا ہو] اس پر خاص رحمت ہوتی ہے۔ اور اس عمل کے ساتھ ہم کو بھی کسب وصدور کا تلبّس ہے۔ لہٰذا اس تلبُّس پر جو وعدہ رحمت کا ہے، ہم آپ سے اس رحمت کو طلب کرتے ہیں۔

اس حقیقت کو سامنے رکھ کر، اگر کوئی توسل بالاعیان بھی کرے، تو توسل بالاعیان اور توسل بالاعمال میں کیا فرق ہے؟ پھر خواہ وہ اعیان احیاء ہوں، یا اموات؟ کیونکہ اب اس توسل بالاعیان کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ یہ بزرگ زندہ یا مردہ، آپ کے محبوب ہیں۔ اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے محبوب سے جس کو تلبُّس ہو اس پر رحمت ہوتی ہے۔ اور ہم کو ان بزرگ کے ساتھ عقیدت و محبت کا تلبس ہے۔ اس لیے ہم آپ کی اس رحمت موعودہ کے طلب گار ہیں۔ اب فرمائیے کہ اس میں احیاء اور اموات کا کیا فرق رہ گیا؟ مجھ کو یقین ہے کہ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ابن تیمیہؒ اگر زندہ ہوتے تو علی الاطلاق توسل بالاعیان الموتی [یعنی مردوں سے توسل] کی ممانعت سے رجوع فرما لیتے۔

(جلد ۲۵۔ص: ۱۲۴۔۱۲۸)

استغناء کے ساتھ شرافت کی انتہا:

ایک اور واقعہ یاد آیا کہ کرسی ضلع بارہ بنکی کے قریب ایک موضع ہے، انواری وہاں کے ایک صاحب میرے مرید تھے۔ اتفاقاً میرا کرسی جانا ہوا۔ اور لوگ ملے، مگر وہ ملنے نہیں آئے، بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہارے پیر آئے ہیں، تم ملنے نہیں گئے؟ شاید انکو خیال ہو (حالانکہ یہ گمان بالکل غلط تھا) جواب میں ارشاد ہوا کہ جہاں دو روپے پیش کیے سب ناراضی کافور ہو جائے گی۔ خیر، جب میں کرسی سے لکھنؤ کو واپس ہونے لگا، تو وہ گاؤں راستہ پر ہے، وہاں سڑک پر ملے۔ اور انہوں نے مجمع کے سامنے دو روپے پیش کیے۔ چونکہ یہ بزرگ وہاں کے زمیندار اور رئیس تھے۔ اس لیے میں نے خاموشی سے لے لیے تاکہ انکار سے ان کی سُبکی نہ ہو۔ مگر میں نے وہ دونوں روپے لکھنؤ پہنچ کر مولوی صادق الیقین صاحب کو دے دیے، کہ انہیں تنہائی میں پہنچا دیجیے گا۔ تاکہ ان کی عزت محفوظ

رہے اور میری طرف سے کہہ دیجیے گا کہ جو شخص دو روپیے لے کر خوش ہو جاتا ہو، اس کو دے دینا۔ یہ نشہ ہے روپیہ کا۔ (جلد ۲۵۔ص:۱۳۶۔۱۳۷)

روئیں روئیں سے اللہ نکلنا:

فرمایا: بعض لوگ فخر یہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارے ہر موئے تن [روئیں روئیں] سے اللہ اللہ نکلتا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی کمالِ باطنی یا مقبولیت کی علامت نہیں۔ اس قسم کی باتیں صرف مشق پر موقوف ہیں۔ ایسے ہی حبسِ دم کی مشق سے تصرفات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسے تصرفات کے لیے اسلام بھی شرط نہیں۔ چنانچہ جے پال جوگی وغیرہ کے واقعات مشہور ہیں۔ (جلد ۲۵۔ص:۱۴۴)

بزرگوں کی اتباع کہاں کرنی چاہیے:

یہ کلیہ ہر جگہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ بزرگوں کا اتباع احکام میں ہوتا ہے۔ امورِ انتظامیہ میں ضروری نہیں۔ بلکہ حالات وواقعات کے اختلاف [کے اعتبار سے] جو مناسب ہوگا کیا جائے گا۔ ہاں حدود شریعت سے کسی حال میں تجاوز نہ ہونا چاہیے۔ باقی اس قسم کے اعتراضات کی بالکل پرواہ نہ کرنا چاہیے کہ یہ بات فلاں بزرگ کے معمول کے خلاف ہے۔ اور وہ بات اس بزرگ کی عادت کے خلاف ہے۔ (جلد ۲۵۔ص:۱۶۸)

مسلمانوں کی ترقی کا راستہ:

کسی گاؤں میں ایک شخص تاڑ کے درخت پر چڑھ گیا۔ جب اوپر پہنچا اور زمین پر نظر پڑی تو بہت نیچی اور دور معلوم ہوئی۔ خود اترنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شور مچانا شروع کر دیا کہ مجھے اتارو۔ لوگ جمع ہو گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح اتاریں؟ اخیر میں گاؤں کے عقل مند جن کو بوجھ بجھکڑ کہتے تھے، بلائے گئے۔ دیکھ کر فرمانے لگے کہ ایک مضبوط سا رسا لاؤ اور اوپر پھینک دو۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی۔ پھر آپ نے اس شخص کو بلند آواز سے خطاب فرمایا کہ اس کو اپنی کمر میں اچھی طرح باندھ لو۔ بیچارے نے حکم کی بجا آوری کی۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ چند آدمی مل کر اس کو کھینچ لیں۔ چنانچہ وہ کھینچا گیا اور زمین پر گر کر مر گیا۔ لوگوں نے بوجھ بجھکڑ صاحب سے عرض کیا کہ حضور وہ

تو ملک عدم پہنچ گیا۔فرمایا ہم کیا کریں؟اس کی قسمت۔ ورنہ ہم نے تو سینکڑوں آدمیوں کو اسی تدبیر سے کنویں سے نکالا ہے۔اور ایک بھی نہیں مرا۔

تو جیسے اس مدعیِ عقل نے تاڑ سے اتارنے کو کنوئیں سے نکالنے پر محمول کیا۔ ایسے ہی لیڈر مسلمانوں کی ترقی کو دیگر قوم کی ترقی پر قیاس کر رہے ہیں۔لیکن اگر مسلمان نے غیر مسلم کا طریقہ اختیار کیا تو اور گڑھے میں گرے گا۔اور رہی سہی بھی کھو بیٹھے گا۔ہاں غیر مسلم اس طریقہ سے ترقی اختیار کر سکے گا۔

یقین کیجیے، مسلمانوں کی ترقی اور فلاح رضائے الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے۔بغیر رضائے الٰہی ہر قسم کی ترقی تنزل ہے۔اور رضائے الٰہی کا حصول اسلام ہی کی پابندی پر موقوف ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ حتی الامکان احکام شرعیہ کی ظاہراً و باطناً پابندی کرے۔خدائے عزوجل کے سامنے گریہ وزاری کرے، گڑگڑائے۔ اس طرز عمل سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد مسلمانوں کی حالت روباصلاح ہونے لگے گی اور پھر ترقی مطلوب تک پہنچنا دشوار نہ رہے گا۔

(جلد۲۵۔ص:۱۸۷)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ۲۶

الکلام الحسن

جامع: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ

سیاہی قلب کا اثر

ایک صاحب علم نے سوال کیا کہ قلب پر معصیت سے جو سیاہی ہوتی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا: اس کی حقیقت ہے ایک خاص قسم کی ظلمت جس کا اثر طاعات سے بے رغبتی ہو اور معاصی کی رغبت ہو۔ اور اس کے برخلاف اعمال صالحہ سے نور پیدا ہوتا ہے۔ اور نور کا معنیٰ حسّی روشنی نہیں ہے۔ بلکہ نور کی حقیقت ہے "ظاهر في نفسه ومظهر لغيره" اور اس کے کئی اقسام ہیں۔ ایک قسم کا نور جو عبادت سے پیدا ہوتا ہے، وہ وجدانی شے ہے۔ جس کا اثر ہے عبادت میں قلب کا انشراح اور رغبت اور معاصی سے نفرت۔

اس پر احقر (مولانا محمد حسن سلمہ ربہ) نے عرض کیا کہ قلب سے مراد شکل صنوبری ہے یا کچھ اور؟ تو فرمایا کہ صوفیہ کی اصطلاح میں قلب ایک لطیفہ ہے، جو مجرد ہے [یعنی وہ جسم نہیں، روحانی قسم کی شے ہے]۔ صوفیہ نے کشف سے اشیاءِ حادثہ میں پانچ چیزیں مجرد مانی ہیں۔ (۱) قلب (۲) روح (۳) سر (۴) خفی (۵) اخفی۔ یہ سب لطائف کہلاتے ہیں۔ اور [جسم میں] ان کے محل بھی تجویز کئے ہیں۔ اور بعض نے چھ لطائف لکھے ہیں، جن میں ایک نفس ہے۔ اور واقع میں وہ قوت مادّیہ باعث علی الشر [یعنی شر پر ابھارنے والا] ہے۔ لیکن تغلیباً اس کو بھی مجردات میں شمار کرلیا ہے۔

......اس پر احقر نے عرض کیا ان فی الجسد لمضغة سے تو جسم صنوبری ہی قلب کا مصداق معلوم ہوتا ہے۔فرمایا تلبّس [اور تعلق] کی وجہ سے جسم صنوبری کو قلب کہا جاتا ہے۔ اور اسی بناء پر اس کو مضغہ کہہ دیا گیا۔ ورنہ یہ سیاہی اور رین جو معاصی کی وجہ سے ہوتا ہے، وہ قلب مجرد ہی پر ہوتا ہے۔

(جلد۲۶۔ص:۴۷)

حضرت ابو طالب کہنے کا سبب:

فرمایا: میں حضرت ابو طالب کو بلا لفظ حضرت کے ذکر نہیں کرتا۔ صرف اس تلبس [و تعلق] کی وجہ سے جو ان کو حضور پر نور سرور کائنات ﷺ سے ہے۔ اور اسی تعلق کے سبب حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں گفتگو کرنے کو بہت خطرناک سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ایک حدیث میں ہے لا تسبوا الاموات فتؤذوا الاحیاء. اور ظاہر ہے کہ کسی کے والدین کو یہ کہنا کہ بدمعاش کافر تھے، اس سے اولاد کو طبعی طور پر رنج ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے حضور ﷺ کو بھی رنج ہوتا ہوگا۔ اور قرآن شریف میں ہے "ان الذین یؤذون الله ورسوله......" یعنی جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو ستاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے بارے میں بلا ضرورت گفتگو کرنا باعثِ تاذیِ رسول ہے۔ (جلد۲۶۔ص:۴۸)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں:

فرمایا: مولانا حسین احمد صاحب بہت شریف طبیعت کے ہیں۔ باوجود سیاسی مسائل میں اختلاف رکھنے کے، کبھی کوئی کلمہ خلاف حدود ان سے نہیں سنا گیا۔ (جلد۲۶۔ص:۵۴)

یقین کا مفہوم:

فرمایا: صوفیہ کے نزدیک یقین کے معنی ہیں: اعتقاد جازم مطابق للواقع مع غلبۃ الحال۔

[یعنی حقیقت کا ایسا اعتقاد جس کا رنگ زندگی پر چڑھ جائے اور اسی کے مطابق انسان کی قلبی کیفیت ہو جائے۔ مثلاً اللہ کی عظمت وجلال اور آخرت کے وعدوں کا ایسا پر ایسا یقین جو جذبات کا رخ موڑ دے اور جس کا اثر دل کی کیفیات اور زندگی کی حالت پر پڑے]۔ (جلد۲۶۔ص:۵۷)

استسقاء کے لیے اذان کہنا بدعت ہے:

فرمایا: طاعون کے دفع کرنے کے لیے اذانیں کہنا بدعت ہے۔ اس طرح قبر پر دفن کے بعد بھی۔ اور اسی طرح بارش اور استسقاء کے لیے بھی بدعت ہے۔ (جلد ۲۶۔ص:۸۲)

قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے مردہ کوانس:

فرمایا: قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے مردہ کوانس ہوتا ہے۔ (جلد ۲۶۔ص:۹۴)

دم کرنے کا اثر:

ایک شخص نے کسی عضو کے درد کے لیے تعویذ مانگا۔ فرمایا: دوا یا پانی پر دم کرالو وہ بدن کے اندر جائے گا، جس سے زیادہ اثر کی امید ہے۔ (جلد ۲۶۔ص:۱۰۳)

دنیاوی ترقی بھی شرعاً واجب:

قرآن عزیز میں اسی نافع ترقی کا حکم ﴿فاستبقوا الخیرات﴾ میں فرمایا ہے۔ کیونکہ خیر نافع کو کہتے ہیں۔ باقی مولویوں پر جو شبہہ کیا جاتا ہے کہ مولوی تو جائز دنیوی ترقی کا بھی وعظ نہیں کرتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیوی ترقی کا وعظ جب کہتے، جبکہ تم لوگ اس کو نہ جانتے ہوتے۔ تو وعظ سے اس کی ضرورت کو بتلایا جاتا۔ تم تو خود اس قدر زیادہ اس میں مشغول ہو کہ حدود سے بھی نکل گئے ہو۔ پھر ہمارے وعظ کی آپ کو اس ترقی کے متعلق کیا ضرورت رہ گئی؟ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ تم جو حدود سے نکل گئے ہو، اس سے تم کو روکا جائے۔

مگر اللہ سے بغاوت کر کے دنیوی ترقی دھوکہ ہے:

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو نہایت تصریح کے ساتھ صاف کر دیا ہے۔ یعنی اول قارون کی دنیوی زندگی کا ذکر فرمایا ہے ﴿فخرج علی قومه فی زینته﴾ پھر دنیوی ترقی کے مقصود سمجھنے والوں کا قول نقل فرمایا ہے ﴿قال الذین یریدون الحیوة الدنیا یالیت لنا مثل ما اوتی قارون. انه لذو حظ عظیم﴾۔ اس کے بعد مولویوں کا جواب ہے۔ ﴿وقال

الـذيـن اوتـو الـعـلـم ويـلكم ثواب الله خير لمن آمن وعمل صالحا ولا يلقّٰها الا الـصـابرون﴾. یہ تو دنیاداروں اور دینداروں کے اختلاف کی حکایت تھی۔ آگے اللہ تعالیٰ ان میں فیصلہ فرماتے ہیں۔ اور فیصلہ بھی عملی فیصلہ۔ چنانچہ فرماتے ہیں ﴿فـخسفنا به وبداره الارض. فـما كان له من فئة ينصرونه من دون الله وما كان من المنتصرين﴾. جب اللہ تعالیٰ کا یہ عملی فیصلہ دیکھا تو دنیوی ترقی کے طالبوں کی رائے بدل گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿واصبـح الـذيـن تمنوا مكانه بالامس يقولون ويكاَن الله يبسط الرزق لمن يشاء من عباده ويقدر، لولا ان من الله علينا لخسف بنا. ويكاَنه لا يفلح الكافرون﴾. اور میں بقسم کہتا ہوں، کہ تم بھی عملی فیصلہ کے وقت اقرار کروگے، کہ مولوی ٹھیک کہتے تھے۔ مگر یہ فیصلہ کب ہوگا؟ جبکہ موت آوے گی۔ اس وقت اپنی غلطی کا اقرار کروگے کہ ہائے علماء حق پر تھے۔

(جلد ۲۶۔ص:۱۱۱۔۱۱۲)

جن کفار کو دین کی دعوت نہ پہنچی ہو؟:

فرمایا کفار کو اگر کسی جزائر وغیرہ میں مثلاً تبلیغ نہ ہوئی، تو وہ معذور ہوں گے۔ اور یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ میں نے تفسیر میں بھی اس کو درج کیا ہے۔ (اس کے بعد کتاب بیان القرآن سے اس مسئلہ کو پڑھ کر سنایا)۔ اور فرمایا کہ مولوی عبید اللہ سندھی نے حجۃ البالغۃ سے اس مضمون کو اخباروں میں درج کیا تھا، مگر گول مول۔ (جلد ۲۶۔ص:۱۱۴)

دفع جن کے لیے اذان و وظائف:

احقر نے عرض کیا کہ اگر کسی پر جن کا اثر ہو تو اذان مفید ہوگی یا نہیں؟ فرمایا: اس کے کان میں کہہ دے۔ امید ہے کہ فائدہ ہوگا۔ اور یا سورۂ والطارق پڑھ کر دم کردے۔ اور حمل کی حفاظت کے لیے والشمس وضحٰها اجوائن وسیاہ مرچ پر اکتالیس بار پڑھے۔ اور دودھ چھوٹنے تک تھوڑی تھوڑی روزانہ حاملہ کو کھلا دے۔ اور ہر والشّمس کے ساتھ درود شریف اور بسم اللہ بھی پڑھے۔

(جلد ۲۶۔ص:۱۱۵)

کفار کی دعا نہ قبول ہونے پر استدلال درست نہیں:

فرمایا:﴿وما دعاء الکافرین الا فی ضلال﴾ سے عدم اجابت دعاءِ کافر پر استدلال کرنا، جیسا بعض کا قول ہے،[صحیح نہیں]۔شبہہ سیاق وسباق پر نظر نہ کرنے سے پڑا ہے۔اس سے پہلے عذاب آخرت کا ذکر ہے [کہ کافروں سے کہا جائے گا کہ جہنم سے نکلنے کی دعا کریں]۔ ﴿وقال الذین فی النار لخزنة جهنم ادعوا ربکم الیٰ قوله قالو فادعوا﴾ ۔ [پھر کہا گیا] پس کافر جہنم سے نکلنے کی اگر دعا کریں،تو وہ دعا قبول نہ ہوگی۔ورنہ عام طور پر یہ حکم نہیں۔ چنانچہ ابلیس کی دعا قبول ہونا منصوص ہے۔ (جلد۲۶۔ص:۱۱۸)

خوف کی حد:

فرمایا:خوف ہر چند کہ مطلوب ہے۔مگر اس میں بھی ایک حد ہے۔یعنی خوف اتنا ہو جو معاصی سے روک دے۔اسی طرح شوق کی بھی ایک حد ہے۔اور اس حد کے لیے دو قیدیں بتلائی گئی ہیں اول من غیر ضراء مضرة دوسری ولا فتنةمضلة. قید اول میں ضرر بدنی مراد ہے،یعنی شوق اتنا زائد نہ ہو جس سے ضرر بدنی لاحق ہو۔جیسا مثلاً غلبۂ شوق سے بھوک نہ لگنا،جس سے نحیف ہو کر بے کار ہو جائے۔دوسری قید میں ضرر دینی مراد ہے۔فتنہ مضلّہ اس کا قرینہ ہے۔اس لیے کہ غلبۂ شوق میں بعض اوقات بے تکلفی اور گستاخی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا بعض مجذوبین سے صدور ہو جاتا ہے۔سو گستاخی کی حد تک شوق بڑھ جانا ضرر دینی ہے۔اس لیے یہ قید لگائی۔پس ہر چیز میں حدود ہونا چاہیے۔مگر یہ سب مقصود بالغیر میں ہے۔اور مقصود بالذات میں کوئی حد نہیں جیسے ایمان۔ (جلد۲۶۔ص:۱۲۱ تا ۱۲۲)

کسی فاسق کو حقیر نہ سمجھنا:

فرمایا: مجھ کو کبھی کسی فاسق کو دیکھ کر یہ خطرہ[خیال] نہیں ہوا کہ میں اس سے اچھا ہوں۔ہاں اس کے فسق کو تو برا سمجھتا ہوں۔مگر فاعل کو حقیر نہیں جانتا۔ (جلد۲۶۔ص:۱۳۴)

عالمگیرؒ صاحب نسبت تھے:

فرمایا: رقعات عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیرؒ صاحب باطن اور صاحب نسبت تھے۔ واقعی امر ہے کہ کورے آدمی کے ذہن میں ایسے مضمون نہیں آسکتے۔ اخیر وقت عالمگیرؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا کفن دستکاری کے روپوں سے مہیا کرنا۔ گو قرآن کی لکھائی کی اجرت بھی کچھ ہے۔ اور علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے، مگر بظاہر الفاظ یہ اشتراء بآیات اللہ ہے۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے کفن میں جا کر ملوں جس میں شبہہ ہے۔ (جلد ۲۶۔ص:۱۳۹)

اختیاری کاموں میں دعا کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے:

ایک شخص نے دعا کی درخواست کی۔ فرمایا: مقاصد دو قسم ہیں۔ ایک غیر اختیاری، جیسا بارش، وہاں صرف دعا ہی کافی ہے۔ اور ایک اختیاری، جیسے زراعت، تجارت وغیرہ، یہاں دعا کا اثر یہ ہے کہ تدبیر میں برکت ہو جاتی ہے۔ اس لیے تدبیر بھی کرنا چاہیے۔ (جلد ۲۶۔ص:۱۴۳)

قبور پر حاضری سے ارواح کو مسرت ہوتی ہے

فرمایا: ایصال ثواب تو قبور پر حاضر ہو یا نہ ہو دونوں طرح برابر ہے۔ لیکن حاضری سے ارواح کو مسرت ہوتی ہے۔ جیسا کوئی ڈاک کے ذریعہ سے روانہ کرے اور کوئی اپنے ہاتھ سے دے۔

(جلد ۲۶۔ص:۱۵۶)

انبیاء اور اولیاء بیدار مغز اور عاقل ہوتے ہیں:

ولایت چونکہ نبوت سے مستفاد (یعنی نبوت کا پرتو ہے) اس واسطے جو ولایت جس قدر نبوت کے مشابہ ہوگی، وہ کامل ہوگی۔ اور تمام انبیاء بیدار اور عاقل ہوئے ہیں کوئی بھولا نہیں ہوا۔ (ص:۱۵۷)

طریق باطن میں سب سے پہلے کبر کے ازالہ کی ضرورت ہے:

فرمایا: اس طریق (یعنی باطن میں ۱۲) میں سب سے اول کبر کا ازالہ ضروری ہے۔ پھر آگے رستہ صاف ہے چلے چلو۔ (جلد ۲۶۔ص:۱۵۷)

حصول محبت الٰہی کا اصل طریقہ:

فرمایا: حصول محبت کا اصل طریقہ اہل محبت کی مجلس ہے۔ اور ذکر اس کا معین ہے۔ اور ترک معاصی شرط ہے۔ (جلد۲۶۔ص:۱۵۹)

حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں فاقہ نہیں:

فرمایا: حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں فاقہ نہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ فلاں آدمی کو تنگی ہے۔ حیران ہوکر فرمایا کہ ہمارے یہاں تو فاقہ نہیں۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ مرید نہ تھا۔ خدا جانے بلا واسطہ مرید کے لیے یہ ارشاد ہے یا عام ہے۔ (جلد۲۶۔ص:۱۶۶)

حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں داخل ہونے کی برکت:

فرمایا کہ حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں اور مولانا رشید احمد صاحبؒ کے سلسلہ میں داخل ہونے سے حب دنیا فوراً جاتی رہتی ہے۔ اور فہم بھی صحیح ہو جاتا ہے اور فاقہ بھی جاتا رہتا ہے۔ خاتمہ اولیاء کی طرح ہوتا ہے یا بالخیر ہوتا ہے۔ (جلد۲۶۔ص:۱۶۶)

حضرت موسیٰؑ نے حضرت ملک الموت کو دھول کیوں ماری؟

فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ملک الموت کو دھول مارا۔ ہل علم کو اس کی وجہ میں اختلاف ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہچانا نہیں۔ ملک الموت انسان کی شکل میں آئے تھے۔ اور کہا کہ میں جان لینے آیا ہوں۔ تو مخالف جان کر دھول لگایا۔ دوسری دفعہ جان گئے اور تسلیم کیا۔ (جلد۲۶۔ص:۱۷۶)

بزرگوں کو مدعی تقدس پر زیادہ غصہ آتا ہے:

بزرگوں کو عاصی پر اتنا غصہ نہیں آتا، جتنا مدعی تقدس (جو شخص اپنے تقویٰ اور پرہیز گاری کا دعوی کرتا ہو) پر آتا ہے۔ کیونکہ یہ کبر ہے۔ اور کبر سب گناہوں کی جڑ ہے۔ (جلد۲۶۔ص:۲۰۰)

۱۲ ربیع الاول حضورﷺ کی تاریخ وصال نہیں:

فرمایا: ۱۲ ربیع الاول کو وفات کی تاریخ مقرر کرنی کسی طرح درست نہیں۔ کیونکہ حج حضورﷺ

کا ۹ ذی الحجہ یوم جمعہ کو ہوا۔ اور دوشنبہ کو انتقال ہوا۔ تو ۱۲ تاریخ کسی طرح نہیں بنتی۔ علی گڑھ کالج سے ایک طالب علم نے یہی سوال کیا۔ تو میں نے یہ جواب دیا کہ ۱۲ تاریخ حدیث سے ثابت نہیں۔ صرف دوشنبہ ہے۔ (جلد ۲۶۔ص:۲۰۳)

بیمار آٹھ رکعت تراویح پڑھ سکتے ہیں:

بیماروں کو تو کہہ دیتا ہوں کہ تراویح آٹھ پڑھو۔ مگر تندرستوں کو نہیں کہتا۔ (جلد ۲۶۔ص:۲۰۹)

دعا کی برکت سے سمندر سے شیریں پانی ملنا:

فرمایا کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ جہاز پر سوار تھے۔ شیریں پانی جو پینے کے لیے تھا وہ ختم ہو گیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ دعا کیجئے۔ فرمایا کہ ہماری دعا تو شیرینی سے چپکتی ہے۔ پھر شیرینی لائے اور دعا فرمائی۔ تو سمندر سے ایک موج اٹھی۔ تو فرمایا کہ اسے بھر لو۔ لوگوں نے پانی بھرا نہایت شیریں تھا۔ سمندر کے اندر ہی شیریں پانی ان کو مل گیا۔ (جلد ۲۶۔ص:۲۱۳)

شیخ سے محبت مفید ہے:

فرمایا کہ شیخ سے جتنی محبت مفید ہے، اتنی تعظیم مفید نہیں۔ (جلد ۲۶۔ص:۲۱۴)

ہمارے بزرگوں کی مثال دنیا میں نہیں:

احقر نے عرض کیا کہ ہمارے حضرات جیسے لوگ تو ہندوستان میں پہلے نہیں گزرے۔ فرمایا: بلکہ کل دنیا میں ان کی نظیر کا پتہ نہیں چلتا۔ (جلد ۲۶،ص:۲۳۰)

متکلمین کے مباحث بدعت ہیں:

مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ متکلمین کے مباحث بدعت ہیں۔ فرمایا: یہ صحیح ہے کیونکہ سلف میں یہ مباحث نہ تھے۔ مگر یہ مباحث اس عارضہ سے اختیار کئے گئے کہ فرق باطلہ کو جواب دینا پڑا۔ اب اگر ان کو کوئی بدرجۂ ذات مقصود [یا دین کا حصہ] سمجھے تو بدعت ہے۔ اگر اُس [مذکورہ] عارضہ سے مباحث میں مشغول ہو، تو جائز ہے۔ اس سے امام شافعیؒ کے قول کا مطلب بھی معلوم ہو گیا۔ کہ متکلم کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یعنی ایسے متکلم کے پیچھے جو ان مباحث کو مقصود سمجھے، کیونکہ وہ بدعتی ہے۔

اور دوسری جہت میں بدعتی نہیں۔ (جلد۲۶۔ص:۲۴۲)

دوام اور التزام میں فرق:

فرمایا: مستحب کام پر دوام تو کیا جائے، التزام [ضروری سمجھنا] نہ چاہیے۔ دوام اور شے ہے اور التزام اور شے۔ دوام جائز ہے اور التزام منع ہے۔ (جلد۲۶۔ص:۲۵۰)

علم کلام کے بارے میں نہایت اہم اصول:

علم کلام میں جو مباحث ہیں۔ وہ حقیقتاً درجہ منع میں ہیں۔ اور وہ فلاسفہ کے جوابات ہیں کہ تم جو کہتے ہو وہ غلط ہے۔ کیونکہ اس میں تمہارے قول کے علاوہ اور بھی چنداں احتمال ہیں۔ تمہارا کہنا معین اور قطعی نہ ہوا۔ اور اگر مباحث کلامیہ درجہ منع میں نہ ہوں، تو ان مباحث کے یقینی ہونے کا دعوی کرنا نہایت خطرناک ہے۔ کیونکہ نسبت کا علم موضوع کے علم پر موقوف ہے۔ اور موضوع کا علم چونکہ ہے نہیں، اس واسطے نسبت کا علم بھی نہ ہوگا۔ اور جب نسبت کا علم نہیں تو علم کا دعویٰ کرنا ﴿**لاتقف مالیس لک به علم**﴾ کے خلاف ہوگا۔ مثلاً اس کلام میں کہ ”**کلام الله لا عین ولا غیر**“۔ اس میں علم نسبت موقوف ہے علم موضوع پر۔ اور موضوع اس قول میں ”کلام اللہ“ ہے۔ ہم موضوع ہی کو نہیں جانتے تو **لا عین ولا غیر** کا قطعی ثبوت اس کے لیے کیسے ہوگا؟ اسی واسطے سلف نے ایسے مباحث میں گفتگو نہیں کی اور نہ [ان کے دور میں] اِن کی حاجت ہوئی۔ متکلمین نے ضرورت کے لیے گفتگو کی ہے۔ وہ بھی حق یہ ہے کہ درجۂ منع میں ہونی چاہیے۔ ان کو مستقل دعاوی نہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ نہایت خطرناک ہے۔

لیکن متکلمین متاخرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مباحثِ کلام کو مستقل دعاوی قرار دے کر ان پر دلائل قائم کیے ہیں۔ مگر یہ ہے نہایت خطرناک۔ (جلد۲۶۔ص:۲۵۷،۲۵۸)

ازالۂ کبر کا طریقہ:

ایک شخص نے خط کے ذریعہ سے کبر کا علاج دریافت کیا۔ فرمایا: ازالہ ممکن ہے۔ اور اس کی ضد تواضع وہ بھی ممکن ہے۔ کبر کا علاج یہ ہے کہ بار بار کبر کے عیوب یاد کرے، اور اس پر عقوبت [یعنی

سزا اور عذاب] یاد کرے۔ اور اپنے عیوب یاد کرے۔ اور جس کو ذلیل سمجھا اس کے کمالات یاد کرے۔اور صالحین کی حکایات یاد کرے۔ بار بار یاد کرنے سے عادت ہو جائے گی۔(جامع عرض کرتا ہے سبحان اللہ! ایسے لہجہ سے فرمایا، قربان ہی ہو جانا چاہیے) (جلد۲۶۔ص:۲۶۰ تا ۲۶۱)

خوف سے بعد عن المعاصی ہوتا ہے:

فرمایا: خوف سے جو بعد عن المعاصی ہوتا ہے، رجاء سے نہیں ہوتا۔اس واسطے ہمارے اکابر کی یہ تحقیق ہے کہ صحت میں تو خوف کا غلبہ اور عجز اور مرض میں رجاء کا غلبہ مفید ہوتا ہے۔اور یہ بھی حال کے درجہ میں ہونا چاہیے۔ یہ بات تو کمر توڑ دیتی ہے کہ خدا جانے میں کس فریق ہوں؟ کچھ ناز نہیں رہتا۔ (جلد۲۶،ص:۲۶۳)

گمنامی میں بڑی راحت ہے:

فرمایا: انسان خود شہرت کو طلب نہ کرے اس میں بہت نقصان ہے۔گمنامی میں بڑی راحت رہتی ہے۔...... ہاں، اگر خود بخود شہرت ہو جائے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔پھر وہ خود حفاظت فرماتے ہیں۔اور جو شہرت کو تلاش کرتا ہے، اس کی حفاظت خود اس کو کرنی پڑتی ہے۔

(جلد۲۶۔ص:۲۷۶)

حضرات مشائخ کے وجدان کو لغو نہیں سمجھنا چاہیے:

فرمایا: حضرات مشائخ کے وجدان کو لغو نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ وہ واقع کے مطابق ہوتا ہے۔

(جلد۲۶۔ص:۲۷۸)

حضرت حکیم الامتؒ کی غایت شفقت:

جلسہ خاص میں جب ایک حکیم تھانہ بھون کے تھے اور ایک احقر تھا، اپنے ضعف اور کثرت کام کے ذیل میں فرمایا کہ میں نے اس رمضان میں خلاف معمول تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ کیونکہ اس وقت اس علاقہ میں کوئی شخص یہ کام (اصلاح نفس) کرنے والا نہیں ہے۔قریباً ڈیڑھ گھنٹہ

سالکین کے خطوط کا جواب دیتا ہوں۔ اور جواب بھی صرف علمی توجیہ سے نہیں دیتا بلکہ شرح صدر سے جواب دیتا ہوں۔ اسی واسطے بعض لوگ یہ اقرار کرتے ہیں کہ جواب کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آگ پر برف رکھ دی۔ یہ تسلی اس واسطے ہوتی ہے کہ ادھر سے بھی پوری تسلی سے جواب دیا جاتا ہے۔ جب تک تسلی نہیں ہوتی جواب نہیں دیتا۔ بلکہ بعض دفعہ جب شرح صدر نہیں ہوتا پرچہ پاس رکھ لیتا ہوں۔ اور بعض دفعہ یہ کہہ دیتا ہوں کہ پرچہ کل پر ڈال دیا جائے۔ چونکہ مجھے شفقت بہت ہے۔ پوری دماغ سوزی کرتا ہوں۔ اس واسطے تکلیف بھی بہت ہوتی ہے۔

فرمایا: یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: **اوذیت فی اللہ مالم یؤذ احد** مجھے اللہ (کے دین کی تبلیغ کے بارے) میں جتنی تکلیف اٹھانی پڑی اتنی کسی اور پر نہیں پڑی۔ حالانکہ پہلے حضرات انبیاء علیہم السلام کو بظاہر تکالیف بہت ہوئی ہیں۔...... مگر حضور ﷺ کو شفقت بیحد تھی اور جس قدر شفقت زیادہ ہوتی ہے، اسی قدر تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اسی کے ذیل میں فرمایا: کہ ایک دفعہ گھر کے لوگ کچھ روز کے لیے کہیں چلے گئے تھے۔ اور گھر میں جو مرغیاں پلی ہوئی تھیں، ان کا صبح کو نکال دینا میں نے خود اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ ایک دن بھول گیا۔ پرچے سالکین کے لیکر جواب دینے لگا، تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ فوراً یاد آیا کہ گھر مرغے بند ہیں۔ پرچے چھوڑ کر گیا۔ جب کھول دیا، تو فوراً جواب سمجھ میں آ گیا۔ (جلد ۲۶۔ص: ۲۸۴، ۲۸۵)

محبت الٰہی کی ایک خاص حالت:

حکیم صاحب نے سوال کیا کہ اضمحلال تو نہیں؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے، اضمحلال تو مجھے کبھی نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ کے انعامات کا ہر وقت مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور فرمایا: اگر کسی کو حق تعالیٰ سے تعلق ہو، گو محبت سے نہ ہو ہیبت سے ہو، تو اس میں بے حد مزہ آتا ہے۔ اس کو کبھی اضمحلال نہیں ہوتا۔ جامع عرض کرتا ہے: لہجہ سے کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حق تعالیٰ سے محبت کا ایسا تعلق ہے کہ تجلیات حق تعالیٰ کا ہر وقت مشاہدہ رہتا ہے۔ اس واسطے کبھی بھی پریشانی نہیں ہوتی۔

(جلد ۲۶۔ص: ۲۸۵)

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ:

فرمایا: مجھ کو امام محمدؒ سے بہ نسبت امام ابو یوسفؒ کے بہت میلان ہے۔ (جلد ۲۶۔ص: ۲۸۷)

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا حق تعالیٰ سے غایت حسن ظن:

فرمایا: حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ قیامت کو جو حساب کریں گے وہی اللہ میاں ہوں گے جو دنیا میں رحمت فرماتے ہیں۔ وہ وہاں بھی رحم فرمائیں گے۔ پھر اطمینان ہونا چاہیے۔ جب چالیس سال تک یہاں گناہ دیکھتے رہے تو نہیں پکڑا۔ امید کہ وہاں بھی نہ پکڑیں گے۔ فرمایا: یہ علماء کے لطائف ہیں دلائل نہیں۔ (جلد ۲۶۔ص: ۲۸۸)

جمہوریت کی گنجائش:

فرمایا: اگر کسی میں بھی خلافت کی اہلیت نہیں تو پھر بجبوری جمہوریت اختیار کر لینی چاہیے۔ جمہوریت کی حقیقت مشورہ ہے۔ اور مشورہ کی حقیقت اعانت فی الرائے ہے۔...... قرآن کی آیت سے بھی شخصیت [کے خلیفہ اور مستقل حاکم ہونے] کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے: **وشاورهم فی الامر**" (اور ان سے مشورہ فرمایئے مہمات میں)۔ آگے فرمایا: **فاذا عزمت فتوکل علی الله**" پھر جب آپ پختہ ارادہ فرمالیں تو اللہ پر توکل کیجئے۔ یوں نہیں فرمایا: **واذا عزموا فی الامر فتوکلوا**" کہ جب اکثریت کسی بات پر کا پختہ ارادہ کر لے تو وہ سب اللہ پر توکل کریں۔ اور خود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کثرت رائے پر فیصلہ نہیں کیا، ہاں مشورہ کر لیا۔ پھر [خلیفہ نے] اپنی رائے پر عمل کیا۔ (جلد ۲۶۔ص: ۲۹۴)

حضرت نانوتویؒ مدرسۂ دیوبند کے دوات قلم کے استعمال کا عوض جمع کراتے تھے:

فرمایا: مولانا محمد قاسم صاحبؒ جب مدرسہ دیوبند کے دوات قلم سے کوئی خط لکھتے تھے، تو روشنائی اور قلم کے استعمال کے عوض میں ایک پیسہ دے دیتے تھے۔ (جلد ۲۶۔ص: ۳۰۳)

دفع طاعون کے لیے ایک عمل:

فرمایا: میں طاعون کے دفع کے لیے تین دفعہ سورۂ انا انزلناہ پڑھ دیتا ہوں۔ وجہ تناسب یہ ہے کہ اس میں نزولِ ملائکہ کا ذکر ہے اور طاعون شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ اور فرشتہ اور شیطان میں تضاد ہے۔ (جامع عرض کرتا ہے کہ پانی پر بھی دم فرما دیتے تھے۔ اور ڈھیلے پر بھی دم کر کے دے دیتے تھے کہ اس کو گھس گھس کر پھوڑے پر لگایا جائے۔ (جلد ۲۶۔ص:۳۱۲)

حضرت گنگوہیؒ پر حضرت حاجی صاحبؒ عاشق تھے:

مولانا فتح محمد تھانوی صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ پر حضرت حاجی صاحبؒ عاشق تھے۔ اور مولانا گنگوہیؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ سے اتنی محبت نہ تھی، جتنی حضرتؒ کو مولانا سے تھی۔ حقیقت میں مولاناؒ میں اتباعِ سنت تھی۔ اسی پر حقیقتاً حضرت حاجی صاحب عاشق تھے۔ (جلد ۲۶۔ص:۳۱۷)

احکام کی حکمتیں بیان کرنے میں خرابی:

فرمایا: احکام میں حِکَم بیان کرنے میں یہ خرابی ہے کہ اگر وہ حکمت کسی اور طریق سے حاصل ہو سکتی تو فعلِ شرعی کو چھوڑ دے گا۔ مثلاً نماز جمعہ اور عیدین اور حج کی حکمت ''اتفاق'' بیان کی جاتی ہے۔ اور کسی کو معلوم ہوا کہ یہ کلب گھر میں بھی حاصل ہوتا ہے تو وہ سب کو چھوڑ دے گا۔ (جلد ۲۶۔ص:۳۲۶)

حق تعالیٰ شانہ سے تعلق قوی کرنے کی تدبیر:

جی یہی چاہتا ہے کہ دوستوں کا تعلق حق تعالیٰ سے قوی ہو جائے۔ اور حق تعالیٰ کے پاس جانے سے وحشت نہ ہو، گو ہیبت ہو۔ وحشت اور شے ہے اور ہیبت اور شے۔ وحشت میں نفرت اور کراہت ہوتی ہے، جس کا اثر ظلمت ہے۔ اور ہیبت میں نور رہتا ہے۔ اور فرمایا: اس تعلق کے قوی ہونے کے دو سبب ہیں۔ ایک تعلقات غیر ضروریہ کا کم کرنا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی محبت۔ تعلق کے کم کرنے کی دھن میں لگا رہے۔ آہستہ آہستہ کم کرے۔ مگر اتنا لمبا نہ ہو کہ موت تک بھی ختم نہ ہو۔ اور محبت پیدا ہوتی ہے اہل محبت کے پاس بیٹھنے سے، یا خط و کتابت کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اہل محبت کے خط سے بھی ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ (جلد ۲۶۔ص:۳۲۸)

تعریف کرنے والے کے منہ میں حضرت گنگوہیؒ کا مٹی ڈالنا:

فرمایا: حضرت گنگوہیؒ کی شان اور مدح میں کسی نے عربی میں قصیدہ لکھ کر سنانا شروع کیا۔ حضرت خاموش ہو کر سنتے رہے۔ جب وہ سنا کر فارغ ہو چکا، تو حضرت مولانا گنگوہیؒ نے مٹی لے کر اس کے منہ میں ڈال دی۔ اور فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ **احث التراب فی فم المداحین** (تعریف کرنے والوں کے منہ پہ مٹی ڈال دو)۔ اور اسی طرح حضرت حاجی صاحبؒ کی شان میں کسی نے قصیدہ لکھ کر سنایا، تو جب وہ فارغ ہوا تو حضرت نے فرمایا: ارے بھائی کیوں جوتے مارا کرتے ہو۔ (جلد۲۶۔ص:۳۶۰)

بدعات کے مسئلے میں شاہ اسماعیل شہیدؒ امامت کے مقام پر تھے:

فرمایا: جب بدعت رائج ہو جائے تو خواص کو بھی اس کے بدعت ہونے کی طرف خیال نہیں ہوتا۔ مثلاً صدقہ کا بکرہ ہے۔ کسی کو بھی اس کے بدعت ہونے کا وسوسہ نہیں۔ مگر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے امتحان کے مطابق، اگر صدقہ کرنے والوں کو کہا جائے کہ اس سے دوگنی قیمت کا گوشت خرید کر دیدو، تو طبیعت میں بشاشت نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ **اراقة الدم** [یعنی خون بہانے اور ذبح] کو موثر جانتا ہے۔ [شریعت سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ بلاء و مصیبت دور کرنے والی چیز ہے۔ مگر ذبح اور خون بہانا، یہ بے دلیل ہے]۔ اور [حضرت حکیم الامتؒ نے] فرمایا: ایسی باتوں کی طرف مولانا شہید رحمہ اللہ کا ذہن جاتا تھا۔ وہ اس فن کے مجتہد تھے اور بہت بڑے آدمی تھے۔ مگر شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم تھے۔ (جلد۲۶۔ص:۳۶۶)

صحبت شیخ انفع ہے:

کسی نے کہا کہ حضرت! صحبت شیخ بہتر ہے یا ذکر شغل۔ تو فرمایا کہ بہتر تو نہیں کہتا ہاں انفع [یعنی زیادہ نفع بخش] ہے۔ (جلد۲۶۔ص:۳۸۸)

حاکم کے سامنے جانے کے وقت کیا پڑھنا چاہیے:

ایک شخص کو فرمایا کہ جب حاکم کے سامنے جاؤ۔ "یاودود" پڑھو۔ (جلد۲۶۔ص:۴۰۷)

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ۲۷۔۲۸

الرفیق فی سواء الطریق (اول و دوم)

جامع: مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ

اپنے گناہوں کی فکر:

ایک بزرگ کہتے تھے کہ جب ریل میں بیٹھتا ہوں تو خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میرے گناہوں کے سبب یہ سب لوگ ہلاک نہ ہو جائیں۔... یہاں رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے اور ہم ویسے۔ اور دوسرا ایسا اور ویسا۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اے عزیز! تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہیں۔ اور ایک دوسرے شخص کے بدن پر ایک مکھی بیٹھی ہے۔ تو اس کو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے۔ لیکن اپنے سانپ اور بچھو کی خبر نہیں لیتا، جو کوئی دم میں تجھے فنا کیے ڈالتے ہیں۔ (جلد ۲۷۔ص:۲۰)

تربیت اخلاق سے پہلے مقتدیٰ بن جانے کے مفاسد:

بعض لوگ جن کی تربیت نہیں ہوتی اور مقتدیٰ ہو جاتے ہیں، ان کے اخلاق نہایت خراب ہوتے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ چھوٹا ہونے کے قبل بڑے ہو جاتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی ☆ تاراہ بیں نباشی کے راہبر شوی

درمکتب حقائق، پیش ادیب عشق ☆ ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

[اے بے خبر محنت کرتا کہ باخبر بن سکے۔ جب تو خود راستہ نہیں جانتا، راہبر کیسے بن گیا؟ مکتب حقائق میں عشق کے رازداں کے سامنے اے ''پسر'' کچھ سیکھ لے، تاکہ ایک دن ''پدر'' بن سکے]۔ تو پسر بننے سے پہلے پدر بن جانا، بہت سی خرابیوں کا باعث ہے۔ اس لیے سخت ضرورت ہے کہ اول چھوٹا بن کر اخلاق کی درستی کی جائے۔ کہ اس سے اعمال کی بھی درستی ہو جائے گی۔

اور تدبیر اس کی یہ ہے کہ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے فراغ دیا ہے، وہ تو کم ازکم چھ ماہ تک کسی بزرگ کی خدمت میں رہیں۔ لیکن اس طرح کہ اپنا تمام کچا چٹھا ان کے سامنے پیش کردیں۔ اور پھر جس طرح وہ کہیں اس طرح عمل کریں۔ اگر وہ ذکر و شغل تجویز کریں، تو ذکر و شغل میں مشغول ہو جائیں۔ اور اگر وہ اس سے منع کرکے کسی دوسرے کام میں لگادیں، اس میں لگ جائیں۔ اور ان کے ساتھ محبت بڑھائیں۔ اور ان کی حالت کو دیکھتے رہیں، کہ کسی چیز کے لینے کے وقت یہ کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ اور دینے کے وقت کس طرح پیش آتے ہیں...اور پھر اس کی ذات سے سراسر نفع ہی پہنچے گا۔

اور جن لوگوں کو فراغ نہیں ہے، وہ یہ کریں کہ وقتاً فوقتاً جب ان کو دو چار یوم کی مہلت ہوا کرے، اس وقت کسی بزرگ کے پاس رہ آیا کریں۔ اور اپنی اولاد کے لیے یہ کرو کہ روزمرہ جیسا ہر کام کے لیے نظام الاوقات ہے، ایسا ہی اس کے لیے بھی ایک وقت مقرر کردو کہ فلاں مسجد میں فلاں بزرگ کے پاس کچھ دیر جا کر بیٹھا کریں۔ (جلد ۲۷۔ص: ۲۶۔۲۷)

خدا تعالیٰ سے محبت کاملہ کی ضرورت اور اس کی تحصیل کا سہل طریقہ:

اپنے قلوب کو ٹٹولو کہ خدا تعالیٰ سے محبت کاملہ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس کی تحصیل کی تدبیر کرو۔ اور تدبیر بھی میں بتلاتا ہوں۔ لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ محبت امرِ غیر اختیاری ہے۔ اس کا پیدا کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ پھر اس کی تدبیر کیا ہو؟ یہ گمان غلط ہے۔ محبت گو خود غیر اختیاری ہو، مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں، جن پر ترتب محبت کا [یعنی ان کے نتیجے میں محبت پیدا ہو جانا]

عادۃً ضروری ہے۔اور ایسے امور میں خدا تعالیٰ نے ہر امر کی تدبیر بتلائی ہے۔سووہ تدبیر یہ ہے کہ تم چند باتوں کا التزام کرلو۔

(۱) ایک تو یہ کہ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرلیا کرو۔اگرچہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو۔ لیکن اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔

(۲) دوسرے یہ کیا کرو کہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو۔اور پھر اپنے برتاؤ پر غور کیا کرو، کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کررہے ہیں؟ اور ہمارے اس معاملے کے باوجود بھی خدا تعالیٰ ہم سے کس طرح پیش آرہے ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کرو کہ جو لوگ محبّانِ خدا ہیں ان سے تعلق پیدا کرلو۔اگر ان کے پاس آنا جانا دشوار ہو، تو خط وکتابت ہی جاری رکھو۔لیکن اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اہل اللہ کے پاس اپنے دنیا کے جھگڑے نہ لے جاؤ۔نہ دنیا پوری ہونے کی نیت سے ان سے ملو۔بلکہ خدا کا راستہ ان سے دریافت کرو۔اپنے باطنی امراض کا ان سے علاج کراؤ۔اور ان سے دعا کراؤ۔

(۴) چوتھے یہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کرو۔کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے۔اس سے ضرور محبت بڑھ جاتی ہے۔

(۵) پانچویں یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ اپنی محبت عطا فرماویں۔یہ پانچ جزو کا نسخہ ہے۔اس کو استعمال کرکے دیکھیے، ان شاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہوجائے گی۔اور تمام امراض باطنی سے نجات حاصل ہوجائے گی۔

(جلد ۲۷۔ص:۲۷۔۲۸)

خشوع کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے:

خشوع کہ عمل قلب ہے ہم میں بہت کم پایا جاتا ہے۔حالانکہ یہ ساری اطاعت کا راس [یعنی اصل] ہے۔مگر ہم لوگ اس کی ذرا فکر اور اہتمام نہیں کرتے۔اور ہماری اس حالتِ فقدانِ خشوع [یعنی خشوع سے محرومی] کی شکایت نہایت صاف لفظوں میں قرآن شریف میں بھی فرماتے ہیں۔"الم یان للذین آمنوا أن تخشع قلوبهم لذكر الله" (ترجمہ: کیا وقت نہیں آیا

مسلمانوں کے لیے اس بات کا کہ ان کے دل عاجزی کریں اللہ کی یاد کے وقت) یعنی کیا مسلمانوں کے لیے ہنوز وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلب خشوع کرنے لگیں۔ اور ظاہر ہے کہ شکایت اس امر کے ترک پر ہوتی ہے جس کا کرنا نہایت ضروری اور واجب ہو۔ تو معلوم ہوا کہ خشوع نہایت ضروری عمل ہے۔ اور اس کا مقابل قساوت [یعنی دل کی سختی] ہے۔

...پس ہر عالم اور طالب علم کے لیے لازم ہے کہ وہ قلب میں خشوع پیدا کرے۔ اور اس کے ظاہری آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے۔ بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے۔ غیظ وغضب میں مغلوب نہ ہو۔ انتقام کی فکر میں نہ رہے۔ علی ھذا۔ اور ان کو آثار اس لیے کہا کہ جب قلب میں خشوع کی صفت ہوگی، تو جوارح پر اس کا اثر ضرور پڑے گا۔......اب اس کی ضرورت اور آثار معلوم ہو جانے کے بعد دیکھ لیجیے کہ آیا ہمارے قلب میں خشوع ہے یا نہیں؟ اور ہم ﴿ان تخشع قلوبھم﴾ کے مضمون میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور ہمارے قلوب میں ترفع اور شیخی تو نہیں پائی جاتی۔ پس اگر ہمارے قلوب میں خشوع ہے، تو کیا وجہ کہ اس کے آثار نہیں پائے جاتے۔ اس کی کیا وجہ کہ ہم کو اپنا کام خود کرنے سے یا کسی مسلمان کا کام کرنے سے عار آتی ہے؟

صاحبو! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی مخدوم نہیں ہے۔ پھر دیکھ لیجیے کہ حضورؐ کی کیا حالت تھی۔ فرماتے ہیں: **انی آکل کما یاکل العبد** کہ میں کھانا اس طرح کھاتا ہوں کہ جیسے کوئی غلام کھاتا ہے۔ جس میں تجبر اور تکبر کا نام نہیں ہوتا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکڑو بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی سب کے آگے نہ چلتے تھے، بلکہ کچھ صحابہ آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے۔ اور یہ کسی کا آگے اور کسی کا پیچھے چلنا بھی کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہ تھا۔ جیسے آج کل بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ جب چلتے ہیں تو باقاعدہ کچھ لوگ ان کی عزت اور شان بڑھانے کو ان کے آگے پرا جمائے ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ان کے پیچھے ہوتے ہیں۔ سو یہ نہ تھا۔ بلکہ جس طرح بے تکلف احباب ملے جلے چلتے ہیں، کبھی کوئی آگے ہو گیا اور کبھی کوئی آگے ہو گیا، اس طرح چلتے تھے۔ لباس کی یہ شان تھی کہ ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا کر پہنتے تھے۔ آرام کرنے کی یہ حالت

تھی کہ ٹاٹ کے اوپر آرام کرتے تھے۔ معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے۔ بازار سے ضرورت کی چیزیں جا کر خرید لاتے تھے۔ غرض سب افعال جو حضور ﷺ کے منقول ہیں تو کس لیے کیا اس لیے کہ ہم سنیں اور پرواہ بھی نہ کریں؟ (جلد ۲۷۔ص:۲۸۔۳۱)

خشوع کے حاصل کرنے کا طریقہ:

اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ اگر ہم میں صفت خشوع موجود ہے، تب تو ہم کو اس کے مناسب وضع اختیار کرنا لازم ہے۔ اور اگر یہ صفت موجود نہیں ہے، تو خود اس کی تحصیل کے لیے ایسا کرنا، یعنی اس کے آثار کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ [یعنی صفت خشوع کے ان آثار کو اختیار کرنے سے دل میں اصل خشوع کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ یہ خشوع حاصل کرنے کے طریقہ کا پہلا جزو ہے]۔

......اور دوسرا جزو یہ ہے کہ اہل خشوع کی صحبت اختیار کی جائے۔

تیسرا جزو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی خشیت کو دل میں جگہ دی جائے۔ اور خشیت پیدا کرنے کے لیے یہ تدبیر کی جائے کہ کوئی وقت مناسب تجویز کر کے اس میں تنہا بیٹھ کر اپنی حالت عصیاں اور پھر خدا تعالیٰ کی نعمتیں اور نیز اس کے عذاب آخرت اور قیامت کے اہوال، پل صراط، میزان، دوزخ کی حالت وغیرہ کو سوچا کرے۔ اگر دس منٹ روزانہ بھی اس کو معمول کر لیا جائے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد فائدہ ہو۔ کیونکہ اس کو خشیت کے پیدا ہونے میں بڑا دخل ہے۔ اور پھر خشیت سے خشوع ہوگا۔......

چوتھا جزو علت خشوع کا یہ ہے (اور یہ بعد فراغ کتب درسیہ آپ کے ذمہ واجب عمل ہے) کہ اگر آپ نے ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال ختم کیے ہیں، تو باطن کی درستی میں فی سال ایک ماہ ہی خرچ کر دیجیے۔ یعنی کم از کم دس مہینے ہی کسی کامل کی خدمت میں صرف کیجیے۔ اور اس کے ارشاد کے مطابق چلیے۔ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اس کی برکت سے دولتِ خشوع عطا فرماتے ہیں۔ اور علم کا اثر قلب کے اندر پیوست ہو جاتا ہے۔ (جلد ۲۷۔ص:۳۲۔۳۳)

آخرت کو گھر نہ سمجھنے کی کلفتیں اور گھر سمجھنے کی راحتیں:

اگر آخرت یاد ہوتو دنیا کی کوئی تکلیف سرائے کی دوروزہ تکلیف سے زیادہ نہیں ستا سکتی تھی۔اور اپنے وطنِ اصلی کو یاد کر کے راحت ہو جایا کرتی۔خواہ کتنی ہی بڑی مصیبت ہوتی۔مثلاً اس شخص کا کوئی پیارا بچہ مرجاتا تب بھی اس کو پریشانی نہ ہوتی۔اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً اگر کوئی سفر میں ہو اور اس کا کوئی بچہ گم ہو جائے اور اس کو معلوم ہو کہ میرا بچہ وہاں چلا گیا ہے جہاں میرا گھر ہے۔اور جہاں میں بھی جارہا ہوں۔تو کیا وہ روئے پیٹے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کو یہ سن کر اطمینان ہو جائے گا۔اور سمجھے گا کہ اب کوئی دن میں میں بھی اس سے جا کر وہیں مل لوں گا۔تو اگر ہم آخرت کو اپنا وطن سمجھتے،تو اولاد کے جاتے رہنے پر اتنا بڑا قصہ لے کر نہ بیٹھا کرتے۔ ہاں جدائی کا غم ہوتا ہے۔سو اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔اس کی اجازت ہے۔لیکن جیسے جدائی کا غم ہوتا ہے،تسلی بھی تو ہونی چاہیے کہ وہ اپنی راحت کی جگہ پہنچ گیا۔ہم بھی وہیں جائیں گے اور مل لیں گے۔

خدا تعالیٰ نے یہی مضمون اس آیت کے دوسرے جملہ میں سکھایا ہے۔ **انا اللہ وانا الیہ راجعون** ۔یعنی جو چیز گئی وہ خدا کے پاس گئی۔اور ہم بھی خدا کے پاس جائیں گے۔اور سب کے سب جمع ہو جائیں گے۔تو اس کو سوچ کر تسلی ہونی چاہیے تھی،اگر آخرت کو گھر سمجھتے۔لیکن اب تو وہ مار دھاڑ ہوتی ہے کہ گویا خدا تعالیٰ نے ان کی جائداد چھین لی۔......اس سے سمجھ میں آیا ہوگا کہ اولاد کے مرنے کا ایسا غم بھی اس لیے ہوتا ہے کہ دنیا کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔پس بڑی بھاری غلطی ہماری یہ ثابت ہوئی کہ ہم نے دنیا کو اپنا گھر سمجھ رکھا ہے۔اسی لیے یہاں سے جدا ہونے کا رنج غم ہوتا ہے۔ورنہ جب آدمی سفر میں جاتا ہے،تو تو جتنا گھر سے قریب ہو جاتا ہے خوشی بڑھتی جاتی ہے۔اور یہاں یہ حالت ہے کہ جوں جوں مرنے کے دن قریب آتے ہیں روح فنا ہوتی ہے۔

اور یہ حالت دنیا داروں ہی کی ہے۔کیونکہ وہ دنیا ہی کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کو اس کا ذرا بھی غم نہیں ہوتا۔اور ان کو نہ اپنے مرنے کی پروا ہوتی ہے، نہ اولاد کے مرنے کی پروا ہوتی ہے۔حتیٰ کہ بعض دفع تو جہلاء کو ان کے سنگ دل ہونے کا شبہہ ہو جاتا ہے۔حالانکہ ایسا نہیں،ان سے زیادہ تو کوئی رحم دل ہی نہیں ہوتا۔مگر اس پریشانی نہ ہونے کا سبب صرف

یہ ہے کہ وہ آخرت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔......اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ مرنے کے قریب ہوتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں۔جس طرح عادت ہے کہ سفر سے واپس آتے ہوئے گھر کے قریب پہنچ کر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ (جلد۲۷۔ص:۵۴۔۵۵)

دل کا دنیا میں منہمِک ہوجانا:

دنیا کے کمانے کا مضایقہ نہیں۔مگر نہ یہ ہو کہ اس میں بالکل کھپ جاؤ، جیسے ہم لوگوں کی حالت یہ ہے کہ گویا خدا تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں۔مثلاً جب کپڑا لے کر پسند کرنے بیٹھتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ گویا ان کا یہی دین یہی ایمان ہے۔جب زیور کے پیچھے پڑیں گے تو اس طرح کہ بس وہی دل میں بسا ہوگا۔میں پھر کہتا ہوں کہ دنیا کا کام کرنے سے منع نہیں کرتا۔مگر یہ کہتا ہوں کہ اس میں دل نہ لگاؤ۔کام سب کرو مگر جی اترا ہوا ہونا چاہیے۔دل کا [دنیا میں] کھپا دینا، یہی زہر ہے۔یہ وہ بلا ہے کہ اس سے اندیشہ ہے کہ مرتے وقت یہی غالب نہ ہو جائے۔اور اللہ ورسول کے نام سے اس وقت بالکل بے تعلقی نہ ہو جائے۔لہذا جہاں تک ہو اس کی کوشش کرو، کہ دنیا میں دل لگا ہوا نہ ہو۔دل خدا تعالیٰ ہی میں لگاؤ۔ہاتھ سے کام کرو کچھ حرج نہیں۔ (جلد۲۷۔ص:۵۸)

دیندار بھی گناہوں کے معالجہ میں بے پروائی کرتے ہیں:

دوسرا مرض جو دینداروں میں زیادہ ہے، یہ ہے کہ جب کبھی ان کی حالت زار ان کو یاد دلائی جاتی ہے تو تنبُّہ تو ہوتا ہے۔لیکن صرف اس قدر کہ تھوڑی دیر روئے۔بڑی ہمت کی ایک دو وقت کھانا ترک کر دیا۔صورت غمگین بنا کر بیٹھ گئے۔لیکن تدبیر کی جانب ذرا توجہ نہیں۔...یہ شیطان کی رہزنی ہے کہ دین کے رنگ میں دین سے ہٹا رہا ہے یعنی یہ خیال دل میں جما دیا ہے کہ صرف گریہ وبکاء ہی کافی ہو جائے گا۔[علاج کی ضرورت نہیں]۔...امراض باطنی اور معاصی میں بھی اصل تدبیر یہی ہے کہ کسی کامل کی طرف رجوع کرے۔گناہوں سے پرہیز پر مستعد ہو جاوے۔تلخ تجاویز پر صبر کرے۔اس تدبیر سے ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں امراض دور ہو جائیں گے۔اور اخلاق حسنہ پیدا ہوں گے۔ (جلد۲۷۔ص:۷۶۔۷۷)

توجہ الی اللہ کے لیے فراغت کا انتظار نفس کا حیلہ ہے:

بہت لوگ اس انتظار میں ہیں کہ فلاں کام سے فراغت کرلیں، تو پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کی تدبیر میں لگیں۔... پس امروز وفردا پر ٹالنے سے کیا فائدہ؟ ہمت کر کے کام شروع کردینا چاہیے۔ خدا تعالیٰ خود مدد کریں گے۔ کامل نہ ہوگے تو خالی بھی نہ رہوگے۔ اگر تم کو صدیقیت کا درجہ نہ بھی نصیب ہوا تو کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی ہور ہو گے۔ کم از کم خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت اور لگاؤ [اور] دنیا سے بے تعلقی اور طبیعت کا اچٹاؤ تو ضرور ہی ہو جائے گا۔ مگر افسوس ہے ہماری حالت یہ ہے کہ روز یہی وعدہ رہا کہ کل ضرور کرلیں گے۔ مگر ساری عمر اسی کل کل میں گزر گئی۔ اور کل نصیب نہ ہوا۔ حتی کہ موت کا وقت سر پر آجاتا ہے۔ اور اس وقت بجز حسرت کے اور کچھ نہیں بن پڑتا اور یہ تمنا کرتا ہے کہ ﴿رب لو لا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق و اکن من الصالحین﴾ مگر یہ تمنا رد کردی جاتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے ﴿ولن یوخر اللہ نفسا اذا جاء أجلها﴾ کہ اب ایک ساعت کی بھی مہلت نہیں مل سکتی۔ (جلد ۲۷۔ص:۸۱۔۸۲)

دنیا کی محبت زائل ہونے کی آسان تدبیر:

ایک ترکیب بتلاتا ہوں۔ اور وہ ایسی ترکیب ہے کہ جس سے تم کو ان شاء اللہ تعالیٰ صحبت کی برکت حاصل ہوگی۔ اور یہ جو دائرے سے باہر قدم نکلا جارہا ہے یہ رک جائے گا۔ اور [دنیا سے بے دلی کی] وہ حالت ہو جائے گی جو طاعون کے زمانہ میں ہوتی ہے، کہ سب کچھ کرتے رہو، لیکن کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ تو وہ ترکیب یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے اس میں موت کو یاد کیا کرو۔ اور پھر قبر کو یاد کرو۔ پھر حشر کو یاد کرو۔ اور یوم حشر کے اہوال کو اور وہاں کے شدائد کو یاد کرو۔ اور سوچو کہ ہم کو خدا تعالیٰ قادر کے روبرو کھڑا کیا جائے گا۔ اور ہم سے باز پرس ہوگی۔ ایک ایک حق اگلنا پڑے گا۔ پھر سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ اسی طرح روزانہ سونے کے وقت سوچ لیا کرو۔ دو ہفتے میں ان شاء اللہ تعالیٰ کایا پلٹ ہو جائے گی۔ اور جو اطمینان وانس ودلچسپی دنیا کے ساتھ اب ہے باقی نہ رہے گی۔ (جلد ۲۷۔ص:۱۱۴)

مسلمان مشرکین عرب سے بھی بڑھ گئے:

جہاز میں دیکھا ہے کہ عین شدت طوفان کے وقت نہایت پریشانی میں بعض لوگ یا علیؓ، یا علیؓ کہتے تھے۔ اور بہت سے لوگ حضرت غوث الاعظمؒ کو پکارتے تھے۔ اللہ اکبر! یہ لوگ مشرکین عرب سے بھی بڑھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کفار کا بھی یہ عقیدہ نہیں تھا۔

(جلد ۲۷۔ص:۱۲۸)

اللہ تعالیٰ کے نام شکور پر نظر:

خود اللہ میاں کی رضا ہی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اللہ میاں ملیں، پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی؟ مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے ہو؟...... دنیا کے حکام کی صرف خوشنودی کے واسطے کتنے کتنے سفر اور کیا کیا کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے؟ اور پھر ان کی خوشنودی دیرپا نہیں، ذرا سی بات پر بگڑ گئے۔ اور اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہم ''شکور'' ہیں۔ خیال کیجیے! اس لفظ کو۔ ایک بادشاہ کے سامنے کوئی چیز لے جائے۔ اور وہ اس کی نسبت منظوری وعدم منظوری کچھ ظاہر نہ کرے، مگر اس میں کوئی عیب نہ نکالے اور خازن کو حکم دے دے کہ رکھ لو۔ تو لے جانے والے کے دماغ آسمان پر پہنچ جاویں گے۔ اور سناتا پھرے گا کہ بادشاہ نے ہمارا ہدیہ رکھ لیا۔ اور اللہ میاں کے یہاں ہم لوگ اپنے اعمال لے جاتے ہیں۔ اور ذرا ان اعمال کو بھی دیکھ لیجئے کہ وہ اس قابل ہیں۔

(جلد ۲۸۔ص:۲۶۹)

ہماری نماز کی مثال:

ایک نماز ہی کو لے لیجئے اس وقت نظیر کے واسطے۔ کھڑے ہوتے ہیں اللہ میاں سے باتیں کرنے کو۔ اور کرتے ہیں کس سے؟ گاؤ خر سے۔ یا یوں مثال دیجیے کہ ایک بادشاہ نے محض اپنی عنایت سے اپنے غلام کو دربار میں حاضری کی اجازت دی۔ بلکہ یوں کہیے کہ زبردستی طلب کیا۔ ہم ایسے بھلے مانس تو کاہے کو ہیں کہ حاضری کی اجازت سے ہی دربار میں پہنچنے کو غنیمت سمجھیں۔ زبردستی بلائے ہوئے بلکہ پابہ زنجیر ہو کر دربار میں پہنچے۔ اور کام ہم سے کیا ہے؟ کہ بادشاہ کو ان

پر رحم آیا ہے اور چاہتا ہے کہ ان سے دربار میں کچھ گفتگو کر لے۔ کہ درباریوں اور تمام رعایا میں ان کی عزت ہو جائے۔ اپنا کچھ نفع مقصود نہیں۔

خیر! ان حضرات نے کیا مکافات کی اس بلانے کی؟ کہ پہنچتے ہی تو منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ اور کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ مگر بادشاہ تو کم ظرف نہیں ہے۔ اس گستاخی پر نظر نہیں کرتا۔ اور حکم دیتا ہے اپنے خادموں کو کہ اس بے وقوف کی انگلیاں کانوں سے نکال دو۔ بلکہ ہاتھ باندھ دو کہ پھر انگلیاں کانوں میں نہ دے سکے۔ اور منہ اس کا ہماری طرف کر دو۔ اور جلدی سے شفقت آمیز کلمات فرمانے لگے کہ ایک دفعہ تو اس کے کان میں پڑ جائیں۔ مگر یہ تو قسم کھا کر چلے ہیں کہ الٹا ہی کریں گے۔ چٹ سے پھر انگلیاں کانوں کی طرف بڑھائیں۔ مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ جلدی سے اس خوف سے کہ کہیں محبوب کا کلام کان میں پڑ جائے اس جگہ سے بھاگ اصطبل میں گھوڑے کے پاس جا چھپے۔ وہاں آدمی پکڑنے کے لیے پہنچا۔ گدھے کے پاس جا چھپے۔ غرض ایک گھنٹہ بھر یہی کیفیت رہی، کہ یہ بھاگا کیے اور بادشاہ کے نوکر بلکہ خود بادشاہ، اللہ اکبر! ان کے پیچھے پھرا کیا۔ مگر انہوں نے وہی کیا جو شامت اعمال سے ہونا تھا۔...... اب فرمایئے کہ یہ شخص کس سزا کا مستحق ہے؟ یا بادشاہ کو اس پر رحم آنا چاہیے۔ یہ تو اس قابل ہے کہ اگر ایک دفعہ بھی یہ حرکت اس نے کی ہے، تو توہین بادشاہ کے جرم میں اس کو لے لیا جائے۔ اور کبھی دربار کی حاضری کی اجازت نہ ہو۔ جلد ۲۸۔ص: ۲۷۰)

[یہ ہے ہماری نماز کی صحیح مثال، استغفر اللہ، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اے مالک! معاف فرما اور اچھی نماز کی توفیق عطا فرما۔ خسران سے محفوظ فرما]۔

کسی کو تکبر کی فکر نہیں:

ہماری تو عادت ہوگئی ہے کہ سوچتے ہی نہیں۔ ورنہ معلوم ہو جاتا کہ نہ دیندار ہمارے خالی ہیں کبر سے نہ دنیادار خالی ہیں کبر سے۔ جو دیندار کہلاتے ہیں وہ دین کے پیرایہ میں اس میں گرفتار ہیں۔ اور جو دنیادار ہیں، ان کو خبر نہیں کہ کبر کوئی چیز ہے یا نہیں۔ چنانچہ دیندار لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ ہم دنیاداروں سے اچھے ہیں۔ جتنی ترقی ان کو نماز پڑھنے سے ہوتی ہے اس سے زیادہ تنزُّل اِس پندار سے ہوتا ہے۔ دین کے ساتھ ساتھ بدترین دنیا ان کے قلب میں جگہ

پکڑے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ نماز میں جب یہ خرابی ہے تو ان کو چاہیے کہ نماز چھوڑ دیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ خرابی نماز میں جب پیدا ہوتی ہے، جبکہ حق تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہ ہو۔ اور جب عظمت ہو تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی نماز سے آدمی بجائے اس کے کہ اتراوے، الٹا شرمندہ ہوتا ہے۔ (جلد ۲۸۔ص: ۲۷۹۔۲۸۰)

دنیا خواہ ملے یا نہ ملے ہر حالت میں پریشان کرنے والی ہے:

دنیا تو خواہ ملے یا نہ ملے ہر صورت میں پریشان کرنے والی ہے۔ ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے یہاں خیریت ہے؟ وہ سخت ناراض ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ خیریت ہوگی تمہارے یہاں۔ ہمارے ہاں تو بفضلہٖ تعالیٰ کچھے بچے چھوٹے بڑے موجود ہیں۔ آج فلاں بیمار ہے، کل اس کو بخار ہے۔ کوئی مرتا ہے کوئی جیتا ہے، جس کے یہاں کوئی نہ ہو اس کے یہاں خیریت ہوتی ہے۔ غرض دنیا میں پریشانی ہی پریشانی ہے۔ اگر حس صحیح ہے تو واقعی سخت مصیبت کی جگہ ہے۔ کسی طرح چین نہیں۔ ایک مقصود اگر حاصل ہوتا ہے تو دوسرے کی فکر ہوتی ہے۔ مثلاً شادی بھی ہوگئی۔ مال و دولت سب کچھ ہے اولاد نہیں ہے۔ تو اولاد کا ہر وقت فکر ہے۔ کہ اولاد ہو یہی دھن ہے، یہی فکر ہے۔ شب و روز اسی میں گزرتا ہے۔ کبھی خیال ہوتا ہے کہ یہ سب جائیداد وقف کر دوں۔ کبھی خیال ہوتا ہے کہ کسی کو متبنیٰ بناؤں۔ خدا خدا کر کے اولاد ہوگئی، اب شب و روز اسی دھن میں ہیں کہ کسی طرح جلدی پرورش ہو جائے۔ تو اس کے ختنے دھوم دھام سے ہوں۔ اور اس کی شادی ہو۔ اللہ اللہ کر کے اولاد سیانی ہوگئی۔ اور شادی بھی ہوگئی۔ اب رات دن یہی فکر ہے کہ اولاد نہیں ہے۔ اسی غم میں گھلتے ہیں۔ غرض ساری عمر عزیز اسی میں صرف ہو جاتی ہے۔ اور کوئی وقت اللہ کی طرف مشغول ہونے کا میسر نہیں ہوتا۔ (جلد ۲۸۔ص: ۲۹۱۔۲۹۲)

ایک بزرگ کی توبہ کا قصہ:

ایک بزرگ نے اپنی توبہ اور رجوع الی اللہ کا قصہ بیان کیا کہ ایک سال قحط بہت تھا۔ مخلوق بہت پریشان تھی۔ اسی حالت میں ایک غلام کو دیکھا کہ بےفکری سے گاتا ہوا خوش بخوش جا رہا ہے۔ اس سے کسی نے پوچھا کی مخلوق تو پریشان ہو رہی ہے اور تو اس طرح بےفکر ہے۔ اس نے کہا کہ میں بےفکر کیوں نہ ہوں۔ میرے مالک کے یہاں دو گاؤں ہیں۔ اسی وقت نفس کو ایک تازیانہ لگا۔ اور

یہ بات ذہن میں آئی کہ ارے نفس! جس کے مالک کے پاس دو گاؤں ہیں وہ تو بے فکر ہے۔ اور تیرے مالک کے قبضہ میں آسمان، زمین، عرش، کرسی ہے، تو پریشان ہے؟ اسی وقت سے توجہ الی اللہ کی توفیق ہوئی۔ (جلد ۲۸۔ص: ۳۰۵)

اہل اللہ کو غم ہوتا ہے پریشانی نہیں ہوتی:

اگر کوئی کہے کہ ہم نے انبیاء کی حکایتیں سنی ہیں کہ ان کو غم ہوئے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام ایک مدت تک یوسف علیہ السلام کی جدائی میں مغموم رہے۔ ایوب علیہ السلام سخت مصائب میں مبتلا رہے۔ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے ایذا پہنچائی۔ جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو رنج غم تو ہوا، لیکن پریشانی نہیں ہوئی۔ غم اور شے ہے پریشانی اور چیز ہے۔ (جلد ۲۸۔ص: ۳۰۹)

درجۂ ولایت حاصل ہونے کا نہایت سہل طریقہ:

مگر ہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مرتبہ کس کو حاصل ہوسکتا ہے ہم لوگ تو دنیا دار ہیں۔ سینکڑوں طرح کے اشغال ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ سو یہ خیال شیطانی ہے۔ اور منشاء اس کا یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ تمام کاروبار دنیا کے چھوڑ کر حجرے میں بیٹھ کر تسبیح ہلاؤ، ہرگز نہیں۔ ہر شخص کے لیے جداگانہ طریق ہے۔ اگر اس مقام پر ہر ایک کی تفصیل بیان کی جاوے تو ایک وقت طویل درکار ہے۔ اور پھر بھی کافی نہیں۔ اس لیے کہ یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ میرے لیے کون سا طریق نافع ہے۔ اس لیے میں تم کو ایک مختصر سی بات بتلاتا ہوں۔ اور جھگڑے کی بات بالکل نہیں بتاتا۔ وہ یہ کہ مرشد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بے فکر ہو جاؤ۔ اور لم [کیوں] و کیف [کیسے] کو چھوڑ دو۔ اپنے کو اس کے سپرد کر دو اور اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دو۔ جو وہ طریق بتائے اس پر عمل کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوگے۔ (جلد ۲۸۔ص: ۳۱۴)

خوف خدا سے روکنے والی چیز:

خوف سے روکنے والی صرف دو چیزیں ہیں۔ اول تو عدم ایمان، دوسرے تسویل شیطانی۔ عدم ایمان تو ظاہر ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ یہاں نہیں ہے۔ اس لیے اس کے متعلق تو کچھ کلام کرنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ تسویل شیطانی میں ابتلائے عام ہو رہا ہے۔ اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان نے

سب کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ میاں جو کچھ کرنا ہے کرلو، اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ اخیر میں توبہ کر لیں گے۔ سب بخش دیں گے۔ چنانچہ ارشاد بھی ہے۔ ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ﴾ تو سن لیجیے کہ اللہ تعالی بے شک غفور رحیم ہے۔ لیکن غفور رحیم کے وہ معنی نہیں جو یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ غفور رحیم کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ نافرمانیاں کر چکے ہیں اور نادم ہیں، لیکن ان کو یہ تردد ہوتا ہے کہ آئندہ کے لیے تو خیر، یہ تدبیر ہے کہ گناہ نہ کریں، لیکن گذشتہ کرتوت کی اصلاح کیسے ہو؟ تو ان کے لیے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی گذشتہ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ (جلد ۲۸۔ص:۳۲۸)

توبہ کے اعتماد پر گناہ خطرناک ہے:

جو شخص توبہ کے اعتماد پر گناہ کرتا رہے گا ایک دن عجب نہیں وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ غرض کہ توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا بہت حماقت ہے۔ (جلد ۲۸۔ص:۳۲۹)

تحصیل خوف کا نہایت عمدہ طریقہ:

اب میں آپ کو خوف (کہ جس سے تمام اعمال درست ہو جاتے ہیں) اس کے حاصل ہونے کا طریقہ بتلاتا ہوں۔ اور وہ طریقہ گویا ایک گُر ہے۔ اور وہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بلکہ وہ بھی حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے، وہ یہ ہے۔ ﴿ولتنظر نفس ما قدمت لغد﴾ (اور ہر جان اس پر غور کرے کہ اس نے کل کے لیے کیا عمل آگے کیے ہیں؟) یعنی فکر آخرت کیا کرو۔ اور فکر آخرت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرلو۔ مثلاً سوتے وقت، روزمرہ، بلاناغہ بیٹھ کر سوچا کرو کہ معاد کیا ہے؟ اور مر کر ہم کو کیا پیش آنے والا ہے؟ مرنے سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک جو واقعات ہونے والے ہیں، سب کو سوچا کرو، کہ ایک دن وہ آئے گا کہ میرا اس دار فانی سے کوچ ہو گا۔ سب سامان، مال واسباب، باغ ونوکر چاکر، اولاد، بیٹا، بیٹی، ماں، باپ، بھائی، خویش، اقارب، دوست، دشمن یہیں رہ جاویں گے۔ میں تن تنہا سب کو چھوڑ کر قبر کے گڑھے میں جا لیٹوں گا۔ اور وہاں دو فرشتے آویں گے۔ اگر میرے عمل بھلے ہیں، تو اچھی صورت میں، ورنہ خدانخواستہ ڈراؤنی صورت میں، نہایت ہولناک آواز سے آکر سوالات کریں گے۔ پس اے نفس! اس وقت کوئی تیرا مددگار نہ ہوگا۔

تیرے اعمال ہی وہاں کام آویں گے۔ اگر سوالات کے جواب درست ہوں گے، تو سبحان اللہ! جنت کی طرف کھڑکی کھل جائے گی۔ اور اگر خدانخواستہ امتحان میں ناکام رہا، تو قبر حفرة من النار (دوزخ کا ایک گڑھا) ہوگی۔ اس کے بعد تو قبر سے اٹھایا جائے گا۔ اور نامہ اعمال اڑائے جاویں گے۔ حساب کتاب کے لیے پیش کیا جاوے گا۔ پل صراط پر چلنا ہوگا۔ اے نفس! تو کس دھوکے میں ہے؟ اور ان سب واقعات پر تیرا ایمان ہے۔ اور یقیناً جانتا ہے کہ یہ ہو کر رہیں گے۔ پھر کیوں غفلت ہے؟ اور کس وجہ سے گناہوں کے اندر دلیری ہے؟ کیا دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے؟ اے نفس! تو ہی اپنا غم خوار بن۔ اگر تو اپنی غم خواری نہ کرے گا، تو تجھ سے زیادہ کون تیرا خیر خواہ ہوگا۔ اسی طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ ان واقعات کو تفصیل سے سوچا کرے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ چند ہی روز کے بعد دیکھو گے کہ خوف پیدا ہو گیا۔ اور خوف پیدا ہونے کے بعد آپ کو ماضی سے توبہ کی فکر ہوگی۔ اور آئندہ کے لیے اطاعت کی توفیق ہوگی۔ اس وقت آپ کو مشاہدہ ہوگا۔ اتقوا الله پر کیسے اصلاح اعمال و محو ذنوب مرتب ہو گئے؟ (جلد ۲۸۔ ص: ۳۳۳۔ ۳۳۴)

اطاعت کاملہ کا محبت پر موقوف ہونا اور محبت پیدا کرنے کا طریقہ:

﴿ومن یطع اللہ و رسولہ، فقد فاز فوزا عظیما﴾ یعنی جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کرے وہ بڑی کامیابی کو پہنچا۔ یطع میں اشارہ ہے کہ جو شخص خوشی سے کہنا مانے۔ اس کے لیے یہ طوع سے مشتق ہے، اور خوشی سے کہنا ماننا اللہ و رسول کی محبت کے بنا نہیں ہوتا۔ اور اللہ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے۔ اس کے لیے بھی ایک وقت مقرر کر کے سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر نعمتیں ہیں۔ چند روز کے بعد آپ کو مشاہدہ ہوگا کہ ہم سرتاسر عنایت اور نعمتوں میں غرق ہیں۔ اس سے آپ کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنی ناکارگی اور تقصیر جاگزیں ہوگی۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا تعلق آپ سے بھی ہے۔ آپ کے ساتھ محبت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ حضور نے جو ہمارے لیے مشقتیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت فرمائی اس کو سوچا کرو۔ جب محبت پیدا ہوگی اطاعت خوشی سے ہوگی، ادھر محبت

ہوگی، اور پہلے جو طریقہ بیان کیا اس سے خوف ہوگا۔ یہ دونوں شے آپ کے دین دنیا دونوں درست کردیں گے اور بڑی کامیابی سے یہی مراد ہے۔ (جلد ۲۸۔ص:۳۳۴)

ذکر میں لذت آنے کا طریقہ:

ذکر میں لذت آنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں کہ ذکر کی زیادتی کرے۔ جس قدر ذکر زیادہ ہوگا، قلب زیادہ معتاد ہوگا۔ دوسرے خیالات کمزور پڑیں گے ذکر میں خود بخود لذت حاصل ہوگی۔

(جلد ۲۸۔ص:۳۵۰)

طالب کیسا ہونا چاہیے:

ایک عارف کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کو ایک روز یہ آواز آئی کہ کتنی ہی عبادت کرو کچھ قبول نہیں۔ اس کو ان کے ایک مرید نے بھی سنا۔ دوسرا دن ہوا، تو وہ بزرگ پھر عبادت کے لیے اٹھے۔ پھر وہی آواز آئی۔ جب کئی مرتبہ ایسا ہوا، تو مرید نے کہا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں ادھر کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اور آپ ہیں کہ خواہ مخواہ گرے جاتے ہیں۔ جب قبول ہی نہیں، تو محنت سے کیا فائدہ؟ ان بزرگ نے جواب میں فرمایا:...... بھائی چھوڑ تو دوں، لیکن یہ تو بتلا دو کہ چھوڑ کر کس در پر جا پڑوں۔ اس جواب پر رحمت باری کو جوش ہوا اور آواز آئی۔

قبول ست گرچہ ہنر نیستت ☆ کہ جز ما پناہ دگر نیستت

قبول ہے گو تمہارے پاس عمدہ چیز نہیں ہے کیونکہ ہمارے سوا تمہارے لیے کوئی پناہ بھی نہیں ہے۔ کہ اگرچہ تمہاری عبادت تو کسی ڈھنگ کی نہیں۔ لیکن خیر جب ہمارے سوا تمہارا کوئی نہیں ہے۔ تو تم کو بھی ہم ہی لے لیں گے۔ صاحبو! طالبین کی یہ حالت ہونی چاہیے۔ (جلد ۲۸۔ص:۳۵۲)

توبہ ٹوٹنے کا ڈر ہو تو بھی مایوس نہ ہو:

اگر یہ خوف ہو کہ توبہ ٹوٹ جائے گی اور گناہوں سے باز نہ رہ سکیں گے تو بھی ہمت نہ ہارو۔ کیونکہ پھر توبہ کر لینا۔ دیکھو اگر ایک کپڑا پھٹ جاتا ہے تو اس کو [یہ سوچ کر] بالکل پھٹا ہوا نہیں چھوڑتے کہ سینے کے بعد پھر پھٹ جائے گا۔ بلکہ سی کر پھر کام میں لاتے ہیں۔ بس یہی حالت توبہ کی ہے کہ محض اس کے ٹوٹنے کے احتمال سے اس کو ترک کرنا نہ چاہیے۔ بلکہ اس وقت پھر توبہ کر لینا

چاہیے۔ باب توبہ بند نہیں ہوا۔ بلکہ اگر دن میں سو دفعہ بھی توبہ ٹوٹ جاوے تو پھر توبہ کرلو۔ مایوس نہ ہو جاؤ۔ خوب کہا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ☆ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست ☆ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(باز آ جاؤ، باز آ جاؤ۔ جیسے کچھ بھی تم ہو اس سے باز آ جاؤ۔ توبہ کرلو۔ اگر تم کافر ہو، آگ پوجنے والے ہو، بت پرست ہو، تو بھی باز آ جاؤ۔ یہ ہماری بارگاہ نا امیدی کی بارگاہ نہیں ہے۔ سو بار بھی توبہ توڑ چکے ہو، تو بھی باز آ جاؤ۔ توبہ کرلو۔)

بلکہ اسی ترکِ توبہ ہی کی وجہ سے ہم کو معاصی پر زیادہ جرأت ہو گئی ہے۔ کیونکہ جو شخص توبہ کرتا رہے گا، اس کے دل میں عظمتِ خداوندی کسی نہ کسی درجہ میں ضرور باقی رہے گی۔ یہ بڑا سبب ہے معاصی سے رک جانے کا۔ برخلاف اس شخص کے جو کبھی توبہ نہ کرے گا، وہ خدا کو بالکل بھول جائے گا۔ اور جب اس کی عظمت پیش نظر نہ ہوگی تو جو کچھ بھی اس سے ہو جاوے بعید نہیں۔ (جلد ۲۸۔ ص: ۳۷۰۔ ۳۷۱)

بری نظر اور بری نیت بہت سخت گناہ ہیں، مگر لوگ ان کو ہلکا سمجھتے ہیں:

﴿یعلم خائنة الأعین وما تخفی الصدور﴾ (اللہ تعالیٰ جانتے ہیں آنکھ کی خیانت کو اور جس کو سینے چھپاتے ہیں یعنی دل کی باتوں کو) خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو گناہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آنکھوں کے گناہ کو اور دل کے گناہ کو۔ اور یوں تو آنکھوں کے بہت سے گناہ ہیں، لیکن یہاں ایک خاص گناہ کا ذکر ہے۔ وہ کیا ہے؟ بدنگاہی۔ اسی طرح دل کے بہت گناہ ہیں۔ لیکن یہاں بقرینۂ سیاق خاص گناہ کا ذکر ہے، یعنی نیت بری ہونا۔ ان دونوں گناہوں کو لوگ گناہ تو سمجھتے ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ جس درجہ ان کی مضرت ہے اس قدر نہیں سمجھتے۔ چنانچہ گناہ کا ادنی اثر یہ ہونا چاہیے کہ دل تو میلا [یعنی پریشان اور شرمندہ] ہو جائے۔ مگر اس گناہ کے بعد دل بھی میلا نہیں ہوتا۔ بہت خفیف سمجھتے ہیں۔ کسی عورت کو دیکھ لیا۔ کسی لڑکے کو گھور لیا۔ اس کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان کو دیکھ لیا یا کسی پھول کو دیکھ لیا۔

......اور یہ گناہ وہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ بدکاری سے تو بہت محفوظ ہیں.... چونکہ موانع زیادہ ہیں۔ اس لیے کوئی شائستہ آدمی خصوصاً جو دیندار سمجھے جاتے ہیں، اس میں بہت کم مبتلا ہوتے ہیں۔ بخلاف آنکھوں کے گناہ کے، کہ اس میں سامان کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ نہ اس میں ضرورت روپیہ کی، اور نہ اس میں بدنامی، کیونکہ اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے، کہ کیسی نیت ہے؟ کسی کو گھور لیا اور مولوی صاحب مولوی صاحب رہتے ہیں اور قاری صاحب قاری صاحب رہتے ہیں۔ نہ اس فعل سے ان کی مولویت میں فرق آتا ہے اور نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں دھبہ لگتا ہے۔ اور گناہوں کی خبر تو اوروں کو بھی ہوتی ہے مگر اس کی اطلاع کسی کو نہیں ہوتی۔

اور جن کو اطلاع ہوتی ہے، وہ حضرات ایسے متحمل اور ظرف والے ہیں کہ کسی کو خبر نہیں کرتے۔ .... اہل کشف نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایک ایسی ظلمت ہو جاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بصیرت ہو وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے۔ اگر دو شخص ایسے لیے جاویں کہ عمر میں، حسن و جمال میں اور ہر امر میں وہ برابر ہوں۔ فرق ان میں صرف اس قدر ہو کہ ایک فاجر ہو دوسرا متقی ہو، جب چاہے دیکھ لو، متقی کی آنکھ میں رونق اور دلفریبی ہوگی۔ اور فاسق کی آنکھ میں ایک قسم کی ظلمت اور بے رونقی ہوگی۔ لیکن اہل کشف خصوصیت سے کسی کو کہتے نہیں۔ بلکہ عیب پوشی کرتے ہیں۔ (جلد ۲۸۔ص:۴۲۲۔۴۲۳)

مشائخ سے اپنے عیب نہیں چھپانے چاہییں:

جب بزرگوں کی شان معلوم ہوگئی کہ وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے، تو اب مستفیدین کو بھی چاہیے کہ ایسے شیوخ سے اپنے عیب کو نہ چھپایا کریں۔ اس لیے کہ عیب ظاہر نہ کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے۔ یا تو خوف ہوتا ہے کہ یہ ہم کو حقیر سمجھیں گے۔ سو ان حضرات میں نہ تو یہ بات ہے کسی کو حقیر سمجھیں۔ اس لیے کہ یہ حضرات سوائے اپنے نفس کے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے۔ اور یا یہ خوف ہوتا ہے کہ کسی کو اطلاع کر دیں گے۔ سو نہ ان حضرات میں یہ بات ہے۔ اس لیے ان سے صاف کہہ دینا چاہیے۔ مگر یہ اظہار معالجہ کے لیے ہے۔ نہ کہ بلاضرورت۔ کیونکہ بلاضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے۔
(جلد ۲۸۔ص:۴۲۴)

یہ مرض نہایت اہتمام کا مستحق ہے:

اس تمام تر تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مرض نہایت اہتمام کے قابل ہے۔ اب ہم کو اپنی حالت دیکھنا چاہیے۔ کہ ہمارے اندر اس معصیت سے بچنے کا کتنا اہتمام ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہوا ہو۔ ورنہ ابتلائے عام ہے۔ اس کو نہایت درجہ خفیف سمجھتے ہیں۔ جو جوان ہیں ان کو تو اس کا احساس ہوتا ہے۔ اور جن کی قوت شہو یہ ضعیف ہو گئی ہے ان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تو شہوت ہی نہیں، اس لیے کچھ حرج نہیں ہے۔ سو ان کو مرض کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ اور بعضوں کو اور دھوکہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ شیطان بہکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول، اچھے کپڑے، اچھے مکان وغیرہ کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے، ایسے ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ سو یہ بالکل دھوکہ ہے۔ یاد رکھو کہ رغبت کے مختلف انواع ہیں۔ جیسی رغبت پھول کی طرف ہے ویسی انسان کی طرف نہیں۔ اچھے کپڑے کو دیکھ کر کبھی جی نہیں چاہتا کہ اس کو گلے لگا لوں، چمٹا لوں۔ انسان کی طرف ایسی ہی رغبت ہوتی ہے۔ ایک دھوکہ اور ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ بعضے یہ کہتے ہیں جیسے اپنے بیٹے کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ گلے لگا لوں، اسی طرح دوسرے کے بچے کو دیکھ کر بھی ہمارا یہی جی چاہتا ہے۔ صاحبو! کھلی ہوئی بات ہے، اپنے سیانے بچے اور دوسرے کے سیانے لڑکے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے لڑکے کو گلے لگانا چمٹانا اور طرح کا ہے۔ اس میں شہوت کی آمیزش ہر گز نہیں۔ اور دوسرے کے لڑکے کی طرف اور قسم کا میلان ہے۔ کہ اس میں گلے لگانے سے بھی آگے بڑھنے کو بعض کا جی چاہتا ہے۔ محبوب کی جدائی میں اور طرح کا رنج ہوتا ہے۔ اور اپنے لڑکے کی جدائی میں اور قسم کا۔

......اور دوسرے معاصی اور بدنگاہی کی معصیت میں ایک اور فرق ہے۔ وہ یہ کہ صدور کے بعد سب گناہوں کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ اور دل بھر جاتا ہے۔ مگر بدنگاہی ایسی شے ہے کہ جب صادر ہوتی ہے اور زیادہ تقاضا ہوتا ہے۔ کہ اور دیکھو۔ آدمی کھانا کھاتا ہے، سیر ہو جاتا ہے۔ پانی پیتا ہے، پیاس بجھ جاتی ہے۔ مگر یہ نظر ایسی بلا ہے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی ہے۔ اس حیثیتِ خاص سے یہ تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ (جلد ۲۸: ص۔ ۴۲۷۔ ۴۲۹)

اور افسوس ہے کہ بعضے پیر بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں، کہ عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتیں۔ اور کہتی ہیں کہ یہ تو بجائے باپ کے بلکہ باپ سے بھی زیادہ ہیں۔ اور بے حیا محابا سامنے آتی ہیں۔ اور بڑے بے حیا وہ دیوث مرد ہیں، جو ایسے پیروں کے سامنے اپنی بیٹیوں بہوؤں کو آنے دیں۔ بعض جگہ تو ایسا سنا گیا ہے کہ مریدنیاں تنہا مکان میں جاتی ہیں، اور وہاں مرید ہوتی ہیں۔ نعوذ باللہ، جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا؟ حضور سے عورتیں پردہ کرتی تھیں۔ ساری امت کی عورتیں آپ کی روحانی بیٹیاں۔ اور حضور خود معصوم۔ کسی قسم کے وسوسہ کا بھی شائبہ نہیں۔ لیکن باوجود اس کے پھر پردہ کا حکم تھا۔ (جلد ۲۸۔ص:۴۳۶)

خلاصہ یہ ہے۔ کہ آنکھوں کا گناہ سخت ہے۔ اور اس میں بہت ابتلاء ہو رہا ہے۔ اس کا بہت انتظام کرنا چاہیے۔ اپنا بھی اور گھر والوں کا بھی۔ اور اس کا علاج سہل یہ ہے کہ راہ میں چلنے کے وقت نیچی نگاہ کر کے چلنا چاہیے۔ ادھر ادھر نہ دیکھے۔ ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔ (جلد ۲۸۔ص:۴۳۹)

بد نگاہی پر کبھی دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے:

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے **اللھم انی اعوذبک من غضبک** (اے اللہ میں آپ کے غضب سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں)۔ کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو؟ کیا بات ہے؟ کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا۔ غیب سے چپت لگا اور آنکھ پھوٹ گئی۔ اس لیے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہ ہو جاوے۔ (جلد ۲۸۔ص:۴۴۰۔۴۴۱)

دل کے چور:

آگے فرماتے ہیں ﴿**ماتخفی الصدور**﴾ یعنی جس شے کو سینے میں چھپاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں۔ یہ پہلے سے اشد ہے۔ یعنی معصیت صرف نگاہ ہی سے نہیں، بلکہ دل سے بھی ہوتی ہے۔.... بعض مرتبہ خود قلب ہی سے معصیت صادر ہوتی ہے۔ صدور کے وقت آنکھ، کان کا واسطہ نہیں ہوتا۔ مثلاً پہلی دیکھی ہوئی صورتیں یاد آتی ہیں۔ اور ان سے التذاذ [مزالینا] ہوتا ہے۔.... اس کی اطلاع سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس سے وہی بچے گا جس کے قلب میں تقویٰ ہو۔

(جلد ۲۸۔ص:۴۴۴۔۴۴۵)

مجھے اس گناہ پر متنبہ کرنا منظور ہے۔ اس لیے کہ اس گناہ کا ابتلا عام تھا۔ حتی کہ جو نیک کہلاتے ہیں، وہ بھی اس میں مبتلا ہیں۔ خدا کے واسطے اس کا انتظام کرنا چاہیے۔ افسوس منھ سے تو خدا تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور غیر پر نظر۔ افسوس صد افسوس۔ (جلد ۲۸۔ص: ۴۴۷)

معصیت کے تقاضہ کا نہایت مفید علاج:

ایک اور تدبیر ہے جو مقوی ہے ان تدابیر کی وہ یہ کہ جب قلب میں ایسا خیال پیدا ہو، ایسا کرو کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھو اور توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ جب نگاہ پڑے یا دل میں تقاضا پیدا ہو تو فوراً ایسا ہی کرو۔ ایک دن تو بہت سی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی۔ دوسرے دن بہت کم ایسا خیال آوے گا۔ اس طرح بتدریج نکل جاوے گا۔ اس لیے کہ نفس کو نماز بڑی گراں ہے۔ جب دیکھے گا ذرا سا مزہ لینے پر یہ مصیبت ہوتی ہے ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے پھر ایسے وسوسے نہ آویں گے۔
(جلد ۲۸۔ص: ۴۴۷۔۴۴۸)

عارفین میں برکت اور کرامت ہوتی ہے:

برکت یہ ہوتی ہے ان کے وجود باجود سے بارش ہوتی ہے۔ بیماری دور ہوتی ہے۔ آفات اور حوادث ٹل جاتے ہیں۔ لیکن ان کو خبر تک نہیں ہوتی۔ جیسے آفتاب جب نکلتا ہے تو سب کو منور کر دیتا ہے۔ لیکن آفتاب کو کچھ خبر تک نہیں کہ میری ذات سے کس کس شے کو نفع پہنچ رہا ہے۔ اور دوسری شے کرامت ہے۔ وہ بھی کبھی عارفین میں ہوتی ہے۔ کرامت یہ ہے کہ کسی خارق عادت کا ان کے ذریعہ سے ظاہر ہونا۔ کرامت میں قصد نہیں ہوتا، گو علم ہو۔ [اور برکت میں علم بھی نہیں ہوتا]۔
(جلد ۲۸۔ص: ۴۵۱۔۴۵۲)

دعا بہر حال کرنی چاہیے:

اب ایک دوسرا سبب دعا نہ کرنے کا سنیے۔ وہ یہ کہ عقیدہ تو دعا کا ہے، مگر خیال یہ ہو جاتا ہے کہ ہم دعا کے قابل نہیں۔ ہم کیا دعا کریں؟ اور در حقیقت یہ بھی شیطان کا ایک وسوسہ ہے۔ جو ان لوگوں کے دلوں میں تواضع کے رنگ میں ڈالا گیا ہے۔ ....شیطان نے برکات دعا سے محروم کرنے کے

واسطے ایک حیلہ سکھا دیا ہے۔لہذا اس کا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہیے۔اور دعا بڑے اہتمام سے کرنی چاہیے کہ وہ خالی نہیں جاتی۔اور کچھ نہ ہو یہ کیا کم ہے کہ آخرت کے لیے اس کا اجر جمع رہے گا۔

....اب تیسرا سبب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ بعضے یہ سمجھ کر دعا نہیں کرتے کہ قبول تو ہوتی ہی نہیں پھر دعا سے کیا فائدہ؟ سو خود یہی سمجھنا غلط ہے کہ خداوند تعالیٰ قبول نہیں کرتے۔واقع میں موانعِ قبول دعا خود اپنی ذات میں ہوتے ہیں، مثلاً دل سے خشوع وخضوع کے ساتھ، جو روح ہے دعا کی، دعا نہ کرنا۔محض زبان سے کہہ دینا۔حدیث میں ہے **ان اللہ لایستجیب الدعاء من قلب لاہ** سو یہ قصور اپنا ہے۔ورنہ وہ ذات تو سب پر مہربان اور اس کا فیض سب پر محیط ہے۔

بعض دفعہ اس وجہ سے قبول نہیں ہوتی کہ درحقیقت وہ دعا اس کے لیے بہتر نہیں ہوتی۔اور خلاف حکمت ہوتی ہے۔اس لیے ترحُّماً [رحمت کی وجہ سے] قبول نہیں فرماتے۔

(جلد ۲۸۔ص: ۴۸۵، ۴۸۶)

توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا سخت غلطی ہے:

بعضے توبہ کے بھروسہ گناہ کرتے ہیں۔اور یہ سخت غلطی ہے۔کیونکہ گناہ کی جب عادت ہو جاتی ہے، پھر توبہ بھی مشکل ہو جاتی ہے۔کیونکہ نئے گناہ سے جن کی ابھی لذت نہیں رچی، توبہ کرنا آسان ہے۔اور عادت والے گناہ سے توبہ بہت مشکل ہے۔علاوہ اس کے جب چھوٹے گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جاتا، تو طبیعت بے باک ہو جاتی ہے۔اور دل کھُل جاتا ہے۔پھر رفتہ رفتہ کبیرہ بھی ہونے لگتے ہیں۔جیسے صاف کپڑے کو بارش میں کیچڑ وغیرہ سے بچایا جاتا ہے۔اور جب بہت چھینٹیں پڑ جاتی ہیں تو پھر دامن کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔اور وہ کپڑا بالکل خراب ہو جاتا ہے۔ایسا ہی گناہ کا معاملہ ہے کہ جس گناہ کی طبیعت عادی ہو جاتی ہے، وہ پرانا ہو جاتا ہے اور چھوٹتا نہیں۔

(جلد ۲۸۔ص: ۵۱۸)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد۲۹

مجالس الحکمۃ و خمخانۂ باطن

جامع: حکیم محمد مصطفٰی میرٹھیؒ و جناب سید مقبول حسین وصل بلگرامیؒ

تشویش قلب کا مفید علاج:

تشویش قلب کا علاج مفید اور مجرب علاج یہ ہے کہ صالحین اور اولیاء کے تذکرے دیکھا کیجیے۔ جیسے مقاصد الصالحین اور تذکرۃ الاولیاء وغیرہ (۱)۔ ان میں یہ خاصیت ہے کہ قلب میں قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ثبات واستقلال بڑھ جاتا ہے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ جب انسان اپنے ہم جنسوں کے احوال میں پڑھتا ہے کہ انہوں نے ایسے ایسے مجاہدے کئے ہیں، تو پڑھنے والے کو بھی ہمت ہوتی ہے۔ اور کچھ مقبولان خدا کے ذکر واحوال میں بالخاصہ بھی یہ اثر ہے۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ خدا کے نام کا کچھ ورد کیجیے التزام کے ساتھ۔ درود شریف پڑھا کیجیے۔ کم از کم سو ہی بار روزانہ سہی، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور نفع ہوگا۔ اور تیسرا علاج یہ ہے کہ دعا کیجیے

---

(۱) [اب الحمدللہ اولیاء وصالحین کے تذکروں پر مشتمل مستند اور مفید کتابیں بکثرت موجود ہیں، مثلاً تاریخ دعوت وعزیمت کی تیسری اور چوتھی جلد اور ماضی قریب کے مشائخ مثلاً حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہم اللہ کی سوانح، نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ کی بے نظیر آپ بیتی]۔

حق تعالیٰ سے اپنے مقاصد میں کامیابی کی یا رفع پریشانی کی۔ اس طرح کی دعا حتی الامکان حضور قلب اور عاجزی کے ساتھ مانگے کہ یا اللہ میرا یہ کام کردے۔ اور ایک ایک مضمون کو تین تین بار کہے۔ کام ہو یا نہ ہو، دعا کو سکون قلب میں عجیب تاثیر ہے۔ (جلد۲۹۔ص:۳۸)

اصلاح کے لیے صحبت زیادہ مفید ہے:

اسی مجلس میں ذکر ہوا کہ اصلی چیز اصلاح کے لیے صحبت ہے۔ علم چاہے نہ ہو مگر صحبت ہو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ علم بھی بلاصحبت کے بیکار ہے۔ صاحب صحبت بلا علم کی اصلاح زیادہ ہوتی ہے، صاحب علم بلا صحبت سے۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ انگریزی خواں بچوں کو بھیجا کرو صلحا اور علماء کے پاس۔ اور بڑے بھی اس کا خیال رکھیں تو بڑا فائدہ ہو۔ اور ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم نہ ان کے پائچوں پر اعتراض کریں گے، نہ ان کی داڑھی سے ہمیں بحث ہوگی۔ نہ ہم ان کو مار مار کر نماز پڑھاویں گے۔ وہ ہمارے پاس بیٹھیں گے تو ان کو ہم سے اور ہم کو ان سے انس ہوگا۔ اور دین سے مناسبت پیدا ہوگی۔ یہ مناسبت جڑ ہے اور علم و عمل اس کی فرع۔ صحابہ سب کے سب عالم نہ تھے۔ صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا۔ اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف۔ (جلد۲۹۔ص:۴۰)

کسی کام میں بزرگوں کی دعا شامل ہونا:

بزرگوں کی دعا کا شامل ہونا علامت مقبولیت ہے۔ (جلد۲۹۔ص:۴۷)

دین میں مشورہ کی ضرورت:

مشورہ کیسی ضروری چیز ہے کہ ہارون رشید نے باوجود خود عالم ہونے اور حدیث موجود ہونے کے امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔ اور ان کا کہنا مان بھی لیا۔ علماء کو خاص توجہ ہونی چاہیے۔ جو مولوی فتوے دینے میں مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھتے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ قلب میں دین کی عظمت اور خوف خدا نہیں ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ کا کام اور زائد از کار بات ہے۔ یوں کر دیا تو کیا اور یوں کر دیا تو کیا؟ یہ بہت خطرناک حالت ہے ایسا مفتی عالم ہی نہیں۔ (جلد۲۹۔ص:٦٦)

قصۂ بہاولپور، حضرت والا کی شان استغناء وفقر:

حضرت والا نے خود بیان فرمایا کہ ریاست بہاولپور علم کی قدردان ہے۔ اکثر علماء جاتے آتے رہتے ہیں۔ مجھے گو اس قسم کا شوق نہیں۔ مگر ایک مرتبہ مولوی رحیم بخش صاحب مدار المہام کے اصرار سے جانا پڑا۔ مولوی صاحب نہایت اہل علم سے محبت رکھتے ہیں۔ بڑی خاطر سے پیش آئے۔ نواب صاحب نابالغ ہیں۔ انتظام کمیٹی کا ہے۔ نواب صاحب شہر سے باہر دوسری جگہ رہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے نواب صاحب سے بھی ملایا۔ ریاست کا دستور ہے، کہ جو کوئی نواب صاحب سے ملے تو خلعت اور دعوت ملتی ہے۔ مجھے بھی ڈیڑھ سو روپیہ خلعت کے اور اکیس روپے دعوت کے دیے گئے۔ اور مولوی صاحب نے مجمع عام میں دیے۔ اور یہ بھی کہا کہ آئندہ کے لیے انتظام کر دیا ہے کہ جب آپ تشریف لاویں یہ روپیہ ملا کرے گا۔ میں نے بایں خیال کہ واپس کرنے میں ریاست کی توہین ہوگی وہ روپیہ لے لیا۔ کہا گیا کہ رسید لکھنی پڑے گی۔ میں نے رسید بھی لکھ دی۔ بعد ازاں تنہائی کے وقت ایک صاحب کے ہاں جو وہاں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے وہ روپیہ مولوی صاحب کے پاس واپس بھیجا۔ نہایت شرمندہ ہوئے اور لے لینے کے واسطے اصرار کیا۔ مگر میں نے نہ مانا۔ فرمایا: پھر جناب نے اسی وقت کیوں نہ واپس کر دیا تھا۔ میں نے کہا اس کو میں نے ریاست کے لیے باعث توہین سمجھا۔ فرمایا: تو آپ کی توہین ہوئی۔ اور یہ ہم کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا میری توہین تو جو کچھ ہونا تھی ہو چکی۔ ریاست کی توہین تو نہ ہوئی۔ اور میری توہین کیا ہے؟ توہین اس کی ہو جو شاندار آدمی ہو۔ ازالۂ شان کا نام توہین ہے۔ جب شان ہی نہیں تو ازالہ کس چیز کا ہوگا۔ اس وقت واپس نہیں کیا، اب واپس لے لیجیے، میں اس کو اپنے واسطے جائز نہیں سمجھتا۔ ریاست کا خزانہ بیت المال ہے۔ اس میں مساکین کا حق ہے۔ یا قریب کے علماء کا جو یہاں کے لوگوں کو نفع پہنچا سکتے ہوں۔ (اگرچہ علماء کا یہ بھی قول ہے کہ ہر عالم کا ہر بیت المال میں حق ہے، قریب ہو یا بعید۔) میں صاحب نصاب ہوں، مجھ کو یہ مال پسند نہیں۔

(حضرت والا فرماتے ہیں، مجھے دوسرے اہل علم کے ضرر کا بھی خیال رہتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو، ان کا نقصان نہیں پسند کرتا ہوں۔ اگر کوئی منکر ہی طریقہ ہو تو پھر کسی کی بھی رعایت کرنے کا

موقع نہیں) اس واسطے یہ لفظ کہ یا قریب کے علماء کا بڑھا دیا، تا کہ ایسا نہ ہو کہ ریاست سے علماء کی خدمت ہی موقوف ہو جاوے۔ مولوی رحیم بخش صاحب نے فرمایا: اب تو اس رقم کو لے ہی لیجیے۔ خزانہ میں اندراج ہو گیا، اب واپس کرنے میں بہت کام بڑھے گا۔ میں نے کہا خزانہ میں میرے نام لکھا رہنے دیجیے۔ اور خفیہ طور پر مستحقین کو دے دیجیے۔ فرمایا: میں آپ کی بدنامی نہیں چاہتا کہ آپ روپیہ نہ لیں اور سب کو معلوم ہو کہ لے لیا۔ خود خزانہ میں گئے اور رسید وغیرہ سب کٹوا دیں۔ اور جو قاعدہ تھا اس کے موافق اندراجات کرا دیے۔ (جلد ۲۹۔ص: ۷۵۔۷۶)

وصول الی اللہ کا مختصر طریقہ:

فرمایا: میں نے بہت دفعہ طلبہ سے اور عام طور سے لوگوں سے کہا ہے کہ دو باتوں پر پکے ہو جاؤ میں ذمہ لیتا ہوں وصول الی اللہ کا، ایک گناہوں سے بچنا۔ دوسرے کم بولنا اور تھوڑی خلوت [یعنی مع الذکر] (جلد ۲۹۔ص: ۷۹۔۸۰)

یا حفیظ کا ختم:

فرمایا کہ طالب علموں اور ذاکرین سے کہو بعد مغرب مسجد میں سب جمع ہو کر یا حفیظ کا ختم پڑھیں۔ اس طرح کہ اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف پڑھیں اور بلا قید کسی تعداد کے آدھے گھنٹے تک یا حفیظ پڑھیں۔ اس کے بعد خوب الحاح کیساتھ دعا کریں اور نمازیوں میں سے جس کا بھی چاہے شریک ہو جاوے۔ اور عشاء کے بعد اسی طرح یا حفیظ پڑھیں،......ایک ایک ہزار بار پڑھیں۔ اور دعا کریں۔ پھر صبح کی نماز کے بعد بھی جمع ہو کر آدھا گھنٹہ پڑھیں۔ جیسے مغرب کے بعد پڑھا تھا۔ (جلد ۲۹۔ص: ۹۸)

عملیات میں اہل اللہ کا معمول:

عملیات میں زیادہ قیود لگانے کو حضرت والا پسند نہیں فرماتے، کہ دعا کی حد سے نکل کر علاج کی حد میں آ جاتا ہے۔ ایک طحال کے تعویذ میں قید تھی کہ سنیچر اور بدھ کے دن کیا جاوے۔ اس کو حضرت والا نے ساقط کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہ کسی نجومی کی گڑھت ہے اور بلا قید دن کے استعمال کرانا شروع کر دیا اور باذنہ تعالیٰ وہی نفع ہوا۔ (جلد ۲۹۔ص: ۹۹)

اچھے خواب نظر آنا محمود ہے مقصود نہیں:

بعض ذاکرین نے خوشی کے ساتھ عرض کیا کہ جب سے ہم نے ذکر شروع کیا ہے اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں۔ فرمایا: محمود ہے مگر مقصود نہیں۔ کبھی کسی نے عرض کیا کہ جب سے ذکر شروع کیا ہے خواب پریشان نظر آتے ہیں۔ فرمایا: اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ حالت تمہاری اچھی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ جب نماز کا وقت خواب میں دیکھتا ہوں تو یہی دیکھتا ہوں کہ میری نماز قضا ہوگئی ہے۔ اس سے بڑی پریشانی ہے۔ فرمایا: پریشانی کی کیا بات ہے؟ ممکن ہے تحرین من الشیطان ہو۔ اور جب کہ خواب جیسی ادنی چیز سے غم ہوتا ہے، تو معلوم ہوا دل میں نماز کا خیال ہے۔

محمود ہونے اور مقصود نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ہونا اچھا ہے۔ اور نہ ہونا برا نہیں۔ ہونا اچھا اس واسطے ہے کہ ذاکر کا دل خوش ہوتا ہے تو ہمت ہوتی ہے ذکر کی۔ (جلد ۲۹۔ص:۱۱۷)

کام کی نگرانی اور تقصیر پر تشدد:

میں کسی سے بلا اجرت کام نہیں لیتا ہوں۔ حالانکہ رواجاً اور قانوناً سب طرح مجھے حق ہے کہ کام لوں۔ کیونکہ کوئی مجھ سے بیعت ہے، کوئی شاگرد ہے۔ لیکن میں اس کو حرامِ شرعی سمجھتا ہوں۔ میں اس کو داخل تکبر سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ رؤساء راہگیروں سے کام لیا کرتے ہیں۔ کہ ارے فلانے! بازار میں فلانے سے یہ کہتے جانا۔ ایسا مذاق بگڑا ہے کہ لوگ اس کو کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ وہ راہگیر نہ ان کی رعیت ہے، نہ کوئی شناسا بمرتبۂ دوستی۔ مگر ابتدا سے عادت حکومت کی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص سے کام لے لینے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اس حق کی حقیقت جب معلوم ہو کہ ان کے اوپر جو حاکم ہے، وہ ان کو پکڑ پکڑ کر کسی ناگوار کام پر بھیج دے۔ ہم بہاولپور گئے۔ گرمی کا موسم تھا، پنکھا کھینچنے کے لیے قیدی بلائے گئے۔ مجھے سخت ناگوار ہوا۔ اور چاہا کہ ان کو واپس کرادوں، لیکن معاً خیال ہوا کہ جیل خانہ سے تو یہاں اچھے ہی رہیں گے۔ خدا جانے وہاں کیا کیا مشقت لی جاتی ہوگی۔ اس واسطے واپس نہ کیا۔ اور جب سب لوگ چلے گئے تو ان سے کہہ دیا پنکھا بند کرو خالی بیٹھے رہو۔ سو جاؤ۔ کیونکہ بیگار لینا جائز نہیں۔ پھر کھانا آیا تو کھانا ان کو بھی دلوادیا۔ قیدیوں کی یہ حالت تھی کہ اس قدر خوش تھے، کہ

وہ کہتا تھا کہ میں بلایا جاؤں، وہ کہتا تھا میں بلایا جاؤں، ایسا کھانا انہوں نے کہاں کھایا ہوگا۔

(جلد۲۹۔ص:۱۱۹)

کثرت شہوت کے لیے علاج:

ایک شخص نے عرض کیا کہ مجھ کو عورتوں اور لڑکوں کی طرف اس درجہ میلان ہے کہ جنون کی سی حالت ہے۔ کھانے کا بھی اس کے سامنے ہوش نہیں۔ اور نماز پڑھتا تو ہوں مگر بعض وقت یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ کیا پڑھا۔ اور میں اس سے نہایت خائف ہوں۔ اور اس کا علاج چاہتا ہوں۔ فرمایا میلان کے دو درجے ہیں۔ ایک تو کسی شے کی طرف توجہ۔ اور ایک محبت، یعنی توجہ تقاضے کے درجہ میں۔ اول درجہ تو امر طبعی ہے۔ حق تعالی نے مرد کی طبیعت میں میلان رکھا ہے۔ نہ یہ کسی تدبیر سے جا سکتا ہے، نہ اس کے کھونے کا انسان مکلّف ہے۔ اور دوسرا درجہ اختیاری ہے۔ یعنی اختیار کو اس کے وجود وعدم میں دخل ہے۔ انسان کسی چیز میں انہماک اتنا کر سکتا ہے کہ اسی کا ہو رہے۔ اور کسی چیز سے اتنا بچ سکتا ہے کہ محبت کا درجہ نہ رہے۔ جب یہ اختیاری ہے تو انسان اس کا مکلّف بھی ہے۔

۱) ایک علاج ہمت ہے: علاج اس کا ہمت ہے۔ حق تعالی نے افعال اختیاریہ کو بندہ کی ہمت پر رکھا ہے۔ اور ہمت کرنے کے بعد مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔

۲) دوسرا علاج خیال ہٹانا: اور دوسرا علاج طبیعت کو اس طرف سے پھیرنا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ نفس دو چیزوں کی طرف ایک وقت میں متوجہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا جس وقت ہیجان پیدا ہو، نفس کو دوسرے کام میں لگا دینا چاہیے۔ خواہ دین کے کام میں، مثلاً نماز پڑھنے لگے۔ یا ذکر میں، یا تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جاوے۔ خواہ دنیا کے کام میں، مثلاً کسی کے پاس جا بیٹھے وغیرہ وغیرہ۔

۳) تیسرا علاج اس علاج کی طرف سے بھی خیال ہٹانا: اور ایک علاج یہ بھی ہے کہ اس ہیجان کی طرف مطلق التفات ہی نہ کرے۔ اور سمجھ لے کہ اس سے میرا کچھ نہیں بگڑتا۔ خیال ہے، آتا ہے آیا کرے۔ یہ نہایت مجرب علاج ہے۔ عرض کیا: کیسے التفات نہ کروں؟ نماز اور ذکر وشغل میرا سب غارت ہو گیا۔ کسی وقت وہ خیال دور نہیں ہوتا۔ فرمایا: یہ خیال درجہ اولیٰ ہے۔ اس پر گناہ نہیں۔ تم اپنے فعل کے مکلّف ہو۔ ان خیالات کا مرتبۂ ظہور میں آ جانا تمہارا فعل ہے۔ جب تک یہ نہیں،

مطلق گناہ ومواخذہ نہیں۔ اگر ساری عمر بھی طبیعت اپنا کام کئے جاوے تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔

۴) چوتھا علاج دعا۔

عرض کیا: کوئی وظیفہ ایسا بتا دیجیے جس سے یہ بلا دور ہو جاوے۔ فرمایا: وظیفوں سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ علاج وہی ہے جو میں نے بتایا۔ بجائے وظیفہ کے دعا کیجیے۔ ہمت سے کام لیجیے۔ اور دوسرے کسی کام میں لگ جایا کیجیے۔ اور حق تعالیٰ سے بالحاح وزاری دعا مانگا کیجیے، کہ مجھے ان آفات سے محفوظ رکھے۔ دعا سے یقیناً اثر ہوتا ہے۔ ہر مشکل میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ (جلد ۲۹۔ ص:۱۳۱)

اکابر نے شغل لطائف بالقصد چھوڑا ہوا ہے:

[ایک صاحب حضرت کے یہاں آئے۔ اور شکوہ کیا کہ یہاں شغل لطائف نہیں ہے۔ مگر حضرت سے استفسار کیے بغیر چلے گئے]۔ حضرت والا کو افسوس رہا کہ مجھ سے انہوں نے دریافت نہ کیا، ورنہ میں انہیں سمجھا دیتا کہ ذکر لطائف بالقصد چھوڑا ہوا ہے۔ قطب عالم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ آج کل شغل لطائف حجاب عن المقصود ہے۔ اور پھر [حضرتؒ نے] اس کی تفصیل مبسوط فرمائی۔ (جلد ۲۹۔ ص:۱۵۸)

معجزات اور معراج پر اعتراض کا اصولی جواب:

میں ایک دفعہ رام پور گیا۔ مدار المہام صاحب کے یہاں قیام تھا۔ ایک صاحب شاہی خاندان کے تشریف لائے (یہ لوگ وہاں صاحبزادے کہلاتے ہیں) اور مجھ سے ملے۔ اور باتوں میں یہ بھی پوچھا کہ جناب کی تحقیق معراج کے بارہ میں کیا ہے؟ میں نے کہا یہ سوال ہی آپ کا ٹھیک نہیں۔ ایک پابند مذہب سے اس پوچھنے کے کیا معنی کہ فلاں مذہبی مسئلہ میں تیری کیا تحقیق ہے؟ اس کی وہی تحقیق ہوگی جو مذہب کی ہوگی۔ ...... میری بات کا جواب تو دیا نہیں۔ اپنی ہی ہانکنے لگے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جسد عنصری کا اوپر کو اٹھنا کیسے ممکن ہے؟ ...... میں نے سکوت نہیں کیا۔ اور کہا کہ یہ (جسد عنصری کا اوپر جانا) محال ہے یا ممکن مستبعد ہے؟ [مستبعد ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کا ہونا لوگ مشکل اور خلاف قیاس سمجھتے ہوں] کہا: محال ہے؟ مجھے افسوس آیا کہ ان کو محال اور ممکن کی تعریف تک نہیں آتی اور تحقیق کے مدعی ہیں۔ اور بحث کرنے کو تیار ہیں۔ میں نے ان سے کہا محال کس کو

کہتے ہیں؟ اور ممکن اور مستبعد کی تعریف کیا ہے؟ ان کو بیان کیجیے۔

...... میں نے اس کے معنی بیان کئے کہ محال اس کو کہتے ہیں جس کے ناممکن ہونے پر کوئی دلیلِ عقلی قائم ہو۔ اور ممکن وہ ہے جس کے امتناع پر کوئی دلیل عقلی قائم نہ ہو۔ اور ممکن کبھی مستبعد ہوتا ہے۔ اور [مستبعد] وہ ہے جس کا وقوع خلافِ عادت ہو۔ اور کبھی مستبعد نہیں ہوتا، جیسے تمام ممکنات جو دن رات دیکھے جاتے ہیں۔ فلسفی کے نزدیک مستبعد محال نہیں ہوتا، خواہ ساری عمر ایک بھی نظیر اس کی دیکھی نہ گئی ہو۔ جب اس سے پوچھا جائے گا کہ اس کا وجود ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو یہی کہے گا کہ ہاں ہوسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب ایک چیز کو محال کہا جاوے تو اس کے امتناع کی کوئی دلیل عقلی ہونی چاہیے۔ اور اگر دلیلِ عقلی قائم نہ ہو تو وہ چیز ممکن رہے گی۔ خواہ مستبعد ہی ہو۔

تو اس قاعدہ سے دلیل آپ کے ذمہ ہے نہ ہمارے ذمہ۔ اگر آپ دلیل قائم نہ کرسکیں تو ہمارا مدعا یعنی معراج کا امکان ثابت ہو جائے گا۔ اگر آپ کو معراج کے ہونے میں شک ہے تو امتناع [یعنی اس کے محال اور ناممکن ہونے] پر دلیل قائم کیجیے، ورنہ ہمارے قول کو مان لیجیے، اگر آپ فلسفی ہیں اور حجت اور دلیل کو سمجھتے ہیں۔ بس صاحبزادے صاحب حیرت میں تھے۔ جواب کچھ بھی نہ تھا۔

...... یہ فلاسفرانِ زمانہ کی عقلیں ہیں۔ دوسرے کی نہ سمجھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ اپنی ہی کہے جاتے ہیں اور پھر اپنے ہی آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں۔ (جلد ۲۹۔ ص: ۱۷۳۔۱۷۴)

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کا زہد:

مولوی رحمۃ اللہ صاحب مہاجر بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ کو [خلیفۂ عثمانی] حضرت سلطان المعظم عبدالحمید خان نے بلایا تو اس درجہ اکرام کیا کہ کسی بادشاہ کا بھی اتنا اعزاز نہ ہوتا تھا۔ جس کی نسبت ایک سلطنت کے سفیر نے لکھا تھا کہ ایک عالم یہاں آئے جن کا اس قدر اعزاز ہوا کہ کبھی کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کا بھی نہیں ہوا۔ اور سلطان نے عہدہ اور مال دینا چاہا مگر...... کچھ قبول نہ کیا۔ حتیٰ کہ سلطان نے مدرسہ کی خدمت کرنا چاہی وہ بھی منظور نہیں کی۔ ہاں سلطان نے مولوی صاحب کو قضا کی سند عطا فرمادی تھی۔ وہ محض تبرک کے طور پر لے لی تھی۔ جس کی رو سے مولوی صاحب جب چاہتے قاضی بن سکتے تھے۔ مولوی صاحب کو شوق اس کا بھی نہ تھا، صرف تبرکاً لے لی تھی۔ (جلد ۲۹۔ ص: ۱۷۷)

مال حرام کا اثر:

مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک رئیس کے یہاں سے لڈو آئے۔ ایک میں نے کھالیا، وہ کھاتے ہی قلب میں سخت ظلمت پیدا ہوئی۔ اور ہر وقت یہ وسوسہ پیدا ہوتا تھا کہ کوئی خوبصورت عورت ملے کہ اس سے زنا کروں۔ اسی حالت میں ایک مہینہ گزر گیا۔ میں روتا تھا اور توبہ کرتا تھا کہ الٰہی یہ کیا ہوگیا۔ (جلد ۲۹۔ص:۱۸۵۔۱۸۶)

عورت مہر معاف بھی کردے تب بھی دینا چاہئے:

میرے گھر میں کا مہر پانچ ہزار تھا اور انہوں نے معاف کر دیا۔ میں نے کہا یہ تمہارا فعل تھا۔ اور میرا فعل یہ ہے کہ میں ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اتنی قیمت کا مکان دیا اور کچھ نقد بھی دیا۔ اب مکان مسکونہ خالص ان کی ملک ہے جو چاہیں کرسکتی ہیں۔ اور پھر مجھ کو یہ بھی احسان گوارا نہیں ہوا کہ ان کے مکان میں رہوں۔ اس لیے پانچ سو روپے اور زائد دے دیے ہیں۔ جسکو میں نے بطور کرایہ سمجھا ہے۔ گو ان سے اسکا اظہار نہیں کیا، کہ یہ کرایہ ہے۔ کیونکہ موجب دل شکنی ہے۔

(جلد ۲۹۔ص:۲۳۸)

خادم کے ساتھ حسن سلوک:

حضرت پیرانی صاحبہ اپنے بھائی کے یہاں گئی ہوئی تھیں۔ مکان میں حضرت والا کے خادم نیاز خان کی بی بی آ گئی۔ جب مکان میں اتر گئی۔ تو معلوم ہوا کہ راستے میں اس کا کوئی زیور گر گیا۔ تو نیاز اسکے ڈھونڈنے کے لیے چلے۔ عشا کے قریب کا وقت تھا۔ بندہ اور حضرت والا بیرونی مکان میں تھے۔ حضرت والا نے نیاز خاں سے فرمایا کہ تم جاتے ہو، اتنے بڑے مکان میں بہو اکیلی ڈرے گی۔ لہذا یوں کرو کہ میں دروازہ پر بیٹھ جاتا ہوں۔ بہو سے کہو، بیرونی مکان میں آ جائے۔ اور دروازے اندر سے بند کرلے۔ جب تک تم لوٹ کر آؤ گے میں بیٹھا رہوں گا۔ بندہ نے عرض کیا حضرت خدام کس واسطے ہیں۔ حضور والا مدرسہ تشریف لے جاویں۔ بندہ دروازہ پر بیٹھا رہے گا۔ فرمایا: نہیں اس میں کیا حرج ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ کام خادموں ہی کے لیے چھوڑ دیجیے۔ فرمایا

کہ اگر ایسا ہی اصرار ہے تو آ ؤ، ہم تم دونوں بیٹھیں۔ بندہ نے چارپائی بچھادی اور دونوں بیٹھ گئے۔ اور جب تک نیاز خاں لوٹ کر آئے مزہ کی باتیں ہوتی رہیں۔ (جلد۲۹۔ص:۲۵۴۔۲۵۵)

حضرت کی تواضع اور فنا:

......بعض لوگ کرامتوں کو ڈھونڈا کرتے ہیں۔ اس پر ان کی نظر نہیں جاتی، جو سب سے بڑی کرامت ہے۔ دیگر کرامتوں کی نقل اہل باطل بھی کر لیتے ہیں۔ مگر یہ تواضع وہ کرامت ہے جس کی نقل اہل باطل تو درکنار کبھی اس شخص سے بھی نہیں ہوسکتی جس میں ذراسی کسر فنا میں باقی ہے۔

......راقم نے بچشم خود دیکھا ہے اور بہت سے اور بھی دیکھنے والے موجود ہونگے کہ حضرت والا کانپور میں قیام گاہ سے اسٹیشن کو چلے، تو دروازہ پر معززین اور عوام الناس کا ہجوم اتنا تھا کہ مصافحہ کرتے آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اور ریل نکل جانے کا احتمال ہوگیا۔ بالآخر گاڑی منگوادی گئی۔ تو یہ نوبت تھی کہ چار پانچ سو قدم تک سڑک پر جگہ نہ تھی۔ کوچبان چیختے چیختے تھک گیا مگر راستہ نہ ملتا۔ بمشکل وہاں سے گاڑی نکلی اور اسٹیشن پہنچے تو دیکھا کہ وہاں اس سے زیادہ مجمع موجود ہے۔ اور معلوم ہوا کہ کانپور کے دوسرے اسٹیشن پر اتنا ہی مجمع ہوگیا ہے۔ اس خیال سے کہ شاید یہاں سے سوار ہوں۔ بمشکل جان چھڑا کر پلیٹ فارم پر پہنچے، تو لوگ اس قدر بے قرار کہ ایک دم بلا ٹکٹ پلیٹ فارم پر گھس آئے۔ پھاٹک کا سپاہی دیکھتا ہے اور چیختا ہے، مگر نقار خانہ میں طوطی کی آواز ہے۔ حتیٰ کہ اسٹیشن ماسٹر تک نوبت آئی۔ اور اس نے آکر انتظام کیا۔ مگر کون سنتا ہے۔ آخر اس نے خوشامد سے کہا کہ اگر کوئی حاکم بالا آجاوے گا تو میرے اوپر آفت آجاوے گی۔ آپ لوگ از راہ مہربانی باہر چلے جائیں۔ تب بھی کچھ باہر گئے اور کچھ نہ گئے۔ جب تک کہ ریل چھوٹ نہیں گئی، تب تک یہی چپقلش تھی۔ بلکہ بعض لوگ دو دو تین تین اسٹیشن تک بھی ساتھ گئے۔ گویا **یوضع له القبول فی الأرض** کا پورا نظارہ تھا۔

جس شخص کو حق تعالیٰ نے یہ عزت دی ہو، اس کا اپنے نوکر کے سامنے نوکر بن جانا اور دروازہ پر بیٹھ جانا فنا نہیں تو کیا ہے؟ اور کرامت نہیں تو کیا ہے؟ تواضع اسی کو کہتے ہیں۔ اور عبدیت یہی ہے۔ اور کرامتیں سچی یا جھوٹی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ایں کرامت بزور بازو نیست۔

(جلد۲۹۔ص:۲۵۶)

خمخانۂ باطن

جامع: جناب وصل بلگرامی

بغض فی اللہ اور تواضع کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

بعض حالات محمودہ اور مذمومہ ایسے ملے جلے ہوئے ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ مثلاً گنہگار سے بغض فی اللہ کا بھی حکم ہے۔ اور اپنے کو سب سے کمتر جاننا بھی ضروری ہے۔ اب بعض لوگوں کی عقل میں نہیں آتا کہ گنہگار سے بغض فی اللہ کرتے ہوئے تکبر سے حفاظت کیونکر ہو سکتی ہے۔ یقیناً جب اس سے بغض ہوگا تو اپنے کو اس سے افضل جانے گا۔ یہی تکبر ہے جو حرام ہے۔

......مگر عارفین محققین نے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ گنہگار سے بغض ونفرت اور ملامت کے وقت تمہاری وہ حالت ہونا چاہیے جو حالت جلاد کی ہوتی ہے جبکہ بادشاہ اس کو شاہزادہ کے بید لگانے کا حکم دے۔ حکم کی وجہ سے شاہزادے کے بید ضرور لگائے گا۔ لیکن عین بید لگانے کی حالت میں اس کو یہ وسوسہ بھی نہ آئے گا کہ میں شاہزادے سے افضل ہوں۔ وہ اپنے کو بھنگی اور حقیر ہی سمجھے گا۔ اور شاہزادہ کو شاہزادہ ہی خیال کرے گا۔ اور بید لگانے میں اپنے کو معذور و مجبور جانے گا۔ بس یہی حال عارف کا ہوتا ہے، وہ اہل معصیت پر سیاست کرتے وقت محض حکم کی وجہ سے سب کچھ کرتا ہے۔ لیکن افضلیت کا اس کو وسوسہ بھی نہیں آتا۔

(جلد ۲۹۔ص: ۲۸۹۔۲۹۰)

حضرت حاجی امداد اللہ کا قلبی غناء:

ہمارے بزرگوں کی حالت ہمیشہ اسی طرح گزری ہے۔ خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت دن فاقہ میں گزارے ہیں۔ جب ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے کوئی حضرت کو جانتا بھی نہ تھا۔ نہ حضرت کے کمالات سے کوئی واقف تھا متواتر کئی دن فاقہ پر

فاقہ رہا۔صرف زمزم کا پانی پیتے رہے۔اور قلبی غناء میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ایک دن ایک سیٹھ کو حضرت کے چہرہ پر آثار ضعف دیکھ کر احساس ہوا کہ شاید یہ حالت فاقہ کی وجہ سے ہے۔اس نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو اپنی لنگی عطا فرمادیں حضرت نے یہ خیال فرما کر کہ ضرورت ہوگی لنگی دیدی۔اور نماز میں مشغول ہوگئے۔وہ شخص لنگی میں دو سو ریال باندھ کر سامنے رکھ گیا۔حضرت کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی کہ اس میں کیا ہے؟ نماز کے بعد ذکر میں مشغول ہوگئے۔لنگی اسی طرح رکھی ہوئی تھی نہ اس کو اٹھایا نہ سرکایا۔جب ذکر سے فارغ ہو کر چلتے وقت لنگی اٹھائی تو وزنی معلوم ہوئی۔دیکھا تو اس میں ریال تھے۔اب بھی وسوسہ نہ ہوا کہ یہ میرے واسطے ہدیہ ہے۔بلکہ یہ فرمایا کہ لوگ کیسے لاپرواہیں کہ امانت اس طرح سپرد کر کے چلے جاتے ہیں۔دوسرے کو خبر بھی نہیں کرتے۔بھلا اگر کوئی اٹھا کر لے جاتا تو میں کیسا شرمندہ ہوتا۔ایک دو وقت اس میں فاقہ کے اور گزر گئے۔اس رقم کو ہاتھ نہ لگایا۔دوسرے یا تیسرے وقت وہ سیٹھ صاحب پھر ملے تو حضرت نے شکایت کی کہ تم امانت رکھ گئے اور کہا بھی نہیں،تب اس نے عرض کیا کہ وہ تو حضرت کے لیے نذر ہے۔اس کو اپنے خرچ میں لائیں۔اس وقت فاقہ ٹوٹا۔اور حضرت نے وہ رقم خرچ کی۔

غالباً فاقہ کی نوبت تو اس کے بعد نہیں آئی،مگر مکان کی تکلیف بہت روز تک رہی۔کیونکہ حضرت کا اپنا کوئی ذاتی مکان نہ تھا۔ہندوستان کے رئیسوں نے جو وہاں رباطیں بنا رکھی ہیں ان میں سے کسی رباط میں قیام کر لیتے تھے۔اس میں یہ تکلیف تھی کہ موسم حج کے موقع پر جب اُن اطراف کے حاجی آتے جن کے وہ رباط تھے،تو مہتمم رباط حضرت سے کہتا کہ اب ہم کو رباط کی ضرورت ہے۔خالی کر دیجیے۔تو حضرت وہاں سے کسی اور رباط میں چلے جاتے۔اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔پھر حضرت نے اللہ تعالی سے دعا کی۔اور دعا میں بھی کوئی محل نہیں مانگا۔صرف یہ درخواست کی کہ مجھے ایسی جگہ عطا فرما دیجیے جہاں سے کوئی مجھے اٹھائے نہیں۔اسی زمانہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو واقعہ (۱) میں دیکھا کہ حضرت کو کچھ روپے اور کچھ پیسے عطا

---

(۱) [یعنی ایک ایسی حالت میں جو بیداری اور نیند کے بیچ کی تھی۔بعض اہل اللہ کو اس طرح کی حالت میں ارواح سے ملاقات ہوتی ہے]

کر رہے ہیں۔اور فرما رہے ہیں کہ ہم نے تمہارے ہاتھوں پر لاکھوں کا خرچ رکھا ہے۔حضرت کے قلب میں چونکہ فقر کی محبت اور باطن کی طلب مستحکم تھی،اسی حالت میں عرض کیا کہ حضرت میں اس کو کیا کروں گا۔مجھ کو تو حضرت کچھ اپنے سینے سے عطا فرمائیں۔میں دنیا نہیں چاہتا۔فرمایا: یہ بھی ہو گا۔اس کے چند ہی دن بعد ایک رئیس نے یہ مکان خرید کر جس میں حضرت کا قیام تھا حضرت کی نذر کر دیا۔اور قبالہ باقاعد لکھوا کر حضرت کے سپرد کر دیا۔اور حضرت نے فوراً اس کو وقف کر دیا اور یہ شرط کر لی کہ تاحیات میں خود منتفع ہوں گا۔ (جلد۲۹۔ص:۳۰۷۔۳۰۸)

ایک نوجوان مولوی کو اہم نصیحت:

مولوی عمر احمد صاحب [صاحبزادہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ] سے مخاطب ہوئے اور الفاظ زبان مبارک سے نکل کر اس طرح کانوں میں آنے لگے: تم جس جگہ جا رہے ہو وہاں تم اکیلے ہو گے۔نہ تمہارے سر پر کوئی بڑا ہو گا جس کا تم کو خوف ہو۔نہ کوئی ایسا چھوٹا ہو گا جس کا کچھ لحاظ ہو۔انسان کی اصلاح کے دو ہی طریقے ہیں۔یا سر پر کوئی بڑا ہو،یا ایسے چھوٹے ہوں جن کا لحاظ ہو کہ اگر میں جادۂ اعتدال سے ہٹوں گا تو یہ لوگ مجھ پر نکیر کریں گے، مجھے بدنام کریں گے۔اور جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں، وہاں انسان کو بہت سنبھل کر رہنے کی ضرورت ہے۔وہاں ذرا سی بے فکری اور غفلت سے حالت میں بڑا انقلاب ہو جاتا ہے۔بس اس کی ضرورت ہے کہ جہاں رہو اپنے بزرگوں کے طریقہ پر رہو۔اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بزرگوں کا نمونہ تمہارے سامنے رہے۔بس ہر بات میں اس نمونے پر چلتے رہو۔وضع قطع، رفتار، گفتار، سب ان کے طرز پر ہو۔آج کل کے نئے طریقوں سے بالکل دور رہو۔عزت اسی میں ہے کہ بزرگوں کے طریقہ پر رہو۔ (جلد۲۹۔ص:۳۱۱)

مولوی عمر احمد وعظ کہا کریں:

پھر ارشاد فرمایا کہ مولوی محمد عمر احمد کو میں تاکید کرتا ہوں کہ یہ وعظ کہنا شروع کریں۔جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں قرآن شریف یا حدیث کی کوئی کتاب ہاتھ میں لے کر بیان کیا کریں۔ایک دو آیتیں یا کوئی حدیث پڑھی،اس کا ترجمہ اور مطلب بیان کیا۔اور جو مضمون اس کے

متعلق ذہن میں آیا بیان کردیا۔ پھر آگے چل پڑے۔اس طرح ایک ہی ہفتے میں ان شاء اللہ استعداد ہو جائے گی۔ (جلد۲۹۔ص:۳۱۹)

ایک کیفیت جلال اور خدام کی فہمائش:

[ایک جگہ سے جلسہ میں حضرت والا سے شرکت کی درخواست کی گئی۔حضرت کی رائے نہیں ہوئی۔بعض خدام نے خط کا جواب لکھا۔حضرت نے جواب دیکھ کر کچھ مصالح کی بنا پر جواب بھی بھیجنا مناسب نہیں سمجھا۔اوران خدام سے ان مصالح کی تفصیل بیان کی۔مگران لوگوں کی رائے ہوئی کہ نہیں حضرت کا جواب جانا چاہیے۔اس کا حضرت کو علم ہوا۔جس کے تذکرہ سے] حضرت والا پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔جو کچھ میں کہتا ہوں سمجھ کے کہتا ہوں۔غور کرنے کے بعد کہتا ہوں۔متعدد بار تجربہ ہو چکا ہے۔وہی ہوا جو میں نے کہا تھا۔ پھر بھی نہیں سمجھتے۔میں نے اپنے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ان کی صحبت اٹھائی ہے، جو کچھ وہ فرماتے تھے خداوند کریم کے فضل سے پورا ہو کر رہتا تھا۔ان کی نظر خدا کی مرضی پر تھی۔اور یہی وجہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالی ان کے ہر کام میں برکت اور کامیابی عطا فرماتے تھے۔وہ جو کرتے یا کہتے تھے، خدا کی رضا سے کہتے تھے۔اس سے وہ ہمیشہ غالب رہتے تھے۔(اب لہجے میں تیزی ہوگئی تھی۔بیان میں کوئی دوسری قوت کارفرما تھی۔آواز بلند تھی۔چہرۂ مبارک اور سراقدس پسینہ سے تر تھا۔یہاں تک کہ عمامہ عالی اتار کر رکھ دیا گیا تھا۔اسی مضمون کے تحت میں عجیب جوش، عجیب کیفیت اور عجیب جذبہ کی حالت میں ایک ایسی تقریر فرما رہے تھے، جو کسی طرح تحریر میں نہیں آسکتی۔جناب مولانا ظفر احمد صاحب بھی بے تاب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کر آگئے تھے۔عجب سماں تھا، عجب منظر تھا، عجیب کیفیت تھی۔تمام فضا جوش سے بھری ہوئی تھی۔معلوم ہوتا تھا در ودیوار کیا کل کائنات لرزاں ہے۔

یہاں تک کہ بے ساختہ زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے کہ) جس طرح حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے نہیں پہچانا۔خدا معاف کرے، خدا معاف کرے، مجھ کو بھی نہیں پہچانا۔میں کس طرح ان بزرگوں کو سامنے لا کر دکھا دوں۔میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے، اِن

کی آنکھوں کے سامنے کسی طرح کردوں۔ یہ میرے سامنے کے بچے ہیں۔انہوں نے ان بزرگوں کونہیں دیکھا جن کو میں نے دیکھا ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اپنے بزرگوں ہی کے طریقہ پر چلا جاؤں۔ان کے طریقہ سے ہٹنا مجھے سوہان روح ہے۔اور اللہ تعالی کا یہ بڑا فضل وانعام ہے کہ جن بصیرت والوں نے میرے بزرگوں کو دیکھا ہے،انہوں نے مجھے دیکھ کر شہادت دی ہے کہ میں اپنے بزرگوں کے طریقہ پر ہوں۔ الحمدللہ کہ یہ نعمت حق تعالی نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ میں اس کو کسی طرح ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میرے بزرگوں کا یہ خاص طرز تھا کہ خواہ مخواہ کسی سے الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ کوئی ضرورت اور مجبوری آپڑے تو خیر۔اسی طرز کے موافق میں نے یہ کہا تھا کہ اس خط کا جواب دینا مصلحت نہیں ہے۔ ان کو کس طرح بتاؤں کہ میرے بزرگوں کا کیا ارشاد ہے؟ وہ کیا فرما رہے ہیں؟ ان کے فرمانے کا منشاء کیا ہے؟ میں جو کچھ کہتا ہوں اپنے بزرگوں کے ایماء کے مطابق،ان کے طریق پر نظر کرتے ہوئے۔

(اور نہ جانے کیا کیا ارشاد فرماتے رہے۔ جناب مولانا ظفر احمد صاحب پر خوف کا غلبہ تھا۔ میری [یعنی جناب وصل بلگرامی کی، جو اس حصۂ ملفوظات کے جامع تھے] حالت غیر تھی۔ دہشت سے کانپ رہا تھا۔ یہاں تک کہ رونا آ گیا)۔ارشاد فرمایا کہ یہ وقت رونے کا نہیں ہے خوش ہونے کا ہے۔اس کے بعد پھر اسی جوش کی حالت میں تقریر فرماتے رہے۔مگر یہاں کس کو ہوش تھا جو وہ سب الفاظ یاد رکھتا۔ کس کے حواس تھے جو پوری تقریر بھی سمجھ سکتا۔ الفاظ نکل رہے تھے اور کانوں میں پڑ رہے تھے۔مگر پتہ نہیں چلتا تھا کیا تھے۔ دماغ سمجھنے سے قاصر تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اگر کچھ دیر اور تقریر جاری رہتی، یہی عالم رہتا تو نہ معلوم کیا حال ہو جاتا۔ نہ یہ حالت کبھی دیکھی۔ نہ یہ منظر کبھی سامنے آیا۔

پھر بعد کے حالات نے حضرت کی رائے کی تصدیق کر دی۔اس جلسہ مذکورہ کے بعد، جس میں حضرت والا کو دعوت شرکت دی گئی تھی،قریب ہی ایک سخت ناگوار واقعہ پیش آیا جس کو عام نظروں میں اس جلسہ کی تقریروں کا اثر سمجھا گیا۔اس وقت عین الیقین کے درجہ میں سب کی سمجھ میں آیا کہ جواب کا نہ جانا اور مضمون نہ بھیجنا عین مصلحت تھا۔ (جلد ۲۹۔ص:۳۲۷۔۳۲۸)

اکابر کی شانِ کمال:

ہمارے بزرگوں کی دوسری شان تھی۔ وہاں عجز تھا۔ انکسار تھا۔ بھلا ممکن تھا کہ وہ اپنے معتقدین یا متوسلین کو خادم کہہ کر پکارتے۔ وہ تو اپنے خادموں کو مخدوم سمجھتے تھے۔ وہ اتباع رسول میں فناء تھے۔ ان کا اخلاق وہ تھا جو ہمارے رسول ﷺ کا تھا۔ وہ محقق تھے وہ کامل تھے۔

(جلد۲۹۔ص:۳۴۳)

حالت قبض کا عمل:

فرمایا سالک کو جب کبھی قبض ہو ہمیشہ استغفار و توبہ میں مشغول ہونا چاہیے۔ کیونکہ اکثر اوقات یہ قبض گناہوں سے ہوتا ہے۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ ہر قبض میں استغفار کرے۔ اگر گناہ کی وجہ سے ہوگا تب تو رفع ہو جائے گا۔ ورنہ تو کوئی خرابی تو ہے ہی نہیں، کسی صورت میں مضر تو ہے ہی نہیں۔...... پھر فرمایا کبھی قبض محض شیخ کی تسلی سے بھی رفع ہو جاتا ہے۔ (جلد۲۹۔ص:۴۳۱)

☆☆☆

انتخاب ملفوظات حکیم الامت

جلد ۳۰

چند سفر نامے، حسن العزیز، الرقیم الجلیل

ایک انگریز صاحب ارادت کا خانقاہ میں قیام:

شیخ فاروق احمد صاحب (متوطن لندن) تھے۔ جنھوں نے ابھی دو سال ہوئے اسلام قبول کیا۔ جس کی بڑی وجہ، منجملہ دیگر کتب تصوف و تذکرہ ہائے اولیائے کرام کے مطالعہ کے، جو ترجمہ ہو کر انگریزی میں موجود تھے، حضرت والا کی تصنیفات کا مطالعہ بھی تھا، جن کا ترجمہ انگریزی میں ہو گیا تھا۔ اور ان کو لندن میں دستیاب ہو سکی تھیں۔ شیخ فاروق احمد صاحب کو حضرت والا کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ خدا نے ذرائع پیدا کر دیے اور وہ ہندوستان آئے۔ اور ریاست بہاولپور میں مقیم ہوئے۔ وہاں سے وہ اپنے دل میں قدیم اسلام کی معاشرت و تمدن، اسی زمانے کی تعلیم، عمل و تربیت دیکھنے کے جذبات لیے ہوئے تھانہ بھون حاضر ہوئے۔ خیال تھا کہ وہ اپنے وطنی اور قومی لباس میں ملبوس ہوں گے۔ وہیں کی وضع قطع ہوگی۔ سوٹ، بوٹ ہوگا۔ ہیٹ ہوگی۔ داڑھی صاف اور معاشرت انگریزی ہوگی۔ لیکن جب ان کا نورانی چہرہ سامنے آیا اور وہ اپنے مجسمے کے ساتھ نمودار ہوئے تو معلوم ہوتا تھا کہ آسمان خانقاہ امدادیہ کے درخشاں ستارے ہیں۔ وہی وضع قطع، وہی لباس جو یہاں کا ایک تعلیم یافتہ نئی روشنی والوں میں بھی اختیار کر سکتا ہے۔ سر پر ترکی ٹوپی، بجائے قمیص کے کرتہ، بجائے کوٹ کے شیروانی، بجائے پتلون کے شلوار اور بجائے بوٹ یا شو کے پنجابی نوکدار جوتا تھا۔ داڑھی

نکل نکل کر چہرے کو نور علی نور بنا رہی تھی۔ ان کے پکے اور خوبصورت چہرے کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ بہت غور وفکر کے بعد یہ کہا جا سکتا تھا کہ شاید یہ ترک ہوں۔ اور ہندوستان میں مدت سے رہنے کی وجہ سے ایسا لباس اختیار کر لیا ہو۔ مگر ان میں بجز زبان اور لہجے کے کوئی بات ایسی نہیں معلوم ہو سکی جس سے یہ کہا جا سکتا کہ یہ لندن کے باشندے ہیں۔ خانقاہ امدادیہ کے برکات نے ترکی ٹوپی بھی چھڑا دی اور بجائے ترکی ٹوپی کے وہ ہندوستانی دو پلی ٹوپی پہننے لگے۔ بجائے معمولی کرتے کے ان کو نیچا اور ڈھیلا کرتا پسند آیا، جو شیروانی کا کام بھی دیتا تھا۔ خیال تھا کہ وہ ہندوستانی مکانوں بالخصوص مدرسوں اور خانقاہوں کے اجابت خانوں میں جانا پسند نہ کرتے ہوں گے۔ ان کی عادت کے خلاف ہوگا اور ان کو تکلیف ہوگی۔ اس لیے ان کے لیے ایسا مکان تجویز کیا گیا جس میں انگریزی اور ہندوستانی دونوں قسم کی معاشرت کا سامان موجود تھا۔ لیکن جب وہ آئے تو پہلے ان کو دو مکان اور پھر خانقاہ کے حجرے اور اجابت خانے بھی دکھائے گئے۔ لیکن انہوں نے کسی طرح اس مکان میں ٹھہرنا پسند نہیں کیا، بلکہ خانقاہ ہی کے حجرے کو اپنے لیے باعث برکت قرار دیا۔ لیکن مستقل قیام کے خیال سے بعد کو جناب مولوی شبیر علی صاحب کے مکان کے کمرے میں منتقل ہو گئے۔ کھانا بالکل ہندوستانی، نہ کانٹا نہ چھری، نہ میز نہ کرسی، وہی زمین یا تخت، وہی چٹائی یا فرش۔ غرض جو ادا تھی خاکساری، منکسر المزاجی، نیک منشی، اور پاکیزہ خیالی کا مکمل نمونہ تھی۔ ان کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ انہوں لکھنؤ رہنا صرف اس وجہ سے پسند نہیں کیا کہ وہاں کا تمدن لندن کی طرح پایا۔ وہی بے پردگی، وہی بے باکی، وہی آزادی، وہیں سے ملتی جلتی معاشرت۔ آخر شیخ فاروق احمد صاحب کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا اور تھانہ بھون ایسے قصبے میں جہاں روز مرہ کی ضرورتوں کے کل سامان بھی نہ مل سکتے ہوں، رہنا منظور کیا۔ باوجود اردو فارسی اور عربی نہ جاننے کے صرف حضرت والا کی مجلس گرامی میں حاضری دینے، حضور کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کانوں میں پڑنے، حضور کے رخ انور پر نظر جانے اور باطنی توجہ اور فیوض و برکات کے اثر سے جس قدر ان کو تسکین ہوئی اور استفادہ حاصل ہوا، اس کی کیفیت وہ خود ہی بیان کر سکتے ہیں۔ مجھ سے نہ ان کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہو سکتی ہے اور نہ میرے قلم سے ان کے پر ذوق الفاظ ادا ہو سکتے ہیں۔ ان کے زمانہ قیام میں ان کے خیالات، ان کے

احساسات، ان کے جذبات اور کیفیات اور مختلف سوالات کا اظہار حضرت والا سے کیا گیا اور حضرت والا کے جوابات اور ملفوظات کی ان سے ترجمانی کی گئی، اس سے جوان کو فوائد حاصل ہوئے اور مفید نتائج مرتب ہوئے وہ حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔ نہ شیخ فاروق احمد صاحب ہی اس وقت موجود ہیں۔ جن سے یہ کام لیا جاتا۔ (جلد ۳۰۔ص: ۲۷۔۲۹)

پریشان کن خواب کا علاج:

اول تو ہم جیسوں کے خواب ہی کیا؟ اور بالفرض اگر خواب ہی ہو، تو تعبیر میں بہت سے احتمالات ہوسکتے ہیں۔ پھر پریشانی بے بنیاد۔ ایسے خواب کے بعد استعاذہ واستغفار کافی ہے۔ پھر مضر خواب کا بھی ضرر نہیں ہوتا۔ (جلد ۳۰۔ص: ۴۲)

قبض کی حقیقت اور علاج:

[ایک صاحب نے سوال کیا کہ:] ذکر کی طرف رغبت نہیں رہی۔ بلکہ گناہوں کی طرف میلان بہت ہوتا ہے۔ اس سے پہلے مجلس مبارک میں [اور] حضرت جو کلام الٰہی نماز میں پڑھتے ہیں سننے میں، بہت ذوق ہوتا تھا۔ کبھی بطریق محبت اور کبھی بخیال خوف۔ مگر اب بالکل حالات سابق نہیں رہی۔ دل مردہ ہوگیا ہے۔

جواب:- یہ حالت قبض کہلاتی ہے۔ یہ کبھی معاصی کے اثر سے ہوتا ہے۔ اور ایسا کم ہوتا ہے۔ مگر احتمال پر استغفار ضروری ہے۔ اور اکثر ملالِ طبعی [کی وجہ سے]، یعنی ایک کام کرتے کرتے طبیعت اکتا جاتی ہے۔ یہ نہ محمود ہے نہ مذموم۔ اور یہ از خود رفع ہوجاتا ہے۔ اور کبھی امتحانِ محبت ہوتا ہے، کہ یہ سخت عمل لذت کے لیے کرتا تھا یا ہمارے حکم سے؟ اور یہ حالتِ رفیعہ [یعنی اونچی] ہے۔ اس پر صبر وشکر کرنا چاہیے۔ یہ ذرا دیر میں مرتفع ہوتا ہے، مگر ہوجاتا ہے۔ (جلد ۳۰۔ص: ۴۵)

اصل ذکر ہے، فکر اصلاً مقصود نہیں:

فکر کی مستقلاً ضرورت نہیں۔ صرف استدلال علی الصانع [یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال] کے لیے فکر فی المصنوع [یعنی مخلوق میں غور] مطلوب ہے ورنہ اصل مقصود ذکر ہی ہے۔ (ص: ۵۲)

اجازت بیعت کا ایک نمونہ:

از اشرف علی۔ مشفقم مولوی فقیر محمد سلمہ اللہ تعالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بے ساختہ میرے قلب میں وارد ہوتا ہے، کہ تم کو بیعت اور تلقین کی اجازت توکلاً علی اللہ تعالی دے دوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی تم سے نفع پہنچاوے۔ سو اگر تم سے کوئی طالب بیعت اور تلقین کی درخواست کرے تو تم انکار نہ کرنا۔ ان شاء اللہ تعالی جانبین میں برکت ہوگی۔ اور اپنے خاص خیر خواہوں کو اس اجازت کی اطلاع کر دینا۔ اور اپنا پتہ جس سے ڈاک میں خط پہنچ سکے، لکھ کر میرے پاس بھیج دینا۔ میں اہل اجازت کے پتے اپنے پاس منضبط رکھتا ہوں۔ اور موقع پر شائع کر دیتا ہوں۔ والسلام۔ (جلد ۳۰۔ص:۵۴)

خاصان خدا کی مجلس کے اثرات:

مولانا خیر محمد صاحب فرماتے ہیں کہ [لاہور میں] جس مکان میں حضرت والا نے قیام فرمایا تھا، بلا مبالغہ تقریبا ایک مہینے تک اس کے درو دیوار سے انوار محسوس ہوتے رہے۔ نیز ایک عالم حقانی نے (جو دوسرے شیخ سے ایک زمانے سے تعلیم سلوک بھی حاصل کر رہے ہیں) بیان کیا کہ حضرت کی نظر فیض اثر میں ایک نور اور رعب ایسا تھا کہ جب آپ کسی طرف مجلس میں نظر اٹھاتے، تو میرا کلیجہ بیٹھنے لگتا تھا۔ اور دل میں خوف طاری ہو جاتا تھا۔ ایک اسکول ماسٹر نے بھی بعد میں کہا کہ میں حضرات دیوبند کے اعقائد سے متنفر تھا۔ لیکن حضرت والا کے چہرۂ انور کی زیارت کرتے ہی تمام شکوک رفع ہو گئے۔ اور عقائد کی اصلاح ہوگئی۔ اب انہوں نے حضرت والا کے مواعظ کا مطالعہ شروع کر دیا ہے۔ مکاتبت بھی ہونے لگی ہے۔ اور معاصی سے توبہ کر کے داڑھی بھی رکھ لی ہے۔

یہ ہیں وہ اثرات جو خاصان خدا کی مقدس صحبت ان کی بابرکت مجلس اور ان کی زیارت سے بغیر ان کے ارادے اور قصد کے ظاہر ہوتے ہیں۔ اہل طلب کے قلوب کی بہ یک نظر اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور ان کو پہلے ہی جام میں وہ کیف حاصل ہو جاتا ہے، جو برسوں کی بادہ نوشی میں بھی ممکن نہیں اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا سے کیا ہو جاتے ہیں۔ (جلد ۳۰۔ص:۷۷۔۷۸)

تعصب کے متعلق ایک اہم سبق:

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عالم سے مخالفت تھی۔ وجہِ مخالفت یہ تھی کہ ان عالم صاحب نے ان کے پیر حضرت ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ کا رد کیا تھا۔ شیخ اکبر کو عالم خواب میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تجھ کو فلاں عالم سے بغض ہے؟ عرض کیا جی، حضور۔ اس واسطے کہ ان کو میرے شیخ ابو مدین سے بغض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عالم کو ہم سے محبت ہے یا نہیں؟ عرض کیا: ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب اس میں دونوں تعلق ہیں، تو کیا وجہ تم نے اپنے شیخ کے بغض کے سبب سے تو اس سے بغض رکھا۔ اور ہماری محبت کی وجہ سے اس سے محبت نہ کی؟ اِس تعلق کا کیا حق ادا کیا؟ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہو کر اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے۔ اور فوراً ان عالم صاحب کے پاس جا کر معافی طلب کی۔ حضرت والا نے اس واقعے کو بیان فرما کر فرمایا کہ مجھ کو اس سے بے حد نفع ہوا ہے۔ غصہ اور رنج میں اعتدال ہو گیا۔ (جلد ۳۰۔ص:۸۱۔۸۲)

بدنگاہی کا علاج:

لاہور کے قیام کے زمانے میں ایک شخص کا خط آیا اس میں لکھا تھا۔ کہ نامحرم سے نظر کو روکنے میں بہت ہی تنگی اور گھٹن ہوتی ہے۔ گو بہت روکتا ہوں، مگر نظر اٹھ ہی جاتی ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ اب تم یہ دیکھ لو کہ یہ آسان ہے، یا عذابِ جہنم؟

اور اس پر کہ نظر اٹھ ہی جاتی ہے تحریر فرمایا "کیوں جھوٹ بولتے ہو"۔ [یعنی خود بلا اختیار تو نہیں اٹھتی، اٹھانے سے اٹھتی ہے۔]

(جلد ۳۰۔ص:۸۳)

☆☆☆





MALFOOZAT-RS-600